سرخ و سیاہ

(ایک جلد میں مکمل)

ستاں دال — محمد حسن عسکری

زندہ

کتابیں

یہ عظیم ناول ایک جوان پادری کے عشقیہ کارناموں کے روپ میں دورِ حاضر کے انسان کے دل و دماغ کا منہ بولتا آئینہ ہے

7.00

مکتبۂ جدید

سُرخ و سیاہ

مصنّف: ستاں دال
مترجم: محمد حسن عسکری

مکتبہ جدید
چوک انارکلی لاہور

اردو ایڈیشن بار پہلا ۱۹۶۲ء

پبلشرز : چودھری رشید احمد، مکتبہ جدید لاہور
پرنٹرز : نقوش پریس لاہور

پہلی جلد

صداقت، چاہے وہ بدمزہ ہی کیوں نہ ہو! صداقت!

دانتون

پہلا باب

ایک چھوٹا سا شہر

کئی ہزار آدمیوں کو ایک ساتھ بند کر دو تو ویرانی تو کم ہو جاتی ہے مگر
پنجرے میں پہلا سا مزا نہیں رہتا۔ ہوبز

یہ چھوٹا سا شہر ویریئیر فرانش کونتے والے علاقے کے سب سے خوبصورت
شہروں میں سے سمجھا جا سکتا ہے۔ یہاں سرخ کھپریل کی نوکیلی چھتوں والے مکان ایک
پہاڑی کے ڈھلان پر پھیلے ہوئے ہیں جس پر جگہ جگہ شاہ بلوط کے تنومند جھنڈ اُگے ہیں
اور پہاڑی کے ذرا ذرا سے نشیب و فراز کا پتا دیتے ہیں۔ پرانے زمانے میں اہلِ ہسپانیہ
والوں نے شہر کے گرد فصیل بنا دی تھی جس کے کھنڈر باقی ہیں۔ اس سے کئی سو فٹ
نیچے دریائے دُوب بہتا ہے

شمال کی طرف ویریئیر کی حفاظت کے لئے ایک اونچا سا پہاڑ ہے جو سلسلہ
کوہ ژورا کی ایک شاخ ہے۔ اکتوبر کی سردی شروع ہوتے ہی ویرا پہاڑ کی دندانے دار
چوٹیاں برف سے ڈھک جاتی ہیں۔ پہاڑ سے ایک تیز رو چشمہ نکلتا ہے جو دُوب میں

جا کر ملنے سے پہلے شہر میں سے ہو کر گزرتا ہے۔ اس چشمے کی مدد سے شہر میں لکڑی چیرنے کے بہت سے کارخانے چلتے ہیں۔ یہ بڑا سیدھا سادا کاروبار ہے اور اس کی بدولت یہاں کے باشندوں کی اکثریت کو جو دیہاتی طبقے کے نہیں بلکہ کسان مزدور ہیں تھوڑا بہت آرام نصیب ہو جاتا ہے۔ مگر اس چھوٹے سے شہر کی دولت مندی کا باعث یہ کارخانے نہیں ہیں۔ یہاں چھینٹیں بھی بنتی ہیں۔ اس صنعت کے طفیل شہر میں اتنی خوشحالی آگئی ہے کہ نپولین کے زوال کے بعد سے تو قریب قریب ہر مکان کا حلیہ بدل گیا ہے۔

شہر میں داخل ہوتے ہی ایک خوفناک قسم کی مشین کے شور سے کان پھٹنے لگتے ہیں۔ یہ مشین چشمے کے پانی کے زور سے چلتی ہے۔ اس میں ایک بڑا سا پہیہ ہے جس میں کوئی بیس پچیس بھاری بھرکم ہتھوڑے لگے ہوئے ہیں جو بار بار ایسے بھڑ بھڑ گرتے ہیں کہ پوری سڑک ہل جاتی ہے۔ ان میں سے ہر پہیہ خدا جانے کتنی ہزار کیلیں بناتا ہے۔ تر و تازہ چہروں والی خوبصورت لڑکیوں کی ایک پوری ٹولی ان زبردست ہتھوڑوں کے نیچے لوہے کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے رکھتی رہتی ہے جو فوراً کے فوراً کیلوں کی شکل میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ دیکھنے میں تو یہ کام بڑا بھدا ہے مگر یہ اُن صنعتوں میں سے ہے جن پر مسافر کو بڑی حیرت ہوتی ہے، خصوصاً اگر وہ فرانس کو سوئٹزرلینڈ سے الگ کرنے والے پہاڑوں میں پہلی دفعہ پہنچا ہو۔ ویریئر میں داخل ہو کر کوئی مسافر پوچھے کہ یہ نفیس کارخانہ جس کے شور سے بڑی سڑک پہ چلنے والوں کے کان پھٹے جاتے ہیں کس کا ہے تو اسے گھسٹتی ہوئی آواز میں جواب ملتا ہے "ادھو، یہ! یہ تو میئر کا ہے۔"

مسافر اس بڑی سڑک پر جو دریا کے کنارے سے تقریباً پہاڑی کی چوٹی تک جاتی ہے۔ دو چار منٹ کے لیے رک جائے تو سولہ آنے یقین ہے کہ اسے ایک لمبے قد کا آدمی آتا دکھائی دے گا۔ جس کی شکل سے ظاہر ہو گا کہ بڑا مصروف اور اہم شخص ہے۔ اسے دیکھتے ہی لوگ ٹوپیاں اتار اتار کر سلام کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس کے بال سفید ہوتے جا رہے ہیں، اور وہ لباس بھی خاکستری رنگ کا پہنتا ہے۔ اسے کئی خطاب مل چکے ہیں، ماتھا اونچا اور ناک ستواں ہے اور مجموعی حیثیت سے اس کا چہرہ ایک خاص قسم کی موزونیت سے خالی نہیں بلکہ پہلی دفعہ دیکھ کر تو یہ احساس ہوتا ہے کہ اس کے چہرے میں کسی گاؤں کے میئر کا سا وقار بھی ہے اور وہ دل کشی بھی جو چالیس یا پچاس سال کے آدمی میں بھی مل سکتی ہے۔ لیکن تھوڑی ہی دیر میں پیرس سے آنے والے کو خود اطمینانی اور خود کفالت کا سا انداز دیکھ کر چڑ ہونے لگتی ہے۔ جس میں کچھ محدود سی شخصیت اور قوتِ ایجاد کی سی کمی کے آثار جھلکتے ہیں۔ آخر میں یہ احساس ہوتا ہے کہ اس آدمی کا سارا ہنر بس اس بات پر ختم ہے کہ اگر کسی کے اوپر اس کا قرض ہے تو ایک ایک پائی وصول کر لے، اور اگر اس پر کسی کا قرض ہے تو جب تک ٹلایا جا سکے ٹالائے۔

تو یہ ہے وریئیر کا میئر موسیو درینال۔ گمبھیر چال سے چلتا ہوا سڑک پار کر کے وہ ٹاؤن ہال میں داخل ہوتا ہے اور مسافر کی نظروں سے چھپ جاتا ہے۔ لیکن اگر مسافر اپنی چہل قدمی جاری رکھے تو کوئی سو گز اوپر جا کے اسے ایک خاصا خوش نما مکان دکھائی دے گا اور مکان کے آہنی جنگلے میں سے بڑے شاندار باغیچے نظر آئیں گے اس سے آگے افق پر برگنڈی کی پہاڑیاں چھائی ہوئی ہیں جو ایسی معلوم ہوتی ہیں۔ جیسے آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچانے کے مقصد ہی سے بنائی گئی ہوں۔ یہ منظر دیکھ کر مسافر اس

چھوٹی چھوٹی کاروباری باتوں کی زہریلی فضا کو یکسر بھول جاتا ہے جس سے اس کا دم گھٹنے لگا تھا۔

لوگ اسے بتاتے ہیں کہ یہ موسیو ورینال کا مکان ہے۔ پتھر کے اس نفیس مکان کے لئے جو ابھی بن کر تیار ہوا ہے۔ سو یہ ویریئر کا میئر اس منافع کا مرہونِ منت ہے جو اس نے اپنے کیلوں کے زبردست کارخانے سے کمایا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا خاندان بہت پرانا ہے اور اصل میں اسپین کا ہے۔ ان لوگوں کا دعویٰ ہے کہ ہم لوئی چہاردہم کی فتح سے بھی بہت پہلے سے اس علاقے میں آباد ہیں۔

۱۸۱۵ء سے اُسے اپنے صنعت کار ہونے پر شرم آنے لگی ہے ۱۸۱۵ء میں وہ ویریئر کا میئر بنا تھا۔ اس کا شاندار باغ تختہ بہ تختہ دوب تک اترتا چلا گیا ہے۔ اس باغ کے مختلف حصوں کے پشتے بھی لوہے کی تجارت میں موسیو ورینال کی ہنرمندی کا انعام ہیں۔

فرانس میں وہ حسین باغ دیکھنے کی امید نہ رکھئے جو جرمنی کے صنعتی شہروں یعنی لیپ زگ، فرینک فرٹ، نیورمبرگ وغیرہ کے گرد نظر آتے ہیں۔ فرانش کونتے میں تو یہ حال ہے کہ آدمی جتنی دیواریں زیادہ بنائے، اپنی زمین میں پتھر پہ پتھر رکھ کے جتنے زیادہ ٹیلے کھڑے کرے۔ ہمسایوں کی عزت کا اتنا ہی زیادہ مستحق ٹھہرتا ہے موسیو ورینال کے باغیچے مارے دیواروں کے کھبوں کا چھتہ بنے ہوئے ہیں۔ اُن کی تعریف اس لئے اور بھی زیادہ کی جاتی ہے کہ جن چھوٹے چھوٹے قطعوں پر یہ باغیچے بنے ہیں۔ اُنہیں ورینال نے سونے کے مول خریدا ہے۔ مثلاً جب آپ ویریئر میں داخل ہوئے ہیں تو آپ کو دوب کے کنارے ایک بڑی عجیب سی جگہ وہ آرا مشین دیکھ کر حیرت

ہٹی ہوگی۔ جس کی چھت کے اوپر بڑے بڑے حرفوں میں "سوریل" کا نام لکھا ہے۔ چھ سال پہلے یہ آرا مشین اس جگہ تھی جہاں مو سیو وریناں کے باغ کے چوتھے تختے کی دیوار بن رہی ہے۔ اپنے غرور کے باوجود مئیر کو اس اڑیل اور ڈھیٹ کسان بڈھے سوریل سے کئی دفعہ سلسلہ جنبانی کرنی پڑی اور اُسے خالص سونے کی اشرفیاں دینی پڑیں، جب کہیں جاکر وہ اپنا کارخانہ ہٹانے کو راضی ہوا۔ رہا وہ پانی کا نالہ جس سے مشین چلتی تھی۔ تو مو سیو ریناں نے پیرس میں اپنے اثر و رسوخ کی بدولت اس کا رُخ پھیرنے کی اجازت حاصل کر لی۔ یہ رعایت اسے سنہ ۱۸۲۰ کے انتخابات کے بعد حاصل ہوئی۔

ایک ایکڑ کے بدلے میں اس نے سوریل کو چار ایکڑ زمین دی جو دوب کے کنارے سو گز آگے چل کر واقع تھی۔ حالانکہ یہ جگہ شاہ بلوط کے تختوں کی تجارت کے لئے بہت زیادہ فائدہ مند تھی۔ لیکن اس کے ہمسائے کو جائداد بنانے کا ایسا خبط اور ایسی بیتابی تھی کہ سوریل بابا نے (اب وہ مالدار ہو گیا ہے تو اس کا یہی نام پڑ گیا ہے) اس سے چھ ہزار فرانک اینٹھ ہی لئے۔

یہ ٹھیک ہے کہ اس خرید و فروخت پر مقامی دانش مندوں نے سخت نکتہ چینی کی۔ چار سال بعد ایک دفعہ ایسا ہوا کہ اتوار کے دن مو سیو ریناں مئیر کے لباس میں گرجا سے گھر واپس آ رہا تھا کہ اسے دور سے سوریل نظر آیا جو اپنے تینوں بیٹوں سمیت اُس کی طرف دیکھ دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ اس مسکراہٹ سے مئیر کی رُوح منور ہو گئی، اور وہ تڑپ اٹھا۔ اس دن سے وہ یہی سوچ رہا ہے کہ یہ سودا تو سستے داموں بھی ہو سکتا تھا۔

ویریئیر میں توقیر حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ دیواریں تو بہت سی بنائی

جائیں۔ مگر وہ عمارتی انداز اختیار نہ کیا جائے جو بہار کے موسم میں ژوپیا کی وادیوں میں سے گزر کر پیرس جاتے ہوئے معمار اٹلی سے اپنے ساتھ لاتے ہیں۔ اگر کوئی ناعاقبت اندیش مکان والا ایسی جرأت کر بیٹھے تو اس بدعت کے صلے میں وہ ہمیشہ کے لئے الٹی کھوپڑی کا مشہور ہو جائے گا اور جو سنجیدہ اور معتدل مزاج لوگ فرانسیس کو نتے میں عزت اور ذلت تقسیم کرتے ہیں اُن کے یہاں اُس کی کبھی بخشش نہیں ہو گی۔

درا صل۔ ہاں اُن سنجیدہ لوگوں کی انتہائی بیزار کُن آمریت قائم ہے۔ یہ اسی مکروہ لفظ کے سبب ہے کہ جو آدمی اُس عظیم الشان جمہوریہ میں جس کا نام پیرس ہے، رہ چکا ہو اُس کے لئے قصبوں میں ٹھیرنا دوبھر ہو جاتا ہے۔ فرانس کے قصبوں میں بھی رائے عامہ کی مطلق العنانی (اور رائے عامہ بھی کیسی!) اتنی ہی احمقانہ ہے جتنی امریکہ میں۔

دوسرا باب

ایک میئر

مرتبہ! کیوں، جناب، کیا یہ کوئی بات ہی نہیں، احمقوں کی عزت، بچوں کی حیرت، امیروں کا حسد، عقلمند آدمی کی حقارت۔

بارناؤ

قدرت کو یہی منظور تھا کہ موسیو ورینال کو ایک حاکم کی حیثیت سے نیک نامی حاصل ہو۔ دریائے ڈوب سے سو فٹ اوپر پہاڑیوں کے ساتھ ساتھ جو سایہ دار سڑک چلی گئی ہے۔ اس کے لیے ایک زبردست پشتے کی دیوار کی ضرورت پڑی۔ یہ جگہ ہی اتنی نفیس ہے کہ اس کی بدولت یہ سڑک فرانس کے حسین ترین مناظر میں سے شمار ہوتی ہے۔ لیکن ہر سال بہار کے موسم میں بارش کا پانی سڑک پر لہریں لینے لگتا تھا، گہرے گہرے گڑھے پڑ جاتے تھے اور سڑک استعمال کے قابل نہیں رہتی تھی۔ اس زحمت کا سامنا ہر ایک کو کرنا پڑتا تھا۔ مگر یہ زحمت موسیو ورینال کے لیے راحت بن گئی، کیونکہ اُسے مجبوراً ایک بیس فٹ اونچی اور تین سو اسی گز لمبی دیوار بنوانی پڑی اور ساتھ ہی اس کا عہدہ بھی لازوال بن گیا۔

اس دیوار کی منڈیر بنوانے کے لئے موسیو دینال کو تین دفعہ پیرس جانا پڑا۔
کیونکہ اس سے پہلے والے وزیرِ داخلہ کو ویریئیر کی سایہ دار سڑک سے للّٰہی بغض ہو گیا تھا
اب یہ منڈیر بھی موجود ہے اور زمین سے چار فٹ اونچی ہے اور گویا گذشتہ و موجودہ
سارے وزیروں کو منہ توڑ جواب دینے کے لئے آج کل اس میں تراشے ہوئے پتھر کی
سلیں لگائی جا رہی ہیں۔

کتنی دفعہ ایسا ہوا ہے کہ سرمئی پتھروں کی ان بڑی بڑی سلوں پہ جن میں ہلکی سی نیلاہٹ
ہے، کہنیاں ٹکا کر پچھلی رات چھوڑی ہوئی پیرس کی رقص گاہوں کے بارے میں سوچتے سوچتے
میں دوب کی وادی پر نظریں دوڑانے لگا ہوں۔ وہاں بائیں کنارے پہ پانچ چھ بل
کھاتی ہوئی گھاٹیاں ہیں جن کے دامن میں کئی کئی چھوٹے چھوٹے چشمے صاف نظر آتے ہیں
چٹانوں پہ سے کود کود کر یہ چشمے دریائے دوب میں جا ملتے ہیں۔ ان پہاڑوں میں دھوپ
بڑی تیز ہوتی ہے۔ جب سورج ٹھیک سر کے اوپر ہو تو اس چبوترے پر شاندار درختوں
کی ایک پوری قطار مسافر کو اپنی پناہ میں لے لیتی ہے۔ یہ درخت بڑی جلدی بڑھتے ہیں
اور ان کے ہرے ہلکے نیلے پیلے رنگ کے پتے بڑے پیارے لگتے ہیں۔ اس کی وجہ
یہ ہے کہ میئر کی لمبی چوڑی پشتے کی دیوار کے پیچھے جو جگہ ہے وہاں اس نے مصنوعی کھاد
بھروا دی ہے۔ شہر کی انتظامی مجلس کی مخالفت کے باوجود اس نے سڑک کو چھ فٹ سے
بھی زیادہ اور چوڑا کرا دیا ہے (حالانکہ وہ قدامت پسند جماعت کا ہے اور میں
آزاد خیال جماعت سے تعلق رکھتا ہوں، پھر بھی میں اس کے اس کام کی تعریف کرتا ہوں)
یہی وجہ ہے کہ خود اس کی اور ویریئیر کے محتاج خانے کے خوش قسمت نگراں موسیو والنو
کی رائے میں یہ زبردست چبوترا سین ژرمین آں لے کے چبوترے کا مدِ مقابل ہے۔

جہاں تک میرا تعلق ہے، مجھے تو "خیابانِ وفا" پر بس ایک اعتراض ہے (سٹرک کا یہ سرکاری نام پندرہ بیس جگہ سنگِ مرمر کی تختیوں پر لکھا ہوتا ہے اور ان کی بدولت موسیو دریناں کو ایک اور تمغہ مل گیا ہے) مجھے اس سٹرک میں جو برائی نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ منتظمین ان تنومند درختوں کی تراش خراش بڑے وحشیانہ طریقے سے کراتے ہیں۔ ان درختوں کی چوٹیاں نیچی نیچی، گول اور چپٹی سی ہو گئی ہیں اور انہیں دیکھ کر ترکاریوں کے پودے یاد آتے ہیں، حالانکہ ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ درخت وہ شاندار شکلیں اختیار کرتے جو انگلستان میں نظر آتی ہیں لیکن یہاں تو میئر کی مرضی چلتی ہے، اور سال میں دو بار میونسپلٹی کے ہر درخت کی شاخیں بڑی بے رحمی سے تراش دی جاتی ہیں۔ آزاد خیال جماعت کے مقامی ممبروں کا خیال ہے (لیکن وہ ذرا مبالغے سے کام لیتے ہیں) کہ جب سے بڑے پادری ماسلوں نے کٹی ہوئی شاخوں پر قبضہ جمانا شروع کیا ہے، سرکاری مالی کا ہاتھ کچھ اور بے رحم ہو گیا ہے۔

یہ نوجوان پادری کچھ سال ہوئے ایبے شیلان اور اس علاقے کے چھوٹے پادریوں کی نگرانی کے لئے بیساں سوں سے یہاں بھیجا گیا ہے۔ نپولین کے ساتھ جو فوج اٹلی گئی تھی، اس کا ایک بڈھا سرجن میجر ویریئر میں آ بسا تھا جو میئر کے بقول بیک وقت نپولین کی پارٹی کا بھی تھا اور انقلاب پسند بھی۔ اس نے ایک دن ہمت کر کے میئر سے شکایت جڑ دی کہ آخر یہ تھوڑے تھوڑے دن بعد ان نفیس درختوں کی شکل کیوں بگاڑ دی جاتی ہے۔

"مجھے تو سایہ پسند ہے۔" موسیو دریناں نے کچھ اس اکڑ کے ساتھ جواب دیا جو خطاب یافتہ ڈاکٹر سے بات کرتے ہوئے مناسب رہتی ہے۔ "مجھے سایہ پسند ہے،

میں اپنے درختوں کو اس طرح کتراتا ہوں کہ سایہ رہے اور میرے خیال میں درختوں کا اور مصرف بھی کیا ہے۔ البتہ کوئی اخروٹ جیسا کارآمد درخت ہو جس سے آمدنی کا صیغہ نکلے تو اور بات ہے۔"

اس چھوٹے سے شہر میں جو ابھی آپ کو اتنا دلکش معلوم ہوا تھا ہر بات کا فیصلہ بس اسی خیال سے ہوتا ہے کہ "آمدنی کا صیغہ" نکلتا ہے یا نہیں۔ جب یہاں آکر گہری اور خنک وادیوں کے حسن سے ایسا مسحور ہو جاتا ہے کہ شروع شروع میں وہ یہی سمجھتا ہے کہ یہاں والوں کو حسن کا بڑا احساس ہے۔ یہ لوگ اپنے مناظر کی خوبصورتی کا بڑا ذکر کرتے ہیں اور اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ ان میں اس حسن کا بڑا چرچا ہے۔ لیکن اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حسن کچھ سیاحوں کو یہاں کھینچ لاتا ہے۔ جن کے روپیہ سے سرائے والے امیر بنتے ہیں اور چنگی کے محصول کے ذریعے شہر کے لئے "آمدنی کا صیغہ" نکل آتا ہے۔

خزاں کا بڑا نفیس دن تھا اور موسیو درینال "خیابانِ وفا" پر ٹہل رہا تھا۔ اس کی بیوی اس کا بازو پکڑے ساتھ تھی۔ وہ بڑا گمبھیر بن کے بول رہا تھا۔ مادام درینال اس کی باتیں سن رہی تھی۔ مگر اس کی نظریں تین چھوٹے چھوٹے لڑکوں کی حرکات وسکنات کا جائزہ لے رہی تھیں۔ سب سے بڑا لڑکا جو کوئی گیارہ سال کا ہو گا۔ بار بار دوڑ کے منڈیر کی طرف جاتا تھا جیسے اوپر چڑھنا چاہتا ہو۔ ایک ملائم سی آواز ایڈولف کہہ کر پکارتی، اور بچہ اپنا بلند ارادہ ترک کر دیتا۔ مادام درینال تیس سال کی عورت لگتی تھی۔ مگر ابھی تک بڑی خوبصورت تھی۔

"یہ جو حضرت پیرس سے تشریف لائے ہیں۔ انہیں آخر پچھتانا پڑے گا۔" موسیو درینال بدمزگی کے لہجے میں کہہ رہا تھا، اور اس کا چہرہ بھی معمول سے زیادہ

زرد ہو رہا تھا۔" ایسا تھوڑا ہی ہے کہ دربار میں میرا کوئی دوست ہی نہ ہو . . . "

حالانکہ میں دو سو صفحے قصباتی زندگی کے بیان میں لکھنا چاہتا ہوں لیکن مجھ سے ایسی بدتمیزی سرزد نہیں ہوگی کہ قصباتی مکالموں کے بھونڈے پن اور عقل و فہم کی نمائش سے آپ کو بیزار کردوں۔

یہ حضرت جو پیرس سے تشریف لائے تھے اور جن سے ویریئیر کے میئر کو اتنی چڑ تھی موسیو آپیئر کے سوا اور کوئی نہ تھا (اس زمانے کا ایک مشہور آدمی جس کا کام خدمتِ خلق تھا) دو دن ہوئے موسیو آپیئر کسی نہ کسی طرح ویریئیر کے قید خانے اور محتاج خانے بلکہ اس خیراتی اسپتال میں بھی جا پہنچے تھے جو میئر اور وہاں کے بڑے زمینداروں نے کھول رکھا تھا۔

مادام دریناال نے ڈرتے ڈرتے پوچھا "لیکن یہ پیرس سے آنے والے صاحب آپ کو کیا نقصان پہنچا سکتے ہیں؟ آپ تو پوری ایمانداری اور دیانتداری کے ساتھ غریبوں کی بھلائی کا خیال رکھتے ہیں۔"

"یہ شخص تو بس نکتہ چینی کرنے کے لئے آیا ہے۔ یہاں سے واپس جا کے وہ آزاد خیال اخباروں میں مضمون نکلوائے گا۔"

"لیکن آپ انہیں پڑھتے ہی کب ہیں؟"

"مگر لوگ تو ہمیں آ آ کے سناتے ہیں کہ انقلاب پسندوں کے مضمون میں کیا لکھا ہے۔ ان باتوں سے ہمارا دھیان بٹتا ہے اور بھلائی کے کاموں میں کھنڈت پڑتی ہے۔ رہی میری بات تو میں تو پادری کو کبھی معاف کرنے والا ہوں نہیں!"

تیسرا باب

غریبوں کی بھلائی

جو پادری نیک ہو اور سازش نہ کرتا ہو۔ وہ گاؤں کے لیے خدا کی رحمت ہے۔

فلیبوری

یہاں یہ بتا دینا چاہیئے کہ ویریئیر کا پادری اسّی سال کا بڈھا تھا مگر پہاڑوں کی تر و تازہ ہوا نے اسے آہنی صحت اور کردار بخش دیا تھا۔ اُسے یہ حق حاصل تھا کہ دن میں جس وقت بھی چاہے۔ جیل، اسپتال بلکہ محتاج خانے میں بھی جا سکتا تھا۔ موسیو آپیئر پادری کے نام پیرس سے تعارفی خط لائے تھے۔ انہوں نے یہ عقلمندی کی کہ اس چھوٹے سے متجسس شہر میں صبح کے ٹھیک چھ بجے پہنچے اور سیدھے پادری کے گھر چلے گئے۔

پادری شیلاں نے فرانس کے ایک نواب اور صوبے کے سب سے دولت مند زمیندار موسیو لا مارلی ولاموں کا خط پڑھا تو وہ فکر میں پڑ گیا۔

"میں بڈھا ہوں اور یہاں کے لوگ مجھے پسند کرتے ہیں۔" آخر کار اس نے زیرِ لب اپنے آپ سے کہا۔ پھر وہ فوراً پیرس سے آنے والے کی طرف مڑا۔ بڑھاپے کے باوجود اس کی آنکھوں میں وہ مقدس آگ دہک رہی تھی جس سے پتا چلتا ہے کہ اس

آدمی کو تھوڑا سا خطرناک مگر نیک کام کرنے میں لطف ملتا ہے۔

"آپ بے جناب! میرے ساتھ چلیے لیکن اتنی عنایت فرمائیے گا کہ ہمیں جو باتیں نظر آئیں ان کے بارے میں جیلر اور خصوصاً محتاج خانے کے منتظمین کے سامنے کسی رائے کا اظہار نہ کیجیے گا۔" موسیو آہبیر سمجھ گئے کہ ان کا واسطہ ایک حساس آدمی سے ہے۔ وہ اس قابلِ احترام پادری کے ہمراہ گئے۔ جیل خانہ، اسپتال اور محتاج خانہ دیکھا۔ بہت سے سوال بھی پوچھے۔ مگر عجیب و غریب جوابوں کے باوجود منہ سے اعتراض کا ایک لفظ بھی نہ نکلنے دیا۔

یہ سیر کئی گھنٹے جاری رہی۔ پادری نے موسیو آہبیر کو کھانے کی دعوت دی، مگر انہوں نے جواب دیا کہ مجھے کچھ خط لکھنے ہیں۔ موسیو آہبیر اپنے نیک دل دوست کو اس معاملے میں زیادہ سانا نہیں چاہتے تھے۔ تین بجے کے قریب دونوں اپنا معائنہ پورا کرنے کے لیے پھر محتاج خانے گئے اور اس کے بعد جیل خانے پہنچے۔ وہاں انہیں دروازے میں جیلر کھڑا ملا۔ یہ ایک چھ فٹ لمبا دیو تھا۔ جس کی ٹانگیں ٹیڑھی ہوئی تھیں۔ ڈر کے مارے اس کا چہرہ اور بھی بدہیبت ہو گیا تھا۔

"حضور!" اس نے پادری کو دیکھتے ہی کہا "آپ کے ساتھ جو صاحب ہیں یہ موسیو آہبیر ہیں نا؟"

"ہیں تو پھر کیا ہے؟" پادری نے کہا۔

"بات یہ ہے کہ مجھے کل بڑے سخت احکامات ملے ہیں۔ ناظم اعلیٰ نے راتوں رات ایک سپاہی دوڑایا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ موسیو آہبیر کو جیل خانے میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی جائے۔"

"موسیو نوارد" پادری نے کہا "میں تمہیں صاف لفظوں میں بتاتا ہوں کہ یہ صاحب جو میرے ساتھ ہیں موسیو آپئیر ہیں۔ تم یہ بات ماننے ہو یا نہیں کہ دن ہو یا رات، مجھے ہر وقت جیل خانے میں داخل ہونے کا حق حاصل ہے اور میں جسے چاہوں اپنے ساتھ لا سکتا ہوں"

"بالکل درست ہے پادری صاحب" جیلر نے دبی زبان سے کہا اور اپنا سر جھکا لیا جیسے کوئی بل ڈاگ ڈنڈے کے ڈر سے فرمانبرداری پر مجبور ہو گیا ہو "مگر پادری صاحب! یہ تو دیکھئے کہ میرے بیوی بچے ہیں۔ اگر کسی نے اطلاع کر دی تو میں برخاست ہو جاؤں گا۔ میرا سہارا بس یہی نوکری تو ہے"

"میری نوکری چھوٹ جائے تو مجھے بھی بڑا افسوس ہو گا" نیک دل پادری نے جواب دیا۔ بڑھتے ہوئے جوش کی شدت سے اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

"مگر تم میں اور آپ میں کتنا فرق ہے!" جیلر نے ترکی بہ ترکی جواب دیا "پادری صاحب! ہمیں معلوم ہے کہ آپ کو اپنی زمین سے آٹھ سو لیور کی آمدنی ہے۔ آپ کا ایک ٹھکانا تو ہے ۔ ۔ ۔ ۔"

یہ تھیں وہ واقعات جن پر جگہ جگہ تبصرہ ہوا۔ ہمیں مختلف طریقوں سے رنگ آمیزی کی گئی اور جنہوں نے پچھلے دو دن سے ویریئر کے چھوٹے سے شہر کے تمام ناسد جذبات کو بیدار کر دیا تھا۔ اس وقت یہ باتیں موسیو د رینال اور اس کی بیوی کے درمیان ایک چھوٹی سی بحث کے موضوع کا کام دے رہی تھیں۔ آج صبح وہ محتاج خانے کے منتظم موسیو والنو کے ساتھ پادری کو اپنی سخت ناراضی کی اطلاع دینے اس کے گھر گیا تھا۔ موسیو شیلان کو کسی کی سرپرستی حاصل نہ تھی۔ پادری نے اچھی طرح محسوس کر لیا کہ ان لوگوں

کے الفاظ میں کیا زور ہے۔"

"دیکھئے حضرات، میں اس علاقے میں اسّی برس کا تیسرا پادری ہوں گا جس کی روزی چھنے گی۔ مجھے یہاں رہتے چھپن سال گزر چکے ہیں۔ میں نے شہر کے تقریباً سارے آدمیوں کو بپتسمہ دیا ہے۔ جب میں یہاں آیا ہوں تو یہ شہر بس ایک گاؤں تھا۔ میں ہر روز نوجوان جوڑوں کا نکاح پڑھاتا ہوں۔ عرصہ ہوا کہ ان کے باپ دادا کا نکاح بھی میں نے ہی پڑھایا تھا۔ وہ گویا تو میرا خاندان ہے۔ لیکن یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ شہر چھوڑنے کے ڈر سے اپنا ضمیر بیچ دوں۔ یا اپنے افعال پر کسی اور چیز کا اثر بھی تسلیم کر لوں۔ جب میں نے اس اجنبی کو دیکھا تو اپنے آپ سے کہا کہ یہ آدمی جو پیرس سے آیا ہے۔ ممکن ہے آزاد خیال جماعت کا ہو۔ ایسے لوگ بہت ہیں۔ لیکن یہ ہمارے آدمیوں اور ہمارے قیدیوں کو کیا نقصان پہنچا سکتا ہے؟"

جب موسیو ورینال اور خصوصاً محتاج خانے کے منتظم موسیو وال نو کی لعنت ملامت تیز سے تلخ تر ہوتی چلی گئی تو بڈھے پادری نے لرزتی ہوئی آواز میں چلا کر کہا۔ "بہت اچھا جناب، جائیے مجھے برخواست کرا دیجئے۔ میں پھر بھی شہری ہی رہوں گا۔ آپ خوب جانتے ہیں کہ اڑتالیس سال ہوئے مجھے تھوڑی سی زمین ورثے میں مل گئی۔ اس سے مجھے آٹھ سو لیور کی آمدنی ہوتی ہے۔ میرا گزارہ اس آمدنی سے ہو جائے گا۔ اپنی تنخواہ سے تو میں ایک پیسہ بھی نہیں بچاتا۔ یہی وجہ ہے کہ جب لوگ میری روزی چھین لینے کی باتیں کرتے ہیں تو مجھے کچھ ایسی گھبراہٹ نہیں ہوتی۔"

اپنی بیوی سے موسیو ورینال کے تعلقات بڑے خوش گوار تھے۔ لیکن جب بیوی نے ذرا ڈر ڈر کے یہ سوال دہرایا کہ وہ پیرس والا آدمی ہمارے قیدیوں کو کیا نقصان پہنچا

سکتا ہے تو اس کی سمجھ ہی میں نہ آیا جواب کیا دوں۔ اسے غصہ آنے ہی والا تھا کہ بیوی نے زور سے چیخ ماری۔ اس کا دوسرا بیٹا منڈیر پر چڑھ گیا تھا اور دوڑا چلا جا رہا تھا۔ حالانکہ دیوار نیچے والی انگور کی بیلوں سے بیس فٹ سے بھی زیادہ اونچی تھی۔ مادام دربنال کو ڈر تھا کہ اگر بچے کو چونکایا تو وہ نیچے گر پڑے گا۔ اس لئے وہ اسے پکار بھی نہ سکتی تھی۔ آخر بچہ جو اپنی بہادری پر خوش ہو ہو کر ہنس رہا تھا۔ اپنی ماں کو دیکھنے کے لئے مڑا۔ اسے جو نہی پتا چلا کہ ماں کیسی زرد ہو رہی ہے تو وہ سڑک پر کود پڑا اور بھاگ کے اس کے پاس آ گیا۔ بچے پر خوب ڈانٹ پڑی۔

اس چھوٹے سے واقعے نے گفتگو کا رخ بدل دیا۔

"میں نے پکا ارادہ کر لیا ہے کہ لکڑ ہارے کے بیٹے سوریل کو اپنے یہاں رکھ لوں گا۔" موسیو دربنال نے کہا "بچے بڑے شیطان ہوتے جا رہے ہیں۔ اب ہمارے بس کے نہیں رہے۔ وہ ان کی نگرانی کیا کرے گا۔ سوریل ابھی نو عمر ہے اور دینیات پڑھتا ہے یا لاطینی کا طالب علم ہے۔ خیر وہ ایک ہی بات ہے۔ اس کی تربیت میں بچے خوب ترقی کریں گے۔ پادری صاحب کہتے ہیں۔ وہ بڑے مضبوط کردار کا لڑکا ہے۔ میں اسے تین سو فرانک سالانہ اور کھانا دوں گا۔ پہلے مجھے اس کے چال چلن کے بارے میں کچھ شبہ تھا۔ کیونکہ وہ اس خطاب یافتہ بڈھے ڈاکٹر کا بڑا لاڈلا تھا جو ان لوگوں سے قرابت داری کے بہانے لکڑ ہارے کے یہاں آ رہا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ آزاد خیال جماعت کا جاسوس ہو۔ کہتا تھا کہ ہمارے پہاڑ کی ہوا اس کے دمے کے لئے بڑی مفید ثابت ہوئی ہے لیکن اس کی تصدیق کبھی نہیں ہو سکی۔ نپولین نے اٹلی میں جتنی لڑائیاں لڑیں، وہ سب میں شامل رہا تھا۔ میں نے تو یہاں تک سنا ہے کہ جب نپولین کے بادشاہ بننے کا سوال اٹھا

تو اس نے مخالفت میں رائے دی۔ اس آزاد خیال آدمی نے سوریل کو لاطینی پڑھائی ہے
اور اپنے ساتھ جتنی کتابیں یہاں لایا تھا سب اسے دے گیا ہے۔ مجھے تو اپنے بچوں کو
لکڑہارے کے بیٹے کے ساتھ رکھنے کا کبھی خیال بھی نہ آتا تھا لیکن وہ جو پادری صاحب
کے ساتھ فضیحتہ ہوا تھا جس سے ہم دونوں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نفاق پیدا ہو گیا ہے۔
اس سے بس ایک دن پہلے انہوں نے مجھے بتایا کہ سوریل پچھلے تین سال سے دینیات
پڑھ رہا ہے اور کسی مذہبی درس گاہ میں داخل ہونا چاہتا ہے یعنی وہ آزاد خیال نہیں ہے
اور لاطینی بڑی اچھی جانتا ہے۔"

"یہ انتظام کئی اعتبار سے مناسب رہے گا" موسیو درینال نے بڑی کاروانی کے
انداز سے بیوی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔" والی نو نے حال ہی میں اپنی گاڑی کے لئے
جو دو نفیس گھوڑے خریدے ہیں۔ ان پہ وہ بڑا اکڑتا ہے۔ لیکن بچوں کے لئے اس کے
پاس کوئی اتالیق نہیں ہے۔"

"اس کا بس چلے تو اس اتالیق کو بھی ہم سے اُچک لے جائے۔"

"تو پھر تمہیں بھی میری تجویز پسند ہے؟" بیوی کے دماغ میں بڑے زور کا خیال
آیا تھا۔ موسیو درینال نے مسکرا کر اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔" تو چلو بس طے
ہو گیا۔"

"یا اللہ! پیارے، تم بھی کتنی جلدی بات کا فیصلہ کرتے ہو!"

"یہ اس وجہ سے کہ میں بڑے مضبوط کردار کا آدمی ہوں جیسا پادری صاحب
نے بھی دیکھ لیا ہے۔ خواہ مخواہ باتیں بنانے سے کیا حاصل، اصل چیز یہ ہے کہ ہمارے
چاروں طرف آزاد خیال جماعت کے آدمی پھیلے ہوئے ہیں۔ مجھے پورا یقین ہے کہ یہ

سارے کپڑے کے تاجر مجھ سے جلتے ہیں۔ ان میں سے دو تین تو اب مالدار بھی ہوتے جا رہے ہیں۔ خیر کوئی بات نہیں ہے۔ اب میں انہیں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ موسیو دریناں کے بچے اپنے اتالیق کی نگرانی میں سیر کو نکلتے ہیں۔ اس سے بڑا رعب پڑے گا۔ دادا ابا اکثر کہا کرتے تھے کہ جب وہ بچے تھے تو ان کا ایک اتالیق تھا۔ اتالیق رکھنے میں سو کراؤن کا صرفہ ہوگا۔ لیکن اپنی حیثیت برقرار رکھنے کے لئے اس خرچ کو تو لازمی ہی سمجھنا چاہئے۔"

یہ فوری فیصلہ دیکھ کر مادام دریناں سوچ میں پڑ گئی۔ وہ دراز قد اور خوش اندام عورت تھی اور ایک زمانے میں شہر کی ملکۂ حسن رہ چکی تھی۔ اس کے انداز میں ایک قسم کی سادگی تھی اور چال ڈھال سے بالکل لڑکی معلوم ہوتی تھی۔ اس بے طرحی میں ایسی طرحداری دلبی محبوبیت، ایسی چلبلاہٹ تھی کہ اسے دیکھ کے پیرس والا تو شاید یہ سمجھے کہ اس کے مزاج میں ہلکی سی حرارت اور تندی بھی ہے۔ اگر مادام دریناں کو پتا چلتا کہ مجھے اس قسم کی کامیابی بھی حاصل ہو سکتی ہے تو اسے بڑی شرم آتی۔ بناوٹ یا ناز و انداز کا تو اس کے مزاج میں شائبہ تک نہ تھا۔ کہتے ہیں کہ محتاج خانے کے مالدار منتظم موسیو دال نو نے ذرا عشق جتانے کی کوشش کی تھی مگر لاحاصل۔ اس کی ناکامی سے مادام دریناں کی پاکبازی میں چار چاند لگ گئے۔ کیونکہ یہ موسیو دال نو لمبا تڑنگا، خوش رنگ اور گٹھے ہوئے جسم کا نوجوان تھا اور بھونرا جیسے سیاہ اور گھنے گل مچھے رکھتا تھا۔ وہ ان بے تمیز بے حیا اور غل غپاڑا مچانے والے لوگوں میں سے تھا جنہیں قصبات میں بڑا نفیس آدمی سمجھا جاتا ہے۔

مادام دریناں بڑی شرمیلی تھی اور اس کے مزاج میں اتار چڑھاؤ ہوتا رہتا تھا۔

اسے خاص طور سے موسیو دال نو کی مضطرب حرکات وسکنات اور بھاری آواز بہت بُری لگی۔ ویر بیر میں جس چیز کو خوش مزاجی سمجھا جاتا ہے۔ وہ اسے بڑی ناگوار گزرتی تھی چنانچہ اس کے بارے میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ وہ اپنے حسب نسب پر اکڑتی ہے۔ اس نے اس بدنامی کی ذرا بھی پروانہ کی بلکہ اسے تو یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ اس کے یہاں ویر بیر کے لوگوں کا آنا جانا کم ہو گیا ہے۔ ہم یہ بات بھی نہیں چھپائیں گے کہ ان کی بیویاں اسے احمق سمجھتی تھیں۔ کیونکہ وہ اپنے شوہر سے ذرا بھی چالبازی نہیں برتتی تھی اور جب پیرس یا لساں تسوں سے خوبصورت ٹوپیاں منگوانے کے زریں موقعے ملتے تو ان سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتی تھی۔ اسے تو بس اتنا چاہئے تھا کہ اپنے نفیس باغ میں اکیلے ٹہلا کرے۔ اس کے بعد اسے کوئی شکایت نہیں ہوتی تھی۔

وہ بڑی سیدھی سادی تھی۔ اس سے تو کبھی اتنا بھی نہیں ہوا تھا کہ اپنے شوہر پر نکتہ چینی کرے اور یہ تسلیم کرے کہ میں اس سے اکتا گئی ہوں۔ اس نے کبھی واضح طور سے تو یہ بات نہیں سوچی مگر اس کا خیال تھا کہ میاں بیوی میں اس سے زیادہ پیار ہو بھی کیا سکتا ہے۔ اُسے موسیو دریناں خصوصاً اس وقت پسند آتا جب وہ بچوں کے مستقبل کے بارے میں اس سے باتیں کرتا۔ ایک بچے کو تو وہ فوج میں بھیجنا چاہتا تھا۔ دوسرے کو جج بنانا چاہتا تھا اور تیسرے کو پادری۔ مختصر یہ کہ اپنی جان پہچان کے مردوں میں سب سے کم اکتاہٹ اُسے موسیو دریناں ہی سے ہوتی تھی۔

بیوی کی یہ رائے بالکل معقول تھی۔ ویر بیر کے میئر کی حاضر جوابی اور اس سے بھی زیادہ اس کے مہذب لب و لہجے کی بڑی شہرت تھی۔ دراصل یہ شہرت اُن آدھے درجن لطیفوں کی مرہونِ منت تھی جو اسے اپنے ایک چچا سے ورثے میں ملے تھے۔

یہ بڈھا کپتان ورینال انقلاب سے پہلے ڈیوک اورلیاں کے پیدل دستے میں رہ چکا تھا اور جب وہ پیرس جاتا تھا تو اُسے شہزادے کے دیوان خانے میں باریابی نصیب ہوتی تھی۔ وہاں وہ مادام دمونت سَون، مشہور و معروف مادام وژاں لی اور شاہی محل کے "موجد" موسیو دیو کرے کو دیکھ چکا تھا۔ موسیو ورینال کے قصّوں میں یہ ہستیاں بار بار نمودار ہوتی تھیں۔ لیکن چونکہ ان باتوں کے ذکر میں بڑی نفاست سے کام لینا پڑتا تھا۔ اس لئے آہستہ آہستہ یہ یادیں ایک بار بن کے رہ گئیں۔ اب کچھ دنوں سے وہ خاندانِ اورلیاں کے قصّے بس خاص خاص موقعوں پر ہی سُناتا تھا۔ روپیہ پیسے کا ذکر چھڑ جائے تو اور بات ہے، لیکن دوسرے معاملات میں وہ بڑا شائستہ اور مہذّب تھا۔ لہٰذا اسے ویریئر کی سب سے زیادہ رئیسانہ شخصیت سمجھا جاتا تھا اور یہ ٹھیک بھی تھا۔

چوتھا باب

باپ اور بیٹا

اور یہ سب میرا قصور ہوگا۔
اور ہوا ابھی تو کیا ہے؟
میکیاویلی

"میری بیوی کی کھوپڑی ہیں واقعی بھیجا ہے"۔ اگلے دن چھ بجے صبح بڈھے سوریل کے کارخانے جاتے ہوئے ویریئیر کے میئر نے دل ہی دل میں کہا "اپنی برتری قائم رکھنے کے لئے میں نے بیوی سے کہہ تو دیا مگر مجھے کبھی خیال ہی نہیں آیا تھا کہ اگر میں نے اس راہب لڑکے سوریل کو جو سُنا ہے فرفر لاطینی پڑھتا ہے، اپنے یہاں نہ رکھا۔ تو ممکن ہے اس بے چین بوڑھی محتاج خانے کے منتظم کو بھی یہی بات سوجھے اور وہ اسے مجھ سے جھپٹ لے جائے۔ مجھے ابھی سے سنائی دے رہا ہے کہ وہ کس اکڑ کے ساتھ اپنے بچوں کے اتالیق کا ذکر کیا کرے گا!...... اگر مجھے یہ اتالیق مل گیا تو وہ عبا پہنا کرے گا یا نہیں؟"

موسیو درینال اسی خیال میں مگن تھا کہ اُسے دُور سے ایک چھ فٹ لمبا کسان نظر

آیا جو شاید منہ اندھیرے سے دوب کے کنارے گھوڑوں کے راستے میں پڑے ہوئے لکڑی کے تختوں کو ناپنے میں مصروف تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ اسے میبر کو اپنی طرف آتا ہوا دیکھ کر کچھ خوشی نہیں ہوئی۔ کیونکہ اس کے تختوں نے سارا راستہ روک رکھا تھا اور انہیں وہاں ڈالنا قانون کی خلاف ورزی تھی۔

یہ بڈھا سوریل ہی تھا۔ موسیو دریناَل نے اس کے بیٹے ژولیاں کے بارے میں جو عجیب و غریب پیشکش کی اسے سُن کر بڈھا ہکا بکا رہ گیا اور خوشی اس سے بھی زیادہ ہوئی تاہم اس نے موسیو دریناَل کی بات اس شکایت آمیز بے دلی اور بے تعلقی کے ساتھ سنی جس کے پردے میں اُن پہاڑوں کے رہنے والے اپنی ہوشیاری کو چھپا لینا خوب جانتے ہیں۔ اسپین کے غلبے کے زمانے میں یہ لوگ غلام بن گئے تھے۔ چنانچہ ان کے چہروں میں مصر کے فلاحین کا سا انداز ابھی تک باقی ہے۔

پہلے تو سوریل نے بس اتنا جواب دیا کہ اس نے جتنے بھی تعظیمی فقرے رٹ رکھے تھے۔ انہیں فرفر دہرانا شروع کر دیا۔ ساتھ ساتھ وہ ایک عجیب طرح مسکراتا بھی جا رہا تھا۔ جھوٹ اور عیاری تو پہلے ہی سے اس کے چہرے پر لکھی ہوئی تھی۔ مسکراہٹ نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ لیکن ان مہمل باتوں کے دوران میں بڈھے کسان کا دماغ بڑی تیزی سے یہ معلوم کرنے کی ٹوہ میں لگا ہوا تھا کہ آخر وہ کیا بات ہے جس کے سبب اتنا اہم آدمی میرے نالائق بیٹے کو اپنے گھر رکھنا چاہتا ہے۔ وہ ژولیاں سے بہت ہی غیر مطمئن تھا اور اسی ژولیاں کو موسیو دریناَل تین سو فرانک سالانہ کی حیرت انگیز تنخواہ اور ساتھ میں کھانا بلکہ کپڑا بھی دینے کو تیار تھا۔ بڈھے سوریل کو یہ کپڑوں والی شرط بالکل وقت کے وقت سوجھی تھی اور موسیو دریناَل نے بے چون و چرا فوراً منظور کر لی تھی۔

اس مطالبے سے مشیر کھٹک گیا۔ اس نے دل میں کہا "میری تجویز سے سوریل کو خوشی نہیں ہوئی اور نہ اس نے میرا احسان مانا۔ حالانکہ قدرتی طور سے ہونا تو یہی چاہیے تھا اس سے صاف ظاہر ہے کہ کسی اور طرف سے بھی سلسلہ جنبانی ہوئی ہے اور بروال دُ کے سوا اور کون ہو سکتا ہے" موسیو دریناَل نے بہت زور دیا کہ ابھی معاملہ طے ہو جانا چاہیے۔ مگر چالاک بڈھا اسی ڈھٹائی سے انکار کرتا رہا اور بولا کہ میں اپنے بیٹے کی رائے تو معلوم کر لوں جیسے دیہات میں مالدار باپ رسمی طور کے سوا کبھی اپنے قلاش بیٹے سے مشورہ ہی تو لیتا ہے۔

پانی سے چلنے والے لکڑی کے کارخانے میں ایک تو دریا کے کنارے سائبان سا ہوتا ہے۔ چھت کے نیچے شہتیر ہوتے ہیں اور ان کو ٹکانے کے لئے لکڑی کے چار موٹے موٹے کھمبے۔ سائبان کے بیچوں بیچ زمین سے نو دس فٹ اونچا آرا دکھائی دیتا ہے جو اوپر نیچے چلتا رہتا ہے اور ایک بہت ہی سیدھی سادی مشین لکڑی کے ٹکڑے آرے کے سامنے کھسکاتی رہتی ہے۔ پوری مشین کے دو حصے ہوتے ہیں۔ ایک تو آرا جو اوپر نیچے چلتا ہے اور لکڑی کے تختے بناتا ہے۔ دوسرا وہ جو لکڑی کو آہستہ آہستہ آرے کے سامنے سرکاتا ہے۔ یہ دونوں حصے پانی کے نالے کے زور سے چلتے ہیں۔

بڈھے سوریل نے کارخانے کے پاس پہنچ کر اپنی گرجدار آواز میں ژولیاں کو پکارا۔ مگر کوئی جواب نہ ملا۔ اسے بس اپنے دو بڑے دیوقامت بیٹے نظر آئے۔ جو بھاری بھرکم کلہاڑوں سے صنوبر شاہ بلوط کے تنے پھاڑ پھاڑ کر چار چار ٹکڑے بنا رہے تھے جنہیں بعد میں آرے کے پاس لے جانا تھا۔ انھوں نے لکڑی پر ایک سیاہ لکیر کھینچ رکھی تھی اور وہ اس دھن میں تھے کہ چوٹ لکیر پر ہی پڑے۔ کلہاڑی پڑتے ہی لکڑی میں

سے بڑی بڑی چھپٹیاں مارتی تھیں۔ انہوں نے اپنے باپ کی آواز ہی نہیں سُنی۔ بڈھا سائبان میں پہنچا۔ اندر جا کے اس نے ژولیاں کو اس جگہ دیکھا جہاں اسے کھڑا ہونا چاہیے تھا۔ یعنی آرے کے پاس، مگر وہ وہاں بھی نہ تھا۔ اتنے میں نظر پڑی تو دیکھا کہ ژولیاں پانچ چھ فٹ اوپر ایک بلّی کے دونوں طرف ٹانگیں ڈالے بیٹھا ہے۔ احتیاط سے مشین کی نگرانی کرنے کے بجائے وہ بیٹھا کتاب پڑھ رہا تھا۔ بڈھے کو کسی بات سے اتنی چڑ نہیں تھی جتنی پڑھنے سے۔ شاید وہ ژولیاں کے دبلے پتلے جسم کو بھی معاف کر سکتا تھا جو بڑے بھائیوں کے جسم سے بالکل مختلف تھا اور جس میں محنت کا کام کرنے کی اہلیت بہت کم تھی مگر اس پڑھنے کی دھن سے تو وہ خار کھاتا تھا ــــ پڑھنے کے معاملے میں وہ خود کورا تھا۔

اس نے ژولیاں کو دو تین دفعہ پکارا۔ مگر بے سُود۔ آرے کے شور سے زیادہ کتاب میں اپنے انہماک کی وجہ سے اس نے باپ کی خوفناک آواز سنی ہی نہیں۔ آخرکار اپنے بڑھاپے کے باوجود باپ پھرتی سے اچک کر اس لکڑی پر چڑھ گیا جو آرے سے کٹ رہی تھی اور وہاں سے اس شہتیر پر جا پہنچا جس کے اوپر چھت رکھی ہوئی تھی۔ اس نے جو زور سے دھپ رسید کیا تو ژولیاں کے ہاتھ سے کتاب چھوٹ کر نالے میں جا پڑی۔ اتنے ہی زور کا دوسرا مکا اس نے کان پر لگایا جس سے ژولیاں کا توازن بگڑ گیا۔ وہ بارہ یا پندرہ فٹ کی بلندی سے چلتی ہوئی مشین کے اوپر گرنے ہی والا تھا جو اسے پیس کے رکھ دیتی۔ لیکن جب وہ گرنے لگا تو باپ نے اسے اپنے بائیں ہاتھ سے پکڑ لیا۔

"کیوں رے نکمّے اچھے آرے کے پاس کھڑا ہونا چاہیے تھا اور تو بیٹھا اپنی یہ

ملعون کتابیں پڑھتا ہے! پڑھنا ہی ہے تو شام کو پڑھا کر جب پادری کے پاس جا کے
وقت خراب کرتا ہے۔"

حالانکہ چوٹ سے ژولیاں کا سر پھٹ گیا تھا اور خون بھی بہت بہہ رہا تھا مگر وہ آرے کے پاس اپنی مقررہ جگہ جا کھڑا ہوا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے — اتنے جسمانی تکلیف کی وجہ سے نہیں جتنے اپنی عزیز کتاب کے ضائع ہو جانے کے سبب۔

"چل جنگلی نیچے آ، مجھے تجھ سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔" مشین کے شور میں ژولیاں کو یہ حکم پھر سنائی نہ دیا۔ اس کا باپ نیچے اتر آیا تھا اور دوبارہ مشین کے اوپر چڑھنے کی تکلیف گوارا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ وہ جا کے اخروٹ جھاڑنے کا لمبا بانس اٹھا لایا اور ژولیاں کے کندھے پر دے مارا۔ اس کے نیچے آتے ہی بڈھا سوریل اسے بڑی بے رحمی کے ساتھ پیچھے سے دھکا دے کر مکان کی طرف ہنکالے گیا۔ لڑکے نے سوچا "خدا جانے یہ میرے ساتھ کیا سلوک کرنے والے ہیں۔" جس نالے میں اس کی کتاب گری تھی جب وہ اس کے پاس سے گزرا تو بڑی حسرت سے اس کی طرف دیکھا۔

یہ "سینٹ ہیلنا کی داستان" تھی اور اپنی کتابوں میں اسے سب سے زیادہ عزیز تھی۔

اس کا منہ سرخ ہو گیا تھا اور آنکھیں جھکی ہوئی تھیں۔ وہ اٹھارہ انیس سال کا دبلا پتلا لڑکا تھا۔ ناہموار لیکن نازک نازک خدوخال، ستواں ناک، دیکھنے میں کچھ کمزور سا۔ اس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھیں، سکون کے لمحوں میں تو کچھ تفکر پسند اور آتشیں روح کا پتا دیتی تھیں لیکن اس وقت ان میں انتہائی وحشیانہ نفرت کی آگ دہک رہی تھی۔ اس کے گہرے سرخ بال بہت نیچے تک آ گئے تھے۔ جس کی وجہ سے ماتھا تنگ رہ گیا

تھا اور غصے کے وقت اس کے چہرے پر بدمعاشی برسنے لگتی تھی یوں تو انسانی چہرے کی بیسیوں قسمیں ہیں مگر اتنی توجہ طلب اور حیرت انگیز شکل شاذ و نادر کوئی نہیں۔ اس کے چھریرے اور خوش نما بدن سے قوت کے بجائے پھرتی ٹپکتی تھی۔ بچپن میں اس کا اداس چہرہ اور زرد رنگ دیکھ کر باپ کو خیال ہوا تھا کہ یہ بچہ زندہ نہیں رہے گا۔ یا خاندان پر بوجھ بننے کے لئے جئے گا۔ سارا گھر اُسے حقارت کی نظروں سے دیکھتا تھا اور اسے اپنے بھائیوں اور باپ سے نفرت تھی۔ اتوار کے دن میدان میں کھیلتے ہوئے اُسے ہمیشہ ہار ہوتی تھی۔

البتہ سال بھر سے اپنی خوبصورتی کے باعث لڑکیوں میں اُسے دو چار حمایتی ملنے لگے تھے۔ ہر آدمی اُسے کمزور سمجھ کر حقارت کی نظروں سے دیکھتا تھا۔ اس لئے تزولیاں کو اس بڈھے سرجن سے بڑا لگاؤ ہو گیا تھا جس نے ایک دن درختوں کے بارے میں مٹیر سے بات چیت کی ہمت کروائی تھی۔

یہ ڈاکٹر کبھی کبھی بڈھے سوتیل کو اس کے بیٹے کی ایک دن کی مزدوری ادا کر کے اسے گھر لے جاتا تھا اور لاطینی اور تاریخ پڑھاتا تھا۔ تاریخ سے مطلب یہ ہے کہ جتنی تاریخ اسے آتی تھی۔ یعنی اٹلی پر ۱۷۹۶ء والا حملہ۔ مرتے وقت وہ اپنا تمغہ، پنشن کی بقایا رقم اور تیس چالیس کتابیں تزولیاں کو دے گیا۔ مٹیر کے اثر و رسوخ سے جس نالے کا رُخ پھیرا گیا تھا۔ اس میں جو کتاب ابھی ابھی گری تھی۔ وہ ان سب میں بیش قیمت تھی۔

گھر کے اندر داخل ہوتے ہی تزولیاں کو باپ کے مضبوط ہاتھ کی گرفت اپنے کندھوں پر محسوس ہوئی۔ وہ اس ڈر سے کانپ اٹھا کہ اب سب بھاؤ کی

مار پڑے گی۔

"میں جو پوچھوں اس کا ٹھیک ٹھیک جواب دینا، جھوٹ مت بولنا۔" بڈھے کسان نے اپنی کرخت آواز میں چیخ کر اس کے کان میں کہا اور ہاتھ سے جھٹکا دے کر اسے اپنی طرف گھما لیا جیسے بچہ ٹین کے سپاہی کو گھما لیتا ہے۔ نزولیان کی آنسوؤں سے بھری ہوئی بڑی بڑی سیاہ آنکھیں بڈھے کسان کی چھوٹی چھوٹی بھوری آنکھوں کے مقابل ہو گئیں۔ بڈھا ایسے گھور رہا تھا جیسے اپنے بیٹے کے دل کی گہرائیوں تک پہنچ جانا چاہتا ہو۔

پانچواں باب

سودے بازی

اس نے کوشش کر کے وہ چیز لوٹا دی

ایلیوس

"کتابوں کے کیڑے، تجھ سے ہو سکے تو ذرا ٹھیک ٹھیک جواب دے، جھوٹ مت بول۔ مادام ورینال سے تیری کیسے جان پہچان ہوئی؟ ان سے تیری بات چیت کب ہوئی؟"

"میری تو ان سے کبھی بات تک نہیں ہوئی؟" ژولیاں نے جواب دیا۔ "میں نے تو بیگم صاحبہ کو گرجا کے علاوہ اور کہیں دیکھا بھی نہیں۔"

"بے حیا، کمینے، تو نے اُن کی طرف دیکھا تو ضرور ہوگا؟"

"کبھی بھی نہیں، آپ جانتے ہیں کہ گرجا میں تو خدا کے سوا میں اور کسی کو دیکھتا ہی نہیں" ژولیاں نے ریاکاری سے کام لیتے ہوئے لقمہ دیا۔ اس کا خیال تھا کہ اس طرح میں مار سے بچ جاؤں گا۔

"مگر دال میں کچھ کالا ضرور ہے" تنگ مزاج کسان نے جواب دیا، اور ایک منٹ کے لئے

خاموش ہو گیا۔ "مگر بے ایمان، مکار، تو پھوٹے گا نہیں۔ بات یہ ہے کہ مجھے تجھ سے خلاصی ملنے والی ہے۔ تو نہیں ہوگا تو میرا کارخانہ کچھ اچھا ہی چلے گا۔ تو نے پادری یا کسی اور سے یارانہ گانٹھا ہے، اور اس نے تجھے بڑی اچھی نوکری دلوادی ہے، جا اپنا سامان باندھ لے میں تجھے موسیو درینال کے یہاں لے جاؤں گا۔ وہاں تو بچوں کا اتالیق بنے گا۔"

"مجھے ملے گا کیا؟"

"کھانا، کپڑا، اور تین سو فرانک تنخواہ۔"

"میں تو نوکر بن کے نہیں رہنا چاہتا۔"

"ارے جنگلی، یہ تجھ سے کس نے کہا ہے کہ تو نوکر بن کے رہے گا؟ بھلا میں اپنے بیٹے کو کسی کا نوکر بننے دوں گا؟"

"لیکن میں کھانا کس کے ساتھ کھایا کروں گا؟"

یہ سوال سن کر بڈھا سوریل کھو گیا۔ اسے محسوس ہوا کہ اگر بولا تو کہیں منہ سے کوئی الٹی سیدھی بات نہ نکل جائے۔ چنانچہ ژولیاں پر برس پڑا۔ اسے خوب گالیاں دیں، ندیدہ اور پیٹو کہا اور اسے چھوڑ کر اپنے دوسرے بیٹوں سے مشورہ کرنے چل دیا۔

تھوڑی ہی دیر میں ژولیاں نے دیکھا کہ وہ اپنے کلہاڑوں کا سہارا لئے کھڑے ہیں اور آپس میں صلاح مشورہ کر رہے ہیں۔ ژولیاں تھوڑی دیر تک تو ان پر نظر جمائے رہا۔ لیکن جب دیکھا کہ کچھ پتا ہی نہیں چلتا باتیں کیا ہو رہی ہیں تو وہ چل دیا اور آرے کے اس طرف جا کھڑا ہوا تاکہ وہ کہیں اسے بے خبری میں نہ آلیں۔ وہ اس غیر متوقع خبر پہ جس نے اس کی قسمت ہی بدل کے رکھ دی تھی، غور کرنے کے لئے تھوڑا سا وقت چاہتا تھا، لیکن اسے محسوس ہو رہا تھا کہ مجھ میں عاقبت اندیشی کی اہلیت ہی نہیں ہے۔ اس کا سارا زور تو

یہ تصور کرنے میں صرف ہو رہا تھا کہ موسیو دریناال کے خوبصورت مکان میں کیا کیا دیکھنے کو ملے گا۔

"نوکروں کے ساتھ کھانا کھانے کی ذلت سے تو یہ بہتر ہے کہ میں اس سب کو بالکل چھوڑ ہی دوں"۔ اس نے دل میں کہا "اب مجھے مجبور کریں گے۔ لیکن اس سے تو مر جانا ہی اچھا۔ میں نے پیسہ پیسہ جوڑ کے پندرہ فرانک اور آٹھ سو جمع کئے ہیں۔ میں آج ہی رات کھسک جاؤں گا۔ پگڈنڈیوں کے راستے سے جاؤں گا۔ وہاں پولیس کا ڈر نہیں ہوگا۔ دو دن میں بساں تسوں جا پہنچوں گا۔ وہاں فوج میں بھرتی ہو جاؤں گا اور ضروری ہوا تو سرحد پار کرکے سوٹزرلینڈ چلا جاؤں گا۔ لیکن پھر میری آرزوؤں کو خدا حافظ۔ ترقی کرنے کے حوصلوں کو خدا حافظ، پادری کے نفیس پیشے کو خدا حافظ جس کے ذریعے سب چیزیں حاصل ہوتی ہیں"۔

نوکروں کے ساتھ کھانا کھانے سے اتنی چڑ ژولیاں کے لئے فطری چیز نہیں تھی۔ کامیابی حاصل کرنے کی دھن میں وہ اس سے بھی زیادہ ناخوشگوار باتوں کا مرتکب ہو سکتا تھا۔ یہ نفرت تو اس نے روسو کے "اعترافات" سے اخذ کی تھی۔ یہی ایک کتاب تھی جس کی مدد سے اس کا تخیل دنیا کا تصور قائم کرتا تھا۔ نپولین کی فوج کے کارناموں کا مجموعہ اور "سینٹ ہیلنا کی داستان" مل کر اس کا صحیفہ مکمل ہوتا تھا۔ ان تین کتابوں کے لئے وہ اپنی جان تک دینے کو تیار تھا۔ ان کے سوا اس کا ایمان کسی اور کتاب پر نہیں تھا۔ اسے بڑھے سرجن میجر کا ایک قول یاد تھا، اور وہ دنیا کی باقی سب کتابوں کو جھوٹ کا پلندہ سمجھتا تھا، جنہیں بدمعاشوں نے دنیاوی کامیابی حاصل کرنے کے لئے لکھا تھا۔

اپنی آتشیں روح کے ساتھ ساتھ ژولیاں کا حافظہ اتنا حیرت انگیز تھا۔ جتنا اکثر احمقوں

کا ہوتا ہے۔ وہ خوب سمجھ گیا تھا کہ میرے مستقبل کا دارومدار بڈھے پادری شیلاں پر ہے۔ اس کی ہمدردی حاصل کرنے کے لئے ژولیاں نے پورا کا پورا عہد نامہ جدید لاطینی میں زبانی رٹ لیا تھا۔ مو سیو دیستر کی کتاب "اسقفِ اعظم" بھی اس کے نوکِ زبان تھی، لیکن اسے نہ اس کتاب پر اعتقاد تھا نہ اس کتاب پر۔

آج دن بھر بڈھا سوریل اور اس کا بیٹا ایک دوسرے سے بات کرنے سے بچتے رہے جیسے دونوں میں باہمی سمجھوتہ ہو گیا ہو۔ دن ڈھلے ژولیاں پادری سے دینیات کا درس لینے گیا۔ لیکن اس عجیب و غریب تجویز کا ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھا جو آج اس کے باپ کے سامنے پیش کی گئی تھی۔ اس نے دل میں کہا "ممکن ہے اس میں کوئی چال ہو مجھے ایسے بن جانا چاہئے جیسے بات ہی بھول گیا ہوں"۔

دوسرے دن صبح سویرے مو سیو دریناں نے بڈھے سوریل کو بلا بھیجا۔ سوریل دو ایک گھنٹے انتظار کرانے کے بعد آخر کار آ پہنچا۔ دروازے میں داخل ہوتے ہی اس نے معافی مانگنے اور آداب بجا لانے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ طرح طرح کی مین میخ نکال کے اس نے یہ بات معلوم کر ہی لی کہ اس کا بیٹا گھر کے مالک اور مالکہ کے ساتھ کھانا کھایا کرے گا۔ اور جس دن اور لوگ کھانے پر آئیں گے اس دن بچوں کے ساتھ ایک الگ کمرے میں۔ اسے میئر کی بے تابی کا جتنا زیادہ اندازہ ہوتا گیا۔ سوریل کے دل میں نئی سے نئی مشکلات پیدا کرنے کی خواہش اتنی ہی بڑھتی گئی۔ اس کے علاوہ تو اسے بدگمانی بہت تھی۔ دوسرے وہ بالکل بھونچکا ہو رہا تھا۔ چنانچہ وہ بولا کہ میں ذرا وہ کمرہ دیکھنا چاہتا ہوں۔ جس میں میرا بیٹا سویا کرے گا۔ یہ کمرہ خاصا بڑا اور خوب سجا سجایا تھا مگر ملازم تینوں بچوں کے پلنگ یہاں لا کر بچھا رہے تھے

یہ دیکھ کر بڈھے کسان کی آنکھیں تھوڑی سی کھلیں۔ اس نے بڑی خود اعتمادی کے ساتھ فوراً وہ کوٹ دیکھنے کو مانگا جو اس کے بیٹے کو ملنے والا تھا۔ موسیو ورینال نے دراز کھول کر سو فرانک نکالے۔

"تمہارا بیٹا یہ روپیہ لے کر موسیو دیوراں درزی کے پاس چلا جائے گا اور اپنے لئے سیاہ سوٹ سلوائے گا۔"

"لیکن فرض کیجئے کہ میں اسے آپ کے یہاں سے واپس بلالوں۔" کسان بولا اب وہ گفتگو کے سارے آداب یکسر بھول چکا تھا۔ "پھر وہ اپنا سیاہ کوٹ ساتھ لے جا سکے گا یا نہیں؟"

"ضرور، ضرور۔"

"اچھا، ٹھیک ہے!" سوریل نے گھسٹتی ہوئی آواز میں کہا "بس اب ایک بات اور طے ہونی باقی ہے۔ آپ اسے پیسے کتنے دیں گے؟"

"کیا مطلب!" موسیو ورینال نے غصے کے مارے چیخ کر کہا۔ "یہ بات تو طے ہو گئی تھی۔ میں تین سو فرانک دوں گا۔ میرے خیال میں اتنا بہت ہے۔ بلکہ زیادہ ہے۔"

"ہاں، آپ نے تو اتنے ہی پیسے کہے تھے۔ مجھے اس سے کب انکار ہے؟" بڈھے سوریل نے اور بھی آہستہ آہستہ بولتے ہوئے کہا۔ پھر اس کی ہوشیاری نے اسے ایک نئی بات سجھائی جس پر صرف انہیں لوگوں کو حیرت ہوگی جو اس علاقے کے کسانوں سے واقف نہیں ہیں اور اس نے موسیو ورینال کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ "دوسری جگہ ہمیں اس سے اچھے پیسے مل سکتے ہیں۔"

یہ سن کر میئر کا رنگ فق ہو گیا۔ لیکن اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا، اور پورے دو گھنٹے

کی ہنرمندانہ گفت وشنید کے بعد جس میں ایک لفظ بھی بے مقصد اور بے ضرورت نہیں بولا گیا۔ آخر کسان کی کاردانی نے رئیس کی کاردانی پر فتح پالی جسے اپنی بسر اوقات کے لئے اس خوبی کا سہارا نہیں لینا پڑتا تھا۔ وہ بے شمار شرطیں جن کے ذریعے ژولیاں کو نئی زندگی کا تعین ہونا تھا۔ آخر کار طے پا گئیں۔ اس کی تنخواہ چار سو فرانک مقرر ہوئی، بلکہ یہ بھی فیصلہ ہو گیا کہ تنخواہ ہر مہینے کی پہلی کو پیشگی ملا کرے گی۔

"بہتر ہے! میں اسے پینتیس فرانک دے دوں گا۔" موسیو درینال نے کہا۔

"آپ ہمارے میئر ہیں، بڑے آدمی ہیں، سخی ہیں۔" کسان نے خوشامدانہ لہجے میں لقمہ دیا۔ "مجھے یقین ہے آپ پورے چھتیس فرانک ہی کر دیں گے۔"

"چلو یہ بھی سہی۔" موسیو درینال نے کہا۔ "لیکن بس اب آگے بات نہیں ہونی چاہئے" اس دفعہ تو غصے کے مارے اس کے لہجے میں سختی آگئی۔ کسان سمجھ گیا کہ اب آگے بڑھنا ممکن نہیں۔ لہذا اب موسیو درینال کی باری آئی۔ بڈھا سوریل بے تاب تھا کہ بیٹے کی طرف سے پہلے مہینے کے چھتیس فرانک میں وصول کرلوں، مگر موسیو درینال نے اسے پیسے دینے سے انکار کر دیا۔ اسے خیال آیا کہ مجھے اپنی بیوی کو سارا حال سنانا پڑے گا کہ اس گفت وشنید میں میرا کیا حصہ رہا۔

"میں نے تمہیں جو سو فرانک دیئے تھے وہ واپس دے دو۔" اس نے بگڑ کے کہا "موسیو دیوراں پر میرا کچھ قرض ہے۔ میں تمہارے بیٹے کو ساتھ لے جا کے سیاہ کپڑا دلوا دوں گا"

سوریل نے جو یہ سخت گیری دیکھی تو دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے تعظیم وتکریم کا سلسلہ پھر شروع کر دیا۔ اس میں خاصا پاؤ گھنٹہ لگا۔ آخر جب اس نے دیکھا کہ اب کچھ اور ہاتھ نہیں آئے گا۔ تو میدان سے ہٹ گیا۔ اس کی تسلیمات و کورنشات کا خاتمہ ان الفاظ پہ ہوا۔

"میں اپنے بیٹے کو آپ کی کوٹھی پر بھیج دوں گا۔"
مٹیر کے ماتحت جب اسے خوش کرنا چاہتے تھے تو اس کے مکان کا ذکر اسی طرح کیا کرتے تھے۔

کارخانے میں واپس آکر سوریل نے بیٹے کو ڈھونڈا مگر وہ دکھائی نہ دیا۔ ژولیاں ڈر رہا تھا کہ خدا جانے کیا ہر کیا نہ ہو۔ اس لیئے وہ ٹھیک آدھی رات کو گھر سے کھسک گیا تھا۔ اُسے سب سے پہلی یہ فکر تھی کہ اپنی کتابوں اور اپنے تمغے کو حفاظت سے کہیں چھپا دوں۔ وہ اپنی ساری دولت اپنے ایک دوست فُوکے نامی لکڑیوں کے تاجر کے یہاں اٹھالے گیا تھا۔ جو ویریئر سے اوپر چھائے ہوئے اونچے پہاڑ کے پاس رہتا تھا۔

جب وہ واپس آیا تو باپ اس سے بولا "نکمے، کام چور، سالہا سال سے میں تجھے کھلا پلا رہا ہوں۔ خدا جانے تجھ میں کبھی اتنی شرافت بھی آئے گی یا نہیں کہ جتنے پیسے تیرے اوپر خرچ ہوتے ہیں۔ وہ تو میرے ہاتھ پر لا رکھے۔ جا اپنا کاٹھ کباڑ سنبھال، اور مٹیر کے یہاں چل۔"

ژولیاں کو تعجب ہوا کہ مار کیوں نہیں پڑی۔ چنانچہ وہ جلدی سے چل پڑا۔ لیکن اپنے خوفناک باپ کی نظروں سے اوجھل ہوتے ہی اس نے چال دھیمی کر دی۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ اگر میں گرجا بھی ہو لوں تو اس سے میری ریاکاری کا رنگ اور کھلے گا۔

یہ بات سن کر آپ کو تعجب ہوا ؟ لیکن اس ہولناک خیال تک پہنچنے سے پہلے اس نوجوان دیہاتی کی روح کو بہت لمبا چوڑا فاصلہ طے کرنا پڑا تھا۔

ابھی وہ بچہ ہی تھا کہ اسے کچھ فوجیوں کو اپنے باپ کے مکان کی سلاخوں دار کھڑکی سے اپنے گھوڑے باندھتے ہوئے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ یہ لوگ چھٹے دستے کے تھے اور

اٹلی سے واپس آرہے تھے۔ انہوں نے لمبی لمبی سفید وردیاں پہن رکھی تھیں اور ٹوپیوں پر
گھوڑے کے لمبے لمبے سیاہ بال لگا رکھے تھے۔ یہ نظارہ دیکھ کر وہ بیچارہ پیشے پر لٹو ہو گیا۔
کچھ دن بعد بڈھے سرجن میجر سے لودی کے پل، آرکول، اور روالی کی لڑائیوں کے قصے
سن سن کر اسے وجد آنے لگا۔ اسے یہ بھی نظر آیا کہ جب بڈھا ڈاکٹر اپنے تمغے کو دیکھتا ہے تو
اس کی آنکھیں دمک اٹھتی تھیں۔

لیکن جب ژولیاں چودہ سال کا ہوا تو ویریئر میں گرجا بننا شروع ہوا۔ اس چھوٹے سے
شہر کو دیکھتے ہوئے گرجا کو خاصا شاندار کہا جا سکتا ہے۔ سنگِ مرمر کے چار ستونوں سے
ژولیاں خاص طور پہ مرعوب ہوا۔ ان ستونوں کو سارے علاقے میں بڑی شہرت حاصل ہوئی
کیونکہ ان کی وجہ سے مجسٹریٹ اور نوجوان پادری کے درمیان مخاصمت پیدا ہو گئی تھی،
یہ پادری بیساں سون سے بھیجا گیا تھا۔ اور یہاں والوں کے خیال میں جیزوئٹ لوگوں کا جاسوس
تھا۔ مجسٹریٹ برطرف ہونے سے بال بال بچا۔ کم سے کم افواہ یہی گرم تھی۔ آخر اس نے ایک
ایسے پادری سے اختلافِ رائے کی جرأت کی تھی جو ہر پندرہ دن بعد بیساں سون جاتا تھا۔
اور لوگ کہتے تھے کہ وہاں جا کر بڑے پادری صاحب سے ملتا تھا۔

اس دوران میں مجسٹریٹ نے جس کا خاندان خاص بڑا تھا، کچھ لوگوں کو سزائیں دیں
جو بالکل نامنصفانہ معلوم ہوتی تھیں۔ یہ ساری سزائیں ان لوگوں کو ملیں جو آزاد خیال جماعت
کے حامی اخبار کے پڑھنے والے تھے۔ شاہ پسند جماعت کے لوگ خوب خوش ہوئے
یہ ٹھیک ہے کہ جرمانے تین یا چار فرانک سے زیادہ کے نہیں تھے لیکن ایک چھوٹا سا جرمانہ
ایک لوہار پر بھی ہو گیا جو ژولیاں کا دینی باپ تھا۔ وہ غصے کے مارے چیخ کر بولا "یہ آدمی
کیسا بدلا ہے! ذرا سوچو تو سہی، بیس سال سے لوگ اس مجسٹریٹ کو کتنا ایماندار سمجھتے رہے

ہیں!" ژدلیاں کا دوست سرجن میجر مرچکا تھا۔ اس کے بعد سے ژولیاں نے نپولین کا ذکر کرنا چھوڑ دیا اور یہ اعلان کر دیا کہ میں پادری بننا چاہتا ہوں۔ لاطینی کی انجیل جو وہ پادری سے مانگ لایا تھا۔ ہر وقت اس کے ہاتھ میں رہنے لگی اور وہ اپنے باپ کے کارخانے میں بیٹھا اُسے حفظ کرتا دکھائی دینے لگا۔ نیک دل بڈھے پادری کو اس کی ترقی کی رفتار دیکھ کر بڑی حیرت ہوتی اور وہ شام کا سارا وقت اسے دینیات پڑھانے میں صرف کرنے لگا۔ ژولیاں اس کے سامنے دینداری کی باتوں کے سوا اور کسی چیز کا ذکر نہ کرتا تھا۔ اس کا نازک، زرد اور لڑکیوں کا سا چہرہ دیکھ کر بھلا کسے خیال گزر سکتا تھا کہ وہ دل میں یہ اٹل ارادہ لئے پھرتا ہے کہ چاہے ہزار دفعہ موت کے منہ میں جانا پڑے۔ مگر میں دُنیا میں کامیابی حاصل کر کے چھوڑوں گا۔

ژولیاں کے نزدیک کامیابی حاصل کرنے کے معنی سب سے پہلے یہ تھے کہ ویریئر سے پیچھا چھٹے۔ اسے اپنے وطن سے سخت نفرت تھی۔ وہاں اسے جو چیز بھی نظر آتی ایسی ہوتی کہ اس کے تخیل کو خشک کر کے رکھ دیتی۔

لڑکپن کے زمانے ہی سے اس کی زندگی میں ایسے لمحے آنے لگے تھے جب اس کا تصوّر آسمان پر پرواز کرنے لگتا۔ ایسے موقعوں پر وہ عجب کیف کے عالم میں یہ خواب دیکھا کرتا کہ ایک دن اسے پیرس کی حسین عورتوں کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ اور وہ کوئی شاندار کارنامہ سرانجام دے کر اُن کی توجہ حاصل کرے گا۔ جب نپولین پر حسین وجمیل مادام دبوآرنے فریفتہ ہوئی ہے تو اس زمانے میں وہ بھی تو مفلس قلاّش تھا۔ پھر آخر ایک نہ ایک عورت اس پر کیوں نہ عاشق ہوگی؟ پچھلے کئی سال سے ژدلیاں کی زندگی میں ایک گھنٹہ بھی ایسا نہ گزرا تھا جب اس نے اپنے آپ کو یہ بات نہ یاد دلائی ہو کہ نپولین ایک گمنام اور غریب سپاہی

تھا، مگر اپنی تلوار کے زور سے اس نے دنیا فتح کر کے چھوڑی۔ یوں تو وہ اپنے مصائب کو بہت گراں بار سمجھتا تھا، لیکن اس خیال سے اُس کی ذرا ڈھارس بندھی ہوتی تھی بلکہ اگر وہ اتفاق سے خوش ہو تو خوشی دوبالا ہو جاتی تھی۔

گرجا کی تعمیر اور مجسٹریٹ کی سزاؤں نے اس کی آنکھیں یکایک کھول دیں۔ اس کے دماغ میں ایک ایسا خیال پیدا ہوا جس نے ہفتوں اسے پاگل بنائے رکھا اور آخر اس بُری طرح اس کے اوپر مسلط ہو گیا جیسے شدید جذباتی مزاج لوگوں کو کوئی بات پہلی دفعہ سوجھ جائے تو وہ اسے اپنی ایجاد سمجھ کر بس اُسی کے ہو رہتے ہیں۔

"جب نپولین نے شہرت حاصل کی ہے تو اس زمانے میں فرانس کو حملے کا خطرہ تھا۔ ان دنوں سپاہیانہ امتیاز حاصل کرنا ضروری بھی تھا اور فیشن میں بھی داخل ہو گیا تھا۔ آج کل پادریوں کو چالیس سال کی عمر میں ایک ایک لاکھ فرانک ملتے ہیں یعنی نپولین کے مشہور جرنیلوں سے تین گنا زیادہ۔ ان کی پشت پر ضرور کچھ اہم لوگ ہوں گے۔ اب اس مجسٹریٹ ہی کو دیکھو ایسا عقلمند آدمی ہے، اب تک اتنا ایماندار رہا ہے، لیکن اس عمر میں آ کے اسے اپنی عزت قربان کرنی پڑی، اور محض اس ڈر سے کہ کہیں ایک تیس سال کا پادری ناراض نہ ہو جائے۔ مجھے بھی پادری بننا چاہئے۔"

جب وہ دو سال تک دینیات پڑھ چکا تو اس نئی نئی دینداری کے باوجود ایک دفعہ ایسا ہوا کہ جو آگ اُسے اندر ہی اندر کھائے چلی جا رہی تھی۔ ایک دم سے بھڑک اٹھی اور اس کا راز فاش ہوتے ہوتے رہ گیا۔ یہ واقعہ موسیو شیلاں کے یہاں ہوا۔ اس دن کچھ پادریوں کی دعوت تھی۔ جن کے سامنے شیلاں نے اسے ایک تعلیمی عجوبے کے طور پر پیش کیا تھا۔ ژولیاں کو ایک بار جو ہوش آیا تو دیکھا کہ میں بڑی گرم جوشی سے نپولین کی تعریف کئے

چلا جا رہا ہوں۔ اس نے اپنا دایاں بازو سینے پر باندھ لیا اور لوگوں سے یہ کہہ دیا کہ لکڑی اٹھانے میں کندھا اتر گیا ہے۔ دو مہینے تک اس نے بازو کو اسی تکلیف دہ حالت میں رکھا۔ اتنی ایذا کشی کے بعد جاکے اس نے اپنے آپ کو معاف کیا۔ یہ ہے وہ اٹھارہ سال کا کمزور سا نوجوان جسے آپ زیادہ سے زیادہ سترہ سال کا بتاتے اور جو اس وقت بغل میں چھوٹا سا پلندہ دبائے ویبتیر کے شاندار گرجا میں داخل ہو رہا تھا۔

گرجا میں کوئی نہیں تھا اور اندھیرا سا ہو رہا تھا۔ کسی تہوار کی وجہ سے عمارت کی ساری کھڑکیاں شہابی رنگ کے کپڑے سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ اس کا اثر یہ پڑا کہ دھوپ ذرا چمکی تو ایسی آگ سی دہکی کہ آنکھیں خیرہ ہونے لگیں اور فضا پر بڑا وقار اور تقدس طاری ہو گیا۔ ژولیاں لرزاٹھا۔ چونکہ وہ گرجا میں اکیلا تھا، اس لئے جو بنچ سب سے زیادہ خوبصورت دکھائی دی، اسی پر بیٹھ گیا۔ اس پر مسیو دریناآل کا نشان بنا ہوا تھا۔

ژولیاں نے سامنے ڈیسک پر چھپے ہوئے کاغذ کا ایک پرزہ اس طرح رکھا دیکھا جیسے پڑھنے کے لئے پھیلا یا گیا ہو۔ اس نے ذرا غور سے دیکھا تو یہ لکھا تھا ـــــ

"لوئی ژاں ریل کی پھانسی اور آخری وقت کے حالات، جسے بساآں سوں میں بتاریخ . . . . . سزا دی گئی۔"

کاغذ پھٹا ہوا تھا۔ دوسری طرف اس نے ایک سطر کے شروع کے الفاظ پڑھے جو یہ تھے۔ ـ"پہلا قدم"

"یہ کاغذ یہاں کس نے رکھا ہے؟" ژولیاں کہنے لگا۔ "بچارا غریب!" اس نے آہ بھر کے کہا "اس کے نام کے آخری حرف بھی وہی ہیں جو میرے نام کے۔" اور اس نے کاغذ کو توڑ مروڑ ڈالا۔

باہر نکلتے ہوئے ژولیاں کو ایسا لگا جیسے مادام معمودیہ کے برتن کے پاس خون نظر آیا ہو۔ یہ دراصل پانی ہی تھا جو برتن میں سے چھلک گیا تھا، البتہ کھڑکیوں کے سرخ پردوں کے عکس سے خون معلوم ہونے لگا تھا۔

آخر ژولیاں کو اپنے اس پوشیدہ خوف پر شرم آنے لگی۔

"کیا میں اتنا بزدل ہوں؟" اس نے دل میں کہا "بزدل!"

یہ لفظ جو اس نے بڈھے ڈاکٹر کے لڑائیوں کے قصوں میں بار بار سنا تھا ژولیاں کو بڑا معرکہ آرا معلوم ہوتا تھا۔ وہ اٹھا اور جلدی جلدی موسیو دریناں کے مکان کی طرف چل پڑا۔

ان دلیرانہ عزائم کے باوجود جیسے ہی بیس گز کے فاصلے پر وہ مکان نظر آیا۔ اس پر جھجک غالب آ گئی۔ لوہے کا پھاٹک کھلا ہوا تھا اور اسے بہت شاندار معلوم ہو رہا تھا۔ اب اسے اس پھاٹک میں سے گزرنا تھا۔

ایک اکیلا ژولیاں ہی نہیں تھا جس کا دل اس گھر میں آتے ہوئے دھکڑ پکڑ کر رہا ہو۔ مادام دریناں بے حد شرمیلی تھی، اور اسے یہ سوچ سوچ کر کوفت ہو رہی تھی کہ اب یہ اجنبی اپنے فرائض کی بجا آوری کے سلسلے میں میرے اور بچوں کے درمیان متواتر حائل ہوتا رہے گا۔ اسے یہ عادت پڑ چکی تھی کہ بچے اس کے کمرے میں سوئیں اس دن صبح کو جب اس نے دیکھا کہ بچوں کی پلنگڑیاں اتالیق کے کمرے میں جا رہی ہیں تو اس نے ٹپ ٹپ آنسو گرانے شروع کر دیے تھے اس نے شوہر سے التجا کی تھی کہ سب سے چھوٹے لڑکے اسٹانس لاس زاویے کا بستر پھر میرے کمرے میں پہنچا دیا جائے، مگر ایک نہ چلی۔

مادام دریناّل میں نسائی نزاکت اپنی انتہا کو پہنچ گئی تھی۔ اس کے ذہن میں ایک اجڑے گھسٹے، بے ہنگم انسان کا تصور بسا ہوا تھا جو اس کے بچوں کو ڈانٹنے ڈپٹنے کے لئے ملازم رکھا جا رہا تھا، اور صرف اس خوبی کی بنا پر کہ اسے لاطینی آتی تھی ـــــ یعنی وہ جنگلی زبان جس کی خاطر اس کے بیٹے کوڑے کھانے والے تھے۔

چھٹا باب

بے کیفی

اب مجھے کچھ نہیں معلوم کہ میں کر کیا رہا ہوں۔

مونسارت

مادام درینال مردوں کی نظر سے دور ہوتی تو اس میں اپنے آپ سے اپنے آپ ایک نفاست اور چلبلاپن آجاتا۔ اس وقت وہ اسی انداز سے شیشے کے دروازے میں سے باہر نکل رہی تھی جو دیوان خانے کی طرف سے باغ میں کھلتا تھا۔ اتنے میں اس نے دیکھا کہ پھاٹک کے پاس ایک انتہائی زرد رو نوجوان کسان کھڑا ہے جو بالکل لڑکا سا لگتا ہے اور جس کے چہرے پر آنسوؤں کے نشان ہیں۔ وہ سفید رنگ کی صاف قمیص پہنے ہوئے تھا اور بغل میں ایک ستھرا سا لال اونی کوٹ دبا ہوا تھا۔

اس نوجوان کا رنگ اتنا گورا اور آنکھیں ایسی دل کش تھیں کہ پہلے تو مادام درینال کے قدرے رومانی دماغ میں یہ خیال آیا کہ کوئی لڑکی بھیس بدل کے میئر کے پاس رُک کے رہ گئی تھی اور جسے شاید گھنٹی بجانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ مادام درینال کو اتالیق کے آنے پر جو شدید رنج ہو رہا تھا۔ وہ اس وقت اس کے ذہن سے بالکل اتر گیا، اور وہ

آگے بڑھی۔ ژدلیاں کا منہ پھاٹک کی طرف تھا۔ اس نے مادام کو آتے نہیں دیکھا جب اس نے ایک ملائم سی آواز اپنے کان کے قریب سنی تو وہ کانپ اٹھا۔

"بچے، تم کس لئے آئے ہو؟"

ژدلیاں ایک دم سے مڑا اور مادام ورینال کے دلکش انداز سے اتنا متاثر ہوا۔ کہ اس کی جھجک تھوڑی سی کم ہو گئی۔ ایک لمحے بعد تو وہ اس کا حسن دیکھ کر بالکل بھونچکا رہ گیا اور اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا۔ اسے تو یہ بھی یاد نہ رہا کہ میں یہاں آیا کس غرض سے ہوں۔ اتنے میں مادام درینال نے اپنا سوال دہرایا۔

"بیگم صاحب، میں یہاں اتالیق بن کے آیا ہوں" اس نے آخر اپنے آنسوؤں پر شرما کر انہیں جلدی جلدی پونچھتے ہوئے کہا۔

مادام درینال سکتے میں آ گئی۔ وہ دونوں پاس پاس کھڑے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ ژدلیاں کو ایسا اتفاق کبھی نہیں ہوا تھا کہ ایسے عمدہ لباس اور حسین رنگ والی عورت اتنے ملائم لہجے میں اس سے بات کرے۔ مادام درینال نے ان موٹے موٹے آنسوؤں کی طرف دیکھا جو اس نوجوان کسان کے رخساروں پر ابھی تک چمک رہے تھے ——— ان رخساروں پر جو پہلے تو زرد تھے اور اب اتنے گلابی ہو گئے تھے۔ پھر وہ لڑکیوں کی سی طوفانی زندہ دلی کے ساتھ ایک دم قہقہہ مار کے ہنس پڑی۔ اسے اپنے اوپر ہنسی آ رہی تھی اور وہ اپنی خوشی کا صحیح اندازہ لگانے کی بے سود کوشش کر رہی تھی۔ تو یہ تھا وہ اتالیق جسے وہ ایک میلا کچیلا اور بے ڈھنگے کپڑے پہننے والا راہب سمجھ رہی تھی اور جو اس کے خیال میں بچوں کو ڈانٹنے ڈپٹنے اور کوڑے لگانے آ رہا تھا۔

"کیوں، جناب" آخر وہ اس سے بولی "کیا آپ کو لاطینی آتی ہے؟"

"جنابِ عالی" کا لفظ سن کر ژولیاں کو ایسا تعجب ہوا کہ وہ جواب دینے سے پہلے
لمحہ بھر سوچتا رہا۔

"جی، بیگم صاحب۔" اس نے جھینپتے ہوئے کہا۔

مادام دریناآل کو ایسی خوشی ہوئی کہ اس نے ذرا ہمت کر کے ژولیاں سے پوچھا
"آپ بچارے بچوں کو زیادہ ڈانٹیں ڈپٹیں گے تو نہیں؟"

"ڈانٹوں گا، میں؟" ژولیاں نے حیران ہو کر پوچھا۔ "میں کیوں ڈانٹوں گا؟"

تھوڑی سی خاموشی کے بعد، مادام دریناآل کچھ ایسی آواز میں بولی جو لمحہ بہ لمحہ اور
جذباتی ہوتی جا رہی تھی: "اچھا تو آپ وعدہ کرتے ہیں نا کہ ان کے ساتھ اچھی طرح پیش
آئیں گے؟"

اتنے عمدہ کپڑوں والی حسین ایک خاتون کا اُسے دوبارہ "جناب" کہہ کر مخاطب
کرنا ایک ایسی بات تھی جو کبھی ژولیاں کے خواب و خیال میں بھی نہ آئی تھی۔ لڑکپن میں اور
خیالی پلاؤ پکاتے ہوئے وہ تو یہی سوچا کرتا تھا کہ جب تک میں [illegible] باوردی
[illegible] کوئی فیشن ایبل عورت تو مجھ سے بات کرنا بھی گوارا نہ کرے گی۔ [illegible] مادام دریناآل
تو ژولیاں کی [illegible] رنگت، بڑی بڑی سیاہ آنکھیں، اور وہ نفیس بال دیکھ کر بالکل مسحور
ہو گئی جو آج معمول سے زیادہ گھنگریالے ہو رہے تھے [illegible] ٹھنڈا ہونے
کے لیے فوارے کے حوض میں ابھی ابھی اپنا سر ڈبویا تھا [illegible] کی خاطر
اس خوفناک اتالیق کی سختی اور وحشیانہ پن سے ڈر لگ رہا تھا [illegible] سے بڑی
خوشی ہوئی کہ وہ تو بالکل لڑکیوں کی طرح شرمیلا ہے۔ [illegible] بھی تھی اور
جو کچھ اس کی نظروں کے سامنے آیا ان دونوں کا تضاد مادام دریناآل کی امن پسند

فطرت کے لئے بہت بڑا واقعہ تھا آخر اس کی حیرانی دور ہوگئی، اور اسے یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ میں اپنے گھر کے پھاٹک پر یوں اس نوجوان کے ساتھ کھڑی ہوا جس نے خالی ایک قمیص پہن رکھی ہے اور جو مجھ سے اتنے قریب ہے۔

"آئیے، جناب، اندر چلیں۔" اس نے خلاف جھینپتے ہوئے کہا۔

مادام دربنال کی زندگی میں کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ ایک خالصتاً خوشگوار احساس نے اس کے جذبات میں ایسی ہل چل مچائی ہو، یا اتنے اضطراب اور خوف کے پیچھے پیچھے ایسی دل کش مسرت نمودار ہوتی ہو۔ غرض وہ پیارے پیارے بچے جنہیں اس نے اتنے لاڈ سے پالا تھا، ایک گندے اور غرانے والے راہب کے پنجے میں پھنسنے سے بچ گئے تھے۔ بڑے کمرے میں پہنچتے ہی اس نے مڑ کر ژولیاں کی طرف دیکھا جو سکڑا سمٹا اس کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔ اتنا عمدہ مکان دیکھ کر وہ حیران رہ گیا۔ مادام دربنال کو یہ بات اور اچھی لگی۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا اور یہ بات بڑی شدت سے محسوس ہو رہی تھی کہ اتالیق کو سیاہ کوٹ میں ملبوس ہونا چاہیے تھا۔

وہ چلتے چلتے پھر رک گئی۔ اپنے اس یقین سے وہ اتنی خوش ہو رہی تھی کہ اسے ڈر لگا کہیں کوئی غلط فہمی نہ ہوگئی ہو۔ اور وہ بولی: "تو جناب یہ ٹھیک ہے نا کہ آپ کو لاطینی آتی ہے؟"

اس فقرے سے ژولیاں کو دھکا سا لگا اور پاؤ گھنٹے سے وہ جس سرور کے عالم میں تھا وہ سب تحلیل ہو گیا۔

"جی، بیگم صاحب۔" اس نے سرد مہری برتنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے اتنی ہی لاطینی آتی ہے جتنی پادری صاحب کو۔ بلکہ بعض دفعہ تو وہ از راہِ نوازش

کہا کرتے ہیں کہ انہیں مجھ سے اچھی آتی ہے۔"

مادام دریناال کو ژولیاں کے چہرے سے کچھ بدی سی ٹپکتی معلوم ہوئی۔ وہ اس سے کوئی دو قدم کے فاصلے پر آکے رُک گیا تھا۔ مادام دریناال ذرا اور قریب آگئی اور آہستہ سے بولی۔ "شروع کے دو چار دن اگر بچوں کو سبق یاد نہ بھی ہوا تو بھی آپ انہیں ماریں گے تو نہیں؟"

اتنی حسین عورت کے منہ سے یہ بات سُن کے اور یہ ملائم اور قریب قریب التجا آمیز لہجہ دیکھ کر ژولیاں بالکل ہی بھول گیا کہ لاطینی کے عالم کی حیثیت سے میری جو شہرت ہے اس کے مطابق میرا فرض کیا ہے۔ مادام دریناال کا چہرہ اس کے بالکل قریب تھا۔ موسم گرما کے زنانہ لباس کی خوشبو اسے سنگھائی دے رہی تھی۔ جو کسی غریب کسان کے لیے بڑی حیرتناک چیز ہوتی ہے۔ ژولیاں کا چہرہ بالکل سرخ ہو گیا۔ اور اس نے آہ بھر کے دھیمی سی آواز میں کہا "بیگم صاحب، ڈریئے نہیں۔ میں ہر معاملے میں آپ کا فرماں بردار ہوں گا۔"

اپنے بچوں کے بارے میں اس کی فکر بالکل دور ہو گئی تو کہیں جا کے مادام دریناال کو احساس ہوا کہ ژولیاں کتنا حسین ہے۔ وہ خود بے انتہا شرمیلی تھی۔ اس لیے ژولیاں کے نسائی خدوخال اور اس کا جھینپو پن اسے ذرا بھی مضحکہ خیز نہیں معلوم ہوا۔ اگر اس میں وہ تیور ہوتے جو مردانہ حسن کے لئے لازمی سمجھے جاتے ہیں تو وہ ڈر جاتی۔

"کیوں جناب، آپ کی عمر کیا ہے؟" اس نے ژولیاں سے پوچھا۔

"میں انیس سال کا ہونے والا ہوں۔"

"میرا سب سے بڑا بیٹا گیارہ سال کا ہے۔" مادام دریناال پوری طرح مطمئن ہو کے بولی۔ "وہ تو آپ کا دوست سا لگے گا۔ اس سے آپ سنجیدہ باتیں بھی کر سکتے ہیں۔ ہو ایک

اس کا اثر یہ ہوتا ہے، خصوصاً اس وقت کہ جس عورت میں یہ خوبی ہو اُسے دلکش بننے کی ذرا بھی فکر نہ ہو۔ اس وقت ژرولیاں جو نسائی حُسن کے پرکھنے میں خاصا ماہر تھا۔ قسم کھا کے کہہ سکتا تھا کہ اس کی عمر بیس سال سے زیادہ نہیں۔ اس کے دل میں اچانک یہ جسارت آمیز خیال آیا کہ مادام درینال کا ہاتھ چوم لے۔ پھر وہ اس خیال سے ڈر گیا۔ لمحے بھر کے بعد دل میں بولا — "اگر میں اس خیال پر عمل نہ کروں تو بڑی بزدلی کی بات ہے۔ یہ فعل میرے لئے کارآمد ثابت ہو سکتا ہے۔ میں ایک غریب مزدور ہوں، ابھی اپنی مشین چھوڑ کے آرہا ہوں۔ یہ بیگم صاحبہ شاید مجھے حقارت کی نظروں سے دیکھتی ہوں گی۔ اس سے اور کچھ نہیں تو یہ حقارت تو کم ہو جائے گی۔" شاید ژرولیاں کی ہمت کچھ اس وجہ سے بھی بڑھ گئی تھی کہ پچھلے چھ مہینے سے وہ اتوار کے دن لڑکیوں کے منہ سے "خوبصورت لڑکا" سن رہا تھا۔ اس کے دل میں یہ جنگ جاری تھی کہ مادام درینال اسے دو چار مشورے دینے لگی کہ بچوں سے شروع میں کیسے بات کرے۔ ژرولیاں اپنے آپ کو قابو میں رکھنے کی جان توڑ کوششیں کر رہا تھا۔ اس سے وہ پھر بالکل پیلا پڑ گیا۔ اس نے کچھ جھجکتے ہوئے کہا

"بیگم صاحبہ، میں آپ کے بچوں کو ہاتھ تک نہیں لگاؤں گا۔ میں خدا کی قسم کھا کے کہتا ہوں۔"

اور یہ کہہ کر اس نے جسارت سے کام لیتے ہوئے مادام درینال کا ہاتھ پکڑ کے اپنے ہونٹوں سے لگا لیا۔ وہ اس حرکت پر بھونچکی رہ گئی اور جب اس پر غور کیا تو اُسے دھکا سا لگا۔ چونکہ اس دن گرمی ہو رہی تھی اس لئے شال کے نیچے اس کا بازو بالکل برہنہ تھا اور ژرولیاں نے جو اس کا ہاتھ اونچا کر کے اپنے ہونٹوں سے لگایا تو بازو کندھے

تک کھل گیا۔ ایک منٹ بعد وہ اپنے آپ کو لعنت ملامت کرنے لگی۔ اس نے محسوس کیا کہ یہ حرکت اسے بہت دیر میں ناگوار گذری۔

موسیو وریناآل بانوں کی آواز سن کر اپنے کمرے سے نکل آیا۔ ٹاؤن ہال میں شادیاں کراتے وقت وہ جس قسم کا پرجلال اور مربیانہ انداز اختیار کر لیتا تھا، بالکل اسی انداز میں ژولیاں سے بولا۔

"بچوں سے ملانے سے پہلے ضروری ہے کہ میں آپ سے کچھ باتیں کر لوں۔"

وہ ژولیاں کو ایک کمرے میں لے گیا اور جب اس کی بیوی ان دونوں کو وہاں چھوڑ کے باہر جانے لگی تو اسے بھی ٹھیرا لیا۔ دروازہ بند کرنے کے بعد موسیو وریناآل بڑا گمبھیر بن کے بیٹھ گیا۔

"پادری صاحب نے مجھے بتایا ہے کہ آپ بڑے نیک آدمی ہیں۔ اس گھر میں ہر شخص آپکے ساتھ عزت کا سلوک کرے گا۔ اگر آپ کا کام اطمینان بخش رہا تو کچھ دن بعد میں آپ کو اپنا گھر بسانے میں بھی مدد دوں گا۔ میں چاہتا ہوں کہ اب آپ اپنے خاندان والوں اور اپنے دوستوں سے ملنا جلنا بالکل چھوڑ دیں، ان کا رنگ ڈھنگ میرے بچوں کے لئے مناسب نہیں رہے گا۔ یہ پہلے مہینے کے چھتیس فرانک لیجئے۔ لیکن قسم کھائیے کہ آپ ان میں سے ایک پیسہ بھی اپنے والد کو نہیں دیں گے۔"

موسیو وریناآل بڈھے سے چڑا ہوا تھا۔ کیونکہ اس سودے میں بڈھے نے اپنے آپ کو اس سے بھی زیادہ ہوشیار ثابت کر دکھایا تھا۔

"اچھا، جناب، دیکھئے میں نے حکم دے دیا ہے کہ اس گھر میں ہر آدمی آپ سے "جناب" کہہ کر بات کرے۔ اب آپ کو پتا چلے گا کہ معقول لوگوں کے گھر رہنے کے

کھا رہے ہیں۔ "ہاں، جناب، یہ مناسب نہیں ہوگا کہ بچے آپ کو یہ کوٹ پہنے دیکھیں۔ نوکروں نے تو انہیں نہیں دیکھا؟" مرسیو دریناآل نے بیوی سے پوچھا۔

"نہیں، پیارے۔" اس نے ایسے جواب دیا جیسے کسی گہری سوچ میں ہو۔

"ٹھیک ہے۔ یہ لیجئے یہ پہن لیجئے۔" اس نے متحیر نوجوان کو اپنا ایک کوٹ دیتے ہوئے کہا۔ "آیئے، اب درزی کے یہاں چلیں۔"

ایک گھنٹے بعد جب مرسیو دریناآل سیاہ کپڑوں میں ملبوس نئے اتالیق کو ساتھ لئے واپس آیا تو دیکھا کہ بیوی ابھی تک اسی جگہ بیٹھی ہے۔ مادام دریناآل کو ژولیاں کی موجودگی سے کچھ سکون ملا۔ اس کی شکل و صورت کو غور سے دیکھتے ہیں وہ ڈرنا بھی بھول گئی۔ ژولیاں کو اس کا خیال بھی نہیں آ رہا تھا۔ حالانکہ وہ تقدیر اور انسانیت کی طرف سے بڑا بدگمان تھا۔ مگر فی الحال تو اس کی کیفیت بالکل بچوں کی سی ہو رہی تھی۔ تین گھنٹے پہلے وہ گرجا میں کھڑا لرز رہا تھا۔ لیکن اس وقت تو اسے کچھ ایسا لگ رہا تھا۔ گویا جب سے اب تک سالہا سال بیت چکے ہوں۔ اس نے دیکھا کہ مادام دریناآل کچھ تنی ہوئی سی ہے اور اسے خیال ہوا کہ وہ ناراض ہو گئی ہے کیونکہ میں نے اس کا ہاتھ چومنے کی جسارت کی تھی۔ لیکن آج اس کے کپڑے ان کپڑوں سے بالکل مختلف تھے جو وہ عام طور سے پہنتا تھا۔ ان کے لمس نے اس کے اندر غرور کا سا احساس پیدا کر دیا تھا اور اس کا دل بلیوں اچھل رہا تھا۔ ساتھ ہی اسے اپنی خوشی کو چھپانے کی بھی فکر پڑی ہوئی تھی۔ چنانچہ اس کی تمام حرکات و سکنات کچھ نہ کچھ بے ڈھنگی اور احمقانہ بن کے رہ گئی تھیں۔ مادام دریناآل اسے حیرت کی نظروں سے تک رہی تھی۔

مرسیو دریناآل نے کہا۔ "اگر آپ چاہتے ہیں کہ میرے بچے اور ملازم آپ کی

عزت کریں تو ذرا بخید گی سے کام لیجئے۔"

"حضور" ژولیاں نے جواب دیا۔" ان نئے کپڑوں میں مجھے تکلیف سی ہو رہی ہے۔ میں تو ایک غریب کسان ہوں۔ میں نے تو چھوٹے کوٹ کے سوا کبھی اور کچھ پہنا ہی نہیں۔ آپ اجازت دیں تو میں اپنے کمرے میں چلا جاؤں۔"

"کہو اس نئی دریافت کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟" موسیو درینال نے بیوی سے پوچھا۔

اسے خود بھی پتہ نہیں تھا کہ میں کیا کر رہی ہوں، لیکن مادام درینال نے بالکل جبلی طور پر اصل بات اپنے شوہر سے پوشیدہ ہی رکھی۔

"آپ تو اس دیہاتی لڑکے سے بالکل مسحور ہو کے رہ گئے ہیں۔ مجھے تو وہ اتنا پسند نہیں آیا۔ آپ کی مہربانیاں اسے گستاخ بنا دیں گی اور مہینہ بھر بھی نہیں گزرے گا کہ آپ اسے نکال باہر کریں گے۔"

"تو ٹھیک ہے! پھر ہم اسے نکال دیں گے۔ اس پر میرے سو فرانک ہی تو ضائع ہوں گے لیکن ویریئیر والوں کو موسیو درینال کے بچوں کے ساتھ اتالیق دیکھنے کی عادت تو پڑ جائے گی۔ اگر میں ژولیاں کو اسی طرح مزدوروں کے سے کپڑے پہنے رہنے دیتا تو یہ بات کبھی حاصل نہ ہوتی۔ جب میں اسے نکالوں گا تو آج درزی سے جو سیاہ سوٹ سلوایا ہے اسے رکھ لوں گا جو کوٹ درزی سے بنا بنایا خریدا ہے اور جسے وہ اس وقت پہنے ہوئے ہے۔ اس کے سوا وہ اور کچھ نہیں لے جا سکے گا۔"

ژولیاں اپنے کمرے میں کوئی گھنٹہ بھر رہا۔ لیکن یہ وقفہ مادام درینال کو ایک سیکنڈ کے برابر معلوم ہوا۔ بچوں کو ان کے نئے اتالیق کی آمد کی اطلاع دے دی

گئی تھی۔ انہوں نے سوالوں کے مارے اپنی ماں کو پریشان کر ڈالا۔ آخر ژرولیاں باہر نکلا اس وقت وہ بالکل دوسرا آدمی تھا۔ یہ کہنا کافی نہیں ہوگا کہ وہ سنجیدہ لگ رہا تھا۔ وہ تو مجسم سنجیدگی بنا ہوا تھا۔ بچوں سے اس کا تعارف ہوا اور ان سے اس نے کچھ اس انداز سے باتیں کیں کہ خود موسیو وریناں کو تعجب ہونے لگا۔

اپنی تقریر کے خاتمے پر وہ ان سے بولا "بچو، میں یہاں تمہیں لاطینی پڑھانے آیا ہوں۔ تمہیں تو معلوم ہے کہ آموختہ دہرانے کا کیا مطلب ہے۔ دیکھو یہ انجیل مقدس ہے:" اس نے سیاہ جلد کی ایک چھوٹی سی کتاب انہیں دکھاتے ہوئے کہا "یہ خاص طور سے ہمارے آقا یسوع مسیح کی کہانی ہے یعنی وہ حصہ جسے عہد نامۂ جدید کہتے ہیں میں اکثر تم سے تمہارا سبق سنا کروں گا۔ اب تم ذرا مجھ سے تو میرا سبق سنو۔"

سب سے بڑے بچے ایدولف نے کتاب ہاتھ میں لے لی تھی۔

"جہاں سے جی چاہے کتاب کھول لو" ژرولیاں کہنے لگا "اور مجھے کسی عبارت کے پہلے تین لفظ بتا دو۔ جب تک تم مجھے نہیں روکو گے۔ میں یہ مقدس عبارت زبانی سناتا رہوں گا۔ جو ہم سب کے لئے مشعل ہدایت ہے۔"

ایدولف نے کتاب کھول کے دو چار لفظ پڑھے اور ژرولیاں نے سارا صفحہ یوں فر فر سنا دیا جیسے فرانسیسی بول رہا ہو۔ موسیو وریناں نے بڑی فتح مندی کے ساتھ اپنی بیوی کی طرف دیکھا۔ بچوں نے جو اپنے والدین کو اچنبھے میں دیکھا تو ان کی آنکھیں بھی پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ سننے میں ایک ملازم دیوان خانے کے دروازے پر آیا۔ ژرولیاں اسی طرح لاطینی بولتا رہا۔ ملازم پہلے تو گم صم کھڑا رہا، پھر غائب ہوگیا۔ تھوڑی دیر میں خادمہ اور باورچن بھی دروازے میں آ کھڑی ہوئیں۔ اس وقت تک ایدولف کتاب کو تیس جگہ سے

جگہ سے کھول چکا تھا، اور ژولیاں اسی آسانی سے ساری عبارت دہرا رہا تھا۔

"کیسا پیارا سا پادری ہے" باورچن نے بآوازِ بلند کہا۔ جو بڑی نیک اور دیندار لڑکی تھی۔

موسیو دریناں کو اپنی عزتِ نفس کی فکر پڑ گئی تھی۔ اتالیق کا امتحان لینے کا خیال آتا تو درکنار، وہ تو اس تلاش میں تھا کہ لاطینی کے دوچار لفظ دماغ کے کسی کونے کھدرے میں پڑے مل جائیں۔ آخر اس نے کسی نہ کسی طرح ہوریس کا ایک شعر پڑھ ہی دیا۔ ژولیاں کو انجیل کے علاوہ اور لاطینی نہیں آتی تھی۔ اس نے بھنویں سکیڑ کر جواب دیا "میں اپنے آپ کو مقدس کلیسا کی خدمت کے لئے وقف کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے ہوریس جیسے ناپاک شاعر کو پڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔"

موسیو دریناں نے بہت سے شعر ہوریس کے تلک سنا ڈالے پھر بچوں کو مفصل طور سے سمجھایا کہ ہوریس کون تھا۔ لیکن بچے ژولیاں سے اتنے مرعوب ہوئے تھے کہ انہوں نے سنا ہی نہیں باپ کیا کہہ رہا ہے۔ ان کی نظریں تو ژولیاں کی طرف لگی ہوئی تھیں۔

نوکر ابھی تک دروازے پکڑے تھے۔ ژولیاں نے امتحان کو طول دینا لازمی سمجھا اور سب سے چھوٹے بچے سے بولا "اچھا، استانس لاس زاویئے، اب تم بھی مجھے مقدس کتاب کی کوئی عبارت سنو۔"

ننھا استانس لاس فخر سے پھول کے کپا ہو گیا اور جیسے بھی بن پڑا ایک عبارت کے شروع کے الفاظ سنائے۔ ژولیاں نے سارا صفحہ دہرا دیا۔ خدا کو یہی منظور تھا کہ موسیو دریناں کی فتح مندی میں کوئی کسر باقی نہ رہ جائے۔ ابھی ژولیاں وہ عبارت دہرا ہی رہا تھا کہ ان خوبصورت نارمن گھوڑوں کا مالک موسیو والنو اور ضلع کا ایک حاکم موسیو شارکو بھی آ پہنچے۔ اس نمائش

کے بعد تو ژولیاں اس بات کا حقدار بن گیا۔ کہ اسے "جناب" کہہ کر مخاطب کیا جائے۔ اب نوکروں کی بھی یہ ہمت نہیں تھی کہ اسے اس لقب سے محروم رکھ سکیں۔

اس دن شام کو یہ عجوبہ دیکھنے کے لئے سارا ویریئر موسیو ورینال کے یہاں ڈھل آیا۔ ژولیاں نے سب کی باتوں کا جواب کچھ افسردگی کے ساتھ دیا اور انہیں دور ہی دور رکھا اس کی شہرت اس تیزی سے پھیلی کہ موسیو ورینال کو ڈر لگنے لگا کہ کہیں وہ ہاتھ سے نکل جائے۔ چنانچہ دو چار دن بعد ہی اس نے ژولیاں کے سامنے دو سال کے معاہدے کی تجویز پیش کر دی۔

"نہیں، جناب"۔ ژولیاں نے سرد مہری سے جواب دیا۔ "اگر آپ مجھے برطرف کرنا چاہیں تو مجھے ملازمت چھوڑنی پڑے گی۔ اس معاہدے سے میرے تو ہاتھ بندھ جائیں گے، لیکن آپ کے اوپر کوئی پابندی نہیں ہو گی۔ یہ تو بے انصافی ہے۔ مجھے معاہدہ منظور نہیں"۔

ژولیاں نے ایسی ہوشیاری سے کام لیا کہ مہینے بھر کے اندر اندر خود موسیو ورینال اس کی عزت کرنے لگا۔ موسیو ورینال اور موسیو والنو سے پادری کی لڑائی تو ہو ہی گئی تھی۔ چنانچہ اب کوئی اس کا یہ راز فاش نہ کر سکتا تھا کہ ایک زمانے میں اسے نپولین سے بڑی عقیدت تھی اور وہ خود یہ احتیاط برتنے لگا تھا کہ نپولین کا ذکر آتا تو وہ بڑی نفرت کا اظہار کرتا۔

ساتواں باب

رُوحانی ہم آہنگی

انھیں اس کے سوا اور کچھ نہیں آتا کہ دل کو چھوتے ہی زخمی کر دیں۔
آج کل کا ایک مصنف

بچے اس پر لٹو تھے۔ لیکن اسے ان سے کوئی لگاؤ نہ تھا۔ اس کے خیالات تو کہیں اور ہی تھے۔ بچے کتنی ہی شرارتیں کیوں نہ کریں۔ اُسے کبھی غصہ نہ آتا۔ وہ کچھ سرد مہر، معتدل مزاج اور بے حس تو ضرور لگتا تھا، مگر سب اُسے پسند کرتے تھے۔ کیونکہ اس کے آنے سے گھر کی بے رنگی کسی نہ کسی حد تک دور ہو گئی تھی۔ غرض وہ بڑا اچھا اتالیق ثابت ہوا۔ رہا اس کا سوال، تو اُسے اونچی سوسائٹی سے بڑی نفرت اور چڑ تھی۔ جہاں اُسے میز کے بالکل آخر میں بٹھایا جاتا تھا۔ غالباً اس بات سے اس کی نفرت اور چڑ کی کچھ توجیہ ہو سکتی ہے۔ بعض خاص خاص دعوتوں میں تو اُسے ہر چیز سے اتنی گھن آتی کہ چھپائے نہ چھپتی۔ خاص طور سے سینٹ لوئی کے تہوار والے دن موسیو وال ڈو؛ ریناآل کے یہاں بیٹھا دُوں کی لے رہا تھا۔ اُس دن لوژولیاں کا بھانڈا پھوٹ گیا ہوتا۔ مگر وہ بچوں کو دیکھ کے آنے کا بہانہ کر کے باغ میں بھاگ گیا۔ ایمانداری کی

ستان میں کیا کیا قصیدے پڑھے جا رہے ہیں!" وہ غصّے کے مارے چیخ اٹھا۔ "معلوم ہوتا ہے
کہ دنیا میں بس یہی تو ایک خوبی رہ گئی ہے۔ اور خود اس آدمی کا یہ حال ہے کہ جب سے غریبوں
کی نگہداشت کا کام اس کے ہاتھ میں آیا ہے۔ اس کی دولت دُگنی تگنی ہو گئی ہے۔ پھر بھی
لوگ اس کی اتنی عزت کرتے ہیں، اس کے سامنے بچھے جاتے ہیں۔ میں شرط بدنا
ہوں کہ یہ لاوارث بچوں کے فنڈ میں سے بھی کچھ نہ کچھ ضرور اڑاتا ہے ۔۔۔ اُن بچارے
لے بیسواؤں میں سے بھی جو بھک منگوں سے بھی زیادہ محتاج ہیں۔ یہ لوگ انسان نہیں، جانور
ہیں۔ بالکل جانور! اور میں، میں بھی تو ایک طرح سے لاوارث ہوں۔ باپ، بھائی، میرا
سارا خاندان مجھ سے نفرت کرتا ہے!
اس تہوار سے کچھ دن پہلے کا واقعہ ہے کہ سایہ دار سڑک پر سے جو چھوٹا سا
جنگل نظر آتا ہے۔ تُرولیاں وہاں اکیلا ٹہل رہا تھا اور تسبیح پڑھ رہا تھا۔ اتنے میں ایک
... ان پگڈنڈی پر اسے اپنے دونوں بھائی آتے دکھائی دیئے۔ تُرولیاں نے ان سے
بچنے کی کوشش کی۔ لیکن ایک تو یہ وحشی اس سے یوں ہی جلتے تھے۔ اب جو انہوں نے
... بھائی کا ... سیاہ کوٹ اور ... ٹھاٹ دیکھے، اور یہ خیال آیا کہ وہ ہمیں کیسی
... آنکھوں سے دیکھتا ہے تو اُن کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ انہوں نے
... ڈالا اور یوں ہی خون بہتا ہوا ... پڑا چھوڑ کے چل دیئے۔
دوام ... ہرسیو والی ... سیویت ... ساتھ ... لوٹ آئی تھی۔ وہ اتفاق سے
... نکلی ... جب تُرولیاں کو زمین پر پڑے دیکھا تو سمجھی کہ مر گیا ... پر اس
... طاری ہوئی کہ ہرسیو والی ... کے کو ... ہو گیا۔
... گمنامی قبل ... تُرولیاں کو مادام ... خواب ... نظر لگتہ

تھی۔ مگر اسی حسن کی وجہ سے وہ اس سے نفرت کرتا تھا۔ یہ پہلی چٹان تھی جس سے ٹکرا کر اس کی قسمت کا جہاز پاش پاش ہو جانے سے بال بال بچا تھا۔ وہ حتی الامکان اس سے بہت ہی کم بات کرتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ مادام دریناآل اس دن کا واقعہ بھول جائے جب اس نے پہلی ہی ملاقات میں ایکا ایکی اس کا ہاتھ چوم لیا تھا۔

مادام دریناآل کی خادمہ ایلیزا نے اس نوجوان اتالیق کو دل دے بیٹھنے میں دیر نہیں کی۔ وہ اپنی مالکہ سے اکثر اس کا ذکر کیا کرتی۔ ایلیزا کی محبت کے سبب ژولیاں کو ایک خادم کی نفرت کا شکار بننا پڑا۔ ایک دن اس نے خادم کو ایلیزا سے یہ کہتے سنا۔ "جب سے یہ سڑیل آدمی گھر میں آیا ہے تم نے مجھ سے بولنا ہی چھوڑ دیا ہے۔" ژولیاں اس گالی کا مستحق تو نہیں تھا، لیکن اس میں بھی خوبصورت نوجوانوں کی سی حس موجود تھی۔ چنانچہ اس نے صفائی کا دگنا خیال رکھنا شروع کر دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ موسیو والنو کی نفرت بھی بڑھ گئی۔ اس نے سب لوگوں کے سامنے کہا کہ یہ عورتوں کے سے ناز و انداز ایک نوجوان پادری کو زیب نہیں دیتے۔ ژولیاں چغے کے سوا باقی سارا لباس پادریوں کا سا پہننے لگا تھا۔

مادام دریناآل نے دیکھا کہ وہ ایلیزا سے پہلے کی بہ نسبت زیادہ باتیں کرنے لگا ہے۔ اسے پتا چلا کہ ان باتوں کی ضرورت اس وجہ سے پیش آتی ہے کہ ژولیاں کے پاس کپڑوں کا ذخیرہ بہت ہی مختصر ہے۔ اس کے پاس قمیصیں اتنی کم تھیں کہ جلدی جلدی دھوبی کے یہاں بھیجنی پڑتی تھیں۔ یہ چھوٹی موٹی خدمات سرانجام دینے کے سلسلے میں ایلیزا اس کے کام آتی تھیں۔

یہ انتہائی غربت دیکھ کر جس کا اسے کبھی شبہ تک نہیں ہوا تھا، مادام دریناآل کا

دل بھر آیا۔ اس کا جی چاہا کہ ژرولیاں کو دو چار چیزیں تحفے میں دے، مگر ہمت نہ پڑی۔ یہ باطنی مدافعت پہلا تکلیف دہ جذبہ تھا۔ جو ژرولیاں نے اس کے اندر پیدا کیا۔ اب تک تو ژرولیاں کا نام اور ایک خالصتاً پاکیزہ اور ذہنی مسرت کا احساس اس کے لئے ہم معنی رہے تھے۔ اُسے ژرولیاں کی غربت کے خیال سے اتنا دکھ ہوا کہ مادام درینال نے اپنے شوہر سے کہا کہ اُسے چند قمیصیں تحفے میں دے دو۔

"کیا بے وقوفی کی بات ہے!" شوہر نے جواب دیا۔ "بھلا اس آدمی کو تحفہ دو جو ٹھیک ٹھاک کام کر رہا ہے اور جس سے ہم بالکل مطمئن ہیں؟ ایسی کا دل تو اس وقت بڑھانا چاہئے جب وہ کام میں ڈھیل ڈالنے لگے۔"

مادام درینال کو اس اندازِ نظر پہ بڑی شرم آئی۔ ژرولیاں کے یہاں آنے سے پہلے تو اسے اس بات کا احساس بھی نہ ہوتا مگر اب وہ اس نوجوان راہب کے بیحد سادے مگر بے داغ کپڑے دیکھ کر دل میں سوچا کرتی ---- یہ بیچارا اپنا کام کیسے چلاتا ہے؟"

جیسے جیسے وقت گزرتا گیا، ژرولیاں کی خامیوں پر ناک بھوں چڑھانے کے بجائے اسے ترس آنے لگا۔

قصبات میں بعض عورتیں ایسی ملتی ہیں کہ جب تک ملاقات کو دس پندرہ دن نہ گزر جائیں انہیں بڑی آسانی سے بے وقوف سمجھا جا سکتا ہے۔ مادام درینال بھی انہیں عورتوں میں سے تھی۔ اسے زندگی کا کوئی تجربہ نہ تھا اور وہ گفتگو سے بھی دامن بچاتی تھی اس کے مزاج میں نزاکت کے ساتھ ساتھ تھوڑی سی اکڑ بھی تھی خوشی حاصل کرنے کی آرزو تو فطری طور پر بھی انسانوں میں ہوتی ہے۔ لیکن مادام درینال پر اس کا اثر یہ ہوا

تھا کہ قسمت نے اسے جن بے ہنگم لوگوں کے درمیان لا ڈالا تھا وہ عموماً اُن کے افعال
و اعمال کی طرف بالکل توجہ ہی نہ کرتی تھی۔

اگر اسے تھوڑی بہت تعلیم ملی ہوتی تو وہ اپنی فطری سادگی اور تیز فہمی کی بدولت
خاصا امتیاز حاصل کرتی۔ مگر وہ ایک بڑے مالدار آدمی کی بیٹی تھی۔ چنانچہ اس کی غور و
پرداخت ایسی ماماؤں نے کی تھی جن کی دینداری جنون کی حد تک پہنچ چکی تھی اور جو
پرانے مسیحیوں کو جیزوئٹ فرقے کا دشمن سمجھ کر اُن سے سخت نفرت کرتی تھیں۔ مادام
ریناں میں اتنی عقل نہ تھی کہ اس نے خانقاہ میں جو کچھ سیکھا تھا اسے مہمل سمجھ کے فوراً
بھلا دے۔ لیکن وہ اس خلا کو پُر نہ کر سکی اور نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے کچھ بھی نہ سیکھا۔ چونکہ وہ
اتنی بڑی دولت کی وارث تھی۔ اس لئے بچپن ہی سے لوگ اس کی چاپلوسی کرنے
لگے تھے۔ پھر اس میں کسی نہ کسی چیز کے لئے اپنا تن من دھن سب وقف کر دینے کا
میلان بھی موجود تھا۔ ان دو باتوں کا اثر یہ ہوا کہ زندگی کے متعلق اس کا رویہ سرتاپا داخلی
بن گیا۔ ظاہر میں تو وہ انتہائی فرمانبردار اور دبی دبائی تھی۔ اس پر موسیو ریناں کو بڑا ناز
تھا اور وریئر کے لوگ اپنی بیویوں کے سامنے اسے مثال کے طور پر پیش کرتے تھے
لیکن باطن کا حال یہ تھا کہ دراصل وہ اپنے آپ کو ہر چیز سے بلند سمجھتی اور سب کو
حقارت کی نظروں سے دیکھتی۔ غرور کے سلسلے میں جن شہزادیوں کی مثال دی جاتی
ہے... وہ بھی اپنے دربار والوں کے افعال و اعمال کی طرف تھوڑی بہت توجہ کرتی ہوں گی
لیکن یہ مسکین ترین اور ظاہر میں شرمیلی عورت سرے سے دیکھتی ہی نہ تھی کہ میرا شوہر کیا
کہتا ہے یا کیا کرتا ہے۔ ژولیاں کے آنے سے پہلے اپنے بچوں کے سوا اس نے
کسی کی طرف دھیان ہی نہ دیا تھا۔ ان کی چھوٹی موٹی بیماریوں، تکلیفوں اور ذرا ذرا سی

خوشبوؤں نے اس بندری کے سارے احساسات کو جذب کر رکھا تھا جس نے خانقاہ کے دورانِ قیام میں تو ضرور خدا سے لو لگائی تھی۔ مگر ویسے عمر بھر کسی سے کوئی لگاؤ نہ رکھا تھا۔

حالانکہ وہ کسی کو یہ بات بتانا گوارا تو نہ کرتی تھی۔ لیکن اگر اس کے کسی بیٹے کو بخار چڑھ آتا تو اس کی ایسی بُری حالت ہوتی جیسے بچہ مر گیا ہو۔ شادی کے دو ایک سال بعد تک تو ضرور ایسا ہوا کہ جب کبھی کوئی مصیبت پڑی تو اس نے جی ہلکا کرنے کے لئے میاں کو اپنا دکھڑا سُنا دیا۔ لیکن اس کے جواب میں وہ بے ہنگم سا قہقہہ لگاتا۔ اپنے کندھے جھٹکتا اور ساتھ ساتھ عورتوں کی بے وقوفی کے بارے میں کوئی گھسی پٹی ضرب المثل دہرا دیتا۔ اس قسم کی فقرے بازی دیکھ کر خصوصاً جب اس کے بچّے ہماری کا نشانہ بن رہے ہوں۔ مادام دریتال کے کلیجے پہ چھری سی چل جاتی جس خانقاہ میں اس کا بچپن گزرا تھا۔ وہاں لوگ اس سے کیسی میٹھی میٹھی باتیں کرتے تھے، کیسی خاکساری برتتے تھے۔ اس کی کیسی کیسی خوشامدیں ہوتی تھیں، لیکن اب اسے یہ دن دیکھنا پڑا تھا۔ اس کی تربیت ان دکھوں نے کی تھی۔ وہ اتنی مغرور تھی کہ ایسے غموں کا ذکر اپنی سہیلی مادام دروِیل تک سے نہ کرتی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ سارے مرد ہی اس کے شوہر، موسیو دال نواد، موسیو شارکو جیسے ہوتے ہیں۔ ناشائستہ فقرے بازی، جن چیزوں میں روپیہ، ترقی یا خطاب ملنے کی امید نہ ہو۔ ان کی طرف سے وحشیانہ بے حسی، جو دلیل اپنے خلاف جائے، اس سے اندھی نفرت ۔۔۔ یہ ساری باتیں اسے مرد کی جنس کے لئے ایسی ہی فطری معلوم ہوتی تھیں جیسے ٹوپی اور جوتے پہننا۔

سالہا سال گزر جانے کے بعد بھی وہ ان روپیہ بٹورنے والے لوگوں سے مانوس

نہ ہو سکی تھی جن کے درمیان اسے رہنا پڑ رہا تھا۔

بچارے دیہاتی ژرولیاں کی کامیابی کی یہی وجہ ہوئی۔ اس مغرور مگر شریف اور نیک دل انسان کی ہمدردی میں اسے بڑی شیرینی اور بڑا لطف ملا۔ پھر اس میں نئے پن کی چمک دمک اور کشش بھی تو تھی۔ مادام دریناں نے دنیا سے اس کی انتہائی ناواقفیت اور بے سلیقگی کو بڑی جلدی معاف کر دیا بلکہ وہی ناواقفیت مزید کشش کا باعث بن گئی اور مادام دریناں کی کوشش سے بد سلیقگی میں خاصی کمی آ گئی۔ اسے پتا چلا کہ ژرولیاں کی باتیں غور سے سننے کے لائق ہیں۔ چاہے بالکل معمولی چیزوں ہی کا ذکر کیوں نہ ہو، چاہے کسی بچارے کتے ہی کا قصہ کیوں نہ ہو جو سڑک پار کرتے کرتے کسی تیز چلتے موٹے چھکڑے کے نیچے آ گیا تھا۔ ایسا المناک حادثہ دیکھ کر اس کا شوہر تو بڑے بے ہنگم طریقے سے قہقہہ مار کے ہنس پڑتا تھا مگر اس نے دیکھا کہ ژرولیاں کے نفیس اور نوکیلے ابرو تو پھڑکنے لگتے تھے۔ کچھ دن بعد تو اسے ایسا معلوم ہونے لگا کہ دریا دلی، شرافت اور انسانیت اگر کہیں ہے تو بس اسی نوجوان پادری میں۔ یہ خوبیاں دیکھ کر تربیت یافتہ لوگوں کے دل میں جو ہمدردی بلکہ تحسین کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ وہ مادام دریناں صرف ژرولیاں ہی کے لئے محسوس کر سکتی تھی۔

اگر یہ دونوں پیرس میں ہوتے تو ژرولیاں کا مادام دریناں سے جو رشتہ تھا وہ بڑی جلدی بالکل سیدھی سادی شکل اختیار کر لیتا۔ لیکن پیرس میں تو محبت ناولوں سے پیدا ہوتی ہے۔ نوجوان اتالیق اور اس کی شرمیلی مالکہ کو تین چار ناولوں بلکہ ژم ناز کی نظموں ہی میں اپنی کیفیت کا صاف و صریح نقشہ مل جاتا۔ انہیں جو کھیل کھیلنا تھا۔ ناول اس کا خاکہ مہیا کر دیتے اور وہ نمونہ بھی سامنے رکھ دیتے جس کی انہیں نقل اتارنی تھی۔ چاہے

ژولیاں کو مزا آتا یا نہ آتا، اور چاہے وہ پھر مچھر ہی کیوں نہ کرتا، مگر جلد یا بدیر اس کی خود پسندی اسے مجبور کر دیتی کہ اس نمونے کی پیروی ضرور کی جائے۔

جنوب کے کسی قصبے میں آب وہوا کی تیزی اور حدت ذرا سے واقعے کو بالکل فیصلہ کُن بنا دیتی۔ لیکن ہماری طرف آسمان ذرا گدلا ہے۔ یہاں تو ایک مفلس قلاش نوجوان جس میں حوصلہ مندی صرف اس وجہ سے آتی ہے کہ اس کی نفاست پسند طبیعت چند ایسے لذائذ کی ضرورت محسوس کرتی ہے جو روپیہ کے زور سے حاصل ہوتے ہیں۔ روزانہ ایک تیس سال کی عورت سے ملتا ہے جو حقیقت میں پاکباز ہے اور اپنے بچوں میں اُلجھی ہوئی ہے اور پھر بھی ناولوں میں عمل کے نمونے تلاش نہیں کرتا، نہ کبھی اُن سے رہنمائی کا طالب ہوتا ہے۔ قصبات میں تو ہر چیز آہستہ آہستہ چلتی ہے۔ ہر بات بتدریج واقع ہوتی ہے۔ یہاں زندگی زیادہ فطری ہے۔

مادام دریناں کو اس نوجوان اتالیق کی غربت کا خیال آتا تو اکثر ترس کے مارے اس کے آنسو نکل آتے۔ ایک دن ژولیاں نے اسے واقعی روتے ہوئے دیکھ پایا۔

"کیوں، بیگم صاحب، کوئی بُری خبر سننے میں آئی ہے!"

"نہیں، میرے مہربان۔" اس نے جواب دیا۔ "بچّوں کو بُلا لیجیے۔ چلئے ٹہلنے چلیں۔"

اس نے ژولیاں کا بازو پکڑ لیا اور کچھ اس انداز سے اس کا سہارا لیا جو ژولیاں کو عجیب سا لگا۔ مادام دریناں نے آج پہلی مرتبہ اُسے "میرے مہربان" کہا تھا۔ سیر ختم ہونے کو آئی تو ژولیاں نے دیکھا کہ اس کا چہرہ سُرخ ہو رہا ہے۔ پھر اس کی چال ہلکی پڑ گئی۔

وہ اس کی طرف دیکھے بغیر کہنے لگی: "آپ نے سنا ہوگا کہ میری ایک بہت امیر خالہ ہیں جو بساں تسوں میں رہتی ہیں۔ میں ان کی اکیلی وارث ہوں۔ وہ تحفے تحائف کی بھرمار رکھتی ہیں۔ میرے بچے . . . ایسی تیزی سے . . . ترقی کر رہے ہیں کہ میں چاہتی ہوں۔ میری احسان مندی کی نشانی سمجھ کر آپ ایک حقیر سا تحفہ قبول کر لیں۔ بس یہی ایک آدھ اشرفی، تاکہ آپ کپڑے بنوا لیں۔ لیکن ــــ" اس نے اور سرخ ہو کر کچھ کہنا چاہا، مگر خاموش ہو گئی۔

"کیا فرمایا، بیگم صاحب؟" ژدلباں نے پوچھا۔

وہ سر جھکا کر بولی: "میرے شوہر سے اس کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"بیگم صاحب، میں چھوٹا آدمی سہی، مگر کمینہ نہیں ہوں۔" ژدلباں چلتے چلتے رک گیا۔ [illegible] اس کی آنکھوں سے آگ برس رہی تھی اور وہ بالکل تن کے کھڑا ہو گیا۔ "یہ ایسی بات ہے جس پر آپ نے پوری طرح غور نہیں کیا۔ اگر میں اپنے [illegible] متعلق کوئی بات [illegible] سے چھپانے پر [illegible] اپنے [illegible] سے بھی ذلیل سمجھوں گا۔"

[illegible] پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔

"جب سے میں اس گھر میں [illegible] آیا ہوں۔ میر صاحب نے مجھے پانچ دفعہ [illegible] دیئے ہیں۔" ژدلباں اپنی بات کہتا رہا۔ "میں اپنا حساب کتاب [illegible] کیا ہر کسی کو دکھانے کو تیار رہوں۔ یہاں تک کہ [illegible] لوگ جنہیں مجھ سے سخت نفرت ہے۔"

مادام دریناآل پر جو جھاڑ پڑی تو وہ زرد ہو گئی اور کانپنے لگی۔ ابھی دونوں میں سے کسی کو پھر سے باتیں شروع کرنے کا کوئی بہانہ بھی ہاتھ نہ آیا تھا کہ سیر ختم ہو گئی۔ ژرولیاں کی مغرور طبیعت کے لئے مادام دریناآل سے محبت کرنا اب اور بھی ناممکن ہوتا چلا گیا۔ رہی مادام دریناآل تو اس کے دل میں ژرولیآں کی بہت عزت تھی اور وہ اسے بڑا پسند تھا، اور اب اسی ژرولیآں نے اسے جھڑک دیا تھا۔ مادام دریناآل سے غیر ارادی طور پر اس کی ہتک ہو گئی تھی۔ اس کا ازالہ کرنے کے بہانے اس نے ژرولیآں پر انتہائی لطیف توجہات صرف کرنے میں کوئی حرج نہ سمجھا۔ ایسا برتاؤ اس کے لئے بالکل نیا نیا تھا۔ چنانچہ ہفتہ بھر وہ خوب خوش رہی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ ژرولیآں کا غصہ کچھ ٹھنڈا پڑ گیا۔ مگر اس برتاؤ میں اسے کوئی ایسی چیز نظر ہی نہ آئی جسے ذاتی لگاؤ سمجھ سکے۔

"یہ ہیں ان امیر آدمیوں کی باتیں!" وہ اپنے دل میں کہہ رہا تھا۔ "ایک تو وہ آدمی کو ذلیل کرتے ہیں اور پھر سمجھتے ہیں کہ دو چار میٹھی میٹھی باتوں سے معاملہ رفع دفع ہو جائے گا!"

مادام دریناآل نے پکا ارادہ کر لیا تھا کہ میں نے ژرولیآں کو جو پیش کش کی ہے اور اس نے جس طرح مجھے دھتکارا ہے اس کا ذکر اپنے شوہر سے نہ کروں گی لیکن اُسے ایسا ملال تھا اور وہ ابھی تک اتنی معصوم تھی کہ سارا حال سنائے بغیر نہ رہ سکی۔

"ہیں!" مرسیو دریناآل نے بگڑ کر جواب دیا۔ "تم سے ایک ملازم کا انکار کیسے برداشت ہوا؟"

مادام دریناآل سے اس لفظ "ملازم" پر اسے ٹوکا تو وہ کہنے لگا: "بیگم صاحب، میں نے وہ لفظ بولا ہے جو مرحوم شہزادے دکوندے نے اپنے عمائدین کو اپنی دلہن کے سامنے پیش کرتے ہوئے استعمال کیا تھا۔ انھوں نے کہا تھا کہ یہ سب لوگ تمہارے ملازم

ہیں۔ میں نے بساں تاِل کی تزک میں سے یہ ٹکڑا تمہیں سنایا تھا۔ حفظِ مراتب کی بحث میں یہ عبارت بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ ہر آدمی جو شرفا میں سے نہ ہو، تمہارے گھر میں رہتا ہو اور تنخواہ پاتا ہو، تمہارا ملازم ہے۔ میں ان ژولیاں صاحب سے دو چار باتیں کروں گا، اور سو فرانک دے دوں گا۔"

"لیکن، پیارے"۔ مادام دربناآل نے لرزتے ہوئے کہا۔ "دیکھئے نوکروں کے سامنے بات نہ کیجئے گا۔"

"ہاں، ورنہ وہ جل جائیں گے، اور بات بھی جلنے کی ہے۔" اس کا شوہر کمرے سے نکلتے ہوئے بولا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ میں کتنی کثیر رقم دے رہا ہوں۔

مادام دربنال دھم سے کرسی پر گر پڑی۔ اُسے رنج کے مارے غش سا آ رہا تھا۔ "اب یہ جا کے ژولیاں کی اہانت کریں گے، اور یہ سب میرا قصور ہے۔" اسے اپنا شوہر بُرا لگنے لگا اور اس نے اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپا لیا۔ اس نے عہد کر لیا کہ اب اس سے کبھی دل کی بات نہیں کہوں گی۔

جب وہ ژولیاں سے اگلی دفعہ ملی تو تھر تھر کانپ رہی تھی۔ سینے میں اس کا دم ایسا گھٹ رہا تھا کہ منہ سے بات نہ نکلتی تھی۔ اس سراسیمگی کی حالت میں اس نے ژولیاں کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کے بھینچ دیئے۔

"اچھا، میرے دوست!" وہ تھوڑی دیر بعد بولی۔ "یہ تو بتائیے کہ آپ میرے شوہر سے خوش ہیں نا؟"

"خوش کیوں نہ ہوتا؟" ژولیاں نے زہرخند کے ساتھ جواب دیا۔ "آخر انہوں نے مجھے سو فرانک دیئے ہیں۔"

مادام دریناال نے اس کی طرف ایسے دیکھا جیسے سمجھ میں نہ آ رہا ہو کہ کیا کروں۔

"لائیے، اپنا بازو میری طرف بڑھائیے۔" آخر وہ ایسے جسارت آمیز لہجے میں بولی جو ژردلیاں نے اس میں پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

مادام دریناال نے اتنی جرأت کی کہ وِربیئر کے کتب فروش کی دکان پر جا پہنچی۔ حالانکہ وہ آدمی آزاد خیال ہونے کی وجہ سے بڑا بدنام تھا۔ وہاں اس نے دس لوئی کی قیمت کی کتابیں خرید کر اپنے بچوں کو دیں۔ لیکن یہ کتابیں وہ تھیں جنہیں وہ جانتی تھی کہ ژردلیاں پڑھنا چاہتا ہے۔ پھر اس نے اصرار کیا کہ ہر بچہ اپنے حصے کی کتابوں پر وہیں دکان میں اپنا نام لکھ دے۔ مادام دریناال سمجھتی تھی کہ میں نے ہمت سے کام لے کر ژردلیاں کی توہین کی تھوڑی سی تلافی تو کر دی ہے۔ وہ تو اس خیال سے لطف لے رہی تھی اور ژردلیاں کتب فروش کی الماریوں میں اتنی ساری کتابیں دیکھ کر حیران و ششدر کھڑا تھا۔ ایسی نجس جگہ داخل ہونے کی اسے کبھی ہمت ہی نہ ہوئی تھی۔ چنانچہ اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ مادام دریناال کے دل میں کیا کھچڑی پک رہی ہے۔ اس کا اندازہ لگانے کا خیال تو درکنار وہ تو اس فکر میں کھویا ہوا تھا کہ دینیات کا ایک نوجوان طالب علم ان میں سے کچھ کتابیں کیسے حاصل کر سکتا ہے۔ آخر اُسے خیال آیا کہ اگر بات ہوشیاری سے چھیڑی جائے تو مسیو دریناال کو اس پر راضی کیا جا سکتا ہے کہ اس علاقے میں جو مشہور آدمی گزرے ہیں اُن کے حالاتِ زندگی پر بچوں سے مضمون لکھوائے۔ ایک مہینے کی محتاط سلسلہ جنبانیوں کے بعد اس نے دیکھا کہ میری تجویز کامیاب رہی۔ یہاں تک کہ دو چار دن بعد ہی اس نے مسیو دریناال سے باتیں کرتے ہوئے جی کڑا کر کے ایک،

ایسی بات کا ذکر چھیڑ دیا جو عالی حوصلہ مشیر کے لئے کہیں زیادہ ناخوشگوار تھی۔ یہ لائبریری کا چندہ دے کر ایک آزاد خیال کی دولت میں اضافہ کرنے کا معاملہ تھا۔ موسیو دریناں نے اس بات سے پورا اتفاق کیا کہ جب اس کا سب سے بڑا بیٹا فوجی اسکول جائے گا۔ تو وہاں گفتگو کے دوران میں مختلف کتابوں کے نام سنے گا؛ اس لئے بہتر ہوگا کہ اسے پہلے سے ان کتابوں کی ایک جھلک دکھا دی جائے۔ لیکن ژولیاں نے دیکھا کہ مشیر بس یہیں اڑ کے رہ گیا۔ اس سے ایک قدم آگے نہیں بڑھا۔ اسے گمان ہوا کہ شاید اس کی وجہ صیغہ راز میں ہے جس کا اسے کوئی اندازہ نہ ہو سکا۔

ایک دن وہ موسیو دریناں سے بولا "جناب میں یہ سوچ رہا تھا کہ اگر آپ جیسے باعزت اور شریف خاندان کے آدمی کا نام کتب فروش کے گندے رجسٹر میں درج ہوا تو بڑی نامناسب بات ہوگی۔"

موسیو دریناں کا چہرہ دمکنے لگا۔

پھر ژولیاں انکسار کے لہجے میں کہنے لگا "دینیات کے ایک غریب طالب علم کے حق میں بھی یہ بڑا مضر ہوگا کہ ایک دن اس کے بارے میں یہ بات دریافت ہو کر اس کا نام کتابیں کرائے پر دینے والے دکاندار کے رجسٹر میں رہ چکا ہے۔ ممکن ہے، آزاد خیال لوگ مجھ پر الزام لگائیں کہ یہ گندی کتابیں لے جایا کرتا تھا۔ ذرا جانے وہ یہ حرکت بھی کر بیٹھیں کہ رجسٹر میں میرے نام کے آگے مخرب اخلاق کتابیں چڑھا دیں۔"

لیکن اب ژولیاں ذرا بہک رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ مشیر کے چہرے پر گھبراہٹ اور بدمزگی کے آثار پھر ہویدا ہو گئے ہیں۔ ژولیاں چپ ہو گیا، اور دل میں کہنے لگا

"میں نے اسے پھانس لیا۔"

چند دن بعد آزاد خیالوں کی مخالف جماعت کے ایک اخبار میں اشتہار دیکھ کر سب سے بڑے لڑکے نے موسیو دریناال کی موجودگی میں ژرولیاں سے کسی کتاب کے بارے میں سوال کیا۔ نوجوان اتالیق بولا "کچھ ایسا ہونا چاہیئے کہ آزاد خیالوں کو فتح مندی کا موقع بھی نہ ملے اور میں بھی ایدولف کے سوالوں کا جواب دینے کی قابلیت پیدا کر سکوں۔ میرے خیال میں تو کتب فروش کے یہاں کسی چھوٹے موٹے لڑکے کے نام سے چندہ جمع کرایا جا سکتا ہے۔"

"ہاں خیال برا نہیں ہے۔" موسیو دریناال نے خوشی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

ژرولیاں نے ایسی سنجیدہ بلکہ غمناک سی شکل بنالی جو بعض آدمیوں کو ایسے وقت میں خوب پھبتی ہے جب وہ اپنے ارادے مدتوں دل میں لئے پھرے ہوں اور وہ ارادے آخر حقیقت بن جائیں۔ وہ کہنے لگا "مگر بس یہ تصریح کرنی پڑے گی کہ نوکر کو ناول لینے کی اجازت نہیں ہوگی۔ یہ کتابیں بڑی خطرناک ہوتی ہیں۔ ایک دفعہ گھر میں آجائیں، تو اس نوکر کو تو خیر چھوڑیئے، بیگم صاحب کی خادماؤں تک کا اخلاق بگاڑ دیں گی۔"

"لیکن سیاسی رسالوں کو تو آپ بھول ہی گئے۔" موسیو دریناال نے اکڑ کے کہا اس کے بچوں کے اتالیق نے کمال دانش مندی سے جو درمیانی راستہ دریافت کر لیا تھا۔ وہ موسیو دریناال کو بہت پسند آیا تھا مگر یہ بات وہ ژرولیاں پر ظاہر نہ ہونے دینا چاہتا تھا۔

غرض ژرولیاں کی زندگی اسی قسم کی چھوٹی چھوٹی سلسلہ جنبانیوں پر مشتمل تھی اور اس

نظر میں ان کامیابیوں کی وقعت پسندیدگی کے اس جذبے سے کہیں زیادہ تھی جو ظاہر ہونے کے لئے بس اس بات کا منتظر تھا کہ ذرا مادام د۔رینال کے دل میں جھانک کے دیکھ لے۔

ویریئیر کے باعزت ممبر کے یہاں بھی اسے وہی اخلاقی فضا ملی جس میں اس نے اپنی ساری زندگی گزاری تھی۔ اپنے باپ کے کارخانے کی طرح یہاں بھی وہ جن لوگوں کے ساتھ رہتا تھا۔ انہیں بڑی حقارت کی نظروں سے دیکھتا تھا اور وہ لوگ اس سے نفرت کرتے تھے۔ جو باتیں ابھی ابھی اُن کی آنکھوں کے سامنے ہوئی تھیں۔ ان کے بارے میں نائب ناظم، موسیو والنو اور دوسرے آنے جانے والے ایسی رایوں کا اظہار کرتے کہ ژولیاں کو روزانہ یہ احساس ہوتا کہ ان لوگوں کے خیالات حقیقت سے کتنی دور ہیں جو بات اسے لائقِ تحسین معلوم ہوتی۔ اس کے گرد کے لوگ ٹھیک اسی بات کو موردِ الزام گردانتے۔ ان کی باتیں سن کر منہ سے تو وہ کچھ نہ بول سکتا مگر دل ہی دل میں کہنے لگتا "کیسے جانور ہیں!" یا "کیسے احمق ہیں!" مذاق کی بات یہ ہے کہ اپنے اس غرور کے باوجود اکثر وہ یہ بھی نہ سمجھ سکتا کہ بحث کیا ہو رہی ہے۔

بڈھے سرجن میجر کے علاوہ وہ عمر بھر میں اس نے کبھی کسی سے خلوص کے ساتھ بات نہیں کی تھی۔ اس کے دماغ میں جو دو چار خیالات تھے۔ اُن کا تعلق اٹلی میں نپولین کے حملوں سے تھا یا جراحی سے۔ اس میں نوجوانوں کا سا حوصلہ تو تھا ہی۔ چنانچہ انتہائی تکلیف دہ لڑائیوں کے مفصل حالات سننے میں اسے بڑا مزا آتا تھا۔ وہ دل ہی دل میں کہا کرتا تھا۔ "اگر میں وہاں ہوتا تو میرا قدم ذرا بھی پیچھے نہ ہٹتا۔"

مادام دریناَل نے جب پہلی مرتبہ بچوں کی تعلیم کے علاوہ کسی اور موضوع پر اس سے

باتیں کرنے کی کوشش کی تو وہ جرّاحی کے قصّے سنانے لگا۔ وہ زرد پڑ گئی اور اس سے التجا کی کہ یہ ذکر نہ چھیڑئیے۔"

ژولیاں کو ان باتوں کے علاوہ اور کچھ نہ آتا تھا۔ چنانچہ اُسے جو مادام دربنال کے ساتھ وقت گزارنا پڑا تو یہ عالم ہوا کہ جیسے ہی وہ اکیلے رہ جاتے۔ اُن کے درمیان میں ایک عجیب طرح کی خاموشی حائل ہو جاتی۔ ظاہر میں تو وہ بڑا منکسر مزاج تھا، لیکن مادام دربنال نے دیکھا کہ خود میرے دیوان خانے میں اس کی آنکھوں سے ہر آنے جانے والے پر اپنی ذہنی فوقیت کا احساس ٹپکنے لگتا ہے۔ اگر وہ ایک لمحے کے لئے بھی اس کے ساتھ اکیلی رہ جاتی تو دیکھتی کہ ژولیاں بالکل سٹپٹا گیا ہے۔ اس سے مادام دربنال کو الجھن ہونے لگتی۔ کیونکہ اس کی عورتوں والی رگ نے اسے بتا دیا تھا کہ اس گھبراہٹ کا محبت سے ذرا بھی تعلق نہیں ہے۔

بڈھے سرجن میجر نے بڑے لوگوں کے جو اُسے حالات سنائے تھے اُن سے ژولیاں نے ایک عجب تصوّر اخذ کیا تھا۔ اس تصور کے بموجب اگر وہ کسی عورت کے ساتھ بیٹھا ہو اور گفتگو رک جائے تو وہ ایسی شرم محسوس کرتا جیسے اس خاموشی کا گناہ خصوصیت کے ساتھ اسی کے سر ہو۔ جب ژولیاں اور مادام دربنال اکیلے ہوتے، تو یہ احساس سو گنا زیادہ کرب انگیز بن جاتا۔ آدمی کسی عورت کے ساتھ اکیلا ہو تو کیا باتیں کرنی چاہئیں، اس کے بارے میں اس کا تخیل انتہائی مبالغہ آمیز اور اسپین والوں کے سے تصوّرات سے بھرا پڑا تھا۔ ہیجان کے عالم میں اسے بس ایسی باتیں سوجھتیں جو کہنے کی ہی نہ ہوتیں۔ اس کی روح تو آسمانوں کی سیر کرتی تھی، مگر یہ ہتک آمیز خاموشی کسی طرح اس کے توڑے نہ ٹوٹتی تھی۔ چنانچہ مادام دربنال اور بچوں کے ساتھ لمبی لمبی سیر دل،

کے دوران میں ایسے جاں گسل درد و کرب کے باعث وہ سخت گیری کا انداز اور بھی شدت اختیار کر لیتا۔ اسے اپنے آپ سے بے انتہا نفرت ہو جاتی۔ اگر بدقسمتی سے وہ اپنے اوپر زور ڈال ڈال کے کچھ بولتا بھی تو پتا چلتا کہ میں بڑی مضحکہ خیز باتیں کر رہا ہوں۔ وہ دیکھتا کہ میں کتنا مہمل ہوں، بلکہ اس میں مبالغے سے کام لیتا۔ اس سے اس کی تکلیف اور بڑھ جاتی لیکن جو چیز اسے نظر نہ آتی۔ وہ اس کی آنکھوں کا انداز تھا۔ اس کی آنکھیں اتنی حسین تھیں اور ایسی آتشیں روح کی غماز تھیں کہ بعض دفعہ اچھے اداکاروں کی طرح بے معنی باتوں میں بھی ایک جاذبِ نظر معنویت پیدا کر دیتیں۔ مادام درینال نے دیکھا۔ کہ جب وہ اس کے ساتھ اکیلا ہوتا تو وہ اپنا اظہارِ خیال کبھی اچھی طرح نہ کر سکتا۔ ہاں اگر کوئی غیر متوقع بات پیش آ جائے اور اس کا دھیان بٹ جائے تو خیر۔ پھر اسے مادام درینال کے حسن کی تعریف کرنے کا خیال بھی کبھی نہ آتا۔ چونکہ آنے جانے والوں نے نئے نئے اور بھڑک دار خیالات اس کے سامنے پیش کر کر کے اس کی عادت نہ بگاڑی تھی۔ اس لئے مادام درینال کو ژولیاں کی تیزیٔ طبع دیکھ کر بڑا لطف آتا تھا۔

نپولین کے زوال کے بعد سے سخت گیری کا یہ عالم ہے کہ قصباتی آداب واطوار میں رنگیلے پن کا شائبہ تک باقی نہیں رہا۔ لوگ ملازمت چھن جانے سے ڈرنے لگے ہیں۔ جو آدمی غیر محتاط ہیں وہ کلیسا کا سہارا ڈھونڈتے ہیں۔ آزاد خیال طبقوں تک میں ریاکاری بہت ترقی کر گئی ہے۔ بے کیفی بڑھتی جا رہی ہے۔ پڑھنے اور کھیتی باڑی کرنے کے علاوہ اور کوئی لذت باقی نہیں رہی۔

مادام درینال ایک دیندار خالہ کی دولت مند وارث تھی۔ سولہ سال کی عمر میں ایک معقول اور شریف آدمی سے اس کی شادی ہو گئی۔ اس نے عمر بھر میں ایسی کوئی،

چیز دیکھی تھی نہ محسوس کی تھی جس میں محبت کا ذرا سا شائبہ ہو۔ نیک دل پادری شیلاں جس
پاس وہ اعتراف کے لئے جایا کرتی تھی۔ بس واحد شخص تھا جس نے موسیو والنو کی
لگاوٹ بازی کے سلسلے میں اس سے محبت کا ذکر کیا تھا، اور اس نے بھی محبت کی
ایسی کراہت انگیز تصویر کھینچی تھی کہ یہ لفظ سن کر مادام دریناں کو انتہائی ذلیل قسم کی اوباشی
کے سوا اور کوئی خیال آتا ہی نہ تھا۔ حسنِ اتفاق سے دو چار ناول اس کی نظر سے گزر
چکے تھے۔ ان میں اسے جو محبت ملی اسے مادام دریناں نے استثنیٰ یا فطرت سے
بالکل الگ کوئی چیز سمجھ کر ٹال دیا۔ اس کی ناواقفیت کا بھلا ہو کہ مادام دریناں خوشی میں
سرشار رہتی تھی، ژولیاں ہر وقت اس کے خیال میں بسا بھی رہتا تھا مگر اپنے آپ کو
ملامت کرنے کی اُسے کبھی ضرورت ہی محسوس نہ ہوئی۔

آٹھواں باب

چھوٹے موٹے واقعات

پھر آہیں بھری گئیں، جو دبانے سے اور گہری ہو گئیں۔
چپکے چپکے نظر بازیاں ہوئیں، جو چوری کی وجہ سے اور میٹھی لگیں۔
رُخسار تمتما اُٹھنے، مگر کسی گناہ کی وجہ سے نہیں۔
بائرن

مادام ورینالؔ میں اپنے کردار اور اپنی موجودہ خوشی کی بدولت جو فرشتوں کا سا شیریں سکون آگیا تھا۔ وہ صرف اس وقت درہم برہم ہوتا۔ جب اسے اپنی خادمہ ایلیزاؔ کا خیال آتا۔ اتفاق سے کوئی رشتے دار اس لڑکی کے نام کچھ روپیہ چھوڑ مرا۔ وہ اعتراف کے لیے پادری شیلاںؔ کے پاس پہنچی اور اسے بتایا کہ میں ژولیاںؔ سے شادی رچانا چاہتی ہوں۔ پادری کو اپنے دوست کی اس خوش قسمتی پر واقعی بڑی خوشی ہوئی۔ لیکن جب ژولیاںؔ نے بڑے عزم کے ساتھ کہا کہ مجھے ایلیزاؔ کی پیش کش قبول نہیں۔ تو اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔

"بیٹے، ذرا اچھی طرح دیکھو کہ تمہارے دل میں کیا کھچڑی پک رہی ہے۔" پادری نے

بھنویں سکیڑ کر کہا۔ "تمہیں اپنی ضرورت سے بھی زیادہ روپیہ مل رہا ہے۔ اگر اس دولت کو ٹھکرانے کی وجہ صرف یہ ہے کہ تم پادری بننا چاہتے ہو تو میں اس خلوص پر تمہیں مبارکباد دیتا ہوں۔ پچپن سال بلکہ اور بھی زیادہ دنوں سے میں دیہات میں پادری ہوں۔ مگر پھر بھی بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ جب مجھے نکال دیا جائے گا۔ حالانکہ مجھے آٹھ سو لیور کی آمدنی ہے۔ لیکن مجھے اس بات سے بڑا صدمہ پہنچا ہے۔ میں یہ تفصیلات اس لئے سنا رہا ہوں کہ تمہیں خوش فہمی نہ رہے اور پادری کے پیشے سے غلط قسم کی توقعات وابستہ نہ کرو۔ اگر تم با اقتدار لوگوں کی چاپلوسی کرنے کو سوچ رہے ہو تو یقین رکھو کہ تم نے ابدی لعنت مول لے لی۔ تم کامیابی تو ضرور حاصل کر لو گے مگر تمہیں غریبوں پر ظلم ڈھانا پڑے گا۔ نائب ناظم، میئر اور دوسرے اہم لوگوں کی خوشامد کرنی پڑے گی اور اُن کی خواہشات کا غلام بننا پڑے گا۔ یہ باتیں جنہیں لوگ زندگی کا فن کہتے ہیں شاید کسی دنیا دار آدمی کی نجات میں حائل نہ ہوں۔ لیکن ہمارے پیشے میں تو صاف و صریح فیصلہ کئے بغیر چارہ نہیں۔ ہم یا تو اس دنیا کی کامیابی حاصل کر سکتے ہیں یا اُس دنیا کی۔ بیچ کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ میرے عزیز دوست! جاؤ اور سوچو۔ پھر تین دن کے اندر آ کے مجھے کوئی قطعی جواب دو۔ مجھے یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ تمہارے کردار کی تہہ میں ایک دبی دبی سی آگ سلگ رہی ہے۔ اس میں مجھے تو وہ اعتدال پسندی اور ترکِ دنیا کا جذبہ نظر نہیں آتا جو پادری کے لئے ضروری ہے۔ تمہاری ذہانت تمہاری کامیابی کا پتا دیتی ہے۔ لیکن —" نیک دل پادری نے آنکھوں میں آنسو بھر کے کہا — "میں تمہیں یہ بتا دوں کہ اگر تم پادری بنے تو مجھے تمہاری نجات کی طرف سے دھڑکا لگا رہے گا۔"

ژولیاں کو اس کی دردمندی پر شرم آنے لگی۔ زندگی میں پہلی بار اس نے دیکھا کہ کوئی مجھ سے بھی محبت کرتا ہے۔ خوشی کے مارے وہ رو پڑا اور اپنے آنسوؤں کو چھپانے کے لئے جنگل میں نکل گیا۔

"میری یہ کیا حالت بنی ہے؟" آخر اس نے اپنے آپ سے پوچھا۔ "مجھے ایسا لگتا ہے کہ اس نیک دل پادری کے لئے میں سو دفعہ بھی اپنی جان قربان کر سکتا ہوں لیکن ابھی ابھی اس نے یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ میں نرا احمق ہوں۔ مجھے سب سے زیادہ اسی کو تو دھوکا دینا ہے اور وہ میری رگ رگ سے واقف ہے۔ جس دبی ہوئی آگ کا اس نے ذکر کیا۔ وہ میرا کامیابی حاصل کرنے کا ارادہ ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں پادری بننے کا اہل نہیں اور ٹھیک اس وقت کہ جب پچاس لوئی کی آمدنی ٹھکرا کے میں سمجھ رہا تھا کہ وہ میرے خلوص اور دینداری سے بڑا مرعوب ہوگا۔"

ژولیاں نے دل میں کہا "آئندہ سے میں اپنے کردار کے صرف ان اجزا پر بھروسہ کیا کروں گا جنہیں میں آزما کے دیکھ چکا ہوں۔ بھلا کون کہہ سکتا تھا کہ مجھے آنسو بہانے میں مزا آئے گا؟ یا اس آدمی سے محبت کروں گا جو مجھے یہ جتاتا ہے کہ میں نرا احمق ہوں؟"

تین دن بعد ژولیاں کو وہ عذر مل گیا جس کا سہارا اسے پہلے ہی لینا چاہئے تھا تو یہ اتہام، مگر اس سے کیا ہوتا ہے؟ بڑی ہچر مچر کے بعد اس نے پادری کے سامنے اقرار کیا کہ میں نے جو شادی کی تجویز رد کی تو اس کی شروع سے ایک خاص وجہ تھی۔ مگر میں اسے بیان نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ایک تیسرے آدمی کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہے۔ یہ بات کہنا ایلیزا کے چال چلن پر حرف رکھنے کے برابر تھا۔ شیلاں نے

اس کے انداز میں ایک ایسی گرمجوشی محسوس کی جو بالکل دنیا داروں کی سی تھی اور اس چیز سے قطعاً مختلف تھی جو ایک نوجوان پادری میں ہونی چاہیئے۔

"میرے دوست" اس نے ژولیاں سے پھر التجا کی "خلوص کے بغیر پادری بننے سے تو یہ بہتر ہے کہ تم ایک معقول اور باعزت دنیا دار آدمی بن جاؤ"

جہاں تک الفاظ کا تعلق ہے ژولیاں نے ان تازہ التجاؤں کا جواب بڑی اچھی طرح دیا۔ اس نے چن چن کر وہی فقرے استعمال کیے جو کوئی گرم جوش نوجوان زاہد کہتا۔ لیکن جس لہجے میں یہ الفاظ کہے گئے تھے، اور ژولیاں کی آنکھوں میں جو آگ سلگ رہی تھی اور چھپائے نہ چھپتی تھی۔ اسے دیکھ کر پادری سہم گیا۔

ژولیاں کے مستقبل کے بارے میں بدظنی کی ضرورت نہیں۔ اسے ہمیشہ ٹھیک وہ الفاظ سوجھتے جو عیارانہ اور عاقبت اندیشانہ ریاکاری کے لئے موزوں ہوں۔ اس کی سی عمر میں اتنا بھی برا نہیں۔ رہا اس کا لب ولہجہ اور عادات واطوار، تو اس کی زندگی دیہاتیوں میں گزری تھی اور اسے بڑے بڑے نمونے دیکھنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔ مگر جب شریفوں سے ملنے جلنے کا اتفاق ہوا تو اس کی گفتگو اور طور طریقوں میں شائستگی آگئی۔

مادام درینال کو تعجب تھا کہ نئی نئی دولت پاکر بھی اس کی خادمہ خوش نہیں تھی۔ وہ دیکھتی کہ لڑکی بار بار پادری کے پاس جاتی ہے اور آنکھوں میں آنسو لے کر واپس آتی ہے آخر ایلیزا نے اپنی مالکہ سے اپنی شادی کا ذکر کر ہی دیا۔

مادام درینال واقعی یہی سمجھی کہ میں بیمار پڑ گئی ہوں۔ اسے کچھ ایسا بخار سا رہتا کہ نیند ہی نہ آتی۔ خادمہ یا ژولیاں نظر کے سامنے ہوتے تو ذرا دم میں دم آتا۔ اُسے

بس اُنہیں کا خیال لگا رہتا اور وہ سوچا کرتی کہ یہ دونوں کیسے ہنسی خوشی ساتھ ساتھ رہا کریں گے
وہ چھوٹا سا گھر جہاں انہیں پچاس لوئی کی آمدنی میں ہی گزارہ کرنا پڑے گا۔ اس کے تصور
میں بڑے دل فریب رنگوں کے ساتھ نمودار ہوتا۔ ویرئیر سے کچھ دور بستے میں جو عدالت
تھی، ممکن تھا کہ ژولیاں وہاں وکالت شروع کر دے۔ اس صورت میں وہ کبھی کبھی اسے
دیکھ سکتی تھی۔

مادام دریناَل حقیقت میں یہی سمجھتی تھی کہ میں پاگل ہوئی جا رہی ہوں۔ اس نے اپنے
شوہر کو بھی بتا دیا اور آخر بیمار پڑ ہی گئی۔ اس روز شام کو جب اس کی خادمہ اس کے پاس
کھڑی تھی تو اس نے دیکھا کہ لڑکی رو رہی ہے۔ اس وقت اسے ایلیزا سے بڑی گھِن
آ رہی تھی اور ابھی اس سے سخت کلامی کر چکی تھی۔ اس نے فوراً لڑکی سے معافی مانگی۔
اب تو لڑکی آٹھ آٹھ آنسو رونے لگی، اور بولی کہ اگر آپ اجازت دیں تو اپنی پوری
بپتا سناؤں۔"

"کہو۔" مادام دریناَل نے جواب دیا۔

"بات یہ ہے، بیگم صاحب، کہ وہ مجھ سے شادی ہی نہیں کرتے۔ بے ایمان
لوگوں نے کچھ لگایا بجھایا ہوگا اور انہیں یقین آ گیا۔"

"کون شادی نہیں کرتا؟" مادام دریناَل نے کہا اور اوپر کا سانس اوپر نیچے کا
سانس نیچے رہ گیا۔

"ژولیاں صاحب کے سوا اور کون ہو سکتا ہے، بیگم صاحب؟" خادمہ نے ہچکیاں
لیتے ہوئے جواب دیا۔ "وہ تو پادری صاحب کے سمجھانے سے بھی نہیں مانے۔ پادری
صاحب کا خیال ہے کہ انہیں ایک اچھی خاصی شریف لڑکی کو محض اس لئے نہیں ٹھکرانا

چاہئے کہ وہ خادمہ رہ چکی ہے۔ آخر ژولیاں صاحب کے باپ بھی تو بس بڑھئی ہیں اور بیگم صاحب کے یہاں آنے سے پہلے وہ خود کیا کرتے تھے؟"

مادام وریناں اب سن ہی نہ رہی تھی۔ خوشی کے مارے اس کا دماغ معطل سا ہوگیا۔ اس نے لڑکی سے یہ بات کئی دفعہ کہلوائی۔ یہاں تک کہ اسے یقین آگیا کہ ژولیاں نے بڑی سختی سے انکار کیا ہے اور اب اس کا کوئی امکان نہیں کہ وہ تھوڑے دن بعد ذرا سمجھ بوجھ سے کام لے اور اپنا فیصلہ بدل دے۔

"میں ایک آخری کوشش اور کرنا چاہتی ہوں۔" اس نے خادمہ سے کہا۔ "میں موسیو ژولیاں سے بات کروں گی۔"

اگلے دن دوپہر کے کھانے کے بعد مادام وریناں کو یہ عجیب لذت حاصل ہوئی کہ وہ اپنی رقیب کی طرف سے وکالت بھی کرتی رہی اور گھنٹے بھر تک ایلیزا کے روپیہ اور اس کی پیش کش کو ٹھکرائے جاتے دیکھتی رہی۔

آہستہ آہستہ ژولیاں نے وہ پنی تلی باتیں چھوڑ کر مادام وریناں کی مضبوط دلیلوں کے تیز تیز جواب دینے شروع کر دیے۔ اتنے دن مایوسی میں گزرے تھے۔ اب جو ایک دم سے مادام وریناں کے دل میں خوشی کا طوفان پھٹ پڑا۔ تو اس سے برداشت نہ ہوسکا۔ اس کی طبیعت واقعی خراب ہوگئی۔ جب اسے ہوش آیا اور وہ اطمینان سے اپنے کمرے میں بیٹھ گئی تو اس نے سب کو وہاں سے ہٹا دیا۔ وہ حیران دشستدر رہ گئی تھی۔

"کہیں مجھے ژولیاں سے محبت تو نہیں ہوگئی ہے؟" آخر کار اس نے اپنے آپ سے پوچھا۔

یہ بات اگر اس پر کسی اور وقت آشکار ہوئی ہوتی تو وہ مارے ندامت اور ہیجان کے بالکل ڈھے جاتی، لیکن اب تو یہ ایک عجیب تماشا سا معلوم ہوا جس پر اس نے زیادہ توجہ بھی نہ دی۔ ابھی اس پر جو کچھ بیت چکی تھی اس کا دل اس سے تھک کے چُور ہو گیا تھا۔ اس کے احساس میں اتنی طاقت ہی نہ رہی تھی کہ جذبات کا بار اٹھائے۔

مادام دریناال نے کام میں لگ جانے کی کوشش کی، اور تھوڑی دیر بعد گہری نیند سو گئی۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو وہ اتنی سہمی ہوئی نہیں تھی جتنا اسے ہونا چاہئے تھا وہ ایسی خوش تھی کہ اسے کسی چیز کے بارے میں بدظنی ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ وہ سیدھی سادی اور معصوم دل تھی۔ اس بچاری قصباتی عورت نے کبھی اپنی روح کو یہ ایذا نہ پہنچائی تھی کہ اسے بچھوڑ بچاڑ کے کسی نئے اور لطیف جذبے یا دُکھ درد کے لئے تھوڑا بہت احساس نکالے۔ ژولیاں کی آمد سے پہلے وہ اس کام دھندے میں گھری رہتی تھی جو پیرس کے باہر نیک بیویوں اور ماؤں کی قسمت میں لکھا ہوتا ہے۔ چنانچہ مادام دریناال نفسانی خواہشات کو بالکل وہی چیز سمجھتی تھی جو ہم لاٹری کو سمجھتے ہیں —— یعنی وہ یقینی نامرادی اور وہ مسرت جس کی طلب صرف احمقوں کو ہوتی ہے۔

کھانے کی گھنٹی بجی۔ ژولیاں بچوں کو اندر لے کے آیا تو مادام دریناال کو اس کی آواز سنائی دی اور وہ شرم کے مارے سُرخ ہو گئی۔ جب سے وہ محبت میں گرفتار ہوئی تھی۔ اس میں تھوڑی سی ہوشیاری آ گئی تھی۔ چنانچہ اس نے چہرہ سرخ ہو جانے کی وجہ یہ بتائی کہ میرا سر درد کے مارے پھٹا جا رہا ہے۔

"عورتوں کے تو یہی جھگڑے رہتے ہیں" موسیو دریناال نے غیر مہذب سا قہقہہ لگا کے کہا۔ "ان کی کوئی نہ کوئی کل ہر وقت بگڑی رہتی ہے۔"

وہ اس قسم کی فقرے بازی کی عادی تو ہو چکی تھی مگر مادام ورینال کو اس کا لہجہ بڑا ناگوار گزرا۔ اپنا غم غلط کرنے کے لئے وہ ژولیاں کا چہرہ غور سے دیکھنے لگی۔ اگر وہ بدصورت سے بدصورت بھی ہوتا تو بھی اس وقت اسے اچھا لگتا۔

موسیو ورینال کو درباری طور طریقوں کی نقل اتارنے کا بڑا شوق تھا۔ چنانچہ بہار کے آغاز ہی میں وہ بال بچوں سمیت ورژی چلا گیا۔ یہ وہ گاؤں ہے جسے ازمنۂ وسطیٰ کی ایک کہانی کی ہیروئن گابریئل کی المناک داستان نے بڑی شہرت بخش دی ہے گاتھک طرز کے پرانے گرجا کے دل فریب کھنڈروں سے چند سو گز کے فاصلے پر موسیو ورینال نے ایک پرانا قلعہ خرید رکھا تھا جس میں چار مینار تھے۔ ایک بڑا خوش نما باغ تھا۔ باغ کے چاروں طرف جھاڑیوں کی دیواریں سی بنی ہوئی تھیں۔ پگڈنڈیوں کے دونوں طرف سایہ دار درخت لگے تھے جنہیں سال میں دو دفعہ تراشا جاتا تھا۔ قریب ہی ایک میدان تھا۔ جہاں سیب کے درخت لگے ہوئے تھے۔ یہاں موسیو ورینال کے بیوی بچے ٹہلنے کے لئے آیا کرتے تھے۔ باغیچے کے آخر میں اخروٹ کے نو دس پیڑ کھڑے تھے۔ ان کی گھنی گھنی ڈالیاں زمین سے کوئی اسّی فٹ بلند تھیں۔

اس کی بیوی ان درختوں کی تعریف کرتی تو موسیو ورینال کہا کرتا "کم بخت ایک ایک پیڑ آدھی آدھی ایکڑ کی فصل خراب کرتا ہے۔ ان کے سائے میں اناج اگتا ہی نہیں۔"

دیہات کا منظر مادام ورینال کو نیا نیا لگا۔ وہ تو اس پہ بالکل لٹو ہو گئی۔ اس جذبے کی تحریک سے اس میں زندگی کی نئی لہر دوڑ گئی اور اس کے ارادے میں پختگی آ گئی۔ ورژی آنے کے دوسرے ہی دن موسیو ورینال تو کسی سرکاری کام سے شہر

واپس چلا گیا، اور اس کی بیوی نے اپنے خرچ پر مزدور لگا دیئے۔ ژولیاں نے اسے یہ بات سجھائی کہ باغیچے کے چاروں طرف اور اخروٹ کے پیڑوں کے نیچے بجری بچھوا دینی چاہیئے تاکہ بچے صبح سویرے وہاں ٹہل سکیں اور ان کے جوتے بھی اوس میں نہ بھیگیں۔ چوبیس گھنٹے کے اندر اندر اس تجویز پر عمل درآمد شروع ہو گیا۔ مادام وریناں، ژولیاں کے ساتھ دن بھر خوش خوش پھری اور مزدوروں کی نگرانی کرتی رہی۔

وریئیر کا میئر واپس آیا یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ پگڈنڈی تو بن بھی گئی۔ مادام ریناں کو بھی اس کے واپس آجانے پر تعجب سا ہوا۔ وہ تو اس کے وجود کو بالکل بھول ہی گئی تھی۔ اگلے دو مہینے تک مسیو ریناں ذرا خفگی کے ساتھ اس بات کی شکایت کرتا رہا کہ ان لوگوں نے اس سے پوچھے بغیر ایسی اہم تبدیلی کرانے کی ہمت کیسے کی۔ لیکن مادام ریناں نے یہ مرمت اپنے خرچ سے کرائی تھی۔ اس بات سے اسے ذرا تسلی ہوئی۔

وہ دن بھر اپنے بچوں کے ساتھ باغیچے میں اچھل کود مچاتی اور تتلیاں پکڑتی۔ ان لوگوں نے رنگین جالی دار کپڑے کے بڑے بڑے جال بنوا لئے تھے۔ ان جالوں سے بیچاری تتلیوں کا شکار رہتا تھا۔ ژولیاں نے اسے تتلیوں کا عجیب و غریب علمی نام بھی سکھا دیا تھا۔ کیونکہ مادام ریناں نے اس موضوع پر گودار کی حسین کتاب بساں سون سے منگوالی تھی، اور تتلیوں کی عجیب و غریب عادتوں کا حال ژولیاں اسے پڑھ کر سنایا کرتا تھا۔

یہ لوگ تتلیوں کو گتے کے ایک بڑے سے ٹکڑے پر رکھ کر بڑی بے رحمی سے پن کھونس دیتے تھے۔ یہ گتا بھی ژولیاں نے تیار کیا تھا۔

آخر کار مادام ورینال اور ژولیاں کو گفتگو کا ایک موضوع ہاتھ آگیا تھا۔ ژولیاں کو خاموشی کے وقفوں سے جو اذیت پہنچتی تھی اب اس کا کوئی خدشہ نہیں رہا تھا۔

وہ برابر باتیں کرتے رہتے، اور انتہائی دلچسپی کے ساتھ، حالانکہ موضوع ہمیشہ سیدھا سادا اور معمولی ہوتا تھا۔ یہ مشغولیت اور ہنسی خوشی کی زندگی ہر ایک کو پسند آئی سوائے مادموازیل ایلیزا کے۔ اسے شکایت تھی کہ میں کام کرتے کرتے مری جا رہی ہوں۔ وہ کہا کرتی ؎ "بیگم صاحب نے تو تہوار کے دنوں میں بھی جب شہر میں ناچ ہوتا ہے لباس کا ایسا خیال نہیں رکھا۔ آج کل تو وہ دن میں دو تین دفعہ کپڑے بدلتی ہیں۔"

چونکہ ہمارا ارادہ ہے کہ کسی کے ساتھ بھی رعایت نہیں برتیں گے، اس لئے ہم اس بات پر پردہ نہیں ڈالیں گے کہ مادام ورینال نے جس کی جلد بڑی نفیس تھی ایسے کپڑے بنوائے جن میں بازو اور سینہ نظر آئے۔ اس کا جسم بڑا سڈول تھا اور یہ کپڑے اس پہ خوب سجتے تھے۔

ویرژیر کے ملاقاتی دعوت میں ورژی آتے تو اس سے کہا کرتے ؎ "مادام آپ ایسی جوان کبھی نہیں معلوم ہوئیں۔" (قصبات میں یہ بات اکثر کہی جاتی ہے)

ایک عجیب بات یہ ہے اور ہمارے پڑھنے والوں کو مشکل سے اس کا یقین آئے گا کہ مادام ورینال جو بناؤ سنگار میں اتنی محنت کرتی تھی تو یہ کوئی ارادی چیز نہیں تھی۔ اسے بس ان کاموں میں مزا آتا تھا۔ جب ژولیاں اور بچوں کے ساتھ تتلیوں کے پیچھے پھرنے میں نہ لگی ہوتی تو بغیر کسی خاص خیال کے ایلیزا کے ساتھ مل کر کپڑے سینے میں مصروف ہو جاتی۔ اس دوران میں وہ بس ایک دفعہ ویرژیر گئی اور وہ بھی اس خواہش کے ہاتھوں مجبور ہو کر کہ گرمیوں کے لئے کچھ نئے کپڑے خریدے جو ابھی

ابھی مل ہاؤس سے آئے تھے۔

وہ اپنے ساتھ ایک نوجوان عورت کو ورژنی لے آئی جو اس کی رشتہ دار تھی۔ شادی کے بعد سے مادام ورنیاں کی مادام ورویل سے آہستہ آہستہ گاڑھی چھننے لگی تھی۔ بچپن میں یہ دونوں ایک ساتھ پڑھی تھیں۔

مادام درویل اپنی بہن کی باتوں پر دل کھول کر ہنسا کرتی تھی۔ اس کے خیال میں یہ بچپنے پن کی باتیں تھیں۔ وہ کہا کرتی تھی کہ اگر میں اکیلی بھی رہوں تو بھی میرے دل میں ایسے خیال نہ آئیں۔

مادام درنیال جب اپنے شوہر کے ساتھ ہوتی تو اسے یہ خود رو خیالات (جنھیں پیرس میں دل کی لہر کہا جائے گا) بڑے احمقانہ معلوم ہوتے اور شرم آنے لگتی مگر مادام درویل کے سامنے اس کا ہیاؤ کھل جاتا۔ جو باتیں وہ سوچا کرتی تھی، پہلے تو اس نے ذرا جھینپ جھینپ کر سنائیں۔ پھر یہ حال ہوا کہ جب وہ دونوں تھوڑی دیر کے لیے بھی اکیلی ہوتیں تو مادام درنیال چہکنے لگتی اور صبح کا سارا وقت بے غل و غش ایسے گزر جاتا کہ پتا بھی نہ چلتا اور دونوں سہیلیاں دن بھر مسرور رہتیں لیکن اس دفعہ معقولیت پسند مادام درویل نے اپنی بہن کو پہلے سے زندہ دل اور پہلے سے کہیں زیادہ خوش پایا۔

ژولیاں جب سے گاؤں آیا تھا بالکل بچہ بن گیا تھا۔ تتلیوں کے پیچھے بھاگنے میں اسے اتنا ہی مزا آتا جتنا اس کے شاگردوں کو۔ اتنے دن وہ رُکا رُکا سا رہا تھا اور بات بات میں چالبازی سے کام لینا پڑا تھا۔ اب اسے تنہائی میسر تھی۔ وہ دوسرے لوگوں کی نگاہوں سے محفوظ تھا، اور اس کا دل کہہ رہا تھا کہ مادام

دربنال سے ذرا بھی ڈرنے کی ضرورت نہیں، اسے زندہ رہنے میں لطف آنے لگا، بلکہ وہ تو سرمست ہو گیا۔ اس عمر میں ویسے بھی آدمی ترنگ میں ہوتا ہے۔ پھر اوپر سے دنیا کے حسین ترین پہاڑوں کی فضا۔

مادام دروبل کے آتے ہی ژردلیاں نے محسوس کر لیا کہ یہ میری دوست ہے۔ اس نے فوراً اسے لے جا کے وہ منظر دکھایا جو نئی پگڈنڈی کے آخر سے نظر آتا تھا۔ یہ منظر سوئٹزرلینڈ اور اٹلی کی جھیلوں کے بہترین مناظر سے بڑھ چڑھ کے نہیں تو ان کے برابر ضرور ہو گا۔ یہاں سے چند گز کے فاصلے پہ جو ڈھلان تھا۔ اس پہ چڑھیں تو اونچی اونچی چٹانیں ملتی تھیں، جن کے کنارے کنارے دیودار کے پیڑ تھے۔ یہ درخت بالکل دریا کے اوپر جھکے ہوئے تھے۔ ژردلیاں مسرور، آزاد بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ، یعنی گھر کا مالک بن کے دونوں سہیلیوں کو انہیں چٹانوں پہ لے جاتا اور یہ دیکھ دیکھ کر لطف اٹھاتا کہ انہیں یہ حسین منظر بڑا پسند آ رہا ہے۔

"مجھے تو یہ منظر ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے موتسارٹ کی موسیقی۔" مادام دروبل کہتی بھائیوں کا حسد، ایک جابر اور بد مزاج باپ کی موجودگی ژردلیاں کے لئے ویرنیر کے آس پاس کے میدانوں کا مزا کرکرا کر دیتی تھی۔ ورژی سے اس قسم کی تلخ یادیں ذرا بھی وابستہ نہ تھیں۔ یہ بات عمر میں پہلی دفعہ ہوئی کہ اسے کوئی آدمی ایسا نظر نہ آتا جو اس کا دشمن ہو۔ موسیو دربنال شہر میں ہوتا (اور ایسا اکثر ہوتا ہی رہتا تھا) تو وہ پڑھنے کی بھی ہمت کر ڈالتا۔ جلدی ہی نوبت یہاں تک پہنچی کہ پہلے تو رات کو پڑھتا تھا اور احتیاطاً لیمپ کو گملا الٹ کر ڈھک دیتا تھا تاکہ روشنی باہر نہ نکلے، مگر اب اس کے بجائے وہ اطمینان سے پوری نیند سوتا۔ دن کو بچوں کی پڑھائی کے وقفے میں وہ کتاب لے کر ان چٹانوں

میں جا بیٹھتا ___ کتاب یعنی اس کے افعال و اعمال کا واحد ضابطہ، اور اس کی گرویدگی کا واحد مرکز۔ اداسی کے لمحوں میں اُسے تسکین، خوشی، کیف و سرور سب یہیں ملتا۔

عورتوں کے بارے میں نپولین۔ کے بعض مقولے اور اس کے عہد میں جو ناول مقبول تھے۔ اُن کے محاسن پر مختلف مضامین پڑھ پڑھ کر اسے چند ایسے خیالات حاصل ہوئے جو اس کی عمر کے کسی اور نوجوان کو بہت پہلے سے معلوم ہوتے۔

گرمیاں آگئیں۔ اب وہ مکان سے چند گز کے فاصلے پر ایک بڑے سے درخت کے نیچے شام گزارنے لگے۔ وہاں بڑا اندھیرا رہتا تھا۔ ایک دن شام کے وقت ژولیاں خوب چہک رہا تھا۔ اسے اچھے اچھے فقرے کہنے اور شادی شدہ جوان عورتوں سے باتیں کرنے میں بڑا لطف آ رہا تھا۔ اس نے جو باتیں کرتے کرتے ہاتھ چلایا تو اس کا ہاتھ مادام دریناآل کے ہاتھ سے چھو گیا جو لکڑی کی ایک ایسی رنگین کرسی پر آرام سے لیٹی تھی جیسی باغوں میں رکھی ہوتی ہیں۔

مادام دریناآل نے جلدی سے ہاتھ کھینچ لیا۔ لیکن ژولیاں نے فوراً فیصلہ کر لیا کہ یہ بات منوانا میرا فرض ہے کہ جب میں اسے چھوؤں تو ہاتھ کھینچا نہ جائے۔ اس کے دل میں یہ خیال بیٹھ گیا کہ مجھے یہ فرض ضرور بجا لانا ہے، اور اگر اس میں ناکام رہا۔ تو میں مضحکہ خیز لگوں گا بلکہ احساسِ کمتری کا شکار ہو جاؤں گا۔ چنانچہ اس کے دل سے سارا لطف فوراً رخصت ہو گیا۔

نواں باب

دیہات کی ایک شام

موسیو گے ریں نے ملکہ ڈانڈو کا کردار بڑے دلفریب طریقے سے پیش کیا ہے۔
اسٹرومبیک

اگلے دن صبح کو جب وہ مادام دربناال سے ملا تو اس کی نظروں کا انداز کچھ عجیب سا تھا۔ وہ اس کی طرف ایسے گھور کے دیکھ رہا تھا جیسے وہ کوئی دشمن ہو۔ اور اس سے ابھی ابھی ٹکر لینی ہو۔ یہ انداز رات والے انداز سے بالکل مختلف تھا۔ مادام دربناال بالکل بھونچکی رہ گئی۔ وہ تو ژولیاں کے ساتھ ایسی مہربانی سے پیش آئی تھی، اور ژولیاں کچھ خفا خفا سا لگتا تھا۔ وہ اپنی نظریں اس کی نظروں سے الگ نہ کرسکی۔

مادام درویل کی موجودگی سے یہ فائدہ ہوا کہ ژولیاں گفتگو میں حصہ لینے سے بچ گیا اور اسے جس بات کی فکر لگی ہوئی تھی اس پر پوری توجہ صرف کرسکا۔ دن بھر اس کا مشغلہ بس یہ رہا کہ اس الہامی کتاب کو پڑھ پڑھ کر اپنے آپ کو تقویت پہنچاتا رہے جس سے اس کی روح کو تازگی حاصل ہوتی تھی۔

اس نے آج بچوں کو سبق بھی بہت کم پڑھایا۔ بعد میں جب مادام درینآل کی موجودگی نے اسے یاد دلایا کہ اس کی خود پرستی کی طرف سے بھی اس پر کچھ فرائض عائد ہوتے ہیں تو اس نے پکّا ارادہ کر لیا کہ آج شام یہ بات ضرور ہونی چاہئے کہ مادام رینال اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں رہنے دے۔

سورج نیچا ہوتا گیا اور وہ فیصلہ کن لمحہ قریب آ گیا۔ ہیجان کے مارے ژولیاں کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ آخر رات آ گئی۔ اس نے دیکھا کہ آج بہت اندھیرا ہے، اور اسے اتنی خوشی ہوئی کہ دل پر سے منوں بوجھ اتر گیا۔ آسمان پر گھنے بادل چھائے ہوئے تھے اور گرم گرم ہوا انہیں چکر دے رہی تھی۔ یہ اس بات کی نشانی تھی کہ طوفان آنے والا ہے۔ دونوں سہیلیاں بڑی دیر تک ٹہلتی رہیں۔ آج ان کی ہر بات ژولیاں کو عجیب لگ رہی تھی۔ وہ اس موسم کا لطف لے رہی تھیں جو بعض لطیف طبیعتوں میں پیار کا مزا دوبالا کر دیتا ہے۔

آخر وہ آکے بیٹھ گئیں۔ مادام رینال ژولیاں کے برابر اور مادام درویل اپنی سہیلی کے دوسری طرف۔ ژولیاں کو ابھی جو کارنامہ سرانجام دینا تھا اسے تو بس اس کی دھن سوار تھی۔ اس کی سمجھ ہی میں نہ آیا کہ کیا بات کروں۔ چنانچہ گفتگو کچھ رکنے سی لگی۔

"اگر مجھے کسی سے لڑنا پڑتا تو پہلی دفعہ کیا میں اسی طرح تھر تھر کانپوں گا اور اسی طرح گھبراؤں گا؟" ژولیاں نے دل میں سوچا۔ کیونکہ اسے اپنے پر اور دوسروں پر اتنا کم اعتبار تھا کہ وہ اپنی کیفیت دیکھے بغیر نہ رہ سکا۔

اس دُبدھا سے اسے اتنی اذیت ہو رہی تھی کہ اس وقت تو ہر خطرہ

اس بے چینی سے کہیں زیادہ بہتر معلوم ہوتا۔ کتنی دفعہ اس کا جی چاہا کہ خدا کرے مادام وریناال کسی کام سے اٹھ کے اندر چلی جائے اور باغ میں نہ رہے۔ ژولیاں اپنے اوپر قابو رکھنے کی ایسی جان توڑ کوشش کر رہا تھا کہ اس کی آواز تک بدل گئی۔ مادام وریناال کی آواز میں بھی فوراً لرزش آ گئی۔ لیکن ژولیاں کو اس کا احساس تک نہ ہوا۔ اس کی فطری کم ہمتی اور اس کے احساسِ فرض میں جو خوفناک جنگ ہو رہی تھی، اس نے ژولیاں کو تھکا مارا تھا اور اپنے سے باہر اسے کسی چیز کی سُدھ بدھ ہی نہ رہی تھی۔ بیفار کی گھڑی نے پونے دس بجا دیئے، اور اس نے ابھی تک ذرا سی بھی ہمت نہ کی تھی۔ ژولیاں کو اپنے تھڑدلے پن پر شرم آنے لگی اور وہ دل ہی دل میں بولا: "جیسے ہی گھڑی نے دس بجائے یا تو میں اس ارادے کو عمل میں لا کے رہوں گا جسے آج دن بھر شام کے وقت تکمیل تک پہنچانے کو سوچتا رہا ہوں۔ ورنہ پھر اوپر اپنے کمرے میں جا کے اپنے آپ کو گولی مار لوں گا۔"

اب اضطراب اور ہیجان کا ایک اور دورہ پڑا۔ جذبات کی شدت سے ژولیاں دیوانہ سا ہو گیا۔ لیکن آخر سر کے اوپر جو گھڑی تھی، اس نے ٹن ٹن دس بجانے شروع کر دیئے اس کم بخت کی ہر چوٹ اس کے دل میں بڑی طرح گونجتی۔ اور بدن میں کھلبلی سی مچا دیتی۔

انجام کار یہ ہوا کہ گھنٹے کی آخری چوٹ ابھی تک فضا میں لرز ہی رہی تھی کہ ژولیاں نے ہاتھ بڑھا کر مادام وریناال کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس نے اپنا ہاتھ فوراً کھینچ لیا۔ اب ژولیاں کو ذرا بھی ہوش نہ رہا کہ میں کر کیا رہا ہوں اور اس نے مادام وریناال کا ہاتھ پھر پکڑ لیا۔ حالانکہ خود اس کے اندر ایک تلاطم برپا تھا۔ لیکن اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ میرے ہاتھ میں جو

ہاتھ ہے وہ برف کی طرح ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ اس نے ہیجانی شدت سے مادام درینال کا ہاتھ کھینچ لیا۔ ہاتھ چھڑانے کی ایک آخری کوشش اور ہوئی۔ لیکن آخر وہ ہاتھ اس کی گرفت ہی میں رہ گیا۔

اس کے دل میں خوشی کا سیلاب امنڈ پڑا، اس وجہ سے نہیں کہ اسے مادام درینال سے محبت تھی، بلکہ اس لئے کہ وہ خوفناک اذیت اب ختم ہو چکی تھی۔ اس خیال سے کہ کہیں مادام درویل کچھ دیکھ نہ لے۔ اس نے ضروری سمجھا کہ باتیں کی جائیں۔ اب اس کی آواز میں ایک بلندی اور زور آ گیا تھا۔ اس کے برخلاف مادام درینال کی آواز سے اتنا شدید جذبہ ٹپکنے لگا کہ اس کی سہیلی سمجھی اس کی طبیعت کچھ خراب ہو گئی ہے اور بولی کہ "چلو، اندر چلیں۔" ژولیاں کو خطرے کا احساس ہو گیا۔ "اگر مادام درینال دیوان خانے میں واپس چلی گئی تو میں پھر اسی مصیبت میں پڑ جاؤں گا جس میں دن بھر رہا ہوں۔ اس کا ہاتھ میری گرفت میں اتنی دیر نہیں رہا کہ میں اسے ایک قطعی کامیابی سمجھوں۔"

مادام درویل نے پھر اندر جانے کی تجویز پیش کی تو ژولیاں نے وہ ہاتھ دبا دیا جو ابھی تک اس کی گرفت میں تھا

مادام درینال اٹھنے ہی والی تھی [illegible] پھر بیٹھ گئی اور مری ہوئی سی آواز میں بولی: "میری طبیعت تو واقعی خراب ہو رہی ہے مگر تازہ ہوا میں مجھے ذرا آرام مل رہا ہے۔"

ان الفاظ سے اس کی خوشی دوبالا ہو گئی۔ اب اس کی مسرت کی کوئی انتہا نہ رہی وہ باتیں کرنے لگا۔ بناوٹ سب بھول گیا اور اپنی دونوں سامعین کو بڑا ہی دل کش آدمی معلوم ہوا۔ اس میں ایکا ایکی یہ بے زبانی تو ضرور آ گئی تھی۔ مگر ہمت کی اب بھی تھوڑی سی کمی تھی۔ ہوا تیز ہو گئی تھی اور یہ طوفان کی آمد کا پیش خیمہ تھا۔ اسے بڑا ڈر لگ رہا تھا۔ کہ

اس ہوا سے گھبرا کے کہیں مادام دروِیل اکیلی ہی دیوان خانے میں نہ چلی جائے۔ پھر وہ مادام دریناال کے ساتھ تنہا رہ جائے گا۔ یہ بالکل اتفاق تھا کہ اس میں وہ اندھی جرأت آ گئی جو عمل کے سرحلے کافی نکلی۔ لیکن اسے ایسا لگ رہا تھا کہ مادام دریناال سے وہ سیدھا سادا لفظ کہہ دینا میرے بس کی بات نہیں۔ مادام دریناال کی جھڑکیاں کتنی ہی ہلکی کیوں نہ ہوں۔ ہار اسی کی ہوگی، اور جو کامیابی ابھی حاصل ہوئی تھی وہ بھی ہاتھ سے جائے گی۔

اس کی خوش قسمتی سمجھئے کہ آج شام اس نے جو اثر انگیز اور زوردار تقریریں کیں تھیں وہ مادام دروِیل کو بہت پسند آئیں۔ حالانکہ عام طور سے وہ اسے اسکول کے لڑکوں کی طرح بے ڈھنگا سمجھتی تھی، اور ژولیاں کی باتوں میں اسے ذرا بھی مزا نہ آتا تھا رہی مادام دریناال، تو اس کا ہاتھ ژولیاں کے ہاتھ میں دبا ہوا تھا اور اسے کسی چیز کی سُدھ بُدھ نہ رہی تھی۔ اس وقت تو اس نے اپنے آپ کو جینے کی چھٹی دے رکھی تھی اس پیڑ کے نیچے جسے مقامی روایت کے مطابق شیر دل شارل نے لگایا تھا۔ انہوں نے جو عرصہ گزارا۔ وہ مادام دریناال کو خوشی کا ایک پورا زمانہ معلوم ہوا۔ بوندا باندی شروع ہو گئی تھی۔ وہ ایک عجیب کیف کے عالم میں میٹھی شاخوں میں ہوا کی سائیں سائیں اور نچلے پتوں پہ بوندوں کی ٹپ ٹپ سنتی رہی۔ ژولیاں نے ایک چھوٹی سی بات۔ دیکھی ہی نہیں جس سے اسے بڑی تقویت پہنچتی۔ پھولوں کا ایک گملا ہوا سے دونوں سہیلیوں کے پیروں پر آ پڑا۔ مادام دریناال اسے ہٹانے میں اپنی بہن کی مدد کرنے اٹھی تو اسے اپنا ہاتھ چھڑانا پڑا۔ لیکن اپنی جگہ واپس آتے ہی اس نے پھر اپنا ہاتھ بیل وحجت کے بغیر ژولیاں کے حوالے کر دیا جیسے ان کے درمیان یہ بات طے پا چکی ہو۔

آدھی رات کا گھنٹہ بہت دیر ہوئے بج چکا تھا۔ آخر باغ سے اٹھنے کا وقت

آگیا اور صحبت برخواست ہوگئی۔ مادام دریناآل ایک تو اپنی محبت میں سرشار، دوسرے ان باتوں سے بالکل ناواقف تھی، اس نے اپنے آپ کو ذرا سی بھی ملامت نہ کی۔ خوشی کے مارے اس کی نیند اڑ گئی۔ ژولیاں گھوڑے بیچ کے سویا۔ آج دن بھر اس کے دل میں کم ہمتی اور غرور کی جنگ جاری رہی تھی اور وہ تھک کے چور ہو چکا تھا۔

اگلے دن صبح اُسے پانچ بجے جگایا گیا اور اس سے ایک ایسی بات سرزد ہوگئی کہ مادام دریناآل کو پتا چلتا تو اسے بڑا صدمہ پہنچتا۔ یعنی ژولیاں کو اس کا خیال ہی نہ آیا۔ اس نے تو اپنا ایک فرض انجام دیا تھا — ایک دلاورانہ فرض۔ اس خیال کی خوشی میں سرمست ہو کر اس نے اپنے کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر لیا اور ایک بالکل نئی لذت کے ساتھ اپنے ہیرو کے کارنامے پڑھنے میں کھو گیا۔

دوپہر کے کھانے کی گھنٹی بجی تو اس وقت وہ نپولین کی فوج کے حالات پڑھنے میں رات کی ساری کامیابیاں بھول چکا تھا۔ دیوان خانے میں جاتے ہوئے اس نے بے اعتنائی کے ساتھ سوچا "مجھے اس عورت سے یہ کہنا چاہیئے کہ مجھے تم سے محبت ہے۔"

اپنی امید کے برخلاف مادام دریناآل کی پیار بھری نظروں کے بجائے اسے مسیو دریناآل کا درشت چہرہ نظر آیا۔ وہ کوئی دو گھنٹے ہوئے ویریئر سے واپس آیا۔ اسے جو پتا چلا کہ ژولیاں صبح کا سارا وقت ضائع کر رہا ہے اور بچوں کی خبر نہیں لیتا تو اس سے اپنی خفگی چھپائی نہ جا سکی۔ اس سے زیادہ اور کیا مگر وہ بات ہو سکتی تھی کہ صبح سویرے یہ خود پرست آدمی دکھائی دے جو ناراض بھی تھا اور یہ یقین بھی رکھتا تھا کہ مجھے اپنی ناراضی ظاہر کرنے کا حق حاصل ہے۔

اپنے شوہر کا ایک ایک سخت فقرہ مادام دریناآل کے دل میں نشتر کی طرح چبھ رہا تھا۔ رہا ژدلیاآں، تو وہ اس قدر سرشار ہو رہا تھا اور پچھلے دو تین گھنٹے سے جو عظیم واقعات اس کے تصوّر کی آنکھوں کے سامنے سے گزرتے رہے تھے۔ ان میں ایسا محو تھا کہ پہلے تو اسے اپنے تخیّل کی بلندیوں سے نیچے اتر کر مسیو دریناآل کی کڑوی کسیلی باتیں سننے میں ہی دیر لگی۔ آخرکار اس نے ذرا ترشی سے جواب دیا ــ "میری طبیعت خراب تھی"۔

اس جواب کا لہجہ ہی ایسا تھا کہ ویریئیر کے میئر سے بھی کم نازک مزاج آدمی ہوتا تو چڑ جاتا۔ اس نے سوچا کہ اس کا جواب تو بس یہی ہے کہ ژدلیاآں کو کھڑے کھڑے نکال دے لیکن اس نے اپنے لئے ایک زرّیں اصول مقرر کر لیا تھا کہ کاروباری معاملوں میں کبھی جلدبازی نہیں برتنی چاہئے۔ بس اس خیال سے رُک گیا۔

وہ اپنے دل میں بولا ــ "اس احمق نے میرے گھر رہ کے خاصی اچھی شہرت پیدا کرلی ہے۔ ممکن ہے والی نو اسے اپنے یہاں رکھ لے، یا وہ ایلیزا سے شادی کرلے دونوں صورتوں میں اُسے میرے اوپر ہنسنے کا موقع ہاتھ آجائے گا۔"

مسیو دریناآل نے جو یہ باتیں سوچیں تھیں تو وہ دانشمندی کی، مگر اس کے باوجود اُس کی خفگی نا ملائم الفاظ کی شکل اختیار کر ہی گئی، اور آخر ژدلیاآں بُرا مان گیا۔ مادام دریناآل روہانسی ہوگئی۔ کھانا ختم ہوتے ہی وہ ژدلیاآں کا بازو پکڑ کے سیر کو نکل پڑی۔ وہ بڑے ہی دوستانہ انداز میں بازو کے اوپر جھکی ہوئی تھی۔ مادام دریناآل اس سے جو بھی کہتی۔ ژدلیاآں۔ دفعہ دھیمی سی آواز میں یہی جواب دیتا ــ "امیر لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں۔"

مسیو دریناآل اُن دونوں کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ اس کی موجودگی سے ژدلیاآں

کا غصہ اور بڑھ گیا۔ یکایک اسے محسوس ہوا کہ مادام دربنال اس کے بازو پر بہت ہی زیادہ جھک آئی۔ یہ بات اسے بڑی بری لگی۔ اس نے مادام دربنال کو زور سے جھٹکے سے الگ کر دیا اور اپنا بازو چھڑا لیا۔

خوش قسمتی سے موسیو دربنال نے یہ نئی گستاخی دیکھی ہی نہیں۔ البتہ مادام دروبیل کی نظر پڑ گئی۔ اس کی سہیلی کی آنکھوں سے آنسو پھوٹ نکلے۔ اتنے میں موسیو دربنال نے ایک چھوٹی سی دیہاتی لڑکی پر پتھر پھینکنے شروع کر دیئے جو چھوٹا راستہ دیکھ کر باغیچے کے ایک کونے میں سے گزر رہی تھی۔

مادام دروبیل نے جلدی سے کہا "موسیو ثعلیاں، ذرا طبیعت کو قابو میں رکھئے آپ نے کیوں ایسے پھر لئے ہیں۔ آخر ہم سبھی کو کبھی نہ کبھی غصہ آ ہی جاتا ہے۔"

ثردلیاں نے اس کی طرف بڑی سرد مہری سے دیکھا۔ اس کی آنکھوں سے حقارت اور اپنی برتری کا احساس ٹپک رہا تھا۔

یہ انداز دیکھ کر مادام دروبیل حیران رہ گئی۔ اگر وہ اس کا پورا مطلب بھانپ لیتی تو اُسے اور بھی تعجب ہوتا۔ وہ غور سے دیکھتی تو ثردلیاں کی آنکھوں میں اسے انتہائی خوفناک انتقام کی ہلکی سی امید بھی جھلکتی نظر آتی۔ تذلیل کے ایسے ہی لمحات ہیں جن سے روبس پیئر جیسے انقلابی پیدا ہوتے ہیں۔

"تمہارا ثردلیاں تو بڑا غصیل ہے۔ مجھے تو اس سے ڈر لگنے لگا۔" مادام دروبیل نے اپنی سہیلی کے کان میں کہا۔

"مگر اس کا غصہ بھی تو بجا ہے" مادام دربنال نے جواب دیا۔ "جب سے وہ آیا ہے، بچوں نے کتنی ترقی کر لی ہے۔ اب اگر اس نے دو ایک گھنٹے ان سے بات

نہیں کی۔ تو کیا قیامت ٹوٹ پڑی ؟ تمہیں ماننا پڑے گا کہ مردوں کا دل بڑا سخت ہوتا ہے "

عمر میں پہلی مرتبہ مادام ورینال کو اپنے شوہر سے انتقام لینے کی خواہش سی محسوس ہوئی۔ ژولیاں کے دل میں امیروں کے خلاف جو شدید نفرت تھی وہ بس اب پھٹ پڑنے کے قریب تھی کہ خوش قسمتی سے موسیو ورینال نے مالی کو آواز دی اور باقی وقت وہ اس کے ساتھ مل کر باغیچے والی پگڈنڈی کو کانٹوں کے ڈھیر رکھ رکھ کے بند کرنے میں لگا رہا۔ اب جتنی سیر باقی رہ گئی تھی۔ اس کے دوران میں ژولیاں پر بڑی بڑی توجہات صرف ہوئیں۔ مگر اس نے جواب میں ایک لفظ نہ کہا۔ موسیو ورینال کے الگ ہوتے ہی دونوں عورتوں نے یہ بہانہ بنا کر کہ ہم تھک گئے ہیں اس کا ایک ایک بازو پکڑ لیا تھا۔

یہ دونوں بالکل سٹپٹا گئی تھیں اور بے چینی کے مارے اُن کا چہرہ سُرخ ہو رہا تھا۔ ژولیاں زرد پڑ گیا تھا اور اس نے اپنا انداز ایسا گمبھیر بنا لیا تھا جیسے کوئی اٹل فیصلہ کر چکا ہو۔ ان دونوں کے درمیان چلتا ہُوا وہ کچھ عجیب سا لگ رہا تھا۔ اسے ان دونوں عورتوں سے سارے لطیف جذبات سے نفرت ہو گئی تھی۔

وہ اپنے دل میں کہہ رہا تھا ۔۔۔ "ہیں! میرے پاس پانچ سو فرانک بھی نہیں جو اپنی تعلیم ہی پوری کر لوں! اب دیکھو میں اس عورت کو کیسے دھتا بتاتا ہوں۔"

وہ دونوں تو اس سے نہایت خوش اخلاقی برت رہی تھیں اور وہ ایسی مہمل باتیں سوچنے میں لگا ہُوا تھا۔ اس حالت میں جو دو چار الفاظ اس کے کان میں پڑے

وہ اسے مہمل، فضول، احمقانہ بلکہ عورتوں کی نخرے بازی معلوم ہوئے۔

مادام دربنال چاہتی تھی کہ گفتگو جاری ہی رہے، اور وہ بولنے کی خاطر بول رہی تھی۔ اتفاقاً اس کے منہ سے نکلا کہ موسیو دربنال آج دیر تیر سے اس لیئے واپس آ گئے کہ ایک کسان سے مکا کے بھوسے کا سودا ہو گیا ہے (اس علاقے میں مکا کا بھوسہ بستر میں بھرنے کے کام آتا ہے)

کہنے لگی۔ اس وقت وہ ہمارے پاس آ کے نہیں بیٹھیں گے۔ اب تو وہ مالی اور دوسرے نوکر کے ساتھ مل کر سارے بستروں میں بھوسہ بھریں گے۔ نیچے کی منزل میں تو صبح ہی سارا کام ختم ہو گیا۔ اب دوسری منزل پر شروع ہوا ہے۔"

ژولیاں کا رنگ اڑ گیا۔ اس نے ایک عجیب انداز سے مادام دربنال کی طرف دیکھا اور ذرا قدم بڑھا کے اسے الگ کھینچ لے گیا۔ مادام ورتے بل نے انہیں آگے بڑھ جانے دیا۔

"کسی طرح میری جان بچائیے۔" وہ مادام دربنال سے بولا۔ "آپ ہی کے ہاتھ ساری بات ہے۔ آپ جانتی ہیں کہ خادم مجھ سے جلتا ہے۔ میں آپ کو بتا ہی کیوں نہ دوں! میرے پاس ایک تصویر ہے، اسے میں نے اپنے گدے میں چھپا رکھا ہے۔"

یہ بات سن کر اس دفعہ مادام دربنال کا رنگ اڑ گیا۔

"اس وقت صرف آپ ہی میرے کمرے میں جا سکتی ہیں۔ یہ خیال رکھئے گا کہ کوئی آپ کو دیکھے نہیں۔ کھڑکی کی طرف گدے کے نیچے دیکھئے، وہاں آپ کو

گتے کا ایک چکنا سا ڈبہ ملے گا۔"

"اس میں وہ تصویر ہے؟" مادام درینال نے کہا۔ وہ بالکل گری پڑ رہی تھی۔

ژولیاں نے دیکھا کہ وہ کچھ ہراساں ہو رہی ہے۔ چنانچہ اس نے فوراً اس بات سے فائدہ اٹھایا۔

"مادام، ایک اور عنایت کیجئے گا۔ میں آپ سے التجا کرتا ہوں کہ تصویر نہ دیکھئے گا۔ یہ میرا راز ہے۔"

"راز ہے!" مادام درینال نے مری ہوئی آواز میں دہرایا۔

حالانکہ وہ ایسے لوگوں میں پلی بڑھی تھی۔ جنہیں اپنی دولت کا غرور تھا اور مالی مفاد کے سوا کسی چیز سے لگاؤ تھا ہی نہیں۔ لیکن محبت نے اس کے دل میں بھی تھوڑی سی فیاضی پیدا کر دی تھی۔ گو اسے بڑا صدمہ پہنچا تھا۔ مگر مادام درینال نے بڑی سادہ دلی اور خلوص کے ساتھ سب ضروری باتیں معلوم کیں تاکہ ژولیاں کا کام ٹھیک طرح ہو سکے۔

وہ چلنے لگی تو بولی ـــ "اچھا تو وہ گتے کا چھوٹا سا گول ڈبہ ہے اور بڑا چمکدار ہے۔"

"جی ہاں۔" ژولیاں نے اس کرخت لہجے میں جواب دیا جو خطرے کے وقت مردوں میں پیدا ہو جاتا ہے۔

وہ اوپر کی منزل پر پہنچی تو ایسی زرد پڑ گئی تھی جیسے موت کے منہ میں جا رہی ہو۔ مرے پر سو دُرّے۔ اسے ایسا لگا جیسے بیہوش ہوئی جا رہی ہو۔ لیکن اس خیال سے سنبھلی کہ ژولیاں کی خدمت سر انجام دینی ہے۔

"مجھے وہ ڈبہ ضرور حاصل کرنا ہے۔" وہ قدم بڑھاتے ہوئے دل ہی دل میں بولی۔

اس نے سنا کہ زولیاں کے کمرے میں اس کا شوہر خادم سے باتیں کر رہا ہے۔ خوش قسمتی سے وہ دونوں اس کمرے میں چلے گئے۔ جہاں بچے سویا کرتے تھے۔ اس نے گدا اٹھا کر بھوسے میں اتنے زور سے ہاتھ ٹھونسا کہ انگلیاں چھل گئیں۔ حالانکہ وہ اتنی سی تکلیف پر بھی تلملا اٹھتی تھی، لیکن اس وقت اسے پتا بھی نہ چلا، کیونکہ فوراً ہی وہ چکنا چکنا ڈبہ اس کے ہاتھ کو چھو گیا۔ اس نے ڈبہ اٹھایا اور چمپت ہو گئی۔

جب یہ ڈر ختم ہوا کہ کہیں میرا شوہر مجھے نہ آ پکڑے تو پھر اسے ڈبے سے کراہت محسوس ہونے لگی، اور ایسا لگا کہ بس اب بے ہوش ہوئی۔

"تو گویا زولیاں کو عشق ہے، اور اس ڈبے میں عورت کی تصویر بند ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے۔"

مادام [illegible] نشست گاہ میں بیٹھ گئی اور جلن کے مارے اس کا دل پھنکنے لگا۔ اس کی انتہائی ناواقفیت یہاں بھی آڑے آئی۔ تحیر کی وجہ سے رنج کسی قدر کم ہو گیا [illegible] لیا [illegible] شکریہ ادا کرنا تو الگ رہا اس نے ایک لفظ تک نہ کہا۔ بس ڈبہ لیا اور چلتا بنا۔ اپنے سونے کے کمرے میں پہنچ کے آگ جلائی اور ڈبے کو اس میں رکھ دیا۔ وہ زرد اور گم صم ہو رہا تھا۔ جس خطرے سے اس کی جان بچی تھی۔ وہ اس کے بارے میں مبالغے سے کام لے رہا تھا۔

وہ اپنا سر پیچھے کو اچھال کے دل ہی دل میں بولا — "نپولین کی تصویر، اور

ایک ایسے آدمی کے کمرے میں چھپی ہوئی ملے جو اس غاصب سے نفرت کا برملا اظہار کرتا ہے! اور ملے بھی موسیو دریتال کو جو شاہ پرست ہے اور مجھ سے پہلے ہی ناراض ہے! اور پھر بے احتیاطی کی بھی انتہا ہے کہ تصویر کے پیچھے میرے ہاتھ کی تحریر موجود ہے! اور باتیں بھی ایسی لکھی ہیں کہ میری عقیدت مندی اور گرم جوشی میں کوئی شبہ باقی ہی نہیں رہتا! اور اس والہانہ محبت کے ہر اظہار کے ساتھ تاریخ بھی درج ہے! ایک تحریر تو ابھی دو دن پہلے کی ہے!

"میری ساری نیک نامی خاک میں مل گئی، ایک لمحے میں برباد ہو کے رہ گئی!" ژولیاں ڈبے کو جلتا ہوا دیکھ کے کہہ رہا تھا۔ "اور میرے پاس نیک نامی کے سوا دھرا ہی کیا ہے، اسی کے سہارے تو میں زندہ ہوں۔ . . . اور خدایا، یوں بھی میری زندگی کیا ہے!"

ایک گھنٹے بعد وہ ذرا پیار محبت کی طرف مائل ہوا۔ کیونکہ ایک تو وہ تھک چکا تھا، دوسرے اسے اپنے اوپر بڑا رحم آ رہا تھا۔ مادام دریتال دکھائی دی۔ تو اس نے بڑھ کے ہاتھ پکڑ لیا اور ایسے خلوص کے ساتھ چوما جو ابھی تک اس کی طرف سے ظاہر نہیں ہوا تھا۔ وہ خوشی کے مارے سرخ ہو گئی۔ مگر ساتھ ہی ساتھ غصے اور جلن کی وجہ سے ژولیاں کو پرے دھکیل دیا۔ ژولیاں کی خودپرستی کو ابھی ابھی صدمہ تو پہنچ ہی چکا تھا۔ اس وقت تو وہ بالکل کاٹھ کا اُلو بن گیا۔ مادام دریتال اسے نرے ایک امیر عورت نظر آئی۔ ژولیاں نے بڑی حقارت سے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا، اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے چل دیا۔ وہ باہر نکل کے باغ میں اداس اداس پھرنے لگا۔ پھر اس کے ہونٹوں پر ایک تلخ مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"میں تو ایسے اطمینان سے ٹہل رہا ہوں جیسے اپنی مرضی کا مالک ہوں! میں بچّوں کی نگرانی سے غفلت برت رہا ہوں! اب مجھ پر موسیو دریناآل کی ڈانٹ پڑنے ہی والی ہے، اور وہ بھی سچّے ہوں گے۔" وہ فوراً بچّوں کے کمرے کی طرف چل پڑا۔

سب سے چھوٹے بچّے سے اسے بڑا لگاؤ تھا۔ اس نے جوڑولیاں کے گلے میں باہیں ڈالیں تو اذیت ذرا کم ہوئی، اور راحت سی ملی۔

"یہ ابھی مجھے حقارت کی نظروں سے نہیں دیکھتا۔" ژولیاں نے سوچا۔ پھر اُسے اپنی اذیت میں کمی آجانے پر ندامت سی ہونے لگی جیسے یہ کوئی نئی کمزوری ہو۔ "یہ بچّے مجھے اس طرح پیار کرتے ہیں جیسے اس پلّے کو جو کل خریدا گیا ہے۔"

دسواں باب

بلند نظری اور افلاس

محبت اپنے آپ کو کتنا ہی چھپائے، لیکن اس کی تاریکی اُسے چھپنے نہیں دیتی
آسمان جتنا سیاہ ہوگا اتنے ہی زور کا طوفان آئے گا۔

بائرن

موسیو رینال گھر کا ہر کمرہ دیکھتا پھر رہا تھا۔ وہ بچوں کے کمرے میں دوبارہ نوکروں کے ساتھ آیا جو بھرے ہوئے گدے لاد کے لائے تھے۔ اس کے یوں اچانک اندر آجانے سے ژولیاں کا پیمانۂ صبر لبریز ہوگیا۔

معمول سے بھی زیادہ زرد اور افسردہ خاطر ہو کے وہ موسیو درینال کی طرف بڑھا موسیو درینال خاموش کھڑا ہوگیا اور نوکروں کی طرف دیکھنے لگا۔

"جناب" ژولیاں کہنے لگا "کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ کسی اور اتالیق کے ساتھ آپ کے بچّے اتنی ہی ترقی کر لیتے جتنی میرے ساتھ کی ہے؟" اس نے موسیو درینال کو بولنے کا موقع بھی نہ دیا اور اپنے آپ بولے چلا گیا "اگر نہیں، تو پھر آپ کو یہ جرأت کیسے ہوئی کہ مجھے لاپروائی کا طعنہ دیں؟"

موسیو وریناآل سہم سا گیا تھا اور ابھی پوری طرح سنبھلا بھی نہ تھا کہ اس نے جو اس دیہاتی لڑکے کو اس لہجے میں بات کرتے سُنا تو یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اس کے پاس کوئی اچھی پیش کش آئی ہے اور اب یہ مجھے چھوڑ کے جانے والا ہے۔ ژولیاں جتنا زیادہ بولا اُس کا غصہ اتنا ہی بڑھتا گیا۔

"پھر اگزارا آپ کے بغیر بھی ہو سکتا ہے جناب"۔ ژولیاں نے کہا۔

"مجھے بڑا افسوس ہے کہ آج آپ اتنے خفا ہو گئے"۔ موسیو وریناآل نے ذرا ہکلاتے ہوئے کہا۔ ملازم کوئی دس قدم اُدھر تھے اور بستر ٹھیک کرنے میں لگے ہوئے تھے۔

"جناب، اس سے میری تسلی نہیں ہوگی"۔ ژولیاں نے غصے کے مارے آپے سے باہر ہو کے کہا۔ "ذرا سوچیے تو سہی کہ آپ نے مجھے کیسا سخت سست کہا ہے اور وہ بھی خواتین کے سامنے!"

موسیو وریناآل اچھی طرح جانتا تھا کہ ژولیاں کیا چاہتا ہے اور اس کے دل میں دو متضاد جذبوں کے درمیان جنگ ہو رہی تھی۔ ژولیاں اب غصے کے مارے واقعی پاگل ہو گیا، اور اتفاق سے اس کے منہ سے یہ نکلا۔

"جناب مجھے معلوم ہے کہ میں آپ کا گھر چھوڑ کے کہاں جا سکتا ہوں"۔

یہ الفاظ سنتے ہی موسیو وریناآل کو یہ تصور پیدا ہوا کہ ژولیاں، موسیو والنو کے گھر برا جمان ہے۔

"بہت اچھا، جناب"۔ آخر اس نے ٹھنڈا سانس کھینچ کے اس انداز سے کہا جیسے کوئی آدمی انتہائی تکلیف دہ آپریشن کرنے کے لئے ڈاکٹر کو بلاتا ہو۔ "مجھے آپ کی

بات منظور ہے۔ پرسوں مہینے کی پہلی ہے۔ اس دن سے میں آپ کو پچاس فرانک ماہوار دوں گا۔"

ژولیاں کو بے اختیار ہنسی آئی۔ مگر وہ کچھ گم گھم کھڑا رہ گیا۔ اس کا غصہ کافور ہو چکا تھا۔

"اس جانور کی طرف سے میرے دل میں جتنی حقارت تھی شاید وہ بھی کافی نہیں تھی۔" وہ دل میں کہنے لگا۔ "ایسے کمینہ فطرت انسان کی نظر میں معافی مانگنے کا یہی طریقہ سب سے عمدہ ہونا چاہئے۔"

بچے منہ پھاڑے یہ تماشہ دیکھ رہے تھے۔ وہ دوڑے دوڑے باغ میں گئے اور ماں کو بتایا کہ موسیو ژولیاں کو بڑا غصہ آیا تھا مگر اب انہیں پچاس فرانک ماہوار ملا کریں گے۔

ژولیاں عادت سے مجبور ہو کر بچوں کے پیچھے پیچھے چل دیا۔ اس نے موسیو دریناں کی طرف دیکھا تک نہیں اور اسے یونہی کھولتا ہوا چھوڑ گیا۔

میئر اپنے دل میں بولا۔ "موسیو والنو کی وجہ سے میرے اوپر ایک سو اٹھ فرانک کی چپت پڑی۔ لاوارث بچوں کی نگرانی کے سلسلے میں ان حضرت نے جو پیسے بنائے ہیں۔ اب مجھے اس کے بارے میں دو چار سخت باتیں کہنی ہی پڑیں گی۔"

ایک لمحے بعد ژولیاں پھر اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔

"میرا ضمیر مجھے تنگ کر رہا ہے۔ مجھے موسیو شیلاں سے کچھ کہنا ہے۔ میں آپ کو یہ اطلاع دینے کے لئے حاضر ہوا ہوں کہ میں چند گھنٹے باہر رہوں گا۔"

"میرے عزیز ژولیاں" موسیو دریناں نے انتہائی غیر مخلصانہ انداز سے ہنستے

ہوئے کہا: "آپ چاہیں تو پورے دن، بلکہ کل کا بھی سارا دن، ہمیرے لائق دوست، ویریئیر جانے کے لئے مالی کا گھوڑا لے جائیے۔"

پھر موسیو درینال اپنے دل میں بولا: "یہ وال نو کے پاس کوئی جواب دینے جا رہا ہے۔ اس نے مجھ سے کوئی وعدہ تو نہیں کیا، مگر بہرحال کوشش کرنی چاہیے کہ یہ سرپھرا لڑکا ذرا ٹھنڈا پڑ جائے۔"

ژولیاں فوراً وہاں سے بھاگ نکلا اور ان جنگلوں میں پہنچا۔ جہاں ہو کر درژی سے ویریئیر کو راستہ جاتا ہے۔ اسے موسیو شیلاں کے پاس پہنچنے کی کوئی جلدی نہیں تھی اس وقت اسے ریاکاری کا کوئی نیا مظاہرہ کرنے کی ایسی فکر نہ تھی۔ بلکہ اسے تو اپنے دل میں جھانک کے دیکھنے اور جن جذبات نے اس کے اندر ہلچل مچا رکھی تھی۔ انہیں نظر میں لانے کے لئے تھوڑی سی فرصت درکار تھی۔

"ایک معرکہ تو میں نے مار لیا!" دوسروں کی نگاہوں سے دور اور جنگل کی پناہ میں پہنچتے ہی وہ دل میں بولا "واقعی ایک معرکہ مار لیا!"

یہ سوچتے ہی اپنی پوری حیثیت کا ایک نہایت شاندار نقشہ اس کی آنکھوں میں کھنچ گیا اور دل کو تھوڑا سا سکون ملا۔

"اب تو مجھے پچاس فرانک ماہوار تنخواہ ملا کرے گی۔ موسیو درینال کو ضرور کوئی ڈر ہے۔ مگر کس بات کا؟"

اب وہ اس سوچ میں پڑ گیا کہ یہ دولت مند اور طاقت ور آدمی جس کے خلاف گھنٹہ بھر پہلے وہ غصے کے مارے کھول رہا تھا۔ آخر کس بات سے خوف زدہ ہے اس طرف خیال دوڑانے سے اس کا اطمینانِ قلب واپس مل گیا بلکہ لمحے بھر کے لئے

نے اس نے منظر کے حسن کو بھی سراہا۔ عرصہ ہوا چٹانوں کے بڑے بڑے ٹکڑے پہاڑ سے ٹوٹ کر بیچ جنگل میں آپڑے تھے۔ شاہ بلوط کے پیڑ اتنے ہی اونچے تھے جتنی چٹانیں بعض جگہ تو دھوپ اتنی تیز تھی کہ دم بھر کے لئے ٹھیرنا محال تھا اور ان سے چند گز کے فاصلے پر چٹانوں کے سائے میں بڑے مزے کی ٹھنڈک تھی۔

زولیاں ان بڑی بڑی چٹانوں کے سائے میں دم لینے کے لئے رکا اور پھر اوپر چڑھنے لگا۔ وہ ایک پتلی سی پگڈنڈی پر جا رہا تھا جو نظر بھی مشکل ہی سے آتی تھی اور جسے بس چرواہے استعمال کرتے تھے۔ تھوڑی سی دیر میں اس نے دیکھا کہ میں ایک بہت بڑی چٹان پر کھڑا ہوں اور دوسرے انسانوں سے بالکل الگ ہو گیا ہوں۔ فطری مناظر کے درمیان یہ مقام دیکھ کر وہ مسکرا پڑا۔ اسے وہ اخلاقی مقام یاد آگیا جسے حاصل کرنے کو وہ تڑپ رہا تھا۔ ان بلند پہاڑوں کی تر و تازہ ہوا نے اس کے اندر سکون بلکہ مسرت کی روح پھونک دی۔ دیر تیر کا ضمیر جاہے اس کی نظروں میں ابھی تک دنیا کے سامنے دولت مند اور بدتمیز لوگوں ہی کا نمائندہ کیوں نہ ہو مگر زولیاں نے محسوس کیا کہ آج وہ جس نفرت کے مارے پیچ و تاب کھاتا رہا تھا۔ اس کی شدت کے باوجود اس میں ذاتی عناد کا عنصر شامل نہ تھا۔ اگر وہ موسیو رینال سے نہ ملے تو ہفتے بھر میں خود اس آدمی کو، اس کے گھر کو، اس کے بچوں کو، اس کے کتوں کو، غرض اس کی ہر چیز کو بھول جائے گا۔ پتا نہیں کس طرح، مگر بہرحال آج میں نے اسے اتنی بڑی قربانی دینے پر مجبور کر ہی دیا۔ یعنی پچاس کراؤن سالانہ سے بھی زیادہ۔ اس سے ایک لمحہ پیشتر ہی ایک بڑے خطرے سے میری جان بچی تھی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک دن میں دو فتوحات حاصل ہوئیں۔ دوسری فتح میں کوئی خاص خوبی نہیں ہے مجھے تو

بس اس کا سبب دریافت کرنا چاہئے۔ لیکن اس تفتیش کی مصیبت کل پر چھوڑ دو۔"
ژولیاں اپنی زبردست چٹان پر کھڑا آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جہاں اگست کے سورج نے آگ سی لگا رکھی تھی۔ چٹان کے نیچے چراگاہ میں جھینگر بول رہے تھے۔ وہ چپ ہوئے تو چاروں طرف خاموشی طاری ہو گئی۔ اس کے پیروں کے نیچے میلوں لمبا میدان پھیلا ہوا تھا۔ کبھی کبھی اسے نظر آتا کہ اوپر کسی خشک چٹان سے کوئی باز اٹھا اور چپ چاپ ہوا میں بڑے بڑے حلقے بنانے لگا۔ ژولیاں کی نگاہیں اپنے آپ سے اپنے آپ اس شکاری پرندے کا پیچھا کرنے لگتیں۔ اس کی پُرسکون اور مضبوط اڑان سے ژولیاں بہت متاثر ہوتا۔ اسے ایسی قوت پر، ایسی تنہائی پر رشک آنے لگتا۔
نپولین کا نصیبہ ایسا ہی تھا۔ کیا ایک دن اس کا بھی نصیبہ ایسا ہی نکلے گا؟

گیارھواں باب

ایک رات کی بات

لیکن جولیا کی سرد مہری میں بھی ایک لگاؤ تھا۔ اس کا چھوٹا سا پیارا پیارا ہاتھ
کانپ کے ہلکے سے الگ تو ہو گیا، لیکن اپنے پیچھے ایک لمس چھوڑ گیا، ایک
لرزش چھوڑ گیا جو واضح طور پر محسوس تو ہوتی تھی، مگر تھی ایسی خفیف کہ دماغ کو اس
پر شک سا گزرتا تھا۔

بائرن

لیکن یہ بھی ضروری تھا کہ دیر تیر میں وہ اپنی شکل تو دکھا دے جب وہ پادری کے
یہاں سے نکلا تو اتفاقاً سب سے پہلے موسیو دال نو سے مڈبھیڑ ہوئی، اور ژولیاں نے
فوراً اسے اطلاع دی کہ میری تنخواہ بڑھ گئی ہے۔
ویرژی واپس آنے کے بعد جب تک رات نہ ہو گئی ژولیاں باغ میں نہ گیا۔
آج دن بھر اُس کے دل پر طرح طرح کے قوی جذبات کی یلغار رہی تھی جس سے وہ
خستہ حال ہو گیا تھا عورتوں کا خیال آیا تو اس نے بے چین ہو کر دل میں پوچھا ــــ
میں ان سے کیا کہوں گا؟ اسے یہ بات سوجھی ہی نہیں کہ آج اس کی روح چھوٹے موٹے

واقعات کی سطح پر اتر آئی تھی اور اصولاً عورتوں کی ساری دلچسپی انہیں چیزوں پر مرکوز ہوتی ہے اکثر ژولیاں کی باتیں مادام دریل بلکہ اس کی سہیلی کی بھی سمجھ میں نہ آتیں اور وہ جو دان کی باتیں آدھی سمجھتا، آدھی نہ سمجھتا۔ یہ تھا جذبات کی اُن زبردست اور طاقتور موجوں کا اثر جن کی زد میں اس حوصلہ مند نوجوان کا دل ہر وقت رہتا تھا۔ اس عجیب وغریب شخص کے اندر ہر روز کوئی نہ کوئی طوفان بپا ہوتا۔

جب وہ شام کو باغ میں پہنچا تو ان دونوں حسین بہنوں کی باتیں دلچسپی سے سننے کو تیار تھا۔ وہ بھی بے تابی سے اس کا انتظار کر رہی تھیں۔ وہ مادام دریتال کے پاس حسب معمول اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر میں اندھیرا بہت بڑھ گیا۔ اس نے وہ سفید سفید ہاتھ پکڑنے کی کوشش کی جسے وہ کچھ دیر سے اپنے قریب کرسی کے تکئے پر رکھا دیکھ رہا تھا۔ پہلے تو کچھ ہچکچاہٹ کا مظاہرہ ہوا، پھر آخر ہاتھ اس انداز سے کھینچ لیا گیا جس سے ناپسندیدگی کا پتا چلتا تھا۔ ژولیاں اس اشارے کو فیصلہ کن سمجھے اور ہلکی پھلکی باتیں جاری رکھنے کو تیار تھا کہ اتنے میں موسیو دریتال کے قدموں کی آواز آئی۔

صبح کی ملائم باتیں ابھی تک ژولیاں کے کانوں میں گونج رہی تھیں۔ وہ اپنے دل میں بولا " اس شخص کو دنیا کی ساری نعمتیں حاصل ہیں۔ اگر میں اس کی آنکھوں کے سامنے اس کی بیوی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں دبالوں تو اس پر بات چڑھانے کا یہ طریقہ اچھا رہے گا نا؟ میرے ساتھ اس نے بڑی حقارت کا سلوک کیا ہے۔ میں بھی یہ حرکت ضرور کروں گا "

ذہنی اطمینان کو ایک تو ویسے ہی ژولیاں کے کردار سے مناسبت نہیں تھی اور اب تو اس کا چین بالکل ہی رخصت ہو گیا۔ اسے کسی بات کا دھیان نہیں رہا تھا

بس فکر تھی تو یہ کہ مادام دریناآل اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں رہنے دے۔

مرسیو دریناآل بڑے خفگی کے لہجے میں سیاست کے متعلق باتیں کر رہا تھا۔ ویرئیر کے دو تین صنعت کار واقعی اس سے زیادہ مالدار ہوتے چلے جا رہے تھے اور انتخابات میں اس کے خلاف کھڑا ہونا چاہتے تھے۔ مادام دریناآل اس کی گفتگو غور سے سن رہی تھی۔ اس لمبی چوڑی تقریر سے چڑ کر ژولیاں نے اپنی کرسی مادام دریناآل کے قریب کھسکالی۔ اندھیرے میں کسی کو کچھ سوجھتا ہی نہیں۔ پھر اس نے ہمت کر کے اپنا ہاتھ اس خوبصورت بازو کے پاس رکھ دیا جو لباس کے باہر نکلا ہوا تھا۔ اس کے دماغ میں کھلبلی مچی ہوئی تھی۔ اسے یہ بھی پتا نہیں تھا کہ میں کیا کر رہا ہوں۔ اس نے اپنا چہرہ بازو کی طرف بڑھایا اور جرأت سے کام لے کر اپنے ہونٹ اس پر رکھ دیئے۔

مادام دریناآل سر سے پیر تک کانپ اٹھی۔ اس کا شوہر دو قدم کے فاصلے پر بیٹھا تھا۔ اس نے جلدی سے ژولیاں کو اپنا ہاتھ تھما دیا، اور ساتھ ہی اُسے ہلکے سے پیچھے ہٹا دیا۔ مرسیو دریناآل تو ان ناکارہ لوگوں اور آزاد خیال جماعت والوں کو گالیاں سنانے میں لگا ہوا تھا جو روز بروز مالدار ہوتے جا رہے تھے۔ اُدھر ژولیاں دھڑا دھڑ اس ہاتھ پر گرما گرم بوسے دیئے چلا جا رہا تھا جو ابھی تک اس کی گرفت میں تھا ــــ کم سے کم مادام دریناآل کو وہ بوسے ضرور گرما گرم معلوم ہوئے۔ مگر اس کے باوجود آج ہی کے منحوس دن اس بچاری عورت کو یہ ثبوت ملا تھا کہ وہ کسی کو بتلائے بغیر جس آدمی کی محبت میں گرفتار ہے اس کا دل کہیں اور اٹکا ہوا ہے! جتنی دیر ژولیاں غیر حاضر رہا، اُس کا دل اندر ہی اندر سلگتا رہا تھا اور اس دُکھ کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہ سوچ بچار میں لگ گئی تھی۔

وہ دل میں بولی ۔۔ "ہیں، تو کیا اب میں کسی سے محبت کروں گی، اور کوئی مجھ سے محبت کرے گا؟ کیا میں بیاہتا ہو کر بھی کسی سے آنکھ لڑاؤں گی؟ لیکن یہ پُراسرار جذبہ میں نے اپنے شوہر کے بارے میں کبھی محسوس نہیں کیا۔ اسی لئے تو اب ژرولیاں کا خیال دل سے نہیں مٹ سکتا۔ وہ تو ابھی لڑکا سا ہے، البتہ اس کے دل میں میری بڑی عزت ہے! یہ جنون تھوڑے دن میں ختم ہو جائے گا۔ میرے شوہر کو اس سے کیا مطلب کہ میں اس نوجوان کے بارے میں کیا جذبات رکھتی ہوں یا نہیں؟ میں ژرولیاں سے تخیل کی دنیا کی باتیں کرتی ہوں، موسیو دربنال سنیں تو اکتا جائیں۔ انہیں تو کاروبار کے سوا اور کوئی خیال ہی نہیں۔ یہ تھوڑا ہی ہے کہ میں ان سے کوئی چیز چھین کر ژرولیاں کو دے رہی ہوں"

اس کی معصوم روح اتنی صاف شفاف تھی کہ اس میں ریاکاری کا شائبہ تک نہ آنے پایا تھا۔ وہ تو بس ایک ایسے جذبے کی رو میں بہہ گئی تھی جو اسے پہلے کبھی محسوس ہی نہ ہوا تھا۔ وہ اپنے دل کے ہاتھوں دھوکا کھا گئی تھی، اور جانے بوجھے بغیر، لیکن ساتھ ہی ساتھ اس کے اندر پاکبازی کی رگ بھی پھڑکنے لگی تھی۔ جب ژرولیاں باغ میں پہنچا تو مادام دربنال کے دل میں اس کشمکش نے ہیجان برپا کر رکھا تھا۔ اس نے ژرولیاں کی آواز سنی، اور ساتھ ہی ساتھ اسے اپنے قریب بیٹھتے دیکھا۔ اس کا دل اس حسین مسرت کے دھارے میں بہہ گیا، جس نے پچھلے پندرہ دن سے اس پر جادو کر رکھا تھا۔ لیکن جس پر تعجب زیادہ ہو رہا تھا۔ اس کے لئے ہر بات انوکھی اور انجانی تھی۔ مگر دو چار لمحے کے بعد ہی وہ دل میں بولی ۔۔ "تو گویا ژرولیاں کے سامنے آتے ہی اس کی یہ بد سلوکی میرے ذہن سے محو ہو جاتی ہے؟" وہ سہم سی گئی اور اب اس نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔

مادام دیرنال کو ایسے گرما گرم بوسے کب نصیب ہوئے تھے۔ وہ یہ بات فوراً بھول گئی کہ ممکن ہے ژولیاں کو کسی اور سے محبت ہو۔ اب اس کی نظروں میں ژولیاں ذرا بھی قصوروار نہ رہا تھا۔ شک و شبہے سے دل میں جو درد پیدا ہوا تھا وہ دور ہو گیا۔ اسے ایک ایسی خوشی حاصل ہوئی جس کا اس نے کبھی خواب تک نہ دیکھا تھا۔ چنانچہ محبت کے نشے میں سرشار ہو کر وہ ہنسنے کھلکھلانے لگی۔ وہ شام سب کے لئے بڑی پرلطف رہی یعنی ویریئر کے میئر کے سوا جس کے ذہن سے اپنے رقیبوں کی روز افزوں دولت کا خیال اترتا ہی نہ تھا۔ اب ژولیاں کو اپنی پُراسرار تمناؤں اور ان تجویزوں کی ذرا بھی فکر باقی نہ رہی تھی جنہیں عمل میں لانا اتنا مشکل تھا۔ عمر میں پہلی دفعہ حُسن کی قوّت نے آج اسے مغلوب کر ہی لیا۔ وہ ایک خوش آئند اور دھندلے خواب میں کھو کے رہ گیا تھا جو اس کے مزاج کے لئے اجنبی سا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ہلکے سے وہ ہاتھ دبا ہوا تھا جسے مکمّل حسن کا نمونہ سمجھ کر وہ مگن ہو رہا تھا۔ کبھی تو اسے درخت کے پتوں کی سرسراہٹ سنائی دیتی جو رات کی ہلکی ہلکی ہواؤں میں ہل رہے تھے اور کبھی دور سے کتّوں کی آواز آتی جو دوب کے کنارے پن چکّی کے پاس بھونک رہے تھے۔

لیکن یہ احساس محض لطف کا تھا، کوئی شدید جذبہ نہیں تھا۔ وہ اپنے کمرے میں پہنچا تو اسے بس ایک ہی مسرّت کا خیال آیا، یعنی اپنی پسندیدہ کتاب آگے پڑھنے کا۔ بیس سال کی عمر میں دنیا کا خیال اور دنیا میں کچھ کر کے دکھانے کا خیال ہر دوسری چیز پر غالب آجاتا ہے۔

مگر ذرا ہی دیر میں اس نے کتاب ہاتھ سے رکھ دی۔ نپولین کی فتوحات پر غور کرتے کرتے اسے اپنی کامرانی میں ایک نئی بات نظر آنے لگی۔ وہ دل میں بولا۔ "ہاں

میں نے ایک معرکہ تو ضرور مارا ہے، مگر اس سے فائدہ بھی تو اٹھانا چاہئے۔ یہ مغرور انسان ابھی تو پسپا ہوتا جا رہا ہے۔ مجھے چاہئے کہ اس کی اکڑ کو کچل کے رکھ دوں۔ نپولین کا یہی دستور تھا۔ وہ مجھے ڈانٹتا ہے کہ میں بچوں کی طرف سے لاپرواہی برت رہا ہوں۔ اب میں تین دن کی چھٹی مانگوں گا۔ اور اپنے دوست نوکے سے ملنے جاؤں گا۔ اگر اس نے انکار کیا تو میں پھر ملازمت چھوڑنے کی دھمکی دے دوں گا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ وہ مان جائے گا۔"

مادام دربنال کی نیند کوسوں دور اڑ گئی۔ اسے کچھ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ اس لمحے سے پہلے کبھی زندہ ہی نہ تھی۔ وہ اپنے ہاتھ پر ژولیاں کے آتشیں بوسے محسوس کر کرکے خوش ہو رہی تھی۔ اور یہ خیال اس کے دل سے کسی طرح دور ہی نہ ہوتا تھا۔

اتنے میں وہ ہولناک لفظ "زناکاری" ایک دم سے اس کے دماغ میں آوارد ہوا۔ ذلیل ترین عیاشی جسمانی محبت کے تصور میں جتنی بھی کراہت انگیز مناسبت پیدا کرسکتی ہے وہ سب کے سب ایک ساتھ مادام دربنال کے تخیل میں دراز گھسے چلے آئے۔ اس نے ژولیاں کا اور اس سے محبت کرنے کی لذت کا ایک نرم و نازک اور الوہی تصور باندھ رکھا تھا۔ مگر یہ خیالات اسی کو داغدار بنانے کے درپے تھے۔ مستقبل بڑی بھیانک شکل میں اس کی نظروں کے سامنے آیا۔ اس نے دیکھا کہ میں لعنت ملامت کی آماجگاہ بن گئی ہوں۔

یہ لمحہ بڑا دہشت ناک ثابت ہوا۔ اس کی روح انوکھی سرزمینوں کا سفر کرنے لگی۔ آج شام اس نے ایک انجانی مسرت کا ذائقہ معلوم کیا تھا۔ اس وقت وہ ایک جاں گداز کرب میں مبتلا تھی۔ اس قسم کی اذیت، اس کے تصور میں بھی کاہے کو آتی تھی۔ اس کے دماغ کی چولیں تک ہل گئیں۔ لمحے بھر کے لئے اسے خیال آیا کہ اپنے شوہر سے

صاف لفظوں میں کہہ دے کہ مجھے ڈر ہے کہیں ژولیاں کو دل نہ دے بیٹھوں! اس طرح ژولیاں کا ذکر کرنے کا بھی موقع مل جاتا۔ مگر خوش قسمتی سے اسے ایک نصیحت یاد آئی۔ جو عرصہ ہوا شادی سے ایک دن پہلے اس کی خالہ نے کی تھی۔ خالہ نے اسے دل کی بات شوہر سے کہنے کے خطرات سے آگاہ کیا تھا، کیونکہ شوہر بہرحال آقا ہوتا ہے۔ غم واندوہ نے اس کا ایسا بُرا حال کیا کہ اس نے اپنا سر پیٹ لیا۔

طرح طرح کے متضاد اور بھیانک تصورات باری باری سے اسے اپنی طرف کھینچتے تھے۔ کبھی تو اُسے یہ ڈر لگنے لگتا کہ شاید ژولیاں کو مجھ سے محبت نہیں ہے اور کبھی گناہ کا خوفناک خیال اسے کچوکے دینے لگتا جیسے کل ہی شہر کے چوک میں اسے شکنجے میں کسا جائیگا اور اس کی زناکاری کا حال تختے پر لکھا ہوگا تاکہ سب لوگ پڑھیں۔

مادام دریناال کو زندگی کا کوئی تجربہ نہ تھا۔ اگر اس کے ہوش و حواس سلامت ہوتے اور عقل بھی پوری طرح کام کر رہی ہوتی تو اس وقت بھی اُسے یہ پتہ نہ چلتا کہ خدا کی نظروں میں مجرم قرار پانے اور سر بازار لوگوں کی نفرت کے انتہائی غضب ناک مظاہر کا نشانہ بننے میں کیا فرق ہے۔

زناکاری اور اس بدنامی کے ہولناک تصور نے جو (اس کے نزدیک) اس جرم کا لازمی نتیجہ ہوتا ہے آخر اس کا پیچھا چھوڑا، اور وہ ژولیاں کے ساتھ معصومانہ زندگی گذارنے کی لذّت کا خواب پہلے کی طرح پھر دیکھنے لگی تو اب اس ڈراؤنے خیال نے اسے ستانا شروع کیا کہ ژولیاں کو کسی دوسری عورت سے محبت ہے۔ اسے چہرے کی وہ زردی یاد آنے لگی۔ جب ژولیاں ڈرا تھا کہ تصویر کہیں کھو نہ جائے، یا کوئی تصویر دیکھ لے تو محبوبہ کا راز فاش نہ ہو جائے۔ اس پُرسکون اور شریفانہ چہرے پر اس نے آخر خوف کی

نشانیاں دیکھ ہی لی تھیں۔ خود اُس کی یا اُس کے بچوں کی خاطر ژرولیاں کی ایسی بُری حالت کبھی نہیں ہوئی تھی۔ اس مزید غم نے اس کے کرب میں اتنی شدت پیدا کر دی کہ انسانی روح اس سے زیادہ برداشت نہیں کر سکتی۔ اس کے حواس بجانہ رہے اور وہ چیخنے چلانے لگی یہاں تک کہ اس کی خادمہ جاگ اٹھی۔ یکایک اسے اپنے پلنگ کے قریب چراغ کی روشنی نظر آئی، اور ایلیزا کھڑی دکھائی دی۔

"اسے تجھ سے پیار ہے" وہ پاگل ہو کے چلائی۔

خادمہ اپنی مالکہ کی یہ بُری گت دیکھ کے بھونچکی رہ گئی اور خوش قسمتی سے اس نے اس عجیب و غریب فقرے پر غور ہی نہ کیا۔ مادام درینال کو احساس ہوا کہ مجھ سے کیسی حماقت سرزد ہوئی ہے۔ چنانچہ وہ فوراً بولی ۔۔۔ "مجھے بخار ہے۔ کچھ سرسام سا بھی معلوم ہوتا ہے۔ ذرا میرے پاس ہی بیٹھی رہو"۔

اپنے اوپر قابو رکھنے کی ضرورت پیش آئی تو وہ بالکل بیدار ہو گئی اور اس کی حالت بھی کچھ سنبھلی۔ غنودگی کے عالم میں اس کا دماغ معطل ہو کے رہ گیا تھا۔ اب اس نے بھی کام کرنا شروع کیا۔ خادمہ اسے تکے چلی جا رہی تھی۔ اس سے بچنے کے لئے اس نے خادمہ کو حکم دیا کہ مجھے اخبار پڑھ کے سناؤ۔ لڑکی ایک لمبا چوڑا مضمون سنانے بیٹھ گئی۔ اس آواز کی اکتا دینے والی بھنبھناہٹ سنتے ہی مادام درینال نے یہ نیک اور شریفانہ عہد کیا کہ اب ژرولیاں ملے گا تو اس سے انتہائی بے رُخی برتوں گی۔

بارھواں باب

ایک سفر

پیرس میں شائستہ لوگ ملتے ہیں، قصبات میں ایسے لوگ بھی دکھائی دیتے ہیں جن کا کوئی کردار نہ ہو۔

سی آیلے

اگلے دن مادام ورینال کے نظر آنے سے پہلے صبح پانچ بجے ہی ژولیاں نے اس کے شوہر سے تین دن کی چھٹی حاصل کرلی۔ اپنی توقع کے برخلاف ژولیاں کو پتہ چلا کہ بہرحال تو اسے پھر دیکھنے کو جی چاہ رہا ہے، اور اس خوبصورت ہاتھ کے سوا اور کسی چیز کا خیال ہی نہیں آتا۔ وہ باغ میں چلا گیا، مگر مادام ورینال کو آنے میں بڑی دیر لگی۔ اگر ژولیاں کو اس سے محبت ہوتی تو وہ اسے ضرور دیکھ لیتا۔ وہ دوسری منزل پر اپنی آدھی بند کھڑکی سے لگی کھڑی تھی اور شیشے میں سے اسے جھانک رہی تھی۔ آخرکار اپنے تمام ارادوں کے باوجود اس نے نیچے باغ میں آنے کا فیصلہ کر ہی لیا۔ اس کا رنگ معمول کے مطابق زرد نہ رہا تھا بلکہ شہابی ہو گیا تھا۔ اس کی شکل ہی سے ظاہر تھا کہ اس سیدھی سادی معصوم عورت کے دل میں ہیجان برپا ہے۔ اس کا چہرہ ایسا پرسکون

رہتا تھا جیسے وہ زندگی کی عام دلچسپیوں سے کہیں بلند ہو، اور یہ انداز اس کے نورانی چہرے کو اور دلفریب بنا دیتا تھا۔ مگر آج ایک رکاوٹ بلکہ ناراضی کے احساس نے اس انداز کو ذرا بگاڑ دیا تھا۔

ژولیاں جھپٹ کر اس کے پاس پہنچا۔ مادام درینال نے جلدی میں ایک شال اٹھا کر کندھوں پر ڈال لی تھی۔ اس کے بازو شال سے باہر نکلے ہوئے تھے۔ ژولیاں کو یہ حسین بازو بہت پسند آئے۔ رات بھر کے ہیجان سے اس کی حالت یہ ہو گئی تھی کہ ذرا سی بات میں اس کا رنگ بدلنے لگتا تھا۔ صبح کی ٹھنڈی ہوا سے یہ رنگت اور بھی نکھر آئی۔ اس مدھم مدھم اور دل پذیر حسن میں تفکر کا ایسا انداز شامل تھا جو نچلے طبقوں میں کہیں نہیں ملتا۔ آج ژولیاں پر مادام درینال کے مزاج کا ایک ایسا پہلو روشن ہوا جس کا اُسے پہلے کبھی احساس ہی نہ ہوا تھا۔ اُس کی ندیدی آنکھوں کو ایک عجیب نعمت میسر آئی۔ وہ اس دلفریب حُسن کے نظارے میں ایسا منہمک تھا کہ اسے یہ بھی خیال نہ آ رہا تھا کہ مادام درینال میری امید کے مطابق بڑے اُنس کے ساتھ میرا خیر مقدم کرے گی۔ چنانچہ اس سے انتہائی سرد مہری کا سلوک ہوا تو اُسے اور بھی زیادہ حیرت ہوئی۔ بلکہ وہ تو یہاں تک سمجھا کہ یہ بے رخی بالکل ارادی ہے اور اسے یہ بتایا جا رہا ہے کہ اس کی حیثیت کیا ہے۔

خوشی کی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں سے غائب ہو گئی۔ اسے یاد آیا کہ سماج میں اور خصوصاً ایک عالی خاندان اور دولت مند عورت کی نظروں میں میرا رتبہ کیا ہے۔ آنکھ جھپکتے میں اس کا انداز بالکل بدل گیا اور اس کے چہرے پر غرور اور اپنے آپ سے خفگی کے سوا اور کسی چیز کے آثار باقی نہ رہے۔ اُسے یہ سوچ کر اپنے آپ سے بڑی

گھن آتی کہ میں بس یہ تحقیر آمیز رویہ دیکھنے کے لئے گھنٹہ بھر ٹھیرا رہا۔

وہ اپنے دل میں بولا "دوسرے لوگوں پر بگڑنا بھی بے وقوفی کی نشانی ہے۔ پتھر اسی لئے تو گرتا ہے کہ وہ بھاری ہے۔ میں کب تک بچہ بنا رہوں گا؟ مجھے یہ نیک عادت کہاں سے پڑی کہ پیسے کے بدلے ان لوگوں کو اپنا دل اور اپنی روح بھی اٹھا کے دے دوں؟ اگر میں چاہتا ہوں کہ ان کے دل میں اور خود اپنی نظروں میں میری عزّت ہو تو مجھے یہ ثابت کر دکھانا چاہیئے کہ میرا افلاس تو ضرور اُن کی دولت کا غلام ہے، مگر میرا دل اُن کی اینٹھ اور اکڑ سے کوسوں دور ہے اور ایک ایسی بلندی پر مقیم ہے جہاں اُن کی حقارت یا نوازش کسی کی رسائی نہیں۔"

جب یہ خیالات جوق در جوق نوجوان اتالیق کے دماغ میں وارد ہونے لگے تو پندار کو ٹھیس لگنے کی وجہ سے اس کی شکل بڑی غضب ناک بن گئی۔ یہ دیکھ کر مادام دربنال کو بڑی پریشانی ہوئی۔ اس نے پاکبازانہ بے رخی برتنے کا ارادہ کیا تھا مگر وہ سرد مہری اب دلچسپی میں بدل گئی۔ ژولیاں میں دفعتہً اتنی تبدیلی پیدا ہوتے دیکھ کر اسے بڑی حیرت ہوئی تھی۔ اس سے دلچسپی میں اور حرارت آگئی۔ صبح کے وقت لوگ ایک دوسرے کی صحت، موسم کی خوبی وغیرہ کے متعلق جو مہمل باتیں کیا کرتے ہیں وہ دونوں کے دونوں ایک دم سے بھول گئے۔ شدید سے شدید جذبہ بھی ژولیاں کے فہم و ادراک پر اثر نہیں ڈال سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے فوراً ہی کسی نہ کسی طرح مادام دربنال کو یہ بات جتا دی کہ میں ذرا بھی اس خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہوں کہ میرے اور تمہارے درمیان دوستانہ مراسم ہیں۔ اس نے مادام دربنال سے اپنے سفر کا بھی ذکر نہیں کیا۔ بس سلام کر کے چلتا بنا۔

وہ کھڑی کی کھڑی رہ گئی، اور اسے جاتے ہوئے دیکھنے لگی۔ یہ سوچ کر اسے بڑا قلق ہو رہا تھا کہ کل شام تو ژولیاں کی آنکھوں میں اُنس کی چمک تھی اور آج اُنہی آنکھوں میں غصّہ اور غرور بھرا ہوا تھا۔ اتنے میں اس کا بڑا بیٹا باغ کے دوسرے کنارے سے دوڑا دوڑا آیا۔ ماں نے اسے گلے لگایا تو وہ بولا۔

"آج ہماری چھٹی ہے۔ موسیو ژولیاں کہیں باہر جا رہے ہیں۔"

یہ سنتے ہی مادام دریناں کا وہ حال ہوا کہ کاٹو تو لہو نہیں بدن میں۔ اسے اپنی پاکبازی پر افسوس ہونے لگا اور اس سے بھی زیادہ اپنی کمزوری پر۔

اب اس کا تخیل اس نئے واقعے سے الجھ پڑا۔ رات ایسی خوفناک گزری تھی کہ اس نے سمجھداری سے کام لے کر چند باتیں طے کر لی تھیں۔ مگر اس وقت وہ ارادے منزلوں پیچھے رہ گئے۔ اب سوال اس دلفریب عاشق سے بچنے کا نہیں تھا بلکہ اسے ہمیشہ کے لئے کھو دینے کا۔

اسے مجبوراً جا کے کھانے کی میز پر بیٹھنا پڑا۔ مرے پر سو دُرّے، موسیو دریناں تھی اور مادام دروَیل کو ژولیاں کی روانگی کے سوا اور کوئی بات ہی نہ رہی تھی۔ ژولیاں نے جس سخت لہجے میں چھٹی مانگی تھی۔ وہ دریئیر کے مئیر کو بڑا غیر معمولی لگا تھا۔

"اس گنوار کو ضرور کہیں اور سے بُلاوا آیا ہے۔ لیکن اس آدمی کی گرہ سے چھ سو فرانک سالانہ کھلیں گے۔ یہ دیکھ کر تو شاید موسیو والنو کو بھی ہمت نہیں پڑے گی۔ وریئیر میں کل تک تو یہ حال تھا کہ اچھی طرح سوچ بچار کرنے کے لئے وہ مجھ سے تین دن کی مہلت مانگتا، اور آج مجھے صاف بات بتانے سے بچنے کے لئے حضرت پہاڑ پر چل دیئے۔ اب تو دو کوڑی کے کمیروں کے بھی ناز نخرے اٹھانے پڑتے ہیں۔ دُنیا کی بھی کیا

حالت ہوئی ہے؟"

"میرے شوہر کو پتا نہیں کہ اس نے ژولیاں کے دل کو کیسی ٹھیس پہنچائی ہے۔ اس کے خیال میں تو ژولیاں ہمیں چھوڑ کر جا رہا ہے، مگر میں کیا سمجھوں؟" مادام درینال نے اپنے دل میں پوچھا۔ "خیر میں نے بھی فیصلہ کر لیا!"

مادام درؤیل کے سوالوں سے بچنے کے لئے اور اس خیال سے کہ میں کم سے کم کھل کے رو تو لوں، اس نے بہانہ بنایا کہ میرا سر درد کے مارے پھٹا جا رہا ہے، اور اٹھ کے اپنے کمرے میں چلی گئی۔

"بس یہ ہیں عورتوں کی باتیں۔" موسیو درینال نے کہا۔ "ان کی کوئی نہ کوئی کل ہر وقت بگڑی رہتی ہے۔" اور وہ ٹھٹے لگاتا چل دیا۔

اتفاقات نے مادام درینال کو ایک خوفناک جذبے کے پنجوں میں لا پھنسایا تھا۔ اس وقت وہ اسی جذبے کے ہاتھوں سختیاں سہہ رہی تھی۔ اُدھر ژولیاں پہاڑوں کے حسین ترین مناظر کے درمیان خوش خوش اڑا چلا جا رہا تھا۔ ورژی کے شمال میں اونچی اونچی پہاڑیوں کا جو سلسلہ ہے اسے وہاں سے گزرنا پڑا۔ جس پگڈنڈی پر ژولیاں چل رہا تھا۔ وہ دیو قامت درختوں کے درمیان آہستہ آہستہ اوپر اٹھتی جاتی ہے، اور شمال میں دوب کی وادی کے کنارے جو اونچا پہاڑ ہے اس پر یہاں سے وہاں تک لہریا سا بناتی چلتی ہے۔ اب مسافر کی نظریں دوب کی جنوبی سمت والی نیچی پہاڑیوں پر سے گزر کر برگنڈی اور بوژولے کے زرخیز میدانوں کا جائزہ لینے لگیں۔ اس حوصلہ مند نوجوان کا دل اس قسم کے حسن کی طرف کچھ زیادہ تو مائل نہیں تھا، مگر وہ بھی بار بار ٹھیر کے ایسے وسیع اور ایسے مرعوب کن منظر کو دیکھنے سے نہ رہ سکا۔

آخر کار وہ اس اونچے پہاڑ کی چوٹی پر جا پہنچا جس کے نیچے سے گزر کر اس سنسان وادی میں جاتا تھا۔ جہاں لکڑیوں کا وہ نوجوان تاجر یعنی اس کا دوست فوکے رہتا تھا۔ ژولیاں کو اس سے یا اور کسی انسان سے ملنے کی کوئی خاص جلدی نہیں تھی۔ وہ کسی شکاری پرندے کی طرح اس اونچے پہاڑ کی چوٹی پر بنجر چٹانوں کے درمیان چھپا کھڑا تھا۔ اگر کوئی اس طرف آتا تو اُسے دور ہی سے دکھائی دے جاتا۔ اتنے میں ایک عمودی چٹان کے اندر اسے ایک چھوٹا سا غار نظر آیا۔ وہ اس غار کی طرف چل دیا اور تھوڑی سی دیر میں اس پناہ گاہ میں جا بیٹھا۔ اس کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں، اور وہ بولا ——

"یہاں انسان مجھے کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے۔" اس کا جی چاہا کہ یہاں بیٹھ کے اپنے خیالات ضابطۂ تحریر میں لانے کا لطف حاصل کرے، یہ بات کسی اور جگہ تو ذرا خطرناک ہوگی ایک چکنے پتھر نے میز کا کام دیا۔ اس کا قلم فر فر چلنے لگا۔ اسے اپنے چاروں طرف کے مناظر کا ذرا بھی ہوش نہ رہا۔ آخر اس نے دیکھا کہ دور بوژولے کے پہاڑوں کے پیچھے سورج غروب ہو رہا ہے۔

"میں رات یہیں کیوں نہ گزاروں ؟" اس نے دل میں سوچا۔ "میرے پاس کھانا بھی ہے اور میں آزاد بھی ہوں!" یہ عظیم لفظ سامنے آتے ہی اس کا دل بلیوں اچھلنے لگا۔ یہ اس کی ریاکاری کا کرشمہ تھا کہ وہ فوکے کے سامنے بھی اپنے آپ کو آزاد محسوس نہیں کرتا تھا۔ ژولیاں سر ہاتھوں پر رکھ کے اسی غار میں بیٹھ گیا۔ اسے عمر بھر ایسی مسرت کبھی حاصل نہیں ہوئی تھی، اور وہ اپنے خوابوں اور آزادی کی لذت میں کھو گیا تھا۔ شام کی روشنی آہستہ آہستہ غائب ہوتی چلی گئی مگر اس نے پروا ہی نہیں کی۔ اس وسیع و عریض تاریکی میں اس کی روح ادھر اُدھر بھٹکنے لگی اور اس کا تصور یہ نقشہ

جمانے لگا کہ ایک دن پیرس میں مجھے کیا کیا چیزیں دیکھنے کو ملیں گی۔ سب سے پہلی چیز تو ایک ایسی حسین اور اتنی ذہین عورت تھی جو دیہات میں اسے کبھی نظر نہیں آئی تھی۔ وہ اس عورت سے شدید محبت کرے گا، اور وہ بھی جواب میں اس سے محبت کرے گی! اگر وہ دوچار لمحے کے لئے اس سے الگ بھی ہوگا تو صرف اس لئے کہ جا کر بڑے بڑے کارنامے سرانجام دے اور اس سے بھی زیادہ محبت کا مستحق بنے۔

اگر کسی نوجوان نے پیرس کی سوسائٹی کے افسوسناک حقائق کے درمیان پرورش پائی ہوتی تو چاہے اس میں ژولیاں کا سا تخیل ہی کیوں نہ ہوتا مگر اپنی رومان نوازی کی اس منزل پر پہنچ کر طنز کی برفیلی ہوا کے جھونکوں سے اس کی آنکھ ضرور کھل جاتی۔ وہ عظیم کارنامے انہیں سرانجام دینے کی امید کے ساتھ ہی ساتھ غائب ہو جاتے، اور یہ مشہور مقولہ اُن کی جگہ لے لیتا ــــ" جب آدمی اپنی محبوبہ سے الگ ہوتا ہے تو یہ خطرہ مول لیتا ہے کہ وہ دن میں دو تین بار اس سے بے وفائی برتا کرے گی"۔ اس بچارے نوجوان دیہاتی کو اپنے اور عظیم کارناموں کے درمیان مواقع کی کمی کے سوا اور کوئی روک نظر ہی نہ آتی تھی۔

لیکن رات کا اندھیرا چھا چکا تھا اور اپنے دوست کی جھونپڑی تک پہنچنے کے لئے اسے ابھی چھ سات میل کا فاصلہ طے کرنا تھا۔ غار سے باہر نکلنے سے پہلے اس نے آگ جلائی اور جو کچھ لکھا تھا اسے بڑی احتیاط سے شعلوں کی نذر کر دیا۔

اس نے رات کو ایک بجے پہنچ کے جو دروازہ کھٹکھٹایا تو اس کے دوست کو بڑی حیرت ہوئی۔ فوکے اپنے حساب کتاب میں لگا ہوا تھا۔ وہ لمبے قد اور بے ڈھنگے جسم کا جوان عمر آدمی تھا۔ ناک بے حد لمبی اور چہرہ بڑا بڑا اور کرخت سا تھا۔ مگر اس

کہ یہہ شکل کے پیچھے بڑی بھل منساہت چھپی ہوئی تھی۔

"کیا تمہارا اپنے موسیو وریناال سے کچھ جھگڑا ہو گیا جو اس طرح ایک دم سے آئے ہو؟"

ژولیاں نے مناسب ترمیموں کے ساتھ کل شام کے واقعات سنائے۔

فوکے بولا — "اچھا تم میرے ساتھ رہو۔ مجھے معلوم ہے کہ تم موسیو دریناال، موسیو والنو، نائب ناظم موژی رون، پادری شیلاں سب کو اچھی طرح جانتے ہو۔ تم ان لوگوں کے مزاج کی ساری باریکیاں خوب سمجھ گئے ہو۔ اب تو تم اس لائق ہو کہ اپنے جو دام چاہو وصول کرو۔ تمہیں حساب مجھ سے اچھا آتا ہے۔ میرا بھی کھاتہ تم لکھنا۔ مجھے اپنے کاروبار میں بڑا منافع ہو رہا ہے۔ لیکن ایک تو میں ہر کام اپنے آپ نہیں کر سکتا۔ پھر یہ ڈر رہتا ہے کہ اگر میں کسی کو اپنے ساتھ شریک کر لوں تو ممکن ہے وہ آدمی بے ایمان نکل جائے۔ اسی لئے مجھے روزانہ بڑے بڑے منافع کے سودے چھوڑنے پڑتے ہیں۔ ابھی مہینہ بھر بھی نہیں ہوا کہ میری بدولت چھ ہزار فرانک سیں آماں والے می شو کی جیب میں گئے۔ اسے میں نے چھ سال سے دیکھا تک نہیں تھا، یوں ہی نیلام میں اتفاق سے مل گیا۔ یہ چھ ہزار یا کم سے کم تین ہزار فرانک آخر تمہارے پاس ہی کیوں نہ پہنچتے؟ اگر اس دن تم میرے ساتھ ہوتے تو میں لکڑی کے نیلام میں بولی بڑھاتا چلا جاتا اور دوسرا آدمی آخر چھوڑ کے چل دیتا۔ آؤ، میرے ساتھ مل کے کام کرو۔"

یہ پیش کش ژولیاں کو بہت بری لگی۔ ایک تو وہ یونہی مراقی سا تھا۔ اب اس کا دماغ اور بھی زیر و زبر ہونے لگا۔ فوکے بالکل اکیلا رہتا تھا۔ اس لئے ہومر کے دلاوروں کی طرح دونوں نے مل کے کھانا پکایا۔ کھانے کے دوران میں اس نے ژولیاں کو اپنا

حساب کتاب دکھایا، اور اُسے سمجھایا کہ لکڑی کی تجارت میں کیا فائدے ہیں۔ تزولیاں کی ذہانت اور کردار کی فوکے کی نظروں میں بڑی عزت تھی۔

تزولیاں جب آخر اس چھوٹی سی کوٹھڑی میں پہنچا جس کی دیواریں تختوں کی تھیں۔ اور اسے تنہائی ملی تو دل ہی دل میں بولا ــــ "یہ تو ٹھیک ہے کہ یہاں میں دو چار ہزار فرانک بنا سکتا ہوں۔ پھر ان دنوں فرانس میں جیسا فیشن ہوا اُسی کے مطابق میں بڑے اطمینان کے ساتھ سپاہی یا پادری بن سکتا ہوں۔ میں جو روپیہ جمع کر کے رکھوں گا۔ اُس کی مدد سے ساری چھوٹی موٹی مشکلیں دور ہو جائیں گی۔ بڑے لوگوں کو جن چیزوں سے دلچسپی ہوتی ہے اُن کا مجھے کچھ پتا ہی نہیں ہے۔ پہاڑ پر مجھے تنہائی نصیب ہوگی اور میں اپنی موجودہ افسوس ناک جہالت کو کسی حد تک دور کر سکوں گا۔ لیکن فوکے نے شادی کا ارادہ ترک کر دیا ہے، اور پھر بار بار یہ بھی کہتا ہے کہ تنہائی کی وجہ سے میں بڑا اداس رہتا ہوں۔ وہ ایک ایسے آدمی کو شرکت میں لے رہا ہے جس کے پاس تجارت میں لگانے کو پیسہ ہی نہیں ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اسے ایک ایسا ساتھی ملنے کی اُمید ہے جو اُسے کبھی چھوڑ کے نہیں جائے گا۔"

"کیا میں اپنے دوست کا ساتھ چھوڑ دوں؟" تزولیاں نے بگڑ کے کہا۔ یہ شخص ریاکاری اور انسانی ہمدردی کے فقدان ہی کو نجات کا ذریعہ سمجھتا تھا، لیکن اس موقع پر وہ یہ بات برداشت نہ کر سکا کہ جس آدمی کو مجھ سے محبت ہے، اس سے ذرا بھی نرمی نہ برتوں۔

لیکن فوراً ہی تزولیاں خوشی کے مارے پھڑک اٹھا۔ اس کے پاس انکار کا ایک سبب موجود تھا: تو کیا میں سات آٹھ سال اس طرح ضائع کر دوں گا! اتنے میں تو میری عمر

اٹھائیس سال کی ہو جائے گی۔ لیکن اس عمر میں تو نپولین اپنے عظیم ترین کارنامے سرانجام دے چکا تھا۔ میرا یہ سارا وقت تو گمنامی کے عالم میں لکڑی بیچ بیچ کر تھوڑا بہت روپیہ جمع کرنے اور چھوٹے موٹے بدمعاش امیروں کی نوازشیں حاصل کرنے میں ہی گزر جائیگا پھر اس کے بعد کون جانے مجھ میں وہ مقدس شعلہ باقی بھی رہے یا نہ رہے جس کی بدولت آدمی نام پیدا کرتا ہے۔"

نیک دل فوکے تو یہ سمجھ رہا تھا کہ شرکت کا معاملہ طے ہو گیا۔ لیکن اگلے دن صبح کو ژولیاں نے بڑے ٹھنڈے لہجے میں اسے جواب دیا کہ میں نے تو اپنی زندگی کلیسا کے لئے وقف کر دی ہے، میں تمہاری پیش کش قبول نہیں کر سکتا۔ فوکے کو اپنے کانوں پر اعتبار نہ آیا۔

فوکے یہی کہے گیا ——"لیکن ذرا سوچو تو سہی۔ میں تمہیں اپنے کاروبار میں شریک کر رہا ہوں، یا تم چاہو تو چار ہزار فرانک سالانہ دے سکتا ہوں۔ اور تم ہو کہ اپنے موسیو دریناال کے پاس واپس جانے پر اڑے ہوئے ہو جو تمہیں اپنی جوتیوں کے برابر بھی نہیں سمجھتا! جب تمہارے پاس دو ہزار اشرفیاں ہوں گی تو پھر تمہیں پادری بننے سے کون سی چیز روک لے گی؟ میں ایک اور بات کہتا ہوں۔ لو میں ذمہ لیتا ہوں کہ تمہیں ضلع کا سب سے اچھا علاقہ دلوا دوں گا۔" فوکے ذرا دھیمی آواز میں بولا۔"کئی بڑے پادریوں کے یہاں جلانے کی لکڑی میری دکان سے جاتی ہے۔ میں انہیں بہترین لکڑی دیتا ہوں اور دام مجھے معمولی لکڑی کے ملتے ہیں۔ مگر یہ سودا گھاٹے کا نہیں۔"

مگر ژولیاں کے مقدس فریضے کے سامنے اس کی ایک نہ چلی۔ آخر فوکے یہ

سوچ کے چُپ ہو گیا کہ اس کا تو شاید دماغ چل گیا ہے۔ تیسرے دن صبح سویرے ژو لیا بہل اپنے دوست سے رخصت ہو کر سارا دن پہاڑیوں میں گزارنے کے ارادے سے چل کھڑا ہوا۔ اسے اپنا غار پھر مل گیا۔ مگر اب اُسے ذہنی سکون میسّر نہیں تھا۔ وہ تو اس کے دوست کی پیش کش سے ختم ہو کے رہ گیا تھا۔ ہر کرتیز کی طرح اُسے بھی نیکی اور بدی کے درمیان نہیں، بلکہ دو اور چیزوں کے درمیان فیصلہ کرنا تھا۔ ایک طرف تو معمولی آدمیوں کی سی زندگی تھی جس میں آرام اور اطمینان سب کچھ تھا، دوسری طرف اس کی جوانی کے خواب اور بلند عزائم تھے۔ وہ دل ہی دل میں کہنے لگا ــــ "تو مطلب یہ کہ مجھ میں کردار کی مضبوطی ذرا بھی نہیں ہے؟" یہی شبہ اسے سب سے زیادہ تکلیف دے رہا تھا "میرا خمیر بڑے آدمیوں کی مٹی سے بنا ہی نہیں ہے۔ مجھے تو ذرا سی بات سے ڈر لگتا ہے کہ اگر آٹھ دس برس دال روٹی کی فکر میں گزر گئے تو پھر مجھ میں وہ آسمانی قوّت باقی ہی نہیں رہے گی جس کے بل پر لوگ غیر معمولی کارنامے سر انجام دیتے ہیں۔"

تیرھواں باب

باریک جڑا بیں

ناول کیا ہے، ایک آئینہ جسے لے کر سڑک پر سے گزرتے ہیں۔
سیں کے آل

ڈولیاں کو درزی کے پرانے گرجا کے خوبصورت کھنڈر دکھائی دیئے تو اسے خیال آیا کہ مجھے دو دن سے مادام درینال ایک دفعہ بھی یاد نہیں آئی۔ اس دن جب میں چلنے کو تھا تو اس عورت نے مجھے یہ بات یاد دلائی کہ مجھ میں اور اس میں کتنا زبردست فاصلہ ہے۔ اس کا سلوک ایسا تھا جیسا کسی کمیرے کے بیٹے سے ہونا چاہیے۔ وہ یقیناً مجھے یہ جتانا چاہتی تھی کہ اس نے کل رات جو اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دیا تھا اس پر اسے ندامت ہو رہی ہے . . . بہر صورت اس کا ہاتھ بڑا حسین ہے! اس عورت کی نظروں میں کیسی جاذبیت اور کیسی شرافت بستی ہے۔

فوکے کے ساتھ مل کر روپیہ کمانے کا امکان نظر آیا تو ڈولیاں کی ذہنی بحث بحثی میں بھی تھوڑی سی سہولت اور روانی پیدا ہو گئی۔ اب یہ بات نہیں رہی کہ چڑچڑے پن کے

مارے وہ کچھ سوچ ہی نہ سکے یا اسے اپنی غربت اور دنیا کی نظر میں اپنی ذلیل حیثیت کا ہی خیال لگا رہے۔ اس وقت تو وہ گویا سمندر کے بیچ میں ایک اونچی سی چٹان پر بیٹھا تھا اس کے ایک طرف انتہائی افلاس تھا۔ دوسری طرف خوش حالی جسے وہ اب بھی دولتمندی سمجھتا تھا! اور ان دونوں پر وہ اطمینان کے ساتھ غور کر سکتا تھا۔ ابھی اس میں یہ صلاحیت تو نہیں آئی تھی کہ اپنی حالت کے متعلق ایک فلسفی کی طرح سوچ سکے، لیکن اس کے اندر اتنی سمجھ ضرور تھی کہ اب وہ یہ محسوس کرنے لگا کہ اس چھوٹے سے سفر کے بعد میں پہلے سے کچھ مختلف ہو گیا ہوں۔

مادام ورینال کی فرمائش پر اس نے اپنے سفر کا مختصر حال سنایا تو یہ دیکھ کر حیرت سی ہوئی کہ وہ بڑے اضطراب کے ساتھ سن رہی ہے۔

فوکے کو کئی بار شادی کا خیال آیا تھا اور اس نے محبت میں دکھ درد بھی جھیلا تھا۔ اس نے اپنے دوست کو اس قسم کے بہت سے راز بتائے۔ اسے پیار کی خوشیاں بڑی جلدی حاصل ہو گئی تھیں۔ مگر پھر پتہ چلا کہ محبوبہ کے دل میں صرف میں ہی نہیں، کوئی اور بھی بستا ہے۔ ان انکشافات نے ژولیاں کو اچنبھے میں ڈال دیا۔ اسے بہت سی ایسی باتیں معلوم ہوئیں جو اس کے لیے بالکل نئی تھیں۔ اس نے بالکل تنہائی کی زندگی بسر کی تھی۔ ایک تو وہ اپنے تخیل میں کھو یا رہتا، دوسرے ہر آدمی کو شک اور شبہ کی نظر سے دیکھتا۔ چنانچہ وہ ہر ایسی چیز سے الگ رہا تھا جو اسے زندگی کے بارے میں کچھ سکھا سکتی۔

اس کی غیر حاضری میں مادام ورینال کے لئے زندگی عذابوں کا ایک سلسلہ بن کے رہ گئی تھی۔ جن میں سے ہر عذاب دوسرے سے مختلف تھا مگر تھے سب کے سب ایک جیسے ناقابلِ برداشت۔ اس کی طبیعت واقعی خراب ہو گئی۔

مادام دروویل نے ژرولیاں کو واپس آتے دیکھا تو اپنی سہیلی سے کہا۔ "تمہاری طبیعت ویسے ہی خراب ہے۔ آج شام باغ میں بالکل نہ بیٹھنا۔ ہوا کی نمی سے تمہاری حالت اور بگڑ جائے گی۔"

مادام دروویل کو یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ پہلے تو اس کی سہیلی کا یہ حال تھا کہ موسیو وریناال اس کے سیدھے سادے کپڑوں پر اسے جھڑکتا رہتا تھا مگر آج اس نے باریک جرابیں اور وہ خوبصورت جوتے پہن رکھے تھے جو ابھی پیرس سے آئے تھے۔ پچھلے تین دن سے مادام وریناال بس کپڑا کاٹنے اور ایلیزا سے جلدی جلدی گرمیوں کا لباس سلوانے میں لگی رہی تھی، اور کپڑا بھی اس نے وہ چھانٹا تھا جس کا آج کل بڑا فیشن تھا۔ یہ لباس ژرولیاں کے آنے سے چند منٹ بعد ہی سل کر تیار ہوا تھا۔ مادام وریناال نے فوراً اسے پہن لیا۔ اب اس کی سہیلی کو کوئی شبہ نہیں رہا۔ مادام دروویل اپنے دل میں بولی۔ "ارے، یہ بدنصیب تو محبت میں گرفتار ہے"

اب مادام وریناال کے مرض کی ساری علامتیں اس کی سمجھ میں آ گئیں:

اس نے مادام وریناال کو ژرولیاں سے باتیں کرتے دیکھا۔ چہرے کا شہابی رنگ غائب ہو گیا تھا اور اس کی جگہ زردی نے لے لی تھی۔ اس کی نظریں نوجوان اتالیق کی نظروں میں الجھ کر رہ گئی تھیں اور آنکھوں سے پریشانی ٹپک رہی تھی۔ مادام وریناال کو ہر لمحے یہ توقع ہو رہی تھی کہ بس اب وہ ساری بات سنائے گا اور یہ بھی بتائے گا کہ ہمارے یہاں رہے گا یا جائے گا۔ لیکن ژرولیاں نے یہ ذکر چھیڑا ہی نہیں، کیونکہ اس نے اس موضوع پر سوچا ہی کب تھا۔ آخر بڑی کشمکش کے بعد مادام وریناال نے اس سے کچھ پوچھنے کی ہمت کی۔ اس کی آواز ایسی لرز رہی تھی کہ سارے جذبات چھلکے پڑتے تھے۔ وہ بولی۔

"کیا آپ اپنے شاگردوں کو چھوڑ کر کہیں اور ملازمت کرنے جا رہے ہیں؟"

اس کی لرزتی ہوئی آواز اور نظروں کا انداز دیکھ کر ژولیاں چونک پڑا۔ "اس عورت کو مجھ سے پیار ہو گیا ہے۔" وہ اپنے دل میں کہنے لگا۔ "مگر یہ تو ایک وقتی کمزوری ہے۔ اس کا پندار اُسے ابھی سے ملامت کر رہا ہے۔ جب اسے میرے چلے جانے کا خدشہ نہیں رہے گا تو وہ پھر اکڑنے لگے گی۔" اپنی اور مادام ریناں کی حیثیت کا پورا نقشہ اس کی آنکھوں میں ایسی تیزی سے پھر گیا جیسے بجلی کوند گئی ہو۔ اس نے کچھ رُکتے ہوئے جواب دیا —

"مجھے ایسے پیارے اور ایسے عالی خاندان بچوں کو چھوڑتے ہوئے بڑا دُکھ ہو گا۔ مگر شاید اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہو گا۔ آخر اپنی طرف سے بھی تو آدمی پر کچھ فرائض عائد ہوتے ہیں۔"

ژولیاں نے یہ لفظ "عالی خاندان" کہا (یہ اُن رئیسانہ الفاظ میں سے ایک تھا جو اس نے حال ہی میں سیکھے تھے) تو اسے کچھ ایسا عناد محسوس ہوا کہ وہ کڑھنے لگا۔

"میں اس عورت کی نظروں میں عالی خاندان نہیں ہوں۔" وہ دل میں بولا۔

مادام ریناں، اس کی باتیں سنتے ہوتے اس کی ذہانت اور اس کے حُسن پر فریفتہ ہوتی جا رہی تھی۔ مگر ژولیاں کے چلے جانے کا امکان اس کے دل میں کانٹے کی طرح کھٹک رہا تھا۔ ژولیاں کی غیر حاضری میں وریئیر سے جتنے بھی ملاقاتی دعوتوں کے سلسلے میں وریئر آئے سب نے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر اس حیرت انگیز نوجوان کی تعریفیں کیں۔ جو خوش قسمتی سے اس کے شوہر کے ہاتھ چڑھ گیا تھا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ بچوں نے جتنی ترقی کر لی تھی۔ وہ اسے سمجھتے ہوں۔ ژولیاں کو ساری انجیل زبانی یاد تھی اور وہ بھی لاطینی میں

اتنی سی بات پر اُسے وریئیر کے لوگوں میں ایسی شہرت حاصل ہوئی جو غالباً ایک صدی تک چلے گی۔

ژرولیاں نے کسی سے بات نہیں کی، چنانچہ اسے ان تعریفوں کا کوئی علم نہیں تھا۔
اگر مادام ورینال کو اپنے اوپر تھوڑا سا قابو ہوتا تو ژرولیاں اس سے زیادہ ملائمت اور مروت کے ساتھ پیش آتا۔ خصوصاً اس لئے کہ اسے مادام ورینال کا نیا لباس بڑا دلفریب معلوم ہو رہا تھا۔ مادام ورینال کو بھی اپنا لباس بڑا پسند آیا تھا۔ ژرولیاں کے منہ سے تعریف سن کر تو اس کا جی اور بھی خوش ہوا۔ چنانچہ اس نے باغ میں ٹہلنے کی تجویز پیش کی۔ لیکن تھوڑی ہی دیر میں اس نے اعتراف کیا کہ طبیعت خراب ہونے کے سبب مجھ سے چلا نہیں جا رہا۔ اس نے واپس آئے ہوئے مسافر کا بازو پکڑ رکھا تھا۔ بازو کے لمس سے اور طاقت تو کیا آتی جو رہی سہی تھی، وہ بھی رخصت ہو گئی۔

رات ہو چکی تھی۔ جیسے ہی وہ لوگ بیٹھے ژرولیاں نے جتنی رعایت حاصل ہو چکی تھی اس پر بھروسہ کر کے اپنے ہونٹ مادام ورینال کے بازو پر رکھ دیئے اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اس وقت وہ مادام ورینال کے بارے میں نہیں؛ بلکہ یہ سوچ رہا تھا کہ ذکے نے اپنی محبوباؤں کے ساتھ کیسی کیسی جسارت سے کام لیا ہے۔ وہ لفظ "عالی خاندان" ابھی تک اس کے دل پر سل کی طرح رکھا تھا۔ مادام ورینال نے اس کا ہاتھ دبایا۔ مگر اسے ذرا بھی مزا نہ آیا۔ آج شام مادام ورینال نے اپنی محبت کا اظہار صاف طریقے سے کر دیا تھا۔ لیکن اس پر فخر کرنا یا احسان مند ہونا تو درکنار، ژرولیاں کے دل پر تو حسن، نفاست، اور طراوت کا ذرا بھی اثر نہ ہوا۔ دل پاک اور نفرت کے جذبے سے خالی ہو تو جوانی کی عمر بڑھ جاتی ہے۔ زیادہ تر حسین عورتوں میں بڑھاپے کے آثار پہلے چہرے پر پیدا ہوتے

ہیں۔

اس شام ژولیاں کبیدہ خاطر رہا۔ اب تک تو وہ صرف قسمت اور سماج ہی سے خفا تھا۔ لیکن اب جو فوکے نے اسے آسائش حاصل کرنے کا ایک غیر ولادرانہ طریقہ بتا دیا تھا۔ تو اسے اپنے اوپر غصہ آرہا تھا۔ گو کبھی کبھی وہ عورتوں سے دو ایک باتیں کر لیتا تھا، مگر در اصل اپنے خیالات میں کھویا بیٹھا تھا۔ آخر اس نے بالکل غیر شعوری طور پر مادام ورینال کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ اس حرکت سے بچاری عورت بالکل ہکا بکا رہ گئی۔ اسے نظر آگیا کہ میری قسمت میں کیا لکھا ہے۔

اگر اسے ژولیاں کی محبت کا یقین ہوتا تو شاید اس کی پاکبازی میں اتنی قوت آجاتی کہ وہ اسے آگے بڑھنے سے روک سکے۔ وہ ژولیاں کو ہمیشہ کے لئے کھو دینے کے خیال سے کانپ اٹھی، اور اس کی محبت ایسی جوش میں آئی کہ اس نے ژولیاں کا ہاتھ پکڑ لیا جو اس نے اپنے ہیجان میں کرسی کی کمر پر رکھا چھوڑ دیا تھا۔ اس حرکت پر ہمارے حوصلہ مند نوجوان نے بھی ذرا پھریری لی۔ اس کا جی چاہا کہ یہ منظر کاش وہ اکڑباز امرا بھی دیکھتے جو کھانے کی میز پر اسے بچوں کے ساتھ سب سے آخر میں بیٹھا دیکھ کر سرپرستانہ انداز میں مسکرایا کرتے تھے۔ وہ دل ہی دل میں بولا — "اب یہ عورت مجھے حقارت کی نظروں سے نہیں دیکھ سکتی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اب مجھے اس کے حسن سے متاثر ہوجانا چاہئے۔ اس کا عاشق بننا میرا فرضِ منصبی ہے۔" اپنے سادہ دل دوست کے سیدھے سادے راز معلوم ہونے سے پہلے اس قسم کا خیال اس کے دل میں کبھی نہیں آسکتا تھا۔

اس نے ابھی یہ جو نیا ارادہ کیا تھا۔ اس سے آشفتگی دور ہوئی اور اس میں

مزا بھی آیا۔ وہ دل میں بولا۔ "مجھے ان دونوں عورتوں میں سے ایک کو ضرور حاصل کرنا ہے۔" اس نے محسوس کیا کہ مجھے مادام درویل سے عشق لڑانا زیادہ پسند آتا۔ یہ بات نہیں کہ وہ زیادہ خوبصورت ہے، بلکہ چیز یہ تھی کہ اس نے ژولیاں کو ہمیشہ ایک ایسے اتالیق کی حیثیت سے دیکھا تھا جس کی اپنے علم کی وجہ سے بڑی عزت ہوتی تھی۔ اس کے برخلاف مادام دریناں نے اسے پہلی دفعہ ایک بڑھئی کی شکل میں دیکھا تھا جس نے بغل میں ایک موٹا جھوٹا کوٹ دبا رکھا تھا۔

لیکن مادام دریناں کو اسے اپنے تصور میں اسی طرح دیکھنے میں مزا آتا تھا کہ ایک نوجوان مزدور شرم کے مارے لال بھبوکا پھاٹک کے باہر کھڑا ہچکچا رہا ہے اور گھنٹی بجانے کی ہمت نہیں ہوتی۔ شہر والے اس عورت کو بڑی نک چڑھی سمجھتے تھے، مگر آدمی کے رتبے کا اُسے کبھی خیال بھی نہ آتا تھا۔ رتبہ دیکھ کر کسی کے کردار کا جو اندازہ ہوتا ہے اس سے کہیں زیادہ وقعت اس کے دل میں اس بات کی تھی کہ آدمی نے کوئی کارِ نمایاں کیا ہو، خواہ وہ چھوٹا سا ہی کیوں نہ ہو۔ مُنہ میں پائپ لگا کے مونچھوں پر تاؤ دیتے پھرنے والے خوفناک کپتان کی بہ نسبت اس کی نظروں میں وہ گاڑیبان زیادہ دلاور تھا جس نے واقعی کوئی بہادری دکھائی ہو۔ اس کے سارے کے سارے رشتے دار امیر کبیر اور عالی خاندان تھے، اور بہت سے تو خطاب یافتہ بھی تھے۔ لیکن وہ ژولیاں کو ان سب سے زیادہ شریف اور نیک دل سمجھتی تھی۔

اپنی حیثیت کا جائزہ لیتے ہوئے ژولیاں نے دیکھا کہ مجھے مادام درویل کو قبضے میں لانے کی فکر میں نہیں پڑنا چاہئے۔ کیونکہ غالباً وہ تاڑ گئی ہے کہ مادام دریناں میری طرف مائل ہے۔ اب اسے پھر مادام دریناں کی طرف لوٹنا پڑا۔ اور وہ اپنے

دل میں بولا: "مجھے کیا معلوم ہے کہ یہ عورت کس قسم کی ہے، میں بس اتنا ہی تو جانتا ہوں کہ جانے سے پہلے اُس دن میں نے اس کا ہاتھ پکڑا تو اس نے چھڑا لیا، آج میں نے ہاتھ چھڑا لیا تو وہ میرا ہاتھ پکڑ کے کھینچ رہی ہے۔ میرے لئے بڑا اچھا موقع ہے کہ اس نے مجھ سے جتنی حقارت برتی ہے وہ سب مع سُود اسے واپس کر دوں۔ خدا ہی جانے اب تک اس کے کتنے عاشق رہ چکے ہیں! شاید اس نے میرے حق میں اس وجہ سے فیصلہ کیا ہے کہ ملنے جلنے کی آسانیاں ہیں"۔

لوگ ضرورت سے زیادہ مہذب ہو جائیں تو یہ مصیبت پیش آتی ہے! اگر کسی نوجوان کو تھوڑی بہت تعلیم ملی ہو تو بیس سال کی عمر میں وہ اس لاابالی پن سے کوسوں دور پہنچ جاتا ہے جس کے بغیر محبت اکثر ایک بیزار کن فریضہ بن کے رہ جاتی ہے۔

ژولیاں کا ستا پندار کہنے لگا: "اس عورت کو اپنے بس میں لانا میرے اوپر اس وجہ سے اور بھی فرض ہے کہ اگر مجھے کبھی دنیا میں کامیابی نصیب ہوئی اور کسی نے مجھے طعنہ دیا کہ یہ تو ایک حقیر سا اتالیق رہ چکا ہے، تو میں یہ ظاہر کر سکتا ہوں کہ میں نے تو دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر نوکری کی تھی"۔

ژولیاں نے دوبارہ اپنا ہاتھ کھینچ لیا، پھر مادام درینال نے ہاتھ پکڑ کے دبایا جب وہ آدھی رات کے قریب دیوان خانے میں واپس آنے لگے تو مادام درینال نے آہستہ سے اس کے کان میں کہا: "کیا تم ہمیں چھوڑ رہے ہو؟ کیا تم جا رہے ہو؟"

ژولیاں نے آہ بھر کے کہا: "مجھے واقعی چلا جانا چاہئے، کیونکہ مجھے تم سے دیوانہ وار محبت ہو گئی ہے۔ یہ گناہ ہے . . . . ایسا گناہ، اور ایک نوجوان پادری سے سرزد ہوتا!"

مادام دریناّل نے اس کے بازو کا سہارا لے لیا، اور اس کی طرف اتنی جھکی، کہ ژولیاّں کے رخسار کی گرمی اس کے رخسار پر محسوس ہونے لگی۔

ان دونوں کی رات بالکل مختلف طریقے سے گزری۔ مادام دریناّل کے دل میں ایک انتہائی بلند و بالا اخلاقی لذت کا وزر تھا۔ وہ ایک عجیب غلو محسوس کر رہی تھی۔ جب کوئی عشوہ گر دوشیزہ محبت میں گرفتار ہوتی ہے تو وہ بڑی جلدی محبت کے دکھ درد کی عادی بن جاتی ہے۔ جب وہ اس عمر کو پہنچتی ہے کہ صحیح معنوں میں پیار کر سکے تو پھر نئے پن کا جادو باقی نہیں رہتا۔ مادام دریناّل نے سرے سے ناول پڑھے ہی نہیں تھے۔ چنانچہ اس کی مسرت کی ساری لطافتیں اُس کے لئے بالکل نئی تھیں۔ اس کی نظروں کے سامنے کوئی ایسی افسوس ناک حقیقت نہیں آئی جس سے خون سرد ہو جاتا۔ مستقبل کے بھوت نے بھی آکے اسے نہیں ڈرایا۔ اس کے تصور میں تو بس یہی نقشہ جما ہوا تھا کہ دس سال بعد بھی میں اتنی ہی خوش ہوں گی جتنی اس وقت ہوں۔ چند دن پہلے پاکبازی اور موسیو دریناّل سے وفاداری کی قسم کے خیال نے اسے بہت ستایا تھا۔ لیکن اس وقت تو اُس کی بھی ایک نہ چلی۔ مادام دریناّل نے اسے ناخواندہ مہمان کی طرح دھتا بتائی۔ وہ اپنے دل میں کہنے لگی — "میں ژولیاّں کو زیادہ بے تکلف ہونے کا موقع کبھی نہ دوں گی۔ ہم آئندہ بھی اسی طرح رہیں گے جیسے مہینے بھر سے رہ رہے ہیں۔ اس کی اور میری بس دوستی ہوگی۔"

چودھواں باب

انگریزی قینچی

ایک سولہ سال کی لڑکی کا رنگ گلاب جیسا تھا، اور وہ غازہ لگاتی تھی
پولی وڈوری

رہا ژولیاں تو اس کی ساری خوشی توفوگے کی پیشکش نے ختم کر کے رکھ دی تھی۔ اس سے کوئی فیصلہ ہی نہ ہو رہا تھا۔

"افسوس، شاید مجھ میں کردار کی کمی ہے۔ اگر میں نپولین کا سپاہی ہوتا تو بھلا کیا اچھا لگتا! بہر حال اس گھر کی مالکہ سے میرا جو معاملہ چل رہا ہے۔ اب تو تھوڑا سا وقت اس میں گزرے گا۔"

اس کی خوش قسمتی سمجھیے کہ اس چھوٹے سے واقعے میں بھی اس کے اندرونی احساسات اس کی رنگیلی گفتگو کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔ مادام رینال کے حسین لباس کی وجہ سے ژولیاں کو اس سے ڈر لگ رہا تھا۔ اس کی نظر میں یہ لباس پیرس کا پیش خیمہ تھا۔ اس کا پندار یہ طے کر چکا تھا کہ کوئی بات محض اتفاق یا فوری اُپج کے سہارے نہیں چھوڑی جائے گی۔ فوگے کے اعترافات اور انجیل میں محبت کے متعلق جو کچھ پڑھا تھا اس سے

استفادہ کرتے ہوئے ژولیاں نے پوری تفصیلات کے ساتھ حملے کا نقشہ تیار کر لیا حالانکہ اسے یہ بات تسلیم تو نہیں تھی مگر وہ بے انتہا مضطرب تھا۔ چنانچہ اس نے یہ ساری تجویزیں لکھ کے رکھ لیں۔

اگلے دن صبح کو مادام دریناآل دیوان خانے میں دم بھر کو اس کے ساتھ اکیلی رہ گئی

"تمہارا ژولیاں کے علاوہ بھی کوئی اور نام ہے؟" اس نے پوچھا۔

ہمارے ہیرو کی سمجھ ہی میں نہ آیا کہ ایسے خوش آئند سوال کا کیا جواب دے۔ اس نے جو نقشہ مرتب کیا تھا اس میں ایسے واقعے کا کوئی خیال ہی نہ رکھا تھا۔ اگر اس سے نقشہ تیار کرنے کی حماقت سرزد نہ ہوئی ہوتی، تو اس کی حاضر دماغی فوراً آڑے آتی، بلکہ اسے جو بات سوجھتی وہ اس کے تحیر کی وجہ سے اور چمک اُٹھتی۔

وہ کچھ بوکھلا سا گیا بلکہ اس نے اپنی بوکھلاہٹ کو اور بڑھا چڑھا کے دکھایا۔ مگر مادام دریناآل نے یہ بات فوراً نظر انداز کر دی۔ اس میں اُسے ایک دلفریب بھولے پن کے آثار دکھائی دیئے اور مادام دریناآل کو اس شخص میں جو یوں بڑا ذہین سمجھا جاتا تھا۔ بس ایک بھولے پن کی ہی کمی معلوم ہوتی تھی۔

"مجھے تمہارے اتالیق کا ذرا بھی اعتبار نہیں"۔ مادام دروِیل نے کئی دفعہ اس سے کہا۔ "وہ ہر وقت کچھ نہ کچھ سوچتا ہی رہتا ہے۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ہر کام کسی نہ کسی مصلحت سے کرتا ہو۔ واقعی بڑا چالباز ہے"۔

مادام دریناآل سے جواب نہ دیا جا سکا تو ژولیاں نے اس حادثے میں اپنی بڑی تذلیل محسوس کی۔

"یہ جو زک پہنچی ہے تو مجھ جیسے آدمی کا فرضِ منصبی ہے کہ اس کی تلافی کروں"۔ اُو

جب مادام ورینال ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں جا رہی تھی تو اس موقع سے فائدہ اٹھا کر ژولیاں نے وہی کیا جسے اپنا فرضِ منصبی سمجھتا تھا، یعنی اُسے چوم لیا۔

اس سے زیادہ ناموزوں، دونوں کے لئے اس سے زیادہ ناخوشگوار، اس سے زیادہ ناعاقبت اندیشانہ بات کوئی اور نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ پکڑے جانے سے بال بال بچے۔ مادام ورینال سمجھی اس کا دماغ چل گیا ہے۔ وہ سہم گئی اور صدمہ اس سے بھی زیادہ ہوا۔ اس حماقت پر اُسے موسیو والو یاد آ گیا۔

وہ اپنے دل میں سوچنے لگی ــــ "اگر میں اس کے ساتھ اکیلی رہ جاؤں۔ تو میرا کیا حشر ہو؟" اس کی ساری پاکبازی واپس آ گئی۔ کیونکہ اس وقت اس کی محبت کو گہن لگ رہا تھا۔

اس نے کچھ ایسا بندوبست کر لیا کہ اس کا ایک بچہ ہر وقت اس کے ساتھ رہے۔

ژولیاں کا دن بڑی اکتاہٹ میں بسر ہوا۔ اس نے مادام ورینال کو اپنے بس میں لانے کی جو تجویزیں سوچی تھیں۔ وہ دن بھر انہیں عمل میں لانے کی بے ڈھنگی کوششیں کرتا رہا۔ وہ جب کبھی مادام ورینال کی طرف دیکھتا تو اس کی نظروں میں ایک سوال ضرور ہوتا۔ مگر وہ اتنا احمق نہیں تھا کہ یہ بھی نہ دیکھ سکے کہ اس کے دل کو مٹھی میں لانا تو درکنار وہ تو اس وقت اسے اچھا بھی نہ لگ رہا تھا۔

مادام ورینال کو ابھی تک اس بات پر تعجب ہوئے جا رہا تھا کہ وہ اتنا ان گھڑ بھی ہے اور ساتھ ہی ساتھ ایسا جری بھی۔ "ذہین اور حساس آدمی کو محبت شرمیلا اور کم ہمت بنا دیتی ہے۔ اصل میں اس کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہے! آخر کار وہ تنہائی

مسرت کے ساتھ اپنے دل میں بولی "کہیں یہ بات تو نہیں کہ میری رقیب نے کبھی اس سے محبت کی ہی نہ ہو۔"

دوپہر کے کھانے کے بعد مادام دریناال برتے کے نائب ناظم موسیو شار کو دموڑی داں سے باتیں کرنے کے لئے دیوان خانے میں آ گئی۔ وہ ایک اونچے سے اڈے پر کپڑا لگا کر کچھ کاڑھ رہی تھی۔ مادام درویل پاس بیٹھی تھی۔ ایسی حالت میں اور ٹھیک دوپہر کی روشنی میں ہمارے ہیرو کو ایک نئی سوجھی۔ یعنی اس نے ٹانگ بڑھا کے مادام دریناال کا خوبصورت پیر جوتے سے دبا دیا۔ اس وقت رنگیلے نائب ناظم کی نظریں بھی اس کی باریک جرابوں اور پیرس کے فیشن ایبل جوتوں پر گڑی ہوئی تھیں۔

مادام دریناال کو بڑا ڈر لگا۔ اس کی قینچی، اون کا گولا، سوئیاں سب چیزیں اس کے ہاتھ سے چھوٹ کے گر پڑیں۔ چنانچہ ژولیاں کی اس حرکت نے بالکل نئے معنی پہن لئے، اور اب یہ معلوم ہونے لگا کہ اس نے قینچی کو پھسلتے دیکھ لیا تھا اور وہ اسے روکنے کے لئے ایسے بے ڈھنگے پن سے اٹھا تھا خوش قسمتی سے انگریزی لوہے کی یہ قینچی بھی ٹوٹ گئی اور مادام دریناال نے بار بار یہ افسوس ظاہر کیا کہ ژولیاں اور قریب نہ ہوا۔

"آپ نے مجھ سے پہلے قینچی کو گرتے دیکھ لیا تھا۔ آپ قریب ہوتے تو اسے جلدی سے لپک لیتے۔ اب تو آپ نے اپنے جوش میں میرا پیر کچل کے رکھ دیا۔"

اس اداکاری سے نائب ناظم تو دھوکا کھا گیا۔ مگر مادام درویل فریب میں نہ آئی۔ "یہ خوبصورت نوجوان بڑا بدتمیز ہے!" اس نے دل میں سوچا۔ کسی صوبائی دارالحکومت

کا فلسفۂ حیات اس قسم کی غلطیوں کو معاف نہیں کر سکتا۔ مادام دریناال نے مرتبع پاتے ہی ژولیاں سے کہا —

"ذرا احتیاط سے کام لو۔ یہ میرا حکم ہے"۔

ژولیاں نے دل میں تسلیم کیا کہ واقعی میں نے بڑی بے ڈول بات کی ہے، اور وہ چڑ سا گیا۔ بہت دیر تک وہ اپنے آپ سے اسی بات پر الجھتا رہا کہ اس لفظ "حکم" کا برا مانوں یا نہ مانوں۔ وہ اتنا بے وقوف تھا کہ دل میں بولا — "اگر بچوں کی تعلیم سے متعلق کوئی بات ہو تو وہ مجھے ضرور حکم دے سکتی ہے۔ لیکن میری محبت کا جواب دے کر اس معاملے میں اس نے برابری منظور کر لی۔

"برابری کے بغیر محبت کیسے چل سکتی ہے؟" اور وہ برابری کے موضوع پر پیش پا افتادہ فقرے گھڑنے میں لگ گیا۔ اس نے غصّے میں آ کے کورنے ای کا وہ شعر دہرایا جو دو چار دن ہوئے مادام دروبل نے اسے یاد کرایا تھا۔

"محبت برابری کی جستجو نہیں کرتی۔ خود پیدا کر لیتی ہے"۔

ژولیاں کو ضد تھی کہ میں ڈون جوآن بن کے رہوں گا۔ اس شخص نے جسے عمر بھر کوئی محبوبہ نہیں ملی تھی باقی دن بڑی بے کیفی میں گزارا۔ اس نے بات تو بس ایک ہی معقول سوچی۔ وہ اپنے آپ اور مادام دریناال دونوں سے اکتا گیا تھا۔ یہ دیکھ کر وہ سہم سا گیا کہ اب رات آ رہی ہے اور مجھے باغ میں مادام دریناال کے ساتھ اندھیرے میں بیٹھنا پڑے گا۔ اس نے موسیو دریناال سے کہا کہ میں پادری صاحب سے ملنے ویریئر جا رہا ہوں۔ کھانے کے بعد وہ روانہ ہو گیا اور بہت رات گئے واپس آیا۔

ویریئر پہنچ کے ژولیاں نے دیکھا کہ موسیو شیلاں سامان باندھ رہا ہے۔ آخر اسے

برطرف کر دیا گیا تھا، اور اس کی جگہ ماسلوں کا تقرر ہوا تھا۔ ژولیاں نے بچارے پادری کا ہاتھ بٹایا اور اسے خیال آیا فوکے کو خط لکھ دوں کہ پہلے تو اس مقدس پیشے کی طرف میرا دل اس بڑی طرح کھنچ رہا تھا کہ میں نے تمہاری تجویز منظور نہیں کی، لیکن اب ناانصافی کی ایسی مثال دیکھ کر تو یہ خیال ہوتا ہے کہ میں پادری نہ بنوں تو زیادہ اچھا ہے۔

ژولیاں نے اپنی ہوشیاری کی داد دی کہ میں نے پادری کی برطرفی سے فائدہ اٹھایا اور اپنے لئے ایک دروازہ کھلا رکھا تاکہ اگر میرے دل میں عاقبت بینی کا خیال دلاوری کے جذبے پر غالب آجائے تو میں تجارت میں لگ سکوں۔

پندرھواں باب

ککڑوں کوں

لاطینی میں محبت کے لئے جو لفظ ہے اس سے یہ معنی نکلتے ہیں کہ محبت کا نتیجہ موت ہے۔ مگر موت سے پہلے ایک ذو نگری آدمی کو کھا جاتی ہے۔ یعنی رنج و غم ہے، رونا دھونا ہے، طرح طرح کی محرومیاں ہیں، غلط کاریاں ہیں، افسوس اور ندامت ہے۔

ایک پرانی فرانسیسی نظم

حالانکہ ژودیاں مفت میں اپنے آپ کو بڑا دانا و بینا سمجھتا تھا لیکن اس میں ذرا سی بھی عقل و فہم ہوتی تو اس کے دیر تیر چلے جانے کا جواب ہوا تھا۔ وہ اگلے دن اس پر بڑا خوش ہوتا۔ اس کی غیر موجودگی نے اس کے بے ڈھنگے پن کی یاد دل سے محو کر دی تھی۔ آج بھی دن بھر اس کا منہ سوجا رہا۔ رات ہونے کو آئی تو اسے ایک عجیب مضحکہ خیز بات سوجھی اور اس نے بڑی ڈھٹائی سے کام لیتے ہوئے مادام دریناں سے بات کہہ بھی دی۔

وہ جا کے باغ میں بیٹھے ہی تھے کہ اس نے اندھیرا ہونے کا بھی انتظار نہ کیا اور نہ یہ سوچا کہ اگر کسی نے دیکھ لیا تو مادام دریناں کی کیسی رسوائی ہوگی؟ بس فوراً اس کے

کان سے منہ لگا کے بولا۔

"مادام، آج رات کو دو بجے میں آپ کے کمرے میں آؤں گا۔ مجھے آپ سے ایک ضروری بات کہنی ہے۔"

ژولیاں اس ڈر سے کانپ رہا تھا کہ کہیں میری درخواست منظور ہی نہ ہو جائے۔ مادام دریناّل کو پھانسنے کا فریضہ اسے ایک بارِ گراں معلوم ہو رہا تھا کہ اگر اس کا بس چلتا تو وہ جا کے کئی دن کے لیے اپنے کمرے میں بند ہو جاتا اور پھر ان عورتوں کی طرف نظر تک نہ اٹھاتا۔ وہ سمجھ گیا کہ پرسوں جتنی امیدیں بندھی تھیں وہ کل کی ترکیب بازی سے خاک میں مل گئیں۔ اب وہ حیران تھا کہ کروں تو کیا۔

ژولیاں کی اس بیہودہ اور جسارت آمیز تجویز کا جواب مادام دریناّل نے سچ مچ غصے کے ساتھ دیا جس میں نام کو مبالغہ نہ تھا۔ اسے خیال ہوا کہ مادام دریناّل کے مختصر سے جواب میں حقارت کی بو آتی ہے۔ اتنی بات تو یقینی تھی کہ اس جواب میں جو بہت ہی دھیمی آواز میں دیا گیا تھا "چھی" کا لفظ ضرور شامل تھا۔ بچوں سے کچھ کہنے کا بہانہ کر کے ژولیاں ان کے کمرے میں چل دیا اور جب واپس آیا تو مادام دروِیل کے قریب اور مادام دریناّل سے دور بیٹھا۔ چنانچہ اس نے یہ امکان ہی باقی نہ رہنے دیا کہ مادام دریناّل کا ہاتھ پکڑنے کو جی چاہے۔ اب سنجیدہ باتیں ہونے لگیں۔ دو ایک دفعہ تو ضرور ایسا ہوا کہ خاموشی طاری ہو گئی اور اسے اپنا دماغ کھرچنا پڑا۔ مگر ویسے وہ میدان میں ڈٹا ہی رہا۔ وہ دل میں سوچ رہا تھا — "کوئی ایسی عمدہ ترکیب سمجھ میں کیوں نہیں آتی جس سے مادام دریناّل التفات کی وہی واضح نشانیاں ظاہر کرنے پر مجبور ہو جائے جن کی وجہ سے تین دن ہوئے میں نے سوچا تھا کہ اب یہ میری ہو گئی!"

حالات ایسے مایوس کُن ہو گئے تھے کہ ژودیاں جہنم میں پڑ گیا۔ لیکن اس کے باوجود اگر اُسے کسی بات سے پریشانی ہوتی تو کامیابی سے۔

آدھی رات کو صحبت برخواست ہوئی تو یاس پرستی کے سبب اسے پورا یقین ہو گیا کہ مادام ورَدیل مجھے حقارت کی نظروں سے دیکھتی ہے اور شاید مادام درینال کے دل میں بھی میری کچھ ایسی وقعت نہیں ہے۔

ژودیاں چڑچڑا ہو رہا تھا اور اپنی سخت تذلیل محسوس کر رہا تھا۔ چنانچہ اسے نیند ہی نہ آئی۔ لیکن وہ اس پر اب بھی راضی نہ تھا کہ اپنی ساری بناوٹی باتیں، اپنی ساری تجویزیں ترک کر دے، اور اطمینان سے مادام درینال کے ساتھ زندگی گزارے، روز خفیفی خوشی حاصل ہو اسی میں خوش رہے۔

اس نے طرح طرح کے داؤ گھات سوچتے سوچتے اپنے آپ کو تھکا مارا، لیکن دم بھر بعد ہر ترکیب مہمل ہونے لگتی۔ مختصر یہ کہ جب گھنٹہ گھر نے دو بجائے تو اس کی حالت غیر ہو چکی تھی۔

یہ آواز سن کر وہ چوکنا ہو گیا جیسے مرغ کی بانگ سن کر سینٹ پیٹر بیدار ہو گئے تھے۔ اس نے دیکھا کہ اس انتہائی تکلیف دہ واقعے کی گھڑی آ پہنچی۔ وہ بے ہودہ تجویز پیش کرنے کے بعد سے لے کر اب تک اُسے ایک دفعہ بھی اس بات کا خیال نہیں آیا تھا۔ اسے جھڑکی ہی ایسی ملی تھی!

"میں نے اس سے کہا تھا کہ میں دو بجے تمہارے پاس آؤں گا۔" وہ اٹھتے ہوئے دل میں بولا۔ "میں ناتجربہ کار سہی، ناشائستہ سہی، کسان کا بیٹا اور ہو بھی کیا سکتا ہے؟ مادام ورَدیل نے یہ بات اچھی طرح سمجھا دی ہے، لیکن بہرحال میں کمزوری نہیں

دکھاؤں گا۔"

ژولیاں کو اپنی ہمت اور دادی پینے کا پورا حق تھا۔ اس سے زیادہ ہمت کا ذرہ اس نے کبھی نہیں لیا تھا۔ اس نے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا تو اس پر ایسا لرزہ طاری ہوا کہ گھٹنے جھول گئے اور اسے دیوار کا سہارا لینا پڑا۔

وہ ننگے پیر تھا۔ اس نے موسیو دریناال کے دروازے پر جا کے کان لگائے۔ اندر سے خراٹوں کی آواز آ رہی تھی۔ اس کا دل بیٹھنے لگا۔ اب مادام دریناال کے پاس جانے کا کوئی بہانہ باقی نہ رہا تھا۔ لیکن یا اللہ! وہاں پہنچنے کے بعد وہ کرے گا کیا؟ اس نے پہلے سے کوئی بات سوچی ہی نہ تھی اور اگر سوچی بھی ہوتی تو وہ ایسی چقلپش کے عالم میں تھا کہ اسے عمل میں لانے کا ہوش ہی نہ رہتا۔

اس وقت اسے ایسی اذیت ہو رہی تھی کہ جانتا کہ تختۂ دار پر چڑھنے کے لئے جانے میں بھی نہ ہوتی۔ آخر کار وہ اس برآمدے میں جا پہنچا جو سیدھا مادام دریناال کے کمرے کی طرف راستہ تھا۔ اس نے کانپتے ہوئے ہاتھ سے دروازہ کھولا جس سے بڑا شور ہوا۔

کمرے میں روشنی تھی۔ آتش دان میں ایک مدھم سا چراغ جل رہا تھا۔ اس نئی مصیبت کی اسے ذرا بھی امید نہیں تھی۔ اسے اندر آتے دیکھ کر مادام دریناال ایک دم بستر سے اچھل پڑی۔ "بدبخت!" وہ چیخ کے بولی۔ تھوڑی سی گڑبڑ ہوئی۔ ژولیاں اپنی ساری مہمل تجویزیں بھول گیا اور وہی اصلی ژولیاں بن گیا۔ اس سے بڑی بدنصیبی اس کے لئے اور کیا ہو سکتی تھی کہ ایک حسین عورت اسے پسند نہ کرے۔ اس کی لعنت ملامت کا ژولیاں نے بس اتنا جواب دیا کہ اس کے قدموں پر گر پڑا اور گھٹنوں سے گر

باہیں ڈال دیں۔ مادام دریتال نے اور سختی سے ڈانٹا تو وہ پھوٹ پھوٹ کے رونے لگا۔

چند گھنٹے بعد ژدلیاں مادام دریتال کے کمرے سے نکلا تو افسانوی رنگ میں کہہ سکتے ہیں کہ اس کا کوئی ارمان ایسا نہ تھا جو پورا نہ ہو گیا ہو۔ دراصل یہ کامرانی دو باتوں کی رہینِ منت تھی۔ ایک، تو مادام دریتال اُسے دل دے بیٹھی تھی۔ دوسرے خود ژدلیاں کو اس کی من موہنی چھب ایسی بھائی کہ وہ بے قابو ہو گیا۔ ورنہ اس معاملے میں اس کی بے ہنگم [illegible]شندی ذرا کام نہ آتی۔

لیکن ان سرور انگیز لمحات میں بھی اس کے منحوس پندار نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا۔ وہ اب بھی یہی دکھانے کی کوشش کرتا رہا کہ عورتوں کو [illegible] لانا تو میرا روز کا کھیل ہے۔ اس کی ساری محنت اسی پر صرف ہو رہی تھی کہ اس میں جو باتیں پسند آنے کے لائق ہیں وہ بھی ناپسندیدہ بن جائیں۔ اس نے مادام دریتال کے دل میں کیف و سرور کا جو طوفان برپا کر دیا تھا اور جس ندامت نے اس طوفان کی تیزی اور بڑھا دی تھی، اس پر غور کرنے کے بجائے اُسے تو بس اپنے فریضے کا خیال لگا ہوا تھا۔ اسے تو یہ دکھلائے جا رہا تھا کہ میں نے اپنے لئے جو ناٹک مکمل مرتب کیا ہے اگر میں اس سے ہٹ گیا تو مجھے سخت ندامت ہو گی اور ہمیشہ کے لئے خود اپنی نظروں میں مضحکہ خیز بن کے رہ جاؤں گا۔ مختصر یہ کہ جس چیز نے ژدلیاں کی ہستی کو بلندی عطا کی تھی اسے [illegible] اس خوشی کا لطف اٹھانے سے روک رہی تھی جو اس کے قدموں میں آ گری تھی۔ ژدلیاں کا حال سولہ سال کی اس لڑکی کا سا تھا جس کا رنگ نہایت دلفریب ہو، مگر وہ اتنی احمق ہو کہ ناچ میں جانے سے پہلے سرخی لگائے۔

ژدلیاں کی شکل دیکھتے ہی ڈر کے مارے مادام دریتال کا دم نکلنے لگا تھا اور

طرح طرح کے ہولناک اندیشوں نے اُسے گھیر لیا تھا۔ ژولیاں کے آنسو اور اس کی مایوسی دیکھ کر بخاری کو بڑا دکھ ہوا۔

جب کوئی ایسی چیز باقی ہی نہ رہی جسے ژولیاں کو بخشنے سے انکار کر سکے تو مادام وریناآل نے واقعی غصّے کے ساتھ اسے دھکا دے کر پیچھے ہٹا دیا، اور پھر اُس کے بازوؤں میں گر پڑی۔ ان دونوں حرکتوں میں کوئی بھی مقصد نظر نہ آتا تھا۔ اُسے یقین ہو گیا کہ اب میں ابدی لعنت میں گرفتار ہوں اور میری کبھی بھی نجات نہیں ہو سکتی۔ جہنم کے تصوّر کو اپنی نظروں سے دُور ہٹانے کے لئے اس نے ژولیاں کو بڑی گرم جوشی سے پیار کرنا شروع کر دیا۔ غرض یہ کہ اگر ہمارے ہیرو میں خوشی کا لطف اٹھانے کی صلاحیت ہوتی تو اس کی مسرت کی تکمیل میں کوئی بھی کسر باقی نہیں رہی تھی۔ یہاں تک کہ جس عورت کو اس نے ابھی زیر کیا تھا اس میں آتشیں احساسات بھی موجود تھے۔ ژولیاں کے چلے جانے کے بعد بھی کیف و سرور کے اس ہیجان میں کوئی کمی نہیں آئی۔ جس نے رو کتے رو کتے بھی مادام درینال کو بہا کے رکھ دیا تھا، نہ تاسف اور ندامت کے خلاف اس کی کشمکش بند ہوئی جو اس کے ٹکڑے اڑائے دے رہی تھی۔

"خدایا! خوشی اور محبت کے معنیٰ کیا بس یہی ہیں؟" ژولیاں اپنے کمرے میں واپس آیا تو اس نے پہلی بات یہ سوچی۔ آدمی کو وہ چیز ابھی ابھی ملی ہو جس کی مدت سے تمنا تھی، تو اس کا دل حیرت، اضطراب اور اندیشوں میں کھو جاتا ہے۔ ژولیاں کی بھی یہی کیفیت ہو رہی تھی۔ ایسے وقت ہوتا یہ ہے کہ دل کو تمنا کی تو عادت پڑ چکی ہے، مگر اب کوئی چیز ایسی رہتی نہیں جس کی تمنا کی جائے اور سہارے کے لئے ابھی یادیں بھی موجود نہیں ہوتیں۔

قواعد سے واپس آنے والے سپاہی کی طرح ژولیاں بالتفصیل اپنی ساری کارروائی کا جائزہ لینے میں مشغول تھا۔" میرے اوپر اپنی طرف سے جو فرائض عائد ہوتے ہیں۔ اُن میں سے کوئی ایسا تو نہیں رہا جو ادا نہ ہوا ہو ؟ میں نے اپنا فریضہ ٹھیک طرح سرانجام دیا تھا ؟"

اور فریضہ بھی کیا ! اس آدمی کا فریضہ جسے عورتوں کے سامنے اپنی چمک دمک دکھانے کی عادت ہو۔

سولھواں باب

اگلا دن

اس نے اپنے ہونٹ اس کے ہونٹوں سے لگا دیئے، اور اس کے پریشان بالوں کے لچھے ہاتھ سے ٹھیک کیئے۔

بائرن

ژولیاں کے پندار کے لئے اچھا ہی ہوا کہ مادام درینال بڑی حیران و ششدر تھی اور اس کے دماغ میں کھلبلی مچی ہوئی تھی۔ چنانچہ اسے اس شخص کی حماقت اور خود پسندی کا ذرا بھی اندازہ نہ ہوا جو ایک لمحے کے اندر اس کا سرمایہ حیات بن گیا تھا۔

پو پھٹتے دیکھ کر وہ اس کی خوشامدیں کرنے لگی کہ اب چلے جاؤ، اور بولی "خدایا! اگر میرے شوہر نے آواز سن لی ہے تو میں کہیں کی نہ رہوں گی۔"

ژولیاں کو پھڑکتے ہوئے فقرے گھڑنے کی پوری فرصت تھی۔ اسے بڑے موقعے سے ایک بات سوجھی۔

"کیا اب تمہیں افسوس ہوگا کہ دنیا میں کیوں آئیں؟"

"ہاں، اس وقت تو ہو رہا ہے، مگر تم سے ملنے کا کبھی افسوس نہیں ہوگا۔"

ژولیاں نے سوچا کہ میرے وقار کا یہی تقاضا ہے کہ ٹھیٹ دن کی روشنی میں یہاں سے واپس جاؤں اور جان بوجھ کر ذرا بھی احتیاط نہ برتوں۔

اس کے دل میں یہ مجنونانہ خیال بیٹھ گیا تھا کہ میں تجربے کار آدمی نظر آؤں۔ چنانچہ وہ مسلسل اپنی ایک ایک حرکت کا بڑے غور سے مشاہدہ کر رہا تھا۔ اس کا ایک فائدہ بھی ہوا جب وہ دوپہر کو کھانے کے وقت مادام دریناآل سے ملا تو اس کا برتاؤ احتیاط اور دوراندیشی کا شاہکار ثابت ہوا۔

رہی مادام دریناآل تو وہ اس کی طرف نظر اٹھاتے ہی شرم کے مارے سُرخ ہو جاتی تھی۔ مگر ایک لمحے کے لیے بھی اُسے دیکھے بغیر نہ رہا جاتا تھا۔ اُسے احساس ہوا کہ میں بڑی پراگندہ خاطر ہو رہی ہوں اور وہ اسے چھپانے کی جان توڑ کوششیں کرنے لگی۔ ژولیاں نے صرف ایک دفعہ اس سے نظریں ملائیں۔ پہلے تو مادام دریناآل کو اس کی احتیاط بڑی پسند آئی۔ لیکن پھر جو دیکھا کہ ژولیاں کی نگاہیں ایک دفعہ کے بعد اب اوپر اٹھتی ہی نہیں تو اسے ڈر لگنے لگا۔ اس نے دل میں سوچا ــ "کہیں اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ اب اسے مجھ سے محبت نہیں رہی افسوس، میں اس کے لیے بہت بڑی ہوں۔ اس سے میری عمر دس سال زیادہ ہے۔"

کھانے کے کمرے سے باغ میں جاتے ہوئے اس نے ژولیاں کا ہاتھ دبا دیا۔ محبت کے لیے غیر معمولی اظہار پر ژولیاں کو بڑا تعجب ہوا اور اس نے پیار بھری نظروں سے مادام دریناآل کی طرف دیکھا، کیونکہ کھانے کے دوران میں وہ اسے بڑی

خوبصورت لگی تھی اور نگاہیں اوپر اٹھائے بغیر وہ اس کی دل فریبیوں کا شمار کرتا رہا تھا۔ اس نگاہ سے مادام دربنال کو بڑی تسکین ملی۔ اس سے اس کی بے چینی تو دور نہیں ہوئی مگر اس بے چینی کی وجہ سے وہ پشیمانی کا احساس قریب قریب ختم ہو گیا۔ جو شوہر کا خیال آتے ہی اس کے دل میں پیدا ہو جاتا تھا۔

کھانے کے وقت شوہر نے کچھ دیکھا ہی نہ تھا۔ مگر مادام دروایل کی بات الگ تھی۔ اسے ڈر لگ رہا تھا کہ بس اب مادام دربنال مغلوب ہونے ہی والی ہے۔ اپنی دوستی کے ہاتھوں مجبور ہو کر اسے جرأت سے کام لینا پڑا بلکہ دو چار دل میں چبھنے والی باتیں بھی کہہ گئی۔ وہ دن بھر اشاروں ہی اشاروں میں مادام دربنال کو سمجھاتی رہی کہ تم کیسے ہولناک خطرے کے منہ میں جا رہی ہو۔

مادام دربنال کے دل کو یہ لگی ہوئی تھی کہ کسی طرح ژولیاں کے ساتھ نکلنے کا موقع ملے۔ وہ اس سے پوچھنا چاہتی تھی کہ تمہیں مجھ سے اب بھی محبت ہے یا نہیں۔ اپنی مستقل نرم مزاجی کے باوجود کئی دفعہ وہ اپنی سہیلی کو یہ بات بتاتے بتاتے رک گئی کہ وہ خواہ مخواہ دخل در معقولات کر رہی تھی۔

اس روز شام کو مادام دروایل نے باغ میں کچھ ایسا ڈول ڈالا کہ وہ مادام دربنال اور ژولیاں کے درمیان بیٹھی نظر آئی۔ مادام دربنال اس تصور میں مگن تھی کہ ژولیاں کا ہاتھ دباؤں گی اور چوموں گی، لیکن وہ اس سے بات تک نہ کر سکی۔

اس سلنحے سے اس کا ہیجان اور بڑھ گیا۔ پھر ایک اور پشیمانی بھی اس کا کلیجہ چاٹ رہی تھی۔ ژولیاں نے کل رات جو اس کے کمرے میں آنے کی حماقت کی تھی اس پر مادام دربنال نے اسے اتنا ڈانٹا تھا کہ اب وہ لرز رہی تھی کہیں ایسا نہ ہو آج

رات وہ آئے ہی نہ۔ آج وہ ۵ بجے سویرے ہی اٹھ گئی اور اپنے کمرے میں جاکے
انتظار کرنے لگی۔ لیکن بے چینی کے مارے اس سے صبر نہ ہو سکا۔ وہ اٹھی اور جاکے ژولیاں
کے دروازے سے کان لگا دیئے۔ ایک طرف محبت، دوسری طرف اندیشہ اس کی جان
کھلائے دے رہا تھا۔ مگر اس کے باوجود اُسے اندر جانے کی ہمت نہ ہوتی۔ یہ حرکت
اسے بیچ پن کی انتہا معلوم ہوتی۔ کیونکہ ایک دیہاتی کہاوت اسی موضوع پر ہے۔

ابھی ساڑھے بارہ نہیں بجے تھے۔ آخر دور اندیشی سے مجبور ہو کر وہ اپنے کمرے
میں لوٹ آئی۔ انتظار کے دو گھنٹے اسے اذیت کی دو صدیاں کے برابر معلوم ہوئے۔

لیکن ژولیاں جس چیز کو اپنا فریضہ کہتا تھا۔ اس کا ایسا سچا پرستار تھا کہ اپنے
مرتب کئے ہوئے نقشے کی ذرا سی تفصیل پر بھی عمل نہ کرنا اسے گوارا نہ تھا۔

جب ایک بجا تو وہ دبے پاؤں اپنے کمرے سے نکلا۔ یہ دیکھا کہ گھر کا مالک
جاگ تو نہیں رہا اور مادام درینال کے سامنے آموجود ہوا۔ اس مرتبہ اُسے اپنی محبوبہ کے
ساتھ زیادہ خوشی حاصل ہوئی۔ کیونکہ اب اسے اپنے فریضے کا اتنا خیال نہیں آرہا تھا۔
اب اس کی آنکھیں دیکھ بھی رہی تھیں اور اس کے کان سن بھی رہے تھے۔ مادام درینال نے
اپنی عمر کا ذکر چھیڑا تو اس سے بھی اس کی خود اعتمادی میں تھوڑا سا اضافہ ہوا۔

"افسوس، میں تم سے دس سال بڑی ہوں! بھلا تمہیں مجھ سے کیسے محبت
ہو سکتی ہے؟"

اس نے بغیر کسی مقصد کے بار بار یہی بات کہی، کیونکہ اسے یہ خیال تنگ کئے
چلا جا رہا تھا۔

ژولیاں کو اس دکھ کا صحیح اندازہ نہ ہو سکا، مگر اتنی بات سمجھ گیا کہ یہ دکھ ہے حقیقی اور

اس کے دل سے مضحکہ خیز لگنے کا سارا ڈر نکل گیا۔

اُسے خوف تھا کہ مجھے تابعدار عاشق اور محبوبہ کے حکم کا غلام سمجھا جائے گا۔ اب یہ احمقانہ خیال بھی دل سے دور ہو گیا۔ اس کی گرم جوشیوں سے شرمیلی محبوبہ کا اعتماد جیسے جیسے بڑھتا گیا، ویسے ہی ویسے اس کی گم شدہ خوشی اور اپنے عاشق کو جانچنے کی صلاحیت بھی واپس آتی گئی۔ خوش قسمتی سے آج ژرولیاں میں وہ بناوٹی انداز موجود نہیں تھا جس نے کل رات کی ملاقات کو کامرانی میں بدل دیا تھا مگر لذت نہیں حاصل ہونے دی تھی۔ اگر کہیں وہ یہ دیکھ لیتی کہ ژرولیاں کو ایک فریضہ ادا کرنے کی دھن سوار ہے تو اس تکلیف دہ انکشاف کے بعد پھر کبھی خوشی اس کے پاس تک نہ پھٹکتی۔ وہ اسے عمر کے اختلاف کا افسوسناک نتیجہ سمجھتی۔ اس کے علاوہ اسے اور کچھ نظر نہ آتا۔

گو مادام دریناں نے محبت کے نظریوں پر کبھی غور نہ کیا تھا لیکن محبت کا ذکر چھڑے تو روپیہ پیسے کے فرق کے بعد عمر کا اختلاف تصنیفی ظرافت کا نشانہ بنتا ہے۔

دو چار دن کے اندر ژرولیاں میں جوانی کا وفور پیدا ہو گیا اور محبت نے اسے دیوانہ بنا دیا۔

وہ دل میں بولا ”اسے اتنی بات تو ماننی پڑے گی کہ اس کا دل فرشتوں کی طرح نرم ہے اور اس سے خوبصورت تو کوئی اور ہو ہی نہیں سکتی۔“

اب وہ فریضہ ادا کرنے کی بات قریب قریب بھول چکا تھا۔ ایک خود فراموشی کے لمحے میں اس نے اپنی ساری پریشانیوں کا حال بھی اسے سنا ڈالا۔ مادام دریناں تو اسے پہلے ہی دیوانہ وار چاہتی تھی۔ اب یہ راز کی باتیں سننے کے بعد تو اس کی محبت معراج کو

پہنچ گئی۔ وہ مسرور ہو کے دل میں بولی — "تو یعنی میری کوئی خوش قسمت رقیب موجود
نہیں ہے"۔ ایک دن اس نے ہمت کر کے ژولیاں سے اس تصویر کے متعلق بھی پوچھ
لیا جس کے بارے میں وہ اتنا بے چین ہو گیا تھا۔ ژولیاں نے قسم کھا کے بتایا کہ وہ
تصویر تو ایک مرد کی تھی۔

جب مادام وریناں کے جذبات اتنے ٹھنڈے پڑ گئے کہ وہ کچھ سوچ سمجھ سکے
تب بھی اس کی یہ حیرت دور نہ ہوئی کہ دنیا میں ایسی خوشی بھی میسر آ سکتی ہے اور مجھے آج
تک اس کی خبر ہی نہ تھی۔

"آہ!" وہ اپنے دل میں کہنے لگی "کاش کہ ژولیاں مجھے دس سال پہلے ملا ہوتا
جب میرا بھی شمار حسینوں میں ہو سکتا تھا!"

ژولیاں ایسے خیالات سے کوسوں دور تھا۔ اس کی محبت اب بھی جاہ طلبی کی بنیاد
پر قائم تھی۔ اس کی خوشی کا راز یہ تھا کہ ایسا غریب، بد نصیب اور حقیر ہونے کے باوجود ایک
رئیس اور حسین عورت اس کے قبضے میں آ گئی تھی۔ ژولیاں کی حرکتوں سے ایسا معلوم
ہوتا جیسے وہ مادام وریناں کی پرستش کرتا ہے۔ اپنی محبوبہ کے حسن کی لطافتوں پر اسے
وجد آنے لگتا۔ یہ باتیں دیکھ دیکھ کر مادام وریناں کو عمر کے اختلاف کے سلسلے میں کچھ
اطمینان سا ہو گیا۔ اگر اس میں تھوڑی بہت دنیا کی ویسی سمجھ ہوتی جیسی زیادہ مہذب علاقوں
میں تیس سال کی عورت میں بہت پہلے سے پیدا ہو جاتی ہے تو وہ اس خیال سے لرزنے
لگتی کہ بھلا ایسی محبت کتنے دن چل سکتی ہے جو اتفاق، استعجاب اور خود پرستی کی تحریک
کے سہارے زندہ ہو۔

جب وہ اپنی جاہ طلبی کو بھول جاتا تو ژولیاں مادام وریناں کی ایک ایک چیز

یہاں تک کہ اس کی ٹوپیوں اور لباسوں کو بھی دیکھ دیکھ کے سر دُھنتا۔ وہ ان کی خوشبو سونگھتے سونگھتے نہ تھکتا۔ وہ اس کے کپڑوں کی الماری کھول کے گھنٹوں سامنے کھڑا رہتا اور ہر چیز کی خوبصورتی اور سلیقہ دیکھ کر عش عش کرتا رہتا۔ اس کی محبوبہ اس کے کندھے پر جھک کر اسے تکتی، اور وہ خود اُن زیوروں اور رنگ برنگے کپڑوں کو تکتا جو شادی کے دن جہیز میں رکھے جاتے ہیں۔

"یہ بھی ہوسکتا تھا کہ میری شادی اُس جیسے آدمی سے ہوتی!" مادام دریناال بعض دفعہ سوچا کرتی۔ "اس کی روح میں کیسی آگ بھری ہوئی ہے! اس کے ساتھ کیسے سرور کی زندگی گزرتی!"

رہا ژولیاں، تو وہ نسائی اسلحہ خانے کے ان خوفناک ہتھیاروں کے اتنے قریب پہلے کبھی نہیں آیا تھا۔ وہ دل میں کہتا تھا۔ "پیرس میں اس سے زیادہ نفیس کیا چیز ہو گی!" اس کے بعد اسے اپنی خوشی پر بھی کوئی اعتراض باقی نہیں رہا۔ اکثر اپنی محبوبہ کے دل میں تحسین کا پُرخلوص جذبہ اور اس کی محبت کا وفور دیکھ کر وہ اس احمقانہ نظریئے کو یکسر بھول جاتا جس کی وجہ سے وہ اپنی اس قربت کے ابتدائی لمحوں میں رُکا رکا سا اور مضحکہ خیز بن کے رہ گیا تھا۔ ایسے لمحے بھی آتے جب اپنی ریاکارانہ عادتوں کے باوجود اس بلندمرتبہ خاتون کے سامنے جو اس کو تحسین کی نظروں سے دیکھتی تھی، یہ بات صاف صاف تسلیم کر لینے میں اسے بڑا مزا ملتا تھا کہ میں بہت سے چھوٹے موٹے آداب سے واقف ہی نہیں ہوں۔ کچھ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کی محبوبہ کے رتبے نے اسے خود اپنے آپ سے بلند کر دیا تھا۔ ادھر مادام دریناال کو اسے بہت سی چھوٹی چھوٹی باتیں سکھانے میں بڑی اخلاقی لذت ملتی تھی۔ کیونکہ اس نوجوان میں بڑے کمالات تھے اور ہر ایک کی یہی رائے تھی کہ

ایک دن وہ بہت ترقی کرے گا۔ نائب ناظم اور موسیو والی نو تک اس کی تعریف کرتے
تھے۔ چنانچہ اب وہ ان دونوں کو پہلے سے اچھا سمجھنے لگی تھی۔ رہی مادام درویل، تو اس کی
رائے ان لوگوں سے بالکل مختلف تھی۔ اس کا خیال تھا کہ میں سب بات تاڑ لی ہے، اور
اسے جو کچھ نظر آیا۔ اس پر مادام درویل کو بڑی مایوسی ہوئی۔ پھر اس نے دیکھا کہ یہ عورت تو
واقعی اپنے ہوش وحواس گنوا بیٹھی ہے اور میرے عقلمندانہ مشورے اسے ناگوار گزرتے ہیں۔
چنانچہ وہ کوئی سبب بتائے بغیر ورژی سے چل دی اور کسی نے اس سے پوچھا بھی نہیں۔
مادام درینال نے اس کی روانگی کے وقت دو چار آنسو تو ضرور بہائے، مگر تھوڑی دیر
بعد ہی اسے محسوس ہوا کہ میری خوشی دوبالا ہو گئی ہے۔ مہمان کے رخصت ہو جانے کی
وجہ سے اب وہ دن بھر ژولیاں کے ساتھ راز و نیاز میں مشغول رہ سکتی تھی۔

اگر ژولیاں زیادہ دیر اکیلا رہتا تو فوکے کی مہلک پیش کش فوراً اسے تنگ کرنے
آ پہنچتی۔ چنانچہ اپنی محبوبہ کی خوشگوار صحبت اب اسے اور بھی پسند آنے لگی۔ اس نئی زندگی
کے ابتدائی دنوں میں ایسے لمحے بھی آئے جب اس شخص کو جس نے نہ تو کبھی محبت کی
تھی اور نہ اس سے کسی کو محبت رہی تھی، پُرخلوص بننے میں اتنا مزا ملا کہ وہ مادام درینال
کے سامنے اپنی اس جاہ طلبی کا اعتراف کرتے کرتے رہ گیا جو اب تک اس کے وجود کا جوہر
بنی رہی تھی۔ فوکے کی پیش کش میں اسے جو ایک عجیب سی ترغیب محسوس ہوتی تھی وہ اس
کے بارے میں مادام درینال کا مشورہ حاصل کرنا چاہتا تھا مگر ایک چھوٹے سے واقعے
نے اس صاف گوئی کو بالکل ہی ختم کر کے رکھ دیا۔

سترھواں باب

نائبِ اوّل

آہ! محبت کی بہار بھی اپریل کے حسین اور شاندار دن کی طرح بے بنیاد ہے۔
ابھی تو خوب دھوپ کھلی ہوئی ہے، ابھی بادل آیا اور سب غائب۔

شیکسپیئر

ایک دن سورج غروب ہوتے وقت باغیچے کے آخر میں ہر قسم کی مداخلت سے محفوظ اپنی محبوبہ کے پاس بیٹھے ہوئے وہ سوچ بچار میں غرق تھا۔ وہ دل ہی دل میں کہہ رہا تھا: "کیا یہ حسین لمحے ہمیشہ اسی طرح بیتتے رہیں گے؟" اسے فکر پیدا ہو گئی تھی کہ کوئی پیشہ اختیار کرنا ضروری بھی ہے اور اس میں مشکلیں بھی کتنی ہیں۔ اسے اندیشہ ہو رہا تھا کہ اگر آدمی کے پاس پیسہ نہ ہو تو یہ عظیم اور تکلیف دہ مسئلہ لڑکپن کا خاتمہ کر کے رکھ دیتا ہے اور جوانی کے ابتدائی سال بھی اسی کی نذر ہو جاتے ہیں۔

وہ بولا: "نپولین کو خدا نے شاہی فرانس کے نوجوانوں کی مدد کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ اب اس کی جگہ کون لے گا؟ اس کے بغیر وہ بچارے بدبخت کیا کریں گے یعنی وہ بھی جو مجھ سے زیادہ خوش حال ہیں، جن کے پاس ابھی خاصی تعلیم حاصل کرنے کے لئے

روپیہ بھی ہے، مگر اتنا پیسہ پاس نہیں کہ بیس سال کی عمر میں رشوت دے دلا کر کسی پیشے
میں داخل ہو جائیں!" اس نے ٹھنڈا سانس بھر کے کہا۔ "خیر، جانے دو جو کچھ بھی ہو، مگر یہ
زہریلی یاد ہمیں کبھی چین سے نہیں بیٹھنے دے گی!"

اس نے دیکھا کہ اچانک مادام دریناآل کی بھنویں تن گئیں۔ اس کا انداز حقارت آمیز
اور سرد مہری کا سا ہو گیا۔ اس قسم کے خیالات اسے نوکروں چاکروں کے منہ سے معلوم ہوتے تھے۔
بچپن سے وہ اس خیال کی عادی ہو گئی تھی کہ میں بڑی مالدار ہوں، اور ویسے یہ بات بالکل
مسلمہ معلوم ہوتی تھی کہ ژدلیاں بھی مالدار ہے۔ وہ اسے اپنی جان سے بھی ہزار گنا زیادہ عزیز
تھا۔ اگر وہ ناشکرا یا بے وفا نکلتا تب بھی وہ اس سے محبت کرتی رہتی۔ اس کی نظر میں
پیسے کے کوئی معنی نہیں تھے۔

ژدلیاں کو ذرا بھی اندازہ نہیں تھا کہ وہ کیا سوچ رہی ہے۔ اس کی بھنویں چڑھی
ہوئی دیکھ کر وہ پھر زمین پر واپس آ گیا۔ بہرحال حاضر دماغی سے کام لے کر اس نے
اپنی بات کو بالکل نیا رنگ دے دیا اور جو امیر خاتون سبزے پر اس کے پاس بیٹھی تھی
اس پر یہ ظاہر کیا کہ جب میں اپنے اس دوست لکڑی کے تاجر سے ملنے گیا تھا، تو یہ
باتیں جو میں نے کہیں وہاں کسی کے منہ سے سنی تھیں۔ یہ سب انہیں لوگوں کے
خیالات تھے۔

"خیر کوئی بات نہیں۔ مگر اب ایسے لوگوں سے نہ ملا کرو۔" مادام دریناآل نے
کہا۔ لیکن اس کے چہرے پر اس برفیلے انداز کی نشانیاں اب تک باقی تھیں جس نے
یکایک شدید محبت کے آثار کی جگہ لے لی تھی۔

ژدلیاں اب تک سہانے خوابوں میں کھویا رہا تھا۔ چڑھی ہوئی تیوریاں دیکھ کر آ

پہلی مرتبہ ایک ٹھوکا لگا، اور اسے اپنی ناعاقبت اندیشی پر ندامت ہونے لگی۔ وہ دل میں بولا۔" یہ بڑی نیک اور نرم دل ہے، مجھ سے اسے لگاؤ بھی بڑا گہرا ہے۔ لیکن دشمن کے گھر پلی بڑھی ہے۔ یہ لوگ خصوصیت کے ساتھ ایسے حوصلہ مند آدمیوں سے ضرور ڈرتے ہوں گے جنہوں نے تعلیم تو اچھی پائی ہو۔ مگر اتنا پیسہ پاس نہ ہو کہ کوئی پیشہ اختیار کر سکیں۔ اگر ہم لوگوں کو بھی برابر کے ہتھیاروں کے ساتھ لڑنے کا موقع ملے تو ان امیروں کا کیا حشر ہو؟ مثلاً اگر میں ویرئیر کا میئر بن جاؤں اور اتنا ہی ایماندار اور نیک نیت رہوں جتنا فی الحقیقت موسیو دریناآل ہے تو میں پادری اور موسیو وال نو کو ان کی بدمعاشیوں کا کیسا مزا چکھاؤں! ویرئیر میں انصاف کی بادشاہت ہو، ان میں جو ہنر ہیں وہ میرے راستے میں حائل نہیں ہوں گے۔ یہ لوگ ہر وقت ادھیڑ بن میں لگے رہتے ہیں۔"

اس دن وہ وقت آگیا تھا کہ ژولیاں کی خوشی مستقل بن جائے۔ لیکن ہمارے ہیرو میں کوئی کمی تھی تو یہ کہ خلوص برتنے کا حوصلہ نہ تھا۔ مقابلے پر اتر آنے کے لیے اسے ہمت درکار ہوتی تھی۔ البتہ اگر وہ وقت سے کے دقت جان پر کھیل جاتے تو الگ بات ہے۔ مادام دریناآل کو اس کی باتوں پر بڑا تعجب ہوا تھا۔ کیونکہ جن لوگوں سے اس کی ملاقات تھی وہ ہمیشہ یہی کہا کرتے تھے کہ روبس پئیر کی وہ ایسی خصوصیت کے ساتھ نچلے طبقے کے انہیں نوجوانوں کی وجہ سے ممکن ہوئی جنہیں اپنی حیثیت سے بڑھ کر تعلیم ملی تھی۔ مادام دریناآل کی سرد مہری کافی دیر تک قائم رہی بلکہ ژولیاں کو تو بہت نمایاں نظر آئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بدقسمتی سے ژولیاں کے منہ سے جو بات نکل گئی تھی وہ پہلے تو مادام دریناآل کو بڑی ناگوار گزری، پھر اسے ڈر لگا کہ کہیں نادانستہ میں نے کوئی

ایسی بات تو نہیں کہہ دی جو ژولیاں کو بُری لگی ہو۔ جب وہ خوش ہوا ور بیزار کُن لوگوں سے دور رہو تو اس کے چہرے پر بڑی سادگی برستی تھی۔ لیکن اس وقت اس کے پاکیزہ چہرے پر اس پریشانی کے آثار صاف نمایاں تھے۔

اب ژولیاں میں اتنی ہمت نہ رہی کہ بے فکری کے ساتھ اپنے خوابوں میں کھو جائے۔ اسے کچھ قرار آ گیا تھا، اور محبت کا پہلا سا جوش بھی نہ رہا تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ مادام درینال کے پاس اس کے کمرے میں جانا ذرا ناعاقبت اندیشی کی بات ہے۔ اگر وہ خود اس کے پاس آئے تو بہتر ہوگا۔ اگر کسی ملازم نے اسے ادھر ادھر پھرتے دیکھا تو اس بات کے بیسیوں عذر نکل سکتے ہیں۔

لیکن اس ترکیب میں کچھ خامیاں بھی تھیں۔ فوکے نے اسے کچھ ایسی کتابیں دی تھیں جو دینیات کا طالب علم ہونے کی وجہ سے وہ خود کسی کتب فروش سے نہیں مانگ سکتا تھا۔ اسے بس رات کے وقت ہی انہیں کھولنے کی ہمت ہوتی تھی۔ اکثر تو اس کا جی چاہتا تھا کہ کسی کے آنے سے میرے پڑھنے میں خلل ہی نہ پڑے۔ کیونکہ باغیچے والے واقعے سے پہلے بھی انتظار کی الجھن میں اس کی حالت ایسی خراب ہو جاتی کہ پڑھا ہی نہ جاتا تھا۔

جو کتابیں وہ پڑھتا تھا۔ اب اس میں اُن کی ایک نئی سمجھ آ گئی تھی اور اس بات میں وہ مادام درینال کا مرہونِ منت تھا۔ اس نے ہمت سے کام لے کر مادام درینال سے بہت سی چھوٹی چھوٹی باتیں پوچھی تھیں۔ چاہے آدمی میں کتنی ہی فطری صلاحیت موجود کیوں نہ سمجھی جائے، لیکن اگر وہ اونچے طبقے سے باہر پیدا ہوا ہے تو ان باتوں سے لاعلمی اس کی ذہنی ترقی میں بڑی رکاوٹ بن جاتی ہے۔

محبت کی یہ تعلیم اُسے ایک ایسی عورت سے ملی جو ان باتوں میں خود کوری تھی۔ بہرحال یہ علم اُس کے لئے ایک نعمت سے کم نہ تھا۔ اب ژدلیاں سمجھنے لگا کہ سماج کی موجودہ صورت کیا ہے۔ اب اس کا دماغ اُن بیانات سے بالکل پریشان نہیں ہوتا تھا کہ دو ہزار سال پہلے یا صرف ساٹھ سال پہلے والتیئر اور لوئی پانزدہم کے زمانے میں سماج کیا تھی کیا نہیں۔ اسے یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ میری آنکھوں پر سے ایک پردہ سا ہٹ گیا ہے۔ آخر وہ باتیں اس کی سمجھ میں آنے لگیں۔ جو دیر تک زیر بحث ہو رہی تھیں۔

ان میں سب سے نمایاں تو وہ سازشیں تھیں، جو دو سال سے لباں سوں کے ناظم کے گرد ہو رہی تھیں۔ ان کی پشت پر وہ خطوط تھے جو پیرس سے آتے تھے اور بڑی ممتاز ہستیوں کے دستخطوں کے ساتھ۔ سارا سوال اس بات کا تھا کہ موسیو د موآرد کو جو شہر کا سب سے دیندار اور متعصب آدمی تھا۔ میئر کے نائبِ دوم کے بجائے نائبِ اول بنایا جائے۔

اس کا رقیب ایک بڑا امیر صنعت کار تھا جسے نائبِ دوم کی جگہ سے آگے نہ بڑھنے دینا بھی لازمی تھا۔

آخر ژولیاں کی سمجھ میں آ گیا کہ شہر کے سربرآوردہ لوگ موسیو د ریناں کے یہاں کھانے پر آتے تھے تو ان کے درمیان اشاروں ہی اشاروں میں کیا باتیں ہوا کرتی تھیں یہ طبقہ جسے خاص مراعات حاصل تھیں۔ نائبِ اول کے اس انتخاب میں بڑی سرگرمی دکھا رہا تھا۔ حالانکہ باقی شہر والوں اور خصوصاً آزاد خیال جماعت کے لوگوں کو تو اس کا سان گمان بھی نہ تھا۔ اس معاملے کو اتنی اہمیت اس وجہ سے حاصل ہوئی کہ جیسا

ہر ایک کو معلوم تھا۔ دیریئیر کی بڑی سڑک کو مشرق کی طرف نو فٹ سے بھی زیادہ چوڑا کرنا تھا، کیونکہ بادشاہ سلامت اس سڑک پر سے گزرنے والے تھے۔

موسیو دموآرو کے تین مکان سڑک کی زد میں آتے تھے۔ اگر وہ نائب اوّل ہو گیا، اور پھر موسیو درینال کے پارلیمنٹ میں چلے جانے کی صورت میں میئر بن گیا تو وہ بات پی جائے گا اور اس کے بعد یہ ممکن ہو گا کہ جو مکان سڑک کے کنارے تھے ان کی ذرا سی مرمت کرا دی جائے گی جس کے باعث وہ سو سال کے لئے اور ٹھیک ہو جائیں گے۔ موسیو دموآرو کی دینداری اور معاملہ فہمی کے باوجود یقین تھا کہ وہ ڈھب پر آ جائے گا۔ کیونکہ اس کا خاندان بہت بڑا تھا جن مکانوں کو پیچھے ہٹانا تھا۔ ان میں سے نو مکان شہر کے عمائدین کی ملکیت تھے۔

ژولیاں کو یہ سازش فونت نُوا کی لڑائی کے حال سے بھی زیادہ اہم معلوم ہوئی۔ جس کا نام اس نے پہلی مرتبہ فوکے کی دی ہوئی ایک کتاب میں دیکھا تھا۔ پچھلے پانچ سال کے عرصے میں یعنی جب سے اس نے شام کو پادری کے یہاں جانا شروع کیا تھا، بہت سی چیزوں نے ژولیاں کو اچنبھے میں ڈالا تھا لیکن چونکہ ضبط و احتیاط اور خاکساری دینیات کے طالب علم کی لازمی خصوصیات ہیں۔ اس لئے وہ کبھی کوئی بات پوچھ ہی نہ سکا تھا۔

ایک دن مادام درینال نے اپنے شوہر کے خادم یعنی ژولیاں کے دشمن کو کوئی حکم دیا۔

”لیکن، بیگم صاحب، آج تو مہینے کا آخری جمعہ ہے۔“ اس نے ایک عجیب انداز سے جواب دیا۔

"اچھا جاؤ"۔ مادام دریناآل بولی۔

ژولیاآں نے کہا "تو یہ اس گھاس کی دکان میں جا رہا ہے جو پہلے گرجا تھا، اور حال ہی میں پھر عبادت گاہ بن گیا ہے۔ لیکن وہاں یہ کیا کرے گا؟ میں یہ راز کبھی نہیں سمجھ سکا"۔

"یہ ایک بہت مُفید، مگر بڑا عجیب ادارہ ہے"۔ مادام دریناآل نے جواب دیا۔ "عورتوں کو وہاں داخل ہونے کی اجازت نہیں۔ بس میں اتنی بات جانتی ہوں کہ وہاں سب لوگ ایک دوسرے سے "تُو" کہہ کر بولتے ہیں۔ مثلاً یہ ملازم وہاں موسیو واآلنو سے ملے گا اور وہ مغرور اور اکڑباز آدمی اس کے مُنہ سے تُو سن کر ذرا بھی بُرا نہیں مانیگا بلکہ خود بھی اسی طرح بات کرے گا۔ اگر تم واقعی جاننا چاہتے ہو کہ یہ لوگ وہاں کیا کرتے ہیں تو میں موسیو دموژی راں اور موسیو واآلنو سے تفصیلات معلوم کر دوں گی۔ ہم ہر نوکر کی طرف سے بیس فرانک ادا کرتے ہیں تاکہ اگر کہیں پھر انقلاب برپا ہو تو یہ لوگ ہمارا گلا نہ کاٹ ڈالیں"۔

وقت کے پر لگ گئے تھے۔ اپنی محبوبہ کے حُسن کی یاد میں ژولیاں اپنی ننگ دنا ریک جاہ طلبی کو بھی بھول بیٹھا تھا۔ چونکہ وہ دونوں ایک دوسرے کی مخالف صفوں سے تعلق رکھتے تھے۔ اس لئے ژولیاں سنجیدہ اور معقول معاملات کا کوئی ذکر نہیں چھیڑتا تھا۔ گو اسے پتا نہ چلا ہو، مگر اس مجبوری نے اس کی خوشی دوبالا کر دی تھی۔ اس کے دل پر مادام دریناآل کا قبضہ ہوتا چلا جا رہا تھا۔ لیکن اس میں بھی اسے مزا ملتا تھا۔

بچے ایسے ذہین تھے کہ ان کی موجودگی میں ان دونوں کو جذبات چھوڑ کر عقل کی باتوں تک محدود رہنا پڑتا تھا۔ ایسے موقعوں پر ژولیاآں محبت کے مارے دمکتی ہوئی

آنکھوں سے مادام دریناّل کی طرف تکنے لگتا۔ وہ اسے بتاتی کہ دنیا کیا چیز ہے اور وہ بالکل بھولا بن کے بیٹھا اس کی باتیں سنتا رہتا۔ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا کہ سڑک بنوانے یا ٹھیکے وغیرہ کے معاملے میں کسی کی چالاکی اور بے ایمانی کا حال سنتے سنتے مادام دریناّل ایک دم سے بہکنے لگتی۔ ژولیاں کو اسے ڈانٹنا پڑتا، اور وہ ژولیاں پر ایسے پیار سے ہاتھ پھیرتی جیسے اپنے بچّوں پر پھیرتی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بعض دن اسے کچھ ایسا لگتا جیسے ژولیاں کو اپنے بچّے کی طرح چاہتی ہو۔ کیا اُسے ہر وقت ژولیاں کے بھولے بھالے سوالوں کا جواب نہیں دینا پڑتا تھا، اور سوال بھی ایسی ہزاروں چھوٹی چھوٹی چیزوں کے بارے میں جن سے اچھے گھرانے میں پندرہ سال کا لڑکا بھی ناواقف نہیں ہوتا؟ پھر لمحے بھر بعد ہی وہ اُسے کچھ ایسی فخر کی نظروں سے دیکھنے لگتی جیسے ژولیاں اس کا آقا ہو۔ مگر اس کی ذہانت سے وہ بہت ڈرتی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ یہ بات مجھ پر روز بروز واضح ہوتی جا رہی ہے کہ یہ نوجوان راہب ایک دن بڑا آدمی بنے گا۔ وہ اپنے تصوّر میں کبھی تو اُسے پوپ کے لباس میں دیکھتی، کبھی رشلو کی طرح وزیرِ اعظم کے لباس میں۔

"کیا میں اتنے دن زندہ رہوں گی کہ تمہیں اپنے پورے جاہ و جلال کے ساتھ دیکھ سکوں؟" وہ ژولیاں سے کہتی۔ "آج کل دُنیا کسی بڑے آدمی کی راہ دیکھ رہی ہے۔ حکومت اور کلیسا دونوں کو اسی کی ضرورت ہے۔ ذاتی رائے کا شوق لوگوں میں بہت بڑھ گیا ہے۔ اگر کوئی رشلو پیدا نہ ہوا اور اس طوفان کو نہ روک سکا تو سب ختم سمجھو۔"

اٹھارھواں باب

بادشاہ سلامت ویپیئر میں

کیا تم بس اب اس لائق رہ گئے ہو کہ لاش کی طرح اٹھا کے پھینک دیا جائے۔
جس میں نہ جان ہو نہ رگوں میں خون؟

(سبیں کلیمان کے گرجا میں اسقف کا وعظ)

تیسری تیمبر کو رات کے دس بجے ایک سپاہی بڑی سڑک پر گھوڑا دوڑاتا گزرا۔ اور سارے شہر کو جگا کے رکھ دیا۔ وہ یہ خبر لایا تھا کہ ــــــ کے بادشاہ اتوار کو تشریف لا رہے ہیں اور آج منگل تھا۔ ناظم نے اجازت یعنی حکم دیا کہ سلامی کا دستہ تیار کیا جائے اور بادشاہ کا خیر مقدم پوری شان و شوکت سے ہو۔ ایک ہرکارہ ورژی دوڑایا گیا۔ موسیو دریناں رات کے گئے پہنچا، اور سارے شہر کو ایک ہیجان میں مبتلا پایا۔ ہر آدمی کسی نہ کسی بات کا دعویدار تھا۔ جن لوگوں کے ذمے کوئی کام نہ تھا۔ وہ بادشاہ کو شہر میں داخل ہوتے ہوئے دیکھنے کے لئے بالاخانے کرائے پر لے رہے تھے۔

سلامی کے دستے کا کمانڈر کون ہو؟ موسیو دریناں فوراً بھانپ گیا کہ جن مکانوں کو پیچھے ہٹانا تھا انکے خیال سے موسیو دموآرو کو یہ عہدہ دینا بڑا ضروری تھا۔ نائب اول

کی جگہ کے لئے پھر تو اس کا حق مسلّم ہو جائے گا۔ موسیو دموآرو کی دینداری کے متعلق تو کچھ کہنے کی گنجائش نہیں تھی۔ وہ تو اپنی مثال آپ تھی، لیکن وہ عمر بھر کبھی گھوڑے پر سوار ہی نہیں ہوا تھا۔ یہ شخص چھتیس سال کا تھا، مگر ہر معاملے میں تھڑ دلا۔ اسے گھوڑے سے گر پڑنے کا بھی ڈر تھا، اور لوگوں کے لئے ایک تماشہ بن جانے کا بھی۔

مئیر نے صبح کے پانچ بجے اسے بُلوایا۔

"دیکھئے جناب، میں آپ سے اس طرح مشورہ طلب کر رہا ہوں جیسے آپ اس بلند درجے تک پہنچ چکے ہیں جہاں سارے معقول لوگ آپ کو دیکھنے کے متمنی ہیں۔ اس بدنصیب شہر میں صنعت کار مالدار ہوتے جا رہے ہیں، آزاد خیال جماعت لکھ پتی بنتی جا رہی ہے، اب اسے طاقت کی ہوس ہے، اور وہ ہر چیز کو ہتھیار کے طور پر استعمال کرنے کو تیاّر ہے۔ ہمیں بادشاہ سلامت، سلطنت اور سب سے زیادہ اپنے مقدّس دین کے مفادات کو نظر میں رکھنا چاہیئے۔ اچھا، یہ اب بتائیے کہ آپ کے خیال میں سلامی کے دستے کی کمان کس کے سپرد کرنی چاہیئے؟"

حالانکہ موسیو دموآرو کو گھوڑے کے نام ہی سے ڈر لگتا تھا، مگر آخر اس نے شہیدوں کی طرح یہ عزّت قبول کر لی۔ اس نے مئیر سے کہا ۔ "خیر، آپ دیکھئے گا میں کیسا جچتا ہوں۔" وردیوں کو درست کرنے کے لئے اب بہت کم وقت رہ گیا تھا۔ جو سات سال پہلے ایک شہزادے کی آمد پر استعمال ہوئی تھیں۔

سات بجے مادام درینال بھی ورتی سے ژدلیاں اور بچوّں سمیت آ گئی۔ اس نے دیکھا کہ دیوان خانے میں آزاد خیال لوگوں کی بیویاں بھری ہوئی ہیں۔ وہ سب جماعتوں کے اتحاد کی تلقین کرنے آئی تھیں، اور اس سے یہ التجا کر رہی تھیں کہ اپنے شوہر سے سفارش

کر کے ہمارے شوہروں کو سلامی کے دستے میں جگہ دلوا دیجئے۔ ایک عورت نے تو یہاں تک کہا کہ اگر میرا شوہر نہ لیا گیا تو وہ رنج کے مارے دیوالیہ ہو جائے گا۔ مادام دربنال نے فوراً سب کو دھتا بتائی۔ وہ بڑی مصروف معلوم ہو رہی تھی۔

ژولیاں کو تعجب ہوا بلکہ یہ بات بُری لگی کہ وہ اپنی اُلجھن کو مجھ سے چھپا رہی ہے۔ "میں پہلے ہی سمجھ گیا تھا" وہ بڑی تلخی سے دل میں کہنے لگا۔ "بادشاہ اس کے گھر آنے والا ہے۔ اس خوشی کے آگے اس کی محبت ماند پڑ گئی ہے۔ یہ دھوم دھڑکا دیکھ کر اس کی آنکھیں چکا چوند ہو گئی ہیں۔ جب رُتبے کا خیال اس کے دماغ کو پریشان کرنا چھوڑ دے گا تو وہ مجھے پھر سے چاہنے لگے گی۔"

تعجب کی بات یہ ہے کہ اب مادام دربنال سے اس کا پیار اور بڑھ گیا۔

گدے ٹھیک کرنے والوں نے مکان پر ہلّہ بول دیا۔ وہ بہت دیر اس انتظار میں رہا کہ اس سے بات کرنے کا موقع ملے مگر لاحاصل۔ آخر اس نے دیکھا کہ مادام دربنال میرا ایک کوٹ ہاتھ میں لیئے خود میرے کمرے سے نکلی چلی آ رہی تھی۔ اس وقت وہ دونوں اکیلے تھے۔ ژولیاں نے بات کرنی چاہی مگر وہ سنے بغیر کھسک گئی۔ "میں بھی کیسا بیوقوف ہوں کہ ایسی عورت کو دل دے بیٹھا۔ جاہ پرستی نے اسے بھی اتنا ہی احمق بنا دیا ہے جتنا اس کے شوہر کو۔"

مگر وہ دراصل اور بھی زیادہ احمق تھی۔ ژولیاں کے بُرا مان جانے کے ڈر سے اس نے کبھی یہ بات بتائی تو نہیں، مگر اس کی ایک بڑی تمنا یہ تھی کہ چاہے ایک ہی دن کے لیئے سہی، لیکن ژولیاں کو اس بے ہنگم کالے کوٹ کے بغیر دیکھے۔ اس نے بڑی ہوشیاری سے کام لیا جو ایسی سیدھی سادی عورت کے لیئے واقعی قابلِ تعریف بات

ہے، اور پہلے تو موسیو دمو آرو، اور پھر نائب ناظم موسیو دموڑی روں سے یہ چیز منوالی کہ ژو لیاں کو پانچ چھ دوسرے نوجوانوں پر ترجیح دے کے سلامی کے دستے میں لے لیا جائے۔ حالانکہ وہ خوش حال صنعت کاروں کے بیٹے تھے اور کم سے کم دو تو بڑے دیندار تھے۔ موسیو والنو یہ آس لگائے بیٹھا تھا کہ میں اپنی گاڑی شہر کی سب سے خوبصورت عورتوں کو دوں گا تاکہ میرے نفیس نارمن گھوڑوں کی تعریف ہو۔ پھر اسے ژو لیاں سے انتہائی نفرت تھی۔ لیکن آخر وہ بھی اپنا ایک گھوڑا اُسے دینے کو راضی ہو گیا۔ لیکن سلامی کے دستے والوں کے پاس آسمانی رنگ کے کوٹ تھے جن کے کندھوں پر کرنلوں والا چاندی کا نشان لگا ہوا اور جن کی چمک دمک لوگ سات سال پہلے دیکھ چکے تھے۔ جن کے پاس اپنا کوٹ نہیں تھا انہوں نے کسی سے مانگ لیا تھا۔ مادام ورینال چاہتی تھی کہ کوٹ نیا ہو، اور لباس سوں سے وردی، ہتھیار، ٹوپی اور دوسرے لوازمات منگوانے کے لئے اس کے پاس صرف چار دن تھے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ اس کے خیال میں ژو لیاں کا کوٹ ویریئر میں سلوانا دور اندیشی سے بعید تھا۔ وہ ذرا اسے چونکانا چاہتی تھی —— اسے بھی اور شہر والوں کو بھی۔

سلامی کے دستے کا انتظام اور عوام کے اندر جوش پیدا کرنے کا کام ختم ہوا تو پھر میئر کو ایک عظیم مذہبی رسم کی فکر پڑی۔ بادشاہ نے کہا تھا کہ میں سیں کلیماں کے تبرکات دیکھے بغیر نہیں جاؤں گا جو شہر سے تھوڑی دور برے لاؤ میں محفوظ ہیں۔ چنانچہ لازمی تھا کہ اس موقع پر بہت سے پادری موجود ہوں۔ نئے پادری موسیو ماس لوں نے طے کر لیا تھا کہ چاہے کچھ ہو جائے، مگر موسیو شیلاں کو پاس نہیں پھٹکنے دوں گا۔ موسیو درینال نے بہتیرا سمجھایا کہ یہ بڑی غلط بات ہو گی، مگر اس نے ایک نہ سُنی۔ بادشاہ کی ہمراہی کے لئے

مارکوئس دلامول کا انتخاب ہوا تھا جس کے آبا و اجداد مدتوں اس صوبے کے گورنر رہے تھے۔ وہ پادری شیلاں کو تیس سال سے جانتا تھا۔ وہ دیر تیر پہنچ کے یقیناً اسے پوچھے گا اور جب اسے پتا چلے گا کہ بچارے شیلاں کی کیا مٹی پلید ہوئی ہے۔ تو وہ آدمی ہی اس قسم کا ہے کہ جلوس میں جتنے لوگ اس کے زیرِ حکم ہوں گے۔ انہیں ساتھ لے کے پادری کی تلاش میں فوراً اس چھوٹے سے مکان میں جا پہنچے گا جہاں شیلاں آج کل عزلت گزیں ہے پھر کیسی کرکری ہوگی!

ماس لوں نے جواب دیا۔ "اگر وہ میرے ہمراہیوں میں شامل ہوا تو یہاں اور بساں سوں دونوں جگہ میری تذلیل ہوگی۔ بھلا ژاں سینسنت فرقے کا آدمی اور میرے ساتھ ہو!"

موسیو درینال نے جواب دیا۔ "پادری صاحب، آپ جو چاہیں کہیں، لیکن میں موسیو دلامول کے ہاتھوں اپنے ادارے کی تذلیل نہیں ہونے دوں گا۔ آپ اس شخص کو نہیں جانتے۔ دربار میں تو وہ بڑا دین دار بنتا ہے۔ لیکن یہاں دیہات میں آ کر ہنسوڑا اور کھلی باز بن جاتا ہے اور لوگوں کو پریشان کرنے سے زیادہ مزا اسے کسی بات میں نہیں آتا۔ وہ ایسا آدمی ہے کہ محض اپنی دل لگی کی خاطر آزاد خیال جماعت کے لوگوں کو ہم پر ہنسوا سکتا ہے۔"

تین دن کی بحث و تمحیص کے بعد آخر سنیچر اور اتوار کی درمیانی رات کو پادری ماس لوں کا پندار مئیر کے خوف کے سامنے جھک گیا، کیونکہ یہ خوف اب جرأت میں تبدیل ہو چکا تھا۔ چنانچہ ایک خط بڑی میٹھی زبان میں پادری شیلاں کے نام لکھا گیا اور اس سے استدعا کی گئی کہ اگر آپ کی عمر اور آپ کی ناسازیٔ مزاج آپ کو اجازت دے تو برے لا او

کی اس مقدس رسم میں شرکت فرمایئے۔ موسیو شیلاں نے ژولیاں کے لئے بھی ایک دعوت نامہ مانگا تاکہ وہ اس کے نائب کی حیثیت سے ہمراہ جا سکے اور یہ بات بھی منظور ہو گئی۔

اتوار کے دن صبح سویرے ہزاروں کسان قریب کے پہاڑوں سے اتر آئے اور شہر کی سڑکوں پر ٹھٹ کے ٹھٹ لگ گئے۔ آج بڑی اچھی دھوپ تھی۔ آخر تین بجے کے قریب، سارے ہجوم میں ایک ہلچل سی مچ گئی۔ لوگوں نے شہر سے سات آٹھ میل دور ایک چٹان پر آگ روشن ہوتے دیکھ لی تھی۔ یہ اس بات کی نشانی تھی کہ بادشاہ اس علاقے کی سرحد میں داخل ہو گیا۔ شہر کے سارے گھنٹے ایک دم سے بجنے لگے اور ایک پرانی اسپینی توپ بار بار دغنے لگی اور اس طرح شہر نے اس عظیم موقعے پر اپنی خوشی کا اعلان کیا۔ آدھی خلقت چھتوں پر چڑھ گئی تھی۔ عورتیں چھجوں پر ٹنگی ہوئی تھیں۔ سلامی کے دستے میں بھی جنبش پیدا ہوئی۔ چمکتی ہوئی وردیوں کو لوگ تعریف کی نظروں سے دیکھنے لگے۔ ہر تماشائی دستے میں اپنے کسی رشتے دار یا دوست کو پہچان رہا تھا۔ موسیو دمواروکی گھبراہٹ پر خوب قہقہہ پڑا۔ اس نے بڑی احتیاط سے اپنا ہاتھ الگ کر رکھا تھا کہ اگر کہیں گرنے لگے تو فوراً زین پکڑ لے۔ لیکن ایک بات دیکھ کر لوگ سب کچھ بھول گئے۔ دستے کے نویں ٹکڑے میں بائیں طرف چھریرے بدن کا ایک خوبصورت نوجوان تھا جسے پہلے تو کوئی شناخت ہی نہ کر سکا۔ پھر کچھ لوگ تو غصے کے مارے فوراً چیخ پڑے اور کچھ لوگ حیرت کی وجہ سے گم صم رہ گئے۔ غرض دونوں باتوں سے پتا چلا کہ لوگوں میں سنسنی پھیل گئی ہے۔ تماشائیوں نے پہچانا کہ یہ نوجوان جو موسیو وال نو کے گھوڑے پر سوار ہے۔ بڑھئی کا بیٹا سوریل ہے۔ لوگ ہم آواز ہو کر

مئیر کے خلاف چلّا اٹھے۔ خاص طور سے آزاد خیال جماعت والے۔ محض اتنی سی بات پر کہ یہ مزدور کا بیٹا پادریوں کے سے کپڑے پہنتا ہے اور اس کے بچوں کا اتالیق ہے، اس نے یہ جسارت کی کہ اسے نوسلامی کے دستے میں لے لیا اور ایسے ایسے مالدار صنعت کاروں کو چھوڑ دیا۔ ایک ساہوکار کی بیوی بولی ــ "لوگوں کو چاہیئے کہ اس موری کے کیڑے کو یہیں سب کے سامنے ذلیل کریں"۔

اس کے برابر والے آدمی نے جواب دیا ــ "اس کا غصّہ بڑا خراب ہے، پھر اس کے پاس تلوار بھی ہے۔ اس ناہنجار کا کیا ٹھکانا، ممکن ہے سٹرا سٹر تلوار چلانی شروع کر دے"۔

رئیسوں کے طبقے میں جو تبصرہ ہوا وہ زیادہ خطرناک تھا۔ عورتوں نے دل میں پوچھا کہ اس بدتمیزی کا ذمہ دار محض مئیر ہے یا کوئی اور بھی۔ یہ بات فی الجملہ سبھی نے بڑی دیانتداری سے تسلیم کی کہ مئیر تو نیچ لوگوں کو حقارت کی نظروں سے دیکھتا ہے۔

اِدھر تو ژولیاں پر یوں رائے زنی ہو رہی تھی، اُدھر وہ خوشی کے مارے پھولا نہیں سمار ہا تھا۔ طبیعت کا دلیر تو وہ تھا ہی، گھوڑے پر ایسے جم کے بیٹھا تھا کہ اس پہاڑی شہر کے بہت ہی کم نوجوان اس کا مقابلہ کر سکتے تھے۔ وہ عورتوں کی نظروں ہی سے بھانپ گیا کہ میری باتیں ہو رہی ہیں۔

اس کے کندھوں کے نشان اوروں سے زیادہ چمک رہے تھے۔ کیونکہ بالکل نئے تھے۔ اس کا گھوڑا بار بار ایسے بگڑتا جیسے ابھی الف ہو جائے گا۔ ژولیاں کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا تھا۔

پھر ایک ایسی بات ہوئی جس سے ژولیاں نہالوں نہال ہو گیا۔ جب یہ لوگ پہنچے

کی پُرانی دیوار کے پاس سے گزر رہے تھے تو گھوڑا توپ کی آواز سے بھڑک کر صف
کے باہر نکل گیا۔ یہ بالکل اتفاق تھا کہ تزولیاں گرا نہیں۔ اس وقت سے اس نے اپنے
آپ کو بڑا جانباز دلاور سمجھنا شروع کر دیا۔ گویا وہ نپولین کی فوج کا افسر تھا اور دشمن پر دھاوا
بول رہا تھا۔

ایک اور ہستی اس سے بھی زیادہ خوش تھی۔ پہلے تو مادام دریتال نے ٹاؤن ہال
کی کھڑکی سے اسے گزرتے دیکھا۔ پھر گاڑی میں بیٹھ کر چل دی اور لمبا سا پھیر کھا کے ٹھیک
اس وقت پہنچی جب تزولیاں کا گھوڑا اُسے صف سے باہر نکال لے گیا تھا اور وہ اسے
خطرے میں دیکھ کر لرز اٹھی۔ آخر اس کی گاڑی دوڑتی ہوئی شہر کے ایک پھاٹک میں سے
نکلی اور پھر اس سڑک پر جا پہنچی۔ جہاں سے بادشاہ گزرنے والا تھا اور سلامی کے دستے
سے بیس قدم کے فاصلے پر خاک دھول کے زبردست بادل میں گھری ہوئی پیچھے پیچھے چلنے
لگی۔ جب میئر نے بادشاہ سلامت کی خدمت میں کچھ عرض کرنا شروع کیا تو دس ہزار
کسانوں نے "زندہ باد" کے نعرے لگائے۔ گھنٹہ بھر بعد جب بادشاہ ساری تقریریں سن
چکنے کے بعد شہر میں داخل ہونے لگا تو توپ پھر دھائیں دھائیں داغنے لگی۔ اتنے میں
ایک حادثہ ہو گیا ـــــ توپچیوں کے ساتھ نہیں جنہوں نے اپنا ہنر لائپ زگ اور
موں میرائی میں سیکھا تھا۔ بلکہ ہونے والے نائبِ اوّل مسیو دموآرو کے ساتھ۔ ساری
سڑک پر بس ایک ہی گڑھا تھا جس میں پانی بھرا رہتا تھا۔ گھوڑے نے اسے وہاں لا کے
غڑاپ سے گرا دیا۔ اس سے خاصا ہنگامہ برپا ہوا۔ کیونکہ بادشاہ کی گاڑی کو راستہ
دینے کے لئے اسے کھینچ کے وہاں سے ہٹانا پڑا۔

بادشاہ سلامت نئے اور خوبصورت گرجا کے سامنے جا کے اترے جسے اس موقع پہ

قرمزی رنگ کے پردوں سے سجایا گیا تھا۔ بادشاہ کو کھانے کے لئے یہاں رُکنا پڑتا تھا۔
اور اس کے بعد فوراً ہی سین کلیماں کے تبرکات کی زیارت کے لئے جانا تھا۔ بادشاہ کے
گرجا میں داخل ہونے ہی ژروبیاں گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا موسیو دربنال کے یہاں پہنچا۔
وہاں اس نے ٹھنڈا سانس بھر کے وہ نفیس آسمانی کوٹ، تلوار، کندھے کا نشان وغیرہ
اتارا، اور پھر اپنا پھٹا پرانا سیاہ کوٹ پہن لیا۔ وہ دوبارہ گھوڑے پر سوار ہوا اور
چند منٹ میں برے لا آد جا پہنچا جو ایک بڑی بارعب پہاڑی کی چوٹی پر واقع ہے
وہ دل میں کہنے لگا ـــ "جوش کے مارے کسان ٹوٹے پڑ رہے ہیں۔ شہر میں تو وہ ہجوم
ہے کہ راستہ نہیں ملتا اور اس پرانے گرجا کے چاروں طرف بھی دس ہزار سے زیادہ
آدمی ہوں گے" انقلاب کی بربریت میں یہ گرجا تقریباً برباد ہو گیا تھا۔ لیکن بادشاہت
قائم ہونے کے بعد اس کی مرمت بڑے شاندار طریقے سے ہوئی تھی اور اب تو یہاں کے
معجزوں کا بھی ذکر ہونے لگا تھا۔ ژروبیاں پادری شیلاں کے پاس پہنچا تو اس نے بڑا
ڈانٹا اور اسے عبا وغیرہ دی۔ ژروبیاں نے جلدی جلدی یہ لباس پہنا اور شیلاں کے
پیچھے چل کھڑا ہوا جو آگد کے نوجوان اُسقف کی تلاش میں جا رہا تھا۔ بشپ موسیو دلاموٗل
کا بھتیجا تھا اور حال ہی میں اس کا تقرر ہوا تھا اور اس وقت وہ اس خدمت پر مامور تھا کہ
بادشاہ کو تبرکات دکھائے۔ لیکن اس کا کہیں پتا ہی نہ تھا۔

سارے پادری بے چین ہو رہے تھے۔ وہ اس قدیم گرجا کے تاریک معبد میں
کھڑے اپنے حاکم کا انتظار کر رہے تھے۔ ۱۷۸۹ء سے پہلے کلیسا نے برے لا آد کے
صوبے کو چوبیس علاقوں میں بانٹ رکھا تھا۔ چنانچہ انہی اصلی چوبیس علاقوں کی نمائندگی
کے لئے اس وقت چوبیس پادری بُلائے گئے تھے۔ پہلے تو پون گھنٹے تک پادری

لوگ اسقف کی نوعمری کو روتے رہے۔ پھر بیطے پایا کہ اپنے سردار کو اس کے پاس بھیجنا بہتر ہوگا، وہ جاکے اس سے کہے کہ بادشاہ سلامت چل پڑے ہیں اور اب ہمیں اپنی جگہ کھڑے ہو جانا چاہئے۔ موسیو شیلاآں کی بزرگی کے پیشِ نظر اسی کو سردار بنا دیا گیا تھا۔ حالانکہ وہ ژدلیاآں پر بگڑ چکا تھا مگر اس نے اشارہ کیا کہ میرے ساتھ آؤ۔ ژدلیاآں راہبانہ اس میں نیچ رہا تھا۔ نہ معلوم اس نے کیا پُراسرار دوا استعمال کی تھی کہ اپنے نفیس گھنگریالے بالوں کو بالکل سپاٹ بنا لیا تھا لیکن یہ فروگذاشت دیکھ کر موسیو شیلاآں کا غصہ اور بھڑک اٹھا کہ اس کی عبا کی لمبی لمبی تہوں کے نیچے سلامی کے دستے والی جھبریں نظر آرہی تھیں۔

جب وہ اسقف کے مکان پر پہنچے تو مغرق وردیاں پہنے ہوئے دراز قد خادموں نے بڈھے پادری کو بہ مشکل یہ بتانے کی تکلیف گوارا کی کہ اس وقت اسقف سے نہیں ملا جا سکتا جب اس نے یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ میں بسے آآ د کے پادریوں کا سردار ہوں اور اس حیثیت سے عارضی اسقف کی خدمت میں ہر وقت حاضر ہونے کا اختیار رکھتا ہوں تو خادم اس کا مذاق اڑانے لگے۔

خادموں کی گستاخی سے ژدلیاآں کے پندار کو ٹھیس لگی۔ اس پرانے گرجا میں سونے کے جتنے کمرے تھے۔ وہ سب کا جائزہ لینے چل دیا، اور جو دروازہ سامنے آیا اُسے ہلا کے دیکھا۔ ایک چھوٹا سا دروازہ اس کے دھکا دینے سے کھل گیا، اور اس نے اپنے آپ کو ایک کوٹھری میں اسقف کے ذاتی ملازموں کے درمیان پایا جو سیاہ لباس میں تھے اور گردن میں زنجیریں پڑی تھیں۔ انہوں نے جو اسے یوں جلدی میں دیکھا تو سمجھے کہ خود اسقف نے اسے بلایا ہے اور اسے گزر جانے دیا۔

تھوڑی دور چل کے وہ گوتھک طرز کے ایک بہت بڑے کمرے میں پہنچا۔ جہاں بہت اندھیرا تھا اور چاروں طرف دیواروں پر شاہ بلوط کی سیاہ لکڑی لگی ہوئی تھی۔ ایک کے سوا باقی سب نوکدار کھڑکیاں اینٹوں سے بند کر دی گئی تھیں۔ چنائی کی کھردری سطح کو ڈھکنے کا کوئی انتظام نہیں ہوا تھا۔ اس لئے لکڑی کے کام کی قدامت اور شان کے مقابلے میں یہ حصہ بہت برا لگتا تھا۔ برگنڈی کے ماہرین عتیقیات میں اس کمرے کی بڑی شہرت تھی۔ اسے ۱۴۷۰ء کے قریب دلیر شارل نے کسی گاہ کے کنارے میں بنوایا تھا اور اس کے دونوں طرف لکڑی کی الماریاں لگی تھیں جن پر سینٹ ہیوگ کے روپلے سے متعلق تصویریں نقش تھیں۔

حالانکہ خالی اینٹیں اور سفید پلستر بیچ میں آ آ کر منظر کو خراب کر رہا تھا۔ پھر بھی کمرے میں ایک افسردہ افسردہ سا جلال تھا۔ تژولیاں بے حد متاثر ہوا اور گم صم کھڑا رہ گیا۔ کمرے میں صرف ایک ہی کھڑکی تھی جس سے روشنی آ رہی تھی اور وہ بھی آخری سرے پر۔ کھڑکی کے قریب جہاں گنی کے چوکھٹے میں ایک آئینہ رکھا تھا، ایک نوجوان [illegible] کالر کا فوجی لباس پہنے آئینے سے تین قدم کے فاصلے پر کھڑا تھا۔ یہ آئینہ ایسی جگہ بڑا ناموزوں معلوم ہوتا تھا اور یقیناً شہر سے یہاں لایا گیا تھا۔ تژولیاں کو خیال ہوا کہ نوجوان کچھ چڑا ہوا سا معلوم ہوتا ہے۔ وہ بڑی سنجیدگی کے ساتھ آئینے کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا دے رہا تھا

"اس کا کیا مطلب ہے؟" تژولیاں نے دل میں کہا۔ "کیا یہ نوجوان پادری کوئی ابتدائی رسم ادا کر رہا ہے؟ شاید اسقف کا سکرٹری ہے۔۔۔ یہ بھی خادموں کی طرح بدتمیزی سے پیش آئے گا۔۔۔ لیکن اس سے کیا ہوتا ہے، لاؤ اسے بھی دیکھیں"

اس نے آہستہ آہستہ چل کے پورا کمرہ طے کیا، مگر آنکھیں اسی اکیلی کھڑکی اور اس نوجوان کی طرف لگائے رکھیں۔ نوجوان ذرا بھی نہ رکتا تھا۔ بس آہستہ آہستہ مگر بار بار دعائیں دیئے چلا جا رہا تھا۔

ژولیاں اور قریب آیا تو نوجوان کے چہرے پر بدمزگی کے آثار اور صاف نظر آنے لگے۔ اس کا بیل دار کالر اتنا قیمتی تھا کہ اسے دیکھ کر ژولیاں شاندار آئینے سے کچھ دور ہی رُک گیا۔

"اس سے بات کرنا میرا فرض ہے۔" آخر ژولیاں نے اپنے آپ کو یاد دلایا مگر کمرے کی خوبصورتی کا اس کے دل پر بڑا اثر ہوا تھا اور یہ سوچ سوچ کر اس کی جان نکلی جا رہی تھی کہ اب مجھے سخت سست سننا پڑے گا۔

نوجوان نے آئینے میں اس کا عکس دیکھ لیا اور فوراً اس کی طرف مڑا۔ وہ بدمزگی کا انداز یکایک اس کے چہرے سے غائب ہو گیا اور اس نے انتہائی خوشگوار لہجے میں ژولیاں سے کہا ـــ

"کیوں، جناب، تیار ہو گیا؟"

ژولیاں دم بخود رہ گیا۔ جب یہ نوجوان اس کی طرف مڑا تو ژولیاں کو تمغے والی صلیب نظر آئی۔ تو یہی شخص اسقف تھا۔ ژولیاں نے سوچا ــ "اتنا کم عمر ہے! مجھ سے بہت سے بہت چھ یا آٹھ سال بڑا ہوگا!"

اور اسے اپنی ہمیزوں پر شرم آنے لگی۔

"حضور!" اس نے جھینپتے ہوئے جواب دیا، "مجھے اس علاقے کے پادریوں کے سردار موسیو شیلاں نے بھیجا ہے۔"

"ہاں، میں نے اُن کی بڑی تعریف سُنی ہے۔" اسقف نے ایسے اخلاق سے جواب دیا کہ ژولیاں اور بھی مسحور ہو کے رہ گیا۔ "لیکن معاف کیجیے گا، جناب۔ مجھے غلط فہمی ہوئی۔ میں سمجھا کہ آپ میری ٹوپی واپس لائے ہیں۔ پیرس سے چلتے ہوئے نوکروں نے اسے سامان میں اس بُری طرح بند کیا کہ اوپر سے چاندی کے تار بالکل ہی گھِس گئے۔ میں اسے پہنتے ہوئے بہت ہی شرماؤں گا۔" اور نوجوان پادری کا چہرہ کچھ افسردہ ہو گیا۔ "اور یہ لوگ مجھے خواہ مخواہ انتظار کرا رہے ہیں۔"

"حضور، اگر آپ اجازت دیں تو میں ابھی جا کے لیے آتا ہوں۔"

ژولیاں کی حسین آنکھوں کا وار بھرپور پڑا۔

"ہاں جائیے۔" اُسقف نے بڑے دلفریب انداز میں جواب دیا۔ "مجھے ٹوپی فوراً چاہیے۔ مجھے بڑا افسوس ہے کہ پادری صاحبان کو انتظار کرنا پڑ رہا ہے۔"

ژولیاں کمرے میں آدھی دور ہی گیا تھا کہ وہ اسقف کی طرف دیکھنے کے لیے مڑا۔ اسقف پھر اسی طرح دعائیں دینے میں لگ گیا تھا۔ ژولیاں نے دل میں کہا۔ "یہ کیا ہو رہا ہے؟ وہ جو رسم تھوڑی دیر میں ادا ہونے والی ہے۔ غالباً اس کے لیے یہ تیاری لازمی ہے۔" جب وہ اس کوٹھڑی میں پہنچا جہاں ملازم انتظار میں کھڑے تھے تو ٹوپی ان کے ہاتھ میں دیکھی۔ ژولیاں نے اُن کی طرف ایسے حاکمانہ انداز میں دیکھا کہ انہیں ٹوپی اس کے حوالے ہی کرتے بنی۔

اسے بڑا فخر تھا کہ میں ٹوپی لے کے جا رہا ہوں۔ جب وہ کمرے میں پہنچا تو آہستہ آہستہ چلنے لگا اور ٹوپی بڑے احترام سے تھام لی۔ اس نے اُسقف کو آئینے کے سامنے بیٹھا پایا۔ حالانکہ وہ تھک چکا تھا، مگر اب بھی تھوڑی دیر بعد اس کا چہرہ

ہاتھ دُعا دینے کے لیے اٹھ رہا تھا۔ زُولیاں نے اسے ٹوپی اوڑھائی تو اس نے خوش ہو کے سر ہلایا۔

"ہاں، اب جچی رہے گی۔" اس نے مطمئن ہو کر زُولیاں سے کہا: "ذرا آپ ایک طرف کو ہو جائیں گے۔"

اُسقف تیز تیز قدم اٹھاتا کمرے کے بیچ میں پہنچا، پھر آہستہ آہستہ آئینے کے پاس واپس آیا۔ اس کے چہرے پر پھر بدمزگی کے آثار پیدا ہو گئے، اور وہ بڑا گمبھیر بن کے پھر دُعائیں دینے میں لگ گیا۔

زُولیاں حیرت کے مارے دم بخود رہ گیا۔ اس کا جی چاہا کہ معلوم کرے اس کا کیا مطلب ہے، مگر ہمت نہ پڑی۔ اسقف رُک گیا، اور اس کی طرف اس انداز سے دیکھا جس میں گمبھیرپن کا نام تک نہ تھا۔

"کہیے، جناب، میری ٹوپی کیسی ہے۔ ٹھیک لگ رہی ہے نا؟"

"بالکل ٹھیک ہے حضور۔"

"زیادہ پیچھے کو تو نہیں ہے؟ پھر تو احمق سا لگوں گا۔ مگر یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ فوجی افسروں کی طرح ٹوپی آنکھوں کے اوپر کھینچ لوں۔"

"مجھے تو بالکل ٹھیک معلوم ہوتی ہے۔"

"بات یہ ہے کہ بادشاہ سلامت بزرگ صورت پادریوں کو دیکھنے کے عادی ہیں جن کے چہرے سے تقدس ٹپکتا ہے۔ میری عمر بہت کم ہے۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ چھلا سا لگوں۔"

اور اُسقف پھر کمرے میں ٹہل ٹہل کے ہوا میں دُعائیں بکھیرنے لگا۔

ژولیاں نے آخر بات سمجھنے کی ہمت کر ہی ڈالی "اب پتا چل گیا۔ یہ دعا دینے کی مشق کر رہا ہے۔"

دو چار لمحے کے بعد اسقف کہنے لگا "اب میں تیار ہوں۔ جائیے، پادری صاحبان کو اطلاع کر دیجئے۔"

اتنے میں موسیو شیلاں دو عمر پادریوں کے ساتھ ایک بہت بڑے دروازے سے اندر داخل ہوا جس پر بڑے خوبصورت نقش و نگار بنے ہوئے تھے اور جسے ژولیاں نے ابھی تک دیکھا ہی نہ تھا۔ لیکن اس دفعہ ژولیاں اپنی جگہ یعنی سب سے آخر میں ہی کھڑا رہا۔ پادری دروازے کے قریب جمع ہو گئے تھے اور اسے اسقف کا چہرہ بس پادریوں کے کندھوں پر سے نظر آ رہا تھا۔

اسقف نے آہستہ آہستہ چل کر کمرہ طے کیا۔ جب وہ دہلیز کے پاس پہنچا تو پادریوں نے صف بنا لی۔ تھوڑی سی گڑبڑ کے بعد جلوس ایک حمد گاتا ہوا چل پڑا۔ اسقف سب سے آخر میں موسیو شیلاں اور ایک بہت بڈھے پادری کے درمیان چل رہا تھا۔ چونکہ ژولیاں، پادری شیلاں کا نائب تھا۔ اس لئے وہ کسی نہ کسی طرح اسقف کے خاصے قریب پہنچ ہی گیا۔ جلوس گرجا کے لمبے لمبے دالانوں میں سے گزرنے لگا۔ حالانکہ خوب دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ مگر دالان تاریک اور سیلے ہوئے تھے۔ آخر وہ معبد کے دروازے پر پہنچ گئے۔ یہ نفیس رسم ژولیاں کو اتنی پسند آئی کہ اس پر سکتے کا سا عالم طاری ہو گیا۔ کبھی تو اسقف کی نوعمری دیکھ کر اس کے دل میں حوصلے پیدا ہونے لگتے، کبھی وہ اس کی شائستگی اور نازک مزاجی کی تعریف کرنے لگتا۔ اس کی خوش اخلاقی موسیو درینال کی خوش اخلاقی سے بالکل مختلف تھی۔ موسیو درینال کبھی نیک گھڑی میں

ہوتا تب بھی یہ بات پیدا نہ ہوئی تھی۔ ژولیاں دل میں کہنے لگا: "آدمی کا رتبہ جتنا بلند ہو
اتنا ہی تمیز سلیقہ بڑھ جاتا ہے۔"

وہ ایک بغلی دروازے سے گرجا میں داخل ہوئے۔ اتنے میں گرجا کے قدیم
تہہ خانے ایک دھڑاکے سے گونج اٹھے۔ ژولیاں سمجھا کہ دیواریں بیٹھ گئیں۔ یہ وہی
چھوٹی سی توپ تھی، آٹھ گھوڑے سرپٹ دوڑتے ہوئے اسے کھینچ کے لانے تھے اور ابھی
ابھی آ کے رکے تھے۔ لاٹ پادری کے توپچیوں نے آتے ہی توپ داغنی شروع کر دی
تھی، اور اب ہر منٹ میں پانچ فیر ہو رہے تھے جیسے جرمن مقابلے پہ آ گئے ہوں۔

لیکن اب اس دھائیں دھائیں کا ژولیاں کے دل پہ کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ آج
نپولین اور دوسرا سپاہیانہ درجے کے خواب ہی نہیں دیکھ رہا تھا۔ اس کا تو خیال ہی کہیں
اور تھا۔ اتنا کم عمر اور آگد کا اسقف! لیکن یہ آگد ہے کہاں؟ اور اس میں آمدنی سے
پڑتا کیا ہوگا؟ شاید دو تین لاکھ فرانک۔

اسقف کے خادموں نے ایک شاندار شامیانہ لا کے رکھا۔ موسیو تیلاں نے
ایک پایہ پکڑ لیا، لیکن در اصل بوجھ ژولیاں کے اوپر تھا۔ اسقف اس شامیانے کے نیچے
بیٹھ گیا۔ اب اس نے واقعی بزرگوں کی سی شکل بنا لی تھی۔ ہمارے ہیرو کے دل میں
تعریف و تحسین کا جذبہ لہریں لینے لگا۔ اس نے سوچا: "آدمی ہوشیار ہو
تو کیا نہیں کر سکتا؟"

بادشاہ سلامت اندر داخل ہوئے۔ ژولیاں کو یہ خوش نصیبی حاصل ہوئی کہ
انہیں قریب سے دیکھ سکے۔ اسقف نے بڑی تر زبانی سے بادشاہ سے خطاب
کیا، اور ساتھ ہی اس کا بھی خیال رکھا کہ لہجے سے تھوڑی سی گھبراہٹ بھی ظاہر ہو۔ اس سے

بادشاہ سلامت بہت خوش ہوئے۔ اس رسم کا پورا حال بیان کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ پندرہ دن تک علاقے کے اخباروں میں یہی ذکر اذکار رہا۔ اسقف کی تقریر سے ژولیاں کو پتا چلا کہ بادشاہ دلیر شارل کی اولاد میں سے ہے بعد میں ژولیاں کو یہ فرض بھی انجام دینا پڑا کہ اس سلسلے میں جو کچھ خرچ ہوا تھا اس کے حساب کی جانچ پڑتال کرے۔ موسیو دلاموّل نے اپنے بھتیجے کو اسقف کی جگہ دلوائی تھی۔ اب اس نے یہ ایک اور نوازش کی کہ سارا خرچ بھی خود ہی برداشت کیا۔ صرف اس رسم کے سلسلے میں تین ہزار آٹھ سو فرانک اٹھے۔

اسقف کی تقریر اور بادشاہ کے جواب کے بعد، بادشاہ سلامت شامیانے کے نیچے بیٹھ گئے۔ پھر وہ قربان گاہ کے قریب بڑی عقیدت کے ساتھ ایک گدے پر گھٹنے رکھ کر کھڑے ہوئے۔ حمد گانے والوں کے چار طرف نشستیں تھیں اور یہ نشستیں فرش سے دو سیڑھی اوپر تھیں۔ ژولیاں دوسری سیڑھی پر موسیو شیلاں کے قدموں کے پاس بیٹھا تھا جیسے روم کے بڑے گرجا میں خادم پوپ کے قدموں میں بیٹھتے ہیں۔ حمدیں گائی جا رہی تھیں۔ بخورات کے بادل ہر طرف چھائے ہوئے تھے، توپ اور بندوقیں برابر داغ رہی تھیں۔ کسان خوشی اور عقیدت کے مارے پاگل ہو گئے تھے۔ آزاد خیال اخبار سو شماروں میں جو کام کرتے ہیں وہ اس قسم کے ایک دن میں ملیامیٹ ہو کے رہ جاتا ہے۔

ژولیاں بادشاہ سے چھ قدم کے فاصلے پر تھا جو بڑے خضوع و خشوع سے دعا مانگ رہا تھا۔ اُسے پہلی مرتبہ ایک پستہ قد اور ذہین صورت آدمی نظر آیا جس کا لباس، ستارے سے تقریباً خالی تھا۔ لیکن اس نے اپنے سیدھے سادے کوٹ کے

اوپر ایک آسمانی رنگ کا فیتہ لگا رکھا تھا۔ وہ بہت سے ایسے لوگوں کی بہ نسبت بادشاہ سے کہیں زیادہ نزدیک تھا جن کا لباس سونے کے کام سے اس طرح لپا ہوا تھا کہ بقول ژرولیاں نیچے سے کپڑا نظر ہی نہ آتا تھا۔ ایک منٹ بعد اسے پتا چلا کہ یہ مرسیو ذلاموں ہے۔ وہ ژرولیاں کو کچھ اکڑباز بلکہ بدمزاج سا معلوم ہوا۔

"یہ مارکوتسں میرے پیارے اسقف کی طرح خوش اخلاق نہیں ہوگا" وہ دل میں بولا۔ "پادری کا پیشہ ہی ایسا ہے کہ آدمی کو نرم اور سمجھ دار بنا دیتا ہے۔ لیکن بادشاہ تو تبرکات دیکھنے آیا ہے اور تبرکات کہیں نظر نہیں آتے یہ سب کہاں گدھر ہے؟"

اس کے پاس ایک پستہ قد پادری کھڑا تھا جس نے بتایا کہ مقدس تبرکات اوپر کی منزل میں "معبدِ آتشیں" میں رکھے ہیں۔

"یہ معبدِ آتشیں کیا بلا ہے؟" اس نے دل میں سوچا

لیکن اس نے ان الفاظ کی تشریح نہیں چاہی۔ اب وہ ساری کارروائی کو اور بھی غور سے دیکھنے لگا۔

یہی بادشاہ کی آمد کے موقعے پر طریقہ یہ ہے کہ چھوٹے پادری اسقف لے ہمراہ نہ جائیں۔ لیکن معبدِ آتشیں کی طرف جلتے ہوئے اسقف نے شیلاں کو بلا لیا اور ژرولیاں بھی ہمت کر کے ساتھ ہو لیا۔

ایک لمبا سا زینہ طے کر کے یہ لوگ ایک چھوٹے سے دروازے پر پہنچے جس پر بڑا نفیس سونے کا ملمع تھا۔ یہ ملمع ایسا لگتا تھا جیسے ابھی ابھی کام ختم ہوا ہو۔

دروازے کے باہر شہر کے انتہائی ممتاز خاندانوں کی لڑکیاں گھٹنوں کے بل جھکی

ہوئی تھیں۔ دروازہ کھلنے سے پہلے اسقف ان لڑکیوں کے درمیان جو سب کی سب خوبصورت تھیں گھٹنے ٹیک کر کھڑا ہو گیا۔ جب وہ با آواز بلند دعا پڑھ رہا تھا۔ تو یہ معلوم ہو رہا تھا کہ لڑکیاں اس کے زرکار لباس، اس کی دل کشی، اس کے جوان اور حسین چہرے پر فریفتہ ہو کے رہ گئی ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر ہمارے ہیرو کے رہے سہے حواس بھی غائب ہو گئے۔ اس وقت تو وہ محکمۂ احتساب کی خاطر بھی جان دینے کو تیار ہو جاتا، اور واقعی خلوص کے ساتھ۔ یکایک دروازہ کھل گیا۔ معبد کے اندر روشنی سے دن نکلا ہوا تھا۔ قربان گاہ کے اوپر آٹھ قطاروں میں ایک ہزار شمعیں روشن تھیں اور قطاروں کے بیچ بیچ میں پھولوں کے گچھے رکھے تھے۔ معبد کے دروازے سے خالص ترین بخورات کی بھینی بھینی خوشبو کے بادل باہر نکل رہے تھے۔ یہ معبد جس پر بنایا ملمع ہوا تھا۔ یوں تو چھوٹا سا تھا مگر کرسی بہت اونچی تھی۔ ژدلیاں نے دیکھا کہ قربان گاہ پر پندرہ فٹ سے بھی لمبی شمعیں جل رہی تھیں۔ لڑکیاں تو حیرت کے مارے چیخ اٹھیں۔ معبد کے چھوٹے سے برآمدے میں چوبیس لڑکیوں، دو پادریوں اور ژدلیاں کے سوا کسی کو آنے کی اجازت نہیں دی گئی۔

اتنے میں بادشاہ سلامت آ پہنچے۔ ان کے ساتھ بس ایک تو موسیو دلامول تھا اور ایک وزیر اعظم۔ بادشاہ کے محافظ باہر ہی رہ گئے، اور انھوں نے گھٹنوں کے بل جھک کر بندوقوں سے سلامی دی۔

بادشاہ سلامت جھکے تو کیا، یوں کہنا چاہیے کہ چوکی پر گر پڑے۔ ژدلیاں ملمع شدہ دروازے کے پاس پہنچا کھڑا تھا۔ اس وقت ایک لڑکی کے برہنہ بازو کے نیچے سے اسے سین کلیماں کا خوبصورت مجسمہ نظر آیا۔ مجسمہ قربان گاہ کے نیچے

چھپا ہوا تھا۔ سیں کلیماں نے ایک نوجوان رومی سپاہی کے سے کپڑے پہن رکھے تھے۔ گردن میں ایک بڑا سا زخم تھا جس سے خون بہتا معلوم ہو رہا تھا۔ فن کار نے کمال کر دکھایا تھا۔ مرتے ہوئے ولی کی آنکھیں آدھی بند تھیں۔ مگر ان میں ابھی تک نور تھا۔ خوبصورت ہونٹوں کے اوپر سیں بھیگ رہی تھیں۔ منہ تھوڑا سا کھلا تھا کہ ابھی تک دعا مانگ رہا ہے۔ یہ مجسمہ دیکھ کر ژولیاں کے پاس والی لڑکی زار و قطار رونے لگی۔ اس کا ایک آنسو ژولیاں کے ہاتھ پر گرا۔

پھر دعا شروع ہوئی اور مکمل خاموشی طاری ہو گئی۔ البتہ دور سے گھنٹیوں کی آواز آ رہی تھی جو بیس بیس میل تک سارے گاؤں میں بجائی جا رہی تھیں۔ اس کے بعد اسقف نے بادشاہ سے تقریر کی اجازت مانگی۔ اس کی مختصر لیکن انتہائی عبرت خیز تقریر کا خاتمہ ان الفاظ پر ہوا جو یوں تو سیدھے سادے تھے مگر اسی لئے اور موثر بن گئے تھے۔

"نوجوان عیسائی دوشیزاؤ، یہ بات کبھی نہ بھولنا کہ آج تم نے روئے زمین کے ایک عظیم بادشاہ کو خدا کے قہار و جبار کے ایک ادنیٰ خادم کے قدموں پر جھکا ہوا دیکھا ہے۔ جیسا سیں کلیماں کے خون بہتے ہوئے زخموں سے نظر آ رہا ہے، یہ خادم یوں تو کمزور ہیں، زمین پر انہیں ایذائیں پہنچائی جاتی ہیں، شہید کیا جاتا ہے، مگر آسمان پر فتح انہیں کے نام ہے۔ عیسائی دوشیزاؤ، یہ دن تمہیں عمر بھر یاد رہے گا نا؟ تم بے دینی سے نفرت کرنے لگو گی۔ تم ہمیشہ ہمیشہ اس خدا کی فرمانبردار رہو گی جو اتنا عظیم ہے، اتنے قہر والا ہے، مگر ساتھ ہی ساتھ ایسا مہربان بھی ہے۔"

یہ لفظ کہہ کر اسقف بڑے تحکمانہ انداز میں اٹھ کھڑا ہوا۔

"مجھ سے وعدہ کرتی ہو نا؟" اُس نے اس طرح بازو بلند کیا جیسے اس پر وحی نازل ہو رہی ہو۔

"ہم وعدہ کرتی ہیں"۔ لڑکیوں نے پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے کہا

"میں خدائے قہار و جبار کی طرف سے تمہارا یہ وعدہ قبول کرتا ہوں"! اسقف نے گرج دار آواز میں کہا اور رسم ختم ہو گئی۔

بادشاہ سلامت بھی رو رہے تھے۔ بڑی دیر بعد جا کے ژولیاں کو یہ سوچنے کا ہوش آیا کہ ولی کی ہڈیاں آخر ہیں کہاں، جنہیں برگنڈی کے ڈیوک فلپ نے روم سے یہاں بھیجا تھا۔ اسے پتہ چلا کہ ہڈیاں موم کے خوبصورت مجسمے میں بند ہیں۔

بادشاہ سلامت نے از راہِ بندہ نوازی ان لڑکیوں کو جوان کے ہمراہ معبد میں آئی تھیں ایک سُرخ فیتہ لگانے کی اجازت مرحمت فرمائی جس پر یہ الفاظ کڑھے ہوئے تھے ——"بے دینی سے نفرت، لازوال عقیدت"۔

موسیو دلاموں نے حکم دیا کہ کسانوں میں شراب کی دس ہزار بوتلیں تقسیم کی جائیں۔ اُس دن شام کو شہر میں آزاد خیال جماعت والوں کو ایک عذر مل گیا کہ اپنے مکانوں پر شاہ پرستوں سے بھی سوگنی زیادہ روشنی کریں۔ شہر سے رخصت ہونے سے پہلے بادشاہ سلامت موسیو دموآرو کے غریب خانے پر تشریف لائے۔

اُنیسواں باب

سوچنا بھی ایک مصیبت ہے

روزانہ زندگی میں ایسے ایسے مہمل واقعات ہوتے ہیں کہ ان کی وجہ سے آپ جذبات سے پیدا ہونے والی مصیبتوں کو نہیں دیکھ سکتے۔

بارناڈ

جس کمرے میں موسیو دلاموں آ کے ٹھیرا تھا اُس کا معمولی ساز و سامان واپس لا کے وہاں رکھتے ہوئے ژولیاں کو ایک سخت سا کاغذ ملا جس کی چار تہیں تھیں۔ پہلے صفحے کے نیچے اسے یہ عبارت نظر آئی ——

"امیر الاُمرا عالی جناب مارکوئس دلاموں کی خدمت میں۔"

یہ ایک درخواست تھی جو کسی باورچی نے اپنے ٹوٹے پھوٹے خط میں لکھی تھی

"حضور والا"

عمر بھر میں مذہبی عقائد کا طرف دار رہا ہوں۔ اس منحوس زمانے یعنی ۹۳ء میں محاصرے کے وقت میں لیوآں میں تھا اور جان بموں کی زد پہ تھی۔ میں بڑا دیندار آدمی ہوں، اور ہر اتوار کو اپنے علاقے کے گرجا میں جاتا ہوں۔ ایسٹر کا فریضہ مجھ سے

کبھی خطا نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ اس منحوس ۹۳ سنہ میں بھی۔ میری بادرچن، کیونکہ انقلاب سے پہلے میرے پاس نوکر بھی تھے، جمعہ کے دن گوشت نہیں پکاتی۔ وریرئیر میں لوگ میری عزت کرتے ہیں اور گستاخی معاف، میں اس کا مستحق بھی ہوں۔ میں جلوسوں میں پادری صاحب اور میئر صاحب کے ساتھ شامیانے کے نیچے چلتا ہوں۔ مقدس موقعوں پر میں ایک بڑی سی شمع لے کے چلتا ہوں جسے میں اپنے خرچ سے خریدتا ہوں۔ ان تمام باتوں کی اسناد پیرس میں وزارتِ مال کے پاس موجود ہیں۔ میں حضور سے گزارش کرتا ہوں کہ وریرئیر میں لاٹری کا دفتر مجھے عنایت ہو جائے جو کسی نہ کسی طرح جلدی ہی خالی ہونے والا ہے، کیونکہ آج کل جو شخص اس پر قابض ہے، وہ ایک تو بہت بیمار ہے، دوسرے انتخابات میں اپنی رائے کا صحیح استعمال نہیں کرتا۔ وغیرہ وغیرہ،

دشولیں:

درخواست کے حاشیے پر سفارش لکھی تھی، نیچے دموآرد کے دستخط تھے۔ یہ تحریر ان الفاظ سے شروع ہوتی تھی۔

"کل مجھے حضور کی خدمت میں ان صاحب کا ذکر کرنے کی عزت نصیب ہوئی تھی۔ جو یہ درخواست گزران رہے ہیں"۔ وغیرہ وغیرہ۔

"تو گویا یہ احمق شولیں تک مجھے بتا رہا ہے کہ میرے لئے کون سا راستہ مناسب ہے"۔ ژولیاں نے دل میں کہا۔

بادشاہ کے جانے کے بعد ہزاروں قسم کی افترا پردازیاں، جہل بحثیں، اور طرح طرح کی احمقانہ حاشیہ آرائیاں ہوئیں اور ان کا موضوع تھا خود بادشاہ آگد

کا اسقف، مارکوئس دلاموِل، شراب کی دس ہزار بوتلیں، اناڑی مونارد (جو تمغہ پانے کی اُمید میں گھوڑے سے گرنے کے مہینے بھر بعد تک گھر سے باہر نہیں نکلا) لیکن ہفتے بھر بعد جو بات ان سب پر غالب آگئی۔ وہ یہ تھی کہ بڑھئی کے بیٹے ژدلیاں سوریل کو سلامی کے دستے میں ٹھونس دینا بڑی ذلیل حرکت ہے۔ اس موضوع پر ان مالدار کپڑا بنانے والوں کی باتیں سننے کے لائق تھیں جو صبح سے شام تک مساوات کی تلقین کرتے نہ تھکتے تھے۔ یہ اسی اکڑباز عورت مادام درینال کی کیتنگی تھی۔ وجہ؟ یہ وجہ بہت کافی تھی کہ اس نوجوان پادری کی آنکھیں چمکدار اور گال سرخ تھے۔

درزی واپس آنے کے دو چار دن بعد ہی سب سے چھوٹے بچے اسٹانس لاس زاویے کو بخار آگیا۔ مادام درینال ایک دم سے انتہائی خوفناک پشیمانی اور ندامت میں غرق ہو کے رہ گئی۔ اب اس نے پہلی دفعہ مربوط طریقے سے اپنے آپ کو اس معاشقے پر ملامت کرنی شروع کی۔ اسے معجزہ سمجھیں یا کچھ بہرحال یکایک اس کی سمجھ میں آگیا کہ مجھ سے کون سا عظیم گناہ سرزد ہوا ہے حالانکہ طبعاً وہ بڑی دین دار تھی، مگر اس وقت تک اس نے سوچا بھی نہ تھا کہ خدا کی نظروں میں میرا جرم کتنا بڑا ہے۔

عرصہ ہوا جب وہ خانقاہ میں تھی تو اسے خدا سے والہانہ محبت تھی۔ اب ان حالات میں اسے خدا سے ڈر بھی اتنا ہی لگا۔ اس کشمکش میں اس کا دل پھٹا جا رہا تھا۔ پھر اذیت اس وجہ سے اور بھی بڑھ گئی کہ اس کے خوف میں عقل کو ذرا دخل نہ تھا۔ ژدلیاں نے دیکھا کہ سمجھانے کی کوشش کی جائے تو اسے تسلی نہیں ہوتی بلکہ وہ

اور چڑ جاتی ہے۔ ژولیاں کی باتوں میں اسے جہنم کی بو آتی۔ لیکن چونکہ خود ژولیاں کو بھی ننھے استانس لاس سے بڑا لگاؤ تھا۔ اس لئے اگر وہ بچے کی بیماری کا ذکر چھیڑتا تو مادام دریناں ذرا توجہ سے سن لیتی۔ پھر بچے کی بیماری ذرا سنگین شکل اختیار کر گئی اب تو اس مسلسل پشیمانی کے ہاتھوں اس کی نیند بھی اڑ گئی۔ اس نے ایسی چپ سادھی کہ ہوں ہاں کرنی بھی چھوڑ دی۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ اگر منہ کھولوں تو بس خدا اور انسانوں کے سامنے اپنے گناہ کا اعتراف کرنے کے لئے۔

تنہائی کا موقع ملتے ہی ژولیاں نے اس سے کہا "میں تمہارے ہاتھ جوڑتا ہوں، کسی سے کوئی بات نہ کہنا۔ اگر تمہیں اپنا دکھ درد ہی سنانا ہے تو بس مجھے سناؤ۔ اگر تمہیں مجھ سے ذرا بھی محبت ہے تو زبان مت کھولو۔ آخر تمہارے بولنے سے بچے کا بخار تو نہیں بھاگ جائے گا۔"

لیکن اسے تسلی دینے کی کوششوں کا ذرا بھی فائدہ نہ ہوا۔ ژولیاں کو پتا ہی نہ تھا کہ مادام دریناں کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ خدا مجھ سے خفا ہو گیا ہے اور اسے منانے کی یہی صورت ہے کہ یا تو ژولیاں سے نفرت کرنے لگوں یا اپنے بیٹے کو مر جانے دوں۔ اسے تکلیف تھی تو یہ کہ اپنے عاشق کی طرف سے دل میں نفرت ہی نہ پیدا ہوتی تھی۔

ایک دن وہ ژولیاں سے کہنے لگی — "تم میرے سامنے مت آیا کرو۔ خدا کے لئے اس گھر سے چلے جاؤ۔ تمہارے یہاں ہونے کی وجہ سے ہی میرے بچے کی جان جا رہی ہے۔"

"خدا مجھے سزا دے رہا ہے۔" پھر وہ ایسے بولی جیسے اپنے آپ سے

کہہ رہی ہو۔ وہ بڑے انصاف والا ہے۔ اس کے عدل کے سامنے میں اپنا سر تسلیم خم کرتی ہوں۔ مجھ سے بڑا ہولناک گناہ سرزد ہوا ہے اور میرے دل میں آج تک ندامت بھی نہیں پیدا ہوتی! یہ خدا سے منحرف ہونے کی پہلی نشانی تھی۔ مجھے تو دگنی سزا ملنی چاہیئے۔"

ژولیاں کے دل پر بڑا اثر ہوا۔ ان باتوں میں اُسے نہ تو ریاکاری نظر آئی نہ مبالغہ آمیزی۔ "وہ سمجھتی ہے کہ مجھ سے محبت کر کے اپنے بیٹے کی جان لے رہی ہے پھر بھی بچاری کو بیٹے کی بہ نسبت مجھ سے زیادہ پیار ہے۔ اس میں ذرا بھی شبہے کی گنجائش نہیں کہ وہ ندامت کے ہاتھوں ہلاک ہو رہی ہے۔ یہ عورت کتنے بلند اور عظیم جذبات کی مالک ہے! لیکن میں تو بالکل مفلس قلاش، جاہل، کندۂ ناتراش ہوں، مجھ سے تو اکثر بڑی بڑی بدتمیزیاں ہو جاتی ہیں۔ اسے مجھ سے اتنی محبت کیسے ہو گئی؟"

ایک رات بچے کی حالت بڑی نازک ہو گئی۔ رات کے دو بجے موسیو دریناں اسے دیکھنے آیا۔ بچہ بخار میں پھنک رہا تھا۔ اس کا چہرہ بالکل سرخ ہو گیا تھا۔ وہ اپنے باپ کو پہچان بھی نہ سکا۔ مادام دریناں ایک دم سے شوہر کے قدموں پر گر پڑی ژولیاں نے دیکھا کہ اب یہ سب کچھ بتا ڈالے گی اور اپنا بالکل ستیاناس کرے گی۔

خوش قسمتی یہ ہوئی کہ موسیو دریناں اس عجیب و غریب مظاہرے سے چڑ گیا۔

"اچھا، اب آرام کرو" وہ بولا اور چلنے لگا۔

"نہیں، سنئے تو" اس کی بیوی اُس کے سامنے گھٹنوں کے بل کھڑے ہو کر اسے روکتے ہوئے بولی "اب ساری حقیقت سن لیجئے۔ اپنے بچے کی جان میں

لے رہی ہوں۔ میں نے اسے زندگی دی تھی اور میں ہی اس سے زندگی لے رہی ہوں
یہ خدا کا عذاب ہے۔ خدا کی نظروں میں بچے کا خون میری گردن پر ہے۔ اب
یہ میرے اوپر واجب ہے کہ میں اپنے آپ کو تہس نہس کر ڈالوں، اپنے آپ
کو مٹی میں ملا دوں۔ شاید اس قربانی سے خدا خوش ہو جائے"۔

اگر مسیو دریناں میں تھوڑا سا تخیل ہوتا تو وہ سب کچھ سمجھ جاتا۔

"سب خیالی باتیں ہیں"، اس نے بیوی کو پیچھے ڈھکیلتے ہوئے کہا جو اس کے
گھٹنے پکڑنا چاہ رہی تھی۔ "سب وہم ہے! ژولیاں، نوکروں سے کہہ دو کہ صبح ہوتے
ڈاکٹر کو بلا لائیں"۔

اور وہ سونے چلا گیا۔ ژولیاں، مادام دریناں کو سہارا دینے کے لئے آگے بڑھا
تو اس نے جھٹک کر اسے پیچھے ہٹا دیا، اور نیم بے ہوشی کے عالم میں گھٹنوں کے
بل گر پڑی۔

ژولیاں ہکا بکا رہ گیا۔

"تو یہ ہے زناکاری!" وہ دل میں کہنے لگا۔ "کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ
آخر اُن بدمعاش پادریوں ہی کی بات ٹھیک ہے؟ جو لوگ خود اتنے گناہ کرتے
ہیں کیا انہیں کو گناہ کا صحیح علم حاصل ہے؟ کتنی عجیب بات ہے!"

مسیو دریناں کے جانے کے بعد بیس منٹ سے ژولیاں اپنی محبوبہ کو اس حالت
میں دیکھ رہا تھا ___ بچے کی پلنگڑی پر سر ڈھلکا ہوا، بے حس و حرکت، ہوش و حواس
زائل ___ وہ دل میں بولا ___ "یہ کتنی ذہین اور ہوش مند عورت ہے، مگر محض مجھے
جاننے کی وجہ سے اس کی کیا گت بنی ہے"۔

"وقت تیزی سے گزرتا چلا جا رہا ہے۔ میں اس کے لئے کیا کر سکتا ہوں؟ مجھے فوراً کوئی فیصلہ کرنا چاہئے۔ اب میرا تو کوئی سوال نہیں۔ مجھے لوگوں اور اُن کی احمقانہ ظاہر داریوں کی کیا پروا؟ لیکن میں اس کے لئے کیا کر سکتا ہوں؟ . . . اس کے پاس سے چلا جاؤں؟ لیکن وہ غم و اندوہ کے پنجوں میں گرفتار اکیلی رہ جائے گی۔ وہ کاٹھ کا اُلّو اس کا شوہر اس کے ساتھ بھلائی سے زیادہ بُرائی کر سکتا ہے۔ اور ناشائستہ تو وہ ہے ہی، کوئی نہ کوئی بات ایسی ضرور کہہ دے گا جس سے بچاری کو دُکھ پہنچے گا۔ ممکن ہے وہ پاگل ہو جائے یا کھڑکی میں سے کود پڑے۔

"اگر میں اسے چھوڑ کے چلا جاؤں۔ اگر میں اس کی نگرانی نہ کروں تو وہ اسے سب کچھ بتا دے گی۔ اپنی بیوی کی طرف سے اسے روپیہ تو بہت ملنے والا ہے۔ مگر اس کے باوجود وہ خدا جانے کتنا غل غپاڑا مچائے۔ ممکن ہے وہ ساری بات اس حرام زادے پادری اس توں سے کہہ دے جو ایک چھ سال کے بچے کی بیماری کا بہانہ بنا کر اس گھر سے نکلنے کا نام ہی نہیں لیتا اور یقیناً اس میں کوئی چال ہے۔ اپنے رنج اور خدا کے خوف کے مارے وہ بالکل بھول گئی ہے کہ یہ کیسا آدمی ہے۔ اسے تو بس اتنا یاد ہے کہ یہ پادری ہے۔"

"میرے پاس سے جاؤ۔" مادام دریناّل نے آنکھیں کھولیں تو ایک دم سے چیخ کے کہا۔

ژولیاں نے جواب دیا — "میں یہ جاننے کے لئے اپنی جان ہزار دفعہ قربان کرنے کو تیار رہوں کہ میں تمہارے کس کام آ سکتا ہوں، میری جان۔ مجھے آج تک تم سے اتنا پیار کبھی نہیں ہوا۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ اس وقت سے میں تمہیں ایسا چاہنے

لگا ہوں جس کی تم واقعی مستحق ہو۔ تم سے الگ ہو کے میرا کیا بنے گا، اور خصوصاً جب مجھے یہ معلوم ہو کہ تم پر مصیبت میری وجہ سے پڑی! لیکن مجھے اپنی تکلیف کا ذکر نہیں کرنا چاہیئے۔ ہاں، پیاری، میں چلا جاؤں گا۔ لیکن اگر میں تمہیں چھوڑ کے چلا گیا، اگر تمہارے اوپر میری نگرانی نہ رہی، اگر میں ہر وقت تمہارے اور تمہارے شوہر کے درمیان حائل نہ رہا تو پھر تم سب کچھ کہہ ڈالو گی اور کہیں کی بھی نہ رہو گی۔ ذرا سوچو تو کہ وہ تمہیں کس ذلت کے ساتھ گھر سے نکالے گا۔ سارے ورِیَنیر، سارے بساں سوں میں چرچا ہو جائے گا۔ سارا الزام تمہارے ہی سر آئے گا۔ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہو گی۔"

"یہی تو میں چاہتی ہوں"۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور چلّا کے بولی "میرے اوپر جتنی بھی مصیبتیں پڑیں اتنا ہی اچھا ہے۔"

"لیکن اگر رسوائی ہوئی تو تمہاری بدولت تمہارے شوہر کو بھی تو نقصان اٹھانا پڑے گا۔"

"لیکن میں تو اپنے آپ کو ذلیل کرنا چاہتی ہوں، کیچڑ میں لوٹنا چاہتی ہوں۔ شاید اس طرح میرے بیٹے کی جان بچ جائے۔ اگر سب کے سامنے میری تذلیل ہوئی تو اس قسم کی توبہ کو سب دیکھ سکیں گے۔ میں ایک کمزور عورت ہوں جہاں تک میں سمجھ سکتی ہوں۔ خدا کے سامنے اس سے بڑی اور کیا قربانی پیش کر سکتی ہوں؟ شاید اس کی رحمت میری اس تذلیل کو قبول کرے، اور میرے بیٹے کی جان بخشی ہو جائے۔ اگر اس سے بھی سخت کوئی قربانی ہو تو بتاؤ، میں اسے فوراً بجا لاؤں گی۔"

"اس سے تو بہتر یہ ہے کہ میں اپنے آپ کو کوئی سخت سزا دوں۔ آخر

میں بھی تو مجرم ہوں۔ تم کہو تو میں راہب بن جاؤں؟ شاید تمہارا خدا میری ریاضت سے خوش ہو جائے۔ ۔ ۔ ۔ خدایا، استانس لاس کی بیماری مجھے کیوں نہیں لگ جاتی؟"

"آہ! تمہیں بھی اس سے محبت ہے۔" مادام ورنیال بولی، اور اٹھ کر اس کے بازوؤں میں آگری۔

پھر اس نے خوفزدہ ہو کر ایک دم سے ژولیاں کو پیچھے دھکیل دیا۔

"مجھے تمہاری بات کا اعتبار ہے! پورا اعتبار ہے!" وہ دوبارہ گھٹنوں کے بل جھک کر کہنے لگی۔ "بس ایک تمہیں اکیلے میرے دوست ہو۔ تم استانس لاس کے باپ کیوں نہ ہوئے؟ پھر تمہیں بیٹے سے زیادہ چاہنا گناہ کی بات نہ ہوتی۔"

"تم اجازت دو تو میں یہیں رُک جاؤں اور آئندہ تم سے بھائی کی طرح محبت کیا کروں؟ کفارہ ادا کرنے کا بس یہی معقول طریقہ ہے۔ شاید اس سے خدا! ئے بلند و برتر کا غصہ ٹھنڈا پڑ جائے۔"

"اور میں!" وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور ژولیاں کا سر اپنے ہاتھوں میں لے کے گز بھر کے فاصلے پر آنکھوں کے سامنے لاتی ہوئی بولی۔ "کیا میں بھی تم سے بھائی کی طرح پیار کر سکتی ہوں؟ کیا یہ میرے بس میں ہے کہ تم سے بھائی کی طرح پیار کروں؟"

ژولیاں پھوٹ پھوٹ کے رونے لگا۔

"میں تمہارے حکم کی تعمیل کروں گا۔" وہ اس کے قدموں پر گر کے بولا۔ "تم جو حکم دو۔ میں اس کی تعمیل کروں گا۔ اب میں اس کے سوا اور کر بھی کیا سکتا ہوں؟ میرا

دماغ تو بالکل معطّل ہو کے رہ گیا ہے۔ مجھے کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔ اگر میں تمہیں چھوڑ کے چلا جاؤں تو تم اپنے شوہر کو سب کچھ بتا دو گی۔ تم خود بھی برباد ہو جاؤ گی اور ساتھ ہی اسے بھی برباد کر دو گی۔ ایسی ذلّت کے بعد وہ پارلیمنٹ کا ممبر بن ہی نہیں سکے گا۔ لیکن اگر میں یہیں رہوں تو پھر تم مجھے اپنے بیٹے کی موت کا باعث سمجھو گی، اور خود بھی رنج کے مارے جان دے دو گی۔ اگر تم چاہو تو ذرا آزما کے دیکھ لو، کہ میرے جانے کا کیا اثر ہوتا ہے۔ تم کہو تو اس گناہ کی سزا میں بھگتوں، اور ہفتے بھر کے لیے تمہارے پاس سے چلا جاؤں۔ تم جہاں بتاؤ میں وہیں جا کے گوشہ نشین ہو جاؤں گا۔ مثلاً "برے لاآو کے گرجا میں۔ لیکن قسم کھاؤ کہ میرے پیچھے تم اپنے شوہر سے کوئی بات نہیں کہو گی۔ یاد رکھنا، اگر تمہاری زبان سے کچھ نکل گیا تو پھر میں کبھی واپس نہیں آسکوں گا۔"

مادام دریناک نے وعدہ کر لیا۔ وہ روانہ ہو گیا۔ مگر دو دن بعد اسے واپس بُلا لیا گیا۔

"تمہارے بغیر میں اپنے وعدے پر قائم نہیں رہ سکتی۔ اگر تم ہر وقت میرے سامنے موجود نہ ہو اور آنکھوں ہی آنکھوں میں مجھے خاموش رہنے کا حکم نہ دو۔ تو میں اپنے شوہر کو بات بتائے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اس منحوس زندگی کا ایک ایک گھنٹہ مجھے ایک دن کے برابر معلوم ہوتا ہے۔"

آخر خدا کو اس بدنصیب ماں پہ رحم آیا۔ آہستہ آہستہ استانس لااس ٹھیک ہوتا گیا اور اس کی جان کا خطرہ نہ رہا۔ لیکن اب ندامت کا آغاز ہو چکا تھا۔ اسے پتا چل گیا تھا کہ مجھ سے کیسا گناہِ عظیم سرزد ہوا ہے۔ اس کا ذہنی توازن درست

نہ ہو سکا۔ ندامت ابھی تک باقی تھی بلکہ وہ شکل اختیار کر گئی تھی۔ جو اس جیسی پُر خلوص ہستی کے لئے ناگزیر ہے۔ اس کی زندگی جنت بھی تھی اور جہنم بھی۔ جہنم تو اس وقت جب ژدلیاں نظروں کے سامنے نہ ہو، اور جنت اس وقت جب وہ اس کے قدموں میں بیٹھی ہو۔

"اب مجھے کوئی خوش فہمی نہیں رہی" جب وہ اپنی محبت کو کھلی چھٹی دے دینے کی ہمت کر بیٹھتی۔ اس وقت بھی ژدلیاں سے کہتی "اب تو میں سیدھی جہنم میں جاؤں گی اس سے کوئی مفر نہیں۔ میں جہنم میں ڈالی جاؤں گی۔ تم ابھی جوان ہو۔ تم میری ترغیب کا شکار ہو گئے۔ شاید خدا تمہیں معاف کر دے۔ لیکن میں تو سیدھی جہنم میں جاؤں گی میں نے اس کی صاف و صریح فشانی دیکھ لی ہے۔ مجھے بڑا ڈر لگ رہا ہے۔ دوزخ سامنے نظر آئے تو کیسے ڈر نہ لگے گا، لیکن دل میں اپنے کئے پر ذرا بھی پشیمان نہیں ہوں۔ اگر پھر ایسا موقع آئے تو میں یہی گناہ دوبارہ کرنے کو تیار ہوں۔ بس خدا سے اتنی دعا ہے کہ مجھے اس کا بدلہ اس دنیا میں نہ ملے، اور میرے بچوں کو سزا نہ بھگتنی پڑے۔ پھر مجھے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں چاہئے، اور نہ میں اس سے زیادہ کی مستحق ہوں لیکن تم، میرے ژدلیاں، کم سے کم تم!" وہ غصیلی ادائیں کہتی "تم تو خوش ہونا، میں تم سے پوری طرح محبت کرتی ہوں نا؟"

ژدلیاں بڑا بدگمان تھا، اور اس کا پندار اسے ہر وقت تنا تنا رہتا تھا۔ وہ ایسی محبت چاہتا تھا جو اس کی خاطر سب کچھ قربان کر دے۔ لیکن ہر ہر لمحے ایسی عظیم اور ایسی صاف و صریح قربانیاں دیکھ کر وہ بھی تاب نہ لا سکا اور مادام درینال پر جان چھڑکنے لگا۔ "وہ امیر کبیر سہی، میں مزدور کا بیٹا سہی۔ . . . لیکن وہ مجھے ایسا

نوکر نہیں سمجھتی جسے معاشقے کی خدمت سپرد کر رکھی ہو۔" جب یہ ڈر باقی نہ رہا تو ژولیاں نے اپنے آپ کو محبت کی ساری حماقتوں، اس کی ساری ہلاکت انگیز بے یقینیوں کے سپرد کر دیا۔

جب وہ دیکھتی کہ ژولیاں کو میری محبت کا پورا یقین نہیں تو کہتی ـــ "اب تو ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ تھوڑے ہی سے دن تو اور گزارنے ہیں۔ لاؤ اتنے دن تو میں تمہیں کچھ نہ کچھ خوشی بہم پہنچا ہی دوں! آؤ جلدی کریں۔ کون جانے کل تک میں تمہاری رہوں یا نہ رہوں۔ اگر خدا میرا بدلہ میرے بچوں سے لینا چاہے گا۔ تو پھر یہ ممکن نہ ہوگا کہ میں صرف تمہاری محبت کی خاطر زندہ رہنے کی کوشش کروں اور یہ نہ دیکھوں کہ میرے بچے میرے گناہ کی وجہ سے ہلاک ہو رہے ہیں۔ میں اس صدمے سے جانبر نہ ہو سکوں گی۔ اگر میں چاہوں بھی تو ایسا نہ کر سکوں گی۔ میں تو پاگل ہو جاؤں گی۔"

"آہ! کاش میں تمہارے گناہ کا بار اپنے اوپر لے سکتی جیسے تم نے اتنی دریا دلی دکھائی تھی اور کہا تھا کہ اناتنسس لاس کا بخار تمہیں لگ جائے!"

اس اخلاقی بحران نے اس جذبے کی نوعیت ہی بدل کے رکھ دی۔ جس کی وجہ سے ژولیاں کو اپنی محبوبہ سے لگاؤ پیدا ہوا تھا۔ اب یہ بات نہیں رہی کہ اس کی محبت بس مادام دریناک کی تعریف یا اسے اپنے بس میں لے آنے کے فخر پر مبنی ہو۔

ان دونوں کی مسرت اب کہیں زیادہ بلند نوعیت کی ہو گئی جس آگ میں وہ دونوں تپ رہے تھے پہلے سے زیادہ تیزی پکڑ گئی۔ ان کا دور دیوانگی کی حد تک

جا پہنچا۔ دوسرے لوگ انہیں دیکھتے تو سمجھتے کہ یہ بے انتہا خوش ہیں لیکن اُن کی محبت کے ابتدائی زمانے کی شیرینی، سکون، بے داغ مسرت، اور معصوم خوشی واپس نہ آسکی ــــ اُس زمانے کی خوشی جب مادام ورینال کو اگر کوئی دھڑکا تھا تو بس یہ کہ ژولیاں مجھ سے پوری طرح محبت بھی کرتا ہے یا نہیں۔ اب تو بعض دفعہ ان کی خوشی میں جرم کا سا رنگ آجاتا تھا۔

اپنی انتہائی مسرت اور ظاہراطور پر انتہائی سکون کے لمحوں میں مادام ورینال کے اوپر دورہ سا پڑتا، اور وہ ایک دم سے ژولیاں کا ہاتھ بھینچ کر کہتی ــــ "خدایا میری آنکھوں کے سامنے دوزخ ناچ رہا ہے۔ کیسے کیسے ہولناک عذاب ہیں! اور میں واقعی اسی لائق ہوں۔" وہ اس سے اس طرح چپٹ جاتی جیسے دیوار سے بیل۔

ژولیاں نے اس کے روحانی اضطراب کو ٹھنڈا کرنے کی بہتیری کوشش کی، مگر لاحاصل۔ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کے بے شمار بوسے ڈالتی۔ پھر اسی گہری سوچ میں ڈوب جاتی، اور کہتی ــــ "دوزخ تو میرے لئے نعمت سے کم نہ ہوگا۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ میں اس دنیا میں چند دن اور گزار سکوں گی۔ لیکن اگر دُنیا ہی میرے لئے دوزخ بن جائے۔ اگر میرے بچے مرنے لگیں۔ . . . مگر شاید یہ قیمت ادا کرنے سے میرا گناہ معاف ہو جائے . . . . خدایا، میں اس قیمت پر معاف ہونا نہیں چاہتی۔ ان بچارے بچوں نے تیرا کیا گناہ کیا ہے۔ گناہ تو میرا ہے، جرم تو میں نے کیا ہے! مجھے ایک ایسے آدمی سے محبت ہے جو میرا شوہر نہیں ہے۔"

پھر ژولیاں نے مادام ورینال کو ایک نئی حالت میں دیکھا جو بظاہر پُرسکون تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ سارا بوجھ میں خود برداشت کروں اور جس سے محبت کرتی ہوں اس کی زندگی میں بس نہ گھولوں۔

اب اُن کی محبت کی یہی دو صورتیں بن گئیں، پشیمانی اور لذت۔ اور ان دونوں شکلوں کے درمیان اُن کے شب و روز برق رفتاری سے گزرنے لگے۔ ژولیاں کی وہ سوچتے رہنے کی عادت بالکل چھوٹ گئی۔

ایلیزا کسی مقدمے کے سلسلے میں ویری‌ئیر گئی۔ اس نے دیکھا کہ مسیو والؔ نو، ژولیاں سے بہت ناراض ہے۔ ایلیزا کو اتالیق سے بڑی نفرت تھی، چنانچہ وہ اکثر مسیو والؔ نو سے اس کی باتیں کرنے لگی۔

ایک دن وہ اس سے بولی: "حضور، میں اگر آپ کو سچی بات بتا دوں تو میں کہیں کی نہ رہوں گی۔ خاص خاص باتوں میں بڑے لوگ سب ایک دوسرے کا ساتھ دیتے ہیں۔ اگر ہم غریب ملازموں کے منہ سے کوئی بات نکل جائے تو ہماری کبھی بخشش نہیں ہوتی۔"

مسیو والؔ نو کو ایسا تجسس اور اضطراب ہوا کہ اس نے کسی نہ کسی طرح ان رسمی فقروں کو وہیں ختم کرا دیا۔ اب اُسے ایسی باتیں معلوم ہوئیں۔ جن سے اس کے پندار کو بڑا صدمہ پہنچا اور وہ کٹ کٹ گیا۔

یہ عورت جو شہر میں سب سے ممتاز تھی جس کے پیچھے وہ چھ سال تک پھرا تھا اور بدقسمتی سے یہ بات ساری دنیا کو معلوم تھی، یہ مغرور ترین عورت جس کے حقارت آمیز رویّے نے اسے اتنی دفعہ شرمندہ کیا تھا، اس نے عاشق بھی بنایا تو کس کو؟ ایک

معمولی لکیرے کو جس نے اتالیق کا روپ دھار رکھا تھا۔ مماج خانے کے منتظم کی ہزیمت خوردگی ہیں ویسے ہی کیا کسر رہ گئی تھی۔ اوپر سے پتا چلا کہ مادام دریناال بھی اپنے عاشق پر جان چھڑکتی ہے۔

پھر خادمہ نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا "اور موسیو ژولیاں نے انہیں بس میں لانے کی ذرا بھی تو کوشش نہیں کی۔ بیگم صاحب کے ساتھ ان کا روکھا پن ہمیشہ سے ویسا ہی ہے۔"

دیہات میں پہنچ کر ایلیزا کو اس بات کا پورا یقین ہوا تھا، لیکن اس کا خیال تھا کہ یہ معاشقہ بہت پہلے سے چل رہا ہے۔

وہ بڑی تلخی کے ساتھ کہنے لگی ـــ "یہی وجہ ہے کہ اُن دنوں انہوں نے مجھ سے شادی کرنے سے انکار کر دیا اور میں بھی کتنی بیوقوف ہوں کہ بیگم صاحب سے رائے لینے جاتی تھی اور ان کے پیروں پڑتی تھی کہ میری سفارش کر دیجئے۔"

اسی دن شام کو اخبار کے ساتھ ساتھ موسیو درینال کو شہر سے ایک گمنام خط ملا۔ جس میں پوری تفصیلات کے ساتھ بتایا گیا تھا کہ اس کے گھر میں کیا آنکھ مچولی کھیلی جا رہی ہے۔ جب وہ نیلے کاغذ پر لکھا ہوا خط پڑھ رہا تھا تو ژولیاں نے دیکھا کہ وہ ایک دم سے زرد پڑ گیا اور بار بار اس کی طرف غصے کی نظروں سے دیکھ رہا ہے۔ اس دن ساری شام میئر کا مزاج بگڑا ہی رہا۔ ژولیاں نے ذرا چاپلوسی کی نیت سے برگنڈی کے بہترین خاندانوں کے سلسلۂ نسب کے متعلق ایک دو سوال کئے، مگر لاحاصل۔

بیسواں باب

گمنام خط

جی کی مزے داریوں کو بے لگام مت چھوڑو۔ خون کی حدت سے بڑی بڑی قسمیں اس طرح جل کے راکھ ہو جاتی ہیں جیسے آگ میں تنکا۔

شیکسپیئر

جب وہ آدھی رات کو دیوان خانے سے اٹھے تو ژولیاں نے موقع پا کر اپنی محبوبہ سے کہا:

"آج رات کو نہیں ملنا چاہیے۔ تمہارے شوہر کو شبہ ہو گیا ہے۔ وہ جو ایک لمبا چوڑا خط ٹھنڈے ٹھنڈے سانس بھر کے پڑھ رہے تھے۔ مجھے پورا یقین ہے کہیں سے گم نام آیا ہے۔"

خوش قسمتی سے ژولیاں نے اپنے کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ مادام دریناں کو ایک عجیب پاگل پن کی بات سوجھی۔ اسے خیال ہوا کہ یہ تنبیہہ دراصل میرے پاس نہ آنے کا بہانہ ہے۔ اس کا دماغ بالکل خراب ہو گیا اور وہ حسبِ معمول اس کے دروازے پر جا پہنچی۔ ژولیاں نے باہر کھٹکا سن کے فوراً چراغ گل کر دیا۔ کوئی اس کا

دروازہ کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔ یہ مادام ورینال تھی یا اس کا غضب ناک شوہر؟

اگلے دن صبح سویرے باورچن جوژولیاں کا خاص خیال رکھتی تھی۔ ایک کتاب لے کے آئی جس کے سرورق پر اطالوی زبان میں لکھا تھا — "صفحہ ۱۳۰ دیکھو"۔

ژولیاں یہ ناعاقبت اندیشی دیکھ کر کانپ اٹھا۔ اس نے صفحہ ۱۳۰ کھولا۔ تو مندرجہ ذیل خط ایک پن سے لگا ہوا پایا۔ خط جلدی میں لکھا گیا تھا۔ ہجّے تک درست نہ تھے، اور کاغذ پر جگہ جگہ آنسوؤں کے نشان تھے۔ عام طور سے مادام ورینال کا املا خاصا ٹھیک ہوتا تھا۔ اس تبدیلی کا ژولیاں کے دل پر بہت برا اثر پڑا، اور وہ ہولناک ناعاقبت اندیشی اس کی یاد سے محو ہونے لگی۔

"تو آج رات تم نے مجھے اندر نہیں آنے دیا؟ بعض اوقات تو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مجھے تمہارے دل کی گہرائیوں کا کبھی پتا نہیں چلا۔ تمہاری نظروں سے مجھے ڈر لگنے لگتا ہے۔ مجھے واقعی تم سے خوف معلوم ہوتا ہے۔ خدایا! کہیں ایسا تو نہیں کہ تمہیں مجھ سے کبھی پیار رہا ہی نہ ہو؟ اگر یہ بات ہے تو خدا کرے میرے شوہر کو ہمارے معاشقے کا پتا چل جائے اور وہ مجھے عمر بھر کے لئے اپنے بچوں سے دور کہیں دیہات میں قید کر دیں۔ شاید خدا کی یہی مرضی ہے۔ خیر میرا تو جلدی ہی کام تمام ہو جائے گا۔ مگر تمہاری حیوانیت مسلّم ہو جائے گی۔

"کیا تمہیں مجھ سے محبت نہیں رہی؟ کیوں، بے ایمان، کیا میری حماقتیں میری پشیمانی تمہیں بری لگی؟ کیا تم چاہتے ہو کہ میں کہیں کی نہ رہوں؟ لو میں تمہیں آسان سا طریقہ بتائے دیتی ہوں، جاؤ، اس خط کو لے جا کے سارے شہر کو دکھا دو۔ بلکہ صرف موسیو دال نو کو دکھا دو۔ اسے بتا دو کہ مجھے تم سے پیار ہے، نہیں، ایسی

کفر کی بات مُنہ سے نہ نکالنا۔ اس سے کہنا کہ میں تو تمہیں پوجتی ہوں، میری زندگی ہی اس دن شروع ہوئی ہے جب میں نے تمہیں پہلی بار دیکھا، لڑکپن کے ارمان بھرے لمحوں میں بھی وہ خوشی میرے خواب وخیال تک میں نہ آئی تھی جو تم نے مجھے عطا کی ہے۔ اسے بتا دینا کہ میں اپنی جان تو تم پر قربان کر ہی چکی ہوں، اب اپنی روح بھی تم پر نچھاور کرتی ہوں۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں اس سے کہیں بڑی قربانی دے رہی ہوں۔

"لیکن اس آدمی کو قربانیوں کی کیا خبر؟ ذرا اس کا جی جلانے کے لئے کہنا کہ مجھے مفسدہ پرداز لوگوں کی 'بالکل پروا نہیں' اور میری نظروں میں اگر کوئی مصیبت ہے تو بس ایک، اور وہ یہ کہ میں جس واحد شخص کے لئے زندہ ہوں اس کا دل مجھ سے پھر جائے۔ اگر میں اپنی جان دے دوں، اپنی زندگی کی قربانی چڑھا دوں، اور بچوں کی طرف سے مجھے کوئی ڈر نہ رہے تو یہ بات میرے لئے جنت کے برابر ہے!

"پیارے دوست! اگر کوئی گم نام خط آیا ہے تو اس میں ذرا بھی شک نہیں، کہ یہ اسی منحوس نے بھیجا ہے جس کی حماقتوں نے پچھلے چھ سال سے مجھے تنگ کر رکھا ہے، اور جو آ آ کر مجھے اپنی موٹی اور بھدی آواز میں سناتا ہے کہ اس کا گھوڑا کیسے کودتا ہے اور اسے کیا کیا امتیاز حاصل ہیں۔

"اچھا تو کوئی گم نام خط آیا ہے؟ شریر! اسی کے متعلق تو میں تم سے باتیں کرنا چاہتی ہوں۔ لیکن، نہیں۔ تم نے ٹھیک ہی کیا۔ اکیلے بیٹھ کے تو میں ٹھنڈے دل سے سوچ سکتی ہوں۔ مگر تم سے شاید آخری دفعہ بغل گیر ہونے کے بعد سوچنا سمجھنا میرے لئے ناممکن ہو جاتا۔ آج سے ہمارے لئے مسرت کا حصول اتنا آسان نہیں رہے گا۔ کیا اس سے تمہیں کچھ تکلیف ہو گی؟ ہاں ایسے دن جب تمہارے لئے

موسیو فوآکے کے پاس سے کوئی مزے دار کتاب نہ آئی ہوگی۔ اب یہ قربانی تو سمجھو کہ ہو گئی۔ مچا ہے کوئی گمنام خط آیا ہو یا نہ آیا ہو، مگر کل میں اپنے شوہر سے کہہ دوں گی کہ مجھے ایک گمنام خط ملا ہے اور اب تمہیں کچھ روپیہ دے دلا کر کسی معقول بہانے سے فوراً اپنے باپ کے پاس بھیج دینا چاہیے۔

"ہائے، پیارے دوست، ہم پندرہ دن یا شاید مہینہ بھر کے لئے جدا ہو رہے ہیں! لیکن میں تم سے بے انصافی نہیں کروں گی۔ تمہیں بھی اتنی ہی تکلیف ہوگی جتنی مجھے۔ بہر حال گم نام خط کا اثر زائل کرنے کا یہی ایک طریقہ ہے میرے شوہر کو ایسا خط کوئی پہلی دفعہ نہیں ملا۔ میرے متعلق پہلے بھی ایسے خط آتے رہے ہیں۔ افسوس، پہلے میں ان پر کتنا ہنسا کرتی تھی!

"میری اس ترکیب کا مقصد یہ ہے کہ میرے شوہر سمجھیں خط موسیو وال نو نے بھیجا ہے اور اس میں شک بھی نہیں کہ یہ حرکت اسی کی ہے۔ اگر تمہیں یہاں سے جانا پڑے تو دیکھو، ویری ئیر میں جا کے رہنا۔ میں کچھ ایسا کروں گی کہ میرے شوہر پندرہ دن کیلئے شہر جانے کو راضی ہو جائیں تاکہ وہ احمق لوگ دیکھ لیں۔ میرے اور ان کے درمیان کوئی ناچاقی نہیں ہے۔ شہر پہنچ کے تم ہر ایک سے دوستی گانٹھنا، یہاں تک کہ آزاد خیال جماعت والوں سے بھی۔ مجھے معلوم ہے۔ شہر بھر کی عورتیں تمہاری فکر میں پڑ جائیں گی۔

"موسیو وال نو سے جھگڑا مول نہ لینا اور نہ اس کے کان کاٹ کے گدھی کے پیچھے لگانا، جیسا تم ایک دن کہہ رہے تھے۔ بلکہ اس سے بڑے اخلاق کے ساتھ پیش آنا۔ لازمی چیز یہ ہے کہ شہر بھر میں مشہور ہو جائے تم بچوں کی تعلیم کے لئے

وال تو یا کسی اور کے یہاں جا رہے ہو۔

"یہ بات میرے شوہر کو کبھی گوارا نہیں ہوگی۔ لیکن اگر وہ اسے پی گئے تو بھی کم سے کم تم دیر تک یہیں تو رہو گے، اور میں کبھی کبھی تم سے مل لیا کروں گی۔ میرے بچوں کو تم سے بڑا لگاؤ ہے، وہ تم سے ملنے جایا ہی کریں گے۔ خدا کی قسم، جب میں دیکھتی ہوں کہ بچوں کو تم سے محبّت ہے تو مجھے اُن سے اور پیار ہو جاتا ہے۔ مگر مجھے ندامت بھی کتنی ہے! آخر اس کا انجام کیا ہونا ہے؟ میں تو بہکنے لگی۔ . . . اچھا تم سمجھ گئے نا کہ تمہیں کیا کرنا ہے؟ ان بدتمیز لوگوں سے حقارت کے ساتھ پیش نہ آنا۔ جہاں تک ہو سکے ملائمت اور اخلاق برتنا۔ میں تمہارے پیروں پڑتی ہوں۔ ہماری قسمت کا فیصلہ انہیں لوگوں کے ہاتھ ہے۔ اس بات کا خیال رہے کہ تمہارے سلسلے میں میرے شوہر بالکل وہی کریں گے جو رائے عائمہ کہے گی۔

"یہ گمنام خط تمہیں فراہم کرنا ہوگا۔ بس تھوڑے سے صبر اور ایک قینچی کی ضرورت ہے۔ نیچے جو الفاظ لکھے ہیں انہیں کسی کتاب میں سے کاٹ کے نکال لو۔ میں ایک نیلا کاغذ بھیج رہی ہوں، جو موسیو وال نو کے یہاں سے آیا تھا۔ ان الفاظ کو گوند سے کاغذ پر چپکا دو۔ اپنے کمرے کی تلاشی کے لئے تیار رہنا۔ جس کتاب میں سے لفظ کاٹو اسے جلا دینا۔ اگر پورے پورے لفظ نہ ملیں تو ذرا تکلیف تو ہوگی، مگر حرف حرف کر کے لفظ بنا لینا۔ میں نے یہ گمنام خط مختصر سا ہی لکھا ہے تاکہ تمہیں زحمت نہ ہو۔ ہائے، اگر کہیں تمہیں مجھ سے محبت نہیں رہی۔ (جیسا مجھے ڈر ہے) تو میرا خط تمہیں کتنا طویل طویل معلوم ہوگا۔"

گم نام خط

"بیگم صاحبہ!

آپ کی ساری کارروائیوں کا حال معلوم ہو چکا ہے۔ لیکن جو لوگ آپ کو ان حرکتوں سے روکنا اپنا فرض سمجھیں گے انہیں آگاہ کر دیا گیا ہے۔ میرے دل میں ابھی آپ کی تھوڑی سی جگہ باقی ہے۔ اس لئے میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ اس مزدور بچے کو بالکل چھوڑ دیجئے۔ اگر آپ سمجھداری سے کام لے کر اس ہدایت پر عمل کریں گی تو آپ کے شوہر کو خیال ہو گا کہ یہ جو کسی نے مجھے خبر دی ہے تو اصل میں مجھے بہکایا ہے۔ اور انہیں اس غلطی سے آگاہ نہیں کیا جائے گا۔ یہ بات یاد رکھئے کہ مجھے آپ کا راز معلوم ہے۔ بدنصیب عورت، تمہیں اس خیال سے کانپتے رہنا چاہئے۔ آئندہ سے تمہیں میرے بتلائے ہوئے رستے پر چلنا ہے۔

"اس خط میں والٹر کا انداز ہے یا نہیں؟ جب یہ سامنے لفظ کاٹ کاٹ کر چپکا لو تو اپنے کمرے سے باہر نکل آنا۔ میں مکان میں کہیں نہ کہیں تم سے آملوں گی۔

"میں گاؤں چلی جاؤں گی۔ اور وہاں سے گھبرائی ہوئی واپس آؤں گی اور واقعی مجھے پریشانی ہو گی بھی بہت۔ خدایا! میں کیا خطرہ مول لے رہی ہوں! اور محض اتنی بات پر کہ تمہیں خیال ہے کوئی گم نام خط آیا ہے۔ پھر آخر بڑا غم زدہ سا چہرہ بنا کر یہ خط اپنے شوہر کو دوں گی اور کہوں گی کہ ایک انجان آدمی نے مجھے لا کر دیا ہے اور تم بچوں کو ساتھ لے کر جنگل کی طرف ٹہلنے نکل جانا، اور کھانے کے وقت سے پہلے واپس نہ آنا۔

"چٹانوں کے اوپر سے کبوتر خانے کا مینار دکھائی دیتا ہے۔ اگر سب ٹھیک ٹھاک رہا تو میں وہاں ایک سفید رومال لگا دوں گی۔ اگر معاملہ بگڑ گیا تو پھر وہاں تمہیں کچھ نظر نہیں آئے گا۔

"ناشکرے آدمی، کیا تمہارے دل میں میرے لئے اتنی جگہ ہے کہ پیرس کو جانے سے پہلے کسی نہ کسی طرح مجھے بس یہ بتا جاؤ کہ تمہیں مجھ سے پیار ہے؟ میرا اچھا ہے جو گشر ہو، لیکن ایک بات کا یقین رکھو۔ اگر مجھے تم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہونا پڑا تو میں ایک دن بھی زندہ نہ رہوں گی۔ ہائے، میں کتنی بڑی ماں ہوں! پیلے زردیاں' یہ لفظ یونہی میرے قلم سے نکل گئے۔ مجھے یہ بات محسوس ہی نہیں ہو رہی۔ اس وقت تو مجھے تمہارے سوا اور کسی چیز کا خیال ہی نہیں آرہا۔ یہ لفظ تو میں نے صرف اس لئے لکھ دیئے کہ کہیں تم مجھے برا نہ سمجھنے لگو۔ اب بچھڑنے کا وقت ہی آگیا تو پھر بننے سے کیا فائدہ؟ ہاں، چاہے تم مجھے کتنا ہی سیہ کار کیوں نہ سمجھو، لیکن میں اس آدمی سے جھوٹ نہیں بولوں گی جس کی میں پرستش کرتی ہوں! اپنی زندگی میں میں نے پہلے ہی کون سے کم فریب کھائے ہیں۔ جاؤ، اگر تمہیں مجھ سے محبت نہیں رہی تو میں تمہیں معاف کرتی ہوں۔ میرے پاس اتنا وقت نہیں کہ اپنا خط دوبارہ پڑھ کے دیکھ لوں میں نے تمہارے بازوؤں میں ایسے خوشی کے دن گزارے ہیں کہ اگر ان کے بدلے مجھے اپنی جان بھی دینی پڑے تو سمجھوں گی کہ کوئی بات نہیں۔ تمہیں معلوم ہے کہ مجھے اس سے بھی بڑی قیمت ادا کرنی پڑے گی"۔

اکیسواں باب

آقا سے بات چیت

افسوس! اس کی وجہ ہم نہیں ہیں بلکہ ہماری کمزوری
کیونکہ جیسا ہمارا خمیر ہوگا ویسے ہی ہم ہوں گے۔

شیکسپیر

ژولیاں نے گھنٹہ بھر بیٹھ کے لفظ "چپکا" اور اس کام میں اسے بچوں کی طرح مزا آیا۔ وہ کمرے سے باہر نکلا تو اپنے شاگرد (عدوا) ان کی ماں نظر آئی۔ مادام ورینال نے خط بڑے حوصلے کے ساتھ سیدھے سبھاؤ لے لیا۔ اسے اتنا پُرسکون دیکھ کر ژولیاں ڈر سا گیا۔

"گوند خشک ہو گیا" وہ بولی۔

"کیا یہ وہی عورت ہے جو ندامت کے مارے پاگل ہوئی جا رہی تھی؟" ژولیاں نے دل میں کہا۔ "اب اس کے کیا ارادے ہیں؟" اس کے پندار نے یہ بات پوچھنے نہ دی۔ مگر مادام ورینال شاید اسے کبھی اتنی اچھی نہیں لگی تھی جتنی اس وقت۔

وہ اسی اطمینان کے ساتھ کہنے لگی: "اگر بات بگڑ گئی تو میرا سب کچھ چھن جائے گا

لو، یہ صندوقچہ کہیں پہاڑوں میں گاڑ دینا۔ ممکن ہے ایک دن ایسا آئے جب اس کے سوا میرا کوئی اور سہارا نہ رہے۔"

اس نے ژولیاں کو سُرخ چمڑے کا ایک صندوقچہ دیا جس کے اوپر شیشہ لگا تھا اور اندر دو چار ہیرے اور سونے کے زیور بھرے تھے۔

"اچھا اب جاؤ۔" وہ بولی۔

اس نے بچوّں کو گلے لگایا اور سب سے چھوٹے بچے کو دو دفعہ پیار کیا۔ ژولیاں ہکا بکا رہ گیا۔ وہ اس کی طرف دوبارہ دیکھے بغیر تیز تیز قدم اٹھاتی چل دی۔

وہ گمنام خط کھولنے کے بعد سے موسیوہ ریناَل کے لئے زندگی ایک بار گراں ہو کے رہ گئی تھی۔ سنہ ۱۸۱۶ میں ایک دفعہ وہ ڈوئیل لڑنے سے بال بال بچا تھا اس دن سے لے کر آج تک اسے اتنی پریشانی کبھی نہیں ہوئی تھی اور انصاف کی بات تو یہ ہے کہ اگر اس وقت گولی لگنے کا اندیشہ ہوتا تو بھی اسے اتنی گھبراہٹ نہ ہوتی اس نے ہر طریقے سے خط پر غور کیا۔ پہلے تو دل میں کہنے لگا — "یہ تو کسی عورت کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے اور اس صورت میں یہ کون عورت ہو سکتی ہے؟" وہ شہر کی جتنی عورتوں سے واقف تھا سب پر باری باری سے غور کیا، مگر کوئی ایسی نظر نہ آئی جس پر شبہ کیا جائے۔ ممکن ہے کوئی مرد بولتا گیا ہو اور عورت لکھتی گئی ہو۔ یہ آدمی کون ہے؟ یہاں بھی تذبذب کا عالم رہا۔ وہ جتنے لوگوں سے واقف تھا ان میں سے زیادہ تر اس سے جلتے تھے بلکہ نفرت کرتے تھے۔ وہ جس آرام کرسی پر گر پڑا تھا اس سے اٹھا اور حسب عادت دل میں بولا:

"بیوی سے مشورہ لینا چاہیے۔"

وہ اٹھا ہی تھا کہ اپنے سر پہ دوہتڑ مار کر کہنے لگا۔ "خدایا! وہی تو ایک آدمی ہے جس کا مجھے اعتبار نہیں کرنا چاہئے۔ آج سے وہ میری دشمن ہے۔" اور غصے کے مارے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

تصبات میں اکل کھرے پن ہی کو عقلمندی کا سرچشمہ سمجھا جاتا ہے۔ اس کا اچھا پھل ملا کہ اس وقت موسیو درینال کو سب سے زیادہ جن دو آدمیوں سے ڈر لگ رہا تھا، وہ اس کے سب گہرے دوست تھے۔

ان دو کے علاوہ شاید میرے دس دوست اور ہیں" اور اس نے ایک ایک کر کے اپنے دل میں سب کا جائزہ لیا اور اس بات کا ٹھیک ٹھیک اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ کس آدمی سے مجھے کتنی تسلی ملے گی۔ پھر وہ غصے کے مارے چلا اٹھا۔ "ان سب کو، ان سب میں سے ایک ایک کو میری مصیبت پر انتہائی خوشی ہو گی۔" اتنی بات اچھی ہوئی کہ اس کے خیال میں لوگ اس سے جلتے تھے، اور یہ ٹھیک بھی تھا۔ ایک تو شہر میں اس کے پاس بڑا نفیس مکان تھا جس میں ایک رات گزار کر بادشاہ سلامت نے اسے ابدی سعادت بخش دی تھی۔ پھر اس نے ورژی کے بنگلے کو بھی درست کر کے دلہن بنا دیا تھا۔ سامنے کے حصے پر سفید رنگ تھا، کھڑکیوں میں پیارے پیارے سبز رنگ کے کواڑ لگے تھے۔ اپنی اس شان و شوکت کا خیال آیا تو اسے دم بھر کے لئے تسلی ہوئی۔ بات یہ تھی کہ اس کا بنگلہ سات آٹھ میل کے فاصلے سے نظر آتا تھا۔ اس کے مقابلے میں آس پاس کے مکان (جنہیں لوگ بنگلہ کہتے تھے) بڑے برے معلوم ہوتے کیونکہ وقت کے ہاتھوں ان کا رنگ سیاہ پڑ گیا تھا اور ان کے مالکوں نے بھی اس طرف کوئی توجہ

نہ کی تھی۔

موسیو دربناآل کو بس اپنے ایک دوست یعنی گرجا کے مہتمم کی ہمدردی اور آنسوؤں کا بھروسہ تھا، مگر وہ تو بالکل فاترالعقل آدمی تھا، اور ہر بات پہ رونے لگتا تھا۔ بہرحال یہ آدمی اس کا آخری سہارا تھا۔

"مجھ پر جو مصیبت پڑی ہے اس کی مثال کہیں مل سکتی ہے؟" وہ آگ بگولا ہو کر بولا۔ "بھلا میری طرح بھی کوئی بے یار و مددگار ہو گا؟"

اس کی حالت واقعی رحم کے قابل ہو چکی تھی۔ وہ اپنے آپ سے پوچھنے لگا۔ "کیا یہ حقیقت ہے کہ میرا ایک بھی ایسا دوست نہیں جس سے مصیبت کے وقت مشورہ لے سکوں؟ میرا تو دماغ خراب ہوا جا رہا ہے، مجھے صاف نظر آ رہا ہے! ہائے، فالی کورز! ہائے، دلو کروا!" وہ غم کے مارے چیخ اٹھا۔ یہ دونوں اس کے بچپن کے دوست تھے، جن سے اپنی اکڑ بازی کے سبب اس نے ۱۸۱۴ء میں بگاڑ کر لیا تھا۔ اس وقت تک ساری عمر ان میں برابری کا سلوک رہا تھا، لیکن چونکہ وہ شریف خاندان کے نہیں تھے، اس لئے دربناآل کا رویہ بدل گیا تھا۔

ان میں سے ایک یعنی فالی کورز بڑے دل گردے کا آدمی تھا اور ساتھ ہی ذہین اور طباع بھی۔ وریئیر میں وہ کاغذ کی تجارت کرتا تھا۔ اس نے صوبے کے سب سے بڑے شہر میں ایک چھاپہ خانہ خرید لیا، اور ایک اخبار بھی نکال ڈالا۔ کلیسا کو اس سے ایسی مخاصمت ہوئی کہ اس کی بربادی کے منصوبے گانٹھے جانے لگے۔ اس کا اخبار مردود قرار پایا، اور چھاپے خانے کا لائسنس چھین لیا گیا۔ ان افسوس ناک حالات میں اس نے دس سال میں پہلی مرتبہ موسیو دربناآل کو ایک خط لکھا۔ وریئیر

کے مینیجر نے قدیم رومیوں کے انداز میں جواب دینا اپنا فرض سمجھا۔ "اگر بادشاہ سلامت کے وزیر نے مجھ سے رائے طلب فرمائی تو میں کہوں گا کہ صوبے کے سارے چھاپے خانے والوں کو تہس نہس کر دیجئے، اور تمباکو کی تجارت کی طرح اس کام کو بھی حکومت کی تحویل میں لے آیئے۔" اس وقت سارا شہر اس خطبہ پر عش عش کر اٹھا تھا۔ لیکن اب موسیو درینال اس کا ایک ایک لفظ یاد کر کے خجل ہو رہا تھا۔ بھلا کون کہہ سکتا تھا کہ اپنی دولت، اپنی عزت اور اپنے خطابات کے باوجود ایک دن مجھے اس پہ ندامت ہوگی؟ کبھی تو وہ غصے کے مارے خود اپنے اوپر لال پیلا ہونے لگتا کبھی دوسروں پر۔ غرض یہ رات اس نے اسی اذیت میں بسر کی۔ لیکن خوش قسمتی سے اسے اپنی بیوی کی نگرانی کرنے کا خیال نہیں آیا۔

وہ دل میں کہنے لگا "میں اس سے مانوس ہو گیا ہوں۔ وہ میرے سارے معاملات اچھی طرح جانتی ہے۔ اگر مجھے دوبارہ شادی کرنے کا اختیار مل بھی جائے تو بھی کوئی ایسی عورت نہیں مل سکے گی۔ جو اس کی جگہ لے سکے۔" پھر وہ اپنی تسلی کی خاطر یہ سوچنے لگا کہ میری بیوی بے گناہ ہے۔ اس نقطہ نظر میں ایک تو سہولت کہیں زیادہ تھی، دوسرے موسیو درینال کو اپنے کردار کی مضبوطی دکھلانے کی ضرورت باقی نہ رہتی تھی۔ ایسے بیسیوں واقعات سبھی نے دیکھے ہیں کہ بچاری بیوی پہ جھوٹ موٹ الزام لگایا گیا ہو!

پھر وہ ایک دم سے اضطرار کے عالم میں فرش پر ادھر سے اُدھر ٹہلنے لگا اور بولا "کیا میں کوئی کاٹھ کا الو یا کوئی بھک منگا ہوں کہ وہ تو اپنے یار کے ساتھ گلچھرے اڑا رہی ہے اور میں ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم کا مصداق بنا رہوں؟

کیا میں ایسا ہونے دوں گا کہ شہر بھر میری بے فکری کا مذاق اڑائے؟ نثار تیمٹے کے متعلق لوگوں نے کیا کیا نہیں کہا؟ (یہ شخص علاقے بھر میں اپنی بیوی کی بے وفائی کے سبب مشہور تھا) اس کا نام آتے ہی ہر آدمی مسکرا پڑتا ہے یا نہیں؟ وہ بڑا اچھا وکیل ہے۔ تقریر کے فن میں ماہر ہے، لیکن آج ان باتوں کا ذکر کون کرتا ہے؟ لوگ تو کہتے ہیں — آہا، نثار تیمٹے! بڑنار والا نثار تیمٹے! یعنی لوگ بچارے کو اس آدمی کے نام سے یاد کرتے ہیں جس نے اس کی تذلیل کی ہے"۔

کچھ دیر ٹھہر کے موسیو دربنال نے کہا ۔۔۔ "خدا کا شکر ہے میرے کوئی بیٹی نہیں ہے اور میں ان کی ماں کو جس طرح کی سزا دینے والا ہوں۔ اس سے میرے بچوں کی زندگی پر کوئی بُرا اثر نہیں پڑے گا۔ ممکن ہے کسی دن یہ مزدور جوان اور میری بیوی ساتھ ساتھ ہوں، اور میں ایکا ایکی انہیں جا پکڑوں اور دونوں کو موت کے گھاٹ اتار دوں۔ اس المناک انجام کے بعد یہ سارا واقعہ شاید اتنا مضحکہ خیز نہ رہے"۔ یہ خیال اُسے پسند آیا، اور اس نے بیٹھ کے پوری تفصیلات طے کیں "قانونِ تعزیرات میری طرف ہے، اور چاہے کچھ بھی ہو۔ مجھے کلیسا کی حمایت حاصل ہوگی، پھر جیوری کے لوگ میرے دوست ہوں گے ہی، وہ مجھے بچالیں گے"۔ اس نے اپنا شکاری چاقو نکال کے دیکھا جس کا پھل بڑا تیز تھا، لیکن خون بہانے کا خیال آتے ہی وہ ڈر گیا۔

"یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں اس بدتمیز اتالیق کو مارتے مارتے اس کا بھرکس نکال دوں، اور گھر سے چلتا کروں۔ لیکن ویرئیر میں، بلکہ پورے صوبے میں کتنا ہنگامہ ہوگا! خال کوز کا اخبار بند ہونے کے بعد جب اس کا ایڈیٹر جیل سے نکلا تو اسے

چھ سو فرانک کی ملازمت سے برطرف کرانے میں میرا ہی ہاتھ تھا۔ سنا ہے کہ یہ ٹٹ پونجیا پھر بساں تسوں میں آ پہنچا ہے۔ ممکن ہے وہ میری پگڑی اچھالے اور اپنی چالاکی سے کام لے کہ میں عدالت سے چارہ جوئی بھی نہ کر سکوں! وہ بدتمیز ہزار طریقے سے یہ جتانے کی کوشش کرے گا کہ جو کچھ اس نے لکھا ہے وہ سب سچ ہے۔ نیچے درجے کے لوگ عالی نسب خاندان سے ہمیشہ نفرت کرتے ہیں اور خصوصاً ایسے شخص سے جسے اپنے مرتبے پر ناز ہو۔ میرا نام پیرس کے اُن منحوس اخباروں میں نکلے گا۔ خدایا! کتنی ذلت کی بات ہے! لوگ میرے قدیم خاندانی نام پر ہنسیں۔ میں اسے کیچڑ میں لتھڑا ہوا دیکھوں! . . . اگر میں نے کبھی سفر کیا تو مجھے نام بدلنا پڑے گا۔ ہیں! یہ نام چھوڑنا پڑے گا۔ جو میرا سرمایۂ افتخار ہے، جو میری قوت ہے۔ اس سے بڑھ کے کیا ذلت ہوگی!

"اگر میں بیوی کو جان سے نہ ماروں بلکہ ذلیل کر کے نکال دوں تو بساں سوں میں اُس کی خالہ موجود ہے جو اپنی ساری دولت چپ چاپ اُسے تھما دے گی۔ میری بیوی اطمینان سے تُرولیاں کے ساتھ جا کے پیرس میں رہنے لگے گی۔ ویریئر والوں کو اس کا پتا چل ہی جائے گا اور لوگ پھر مجھے اُلّو سمجھیں گے۔" لیمپ کی روشنی مدھم پڑ چکی تھی۔ اس بدنصیب انسان نے اس سے اندازہ لگایا کہ اب دن نکلنے والا ہے۔ وہ کھلی ہوا میں سانس لینے کی غرض سے باہر باغ میں نکل گیا۔ اب اس نے تقریباً فیصلہ کر لیا کہ میں غل شور نہیں مچاؤں گا۔ کیونکہ اس بات سے میرے دشمنوں کو بڑی خوشی ہوگی۔

باغ میں ٹہلنے سے دل میں ذرا ٹھنڈک پڑی، اور وہ کہنے لگا "نہیں، ہیں! بیوی

بیوی کو الگ نہیں کروں گا۔ اس کے ہونے سے بڑا فائدہ ہے۔" اس نے سوچا کہ بیوی کے بغیر گھر کی کیا حالت ہوگی تو اسے گھبراہٹ ہونے لگی۔ عورتوں میں اس کی بس ایک ہی رشتے دار تھی۔ مارکوتش رے کی بیوی۔ مگر وہ بڑھیا بڑی احمق اور بدمزاج تھی۔

اُسے ایک بڑی معقول بات سوجھی، لیکن اس پر عمل کرنے کے لئے کردار کی اتنی پختگی چاہیے تھی جتنی قدرت نے بچارے کو عطا نہیں کی تھی۔ وہ دل میں کہنے لگا "میں بیوی کو اپنے پاس رہنے بھی دوں، مگر اپنی طبیعت سے خوب واقف ہوں۔ اگر کسی دن مجھے اس کی کسی بات پر غصہ آگیا تو میں اسے طعنے دینے لگوں گا کہ تمہاری یہ حرکتیں ہیں۔ وہ ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتی۔ ہماری ضرور جھپٹ ہو جائے گی اور یہ ساری باتیں اُسے خالہ کی جائداد ملنے سے پہلے ہوں گی۔ پھر لوگ میرا کیسا مذاق اڑائیں گے! میری بیوی کو اپنے بچوں سے بڑی محبت ہے۔ جائداد تو آخر میں انھیں مل جائے گی لیکن میں؟ میرا نام شہر بھر میں نکل جائے گا۔ لوگ کہیں گے کہ اس سے اپنی بیوی کو سزا تک نہ دی جا سکی! کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ میں اپنے شبہات کو یونہی رہنے دوں اور اصلی بات کا پتہ چلانے کی کوشش ہی نہ کروں؟ پھر میرے ہاتھ اپنے آپ سے اپنے آپ بندھ جائیں گے۔ مجھے کچھ معلوم ہی نہ ہوگا تو طعنہ کس بات کا دوں گا؟"

ایک لمحے بعد اس کے زخم خوردہ پندار نے اسے پھر تنگ کرنا شروع کر دیا اور وہ بڑی محنت سے وہ سارے قصّے یاد کرنے لگا جو شہر کے بلیرڈ روم یا کلب میں سنے تھے۔ وہاں اکثر ایسا ہوتا تھا کہ کوئی نستان آدمی کھیلتے کھیلتے رک جاتا اور کسی

فریب خوردہ شوہر کی داستان محض تفنن طبع کی خاطر سنانے لگتا۔ اس وقت موسیو رینال کو وہ لطیفے بازی بڑی سنگدلی کی بات معلوم ہوئی۔

"خدایا، میری بیوی مر کیوں نہ گئی! پھر لوگ میرا مذاق نہ اڑا سکتے! میں رنڈوا کیوں نہ ہو گیا! میں چھ مہینے کے لئے پیرس چلا جاتا اور وہاں اچھے سے اچھے لوگوں کی صحبت مجھے نصیب ہوتی۔" رنڈوا ہو جانے کے تصوّر سے دو چار منٹ تو اس کے اچھے گزرے، مگر وہ پھر اسی ادھیڑ بُن میں پڑ گیا کہ حقیقت کیسے معلوم کی جائے۔ یہ ترکیب کیسی رہے گی کہ جب سارا گھر سو جائے تو آدھی رات کو ژولیاں کے کمرے کے باہر تھوڑی سی بھوسی بچھا دی جائے؟ اگلے دن صبح سویرے قدموں کے نشان دکھائی دے جائیں گے۔

"لیکن یہ ٹھیک نہیں ہے۔" وہ ایک دم سے غصے میں بھر کے بولا۔ "وہ کم بخت ایلیزا دیکھ لے گی اور فوراً گھر بھر میں یہ بات اُڑ جائے گی کہ مجھے اپنی بیوی پر شک ہے۔"

بلیرڈ روم میں ایک اور قصّہ مشہور تھا جس میں ایک شوہر نے اپنی مصیبت کا پتا بالکل نئے طریقے سے چلایا تھا۔ اُس نے اپنی بیوی اور اس کے عاشق کے دروازوں پر موم سے ایک بال چپکا کر گویا مہر لگا دی تھی۔

کئی گھنٹے کی دُبدھا کے بعد اصلیت معلوم کرنے کا یہ طریقہ اسے سب سے اچھا لگا اور وہ سوچ ہی رہا تھا کہ اب یہی کر کے دیکھا جائے کہ اتنے میں پگڈنڈی کے موڑ پر اسی بیوی سے مڈبھیڑ ہو گئی جس کی موت کی دعائیں وہ اتنی دیر سے مانگ رہا تھا۔ وہ گاؤں سے واپس آ رہی تھی۔ وہ ورژی کے گرجا میں نماز کے لئے گئی تھی

یہاں ایک روایت مشہور تھی جو کسی خشک مزاج فلسفی کی نظروں میں تو نامعتبر ٹھہرے گی مگر مادام ورینال کو اس پر پورا یقین تھا۔ اس روایت کے مطابق یہ چھوٹا سا گرجا جو آج کل سب کے لیئے کھلا ہوا تھا، ایک زمانے میں ورژی کے نواب کا ذاتی معبد تھا اور قلعے کے اندر تھا۔ مادام ورینال گرجا کے اندر اپنا وقت دعا میں گزارنا چاہتی تھی مگر اس کے بجائے یہ خیال اس کے دماغ پر مسلط ہو گیا۔ وہ اپنے تصور میں یہی دیکھتی رہی کہ میرا شوہر ژولیاں کو کہیں شکار میں جان سے مار ڈالے گا جیسے یہ حادثہ اتفاقاً ہو گیا ہو، اور پھر اسی شام کو مجھے ژولیاں کا دل کھلائے گا۔

وہ دل میں کہنے لگی ــــ "اب میری قسمت کا فیصلہ اس پر ہے کہ وہ میری بات سن کر کیا سوچتا ہے۔ یہ پندرہ منٹ، تو ایسے گزریں گے جیسے میں موت کے منہ میں کھڑی ہوں۔ اس کے بعد شاید مجھے اس سے بات کرنے کا موقع پھر کبھی نہیں ملے گا۔ اس میں سمجھ بوجھ تو ہے نہیں۔ نہ وہ عقل سے کام لیتا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو شاید میں اپنی کمزور عقل کی مدد سے کچھ پیشین گوئی کر سکتی کہ وہ کیا کرے گا اور کیا کہے گا۔ مگر یہ شخص تو من موجی ہے۔ جب اسے غصہ آتا ہے تو وہ بالکل اندھا ہو جاتا ہے اور اسے کچھ سجھائی نہیں دیتا اور ہماری قسمت کا فیصلہ اس آدمی کے ہاتھ ہے لیکن پھر بھی اگر میں ہوشیاری دکھاؤں اور اس کے خیالات کو اپنے حسب منشا ایک ڈھرے پر لگا سکوں تو میں اپنا بچاؤ کر سکتی ہوں۔ خدایا، اس وقت مجھے ہوشیاری چاہیئے۔ ٹھنڈے دل سے غور کرنے کی صلاحیت چاہیئے۔ یہ چیزیں مجھے کہاں ملیں گی؟"

باغ میں داخل ہوتے ہی اور اپنے شوہر کو دور سے دیکھتے ہی اسے گویا

ہوا سکون واپس مل گیا جیسے کسی نے جادو کر دیا ہو۔ موسیو دریناآل کے بکھرے ہوئے بالوں اور مسلے وسلے کپڑوں سے پتہ چلتا تھا کہ رات وہ سو نہیں سکا۔

مادام دریناآل نے اسے ایک خط دیا جس کی مہر تو ٹوٹی ہوئی تھی مگر کاغذ تہہ کیا ہوا تھا۔ موسیو دریناآل نے خط کھولے بغیر بیوی کی طرف ایسے دیکھا جیسے کچا چبا جائے گا۔

وہ بولی ۔۔۔ ”لو یہ بلا مجھے ایک انجان آدمی نے دی ہے۔ میں وکیل کے باغ کے پیچھے سے گزر رہی تھی تو وہ مجھے ملا تھا اور کہتا تھا کہ میں موسیو دریناآل کو اچھی طرح جانتا ہوں اور ان پر میرا بڑا احسان ہے۔ اب میری آپ سے ایک التجا ہے اور وہ یہ کہ ان ژولیاں صاحب کو فوراً اپنے گھر چلتا کیجیے“۔ مادام دریناآل کو یہ نام زبان سے نکالنے کے خیال سے ایسی گھبراہٹ ہو رہی تھی کہ اس پریشانی سے چھٹکارا پانے کے لئے جلدی سے، بلکہ شاید وقت سے پہلے ہی بات کہہ ڈالی۔

یہ دیکھ کر اسے بڑی مسرت ہوئی کہ اس کی بات سنتے ہی اُس کے شوہر کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔ موسیو دریناآل نے اسے کچھ اس طرح ٹکٹکی باندھ کے دیکھا کہ وہ سمجھ گئی ژولیاں نے بالکل صحیح اندازہ لگایا تھا۔ اس وقت جو مصیبت در پیش تھی اس پر پریشان ہونے کی بجائے وہ دل میں کہنے لگی ۔۔۔ ”کیا ذہانت ہے کیا سمجھ بوجھ ہے! اور پھر اس عمر میں! اور اس حالت میں کہ ابھی اسے دنیا کا کوئی تجربہ ہی نہیں ہے! آئندہ چل کے وہ نہ معلوم کتنی ترقی کرے گا! مگر افسوس! اپنی کامیابیوں کے آگے وہ مجھے بالکل بھول جائے گا“۔

جس آدمی پر وہ جان چھڑکتی تھی۔ یہ جو تحسین کا جذبہ پیدا ہوا تو اپنی ساری

پریشانی اس کے دل سے محو ہو گئی۔

وہ خود اپنے آپ کو داد دینے لگی کہ میں نے بھی کیا بات پیدا کی ہے ۔ "میں نے ثابت کر دکھایا ہے کہ میں ژولیاں کے لائق ہوں" ــــ یہ سوچتے ہوئے اسے ایک شیرینی سی، ایک پوشیدہ لذّت سی محسوس ہوئی۔

موسیو درینآل ابھی کسی خاص رائے کا اظہار نہیں کرنا چاہتا تھا، چنانچہ اس نے ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکالا، اور اس دوسرے گمنام خط کو غور سے دیکھنے لگا جو آپ کو یاد ہو گا کہ چھپے ہوئے الفاظ نیلے کاغذ پر چپکا چپکا کر تیار کیا گیا تھا۔ موسیو درینآل تھک کے چور ہو چکا تھا۔ وہ دل میں بولا ــــ" یہ لوگ طرح طرح سے مجھے اُلّو بنا رہے ہیں"۔

" مجھے ذلیل کرنے کی یہ اور کوششیں ہو رہی ہیں، اب مجھے ان کی تفتیش کرنی پڑے گی اور یہ سب میری بیوی کی وجہ سے ہو رہا ہے"۔ قریب تھا کہ وہ بیوی پر گندی گالیوں کی بوچھاڑ شروع کر دے، مگر بیسانسوں میں جو دولت مادام درینآل کی منتظر تھی اس کا خیال آتے ہی وہ رُک گیا۔ مگر وہ مجبور ہو رہا تھا کہ کسی نہ کسی چیز پر غصہ اتارے، چنانچہ اس نے خط کا کاغذ پھاڑ دیا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ادھر سے ادھر ٹہلنے لگا۔ اسے اپنی بیوی کی قربت برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ دو چار منٹ بعد وہ پھر اس کے پاس لوٹ آیا۔ اب اسے کچھ سکون سا آ گیا تھا۔

وہ فوراً کہنے لگی ــــ" اب ہمیں جلدی کوئی فیصلہ کرنا چاہئے اور ژولیاں کو واپس بھیج دینا چاہئے۔ آخر وہ مزدور ہی کا تو بیٹا ہے۔ کچھ پیسے دے دلا کے اس کی

اشک شوئی کی جا سکتی ہے۔ پھر وہ ہوشیار آدمی ہے۔ اُسے موسیو آں نو یا نائب ناظم موڑی رون کے یہاں آسانی سے ملازمت مل سکتی ہے۔ دونوں کے نچے ہیں۔ غرض یہاں نوکری چھٹنے سے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔"

"تم تو بالکل بیوقوفی کی باتیں کرتی ہو" موسیو دریناں نے گرج کر کہا "عورتوں سے سمجھ بوجھ کی توقع ہو بھی کیسے سکتی ہے؟ تم لوگ عقل کی بات تو کبھی غور سے سنتی ہی نہیں۔ پھر تمہیں دین دنیا کا کیا ہوش ہو سکتا ہے؟ تم لوگ کاہل وجود اور بے فکری ہوتی ہو۔ تمہیں کوئی کام ہے تو بس یہ کہ چلتی ہوا سے لڑا کرو۔ عورتیں ہوتی ہی کمزور ہیں۔ یہ ہم مردوں کی بدقسمتی ہے کہ انہیں گھر میں رکھنا پڑتا ہے۔ . . ."

مادام دریناں نے اسے بولنے دیا، اور وہ جی بھر کے بولا۔ وہ تو اپنا غصہ اتار رہا تھا۔

آخر وہ کہنے لگی ۔۔ "دیکھئے میں نے تو اس وجہ سے یہ بات کہی ہے کہ میں عورت ہوں اور میری عزت یعنی سب سے قیمتی چیز پر حملہ ہوا ہے۔"

یہ گفتگو بڑی صبر آزما تھی لیکن مادام دریناں نے اپنے سکون میں فرق نہ آنے دیا۔ کیونکہ اگر ژولیاں کے ساتھ ایک ہی مکان میں رہنے کا کوئی امکان نہ تھا تو اس کا دارومدار اسی گفتگو پر تھا۔ وہ سوچ سوچ کر ایسی باتیں کہہ رہی تھی جن سے اس کے شوہر کا اندھا غصہ اس کے بتائے ہوئے ڈھرے پر چل سکے۔ شوہر نے جتنی توہین آمیز باتیں کہیں اس نے ان کا ذرا اثر نہ لیا۔ بلکہ وہ تو سن ہی نہ رہی تھی۔ اسے تو ژولیاں کا خیال لگا ہوا تھا: "وہ مجھ سے خوش ہو گا یا نہیں؟"

"یہ لڑکا جس پر ہم نے اتنی مہربانیاں کی ہیں اور جسے ہم نے اتنے تحفے دیئے

ہیں، ممکن ہے معصوم ہو۔" آخر وہ بولی۔" مگر بہرحال عمر میں پہلی مرتبہ میری توہین ہوئی ہے اور اس کی وجہ سے ہوئی ہے۔ ۔ ۔ ۔ جب میں نے وہ منحوس خط پڑھا تھا تو قسم کھائی تھی کہ اس گھر میں یا تو وہ رہے گا یا میں رہوں گی۔"

"کیا تم پورا ہنگامہ برپا کرنا چاہتی ہو جس میں میری بھی بے عزتی ہو اور تمہاری بھی؟ تم تو شہر کے بہت سے لوگوں کی ضیافتِ طبع کا سامان فراہم کر رہی ہو۔"

"یہ تو ٹھیک ہے۔ آپ کے حسنِ انتظام سے خود آپ کو، آپ کے خاندان کو، بلکہ سارے شہر کو ایسی خوش حالی میسر آئی ہے کہ سب آپ سے جلتے ہیں۔ ۔ ۔ خیر میں جلدی کے ژولیاں سے کہتی ہوں کہ آپ سے مہینے بھر کی چھٹی مانگ لے، اور پہاڑ پر اس لکڑی کے تاجر کے پاس چلا جائے جو اس لڑکے کے لئے بہت مناسب ساتھی ہے۔"

"ذرا سوچ سمجھ کے کام کرو۔" موسیو درینال نے خاصے سکون کے ساتھ جواب دیا۔" پہلی بات جو میں چاہتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ تم اس سے بات نہ کرو۔ تم سے اپنا غصہ ضبط نہیں ہوگا، اور وہ مجھ سے بگڑ بیٹھے گا۔ تم جانتی ہی ہو کہ یہ حضرت کیسے نازک مزاج ہیں۔"

"اس لڑکے میں ذرا سمجھ نہیں۔" مادام درینال کہنے لگی۔" پڑھنے لکھنے میں تیز ہو تو ہو، یہ بات تو آپ جانتے ہوں گے۔ لیکن ہے وہ اصل میں گنوار ہی۔ ری ہیں۔ تہذیب سے۔ اس نے ایلیزا سے شادی کرنے سے انکار کیا ہے میں تو اسے کوئی معقول آدمی سمجھتی نہیں۔ بھلا بیٹھے بٹھائے پیسہ مل رہا تھا! اور محض اتنی سی بات پر کہ وہ کبھی کبھار چھپ کے موسیو والنو سے مل آتی ہے۔"

"اچھا!" موسیو ورنیال نے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔ "کیا خود ژوویاں نے تم سے کہا ہے"

"نہیں، صاف تو نہیں کہا۔ مجھ سے تو وہ یہی کہتا رہتا ہے کہ مجھے تو خدا نے پادری بننے کے لئے ہی پیدا کیا ہے اور میرا تو یہی فریضہ ہے۔ لیکن اصل بات تو یہ ہے کہ ان نیچ لوگوں کا سب سے پہلا فریضہ روز کی روٹی حاصل کرنا ہے۔ اس نے اشاروں ہی اشاروں میں یہ بات مجھے سمجھا دی ہے کہ وہ ان خفیہ ملاقاتوں سے ناواقف نہیں ہے۔"

"او مجھے! مجھے اس کی اب تک خبر ہی نہیں!" موسیو ورنیال ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے پھر گرجا۔ "اسے پھر تاؤ آگیا تھا۔" میرے گھر میں ایسی باتیں ہوں، اور مجھے ہوا تک نہ لگے!۔۔۔ اچھا! الیزا اور ژوویاں کے درمیان کچھ معاملہ چل رہا ہے؟"

"ارے، یہ تو پرانا قصہ ہے۔" مادام ورنیال نے ہنستے ہوئے کہا۔ "گزشتہ کوئی بری بات نہیں ہوئی۔ یہ اس زمانے کا ذکر ہے جب آپ کے دوست والی تو شہر کے لوگوں کو یہ جتانے کی فکر میں تھے کہ میرے اور ان کے درمیان پاک محبت چل رہی ہے۔"

"ایک زمانے میں مجھے یہ بات کھٹکی تھی۔" ایک کے بعد جب دوسرا انکشاف ہوا تو موسیو ورنیال نے غصے کے مارے اپنا سر پیٹ کر کہا۔ "اور تم نے مجھ سے اس کا ذکر تک نہیں کیا؟"

"ہمارے مہتمم صاحب بچاروں کو تھوڑا سا خمار گندم ہی تو تھا۔ اب اتنی سی بات پر کیا میں دو دوستوں میں لڑائی کرا دیتی۔ اسے جلنے کی کون سی

ایسی عورت ہے جسے انہوں نے دو ایک پھڑکتے ہوئے عاشقانہ خط نہ لکھے ہوں؟"

"تمہیں بھی کوئی خط لکھا ہے؟"

"اکثر لکھتے رہتے ہیں۔"

"اس کے خط مجھے ابھی دکھاؤ۔ میں حکم دیتا ہوں۔" اور موسیو درینال کا قد چھ فٹ بڑھ گیا۔

"ہرگز نہیں ہو سکتا۔" جواب ایسے نرم لہجے میں ملا جس سے بے نیازی ٹپکتی تھی۔ "کسی اور دن دکھاؤں گی۔ جب آپ کا غصہ اتر چکا ہوگا۔"

"اجی لعنت! اسی وقت دکھاؤ!" موسیو درینال نے چیخ کر کہا۔ وہ غصے کے مارے آپے سے باہر ہو گیا تھا۔ مگر ساتھ ہی ساتھ اس کی حالت پچھلے بارہ گھنٹے کی بہ نسبت کہیں بہتر تھی۔

مادام درینال نے بڑی سنجیدہ بن کے کہا۔۔۔ "اچھا، لیکن آپ قسم کھائیے کہ ان خطوں کے بارے میں محتاج خانے کے مہتمم سے کبھی نہیں لڑیں گے۔"

"لڑائی جھگڑا ہو یا نہ ہو مگر میں اسے لاوارث بچوں کی نگرانی سے ہٹا سکتا ہوں۔" اس نے غصے کے مارے کھولتے ہوئے کہا۔ "لیکن میں وہ خط فوراً دیکھنا چاہتا ہوں۔ کہاں ہیں وہ؟"

"میری میز کی درازمیں ہیں۔ لیکن یقین رکھئے۔ میں آپ کو تالی نہیں دوں گی۔"

"میں تالا توڑ دوں گا۔" وہ اپنی بیوی کے کمرے کی طرف دوڑتے ہوئے چیخا۔

اس نے واقعی لوہے کی سلاخ لے کر مہاگنی کی وہ قیمتی میز توڑ ڈالی جو پیرس سے منگوائی تھی اور جس کا اسے خیال اتنا رہتا تھا کہ اگر کبھی اس پر دھبے کا شبہ ہوتا تو فوراً اپنے کوٹ کے دامن سے رگڑ رگڑ کے صاف کرتا تھا۔

اس دوران میں مادام درینال دوڑتی ہوئی کبوتر خانے کی ایک سو بیس سیڑھیاں چڑھ گئی، اور کھڑکی کی سلاخ میں ایک سفید رومال باندھ دیا۔ اس وقت کوئی عورت اس کے برابر خوش نہ ہوگی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور وہ پہاڑ کے اوپر جنگلوں کی طرف ٹکٹکی باندھ کے دیکھنے لگی اور دل میں بولی۔ "اُن گھنے درختوں میں سے کسی ایک کے نیچے ژولیاں کھڑا اس مسرت انگیز اشارے کا انتظار کر رہا ہوگا" وہ بہت دیر تک کان لگائے رہی، پھر جھینگروں کے بیزار کُن شور اور چڑیوں کی چوں چوں چوں چوں کو بے لفظ سننے لگی۔ اگر یہ منحوس آوازیں نہ ہوتیں تو شاید ایک خوشی کی چیخ پہاڑیوں سے نکل کر اس تک آ پہنچتی۔ درختوں کی چوٹیوں سے مل کر یہاں سے وہاں تک سبزے کا ایک سپاہی مائل ڈھلان سا بن گیا تھا۔ جو مرغزار کی طرح ہموار تھا۔ اس کی بھوکی نظریں اس کا جائزہ لینے لگیں۔ اس کا دل بھر آیا اور وہ بولی ــــ" اس میں اتنی بھی سمجھ نہیں کہ کسی نہ کسی اشارے سے مجھے یہی بتا دیتا کہ اُسے بھی اتنی ہی خوشی ہو رہی ہے جتنی مجھے!" وہ کبوتر خانے سے اس وقت اتری جب اسے یہ ڈر لگنے لگا کہ کہیں میرا شوہر میری تلاش میں ادھر نہ آ نکلے۔

اس نے دیکھا کہ موسیو درینال غصے کے مارے لال پیلا ہو رہا ہے۔ موسیو دالنو کے رسیلے جملے اس کی نظروں سے گزر رہے تھے۔ جنہیں کسی نے اتنے جذبے

کے ساتھ کبھی کا بے کو پڑھا ہوگا۔

اس کے شوہر کی چیخ پکار نے اتنی مہلت دی کہ اس کی بات سنی جا سکے۔ تو وہ کہنے لگی ــــ "رہ رہ کے مجھے وہی خیال آتا ہے۔ ژدلیاں کو تھوڑے دن کے لئے چلے جانا چاہئے۔ اسے لاطینی کی کتنی بھی لیاقت سہی، مگر آخر وہ گنوار ہے جس میں نہ تو تمیز ہے نہ سلیقہ اور نہ سمجھ بوجھ۔ وہ سمجھتا ہے کہ میں بڑی شائستگی کی باتیں کر رہا ہوں اور روز میری تعریف میں ایسے ایسے مبالغہ آمیز جملے کہتا ہے جو انتہائی بدمذاقی کا ثبوت دیتے ہیں اور اس نے کسی ناول میں سے یاد کئے ہیں . . . "

"مگر وہ تو ناول پڑھتا ہی نہیں" موسیو درینال چیخ کے بولا۔ "مجھے اس بات کا پورا یقین ہے۔ کیا تم سمجھتی ہو کہ میں یونہی گھر کا مالک بن گیا ہوں؟ کیا میں اندھا ہوں اور مجھے خبر نہیں کہ میرے گھر میں کیا ہو رہا ہے؟"

"اچھا یوں ہی سہی۔ اگر اس نے وہ احمقانہ باتیں کسی کتاب میں سے یاد نہیں کیں تو خود گھڑی ہوں گی، یہ اور بری بات ہے۔ اس نے شہر میں بھی اسی انداز سے میرا ذکر کیا ہوگا اور اتنی دور جانے کی بھی ضرورت نہیں" مادام درینال نے اس طرح کہا جیسے کوئی نئی بات دریافت کی ہو۔ "اس نے ایلیزا کے سامنے میرا ذکر اسی طریقے سے کیا ہوگا اور یہ ایسا ہی ہے جیسے موسیو والنو کے سامنے ذکر کیا ہو۔"

"ہاں!" موسیو درینال نے میز پر اس زور سے مکا مارا کہ میز تو میز، سارا کمرہ ہل گیا۔ "وہ چھپا ہوا گمنام خط اور والنو کے خط سب کے سب ایک ہی جیسے کاغذ پر ہیں!"

"آخر پھنس ہی گیا!" مادام درینال نے دل میں کہا۔ اس نے ایسی شکل بنالی

جیسے یہ بات کھل جانے سے اس پر بجلی سی گر پڑی ہو۔ اسے آگے بولنے کی ہمت نہ پڑی اور چپ چاپ جا کے کمرے کے آخر میں ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔

یہ معرکہ تو اس نے مار لیا تھا۔ اب کوئی ایسی چال چلنی تھی کہ موسیو دربنیال اس گمنام خط کے مفروضہ مصنف کے پاس جا کے اس سے بات نہ کرنے پائے۔

"کیا آپ کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ کسی خاص ثبوت کے بغیر موسیو وال نو کو جا کے ڈانٹنا ڈپٹنا بڑی غلط چیز ہے؟ اگر لوگ آپ سے جلتے ہیں تو اس میں قصور کس کا ہے؟ آپ کے کمالات کا۔ آپ کا حسنِ انتظام، آپ کی بنائی ہوئی عمارتیں جو آپ کی خوش مذاقی کا ثبوت ہیں، میں جو جہیز لائی ہوں، اور سب سے زیادہ وہ دولت جو ہمیں خالہ کی طرف سے ملنے والی ہے۔ مگر جیسے لوگ بہت بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں۔۔۔۔ انہیں سب چیزوں کی وجہ سے تو آپ شہر کی سب سے ممتاز شخصیت بنے ہیں۔"

"تم میرے خاندان کا ذکر کرنا بھول ہی گئیں۔" موسیو دربنیال نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"آپ صوبے کے سربرآوردہ لوگوں میں سے ہیں۔" مادام دربنیال نے جلدی سے لقمہ دیا۔ "اگر بادشاہ سلامت خود مختار ہوتے اور عالی نسب لوگوں کے ساتھ انصاف سے کام لے سکتے تو آج آپ ضرور دارالامرا میں ہوتے۔" وغیرہ وغیرہ۔ "ایسے بلند مرتبے پر ہونے کے بعد آخر آپ ایسی بات کیوں کرتے ہیں جس سے حاسدوں کو نکتہ چینی کا موقع ملے؟"

"موسیو وال نو سے گمنام خط کا تذکرہ کرنے کے معنی یہ ہیں کہ دیر تیر تو

کیا بساں سوں میں بھی، بلکہ سارے صوبے میں ڈھنڈورا پٹ جائے گا کہ ریناآل خاندان
کے ایک فرد نے ذرا بھی نہ سوچا اور ایک معمولی درجے کے آدمی سے دوستی کرلی۔
جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آخر اس نے ریناآل کی بے عزتی کی۔ جو خط آپ کو ابھی ملے
ہیں اگر ان سے یہ ثابت ہو گیا کہ میں نے بھی موسیو واآل نو کی محبت کا جواب دیا
ہے تو آپ کا فرض ہو گا کہ مجھے جان سے مار ڈالیں۔ میں اس کی سو دفعہ مستحق
ٹھیروں گی۔ لیکن واآل نو پر بگڑنے کا آپ کو حق نہیں ہو گا۔ یہ تو سوچئے کہ آپ کے
سارے ہمسائے کسی بہانے کی تلاش میں ہیں کہ آپ سے آپ کی برتری کا انتقام
لیں۔ خیال تو کیجیے کہ ۱۸۱۶ء میں کئی گرفتاریوں میں آپ کا ہاتھ تھا۔ وہ آدمی جو
آ کے آپ کی چھت پر چھپا تھا . . . ."

"میرا خیال تو یہ ہے کہ تمہارے دل میں نہ تو میری عزت ہے نہ محبت"۔ اس
یاد نے موسیو دریناآل کے اندر کچھ ایسی تلخی پیدا کی کہ وہ ایک دم سے چیخ کے بولا۔
"اور مجھے دارالامرائیں جگہ تک نہیں ملی!"

مادام دریناآل نے مسکرا کر لقمہ دیا "دیکھئے ایک دن میں آپ سے زیادہ
مال دار ہو جاؤں گی۔ پچھلے بارہ سال سے میں آپ کی جیون ساتھی رہی ہوں۔
چنانچہ مجھے حق پہنچتا ہے کہ آپ کے معاملات میں بھی رائے لی جائے۔ خصوصاً
آج اس معاملے میں"۔ پھر وہ اس انداز سے بولی جیسے اپنی حقارت چھپا نہ سکتی ہو
"اگر آپ ژولیاں صاحب کو مجھ پر ترجیح دیتے ہیں تو میں اپنی خالہ
کے پاس چلی جاتی ہوں اور جاڑوں جاڑوں وہیں رہوں گی"۔

اس نے یہ بات اس طریقے سے کہی جیسے بڑی خوش ہو رہی ہو۔ اس کے

لہجے میں وہ سختی تھی جو خوش اخلاقی کے پردے میں چھپنا چاہ رہی ہو۔ اب موسیو دربناال نے
اپنے دل میں ایک فیصلہ کر لیا۔ مگر تعصبات کے دستور کے مطابق وہ بڑی دیر تک
آئیں بائیں شائیں بکتا رہا، اور جتنی دلیلیں پیش کر چکا تھا انہیں ایک ایک کرکے دہراتا
رہا۔ حالانکہ اس کے لہجے سے اب بھی خفگی ٹپک رہی تھی مگر اس کی بیوی نے اسے
ٹوکا نہیں، بولنے دیا۔ ایک تو وہ یونہی رات بھر غصے کے مارے پاگل بنا رہا تھا۔ اب
دو گھنٹے کی فضول بک بک جھک جھک سے وہ تھک کے چور ہو گیا۔ اس نے
طے کر لیا کہ وال تو، ژولیاں اور رابلیز آ کے سلسلے میں مجھے کیا رویہ اختیار کرنا ہے۔
اس تماشے کے دوران میں دو ایک دفعہ ایسا ہوا کہ مادام دربناال کے دل
میں اس آدمی کی حقیقی تکلیف پر ہمدردی پیدا ہوتے ہوتے رہ گئی جو دس سال سے
اس کا ساتھی اور دوست رہا تھا۔ لیکن حقیقی اور گہرے جذبات میں ہمیشہ خود غرضی
شامل ہوتی ہے۔ پھر وہ ہر لمحے اس انتظار میں تھی کہ اب وہ اس گمنام خط کا ذکر کریگا
جو اُسے ایک رات پہلے ملا تھا مگر اس نے اس خط کا نام تک نہ لیا۔ اپنے
پورے اطمینان کی خاطر مادام دربناال جاننا چاہتی تھی کہ یہ خط پڑھ کر اس آدمی کے
دل میں کیا خیالات پیدا ہوئے جس پر اس کی قسمت کا دارومدار تھا۔ کیونکہ قصبات
میں رائے عامہ شوہروں کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ اگر کوئی شوہر اپنی بیوی پر بدچلنی
کا الزام لگائے تو وہ مفت میں تماشہ بن کے رہ جاتا ہے۔ یہ ایسی بات ہے
جو فرانس میں روز بروز کم خطرناک بنتی جا رہی ہے۔ لیکن اگر وہ آدمی اپنی بیوی
کا نان نفقہ بند کر دے تو اُس بچاری کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہتا۔ اور دو چار آنے
روز پر محنت مزدوری کرنی پڑتی ہے، اس پر بھی نیک اور پرہیزگار لوگ اسے

ملازم رکھتے ہوئے ہچکچاتے ہیں۔

سلطان کے حرم کی کوئی لونڈی اس پر دل و جان سے فدا ہو سکتی ہے۔ سلطان کو ہر قسم کی طاقت حاصل ہوتی ہے۔ لونڈی کبھی یہ امید رکھ ہی نہیں سکتی کہ میں چھوٹی موٹی چالبازیوں کے ذریعے اس کے غلبے سے بچ نکلوں گی۔ آقا کا انتقام ہولناک اور خونریز تو ہوتا ہے، مگر ساتھ ہی سپاہیانہ اور فیاضانہ بھی۔ خنجر کے ایک وار میں کام تمام ہو جاتا ہے۔ مگر انیسویں صدی میں شوہر بیوی کو لوگوں کی حقارت کے ہاتھوں قتل کراتا ہے۔ اسے موت کے گھاٹ اتارنے کے لئے وہ سب اچھے گھرانوں کے دروازے اس پر بند کر دیتا ہے۔

مادام وریناک اپنے کمرے میں واپس آئی تو اسے خطرے کا شدید احساس ہوا۔ ہر چیز بے ترتیبی سے بکھرے دیکھ کر اسے بڑا ڈر لگا۔ اس کے سارے چھوٹے چھوٹے خوبصورت صندوقوں کے تالے ٹوٹے پڑے تھے۔ فرش کے کئی تختے اکھڑے ہوئے تھے۔ وہ دل میں کہنے لگی — "اگر میں سامنے ہوتی تو اسے مجھ پر بھی ذرا رحم نہ آتا! بھلا اس رنگین فرش کو ادھیڑ کے رکھ دیا جس پر اسے اتنا ناز تھا! کوئی بچہ کیچڑ کے جوتے لے کے اندر آجاتا ہے تو وہ غصے کے مارے لال انگارہ بن جاتا ہے۔ اور اب اسے ہمیشہ کے لئے برباد کر کے رکھ دیا!"

اسے شوہر پر اتنی جلدی فتح حاصل ہوئی تھی کہ اس کا دل اسے لعنت ملامت کر رہا تھا۔ لیکن تشدد کا یہ منظر دیکھتے ہی اس کے ضمیر کی آواز خاموش ہو گئی۔

کھانے کی گھنٹی بجنے سے ذرا ہی دیر پہلے ذولیاں بچوں سمیت واپس آگیا۔ کھانے کے بعد جب نوکر کمرے سے باہر چلے گئے تو مادام وریناک نے بڑے

خشک لہجے میں اس سے کہا ___

"آپ مجھ سے کہہ رہے تھے کہ میں دو ہفتے کے لئے شہر جانا چاہتا ہوں۔ موسیو درینال نے مہربانی فرما کر آپ کو چھٹی دے دی ہے۔ آپ جب چاہیں جا سکتے ہیں۔ لیکن بچوں کا وقت برباد نہیں ہونا چاہئے۔ اس لئے ان کا لکھنے کا کام روز روز آپ کو اصلاح کے لئے بھیج دیا جائے گا۔"

موسیو درینال بڑے تلخ لہجے میں بولا ___ "لیکن میں آپ کو ایک ہفتے سے زیادہ کی چھٹی نہیں دوں گا۔"

ژولیاں نے اس کے چہرے پر کچھ ایسے آثار دیکھے جیسے وہ سخت اذیت میں مبتلا ہو۔

"ابھی انہوں نے کوئی فیصلہ نہیں کیا؟" دیوان خانے میں لمحے بھر کے لئے تخلیئے کا موقع ملا تو وہ اپنی محبوبہ سے بولا۔

مادام درینال نے جلدی جلدی اسے سارا حال سنایا کہ میں نے صبح سے اب تک کیا کیا ہے۔

"تفصیلات رات کو۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"عورتیں بھی کیسی بدخصلت ہوتی ہیں" ژولیاں سوچنے لگا۔ "نہ جانے کون سی رگ انہیں مردوں کو دھوکا دینے پر مجبور کرتی ہے، اور نہ معلوم انہیں اس میں کیا مزا ملتا ہے؟"

"تمہاری محبت نے تمہاری آنکھیں بھی کھول دی ہیں اور تمہیں اندھا بھی کر دیا ہے" وہ ذرا سرد مہری کے ساتھ مادام درینال سے کہنے لگا۔ "آج تم نے جو انداز اختیار

کیا ہے۔ وہ واقعی قابلِ تعریف ہے۔ لیکن آج رات ملنا کوئی عقلمندی کی بات ہے؟ اس گھر میں چاروں طرف ہمارے دشمن بھرے ہوئے ہیں۔ ذرا سوچو تو کہ ایلیزا کو مجھ سے کتنی سخت نفرت ہے۔"

"اس نفرت اور مجھ سے تمہاری سخت بے نیازی میں فرق ہی کیا ہے؟"

"میں چاہے بے نیاز ہوں یا نہ ہوں۔ مگر میں نے تمہیں جس خطرے میں ڈالا ہے اس سے تمہیں بچانا بھی تو میرا فرض ہے۔ اگر کہیں اتفاق سے ایسا ہوا کہ موسیو دریناال نے ایلیزا سے اس کا ذکر کر دیا تو وہ ایک لفظ میں بھانڈا پھوڑ دے گی۔ پھر ممکن ہے وہ مسلح ہو کر میرے کمرے میں آچھپیں ..."

"ہیں! تم میں اتنی بھی ہمت نہیں" مادام دریناال نے عالی خاندان عورت کے سے غرور کے ساتھ کہا۔

"اب میں اتنا بھی گرا ہوا نہیں کہ اپنی بہادری کی تعریف کرتا پھروں" ژولیاں نے بڑی سردمہری سے جواب دیا۔ "یہ تو کمینے پن کی بات ہے۔ اس کا پتا تو میرے عمل سے چل جائے گا۔" پھر وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر بولا "مگر تم اس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتیں کہ مجھے تم سے کتنا لگاؤ ہے اور اس المناک جدائی سے پہلے تم سے رخصت ہونے کا موقع پا کر مجھے کتنی خوشی ہو رہی ہے۔"

بائیسواں باب

۱۸۳۰ء کے رسم و رواج

آدمی کو قوّتِ گویائی اس لئے دی گئی ہے کہ وہ اپنے خیالات پوشیدہ رکھ سکے۔

مالا گریدا

شہر پہنچتے ہی ژرولیاں نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ مادام دربنال سے بے انصافی برتنے پر اپنے آپ کو خوب جھاڑا۔ "اگر وہ اپنی کمزوری کی وجہ سے موسیو دربنال کے ساتھ اس گفتگو میں ناکام رہتی تو میں اسے بے وقوف عورت سمجھ کر اسے حقارت کی نظروں سے دیکھنے میں حق بجانب ہوتا لیکن اس نے تو ماہر سیاست داں کی طرح سارا کام سرانجام دیا ہے، اور میں ہوں کہ ایک پٹے ہوئے مہرے سے ہمدردی جتا رہا ہوں جو میرا دشمن ہے۔ میری فطرت میں کچھ متوسط طبقے والوں کا سا چھوٹا پن ہے۔ میرے پندار کو ٹھیس لگی ہے۔ کیونکہ موسیو دربنال مرد ہے! یعنی اس عظیم اور ممتاز گروہ کے وقار کو دھکا لگا ہے۔ جس سے متعلق ہونے کی مجھے عزّت حاصل ہے۔ میں بھی بالکل بچھیا کا تاؤ ہوں۔"

موسیو شیلاآں ہر طرف ہما تو آزاد خیال جماعت کے سر برآوردہ لوگوں نے
ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کے اس کی مہانداری کرنی چاہی، مگر اُس نے
کسی کی پیش کش قبول نہ کی تھی۔ اس نے جو دو کمرے کرائے پر لے لئے تھے۔
وہ کتابوں سے پٹے پڑے تھے۔ ژولیاآں شہر والوں کو یہ دکھانے کی خاطر کہ
پادری ہونے کے کیا معنی ہیں، اپنے باپ کے کارخانے سے لکڑی کے ایک
درجن تختے اپنی کمر پہ لاد کے لایا، اور بڑی سڑک پر سے ہو کے گزرا۔ پھر
اس نے ایک پرانے دوست سے اوزار مانگ کے جلدی سے کتابوں کی
الماری بنائی اور اس میں موسیو شیلاں کا کتب خانہ سجا دیا۔

"میں تو یہ سمجھا تھا کہ تم دُنیا کی آلائشوں میں پڑ کے بگڑ گئے"۔ بڈھے نے
خوشی کے آنسو بہاتے ہوئے کہا "تم نے سلامی کے دستے کی بھڑک دار وردی
پہن کر جو بچپنا دکھایا تھا۔ اس کی وجہ سے تمہارے کتنے دشمن پیدا ہو گئے۔
مگر خیر اب تم نے کفّارہ ادا کر دیا ہے"۔

موسیو دریناآل نے ژولیاآں سے کہا تھا کہ میرے گھر جا کے ٹھیرنا۔ شہر میں
کسی کو ہوا تک نہیں لگی کہ بات کیا ہوئی ہے۔ اپنی آمد کے تیسرے دن ژولیاآں
نے دیکھا کہ اور بھی کوئی نہیں، خود نائب ناظم موسیو دموژی روں میرے کمرے
میں چلا آ رہا ہے۔ پہلے تو پورے دو گھنٹے فضول اور لایعنی باتیں ہوا کیں، اور
نائب ناظم انسانوں کی بدکاری، جن لوگوں کے ذمّے عوام کے روپیہ کا انتظام
تھا اُن کی بے ایمانی، بچارے فرانس کو جو خطرے لاحق تھے اور ایسی ہی
دوسری چیزوں کا رونا روتا رہا۔ پھر کہیں جا کے ژولیاآں کو پتا چلا کہ اس کے

آنے کا منشا کیا ہے۔ وہ دونوں زینے کے نیچے پہنچ چکے تھے اور بچارا اتالیق جس کے ذلیل ہوکر نکالے جانے میں تھوڑی ہی کسر رہ گئی تھی۔ کسی خوش نصیب ضلع کے آئندہ ناظم کو جنگ بہم رخصت کر رہا تھا کہ ان حضرت کو بکمالِ عنایت ژولیاں کے مستقبل کا خیال آیا اور اس کی بڑی بڑی تعریف فرمانے لگے کہ جہاں تمہارے مفاد کا سوال ہوتا ہے۔ وہاں تم بڑی میانہ روی سے کام لیتے ہو، وغیرہ وغیرہ۔ آخر موسیو دموزی ردن نے بڑی شفقت سے اُسے گلے لگایا، اور یہ تجویز پیش کی کہ تم موسیو دربنال کی ملازمت چھوڑ دو، اور ایک سرکاری افسر کے یہاں آجاؤ جو اپنے بچوں کی تعلیم کا انتظام کرنا چاہتے ہیں اور جو تمہیں پاکر شاہِ فلپ کی طرح خدا کا بڑا شکر ادا کریں گے، اس وجہ سے نہیں کہ خدا نے تمہیں بچوں کے واسطے بھیج دیا، بلکہ اس لئے کہ بچوں کو موسیو ژولیاں کے پڑوس میں پیدا کیا۔ بچوں کے اتالیق کی تنخواہ آٹھ سو فرانک ہوگی جو ماہ بماہ نہیں (موسیو دموزی ردن نے کہا: یہ شریفوں کا دستور نہیں ہے) بلکہ ہر تین مہینے بعد ملا کرے گی اور ہمیشہ پیشگی۔

اب ژولیاں کی باری آئی جو ڈیڑھ گھنٹے سے بڑی بے صبری کے ساتھ بولنے کا موقع ڈھونڈ رہا تھا۔ اس کا جواب ہر اعتبار سے مکمل تھا اور ایسا طویل جیسے پادری کا وعظ۔ اس نے ہر بات سمجھا دی، اور قطعی طور سے کوئی بات کہی بھی نہیں۔ سننے والے کو اس کے جواب میں موسیو دربنال کا احترام، شہر والوں کی عزت اور نائب ناظم جیسی ممتاز ہستی کی احسان مندی کا جذبہ، یہ سب چیزیں بیک وقت ملتیں۔ نائب ناظم کو یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ یہ تو مجھ سے بھی زیادہ گھاگ نکلا۔ اس نے حتمی وعدہ لینے کی کوشش کی، مگر بے سود۔ ژولیاں کو اپنی کامیابی پر بڑی خوشی ہوئی اور اپنی مہارت آزمانے کی خاطر اس نے موقع پاتے ہی اپنا جواب دوسرے لفظوں میں دہرانا شروع

کر دیا۔ لسان سے لسان وزیر نے بھی اجلاس کے آخری گھنٹوں میں جب پارلیمنٹ کے ممبر جاگ پڑنے پر مائل ہوتے ہیں۔ سارا وقت اپنے تصرّف میں لانے کی کوشش کرتے ہوئے اس سے زیادہ لفظوں میں اس سے تھوڑی بات نہیں کہی ہوگی۔ موسیو دموتری روں کے جاتے ہی ژودلیاں سے ضبط نہ ہو سکا اور وہ قہقہہ لگا کے ہنس پڑا۔ اپنے مزاج کی اس عیاری سے پورا فائدہ اٹھانے کے لئے اس نے موسیو درینال کو نو صفحے کا خط لکھا جس میں یہ سارا حال سُنایا اور بڑے انکسار کے ساتھ اس سے مشورہ طلب کیا۔" ارے، اس بدمعاش نے تو مجھے یہ تک نہیں بتایا کہ وہ آدمی کون ہے جو مجھے اپنے یہاں رکھنا چاہتا ہے! ضرور موسیو والؔ نو ہوگا جو یہ سمجھ رہا ہے کہ اس کے گمنام خط کی وجہ سے مجھے شہر بھیج دیا گیا ہے۔"

اپنا خط بھیج کر ژودلیاں موسیو شیلاں سے مشورہ کرنے کے لئے ایسے خوش خوش باہر نکلا جیسے کوئی شکاری خزاں کے موسم میں صبح چھ بجے ایک ایسے میدان میں پہنچ گیا ہو۔ جہاں ہر طرف شکار ہی شکار ہو۔ لیکن خدا کی رحمتوں کا اس پر ایسا نزول ہو رہا تھا کہ نیک دل پادری کے گھر پہنچنے سے پہلے ہی موسیو والؔ نو سے اس کی مڈبھیڑ ہو گئی اس نے والؔ نو سے یہ بات ذرا بھی نہیں چھپائی کہ وہ شکستہ خاطر ہو رہا تھا۔ خدا نے ایک مقدّس فریضہ اس کے سپرد کیا تھا اور اس جیسے مفلس قلّاش نوجوان کے لئے لازمی تھا کہ اس میں اپنی جان لڑا دے، لیکن اس گندی دنیا میں فریضہ ہی تو سب کچھ نہیں ہوتا۔ اپنے مالکِ حقیقی کی خدمت کا سزاوار بننے کے لئے، اور اپنے عالم ساتھیوں کی صحبت کا حق حاصل کرنے کے لئے تعلیم کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس کے لئے بساںسوں کے دارالعلوم میں دو سال گذارنے ضروری ہیں جس میں کافی

خرچ آتا ہے۔ چنانچہ یہ ناگزیر ہو جاتا ہے، بلکہ اسے تو ایک قسم کا فرض سمجھنا چاہیئے۔ کہ روپیہ بچا بچا کے رکھا جائے۔ اگر آٹھ سو فرانک ماہوار کے حساب سے تین مہینے کی تنخواہ اکٹھی ملتی ہو تو یہ کام آسان ہو جاتا ہے۔ چھ سو فرانک ماہ بماہ ملیں تو یوں ہی گھل جاتے ہیں۔ مگر دوسری طرف خدا نے اسے دربنال کے بچوں کے پاس بھیج دیا ہے، اور اس سے بھی زیادہ یہ کہ اس کے دل میں اُن بچوں سے خاص لگاؤ پیدا کر دیا ہے۔ یہ بھی تو ایک قسم کی تعلیم ہے۔ کیا یہ اس بات کا غیبی اشارہ نہیں کہ اس تعلیم کو چھوڑ کر دوسری تعلیم کی طرف راغب ہونا غلط ہوگا؟ . . .

نپولین کے زمانے میں تو یہ بات اچھی سمجھی جاتی تھی کہ جھٹ پٹ عمل کیا جائے آج کل اس قسم کی چرب زبانی کا رواج ہے۔ ژرولیاں نے اس میں اتنا کمال پیدا کر لیا تھا کہ اب تو خود اسے اپنی آواز سُن کر اکتاہٹ ہو رہی تھی۔

وہ گھر واپس آیا تو موسیو وال نو کا ایک نوکر وردی میں کسا کسایا ملا جو اسے سارے شہر میں ڈھونڈتا پھرا تھا۔ وہ اسی دن کے لئے کھانے کی دعوت لے کر آیا تھا۔

ژرولیاں نے پہلے کبھی اس آدمی کے گھر میں قدم تک نہ رکھا تھا۔ ابھی دو چار دن کی بات ہے۔ اسے یہ دھن سوار تھی کہ وال نو کی کچھ اس طرح مرمت کروں کہ پولیس میں پکڑا بھی نہ جاؤں۔ حالانکہ کھانے کا وقت ایک بجے تھا، مگر ژرولیاں احتراماً ساڑھے بارہ بجے ہی محتاج خانے کے مہتمم کے کمرے میں حاضر ہو گیا۔ وال نو کا غذوں کا ایک اونچا ڈھیر لئے بیٹھا تھا جس سے اس کی اہمیت ظاہر ہو رہی تھی اس کے زبردست سیاہ گل مچھے، بالوں کا پُولا کا پُولا، چندیا پر جمی ہوئی ٹیڑھی ٹوپی،

ہاتھ بھر لمبا پائپ، مخمل کی کڑھی ہوئی سلیپریں، سینے پر ادھر سے ادھر تک لٹکتی ہوئی بھاری بھاری سونے کی زنجیریں، اور ایک ایسے قصباتی ساہوکار کا پورا سازوسامان جو اپنے آپ کو بالکل کرشن کنہیا سمجھتا ہو ـــ یہ سب چیزیں دیکھ کر بھی ژرولیاں ذرا مرعوب نہ ہُوا۔ بلکہ اسے تو اُلٹا وہی خیال آیا کہ مجھے اس کی کھال ادھیڑنی ہے۔

اس نے خواہش ظاہر کی کہ مجھے مادام وال نو کی خدمت میں حاضر ہونے کا شرف بخشا جائے۔ وہ سنگار کر رہی تھی۔ اس لیے ژرولیاں کو اپنے کمرے میں نہ بُلا سکی۔ اس کے عوض ژرولیاں کو محتاج خانے کے مہتمم کا سنگار دیکھنے کا اعزاز حاصل ہُوا۔ پھر دونوں مادام وال نو کے پاس پہنچے جس نے آنکھوں میں آنسو لاکر اپنے بچوں کو ژرولیاں کے سامنے پیش کیا۔ یہ عورت شہر کی اہم ترین شخصیتوں میں سے تھی۔ اس کا چہرہ بہت بڑا اور مردوں کا سا تھا، اس عظیم موقع کے اعزاز میں اس نے بہت سی سُرخی تھوپ رکھی تھی۔ اس کی تمام حرکات سے مادرانہ جذبات کی شدت ظاہر ہو رہی تھی۔

ژرولیاں کو مادام دربناک کا خیال آنے لگا۔ اس کی طبیعت میں اتنی بدگمانی تھی کہ اُسے یادیں تنگ ہی نہ کرتی تھیں۔ البتہ اگر تضاد اور تقابل کی وجہ سے کوئی چیز یاد آنے لگے تو اور بات ہے۔ لیکن پھر ان یادوں سے اس کی آنکھ بھر آتی تھی۔ مہتمم کا مکان دیکھ کر تو اس میلان میں اور اضافہ ہو گیا۔ اسے مکان کی سیر کرائی گئی۔ ہر چیز بھڑک دار اور نئی تھی۔ اسے ایک ایک چیز کی قیمت بتائی گئی۔ لیکن ژرولیاں کو ایسا محسوس ہُوا کہ ان چیزوں میں سے کچھ کمینگی اور چوری کے پیسے کی بُو آتی ہے۔ ہر آدمی یہاں تک کہ ملازموں کے چہرے پر بھی ایک طرح کی ڈھٹائی تھی

جو خطرات سے بچنے کے لئے ڈھال کا کام دے رہی تھی۔

ٹیکس کلکٹر، ناظم محصولات، شہر کوتوال، اور دو تین دوسرے سرکاری افسر اپنی بیویوں سمیت آ پہنچے۔ اُن کے بعد آزاد خیال جماعت سے تعلق رکھنے والے لٹی مالدار آدمی آئے۔ اتنے میں کھانا لگ گیا۔ تزولیاں کا مزاج اس وقت بگڑا ہوا تھا۔ اسے یکایک خیال آیا کہ کھانے کے کمرے کی دیوار کے اُس طرف بچارے قیدی بیٹھے ہیں اور شاید انہیں بھوکا مار مار کے یہ سارا ٹھاٹ باٹ کیا گیا ہے۔ جس سے بد مذاقی ٹپکتی ہے، مگر یہ لوگ مجھے اسی سے مرعوب کرنا چاہتے ہیں۔

وہ دل میں کہنے لگا ۔۔۔ "شاید وہ لوگ اس وقت بھی بھوکے ہوں گے۔"

اس کا دم گھٹنے لگا۔ اس سے نہ تو کھایا جا رہا تھا نہ بولا جا رہا تھا۔ پندرہ منٹ بعد تو اس کی حالت اور بگڑ گئی۔ دور سے کسی قیدی کے کوئی مقبول گیت گانے کی آواز آ رہی تھی۔ یہ ماننا پڑے گا کہ یہ گیت ذرا عامیانہ قسم کا تھا۔ موسیو والنو نے اپنے ایک باوردی ملازم کی طرف دیکھا۔ وہ کمرے سے چلا گیا اور تھوڑی دیر میں گانے کی آواز بند ہو گئی۔ اسی وقت ایک خادم نے سبز رنگ کے گلاس میں تزولیاں کو رائن کی شراب دی اور مادام والنو نے خصوصیت کے ساتھ بتایا کہ اس شراب کی بوتل نو فرانک کی ملتی ہے، اور سیدھی کارخانے سے آتی ہے۔ تزولیاں سبز سبز گلاس ہاتھ میں لئے ہوئے موسیو والنو سے کہا ۔۔۔ "اب اس گندے گانے کی آواز نہیں آ رہی۔"

"ہاں، ٹھیک ہے" مہتمم نے فاتحانہ انداز سے کہا۔ "میں نے اس

بدمعاش کو چُپ کرادیا ہے۔"

اب ژو لیاں سے ضبط نہ ہوسکا۔ اس نے وہ طور طریقے تو سیکھ لئے تھے جو اس کے مناسب حال تھے۔ مگر ابھی اس کا دل نہیں بدلا تھا۔ ریاکاری کی مشق تو وہ بہت کرتا رہتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود اسے اپنے چہرے پر ایک بڑا سا آنسو بہتا محسوس ہوا

اس نے سبز گلاس سے آنسو کو چھپانے کی کوشش تو کی، مگر رائن کی شراب کی تعریف اس سے نہ ہو سکی۔ وہ دل میں بولا۔ "اس آدمی کو چُپ کرا دیا! خدایا! مجھ سے یہ باتیں دیکھی جاتی ہیں؟"

خوش قسمتی سے کسی نے اس کے اس ناشائستہ جذبے پر غور ہی نہیں کیا ٹیکس کلکٹر نے ایک شاہ پرستوں والا گیت شروع کر دیا تھا۔ دوسرے لوگ بھی آواز ملا کے گانے لگے۔ اس غل غپاڑے میں ژولیاں کے ضمیر نے اس سے کہا۔ "یہ ہے وہ ذلیل کامیابی جو تم ایک دن حاصل کروگے اور وہ بھی اس شرط پر کہ انہیں حالات میں اور ایسے ہی لوگوں کے ساتھ رہنا پڑے گا۔ تمہیں تنخواہ تو شاید بیس ہزار فرانک ملے گی۔ مگر جب تم ناک تک ڈٹ کے کھانا کھاؤ گے تو ساتھ ہی ساتھ بچارے قیدی کا گانا بھی بند کرانا لازمی ہوگا۔ اس بچارے کے منہ سے نوالہ چھین کر تم بڑی بڑی دعوتیں دیا کروگے، اور تمہاری دعوت کے وقت، اس پر اور بھی مصیبت ٹوٹا کرے گی! ہائے نپولین! تیرے زمانے کے تو اور ہی مزے تھے! ان دنوں کامیابی حاصل کرنے کے لئے آدمی کو جان خطرے میں ڈالنی پڑتی تھی! لیکن اب تو کمینے پن کا زمانہ ہے۔ آج کل دیکھیں کو

اور دکھ دے کر بڑا آدمی بنتا ہے!

مجھے اعتراف ہے کہ اس خود کلامی میں ژدلیاں نے جس کمزوری کا مظاہرہ کیا ہے اسے دیکھ کر میں اس کے بارے میں کوئی اچھی رائے قائم نہیں کر سکتا۔ وہ ژاں ژاں زرد و ستارے پہننے والے انقلابیوں کا ساتھی بننے کے لائق ہے جو بڑے سے بڑے ملک میں زندگی کو یکسر بدل کے رکھ دینے کا دم بھرتے ہیں۔ لیکن اپنے آپ ذرا سی تکلیف برداشت کرنے کے خیال ہی سے کانپ اٹھتے ہیں۔

اتنے میں ژدلیاں کو ایک دم سے یاد دلایا گیا کہ اس کا فریضہ کیا ہے۔ اسے اتنے اچھے لوگوں کے ساتھ کھانے پر اس لئے تھوڑا ہی بلایا گیا تھا کہ وہ بیٹھے اونگھے اور منہ سے ایک لفظ نہ نکلے۔

ایک کپڑا بنانے والا جواب کاروبار چھوڑ چکا تھا، اور بسانسوں اور لیونہ کی اکادمی کا رکن تھا۔ میز کے دوسرے سرے پہ بیٹھا ژدلیاں سے کچھ کہہ رہا تھا۔ وہ یہ جاننا چاہتا تھا کہ عہدنامۂ جدید سے ژدلیاں کی حیرت انگیز واقفیت کے بارے میں جو باتیں مشہور ہیں وہ درست بھی ہیں یا نہیں۔

کمرے میں ایک دم سے گہری خاموشی طاری ہو گئی۔ عہدنامۂ جدید کا ایک لاطینی نسخہ دو اکاڈمیوں کے فاضل رکن کے ہاتھ میں ایسے آگیا جیسے جادو سے کر زور سے منگایا ہو۔ ژدلیاں نے ہاں کر لی تھی۔ چنانچہ اسے لاطینی کا ایک فقرہ کہیں سے پڑھ کر سنایا گیا۔ اس نے عبارت فرفر سنانی شروع کر دی۔ اس کے حافظے نے ذرا بھی دھوکا نہیں دیا۔ دعوت کے بعد لوگوں میں ایک طرح کا ندور آہی جاتا ہے، چنانچہ اس حیرت انگیز مظاہرے پر واہ واہ کا شور مچ گیا۔ دلیاں عورتوں کے چمکتے ہوئے

چہروں کو غور سے دیکھنے لگا۔ ان میں سے کئی کچھ ایسی بری نہ تھیں۔ اس نے خوش گلو ٹیکس کلکٹر کی بیوی کو الگ چھانٹ لیا۔

"میں اتنی دیر سے خواتین کے سامنے لاطینی بولے چلا جا رہا ہوں۔ میں واقعی شرمندہ ہوں" ژردلیاں نے اس عورت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "اگر موسیو دربی نیو (یہ اکاڈمی کے رکن کا نام تھا) مہربانی فرما کر لاطینی کا کوئی جملہ پڑھیں تو میں لاطینی میں ساری عبارت سنانے کے بجائے اس کا زبانی ترجمہ کرنے کی کوشش کروں گا"

اس دوسرے امتحان کے بعد تو اس کی شان دوبالا ہو گئی

ـے ہیں اتنا خیال جماعت کے بھی کئی لڑکے تھے جو یوں تو خاصے نالائق تھے لیکن انہیں امید تھی کہ ان سے بچوں کو اچھے اچھے وظیفے مل سکتے ہیں چنانچہ کچھ دنوں سے وہ یکایک دین دار بن گئے تھے۔ ان لڑکوں کی اس قابل تحسین مصلحت پسندی کے باعث موسیو دربیال نے انہیں اپنے یہاں بلانا گوارا کر لیا تھا۔ اور نیک نہاد مستیوں نے ژردلیاں کی صرف تعریف ہی تعریف سنی تھی اور اسے بس ایک دفعہ یعنی بادشاہ کی تشریف آوری کے دن گھوڑے پر سوار دیکھا تھا۔ انہیں لوگوں نے واہ واہ کا شور سب سے زیادہ مچایا۔ ژردلیاں دل میں کہنے لگا۔ "انجیل کی زبان ان احمقوں کی سمجھ میں تو آتی نہیں یہ سنتے سنتے آخر کب تھکیں گے؟" لگتا ہے کہ بر خلاف انہیں زبان کی اجنبیت ہی میں مزا آ رہا تھا اور وہ اس پر ہنس رہے تھے۔ لیکن ژردلیاں اب تھک چکا تھا۔

اور جب چھ بجے تو وہ سنجیدہ چہرہ بنا کر اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ مجھے لنگواری

لی کی دینیات کا ایک باب زبانی یاد کر کے کل موسیو شیلاں کو سنانا ہے۔" کیونکہ
"میرا تو ہمیشہ ہی یہ ہے کہ دوسروں سے سبق سنوں اور خود سناؤں" وہ مسکرا کر بولا۔
اس کے سامعین دل کھول کے ہنسے، اور اس فقرے کی خوب تعریف کی
"ویریز میں اسی کا نام ظرافت ہے۔" ژولیاں اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ دوسرے لوگ بھی حفظِ مراتب
کا خیال چھوڑ کے اٹھ کھڑے ہوئے۔ "کمال ہے ایسی ہی ظرافت ہوتی ہے۔" مادام وال نو
نے اسے پندرہ منٹ اور بٹھایا اور بچوں سے ارکانِ دین سنوائے۔ انھوں نے بڑی
بڑی غلطیاں کیں جنھیں ژولیاں کے علاوہ اور کوئی سمجھا ہی نہیں۔ مگر اس نے غلطیاں
درست کرنے کی ذرا کوشش نہیں کی بلکہ دل میں کہنے لگا "یہ لوگ مذہب کے
ابتدائی اصولوں سے بھی ناواقف ہیں۔" آخر اس نے رخصت چاہی اور سوچا کہ گلو خلاصی
ہوئی۔ لیکن اب یہ فرمائش ہوئی کہ بچوں سے لافونتین کا ایک [illegible] منظوم قصہ
سنتے جائیے

"اس شاعر کا کلام پڑھنے سے اخلاق خراب ہوتا ہے" ژولیاں نے مادام
وال نو سے کہا۔ "اس نے اپنے ایک قصے میں ہر مقدس چیز کا مذاق اڑایا ہے
بہترین عالموں نے اس کی سخت برائی کی ہے"

چلنے سے پہلے ژولیاں کو چار پانچ آدمیوں نے مدعو کیا۔ "یہ نوجوان ہمارے
ضلع کے لئے باعث فخر ہے" سارے مہمان بڑے خوش ہو ہو کر ایک ساتھ
چلا رہے تھے۔ بلکہ انھوں نے تو یہاں تک کہا کہ پیرس جا کر پڑھنے لینے کے لئے
میونسپلٹی کی طرف سے وظیفہ ملنا چاہیئے

کھانے کے کمرے میں تو اس جسارت آمیز خیال کا غلغلہ بپا تھا۔ ادھر ژولیاں

چپ چاپ ڈیوڑھی میں جا پہنچا: "جانور ہیں! بالکل جانور ہیں!" اس نے تین چار دفعہ
آہستہ آہستہ کہا؛ اور تازہ ہوا کا لطف لینے لگا۔

موسیو وریناک کے یہاں اس کی جتنی تعریفیں ہوتی تھیں۔ ان سب کے پردے
میں اسے ایک حقارت آمیز مسکراہٹ اور برتری کا غرور آمیز احساس چھپا نظر
آتا تھا اور یہ خیال اسے مدتوں تکلیف دیتا رہا تھا۔ لیکن اس وقت تو وہ اپنے
آپ کو پورا رئیس سمجھ رہا تھا۔ ژولیاں یہ محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا کہ ان دونوں آدمیوں
میں کتنا زبردست فرق ہے۔ وہ چلتے چلتے سوچنے لگا۔ "اگر ہم یہ بھول بھی جائیں
کہ بیچارے قیدیوں کا روپیہ چرایا جاتا ہے اور انہیں گانے تک کی اجازت نہیں
تو بھی کیا موسیو وریناک کبھی ایسی حرکت کریں گے کہ اپنے مہمانوں کو شراب پیش کرتے
ہوئے بوتل کی قیمت بتائیں؟ اور یہ حضرت موسیو وال تو بار بار اپنی پوری ملکیت
کی فہرست سناتے ہیں۔ اگر بیوی سامنے ہو تو اپنے مکان اور اپنی زمین وغیرہ کا
ذکر "تمہارا مکان"، "تمہاری زمین" کہے بغیر کر ہی نہیں سکتے۔"

ان بیگم صاحبہ کو ملکیت کی مسرتوں کا بڑا احساس تھا۔ کھانے کے دوران
میں وہ ایک نوکر پر خوب چیخی چلائی تھیں جس نے شراب کا ایک پیالہ توڑ کر بیگم
صاحب کا سیٹ خراب کر دیا تھا اور نوکر نے بھی بڑی بدتمیزی اور گستاخی سے
دوبدو جواب دیا تھا۔

"کیسا عجیب گھرانا ہے" ژولیاں نے سوچا "یہ لوگ جتنا روپیہ چراتے
ہیں اگر اس میں سے آدھا بھی مجھے پیش کریں تو بھی میں ان کے یہاں رہنا قبول
نہ کروں۔ کسی نہ کسی دن میرے منہ سے بات نکل ہی جائے! انہیں دیکھ کر میرے

دل میں جو حقارت پیدا ہوتی ہے۔ وہ مجھ سے ضبط ہو ہی نہیں سکتی"۔

بہرحال مادام درینال کے احکام کے بموجب ایسی کئی دعوتوں میں شریک ہونا پڑا۔ وہ تو ایک اچھا خاصا فیشن بن گیا۔ لوگوں نے وہ دردی اور سلامی کے دستے والی بات معاف کر دی، بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ وہ نا عاقبت اندیشانہ مظاہرہ ہی اس کی کامیابی کا اصلی سبب ہوا۔ اب شہر میں لوگوں کو بس ایک ہی سوال پریشان کر رہا تھا۔ وہ یہ کہ اس عالم و فاضل نوجوان کی خدمات حاصل کرنے میں کون کامیاب ہو گا۔ موسیو درینال یا محتاج خانے کا مہتمم؟ ان دو آدمیوں اور موسیو ماس لون نے مل کر کئی سال سے ایک تگڈم بنا رکھی تھی جس کی شہر پر مطلق العنان حکمرانی تھی۔ لوگ متنفر سے جلتے رہتے تھے۔ آزاد خیال جماعت والوں کو اس سے جائز شکایتیں تھیں لیکن بہرصورت وہ عالی خاندان آدمی تھا اور رہا ہی تھا امیر اور وہ ہونے کے لئے۔ اس کے برخلاف موسیو والی نو کے باپ نے تو اپنے پیچھے چھ سو لیور کی آمدنی بھی نہیں چھوڑی تھی۔ اس نے دو طرح کا زمانہ دیکھا تھا۔ ایک تو وہ کہ جب والی نو لڑکا تھا اور اسے ہرے رنگ کا پھٹا پرانا کوٹ پہنے دیکھ کر لوگوں کو رحم آیا کرتا تھا۔ یہ بات سب کو ابھی تک یاد تھی۔ پھر وہ زمانہ آیا کہ لوگوں کو اس کے نارمن گھوڑے، سونے کی زنجیریں پیرس سے منگوائے ہوئے کپڑے، غرض اس کی موجودہ خوش حالی دیکھ دیکھ کر جلن ہونے لگی۔

اس دنیا کے ہنگاموں میں جو ژولیاں کے لئے بالکل نئی تھی اسے خیال ہوا کہ مجھے ایک ایماندار آدمی مل گیا ہے۔ یہ گرو نامی ایک اقلیدس داں تھا۔ جسے انقلاب پسند سمجھا جاتا تھا۔ ژولیاں نے عہد کر لیا تھا کہ جس چیز کو میں خود جھوٹ

سمجھتا ہوں اس کے سوا کبھی کوئی بات نہیں کہوں گا۔ چنانچہ اسے یہ ظاہر کرنا پڑا۔
جیسے وہ موسیو کرو سے بدگمان ہو۔ ورزشی سے اس کے پاس بچوں کے کام کے
بڑے بڑے پلندے آتے تھے۔ اسے مشورہ دیا گیا تھا کہ اپنے باپ سے ملا کرو
اور وہ یہ تکلیف، وہ فرض انجام دیتا رہا تھا۔ مختصر یہ کہ وہ بدنامی کا داغ دھونے کی
بڑی کوشش کر رہا تھا کہ ایک دن صبح کو وہ سوتے سوتے ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا کسی
نے دونوں ہاتھوں سے اس کی آنکھیں بند کر لی تھیں

یہ مادام وریناک تھی جو اکیلی شہر آئی تھی۔ بچے اپنے ساتھ ایک خرگوش لائے
تھے۔ اس نے انہیں تو خرگوش سے کھیلنے دیا اور خود چار چار سیڑھیاں ایک ساتھ
طے کرتی ہوئی بچوں سے ایک منٹ پہلے ڈولیاں کے کمرے میں آپہنچی۔ یہ لمحہ بڑا
پُرلطف مگر بہت مختصر ثابت ہوا۔ بچے خرگوش لئے ہوئے اپنے دوست کو دکھانے
آئے تو مادام وریناک کھسک گئی۔ ڈولیاں نے سب کی یہاں تک کہ خرگوش کی بھی
بڑی آؤ بھگت کی۔ اسے ایسا معلوم ہوا جیسے وہ اپنے خاندان میں پہنچ گیا ہو۔ اسے
محسوس ہوا کہ مجھے ان بچوں سے بڑی محبت ہے اور ان کی بھولی بھولی باتوں میں
شامل ہو کر بڑا مزا آتا ہے۔ اسے ان کی پیاری پیاری آوازیں سن کر اور ان کے
آداب و اطوار کی سادگی اور شائستگی دیکھ کر تعجب سا ہوا۔ ویریئر میں اسے بڑے
ناپسندیدہ خیالات اور عامیانہ طور طریقوں کی فضا میں سانس لینا پڑتا تھا۔ اس
کا جی چاہا کہ اپنے تخیل کو دھو دھلا کر ان سارے داغ دھبوں سے پاک کر دے
شہر والوں کو ہر وقت دیوالہ نکل جانے کا خطرہ لاحق رہتا تھا۔ ان کی زندگی میں
دولتمندی اور افلاس ہر وقت ایک دوسرے سے دست و گریبان رہتے تھے۔

جن لوگوں کے یہاں اس کی دعوت ہوتی تو وہ اپنے دسترخوان پر چنے ہوئے کھانوں کا اس طرح ذکر کرتے جس سے ان کا چھوٹا پن ٹپکتا اور سننے والوں کو گھن آنے لگتی۔

"تم لوگ، واقعی رئیس ہو۔ تمہیں اپنے اوپر فخر کرنے کا حق حاصل ہے۔" وہ مادام دربنال سے بولا اور پھر اس نے سارا حال سنایا کہ مجھے ان دعوتوں میں کیا کچھ برداشت کرنا پڑا ہے۔

"اچھا تو گویا تم بڑے دلعزیز ہو رہے ہو!" اور مادام دربنال کو یہ سوچ کر بہت ہنسی آئی کہ جب تُرد لیاں آنے والی ہوں تو بیچاری مادام والان کو شرخی لگانی پڑتی ہے۔" میرے خیال میں وہ تمہارا دل لینے کی فکر میں ہے۔" اس نے لقمہ دیا

دوپہر کے کھانے کے وقت بڑا مزا آیا۔ بچوں کی موجودگی بظاہر تو ایک رکاوٹ تھی مگر دراصل اس سے سب کی خوشی دوبالا ہو گئی۔ بچارے بچوں کو تُرد لیاں سے دوبارہ مل کر ایسی خوشی ہوئی تھی کہ ان سے اس کا اظہار بھی نہ ہو رہا تھا۔ نوکروں نے انہیں یہ بات بتا دی تھی کہ والان تو اپنے بچوں کی تربیت کے لئے تُرد لیاں کو دس فرانک زیادہ دے رہا تھا۔

استانسلاس لاس زادیے جو اپنی علالت کے بعد سے ابھی تک زرد پڑا ہوا تھا کھانا کھاتے کھاتے ایک دم ماں سے پوچھنے لگا کہ یہ چاندی کا چمچہ اور پیالہ کتنے کا ہے جس سے میں پانی پی رہا ہوں

"یہ کیوں پوچھتے ہو؟"

"میں انہیں بیچ کے سارے پیسے موسیو تُرد لیاں کو دوں گا تاکہ ہمارے پاس رہ کے وہ بے وقوف نہ بنیں۔"

ژولیاں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، اور اس نے بچے کو گلے لگا لیا۔ ماں بھی ایک دم سے رونے لگی۔ ژولیاں نے استانس لاس کو گود میں بٹھا لیا اور سمجھانے لگا کہ تمہیں یہ لفظ "بے وقوف" نہیں کہنا چاہیئے تھا۔ کیونکہ ان معنوں میں تو یہ لفظ نوکر لوگ استعمال کرتے ہیں۔ اس نے دیکھا کہ مادام دریناں کو خوشی ہو رہی ہے تو وہ بڑی دلچسپ مثالیں دے کر بتلانے لگا کہ بے وقوف بننے کے کیا معنی ہیں۔ ان باتوں میں بچوں کو بڑا مزا آیا۔

"میں سمجھ گیا" استانس لاس بولا "کوا بے وقوف بن گیا اور پنیر کا ٹکڑا چونچ سے گرا دیا۔ لومڑی اس کی خوشامد کر رہی تھی، اس نے وہ ٹکڑا اٹھا لیا"

مادام دریناں خوشی کے مارے پاگل ہو گئی اور بچوں کو تڑا تڑ پیار کرنے لگی جس کے لئے اسے ہر مرتبہ تھوڑا سا ژولیاں پر جھکنا پڑتا۔

دروازہ ایک دم سے کھلا۔ یہ موسیو دریناں تھا۔ اس کا سخت اور غضب ناک چہرہ اس معصومانہ خوش دلی کا تضاد پیش کر رہا تھا جو اس کے اندر آتے ہی غائب ہو گئی۔ مادام دریناں کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ اسے کچھ ایسا محسوس ہوا کہ اب مجھ سے کوئی بات چھپائی نہیں جائے گی۔ ژولیاں نے ہوشیاری سے کام لیا اور بلند آواز میں میئر کو چاندی کے پیالے کا قصہ سنانے لگا جسے استانس لاس بیچنا چاہتا تھا۔ اسے یقین تھا کہ یہ بات سن کر موسیو دریناں ناک بھوں چڑھائے گا۔ چاندی کا نام سنتے ہی حسب عادت اس کی پیشانی پر شکن آ گئی۔ وہ کہا کرتا تھا "اس دھات کا نام آتے ہی میں سمجھ جاتا ہوں کہ اب میری جیب پر حملہ ہونے والا ہے"

لیکن اس وقت معاملہ صرف روپیہ کا نہیں تھا۔ اس کے شبہات کچھ اور تقویت

پڑ گئے تھے۔ اس شخص پر پندار کا غلبہ تھا۔ وہ بالکل چھوئی موئی بن کے رہ گیا تھا چنانچہ
اس کی غیر موجودگی میں خاندان کا اس طرح خوش و خرم ہونا ایسی بات نہیں تھی جس سے
معاملہ سلجھے۔ اس کی بیوی تعریف کرنے لگی کہ ژولیاں بچوں کو نئی نئی باتیں بڑی خوبصورتی
سے اور بڑے دلچسپ انداز میں سمجھاتا ہے تو وہ بولا

"ہاں، ہاں، مجھے معلوم ہے۔ اس کی وجہ سے میرے بچے مجھ سے گھبرانے
لگے ہیں۔ میری بہ نسبت اس کے لیے اُن کا دل موہ لینا سو گنا آسان ہے، کیونکہ
میں تو بہرحال آقا ہوں۔ آج کل یہ فیشن ہی چل پڑا ہے کہ ہر قسم کے جائز اقتدار کو حقارت
کی نظروں سے دیکھا جائے۔ بچارے فرانس کا کیا حشر ہونے والا ہے"۔

مادام ورینال نے اس بات پر غور ہی نہیں کیا کہ شوہر کے اس انداز کا مطلب
کیا ہے۔ اسے تو بس یہ نظر آ گیا تھا کہ اب میں ژولیاں کے ساتھ بارہ گھنٹے گزار سکتی
ہوں۔ شہر میں اسے بہت سی چیزیں خریدنی تھیں اور اس نے صاف اعلان کر دیا کہ
میں ریسٹورنٹ میں کھانا ضرور کھاؤں گی۔ شوہر نے بہت کچھ روکا، مگر اس نے ایک
نہ سنی اور اپنی بات پہ اڑی رہی۔ ریسٹورنٹ کا نام سنتے ہی بچے خوشی کے مارے
اچھل پڑے۔ آج کل دکھلاوے کی پارسائی کا زمانہ ہے، یہ لفظ کہتے ہی ہیں لوگوں
کو مزا آتا ہے۔

موسیو ورینال بیوی کو کپڑے کی دکان میں چھوڑ کر خود ملنے ملانے چلا گیا۔ وہ صبح
سے بھی زیادہ افسردہ خاطر ہو کے واپس آیا۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ شہر بھر بس اس
کے اور ژولیاں کے بارے میں سوچ رہا ہے۔ دراصل ابھی تک کسی نے اس کے
دل میں یہ شبہ پیدا ہونے کا موقع ہی نہیں دیا تھا کہ ان چہ میگوئیوں میں چند ناخوشگوار

عناصر بھی ہیں۔ میگبر کو جو باتیں سنائی گئی تھیں۔ وہ صرف اس سوال سے متعلق تھیں کہ ژولیاں کچھ سو فرانک کی تنخواہ پر اسی کے یہاں رہے گا یا محتاج خانے کے مہتمم نے جو آٹھ سو کی پیش کش کی ہے اسے قبول کرے گا۔

مہتمم شرفا کے مجمع میں موسیو دریناآل سے ملا تو ذرا بے رخی سے پیش آیا۔ اس نے یہ انداز تو ضرور اختیار کیا مگر یہاں بھی ہوشیاری برتی۔ قصبات میں لوگ سمجھے بوجھے بغیر کوئی کام ذرا کم ہی کرتے ہیں۔ وہاں سنسنی خیز باتیں ایسے شاذ و نادر ہوتی ہیں کہ لوگ انہیں گول کر جاتے ہیں۔

موسیو وال نو بڑا چلتا پرزہ تھا۔ اس کی طبیعت میں ڈھٹائی اور اجڈپن کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ ۱۸۱۵ء کے بعد سے جو کامیابیاں حاصل ہوئیں۔ ان سے یہ عادتیں اور پکی ہو گئی تھیں۔ یوں کہنا چاہیے کہ شہر میں موسیو دریناآل کے بعد اسی کی حکومت تھی۔ لیکن اس میں چلت پھرت کہیں زیادہ تھی۔ شرم تو اسے چھو تک نہ گئی تھی۔ ہر چیز میں دخل در معقولات کرتا، ہر وقت شہر کا چکر لگاتا رہتا، خط لکھتا۔ لوگوں سے باتیں کرتا، کہیں ذلت اٹھانی پڑے تو فوراً بھول جاتا اور اپنی ذات کے بارے میں تو اسے کوئی خوش فہمی تھی ہی نہیں۔ چنانچہ آخر اس نے کلیسا کے حکام کی نظروں میں اپنے افسر موسیو دریناآل کے برابر اعتماد حاصل کر لیا تھا۔ موسیو وال نو نے گویا شہر کے پنساریوں کو ہدایت کی تھی کہ تم میں جو دو سب سے بے وقوف آدمی ہوں انہیں میرے پاس بھیج دو، وکیلوں سے دو جاہل مانگے تھے، اور محکمۂ صحت کے افسروں سے دو بدمعاش۔ جب ہر پیشے کے انتہائی بے شرم لوگ اکٹھے ہو گئے تو ان سے کہا تھا ''آؤ ہم مل کے شہر پہ حکومت کریں۔''

موسیو دربنال کو ان لوگوں کے طور سے بڑی تکلیف پہنچتی تھی۔ وال نو کے مزاج میں ایسی ناشائستگی تھی کہ اسے کوئی بات بری ہی نہ لگتی۔ یہاں تک کہ جب وہ نوعمر پادری اس کو سب کے سامنے اسے جھٹلاتا تب بھی وہ چپ رہتا۔

لیکن اس خوش حالی کے باوجود موسیو وال نو اس بات سے باخبر تھا کہ لوگوں کو بہت سی تلخ حقیقتیں معلوم ہیں اور وہ اس سے بجاطور پر مواخذہ کر سکتے ہیں۔ چنانچہ اس سے بچنے کے لئے اسے لوگوں سے چھوٹی چھوٹی باتوں میں بدتمیزی سے پیش آنا پڑتا تھا۔ موسیو آپیئر کے آنے کے بعد اسے ایسا ڈر لگا کہ اب اس کی بدتمیزیاں پہلے سے بڑھ گئی تھیں۔ تین دفعہ تو وہ پیرس تک جا چکا تھا۔ ڈاک سے وہ کئی خط لکھتا تھا اور کچھ خط نامعلوم ہرکاروں کے ہاتھ بھیجتا تھا جو رات کو اس کے ہاں آیا کرتے تھے۔ بڈھے پادری شیلاں کو برطرف کرانے میں شاید اس نے غلطی کی تھی، کیونکہ یہ انتقامی حرکت دیکھ کر اچھے خاندانوں کی کئی دیندار عورتیں اسے بڑا بدفطرت آدمی سمجھنے لگی تھیں۔ پھر چونکہ یہ کام بڑے پادری دو فری لیئر کے ذریعے ہوا تھا، لہٰذا وہ اس کا غلام بن کے رہ گیا تھا اور اب اسے عجب عجب احکام ملا کرتے تھے۔ غرض وہ اپنی ریاست آرائیوں کی اس منزل میں تھا کہ اسے ایک گمنام خط لکھنے کی سوجھی۔ اوپر سے ایک الجھن یہ پیدا ہوتی کہ اس کی بیوی نے کہا کہ میں تو ژولیاں کو اپنے یہاں رکھنا چاہتی ہوں۔ بچاری عورت کا پندار اسی بات کا مقتضی تھا۔

ان حالات میں موسیو وال نو سمجھ گیا کہ اب اپنے پرانے ساتھی موسیو دربنال سے بگاڑ ہونا لازمی ہے۔ شاید وہ اسے کچھ سخت سست کہے، مگر یہ اس کے لئے کوئی بڑی بات نہ تھی۔ لیکن ممکن ہے وہ یہاں سے راپورٹ یا پیرس تک بات پہنچا دے۔ پھر کسی

نہ سہی وزیر کا کوئی بھائی بند اچانک ویر تیر آ پہنچے گا، اور محتاج خانے کا انتظام اس سے چھین لے گا۔ موسیو والی نو نے سوچا کہ آزاد خیال جماعت والوں سے دوستی گانٹھنی چاہیئے۔ ژرولیاں نے جس دعوت میں اپنا کمال دکھایا تھا اس میں کئی آزاد خیال آدمی اسی وجہ سے بلائے گئے تھے۔ اُسے امید تھی کہ میئر کے خلاف ان لوگوں سے بہت مدد ملے گی۔ لیکن یہ بھی تو ممکن تھا کہ انتخابات ہونے لگیں، اور یہ تو مانی ہوئی بات تھی کہ حکومت کی مخالف جماعت کو رائے دینے کے بعد محتاج خانے کا مہتمم بنے رہنا محال تھا۔ ان چالبازیوں کو مادام ورینال خوب سمجھتی تھی اور جب وہ ژرولیاں کے بازو کا سہارا لئے دکان دکان پھر رہی تھی تو اس نے یہ تاریخ سنا ڈالی۔ یہی باتیں کرتے کرتے وہ بڑی سڑک پر جا پہنچے جہاں انہوں نے کئی گھنٹے اسی سکون کے ساتھ گزارے جیسے ورژی میں گزرتے تھے۔

اس وقت موسیو والی نو اس کوشش میں تھا کہ اپنے پرلنے حاکم سے بگاڑ نہ ہونے پائے۔ چنانچہ اس نے خود بڑا جسارت آمیز رویّہ اختیار کر لیا تھا۔ آج تو یہ ترکیب کام دے گئی، مگر میئر کی ناراضی بھی ساتھ ساتھ بڑھ گئی۔

پیسے کی ذلیل محبت کے سب سے گھناؤنے اور کراہت انگیز عناصر سے دست و گریباں ہونے کے بعد پندار نے کبھی کسی کی ایسی بُری گت نہ بنائی ہو گی جیسی ریسٹورنٹ میں داخل ہوتے وقت موسیو ورینال کی تھی۔ اس کے برخلاف اس کے بچے کبھی اس سے زیادہ مسرور اور دل شاد نہ ہوئے ہوں گے۔ یہ تضاد دیکھ کر موسیو ورینال بھڑک اٹھا۔

"جہاں تک میں سمجھ سکتا ہوں، خود اپنے خاندان میں میری حالت تو مدِ فاضل کی سی ہے" اس نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا، اور اپنے لہجے کو بارعب بنانے کی کوشش کی

جواب دینے کی نیت سے اس کی بیوی اُسے الگ لے گئی اور کہا کہ ژولیاں کو الگ کرنا بہت ضروری ہے۔ اسے جو خوشی کے چند گھنٹے مل گئے تھے تو اب اس میں اتنی قوتِ ارادی اور ایسی موزونی طبع آگئی تھی کہ جس تجویز پر پندرہ دن سے غور کر رہی تھی اُسے عمل میں لا سکے جس چیز نے بچارے متیّر کا ذہنی سکون بالکل تباہ کر کے رکھ دیا تھا وہ یہ تھی کہ اُسے پتہ چلا شہر میں لوگ برسرِ عام اس کا مذاق اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ تو مبلغ علیہ السلام پر جان دیتا ہے۔ موسیو دال نز تو ڈاکوؤں کی طرح فیاضی سے کام لیتا تھا۔ اس کے برخلاف پچھلی پانچ چھ دفعہ جب کبھی کلیسا کی طرف سے چندہ جمع ہوا۔ موسیو دریناال نے دور اندیشی کا مظاہرہ تو ضرور کیا لیکن اپنے آپ کو اس طرح پیش نہیں کیا کہ لوگوں میں واہ واہ ہو۔

چندہ جمع کرنے والے راہب جو فہرستیں بناتے تھے ان میں لوگوں کے نام بڑی ہوشیاری سے نذرانے کی رقم کے اعتبار سے لکھتے تھے۔ ویرئیر اور آس پاس کے زمینداروں کے زمرے میں موسیو دریناال کا نام کئی دفعہ سب سے نیچے نظر آیا تھا۔ اس نے بہتیرا کہا کہ میرے پاس دستِ غیب نہیں، مگر بے سُود۔ اس معاملے میں پادری لوگ مذاق کی اجازت نہیں دیتے۔

تیئسواں باب

ایک سرکاری افسر کے مصائب

اپنی من مانی کرنے میں مزا تو بہت آتا ہے۔ لیکن اس کے بدلے چند لمحے
دکھ بھی سہنا پڑتا ہے۔

کاسٹنی

لیکن اب تھوڑی دیر کے لئے اس احمق اور اس کے چھوٹے چھوٹے خدشوں کو چھوڑ دیجیے۔ اسے تو ایک پست فطرت ملازم چاہیے تھا۔ آخر اس نے ایک دل والے کو اپنے گھر رکھا ہی کیوں؟ اس نے یہ بات کیوں نہیں سیکھی کہ اپنے ملازموں کا انتخاب کیسے کیا جائے؟ انیسویں صدی کا عام دستور یہ ہے کہ جب کوئی عالی نسب اور طاقت ور آدمی کسی دل والے کو دیکھتا ہے تو اسے موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے، ملک سے نکال دیتا ہے، قید کرا دیتا ہے، اور کچھ بس نہ چلے تو اتنا ذلیل کرتا ہے کہ وہ بے وقوف رنج کے مارے خود ہی مر جاتا ہے۔
اس مرتبہ کچھ ایسا اتفاق ہوا ہے کہ دل والے کو ابھی تک کوئی مصیبت نہیں اٹھانی پڑی۔ فرانس کے چھوٹے شہروں اور نیویارک کی سی منتخبہ حکومتوں کی بڑی بدقسمتی یہ ہے

کہ انہیں یہ بات نہیں بھولتی کہ دنیا میں موسیو دریتال جیسے لوگ بھی بستے ہیں۔ بیس ہزار باشندوں کے شہر میں ایسے ہی لوگ رائے عامہ کی تشکیل کرتے ہیں، اور جس ملک میں جمہوری حقوق مل چکے ہوں، وہاں رائے عامہ ایک بڑی خوفناک طاقت ہوتی ہے۔ ایک اچھا خاصا نیک دل اور فیاض طبیعت آدمی جس کا گھر سو کوس کے فاصلے پر نہ ہوتا تو اس سے آپ کی دوستی ہوتی، آپ کے شہر کی رائے عامہ کے مطابق آپ کے بارے میں رائے قائم کرتا ہے اور یہ رائے عامہ اُن احمقوں کے ہاتھ میں ہوتی ہے جو اتفاق سے عالی خاندان، دولت مند اور معتدل مزاج واقع ہوئے ہیں۔ چنانچہ جو آدمی کسی اعتبار سے بھی امتیاز رکھتا ہو اس کی خیر نہیں!

کھانا کھاتے ہی وہ لوگ ورژی روانہ ہو گئے لیکن دو دن بعد ژولیاں نے دیکھا کہ پورا خاندان پھر شہر میں موجود ہے۔

ابھی ایک گھنٹہ بھی نہیں گزرا تھا کہ ژولیاں کو یہ دیکھ کر بڑا تعجب ہوا کہ مادام دریتال کسی چیز کے بارے میں بڑی رازداری برت رہی ہے۔ وہ اپنے شوہر سے باتیں کر رہی تھی۔ مگر جیسے ہی ژولیاں سامنے آتا فوراً چپ ہو جاتی۔ اس کے انداز سے کچھ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ چاہتی ہے ژولیاں وہاں سے چلا جائے ژولیاں کو دو دفعہ تنبیہہ کرنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ اس نے فوراً بے اعتنائی اور سرد مہری کا انداز اختیار کر لیا۔ مادام دریتال نے بھی یہ بات دیکھی مگر اس سے وجہ نہیں پوچھی۔ وہ دل میں سوچنے لگا۔ "کیا اب یہ میرا کوئی اور جانشین لانے والی ہے؟ ابھی پرسوں ہی تو مجھ سے ایسے گھل مل کے باتیں کر رہی تھی! لیکن کہتے ہیں کہ امیر عورتوں کے یہی انداز ہیں۔ وہ بالکل بادشاہوں کی طرح ہوتی ہیں۔ ابھی تو

الطاف واکرام کی بارش ہو رہی ہے اور وزیر گھر پہنچا تو برطرفی کا حکم رکھا ہے۔"

ژولیاں نے دیکھا کہ اس گفتگو میں جو میرے سامنے آتے ہی فوراً بند ہو جاتی ہے اکثر ایک بڑے مکان کا ذکر ہو رہا ہے۔ یہ گھر شہر کی میونسپلٹی کی ملکیت تھا۔ یوں تھا تو پرانا، مگر بہت لمبا چوڑا اور مکانیت کے اعتبار سے بڑا نفیس، پھر گرجا کے سامنے شہر کے سب سے اچھے حصے میں واقع تھا۔۔۔ ژولیاں نے سوچا: "اس مکان کا نئے عاشق سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟"

اپنی اس الجھن میں ژولیاں فرانسس اوّل کا وہ دلچسپ شعر دل ہی دل میں گنگنانے لگا جو اُسے نیا نیا معلوم ہوا۔ کیونکہ ابھی مہینہ بھر پہلے ہی تو مادام دریناّل نے اسے یاد کرایا تھا۔ اُن دنوں کیسے کیسے عہد و پیمان اور کیسی کیسی ہم آغوشیوں سے اس کی تردید ہوئی تھی۔

عورت کتنی جلدی بدل جاتی ہے

وہ آدمی احمق ہے جو اس کا اعتبار کرے۔

موسیو دریناّل ڈاک گاڑی سے بساں سوں روانہ ہو گیا۔ اس سفر کا فیصلہ ابھی دو گھنٹے ہی میں ہوا تھا۔ وہ بڑا پریشان معلوم ہو رہا تھا۔ سفر سے واپس آتے ہی اس نے بھورے کاغذ میں بندھا ہوا ایک بڑا سا بنڈل میز پر پھینک دیا۔

"لو یہ رہی مصیبت" اس نے بیوی سے کہا۔

گھنٹے بھر بعد ژولیاں نے دیکھا کہ اشتہار چپکانے والا آیا اور بنڈل اٹھا کے لے گیا۔ وہ فوراً اس کے پیچھے پیچھے چل دیا۔ "لو ابھی سڑک کے نکڑ پہ سارا بھید کھلا جاتا ہے۔"

وہ اشتہار چپکانے والے کے پیچھے کھڑا ہو کے بے چینی سے انتظار کرنے لگا جو ایک موٹے سے برش سے اشتہار کی پشت پر چپاچپ، گوند لگا رہا تھا۔ اشتہار لگتے ہی ژدلیاں نے بڑے تجسس کے ساتھ یہ مفصل اعلان پڑھنا شروع کر دیا۔ موسیو دریناآل اور اس کی بیوی کی گفتگو میں جس پرانے مکان کا بار بار ذکر ہو رہا تھا۔ اس کا برسرِ عام نیلام ہونے والا تھا۔ نیلام کا وقت ٹاؤن ہال میں کل دو بجے تیسری بار گھنٹی بجنے کے بعد مقرر ہوا تھا۔ ژدلیاں کو بڑی مایوسی ہوئی۔ اس کے خیال میں یہ وقفہ بہت کم تھا۔ سارے بولی بولنے والوں کو وقت پر نیلام کا پتا کیسے چل سکتا تھا؟ پھر اشتہار میں پندرہ دن پہلے کی تاریخ لکھی تھی۔ اس نے اشتہار کو شروع سے آخر تک تین مختلف جگہ پڑھا، لیکن ان باتوں کے علاوہ اور کچھ معلوم نہ ہو سکا۔

وہ خالی مکان کا معائنہ کرنے کے لئے جا پہنچا۔ چوکیدار نے آہستہ آہستہ جڑتے نہیں دیکھا۔ وہ بڑے پراسرار لہجے میں اپنے ایک دوست سے کہہ رہا تھا۔۔۔

"اونہہ، خواہ مخواہ وقت خراب ہو رہا ہے! موسیو ماس آوں نے اس سے وعدہ کر لیا تھا کہ تمہیں یہ مکان تین سو فرانک میں مل جائے گا۔ مئیر نے کچھ جیب چیٹر کی تو پادری فری لیئر نے اسے اسقف کے محل بھیج دیا۔"

ژدلیاں کو دیکھ کر دونوں دوست بوکھلا گئے اور پھر انہوں نے ایک لفظ بھی نہ کہا۔

ژدلیاں نیلام میں بھی آموجود ہوا۔ کمرے میں دھیمی دھیمی روشنی ہو رہی تھی، اور پورا مجمع لگا ہوا تھا لیکن ہر شخص اپنے ساتھ والے کو عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا سب کی نگاہیں میز کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ ژدلیاں نے دیکھا کہ وہاں ایک طشت

میں تین موم بتیوں کے ٹکڑے روشن ہیں۔ نیلام والا چلا رہا تھا — "حضرات! تین سو فرانک!"

"تین سو فرانک! یہ تو بہت بُری بات ہے!" ایک شخص نے دوسرے آدمی کے کان میں کہا۔ ژولیاں دونوں کے بیچ میں کھڑا تھا۔ "یہ تو آٹھ سو سے بھی زیادہ کا ہے۔ میں بڑھ کے بولی لگاتا ہوں۔"

"یہ تو گھر پھونک کے تماشہ دیکھنے والی بات ہوگی۔ موسیو ماسلوں، موسیو دالنو، اسقف، وہ خوفناک پادری فری لیئیر اور ان کے سارے جرگے کی دشمنی مول لینے سے تمہیں کیا فائدہ ہوگا؟"

"تین سو بیس" دوسرے آدمی نے چلا کے کہا

"گدھے" اس کے برابر والا آدمی بولا۔ "میئر کا ایک جاسوس یہاں کھڑا ہے۔" اس نے ژولیاں کی طرف اشارہ کیا۔

ژولیاں فوراً اسے ڈانٹنے کے لئے مڑا۔ لیکن ان دونوں نے اس کی طرف مطلق توجہ نہ کی۔ ان کا پُرسکون انداز دیکھ کر ژولیاں بھی ٹھنڈا پڑ گیا۔ اب تیسری بتی بھی بجھ گئی اور نیلام والے نے اپنی گھسٹتی ہوئی آواز میں مکان نو سال کے لئے محکمے کے معتمد اعلیٰ موسیو دی سیں ژرو کو دے دیا — اور تین سو فرانک میں۔

میئر کے کمرے سے باہر نکلتے ہی چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں۔

"چلو، گرو ژو کی بے وقوفی سے میونسپلٹی کو تین سو فرانک کا فائدہ تو ہوا!" ایک آدمی نے کہا۔

"لیکن موسیو دسیں ژی رو بھی گرونژد سے بدلہ لے گا چھوڑے گا تھوڑا ہی"

جواب ملا۔

"کیا بدمعاشی ہے!" ژولیاں کے بائیں طرف سے ایک موٹا آدمی بولا۔

"اپنا کارخانہ بنانے کے لئے اس مکان کے آٹھ سو فرانک تو میں ہی دے دیتا اور پھر بھی سودا اچھا ہی رہتا"۔

"ہونہہ!" ایک نوجوان صنعت کار نے جواب دیا جو آزاد خیال جماعت کا رکن تھا "آخر موسیو دسیں ژی رو کا تعلق کلیسا سے ہے یا نہیں؟ کیا اس کے چاروں بچوں کو وظیفے نہیں ملے؟ بچارا! اب یہ میونسپلٹی کا فرض ہے کہ پانچ سو فرانک الاؤنس دے کر اس کا نقصان پورا کرے۔ دیکھ لینا یہی ہو گا"۔

"اور سوچو تو، ہم ان لوگوں کو روک نہیں سکتا!" تیسرے آدمی نے کہا "چاہے وہ شاہ پرست ہو، مگر چور نہیں ہے"۔

"چور نہیں ہے؟" ایک اور آدمی بولا "اجی یہ تو ساجھے کا کام ہے پہلے تو سارا مال ایک جگہ جمع ہوتا رہتا ہے، پھر سال کے آخر میں سب کو اپنا اپنا حصہ مل جاتا ہے۔ مگر دیکھو: سوریل کا لڑکا کھڑا ہے۔ اب یہاں سے کھسک لو"۔

ژولیاں بہت ہی بدمزگی کے عالم میں گھر واپس ہوا۔ اس نے دیکھا کہ مادام دریناال بڑی افسردہ خاطر بیٹھی ہے۔

"کیا تم نیلام سے آرہے ہو؟" وہ پوچھنے لگی۔

"جی بیگم صاحب۔ وہاں مجھے یہ شرف حاصل ہوا کہ لوگوں نے مخبر کا جاسوس سمجھا۔"

اتنے میں موسیو درینال بھی آگیا۔ وہ بڑا پژمردہ لگ رہا تھا۔ کھانے کے دوران میں سب بالکل خاموش رہے۔ موسیو درینال نے ژولیاں سے کہا کہ بچوں کے ساتھ ورژی چلو۔ سفر میں بھی وہی افسردگی طاری رہی۔ مادام درینال شوہر کو تسلی دینے کی کوشش کرنے لگی۔

"یہ تو روزمرہ کی بات ہے، آپ کو تو عادت پڑ ہی چکی ہے۔"

شام کو سب لوگ آتش دان کے گرد بیٹھے تو بھی خاموشی دور نہ ہوئی۔ اگر کوئی آواز پیدا ہوتی بھی تو بس جلتی ہوئی لکڑیوں کے تڑخنے کی۔ افسردگی کے ایسے لمحے متحدترین خاندان کی زندگی میں بھی آتے ہیں۔ اچانک ایک بچہ خوش ہو کے پکار اٹھا ــــ

"گھنٹی بج رہی ہے! گھنٹی بج رہی ہے!"

"اوہو، کہیں دیس ژی رو تو میرا شکریہ ادا کرنے کے بہانے مجھے پریشان کرنے نہیں آیا! اگر وہی ہوا تو میں اسے صاف صاف سنا دوں گا۔ واقعی یہ بہت بری بات ہوئی ہے۔ اصل میں شکریہ تو اسے موسیو والُنو کا ادا کرنا چاہئے۔ میں تو مفت میں بدنام ہوا۔ اگر وہ منحوس آزاد خیال اخبار یہ واقعہ لے اڑے اور سب مجھے سپلے ایمان بتانے لگے تو پھر میں کیا کر دوں گا؟"

خادم کے پیچھے پیچھے ایک خوبصورت سا آدمی کمرے میں داخل ہوا۔ جس کے گل مچھے سیاہ اور بہت گھنے تھے۔

"جی، میرا نام ژیروٹی مو ہے۔ نو دن ہوتے ہیں نیپلز سے چلا تھا۔ وہاں سفارت خانے میں جو موسیو شوالیے دلبو ودازی ہیں انہوں نے آپ کے نام ایک خط دیا تھا۔ لیجئے یہ حاضر ہے۔" پھر وہ مادام وربنال کی طرف دیکھتے ہوئے ذرا شوخی سے کہنے لگا "آپ کے بھائی اور میرے مہربان دوست سی نیور بوودازی نے بتایا ہے کہ آپ اطالوی زبان جانتی ہیں۔"

اس نیپلز والے کی خوش طبعی نے اس بے کیف شام کو انتہائی پر لطف بنا دیا۔ مادام وربنال نے اسے بڑے اصرار سے کھانا کھلایا۔ اس نے سارے گھر میں ایک ہلچل مچا دی، کیونکہ وہ چاہتی تھی ژولیاں کسی نہ کسی طرح یہ بات بھول جائے کہ آج دن میں دو دفعہ اسے جاسوس کہا گیا ہے۔ سی نیور ژیروٹی مو ایک مشہور گلنے والا تھا۔ اس نے اچھی صحبتیں دیکھی تھیں اور خود بھی علمی مجلسی میں طاق تھا۔ یہ ایسی خوبیاں تھیں جو فرانس میں کہیں ایک ساتھ نہیں ملتیں۔ کھانے کے بعد اس نے مادام وربنال کے ساتھ مل کر ایک چھوٹا سا گانا گایا۔ پھر وہ بڑے دلچسپ قصے سنانے لگا۔ رات کے ایک بجے ژولیاں نے بچوں سے کہا کہ اب تم جا کے سوؤ۔ مگر بچے احتجاج کرنے لگے۔

"بس یہی قصہ اور سن لیں۔" سب سے بڑے بچے نے کہا۔

"یہ خود میری کہانی ہے۔" ژیروٹی مو نے جواب دیا۔ "بچو، آٹھ سال پہلے میں تمہاری طرح نیپلز میں پڑھتا تھا۔ میرا مطلب یہ ہے کہ اس وقت میری عمر تمہارے برابر تھی۔ ورنہ مجھے ویریئر جیسے خوبصورت شہر کے معزز مئیر کا فرزند ہونے کا شرف حاصل نہیں ہوا۔"

یہ بات سُن کر موسیو دریناآل نے ٹھنڈا سانس لیا اور بیوی کی طرف دیکھا۔ نوجوان گانے والا اب ایک عجیب لہجے میں بولنے لگا جس سے بچوں کو ایسی ہنسی آئی کہ پیٹ میں بل پڑ پڑ گئے: "میرے استاد سی نیور زنگاریلی بڑے سخت آدمی ہیں۔ اسکول میں انہیں کمزوری بھی پسند نہیں کرتا۔ لیکن وہ چاہتے ہیں کہ لڑکوں کا برتاؤ ایسا ہو جیسے انہیں اپنے استاد سے بڑی محبت ہے۔ مجھے جب بھی موقع ملتا میں بھاگ نکلتا۔ میں سان کارلی نو والے تھیٹر میں جایا کرتا تھا۔ وہاں ایسی اچھی موسیقی سننے کو ملتی کہ بس کچھ نہ پوچھو۔ مگر سب سے نچلے درجے میں بیٹھنے کے لئے میں آٹھ سولدی کہاں سے لاتا؟ یہ کافی رقم ہوتی ہے۔" اس نے بچوں کی طرف دیکھ کر کہا اور بچے ہنس پڑے۔

"ایک دفعہ تھیٹر کے منیجر سی نیور جیووانونے نے کہیں مجھے گاتے ہوئے سُن لیا۔ میری عمر سولہ سال تھی وہ کہنے لگے یہ لڑکا تو ہیرا ہے۔

"ایک دن وہ مجھ سے بولے: "کہو میں تمہیں اپنے تھیٹر میں رکھ لوں؟"
میں نے کہا: "اچھا آپ کیا دیں گے؟"

وہ بولے: "چالیس ڈوکٹ ماہوار۔ بچو"، اس کا مطلب ہے ایک سو ساٹھ فرانک۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوا کہ جنت کے دروازے کھل گئے۔"
میں نے ان سے کہا: "لیکن میرے استاد تو بڑے سخت آدمی ہیں۔ وہ مجھے کب چھوڑیں گے؟"

وہ بولے: "لاسیا فارسے آسے"۔

"یہ میں دیکھ لوں گا!" سب سے بڑے بچے نے فوراً اس اطالوی جملے کا ترجمہ

سُنایا۔

"بالکل ٹھیک۔ خیری نیو رجیو وانو نے مجھ سے بولے کہ اچھا بھئی، پہلے تو معاہدہ ہو جانا چاہئے۔ میں نے کاغذ پر دستخط کر دئیے۔ انہوں نے مجھے تین ڈوکٹ دیئے۔ میں نے اتنا روپیہ آج تک دیکھا بھی نہ تھا۔ پھر انہوں نے مجھے بتایا کہ اب کیا کرنا ہے۔

اگلے دن میں اس خوفناک بڈھے زنگاریلی سے ملنے پہنچا۔ اس کا نوکر مجھے کمرے میں لے گیا۔

زنگاریلی نے کہا: "بول نالائق، کیا کام ہے؟"

میں بولا: "کہ جناب، میں اپنی شرارتوں پر بڑا نادم ہوں۔ اب میں جنگلے پر چڑھ کے اسکول سے کبھی نہیں بھاگوں گا اور اپنا کام خوب دل لگا کے محنت سے کروں گا۔"

وہ کہنے لگے کہ "بدمعاش، تیرے جیسا گلا میں نے آج تک نہیں دیکھا تیری آواز خراب ہو جانے کا ڈر ہے، ورنہ میں تو تجھے پندرہ دن کے لئے کوٹھڑی میں بند کر دوں اور خشک روٹی اور پانی کے سوا کچھ نہ دوں۔"

میں بولا۔ "جناب، آپ میری بات کا یقین کیجئے، میں اسکول کا سب سے اچھا لڑکا بن کے دکھا دوں گا۔ لیکن میں آپ سے ایک التجا کرتا ہوں۔ اگر کوئی آدمی آپ سے آ کے کہے کہ اسے اسکول کے باہر گانا سننے کی اجازت دے دیجئے تو آپ انکار کر دیجئے گا۔ اس سے کہہ دیجئے کہ اجازت نہیں مل سکتی۔"

وہ کہنے لگے کہ بھلا تجھ جیسے نالائق کو کون بلانے آئے گا۔ کیا تو سمجھتا

ہے کہ میں تجھے اسکول چھوڑنے کی اجازت دے دوں گا؟ کیا تو مجھے بے وقوف بنا رہا ہے؟ چل بھاگ یہاں سے، دُور ہو! انہوں نے میرے ایک لات جمائی اور بولے، دفع ہو، ورنہ تجھے کوٹھڑی میں بند کر دوں گا، اور خالی خشک روٹی اور پانی دوں گا۔"

گھنٹے بھر بعد ہی نیور جیووانو نے استاد سے ملنے آئے۔

وہ کہنے لگے:" اگر آپ نے میری ایک درخواست قبول کر لی تو میرے دن پھر جائیں گے۔ ژیروتی مو کو مجھے دے دیجئے۔ اگر وہ میرے تھیٹر میں گانے لگا تو اب کے جاڑوں میں میری بیٹی کی شادی ہو جائے گی۔"

زنگاریلی نے پوچھا:" آپ اس بدمعاش کو لے کے کیا کریں گے؟ میں تو اس کی اجازت نہیں دوں گا۔ وہ آپ کو نہیں مل سکتا۔ پھر اگر میں نے آپ کی بات مان بھی لی تو وہ خود اسکول چھوڑنے کو راضی نہیں ہوگا۔ ابھی تو اس نے خود مجھ سے کہا ہے۔"

تھیٹر کے منیجر نے جیب سے میرا معاہدہ نکال کر بڑی سنجیدگی سے کہا "اگر اس کی رضامندی ہی کا سوال ہے تو ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے۔ یہ اس کے دستخط موجود ہیں۔"

زنگاریلی نے طیش میں آ کے فوراً گھنٹی بجائی اور غصے کے مارے کھولتے ہوئے چیخ کے کہا:" ژیروتی مو کو اسکول سے نکال دو۔ چنانچہ مجھے نکال دیا گیا۔ اور میرا ہنستے ہنستے برا حال ہوا جا رہا تھا۔ اسی دن شام کو میں نے تھیٹر میں ایک بڑا مزے دار گانا سنایا۔ اس گانے میں قصہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ پل چی نیلا

شادی کرنے والا ہے اور انگلیوں پر حساب لگا رہا ہے کہ گھر کے لئے کن کن چیزوں کی ضرورت پڑے گی، مگر حساب ہر دفعہ گڑبڑ ہو جاتا ہے۔"

"تو آپ ہمیں یہ گانا نہیں سنائیں گے، جناب" مادام درینال بولی

ژیروٓنی مو نے گانا سنایا، اور سب لوگ ہنسی کے مارے لوٹ پوٹ ہو گئے۔

ژیروٓنی مو دو بجے رات تک بیٹھا رہا اور جب وہ اٹھا تو سارا خاندان اُس کی شائستگی، زندہ دلی اور خوش اخلاقی پر فریفتہ ہو چکا تھا۔

اگلے دن موسیو اور مادام درینال نے اُسے وہ سفارشی خط لکھ دیئے۔ جن کی فرانسیسی دربار میں رسائی حاصل کرنے کے لئے اسے ضرورت تھی۔

"یعنی ہر جگہ جھوٹ کا راج ہے"۔ ژولیاں بولا "اب یہ مسیو ژیروٓنی مو ساٹھ ہزار فرانک کی تنخواہ پر لنڈن جا رہا ہے۔ اگر تھیٹر کے مینجر نے ہوشیاری سے کام نہ لیا ہوتا تو شاید دس سال اور اسی طرح گذر جاتے، اس کی شیریں آواز سے کوئی بھی واقف نہ ہوتا، اور نہ اس کی کوئی تعریف کرتا۔ . . . میں ایمان سے کہتا ہوں، مجھے تو رینال ہونے کی بہ نسبت ژیروٓنی مو ہونا زیادہ پسند ہے۔ دنیا میں اس کی وہ عزت تو نہیں مگر اسے یوں مکان نیلام کرنے کی ذلت بھی گوارا نہیں کرنی پڑتی جیسے آج ہوا۔ پھر اس کی زندگی کتنے مزے کی ہے۔"

ایک بات پر ژولیاں کو بڑا تعجب تھا۔ اس نے شہر میں موسیو درینال کے گھر جو تنہائی کا زمانہ گزارا وہ دن بڑی خوشی کے ساتھ کٹے۔ بیزاری اور غمناک خیالات نے اسے تنگ کیا تو صرف اُن دعوتوں میں جہاں اسے بلایا جاتا تھا۔ اس خالی

مکان میں اسے پڑھنے لکھنے اور سوچنے کی پوری آزادی تھی اور کسی طرح کی کوئی مداخلت نہ تھی۔ وہاں اس بات کی ضرورت نہ پڑتی تھی کہ بار بار اپنے سہانے خوابوں سے بیدار ہو کے ایک پست فطرت آدمی کی ذہنی تحریکات پر غور کرے اور وہ بھی ریاکارانہ الفاظ و اعمال سے اسے دھوکا دینے کے لئے۔

"کیا میں اس طرح خوشی حاصل کر سکتا ہوں؟ . . . . ایسی زندگی کی ذرا بھی قیمت نہ دینی پڑے گی۔ اگر میں چاہوں تو ابلینرا سے شادی کر سکتا ہوں، یا فُوتنِکے کے کاروبار میں شریک ہو سکتا ہوں . . . . جو مسافر دشوار گزار پہاڑ پہ چڑھ کے آیا ہو، چوٹی پر پہنچ کے بیٹھ جاتا ہے، اور اُسے آرام لینے میں بڑا مزا ملتا ہے۔ لیکن اگر اُسے ہمیشہ آرام کرنا پڑ جائے تو کیا وہ خوش رہ سکے گا؟"

مادام دریاآل کا دماغ بڑے مہلک خیالات کی آماجگاہ بن کے رہ گیا تھا۔ اپنے پکے ارادے کے باوجود اس نے ژولیاآں کو نیلام کا سارا قصہ سُنا دیا وہ سوچنے لگی ــ "میں نے اپنے دل میں جتنی قسمیں کھائی ہیں وہ ان سب کو بھلا دے گا۔"

اگر وہ اپنے شوہر کی جان خطرے میں دیکھتی تو اسے بچانے کے لئے بے کھٹکے اپنی جان دے دیتی۔ وہ ان شریف دل اور رومانی مزاج لوگوں میں سے تھی کہ اگر انہیں اپنی دریادلی دکھانے کا موقع نظر آئے اور پھر بھی اس سے باز رہیں تو اتنی ندامت ہوتی ہے جتنی حقیقی گناہ پر۔ پھر بھی ایسے ہولناک دن آتے جب وہ اپنے دماغ سے یہ خیال دور نہ کر سکتی کہ اگر وہ اچانک بیوہ

ہو جائے اور ژولیاں سے شادی کرنے کی آزادی مل جائے تو اسے کتنی زبردست خوشی ہو۔

بچّوں سے باپ کو بھی اتنی محبت نہ تھی جتنی ژولیاں کو۔ وہ انہیں قاعدے میں تو ضرور رکھتا تھا، مگر بچے بھی اس پہ فدا تھے۔ مادام درینال کو معلوم تھا کہ اگر ژولیاں سے شادی کی تو اس ورژی کو چھوڑنا پڑے گا جس کے سایہ دار کنج اسے اتنے عزیز تھے۔ وہ تصوّر میں دیکھا کرتی کہ ہم پیرس میں رہتے ہیں اور بچوں کو وہی تعلیم برابر مل رہی ہے جس پر سب کو اتنی حیرت ہے۔ بچے بھی خوش و خرم ہیں، ژولیاں بھی، اور وہ خود بھی۔

انیسویں صدی نے شادی کو جو شکل دے دی ہے اس کا بھی عجیب و غریب اثر ہوتا ہے۔ اگر شادی سے پہلے محبت رہی بھی ہو تب بھی متاہلانہ زندگی کی بے کیفی محبت کو ہمیشہ ختم کر کے رکھ دیتی ہے۔ ایک فلسفی نے کہا ہے کہ جو لوگ اتنے مالدار ہیں کہ انہیں کوئی کام نہیں کرنا پڑتا، ان کے طبقے میں تو شادی بڑی جلدی ایسی سخت بے لطفی میں تبدیل ہو جاتی ہے کہ انہیں سیدھی سادی مسرّتوں میں ذرا بھی مزا نہیں آتا۔ رہیں عورتیں تو ان میں کوئی خشک مزاج ہی ہو گی جو شادی کے بعد عشق بازی کی طرف مائل نہ ہو جائے۔

اس فلسفی کی رائے پڑھنے کے بعد خیر میں تو مادام درینال کو معاف کر دوں گا۔ لیکن ورژیر کے لوگ معاف کرنے والی آسامی نہیں تھے۔ اس بچاری کو سان گمان تک نہ تھا۔ مگر آج کل شہر بھر میں کسی بات کا چرچا تھا تو بس اس کے معاشقے کا۔ بھلا ہو اس رسوائی کا۔ اب کے موسم خزاں میں لوگوں کو اتنی بے لطفی نہیں رہی۔ جتنی

ہمیشہ رہتی تھی۔

موسم خزاں اور جاڑوں کے ابتدائی ہفتے آئے اور گزر گئے۔ ورزی کے جنگلو سے رخصت ہونے کا زمانہ آگیا۔ ویریئیر کے اونچے طبقے کو غصہ آنے لگا کہ موسیو دریناں پر ہماری لعنت ملامت کا اثر ہو ہی نہیں رہا۔ کچھ سنجیدہ مزاج لوگ ایسے تھے جنہیں اپنے گمبھیرپن کے کفارے میں اس قسم کے فرائض انجام دینا بڑا عزیز تھا۔ انہوں نے باتیں تو بڑے ناپ تول کر کیں، مگر ایک ہفتے سے بھی کم عرصے میں موسیو دریناں کے دل میں انتہائی زہریلے شکوک و شبہات پیدا کر دیئے۔

موسیو والنو ماہر شطرنج باز کی طرح چالیں چل رہا تھا۔ اس نے ایلیزا کو ایک شریف اور بڑے معزز خاندان میں نوکری دلا دی جہاں پانچ عورتیں تھیں۔ ایلیزا نے کہا کہ مجھے ڈر ہے۔ شاید جاڑوں میں کوئی نوکری نہ ملے۔ چنانچہ اسے میئر کے یہاں جتنے پیسے مل رہے تھے اُن کے دو تہائی مانگے۔ اس لڑکی کے دل میں اپنے آپ سے اپنے آپ یہ نیک خیال پیدا ہُوا۔ اور وہ اعتراف کے لیئے پرانے پادری شیلاں اور نئے پادری دونوں کے پاس گئی تاکہ انہیں ژولیاں کے معاشقے کا مفصل حال سُنائے۔

ژولیاں کے واپس آنے کے اگلے ہی دن شیلاں نے صبح چھ بجے اُسے بُلایا۔

"میں تم سے کچھ نہیں پوچھتا۔" وہ ژولیاں سے بولا "میں تم سے التجا کرتا ہوں بلکہ ضرورت ہو تو حکم دیتا ہوں کہ مجھے کچھ نہ بتاؤ۔ مگر میں تاکید سے کہتا ہوں کہ تم تین دن کے اندر اندر یا تو بیساں سوں کے دارالعلوم چلے جاؤ یا اپنے دوست فوکے

کے یہاں جواب بھی تمہارا بڑا نفیس بندوبست کرنے کو تیار رہے۔ میں نے سب کچھ سوچ سمجھ لیا ہے، اور سب انتظام کر دیا ہے۔ لیکن تمہیں فوراً چلے جانا چاہیئے اور سال بھر سے پہلے ویریئیر واپس نہ آنا۔"

ژولیاں نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ سوچ یہ رہا تھا کہ موسیو نیلاں آخر میرا باپ تو نہیں، پھر اس نے میرا یہ سب بندوبست کیسے کیا؟ اس میں میری بے عزتی تو نہیں ہوتی؟ مجھے برا ماننا چاہیئے یا نہیں؟

موسیو شیلاں کا خیال تھا کہ اس نوجوان کو ڈانٹ ڈپٹ کے قابو میں لے آؤں گا۔ چنانچہ اس نے بڑی لمبی چوڑی تقریر کی۔ ژولیاں بالکل بھیگی بلی بنا بیٹھا رہا اور ایک لفظ منہ سے نہ نکالا۔

آخر اسے چھٹکارا ملا۔ اور وہ مادام دریناں کو آگاہ کرنے دوڑا گیا۔ وہ سخت ہراساں تھی۔ اس کے شوہر نے ابھی خاصی صاف صاف باتیں کی تھیں۔ ایک تو وہ یونہی طبیعت کا کمزور تھا۔ پھر لیبرا آسوں والی جائداد ملنے کی اُمید تھی۔ ان دو باتوں کے زیر اثر اس نے فیصلہ کر دیا تھا کہ بیوی بالکل بے گناہ ہے۔ اس وقت اس نے بیوی سے اقرار کیا تھا کہ شہر میں رائے عامہ کچھ عجب طرح سے بگڑی ہوئی ہے۔ رائے عامہ غلطی پر تھی۔ حاسدوں اور بدخواہوں نے اسے گمراہ کیا تھا۔ مگر اب سوال یہ تھا کہ کیا کیا جائے؟

تھوڑی دیر مادام دریناں اس خوش فہمی میں رہی کہ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ژولیاں موسیو والنو کی پیش کش قبول کر لے اور ویریئیر ہی میں رہے۔ لیکن اب وہ پچھلے سال والی سیدھی سادی اور کم ہمت عورت نہیں رہی تھی۔ اس کی ہلاکت خیز محبت

اور اس کی ندامت نے اس کی آنکھیں کھول دی تھیں۔ اپنے شوہر کی باتیں سنتے ہوئے اسے بصد غم و اندوہ یہ بات تسلیم کرنی پڑی کہ اور کچھ نہیں تو فی الحال جدائی ناگزیر تھی۔

"مجھ سے الگ ہو کر ژولیاں پھر وہی بڑا بننے کی ترکیبیں سوچنی شروع کر دے گا۔ آدمی کے پاس پیسے نہ ہوں تو یہ بالکل قدرتی بات ہے۔ اور میں! خدایا، میں اتنی مالدار ہوں، مگر مجھ میں اتنی طاقت نہیں کہ خوشی حاصل کر سکوں! وہ مجھے بھلا دے گا۔ دلکش آدمی تو ہے ہی، وہ کسی کا دل موہ لے گا۔ خود بھی کسی سے محبت کرے گا۔ ہائے میں کتنی بدنصیب ہوں! مگر مجھے شکایت کس بات کی ہو سکتی ہے؟ خدا بڑا منصف ہے۔ میں معافی کے لائق کب ہوں؟ میں نے تو اتنا بھی نہیں کیا کہ اپنے جرم کو وہیں کے وہیں ختم کر دیتی۔ میری تو بالکل مت ماری گئی ہے۔ یہ تو میرے ہاتھ میں تھا کہ ایلیزا کو کچھ دے دلا کر ہموار کر لیتی۔ یہ تو سب سے آسان بات تھی۔ میں تو پیار محبت کے سہانے سپنوں میں کھوئی رہی، اور ذرا سوچنے سمجھنے کی تکلیف گوارا نہیں کی اور اب میں کہیں کی بھی نہ رہی۔"

ژولیاں نے ایک نئی بات دیکھی۔ جب اس نے مادام درینال کو اپنے جانے کی ہولناک خبر سنائی تو اس نے ذرا بھی خود غرضی نہیں دکھائی اور کوئی اعتراض نہیں کیا۔ مگر اس کی شکل سے معلوم ہوتا تھا کہ اپنے آنسو روکنے کی کوشش کر رہی ہے۔

"تمہیں دل پہ جبر کرنا چاہئے، میرے دوست۔"

اس نے ژولیاں کے بالوں کا ایک گچھا کاٹ کے رکھ لیا۔

"مجھے پتا نہیں کہ میرا کیا حشر ہوگا۔" وہ کہنے لگی۔ "لیکن اگر میں مر جاؤں، تو مجھ سے

وعدہ کرو کہ تم میرے بچوں کو کبھی نہیں بھولو گے۔ چاہے تم قریب ہو یا دور، مگر یہی کوشش کرنا کہ وہ شریف آدمی بنیں۔ اگر پھر کوئی انقلاب ہوا تو سارے امیر لوگ قتل کر دیے جائیں گے۔ وہ چھت پر جو کسان ہلاک ہوا تھا شاید اس کی وجہ سے بچوں کے باپ کو ملک چھوڑ کے جانا پڑے۔ تم بچوں کا خیال رکھنا۔۔۔ لاؤ مجھے اپنا ہاتھ دو۔ اچھا، میرے دوست، خدا حافظ! اب نہ جانے ہمارا ملنا ہو یا نہ ہو۔ یہ عظیم قربانی دینے کے بعد شاید مجھ میں اتنی ہمت آجائے کہ میں لوگوں کو منہ دکھا سکوں۔"

ژولیاں کو خیال تھا کہ وہ رنج کے مارے بے حال ہو جائے گی مگر اس نے ایسی سادگی سے الوداع کہی کہ ژولیاں کے دل پر بڑا اثر پڑا۔

"نہیں، میں اس طرح تمہاری الوداع قبول نہیں کروں گا۔ میں جا تو رہا ہوں۔ کیونکہ لوگ بھی یہی چاہتے ہیں اور تم بھی یہی چاہتی ہو۔ لیکن جانے کے تین دن بعد میں رات کو تم سے ملنے آؤں گا۔"

یہ بات سن کر مادام درینال کی زندگی ہی بدل گئی تو گویا ژولیاں کو واقعی اس سے محبت تھی، کیونکہ دوبارہ ملنے کا خیال اسے خود ہی تو آیا تھا۔ اس کا رنج والم ایک دم سے ایسی زبردست خوشی میں تبدیل ہو گیا جیسی عمر میں اس نے کم ہی محسوس کی ہوگی۔ اسے ہر چیز آسان نظر آنے لگی۔ اپنے عاشق سے دوبارہ ملنے کا یقین ہوا تو ان لمحوں کی ساری جگر دوزی ختم ہو گئی۔ اب مادام درینال کے چہرے اور برتاؤ دونوں سے وہی ضبط اور وہی امارت ٹپکنے لگی اور اس نے رسمی انداز اختیار کر لیا۔

تھوڑی دیر میں موسیو درینال بھی آگیا۔ وہ بالکل بدحواس ہو رہا تھا۔ آج اس نے پہلی مرتبہ اپنی بیوی سے اس گمنام خط کا ذکر کیا جو دو مہینے پہلے ملا تھا۔

"میں یہ خط لے جا کے سب لوگوں کو دکھاؤں گا اور انہیں بتاؤں گا کہ یہ اس بدمعاش، والآنو کی حرکت ہے جسے میں نے موری میں سے نکال کر شہر کا ایک دولتمند اور معزز آدمی بنایا۔ میں سب لوگوں کے سامنے اسے ذلیل کروں گا، اور پھر اس سے ڈوئیل لڑوں گا۔ اب وہ بہت چل نکلا ہے۔"

"اوہو، تو پھر میں بیوہ ہو جاؤں گی۔" مادام دریناآل نے سوچا۔ مگر اسی وقت وہ دل میں کہنے لگی "اس ڈوئیل کو روکنا میرے بس میں ہے۔ اگر میں نے ایسا نہ کیا تو میرے شوہر کا خون میرے سر پہ ہوگا۔"

اس نے اپنے شوہر کے بیزار سے کھیلنے میں ایسی مہارت کبھی نہیں دکھائی تھی۔ وہ دلیلیں بھی اس نے وہی اختیار کیں جو پہلے شوہر کو سوجھی تھیں اور دو گھنٹے سے بھی کم عرصے میں دریناآل کو یہ بات سمجھا دی کہ والآنو سے اور زیادہ دوستی کا اظہار کرنا چاہیئے بلکہ ایلیزا کو بھی واپس بلا لینا چاہیئے۔ یہ لڑکی سارے فساد کی جڑ تھی۔ اس کی شکل دوبارہ دیکھنے کا فیصلہ کرنے کے لئے مادام دریناآل کو خاصی ہمت سے کام لینا پڑا۔ لیکن یہ بات اسے ژولیاں نے سمجھائی تھی۔

اسے موسیو دریناآل کو تین چار دفعہ سیدھے راستے پر ڈالنا پڑا۔ مگر آخر کار یہ بات (جو مالی نقطۂ نظر سے بڑی تکلیف دہ تھی) اپنے آپ اس کی سمجھ میں آگئی کہ اگر شہر کی چہ میگوئیوں اور ماشیہ آرائیوں کے درمیان ژولیاں موسیو والآنو کے بچوں کا اتالیق بن کر وہیں رہا تو یہ چیز دریناآل کے لئے انتہائی ناخوشگوار ہوگی۔ ژولیاں کا فائدہ اسی میں تھا کہ محتاج خانے کے مہتمم کی پیش کش منظور کر لے۔ مگر موسیو دریناآل کی نیک نامی کے لئے ضروری تھا کہ وہ شہر سے چلا جائے اور لیباں سوں یا دی ژول

کے دارالعلوم میں داخل ہو جائے۔ لیکن اب سوال یہ تھا کہ اسے رضامند کیسے کیا جائے، اور پھر وہاں پہنچنے کے بعد وہ اپنا خرچ کیسے چلائے گا؟

یہ دیکھ کر کہ اب روپیہ کی بھینٹ چڑھانی پڑے گی، موسیو دریناں کو بیوی سے بھی زیادہ تشویش ہوئی اور اس گفتگو کے بعد بیوی کی حالت یہ ہوئی کہ جیسے کوئی حساس آدمی دنیا سے بیزار ہو کے افیم کا انٹا چڑھا لے۔ پھر وہ آدمی اگر ہلتا جلتا بھی ہے تو بس اس طرح جیسے کوئی مشین حرکت کر رہی ہو اور اسے دنیا کی کسی چیز سے کوئی دلچسپی نہیں رہتی۔ بستر مرگ پہ لوئی چہار دہم کی بھی ایسی ہی حالت ہو گئی تھی۔ اور اس نے کہا تھا — "جب میں بادشاہ تھا"۔ واقعی اس نے بات بڑے مزے کی کہی!

اگلے دن صبح سویرے موسیو دریناں کو ایک گمنام خط ملا جس میں بہت ہی ہتک آمیز زبان استعمال کی گئی تھی۔ سطر سطر میں اس کے متعلق گندے سے گندے الفاظ موجود تھے۔ یہ کسی ماتحت کی کارستانی تھی جو اس سے خار کھاتا تھا۔ یہ خط پڑھ کے اس کے دل میں پھر موسیو والنو سے ڈوئیل لڑنے کا خیال پیدا ہوا۔ اسے اتنا جوش آیا کہ اس تجویز پر فوراً عمل کرنے کو تیار ہو گیا۔ وہ گھر سے اکیلا چل کھڑا ہوا اور بندوق والے کے یہاں جا کر دو پستول خریدے اور انہیں بھروا بھی لیا۔

وہ دل میں کہنے لگا — "اگر نپولین کا سا سخت زمانہ پھر آ جائے تو بھی کم سے کم میرے اوپر ایک پائی کی بے ایمانی کا الزام نہیں لگایا جا سکتا۔ زیادہ سے زیادہ میرا قصور یہی تو ہے کہ میں نے چشم پوشی سے کام لیا ہے۔ لیکن میری دراز میں بیسیوں خط ایسے ہیں جن میں مجھے حکم ہی یہ دیا گیا تھا"۔

مادام دریناال اپنے شوہر کا یہ ٹھنڈا غصہ دیکھ کر ڈر گئی۔ اُسے بیوگی کا خیال ستانے لگا اور کوشش کے باوجود ذہن سے دور نہ ہوا۔ اس نے شوہر کو کمرے میں لے جاکے دروازہ بند کر لیا۔ وہ گھنٹوں اس کی خوشامدیں کرتی رہی، مگر بے سود۔ یہ آخری گمنام خط پڑھ کر وہ بالکل فیصلہ کر چکا تھا لیکن آخر کار وہ اس ہٹ کی نوعیت بدلنے میں کامیاب ہو گئی اور اب یہ طے پایا کہ موسیو وال تو کو موت کے گھاٹ اتارنے کے بجائے ژولیاں کو چھ سو فرانک دے دیئے جائیں تاکہ دارالعلوم میں سال بھر کا خرچ چل سکے۔ موسیو دریناال نے اس منحوس دن کو ہزاروں گالیاں دیں جب اس کے دل میں اتالیق رکھنے کا خیال پیدا ہوا تھا اور وہ گمنام خط کو بالکل ہی بھول گیا۔

اب اسے ایک اور بات سوجھی جس سے ذرا سکون ملا۔ مگر اس نے بیوی سے ذکر نہیں کیا۔ اسے امید تھی کہ اگر ذرا ہوشیاری سے کام لیا جائے اور اس نوجوان کے رومانی خیالات سے فائدہ اٹھایا جائے تو اسے چھ سو سے کم رقم دے کر اس بات پر راضی کیا جا سکتا ہے کہ موسیو وال تو کی پیش کش ٹھکرا دے۔

مادام دریناال کو یہ بات ژولیاں کو سمجھانے میں کہیں زیادہ مشکل پڑی کہ محتاج خانے کے مہتمم نے سب کے سامنے اسے آٹھ سو فرانک کی ملازمت پیش تو کی ہے لیکن اگر مادام دریناال کے شوہر کی سہولت کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ اس ملازمت کو قربان کر دے تو اسے تھوڑا سا ہرجانہ قبول کرنے میں شرم نہیں آنی چاہئے۔

ژولیاں بار بار یہی کہتا رہا۔ "لیکن مجھے تو یہ ملازمت قبول کرنے کا لمحہ بھر کے لئے بھی خیال نہیں آیا۔ تمہارے یہاں رہ کر مجھے نفاست اور

شائستگی کی عادت پڑچکی ہے۔ ان لوگوں کا عامیانہ پن تو مجھے مار ڈالے گا۔"

ضرورت ایسی ظالم چیز ہے کہ اس کے آہنی ہاتھ نے ژولیاں کی قوتِ ارادی کو بھی موڑ ہی ڈالا۔ اس کے پندار نے خود فریبی کی یہ شکل نکالی کہ روپیہ قرض کے طور پر لیا جائے اور میٹر کو تمسک لکھ کر دے دیا جائے کہ سارا روپیہ مع سود پانچ سال بعد ادا ہو جائے گا۔

مادام دریناآل کے پاس کئی ہزار فرانک تھے جو پہاڑ میں کسی غار کے اندر چھپے رکھے تھے۔

اُسے یقین تھا کہ ژولیاں بگڑ کر یہ پیش کش ٹھکرا دے گا، بہر حال اس نے کانپتے ہوئے یہ روپیہ اس کے سامنے رکھ دیا۔

ژولیاں بولا ـــ "کیا تم چاہتی ہو کہ ہماری محبت بھی میری نظروں میں کراہت انگیز بن جائے؟"

آخر ژولیاں ویریئیر سے روانہ ہو گیا۔ موسیو دریناآل کو حد سے زیادہ خوشی ہوئی۔ اس سے روپیہ لیتے وقت ژولیاں کو یہ قربانی بہت زبردست معلوم ہوئی، اور اس نے صاف انکار کر دیا۔ موسیو۔ ریناآل کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اور اس نے ژولیاں کو گلے لگا لیا۔ ژولیاں نے چال چلن کے بارے میں ایک سند مانگی تھی۔

اپنے جوش میں موسیو دریناآل کو مناسب لفظ نہ مل رہے تھے کہ جی بھر کے اس کے چال چلن کی تعریف ہو سکے۔ ہمارے ہیرو نے پیسہ پیسہ بچا کے پانچ لوئی جمع کئے تھے اور اس کا خیال تھا کہ اتنی ہی رقم فوکے سے لے لوں گا۔

اس کا دل بھر آیا تھا۔ لیکن جب وہ ویرٹیر سے چار پانچ میل دور نکل گیا۔ جہاں وہ محبت کا ایسا زبردست خزانہ چھوڑ کے آ رہا تھا تو اب اس کے دل میں بساں سوں جیسے شاندار شہر اور اتنی بڑی چھاؤنی کو جا کے دیکھنے کی لذت کے سوا اور کوئی خیال باقی نہ رہا تھا۔

جُدائی کے اُن مختصر سے تین دنوں میں مادام ورینال اس فریب میں بتلا رہی جو محبت کی انتہائی ظالمانہ خوش فہمیوں میں سے ایک ہے۔ اس کی زندگی ابھی ناقابلِ برداشت نہیں بنی۔ ابھی تو اس کے اور شکستہ حالی کے درمیان یہ آخری ملاقات موجود تھی۔ جو ژولیاں سے ہونے والی تھی۔ وہ ایک ایک گھنٹہ، ایک ایک گھڑی گن گن کر گذار رہی تھی۔ آخر تیسرے دن کی رات کو دُور سے وہ آواز آئی جو ان دونوں کے درمیان اشارے کے طور پر مقرر ہو گئی تھی۔ ہزاروں خطرات کا مقابلہ کرتا ہوا ژولیاں اس کے سامنے آ موجود ہوا۔

اس کے ذہن میں بس ایک ہی خیال گڑ کے رہ گیا تھا۔ "آج میں اسے آخری بار دیکھ رہی ہوں۔" اپنے عاشق کے اشتیاق کا جواب دینا تو درکنار، وہ تو ایسی ہو کے رہ گئی تھی جیسے کوئی زندہ لاش۔ اگر وہ اپنے اوپر زور ڈال کے اُس سے یہ کہتی بھی کہ مجھے تم سے محبت ہے تو ایسے بے ڈھنگے پن سے کہ بالکل اُلٹی بات ثابت ہوتی۔ دائمی جُدائی کا اذیت ناک خیال کسی طرح اس کے دل سے دور ہی نہ ہوتا تھا۔ ژولیاں کی طبیعت میں تو بدگمانی تھی ہی، وہ لمحے بھر کے لئے سمجھا کہ یہ تو مجھے بھول بھی گئی۔ اس نے اشاروں ہی اشاروں میں یہ بات کہی تو اس کے جواب میں مادام ورینال چپ چاپ موٹے موٹے آنسو بہانے، اور بڑے اضطرا

کے ساتھ اس کا ہاتھ دبانے لگی۔

"مگر یہ تو بتاؤ کہ مجھے تمہاری بات کا یقین کیسے آئے" اس کی محبوبہ نے بڑے ٹھنڈے طریقے سے اپنی محبت جتائی تو ژودلیاں نے جواب دیا۔
"مادام درویل سے بس تمہاری واقفیت ہی تو تھی نا، مگر اس کے ساتھ تم سَو گُنے زیادہ خلوص اور محبت سے پیش آتی تھیں"۔

مادام درینال تو پتھر بن کے رہ گئی تھی۔ اس کی سمجھ ہی میں نہ آیا کہ جواب کیا دوں۔

"مجھ سے زیادہ بدنصیب اور مصیبت زدہ کون ہوگی! . . . . شاید اب میری موت قریب آگئی . . . . میرا دل بیٹھا جا رہا ہے"۔

ژودلیاں کو اگر کوئی بڑے سے بڑا۔۔ جواب ملا بھی تو بس اس قسم کا۔ جب صبح ہونے کو آئی۔ اور ژودلیاں کا جانا ضروری ہو گیا تو مادام درینال کے آنسو ایک دم سے رُک گئے۔ وہ اُسے کھڑکی میں رسّی باندھتے ہوئے دیکھتی رہی۔ اور ایک لفظ نہ کہا، نہ اس کے بوسوں کا جواب دیا۔ ژودلیاں کہنے لگا۔

"لو اب تو وہی ہو گیا۔ جو تم چاہتی تھیں۔ آج سے تمہیں کوئی ندامت نہیں ہوگی۔ اب یہ بھی نہیں ہوگا کہ کوئی بچہ ذرا سا بیمار ہوا اور تم نے سمجھا کہ سارے بچے قبر میں پہنچ گئے"۔ مگر مادام درینال یہ بات بھی پی گئی۔

"مجھے افسوس ہے کہ تم چلتے ہوئے استانس لاس کو پیار نہیں کر سکے"۔

وہ اسی سبلے اعتنائی سے بولی۔

چلتے وقت ژولیاں اس زندہ لاش سے بغل گیر ہوا تو اس کی ہم آغوشیوں میں ذرا گرمی نہ تھی، مگر ژولیاں کے دل پہ ایک چوٹ سی لگی۔ کئی میل تک وہ اس کے سوا کوئی اور بات سوچ ہی نہ سکا۔ اسے اپنی روح پر منوں بوجھ رکھا معلوم ہو رہا تھا۔ درّے کے پار پہنچنے سے پہلے جب تک شہر کے گرجا کا مینار نظر آتا رہا وہ مڑ مڑ کے دیکھتا رہا۔

چوبیسواں باب

ایک دارالحکومت

کیسا شور و غل ہے ، لوگ کتنے مصروف ہیں! بیس سال کا لڑکا مستقبل کے بارے میں کیا کیا منصوبے رکھتا ہے! محبت سے لطف اندوز ہونے کے لئے کیسے کیسے مواقع ہیں!

بارناؔو

آخر اُسے دور ایک پہاڑ پر سیاہ دیواروں کی ایک قطار نظر آنے لگی۔ یہ بساں سوں کا شہر تھا۔ اس نے ٹھنڈا سانس بھر کے کہا۔ "اس عظیم الشان قلعے کی حفاظت کے لئے جو دستے مقرر ہیں اگر میں ان میں لفٹنٹ بن کے آرہا ہوتا تو کتنی مختلف بات ہوتی!"

بساں سوں میں صرف اتنی ہی بات نہیں کہ یہ ملک کا ایک دلفریب شہر ہے یہاں بہت سے طباع اور اہلِ دل مرد اور عورتیں بھی موجود ہیں۔ مگر ژولیاں ایک معمولی دیہاتی تھا اور اسے یہاں کے ممتاز لوگوں کے درمیان بار پانے کا کوئی ذریعہ حاصل نہ تھا۔

اس نے فرکے سے ایک معمولی آدمیوں کا سا کوٹ مانگ لیا تھا اور وہ اسی لباس میں پلوں پر سے گزرا۔ اس کے دماغ میں ۱۶۷۲ء کے محاصرے کی تاریخ گونج رہی تھی۔ چنانچہ اس نے طے کر لیا کہ دارالعلوم میں جا کے بند ہو جانے سے پہلے "قلعہ" وغیرہ ضرور دیکھوں گا۔ کئی جگہیں ایسی تھیں جہاں چھاؤنی کے افسروں نے لوگوں کے داخلے کی ممانعت کر رکھی تھی تاکہ وہاں جو گھاس اُگتی تھی اُسے بیچ کر ہر سال بارہ یا پندرہ فرانک کما سکیں۔ ایسی جگہوں پر وہ کئی دفعہ سنتریوں کے ہاتھوں گرفتار ہوتے ہوتے بچا۔

دیواروں کی اونچائی، خندقوں کی گہرائی، توپوں کی رعب دار شکل، یہ سب چیزیں گھنٹوں سے اس کے ذہن میں پھر رہی تھیں، کہ وہ اتفاق سے بڑی سڑک پر یہاں کے خاص کیفے کے سامنے جا پہنچا۔ اسے دیکھ کر وہ حیرت کے مارے کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔ حالانکہ دو لمبے چوڑے دروازوں پر "کیفے" لکھا تھا۔ مگر اسے اپنی آنکھوں پر اعتبار ہی نہ آ رہا تھا۔ اس نے اپنی کم ہمتی پر قابو پانے کی کوشش کی اور جی کڑا کر کے اندر داخل ہو گیا۔ اس نے دیکھا کہ میں ایک تیس چالیس فٹ لمبے کمرے میں کھڑا ہوں جس کی چھت کم سے کم بیس فٹ اونچی ہے۔ آج اسے ہر چیز مسحور کن لگ رہی تھی۔ دو طرف بلیرڈ کھیلا جا رہا تھا۔ خادم نمبر پکارتے جاتے تھے۔ کھیلنے والے تماشائیوں کے ہجوم میں جلدی جلدی میزوں کے گرد چکر لگا رہے تھے۔ ہر آدمی کے منہ سے تمباکو کا دھواں اٹھ رہا تھا اور لوگوں کے گرد ایک نیلا سا بادل چھا گیا تھا۔ ان لوگوں کا لمبا قد، گول گول کندھے، بھاری بھرکم چال، گھنی گل مچھے، بدن پر لمبے لمبے کوٹ، غرض ہر چیز ژولیاں کی توجہ اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔ اس قدیم رومن شہر کے بہ عالی نسب

فرزند بولتے بھی تھے تو چیخ چیخ کے۔ ان کا انداز ایسا تھا جیسے بڑے زبردست سپاہی ہوں۔ ژولیاں حیرت کے مارے گم صم رہ گیا۔ اسے رہ رہ کے بسان تسوں جیسے عظیم دارالحکومت کی وسعت اور شان وشوکت کا خیال آرہا تھا جو لوگ کھیل کے نمبر گن رہے تھے اور جن کی نظروں سے غرور ٹپکتا تھا۔ ژولیاں کو ان سے کافی کی ایک پیالی مانگنے کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی۔

لیکن کاؤنٹر کے پیچھے جو لڑکی کھڑی تھی اس نے اس نوجوان دیہاتی کی دلفریب صورت دیکھ لی تھی جو بغل میں بقچہ دبائے چوکھٹے سے تین قدم کے فاصلے پر آکے رک گیا تھا اور بادشاہ کے سفید چمکتے ہوئے بت کا غور سے جائزہ لے رہا تھا۔ یہ لڑکی بہت چست وچالاک اور خوش اندام تھی اور ایسے کپڑے پہن رکھے تھے جن سے کیفے کی رونق دوبالا ہو۔ وہ بھی فرانش کونت کی رہنے والی تھی۔ وہ ایسی باریک آواز میں کہ صرف ژولیاں سن سکے۔ اب تک دو دفعہ "فرمائیے! فرمائیے!" کہہ چکی تھی۔ ژولیاں کی نگاہیں دو بڑی پیاری نیلی آنکھوں سے ٹکرائیں اور اس نے دیکھا کہ لڑکی مجھ ہی سے مخاطب ہے۔

وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا لڑکی کی طرف ایسے بڑھا جیسے دشمن کے مقابلے کو جا رہا ہو۔ اس عظیم اقدام کے دوران میں اس کا بقچہ زمین پر گر پڑا۔

ہمارے قصباتی کو دیکھ کر پیرس کے نوجوان طالب علموں کو کیسا کچھ رحم آئے گا جو پندرہ سال کی عمر میں ہی بڑی نفاست کے ساتھ کیفے میں داخل ہونا سیکھ جاتے ہیں! مگر پندرہ سال کی عمر میں تو یہ بچے بڑے باسلیقہ ہوتے ہیں اور جہاں اٹھارہ سال کے ہوئے ان میں عامیانہ پن آنے لگتا ہے۔ لیکن قصبات میں جو شدید شرمیلا پن ملتا

ہے وہ کبھی کبھی اپنے اوپر غالب آجاتا ہے اور پھر آدمی کے دل میں خواہشات کا بیج بوتا ہے۔ جب ژولیاں اس خوبصورت لڑکی کے پاس پہنچا جس نے اس سے بولنے کی تکلیف گوارا کی تھی تو وہ اپنے شرمیلے پن پر قابو پا چکا تھا اور اب اس میں کچھ ہمت آتی جا رہی تھی۔ وہ سوچنے لگا ـــ "مجھے سچی بات بتا دینی چاہئے"۔

"جی، میں عمر میں پہلی مرتبہ یہاں تُوں آیا ہوں۔ مجھے تھوڑی سی روٹی اور کافی کی ایک پیالی چاہیئے۔ میں دام دے دوں گا"۔

لڑکی تھوڑا سا مسکرائی اور پھر سُرخ ہوگئی۔ اسے ڈر لگا کہ کہیں ہلہڑ کھیلنے والے اس بچارے قبول صورت نوجوان پر فقرے بازی نہ شروع کر دیں۔ پھر وہ گھبرا جائیگا اور یہاں کبھی نہیں آئے گا۔

"یہاں میرے پاس بیٹھ جائیے"۔ وہ بولی، اور سنگِ مرمر کی ایک میز کی طرف اشارہ کیا جسے لمبے چوڑے کاؤنٹر نے بالکل چھپا رکھا تھا۔

لڑکی اس کاؤنٹر پر آگے کو جھک گئی جس سے اس کے نفیس جسم کی نمائش ہونے لگی۔ اس پر ژولیاں کی نظر پڑی تو اس کے خیالات بالکل بدل گئے۔ حسین لڑکی نے اس کے سامنے ایک پیالی، تھوڑی سی شکر اور روٹی رکھ دی تھی۔ کافی لانے کے لئے خادم کو آواز دینے سے پہلے وہ ذرا جھجکی۔ کیونکہ خادم کے آنے سے اس کی یہ رازدارانہ گفتگو ختم ہوجاتی۔

ژولیاں اپنے خیالات میں غرق اس گوری، حسین اور زندہ دل لڑکی کا مقابلہ چند یادوں سے کر رہا تھا جو بار بار اس کا دل گرما رہی تھیں۔ وہ جس محبت کا مرکز رہ چکا تھا۔ اس کا خیال آیا تو ژولیاں کی ساری جھینپ غائب ہوگئی۔ حسین لڑکی کے

پاس اب صرف ایک لمحہ رہ گیا تھا۔ اس نے ژولیاں کی نظروں میں کچھ پڑھنے کی کوشش کی۔

"تمباکو کے دھوئیں سے آپ کو کھانسی اٹھتی ہے۔ کل صبح آٹھ بجے سے پہلے یہاں آکے ناشتہ کیجئے۔ اس وقت میں تقریباً اکیلی ہوتی ہوں"۔

"آپ کا نام کیا ہے؟" ژولیاں شرمیلے پن کے باوجود خوش ہو کے اس طرح مسکرایا جیسے اُسے پیار کر رہا ہو۔

"اماں واٹینے"۔

"اگر آپ اجازت دیں تو میں گھنٹے بھر میں آپ کو بس اتنا بڑا ایک پارسل بھیجوں"۔

حسین اماں وا نے ذرا سا غور کیا۔

"یہاں میری نگرانی ہوتی ہے۔ آپ جو چاہتے ہیں۔ ممکن ہے اس میں میری بدنامی ہو۔ خیر! میں اپنا پتا ایک کارڈ پر لکھے دیتی ہوں۔ اسے اپنے پارسل پر لگا دیجئے گا کوئی ڈر نہیں ہے۔ مجھے پارسل بھیج دیجئے"۔

"میرا نام ژولیاں سوریل ہے"۔ نوجوان بولا "یہاں سوں میں نہ تو میرا کوئی رشتہ دار ہے نہ دوست"۔

"آہا، اب میں سمجھ گئی"۔ وہ خوش ہو کے چلائی "آپ قانون پڑھنے آئے ہیں؟"

"افسوس، یہ بات نہیں ہے"۔ ژولیاں نے جواب دیا "مجھے تو دینیات کے دارالعلوم میں بھیجا گیا ہے"۔

اماں دا کو ایسی سخت مایوسی ہوئی کہ اس کا چہرہ پژمردہ ہو گیا۔ اس نے ایک خادم کو آواز دی۔ اب اس میں ہمت آ گئی تھی۔ خادم نے ژرولیاں کی طرف دیکھے بغیر اس کی پیالی بھر دی۔

اماں دا کاؤنٹر پر پیسے وصول کر رہی تھی۔ ژرولیاں کو اپنے اوپر فخر ہو رہا تھا کہ میں نے ہمت کر کے اس سے بات کر ہی ڈالی۔ بلیرڈ کی ایک میز پر کچھ لوگ آپس میں جھگڑ رہے تھے۔

کھیلنے والوں کی بحثا بحثی اور چیخ چانخ سے کمرہ گونج اٹھا اور ایسا شور ہوا کہ ژرولیاں حیران رہ گیا۔ اماں دا کچھ اداس ہو گئی تھی اور نظریں اوپر نہ اٹھا رہی تھی۔

یکایک ژرولیاں پورے اعتماد کے ساتھ بولا ــــ "مادموازیل، اگر آپ پسند کریں تو میں کہہ سکتا ہوں کہ میں آپ کا رشتے دار ہوں۔"

یہ تیقن کا لہجہ اماں دا کو بڑا اچھا لگا۔ وہ سوچنے لگی ــــ "یہ کوئی چلتا پھرتا آدمی معلوم نہیں ہوتا۔" اس کی آنکھیں تو اس فکر میں لگی ہوئی تھیں کہ کوئی کاؤنٹر کی طرف تو نہیں آ رہا؛ اس لیے وہ ژرولیاں کی طرف دیکھے بغیر جلدی سے بولی۔

"وری ژوں کے قریب جو ژاں لی ہے۔ میں وہاں کی رہنے والی ہوں۔ کہیے کہ آپ بھی ژاں لی کے رہنے والے ہیں اور میری ماں کے رشتے دار ہیں۔"

"میں یہ بات نہیں بھولوں گا۔"

"گرمیوں میں ہر منگل کو دارالعلوم کے طالب علم یہاں کیفے کے سامنے سے گزرتے ہیں۔"

"میں سامنے سے گزروں اور آپ میرے بارے میں سوچ رہی ہوں

تو ہاتھ میں بنفشہ کے پھولوں کا گچھا لے بیٹھے گا۔"

اماں دا نے حیران ہو کر اس کی طرف غور سے دیکھا۔ اس نگاہ نے ژولیاں کی جرأت کو پھر جھجک میں تبدیل کر دیا۔ بہرحال اس نے سُرخ ہو کر اماں دا سے کہا ۔۔

"مجھے تو ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ مجھے تم سے انتہائی شدید محبت ہو گئی ہے۔"

"اچھا تو پھر اتنے زور سے تو نہ بولو۔" اس نے گھبرا کر تنبیہ کی۔

ژولیاں نے سوچا کہ روسو کے ناول "نوویل ایلواز" کے کچھ جملے اس لڑکی پر آزماؤں۔ یہ کتاب اُسے ورتری میں کہیں سے ہاتھ آ گئی تھی۔ اس کے حافظے نے اس وقت خوب کام دیا۔ وہ دس منٹ تک اماں دا کو اس ناول کے ٹکڑے سُناتا رہا۔ اور لڑکی جھوم جھوم گئی۔ ژولیاں کو اپنی ہمت دیکھ کر خود لطف آ چلا تھا کہ یکایک اس حسین لڑکی نے اپنے چہرے پر انتہائی سرد مہری کا انداز طاری کر لیا۔ اس کا ایک چاہنے والا کیفے کے دروازے میں کھڑا تھا۔

وہ جھومتا جھامتا، سیٹی بجاتا کاؤنٹر کے پاس آیا اور ژولیاں کو گھور کے دیکھنے لگا۔ ژولیاں کا تخیل تو انتہا پسند واقع ہوا تھا۔ اس وقت اسے یقین ہو گیا کہ اب ڈوئیل لڑنی پڑے گی۔ اس کا رنگ ایک دم سے اڑ گیا۔ اس نے پیالی کو الگ ہٹا دیا اور چہرے پر خود اعتمادی پیدا کر کے اپنے رقیب کا جائزہ لینے لگا۔ اس کا رقیب بڑی بے فکری کے ساتھ کاؤنٹر پر اپنے لئے برانڈی انڈیلنے لگا۔ جب اس کا سر جھکا ہوا تھا تو اماں دا نے آنکھ سے ژولیاں کو اشارہ کیا کہ اپنی نظر نیچی کر لو۔

اس نے کہنا مان لیا، اور دو ایک منٹ تک اپنی جگہ بالکل زرد اور خاموش بیٹھا رہا۔ دل میں وہ پورا تہیہ کر چکا تھا اور بس یہ سوچ رہا تھا کہ دیکھیں اب کیا ہوتا ہے۔ اس وقت وہ واقعی اچھا لگ رہا تھا۔ رقیب ژدلیاں کی آنکھیں دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔ وہ ایک سانس میں پورا گلاس چڑھا گیا۔ اماں دا سے دو ایک باتیں کیں اور اپنے بھورے پھالے کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ٹھونس کر زور زور سے سانس لیتا اور ژدلیاں کی طرف گھورتا بلیرڈ کی ایک میز کی طرف چل دیا۔ ژدلیاں کو ایسا تاؤ آیا کہ وہ ایک دم اٹھ کھڑا ہوا، مگر اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ رقیب کی ہتک کا کون سا طریقہ اختیار کرے۔ اس نے اپنا بغچہ رکھ دیا اور جہاں تک ممکن ہو سکا بانکپن کے ساتھ اکڑتا بڑھتا بلیرڈ کی میز کی طرف چلا۔

اس کی دوراندیشی نے بہتیرا سمجھایا ۔" بس اں سوں آتے ہی لڑ پڑے تو کلیسا میں اپنا مستقبل ختم سمجھو۔" مگر اس نے ایک نہ سُنی۔

"ہوتا ہے تو ہونے دو۔ کوئی یہ تو نہیں کہہ سکے گا کہ اس کی ہتک ہوئی اور یہ پچک کے رہ گیا۔"

اس کی ہمت کا تماشہ اماں دا نے بھی دیکھا۔ اس کے سیدھے سادے اطوار کے مقابلے میں یہ جرأت بڑا دل فریب تضاد پیش کر رہی تھی۔ آنکھ جھپکتے میں وہ ژدلیاں کو اس لمبے تڑنگے نوجوان سے زیادہ پسند کرنے لگی۔ وہ اٹھی اور کچھ ایسا ظاہر کرتے ہوئے جیسے سڑک پر کسی کو جاتے دیکھ رہی ہو، جلدی سے ژدلیاں اور بلیرڈ کی میز کے درمیان آکھڑی ہوئی۔

"تم اُن صاحب سے نہ الجھ پڑنا۔ وہ میرے بہنوئی ہیں۔"

"تو پھر مجھے کیا؟ انہوں نے میری طرف گھورا کیوں؟"

"کیا تم مجھے مصیبت میں ڈالنا چاہتے ہو؟ انہوں نے تمہاری طرف خود سے دیکھا ضرور تھا، بلکہ شاید وہ آ کے تم سے باتیں بھی کریں۔ میں نے اُن سے کہہ دیا ہے کہ تم میری ماں کے رشتے دار ہو اور ابھی تداں لی سے آئے ہو۔ وہ بھی فرانش کونٹ کے ہیں اور برگنڈی کی سڑک پر دوال سے آگے نہیں گئے۔ ذرہ مت، الو سے جو جی چاہے کہہ دینا۔"

ژدلیاں ابھی تک ہچکچا رہا تھا۔ اماں دا آخر کینفے میں رہنے والی لڑکی تھی۔ اسے بیسیوں چلے بہانے یاد تھے۔ وہ جلدی سے بولی۔

"ہاں، انہوں نے تمہیں گھور کے دیکھا تھا مگر اس وقت جب وہ مجھ سے پوچھ رہے تھے کہ یہ کون ہے۔ وہ ایسے ہی آدمی ہیں۔ ہر ایک سے یوں ہی اکھڑپنے سے پیش آتے ہیں۔ انہیں تمہاری توہین منظور نہیں تھی۔"

ژدلیاں نے اس مفروضہ بہنوئی کی طرف دیکھا۔ بلیرڈ کی دونوں میزوں کے اس طرف جوا شروع ہونے والا تھا۔ اس شخص نے ایک ٹکٹ خریدا پھر ژدلیاں نے اسے اپنی بھاری آواز میں پکارتے ہوئے سنا۔ "میں حاضر ہوں!" ژدلیاں پھرتی سے اماں دا کی کمر کے پیچھے ہو گیا، اور بلیرڈ کی میز کی طرف قدم بڑھایا۔ تو اماں دا نے اس کا بازو پکڑ لیا۔

"ادھر آؤ، پہلے اپنے پیسے تو ادا کر دو۔" وہ بولی۔

"ٹھیک ہے۔" ژدلیاں نے سوچا۔ "اسے ڈر ہے کہیں میں پیسے ادا کیے بغیر نہ چل دوں۔"

اُس کی طرح اماں دا کو بھی بڑی گھبراہٹ ہو رہی تھی اور وہ بالکل سُرخ ہو گئی تھی۔ اس نے بہت ہی آہستہ آہستہ ریزگاری گن کے ژدلیاں کو دی۔ اور چپکے سے کہا۔

"کیفے سے فوراً چلے جاؤ۔ ورنہ پھر میں تمہیں اچھا آدمی نہیں سمجھوں گی۔ ویسے تم مجھے بہت پسند آئے ہو۔"

ژدلیاں چلا تو آیا۔ مگر بہت آہستہ آہستہ۔ وہ بار بار دل میں کہہ رہا تھا۔ "کیا یہ میرا فرض نہیں ہے کہ میں بھی جا کے اس بدتمیز آدمی کو گھوروں اور اس کی توہین کروں؟" ژدلیاں اس شکش میں ایسا پڑا اگر کیفے کے باہر سڑک پر گھنٹہ بھر کھڑا رہا۔ وہ اس انتظار میں تھا کہ اس کا حریف باہر نکلے۔ مگر وہ نکلا ہی نہیں، اور ژدلیاں آخر چل دیا۔

اسے یہاں تولوں پہنچے چند گھنٹے ہی ہوئے تھے اور ایک ایسی بات پیش آگئی تھی جس پر اسے افسوس ہو رہا تھا۔ عرصہ ہوا بڑھے سرجن میچر نے اپنی گھٹیا کے باوجود اُسے تھوڑی سی شمشیر زنی سکھا دی تھی۔ ژدلیاں اپنے غصے میں اگر کسی چیز سے کام لے سکتا تھا تو بس اسی تیغ علم سے۔ لیکن اگر اسے طمانچہ لگائے بغیر جھگڑا مول لینے کا طریقہ معلوم ہوتا تو ذرا بھی پریشانی نہ ہوتی۔ اگر کہیں گھونسے بازی شروع ہو جاتی تو اس کا رقیب جو پورا دیو کا دیو تھا۔ مار مار کے اس کا پلیتھن نکال دیتا اور اسے دہلیز زمین پہ ڈال کے چل دیتا۔

ژدلیاں سوچنے لگا۔ "مجھ جیسے غریب آدمی کے لئے جس کے پاس نہ تو موزوں کوئی سرپرست، وار العلوم اور تیہ خلسے نہیں ایسا فرق ہی کیا ہوگا۔ یہ کپڑے

میں کسی سرائے میں چھوڑ دوں گا۔ اگر گھنٹے دو گھنٹے کے لئے کبھی دارالعلوم سے نجات ملی تو پھر یہ کپڑے پہن کر اماں دا سے مل سکتا ہوں۔ بات تو یہ معقول تھی مگر وہ ایک ایک سرائے کے سامنے سے گزرا مگر اندر جانے کی ہمت نہ پڑی۔

آخر جب وہ دوبارہ بڑے ہوٹل کے سامنے پہنچا تو اس کی نگاہیں بھٹکتی بھٹکاتی ایک موٹی سی عورت پر پڑیں جو ابھی خاصی جوان تھی۔ رنگ گہرا سرخ تھا اور چہرے سے خوشی اور زندہ دلی ٹپکتی تھی۔ وہ اس کے پاس گیا اور اپنی کہانی سنائی۔

ہوٹل کی مالکہ بولی: "ہاں ہاں پادری صاحب، ضرور۔ میں آپ کے کپڑے رکھ لوں گی بلکہ انہیں برابر برش سے صاف بھی کراتی رہوں گی۔ ایسے موسم میں گرم کپڑے کو یونہی نہیں ڈال دینا چاہئے۔" اس نے تالی بجائی اور خود اسے ایک کمرے میں لے گئی اور کہا کہ جو چیزیں چھوڑ کے جا رہے ہو اُن کی ایک فہرست بنا لیجئے۔

"پادری سوریل صاحب! اب آپ کتنے اچھے لگ رہے ہیں!" جب وہ نیچے اتر کے باورچی خانے میں آیا تو موٹی عورت بولی: "بس ابھی آپ کے لئے بڑا نفیس کھانا منگواتی ہوں۔" پھر چپکے سے کہنے لگی: "اور دل سے تو پچاس سو لئے جاتے ہیں، آپ صرف بیس دے دیجئے گا۔ آپ کو پیسے کا بہت خیال رکھنا چاہئے۔"

"میرے پاس قودس کوئی موجود ہیں۔" ژولیاں نے ذرا فخر کے ساتھ جواب دیا۔

عورت نے گھبرا کے کہا: "خدا کے واسطے اتنے زور سے نہ بولئے۔ بزانسوں میں بہت چور اُچکے بستے ہیں۔ ذرا سی دیر میں آپ کی جیب صاف کر دیں گے اور آپ چاہے جو کریں، لیکن کسی کیفے میں کبھی نہ جائیے گا۔ وہاں بڑے بدمعاش لوگ

ملتے ہیں۔"

"واقعی!" ژدولیاں نے کہا۔ وہ یہ بات سن کر کچھ سوچنے لگا۔

"اور کہیں نہ جایئے۔ بس میرے پاس آجایا کیجئے۔ کوئی آپ کو یہیں مل جائے گی۔ مجھے اپنا دوست سمجھئے۔ یہاں آپ کو اچھا خاصا کھانا بھی شوربے ملے گا۔ ٹھیک رہے گا نا؟ اچھا! اب چل کے میز پہ بیٹھئے، میں خود کھانا لاتی ہوں۔"

"مجھ سے کھایا ہی نہیں جانے گا۔" ژدولیاں نے کہا۔ "اس وقت مجھے بڑی گھبراہٹ ہو رہی ہے۔ یہاں سے نکلتے ہی مجھے سیدھے دارالعلوم جانا ہے۔"

اس نیک دل عورت نے ژدولیاں کو اس وقت تک نہ جانے دیا جب تک کہ اس کی جیبوں میں کھانے کی چیزیں خوب ٹھونس ٹھونس کے نہ بھر دیں۔ آخر ژدولیاں اس خوفناک مقام کی طرف چل پڑا۔ عورت نے اپنی دہلیز پہ کھڑے ہو کے اُسے راستہ بتا دیا۔

پچیسواں باب

دارالعلوم

تین سو چھتیس دفعہ رات کا کھانا، فی آدمی ۳۰ سینٹ۔ تین سو چھتیس دفعہ کا کھانا، فی آدمی ۲۰ سینٹ۔ جو اس کے حق دار ہوں اُن کے لئے چار طیشنگ اس ٹھیکے میں کتنا منافع ہوگا؟

بساں سوں کا وال تر

اسے دور سے پھاٹک پر لوہے کی ملمع شدہ صلیب نظر آئی، اور وہ آہستہ آہستہ اُس طرف چل پڑا۔ اسے کچھ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ٹانگیں جواب دے گئی ہوں۔ "یہ ہے وہ جہنم کا نمونہ جہاں سے میں باہر بھی نہیں نکل سکتا!" آخر اس نے طے کیا کہ گھنٹی بجانی چاہئے۔ گھنٹی کی آواز اس طرح گونجی جیسے کسی خالی مکان میں۔ دس منٹ بعد ایک زرد رو آدمی سیاہ کپڑے پہنے باہر آیا اور پھاٹک کھولا۔ ثمودلیاں نے اس کی طرف دیکھا اور فوراً نظریں نیچی کرلیں۔ اس دربان کا چہرہ عجیب قسم کا تھا۔ اس کی آنکھوں کی سبز پتلیاں باہر نکلی ہوئی اور بلی کی پتلیوں کی طرح مدور تھیں۔ آنکھوں کے پپوٹے پھڑکتے ہی نہ تھے اور انہیں دیکھ کر ایسا لگتا تھا کہ اس آدمی میں انسانی جذبات سر سے سے ہیں

ہی نہیں۔ تیلے پتلے ہونٹ پھیلے ہوئے سے تھے اور باہر نکلے ہوئے دانتوں پر قوس کی طرح بچھا گئے تھے۔ مگر اس چہرے سے مجرمانہ فطرت نہیں بلکہ انتہائی بے حسی ظاہر ہوتی تھی جس سے نوجوان لوگوں کو زیادہ ڈر لگتا ہے۔ اس ملبوترے اور بے نیاز قسم کے چہرے پر ڈولیاں نے بس ایک ہی نظر ڈالی تھی، اور اسے صرف ایک جذبہ دکھائی دیا تھا۔ اور وہ یہ کہ دوسری دنیا سے متعلق چیزوں کے علاوہ اسے ہر موضوع سے انتہائی نفرت تھی۔

ڈولیاں نے بڑی کوشش سے نظریں اوپر اٹھائیں، اور اختلاج قلب کی وجہ سے لرزتی ہوئی آواز میں بتایا کہ میں دارالعلوم کے نگراں موسیو پی ہار سے ملنا چاہتا ہوں۔ سیاہ کپڑوں والے آدمی نے منہ سے کچھ کہے بغیر اشارہ کیا کہ میرے پیچھے پیچھے آؤ۔ وہ ایک چوڑے زینے کی دو منزلیں طے کر کے اوپر پہنچے۔ زینے میں لکڑی کا جنگلہ لگا ہوا تھا۔ سیڑھیاں گل کر نیچے جھک گئی تھیں اور معلوم ہوتا تھا کہ بس اب بیٹھیں۔ دربان نے ایک دروازے کو دھکا دے کر کھولا جس پر لکڑی کی قبرستانوں جیسی بیا؟ صلیب لگی ہوئی تھی اور ڈولیاں کو ایک چھوٹے سے بے رونق کمرے میں لے گیا۔ سفید قلعی کی ہوئی دیواروں پر دو بڑی بڑی تصویریں آویزاں تھیں جو اتنی پرانی تھیں کہ سیاہ پڑ چکی تھیں۔ دربان اسے وہاں چھوڑ کر چلا گیا۔ ڈولیاں کچھ خوف زدہ سا ہو گیا تھا۔ اور اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ اگر وہ ہمت کر کے رو پڑتا تو اسے بہت خوشی ہوتی۔ ساری عمارت میں موت کی سی خاموشی طاری تھی۔

کوئی پندرہ منٹ بعد جو اُسے گھنٹے بھر کے برابر معلوم ہوئے، وہ خوفناک دربان کمرے کے دوسرے سرے پر ایک دروازے میں نمودار ہوا اور منہ سے کچھ کہنے کی

تکلیف گوارا کئے بغیر اسے آگے آنے کا اشارہ کیا۔ اب وہ ایک ایسے کمرے میں داخل ہوا جو پہلے والے سے بھی بڑا تھا، اور وہاں بہت ہلکی روشنی ہو رہی تھی۔ یہاں بھی دیواروں پر سفید قلعی تھی۔ مگر کوئی آرائشی چیز نہ تھی۔ البتہ اس نے گزرتے ہوئے دروازے کے قریب ایک کونے میں سفید لکڑی کی ایک مسہری، دو بید کی کرسیاں اور ایک چیڑ کے تختوں کی بے گدّے والی چھوٹی سی آرام کرسی ضرور دیکھی۔ کمرے کے دوسرے سرے پر میلے شیشوں والی ایک چھوٹی سی کھڑکی کے قریب جس میں گندے گندے گملے رکھے تھے۔ میز کے سامنے ایک آدمی بیٹھا نظر آیا جس نے ایک ملا دسلا چغہ پہن رکھا تھا۔ کچھ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ غصّے میں بھرا بیٹھا ہے۔ اس کے سامنے کاغذ کے چھوٹے چھوٹے تختوں کا ایک ڈھیر تھا۔ وہ ایک ایک کاغذ اٹھا کے میز پر پھیلاتا اور اس پہ دو چار لفظ لکھ دیتا۔ اس نے ژدلیاں کی موجودگی پر غور ہی نہیں کیا۔ دربان اسے کمرے کے بیچ میں چھوڑ کے خود چلا گیا تھا اور دروازہ بند کر گیا تھا۔ ژدلیاں اسی طرح گم صم کھڑا تھا۔

دس منٹ اسی طرح گزر گئے اور وہ اُلٹے سیدھے لباس والا آدمی برابر لکھے چلا گیا۔ ژدلیاں کا ہیجان اور خوف اس حد تک پہنچ گیا کہ اسے معلوم ہوا اب میں گر پڑوں گا۔ اسے دیکھ کر کوئی فلسفی یہ غلط رائے قائم کرتا ــــ "جو روح حسین چیزوں سے محبت کرنے کے لئے تخلیق ہوئی ہو اس پر بدصورتی کا ایسا ہی شدید اثر پڑتا ہے۔"

جو آدمی بیٹھا لکھ رہا تھا۔ آخر اس نے سر اٹھایا۔ ژدلیاں نے یہ بات لمحے بھر تک دیکھی ہی نہیں۔ بلکہ دیکھنے کے بعد بھی وہ بالکل ساکت و صامت کھڑا رہا جیسے

اس آدمی کی خوفناک نگاہ نے اسے پتھر کا بنا دیا ہو۔ ژودلیاں کی آنکھوں میں تارے اُگ گئے تھے۔ اسے یہ لمبا سا چہرہ پوری طرح دکھائی ہی نہیں دے رہا تھا جو سرخ سُرخ دھبوں سے پٹا پڑا تھا۔ بس ایک ماتھا صاف تھا جس پہ موت کی سی زردی کھنڈی ہوئی تھی۔ سُرخ رخساروں اور سفید ماتھے کے درمیان دو چھوٹی چھوٹی سیاہ آنکھیں چمک رہی تھیں جنہیں دیکھ کر بہادر سے بہادر آدمی کانپ اٹھتا۔ لمبے چوڑے ماتھے کے اُوپر سیدھے اور بھونرا جیسے سیاہ بالوں کا پُولا رکھا تھا۔

"اب نزدیک بھی آؤ گے یا وہیں کھڑے رہو گے؟" آخر وہ آدمی بڑی بے چینی سے بولا۔

ژودلیاں ڈگمگاتا ہوا آگے بڑھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا کہ بس اب زمین پر گرا رنگ ایسا پیلا پڑ گیا تھا کہ عمر بھر میں کبھی نہ ہوا ہوگا۔ آخر وہ اس میز سے دو چار قدم کے فاصلے پر پہنچ کے رُک گیا جس پر کاغذ کے ٹکڑے بچھے ہوئے تھے۔

"اور قریب آؤ۔" وہ آدمی بولا

ژودلیاں اور آگے بڑھا۔ اس نے ہاتھ اس طرح بڑھا رکھا تھا جیسے کسی چیز کا سہارا لینا چاہتا ہو۔

"تمہارا نام؟"

"ژودلیاں سوریل۔"

"تم بہت دیر میں آئے ہو۔" اس آدمی نے کہا اور اپنی خوفناک آنکھوں سے ژودلیاں کی طرف پھر دیکھا۔

ژودلیاں سے یہ نظر برداشت نہ ہو سکی۔ اس نے سہارا لینے کے لئے ہاتھ

آگے بڑھایا اور دھم سے فرش پر چت گر پڑا۔

اس آدمی نے گھنٹی بجائی۔ ژولیاں کی صرف بصارت اور ہلنے جلنے کی طاقت زائل ہوئی تھی۔ اسے کسی کے ادھر آنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

اسے اٹھا کر لکڑی کی آرام کرسی پر بٹھا دیا گیا۔ اس نے سنا کہ وہ خوفناک آدمی دربان سے کہہ رہا ہے۔

"معلوم ہوتا ہے اسے مرگی کا دورہ پڑتا ہے۔ مجھے پہلے ہی سمجھ لینا چاہئے تھا"

جب ژولیاں اس قابل ہوا کہ آنکھیں کھول سکے تو وہ سرخ چہرے والا آدمی پھر لکھ رہا تھا اور دربان غائب ہو چکا تھا۔ ہمارا ہیرو دل میں بولا۔

"مجھے ہمت سے کام لینا چاہئے اور سب سے زیادہ تو اپنے جذبات چھپانے چاہئیں (اس کے دل میں شدید درد ہو رہا تھا) اگر میں واقعی بیمار پڑ گیا تو یہ لوگ خدا جانے میرے بارے میں کیا سوچیں گے۔" آخر اس آدمی نے لکھنا بند کر دیا اور ژولیاں کی طرف ترچھی نظروں سے دیکھ کر پوچھا

"اب تم اس قابل ہو کہ میرے سوالوں کا جواب دے سکو؟"

"جی ہاں، جناب"۔ ژولیاں نے نحیف آواز میں کہا۔

"چلو ٹھیک ہے"۔

سیاہ لباس والا آدمی آدھا اٹھ کھڑا ہوا اور اپنی میز کی دراز میں ایک خط تلاش کرنے لگا۔ دراز چرچرا کر کھلی۔ خط مل گیا۔ وہ آہستہ آہستہ پھر بیٹھ گیا اور ژولیاں کی طرف کچھ اس انداز سے گھور کے بولا کہ اس کی رہی سہی جان بھی خشک ہو گئی

"موسیو شیلاں نے مجھ سے تمہاری سفارش کی ہے۔ وہ اس علاقے کے سب سے

اچھے پادری تھے۔ اگر دنیا میں کوئی نیک آدمی ہے تو وہ ہیں۔ تیس سال سے میری اور ان کی بڑی دوستی ہے۔"

"اچھا تو مجھے موسیو پی رار سے شرف گفتگو حاصل ہے"۔ ژرولیاں نے مردہ سی آواز میں کہا۔

"ہاں، بظاہر تو یہی بات ہے"۔ دارالعلوم کے مہتمم نے کڑی نظر سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اس کی آنکھوں کی چمک اور بڑھ گئی اور منہ کے پاس کی رگیں اضطراری طور پر پھڑکنے لگیں۔ اس کا حلیہ بالکل شیر کا سا تھا۔ جو شکار کو دیکھ کر ہونٹ چاٹ رہا ہو۔

"شیلاں نے مختصر خط لکھا ہے"۔ وہ اس طرح بولا جیسے اپنے آپ سے کہہ رہا ہو۔ "اب دنیا میں ذہانت کہاں رہی ہے۔ آج کل تو لوگوں کو چھوٹا خط لکھنا آتا ہی نہیں"۔ وہ بہ آواز بلند خط پڑھ کے سنانے لگا۔

"میں ژرولیاں سوریل کو آپ کے پاس بھیج رہا ہوں۔ یہ اسی علاقے کا ہے۔ اور بیس سال پہلے میں نے ہی اسے بپتسمہ دیا تھا۔ اس کے والد بڑھئی ہیں، اور خاصے مالدار ہیں، مگر اس بچارے کو ایک پیسہ نہیں دیتے۔ ژرولیاں خدا کے خادموں میں بڑا امتیاز حاصل کرے گا۔ اس کا حافظہ بہت اچھا ہے۔ ذہانت کی بھی کمی نہیں۔ غور و فکر کی صلاحیت بھی ہے مگر یہ راہبانہ زندگی چھوڑ تو نہیں دے گا؟ اس میں خلوص بھی ہے یا نہیں؟"

"خلوص!" پادری پی رار نے متعجب ہو کر ژرولیاں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ مگر اس دفعہ پادری کی نظر پہلے کی طرح انسانیت سے خالی نہیں تھی۔ "خلوص!" اس نے

دھیمی آواز میں دوبارہ کہا اور پھر خط پڑھنے لگا۔

"میں چاہتا ہوں کہ ژولیاں کو وظیفہ مل جائے۔ اگر پہلے امتحان ضروری ہو تو وہ امتحان بھی دے لے گا۔ میں نے اسے تھوڑی سی دینیات پڑھا دی ہے ——— یعنی بوستوئے، آرنو، فلیوری کی پرانی اور صحیح دینیات۔ اگر یہ نوجوان آپ کو پسند نہ آئے۔ تو میرے پاس واپس بھیج دیجئے گا۔ محتاج خانے کے مہتمم جنہیں آپ اچھی طرح جانتے ہیں۔ اسے اپنے بچوں کا اتالیق بنا رہے ہیں اور آٹھ سو فرانک ماہوار دیتے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ میرا دل بالکل پُرسکون ہے۔ مجھے جو زبردست صدمہ پہنچا ہے اب میں اس کا عادی ہوتا جا رہا ہوں۔ اچھا، خدا حافظ۔ مجھے دعائے خیر سے یاد رکھئے گا۔"

خط کے آخر میں پی رار کے پڑھنے کی رفتار کم ہوتی گئی، اور اس نے ٹھنڈا سانس بھر کے لفظ "شیلاں" کہا۔

"ان کا دل پُرسکون ہے"۔ وہ بولا۔ "واقعی وہ اتنے نیک ہیں کہ ان پر خدا کی ایسی ہی رحمت ہونی چاہئے تھی۔ میری خدا سے دعا ہے کہ جب میرا وقت آئے تو مجھے بھی ایسی ہی طاقت عطا فرمائے۔"

اس نے آسمان کی طرف دیکھا اور صلیب کا نشان بنایا۔ یہ مقدس نشانی دیکھ کر ژولیاں کو محسوس ہوا اب وہ شدید خوف بہت کم ہو گیا جس نے عمارت میں داخل ہونے کے بعد سے اس کی جان خشک کر رکھی تھی۔

"یہاں میرے پاس تین سو اکیس آدمی ہیں جو اس مقدس پیشے میں داخل ہونا چاہتے ہیں"۔ پادری پی رار ایسے لہجے میں بولا جو سخت تو ضرور تھا، مگر پُرعناد نہ تھا۔ "ان

ہیں صرف سات آٹھ ایسے ہیں جن کی سفارش پادری شیلاں جیسے حضرات نے کی ہے چنانچہ ان تین سو اکیس آدمیوں میں تمہارا نمبر نواں ہو گا۔ لیکن میری سرپرستی کے معنی بے جا نوازشیں اور رعائتیں نہیں ہیں۔ بلکہ تمہیں بدی سے بچانے کی خاطر میری احتیاط اور سختی کچھ بڑھ ہی جائے گی۔ جاؤ اس دروازے میں تالا لگا دو۔"

ژولیاں کو چلنے میں دشواری تو ہوئی۔ مگر وہ گرا نہیں۔ اس نے دیکھا کہ وہ جس دروازے سے داخل ہوا تھا۔ اس کے پاس والی کھڑکی میں سے جنگل نظر آتا ہے۔ اس نے درختوں کی طرف بڑے غور سے دیکھا، اور اس میں ایسی طراوت آئی جیسے پرانے دوست نظر پڑ گئے ہوں۔

جب وہ واپس آیا تو پادری نے لاطینی میں پوچھا —— "کیا تم لاطینی بول سکتے ہو؟"

"جی ہاں، مہربان باپ"۔ ژولیاں نے لاطینی میں ہی جواب دیا۔ اب اسے کچھ ہوش آچلا تھا۔ اُسے آج تک کوئی آدمی اتنا برا نہیں لگا تھا جتنا پچھلے آدھ گھنٹے سے موسیو پی رآر معلوم ہو رہا تھا۔

اب لاطینی میں باتیں ہونے لگیں۔ پادری کی آنکھوں میں کچھ ملائمت آگئی۔ ژولیاں بھی تھوڑا سا ٹھنڈا پڑ گیا۔ وہ سوچنے لگا —— "میں بھی کتنی کمزور طبیعت کا ہوں، اس دکھاوے کی پارسائی سے مرعوب ہو گیا! یہ شخص بھی ماس لوں کی طرح بدمعاش ہو گا"۔ اور ژولیاں اپنی اس بات سے بڑا خوش ہوا کہ اس نے اپنا روپیہ جوتوں میں چھپا لیا تھا۔

پادری پی رآر نے دینیات میں ژولیاں کا امتحان لیا اور اس کے علم کی وسعت

دیکھ کر بڑا حیران ہوا جب اس نے خاص طور سے انجیل کے متعلق سوالات پوچھے تو اور بھی حیرت ہوئی۔ لیکن جب بڑے بڑے فقیہوں کے متعلق سوالات کی باری آئی تو پتا چلا کہ ژرویاں سینٹ جیروم، سینٹ آگسٹین، سینٹ یونا وین لوٹر، سینٹ بسیل وغیرہ کا نام تک نہیں جانتا۔

پادری پی نار سوچنے لگا ــــ "میں نے شیلاں کو کئی دفعہ تنبیہہ کی ہے کہ وہ پروٹسٹنٹ مذہب کی طرف بہت زیادہ مائل ہے۔ یہ اس کی تازہ مثال ہے۔ سارا زور انجیل کے مطالعے پر ہے"۔

(حالانکہ اس نے اس موضوع پر کوئی سوال بھی نہ پوچھا تھا۔ لیکن ژرویاں نے ابھی اسے بتایا تھا کہ کتاب پیدائش وغیرہ کی تصنیف کا اصل زمانہ کون سا ہے)

پی رار دل میں کہنے لگا ــــ "انجیل پر اتنے بحث مباحثے کا مطلب آخر کیا ہے؟ یعنی ذاتی رائے کا دخل، یا دوسرے لفظوں میں، پروٹسٹنٹوں کا سا نقطہ نظر! شیلاں نے یہ جسارت آمیز باتیں تو سکھا دیں۔ لیکن فقیہوں کے بارے میں کچھ نہیں بتایا کہ اس رجحان کا تھوڑا بہت ازالہ ہو سکتا"۔

پھر دارالعلوم کے نگراں نے ژرویاں سے پوپ کے اختیارات کے متعلق سوال پوچھا۔ اسے خیال تھا کہ ژرویاں قدیم کلیسا کے احکامات پیش کرے گا، مگر اس نے تو موسیو دی میستر کی پوری کتاب فرفر سنا دی۔ اب تو پادری کے تعجب کی کوئی انتہا نہ رہی۔

"یہ شیلاں بھی عجیب و غریب آدمی ہے"۔ پادری پی رار نے سوچا "کہیں اس نے ژرویاں کو یہ کتاب اس لئے تو نہیں دی کہ اس کا مذاق اڑانا سکھلائے؟"

اس نے ژدلیاں سے ایسے سوالات پوچھے جن سے پرانگ سکے کہ وہ موسیوں مستر کے عقائد کو مانتا ہے یا نہیں، مگر لاحاصل۔ یہ نوجوان تو بس اپنے حلفنامے کے سہارے بولتا تھا۔ اب ژدلیاں نے واقعی کمال کر دکھایا۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ اب مجھے اپنے اوپر پورا قابو ہے۔ اس لمبے چوڑے امتحان کے بعد اُسے کچھ یوں لگا کہ پی رار نے جو سختی روا رکھی تھی وہ محض دکھاوے کی تھی۔ پادری کو اس نوجوان کے جوابوں میں اتنی صحت، اتنی وضاحت اور ایسی نکتہ سنجی ملی کہ اگر اس نے پچھلے پندرہ سال سے اپنے لئے یہ قاعدہ نہ مقرر کر رکھا ہوتا کہ شاگردوں سے بڑی سخت سنجیدگی کے ساتھ پیش آؤں گا تو وہ اس کے منطقی دماغ سے خوش ہو کے اسے گلے لگا لیتا۔

"اس کا ذہن بڑا تیز اور صحت مند ہے"۔ وہ دل میں بولا "مگر جسم کمزور ہے"۔

"کیا تم اکثر اسی طرح گر پڑتے ہو؟" وہ فرش کی طرف اشارہ کر کے ژدلیاں سے فرانسیسی میں کہنے لگا۔

"ایسا تو آج عمر میں پہلی دفعہ ہوا ہے۔ دربان کا چہرہ دیکھ کر میری جان نکل گئی"۔ ژدلیاں نے بچوں کی طرح شرم سے سُرخ ہو کر بتایا۔

پادری کے چہرے پر مسکراہٹ سی آگئی۔

"دنیا کی بے بنیاد شان و شوکت کا یہی اثر ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ تم مسکراتے ہوئے چہروں کے عادی ہو جو ہر قسم کے جھوٹ کا پردہ ہوتے ہیں۔ صداقت کی شکل بڑی سخت ہوتی ہے جناب۔ لیکن دنیا میں ہمارے فرائض بھی تو بڑے سخت ہیں۔ تمہیں احتیاط برتنی پڑے گی کہ تمہارا ضمیر اس کمزوری سے محفوظ رہے۔ یعنی ظاہری اور بے بنیاد محاسن کا ضرورت سے زیادہ احساس نہ پیدا ہونے پائے۔

"اگر شیلاں جیسے آدمی نے تمہاری سفارش نہ کی ہوتی" اب پادری پھر لاطینی بولنے لگا جیسے اس میں بڑا مزا آرہا ہو۔ "اگر شیلاں جیسے آدمی نے تمہاری سفارش نہ کی ہوتی تو میں تم سے دُنیاداری کی اس فضول زبان میں باتیں کرتا جس کے تم عادی معلوم ہوتے ہو میں تمہیں صاف بتا دوں، تم نے جس وظیفے کے لئے درخواست کی ہے، اس کا ملنا بڑا مشکل کام ہے۔ لیکن اگر پادری شیلاں کی سفارش سے دارالعلوم میں ایک وظیفہ تک نہ مل سکے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ چھپن سال کلیسا کی خدمت کرنے سے انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔"

یہ الفاظ کہہ چکنے کے بعد پادری نے ژولیاں کو نصیحت کی کہ مجھ سے پوچھے بغیر کسی خفیہ جماعت یا مجلس میں شامل نہ ہونا۔

"میں آپ سے وعدہ کئے لیتا ہوں"۔ ژولیاں نے ایماندار آدمی کی سی پُرخلوص گرمجوشی کے ساتھ کہا۔

دارالعلوم کا نگران پہلی دفعہ مسکرایا۔

"یہاں اتنی بات سے کام نہیں چلے گا" وہ بولا۔ "دنیا والوں کے وعدے بے بنیاد ہوتے ہیں، بلکہ انہیں طرح طرح کی غلط کاریوں اور اکثر تو جرائم کی طرف لے جاتے ہیں۔ سینٹ پئیس پنجم کے حکم نامے کی سترھویں دفعہ کے مطابق تمہارے اوپر میری اطاعت فرض ہے۔ کلیسا کے قوانین کے مطابق تم میرے ماتحت ہو۔ پیارے بیٹے، یہاں سُننا اور حکم بجا لانا ایک بات ہے۔ تمہارے پاس کتنے پیسے ہیں؟"

"وہ معاملے کی بات آگئی!" ژولیاں نے سوچا۔ اسی لئے تو پیارے بیٹے کہا تھا!"

"پینتیس فرانک، مہربان باپ۔"

مجھاں جہاں پیسہ خرچ کرو۔ احتیاط سے لکھتے جانا۔ مجھے حساب دینا پڑے گا۔"
یہ تکلیف دہ گفتگو تین گھنٹے سے جاری تھی۔ ژدلیاں کو حکم ملا کہ دربان کو بلاؤ۔
"ژدلیاں کو ۱۰۳ نمبر کے حجرے میں پہنچادو۔" پادری نے اس آدمی سے کہا۔
ژدلیاں کے ساتھ خاص رعایت برتتے ہوئے پادری نے اسے الگ حجرہ دے دیا تھا۔

"ان کا ٹرنک بھی لے جاؤ۔"

ژدلیاں نے نیچے دیکھا تو اپنا ٹرنک سامنے رکھا نظر آیا تین گھنٹے سے ٹرنک وہیں آنکھوں کے سامنے رکھا تھا۔ لیکن اس نے دیکھا تک نہ تھا۔

حجرہ ۱۰۳ عمارت کی سب سے اوپر والی منزل میں آٹھ مربع فٹ کا ایک چھوٹا سا کمرہ تھا۔ وہاں پہنچ کر ژدلیاں نے دیکھا کہ حجرے میں سے قلعے کی دیوار نظر آتی ہے اور اس کے اُدھر وہ مسکراتا ہوا مرغزار ہے جسے دریائے دوب شہر سے الگ کرتا ہے "کیسا نفیس منظر ہے۔" ژدلیاں نے کہا۔ لیکن اسے وہ جذبہ محسوس نہیں ہو رہا تھا جو اس کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہاں آنے کے بعد اس تھوڑے سے عرصے میں اسے ایسے سنسنی خیز تجربات پیش آئے تھے کہ اب اس کی طاقت بالکل ختم ہو چکی تھی۔ حجرے میں بس ایک لکڑی کی کرسی تھی جو کھڑکی کے پاس رکھی تھی۔ وہ اس پر بیٹھ گیا، اور فوراً گہری نیند سو گیا۔ نہ تو اسے کھانے کی گھنٹی سنائی دی نہ دعا کی۔ دوسرے لوگ بھی اسے بھول گئے تھے۔

جب اگلے دن صبح کی پہلی کرنوں نے اسے جگایا تو اس نے دیکھا کہ فرش پر لیٹا ہوں۔

چھبیسواں باب

دُنیا کیا ہے؟

یا

امیروں کے پاس کس بات کی کمی ہے؟

میں دنیا میں بالکل اکیلا ہوں۔ کوئی میرے بارے میں سوچنے تک کی تکلیف گوارا نہیں کرتا۔ جن لوگوں کو میں دُنیا میں کامیاب ہوتے دیکھتا ہوں۔ ان میں ایک ایسا ڈھیٹ پن اور ایسی سخت دلی ہے جو میرے پاس نہیں۔ بلکہ وہ میری نرمی اور نیک دلی کے سبب مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔ ایسے سخت دل انسانوں کو دیکھ کر مجھے جو رنج ہوتا ہے یا تو اس کے ہاتھوں یا پھر بھوک کی وجہ سے میں جلدی ہی مر جاؤں گا۔

ایڈورڈ بینگ

اس نے جلدی جلدی کوٹ کو برش سے صاف کیا اور نیچے پہنچا۔ اُسے دیر ہو گئی تھی۔ ایک معلم نے اسے بہت ڈانٹا۔ کوئی عذر پیش کرنے کے بجائے تروپیاں

نے بازوؤں سے سینے پر صلیب کا نشان بنایا اور بڑی پشیمانی ظاہر کرتے ہوئے لاطینی زبان میں بولا۔۔

"مجھ سے گناہ ہوا ہے مہربان باپ۔ مجھے اپنا قصور تسلیم ہے"۔

یہ ابتدا بڑی کامیاب رہی۔ طالب علموں میں سے جو ذرا ذہین تھے وہ تاڑ گئے کہ ان کا واسطہ کسی اناڑی سے نہیں پڑا ہے۔ تفریح کا گھنٹہ آیا تو ژولیاں نے دیکھا کہ میں لوگوں کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہوں۔ لیکن اُن لوگوں نے اسے بہت ہی کم آمیز اور خاموش طبیعت پایا۔ اس نے اپنے لئے جو اصول بنا لئے تھے۔ اُن کے مطابق وہ اپنے تین سو اکیس ساتھیوں کو دشمن سمجھ رہا تھا۔ اور اس کی نظروں میں سب سے خطرناک دشمن پادری پی رار تھا۔

چند دن بعد ژولیاں کو ایک پادری کا انتخاب کرنا پڑا جس کے پاس اعتراف کے لئے جائے۔ اسے ایک فہرست دے دی گئی۔

"خدایا! یہ لوگ مجھے کیا سمجھتے ہیں؟ وہ دل میں بولا "کیا میں اُن کے خیال میں اتنا سا اشارہ بھی نہیں سمجھ سکتا؟" اور اس نے پادری پی رار کو چُن لیا۔

حالانکہ اسے گمان بھی نہیں تھا مگر یہ اقدام فیصلہ کُن ثابت ہوا۔ ایک نوجوان طالب علم جو اسی لڑکا ہی سا تھا، اور ویریئر کا رہنے والا تھا، پہلے ہی دن سے اس کا دوست بن گیا تھا۔ اس نے ژولیاں کو بتایا کہ اس نے دارالعلوم کے نائب مہتمم موسیو کاستانیند کو انتخاب کیا ہوتا تو زیادہ دور اندیشی کی بات ہوتی۔

"پادری کاستانیند موسیو پی رار کا دشمن ہے جس کے متعلق شبہ ہے کہ وہ

ژاں سنجیدت عقائد رکھتا ہے۔" طالب علم نے ژولیاں کے کان میں کہا۔

ہمارا ہیرو اپنے آپ کو بڑا دوراندیش سمجھتا تھا۔ لیکن اعتراف سننے والے پادری کے انتخاب کی طرح اس کے سارے ابتدائی اقدامات بالکل بے وقوفی پر مبنی تھے۔ جس آدمی کا تخیل تیز ہوتا ہے اس کے مفروضات اسے یونہی گمراہ کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنے ارادوں کو حقائق سمجھ بیٹھا تھا اور بزعم خود ریاکاری میں طاق تھا۔ وہ ایسا احمق تھا کہ اس کمزوروں کے فن کی مدد سے کامیابی حاصل کرنے پر اپنے آپ کو لعنت ملامت کرنے لگا۔

"افسوس، میرے پاس اس کے سوا کوئی دوسرا ہتھیار ہی نہیں ہے۔" وہ دل میں بولا۔ "کوئی اور زمانہ ہوتا تو میں دشمن کے مقابلے میں کارہائے نمایاں دکھا کر اپنی روزی کماتا۔"

ژولیاں نے اپنے رویے سے مطمئن ہو کر چاروں طرف دیکھا۔ اسے ہر جگہ بے داغ نیکی اور دینداری کی علامتیں نظر آئیں۔

نودس طالب علم تو گویا دلی کاوش حاصل کر چکے تھے اور انہیں عالم رویا میں یسوع مسیح کا جلوہ نظر آتا تھا جیسے سینٹ ٹریزا کو، یا کوہ سے کھاتے وقت سینٹ فرانسس کو۔ لیکن یہ ایک زبردست راز تھا جسے اُن کے دوست اپنے ہی تک رکھتے تھے۔ یہ بچارے رویا دیکھنے والے لڑکے ہمیشہ اسپتال میں رہتے تھے۔ کوئی سو لڑکے عقیدے کے بڑے پکے تھے اور محنت میں بھی اپنا جواب رکھتے تھے۔ وہ کام کرتے کرتے بیمار پڑ جاتے۔ مگر پھر بھی اُن کے علم میں کوئی خاص اضافہ نہ ہوتا۔ دو تین لوگ ایسے بھی تھے جن میں واقعی جوہر تھا۔ انہیں میں ایک آدمی شازیل تھا۔

مگر ژولیاں ان لوگوں سے دور ہی دور رہتا، اور وہ ژولیاں سے۔

تین سو اکیس طالب علموں میں سے باقی ماندہ لوگ بالکل کندۂ ناتراش تھے۔ جو دن بھر لاطینی الفاظ رٹتے رہتے۔ مگر انہیں یہ تک پتا نہ تھا کہ کچھ سمجھ میں بھی آرہا ہے یا نہیں۔ تقریباً یہ سب کے سب کسان مزدوروں کے بیٹے تھے اور کھیتی باڑی کرنے کے بجائے دو چار لاطینی الفاظ دہرا کر روزی کمانا چاہتے تھے۔ دو چار دن کے اندر ہی ژولیاں کو اس بات کا اندازہ ہو گیا، اور اسے یقین آگیا کہ میں بڑی جلدی ترقی کروں گا۔ وہ دل میں کہنے لگا۔ "ہر پیشے میں ذہین آدمیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیونکہ کام تو بہر حال ہونا ہی ہے۔ نپولین کے زمانے میں میں سارجنٹ ہوتا۔ یہ لوگ آگے چل کے دیہات کے پادری بنیں گے۔ میں بڑا پادری بنوں گا۔"

"یہ بچارے بچپن سے محنت مزدوری کرتے رہے ہیں۔ یہاں آنے سے پہلے اُن کا گزارا روکھی سوکھی روٹی اور چھاچھ پر تھا۔ اپنے جھونپڑوں میں انہیں گوشت سال میں پانچ چھ دفعہ سے زیادہ نہ ملتا ہوگا۔ جس طرح رومن سپاہی جنگ کو عیش کا زمانہ سمجھتے تھے، اسی طرح ان اجڈ گنواروں کے لئے دارالعلوم بہشت سے کم نہیں۔"

اُن کی بجھی بجھی آنکھوں میں ژولیاں کو یا تو کھانے کے بعد ایک جسمانی ضرورت کی تسکین جھلکتی نظر آتی یا کھانے سے پہلے ایک جسمانی لذت کی اُمید۔ یہ تھے وہ لوگ جن کے درمیان اسے امتیاز حاصل کرنا تھا۔ لیکن ایک بات نہ تو ژولیاں کو معلوم تھی اور نہ وہ لوگ اس کا ذکر کرتے تھے۔ وہ یہ کہ دارالعلوم میں دینیات، کلیسا کی تاریخ وغیرہ جو مضامین پڑھائے جاتے تھے اُن میں اوّل آنا ان لوگوں کے نزدیک شیخیت مآبی کے گناہ کا درجہ رکھتا تھا۔ والتیئر اور جمہوری حکومت کے

قیام کے بعد سے جس کا مطلب دراصل بدیقینی اور ذاتی رائے کا دخل ہے اور جس سے لوگوں کے دل میں بے اعتمادی کی خطرناک عادت پیدا ہوتی ہے، فرانسیسی کلیسا اچھی طرح سمجھ گیا ہے کہ اس کی اصلی دشمن کتابیں ہیں۔ اس کی نظروں میں سچے دل سے اطاعت قبول کرنا ہی سب کچھ ہے۔ پڑھنے لکھنے بلکہ مقدس مضامین کے مطالعے میں بھی کامیابی حاصل کرنا مشتبہ چیز ہے۔ اور یہ بات ٹھیک بھی ہے۔ ذہین اور ممتاز آدمی کو دوسری طرف جانے سے کون چیز روک سکتی ہے، جیسے گرے گوار یا سی تے کے معاملے میں ہوا۔ خوف زدہ کلیسا تو بس پوپ کو نجات کا واحد ذریعہ سمجھتا ہے اور اسی سے چمٹا ہوا ہے۔ ذاتی رائے کے شوق کو ختم کرنا تو بس پوپ کا ہی کام ہے۔ اور اپنے دربار کے مقدس جاہ وجلال سے دنیا والوں کے تھکے ہوئے اور بیمار دماغوں کو مرعوب کرنا بھی اسی کے بس میں ہے۔

دارالعلوم میں جو باتیں کہی جاتی ہیں اُن سے ان سب حقائق کی تردید ہوتی ہے مگر جب ژولیاں انہیں تھوڑا تھوڑا سمجھ گیا تو وہ بڑا افسردہ خاطر ہوا۔ اس نے بڑی محنت سے کام کیا اور جلدی وہ سب باتیں سیکھ گیا جو اس کی نظروں میں بالکل غلط تھیں اور جن سے انہیں دلچسپی بھی نہ تھی۔ مگر یہ چیزیں پادری کے بہت کام آتی ہیں۔ اس کا خیال تھا کہ میں اس کے علاوہ کر بھی کیا سکتا ہوں۔

وہ اکثر سوچا کرتا۔ "کیا مجھے ساری دنیا بالکل بھول ہی گئی؟" اسے معلوم نہ تھا کہ موسیو پی رار کو کئی خط ملے تھے جنہیں اس نے جلا ڈالا تھا۔ ان خطوں پہ دی ژول کی مہر ہوتی تھی اور رسمی زبان اور انداز کے باوجود ان میں شدید محبت جھلکتی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ لکھنے والی کے دل میں محبت اور ندامت کی کشمکش ہو رہی ہے۔ پادری

پی ئار نے سوچا "چلو یہ ٹھیک ہے۔ اس لڑکے نے کم سے کم کسی بے دین عورت سے تو محبت نہیں کی۔"

ایک دن پادری نے ایک ایسا خط کھولا جو آنسوؤں سے آدھا مٹ گیا تھا یہ آخری الوداع تھی۔ لکھنے والی نے ژولیاں سے کہا تھا۔

"آخر خدا نے مجھ پر رحمت کی ہے اور میں اپنے گناہ کے بانی مبانی سے نہیں بلکہ خود اپنے گناہ سے نفرت کرنے لگی ہوں۔ وہ شخص تو ہمیشہ مجھے دنیا میں ہر چیز سے زیادہ عزیز رہے گا۔ میرے دوست، میں نے قربانی دے دی ہے۔ مگر جیسا تم دیکھ رہے ہو، آنسو بہائے بغیر نہیں۔ جن ہستیوں سے میں وابستہ ہوں اور جن سے تمہیں بھی محبت تھی۔ ان کی بھلائی کا خیال میرے اوپر غالب آگیا ہے۔ منصف مگر قہار خدا اب ان کی ماں کے جرائم کا بدلہ ان سے نہیں لے سکتا۔ اچھا، ژولیاں، الوداع! انسانوں کے ساتھ انصاف سے پیش آنا۔"

خط کا آخری حصہ بڑی مشکل سے پڑھا جاتا تھا۔ لکھنے والی نے دی ژوں کا پتا دیا تھا اور ساتھ ہی یہ اُمید بھی ظاہر کی تھی کہ ژولیاں جواب نہیں دے گا، یا کم سے کم ایسے الفاظ استعمال کرے گا جنہیں ایک ایسی عورت جو اپنے گناہ سے تائب ہو چکی تھی شرمائے بغیر پڑھ سکے۔

ایک تو ژولیاں ویسے ہی افسردہ خاطر ہو رہا تھا۔ پھر ٹھیکے دار نراسی سینٹ میں کھانا ٹھیک نہیں دیتا تھا۔ چنانچہ اس کی صحت بگڑ چلی تھی کہ ایک دن صبح کو اچانک فوکے اس کے کمرے میں آپہنچا۔

"آخر میں اندر آ ہی گیا۔ میں پانچ دفعہ یہ تہیہ کر کے بساں سوں آیا ہوں کہ تم

سے ضرور ملوں گا مگر ہر دفعہ دروازہ بند پایا۔ آج میں نے ایک آدمی کو دارالعلوم کے دروازے پر کھڑا کر دیا تھا۔ تم باہر کیوں نہیں نکلتے؟"

"میں اپنے آپ کو آزما رہا ہوں۔"

"تم بہت بدل گئے ہو۔ خیر، تمہاری شکل تو دکھائی دی۔ آج دس فرانک دے کر مجھے پتا چلا کہ میں نے بڑی بے وقوفی کی جو پہلے ہی دن رشوت نہ دے دی۔"

دونوں دوستوں میں گھنٹوں باتیں ہوا کیں۔ فوکے بولا۔

"ارے ہاں، تم نے سنا ہے؟ تمہارے شاگردوں کی ماں بڑی دیندار بن گئی ہے۔"

ژولیاں کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ فوکے اس بے تعلقی کے ساتھ بول رہا تھا جس کا محبت کرنے والے کے دل پر عجیب اثر ہوتا ہے۔ کیونکہ بولنے والا انجان پنے میں اس کے عزیز ترین جذبات کو کچل کے رکھ دیتا ہے۔

"ہاں، دوست، وہ بڑی دیندار، پرہیزگار بن گئی ہے۔ کہتے ہیں کہ اب تو زیارت کے لئے بھی جاتی ہے۔ پادری ماس لوں مدت سے بچارے موسیو شیلاں کی ٹوہ میں لگا ہوا ہے۔ لیکن اس بات سے ماس لوں کی بڑی کرکری ہوئی ہے کہ وہ شیلاں سے کوئی تعلق ہی نہیں رکھتی۔ وہ تو اعتراف کے لئے دی ژوں یا بساں سوں آتی ہے۔"

"بساں سوں آتی ہے؟" ژولیاں نے کہا اور اس کا ماتھا سرخ ہو گیا۔

"ہاں، اکثر۔" فوکے نے سوالیہ لہجے میں کہا۔

"تمہارے پاس "دستور پسند" کا کوئی پرچہ ہے؟"

"کیا کہا تم نے؟" فوکے نے جواب دیا۔

"میں پوچھتا ہوں تمہارے پاس "دستور ساز" کا کوئی پرچہ ہے؟" ژولیاں نے ذرا پرسکون آواز میں کہا۔ "یہاں تیس سُو کا ایک پرچہ ملتا ہے۔"

"ہیں! دارالعلوم میں بھی آزاد خیال لوگ پہنچ گئے!" فوکے نے چلا کے کہا۔ "بدنصیب فرانس!" اس نے پادری ماس تون کے انکسار آمیز اور ریاکارانہ لہجے کی نقل اتاری۔

ہمارے ہیرو پر اس ملاقات کا بڑا گہرا اثر ہوتا اگر اگلے ہی دن ویئیر کے اس طالب علم نے جو لڑکا سا لگتا تھا ژولیاں سے ایک ایسی بات نہ کہی ہوتی جس کے ذریعے اس پہ ایک بڑا اہم انکشاف ہوا۔ جب سے ژولیاں دارالعلوم میں آیا تھا اس نے تابڑ توڑ غلط اقدامات کیے تھے۔ وہ بڑی تلخی سے اپنے اوپر ہنسنے لگا۔

دراصل اپنی زندگی کے اہم معاملات میں اس نے خاصی عقلمندی سے کام لیا تھا، مگر تفصیلات کی طرف بالکل توجہ نہ کی تھی اور دارالعلوم میں جو تیز آدمی ہوتے ہیں وہ صرف تفصیلات دیکھتے ہیں۔ چنانچہ اس کے ساتھی اُسے لامذہب سمجھنے لگے تھے۔ بہت سی چھوٹی چھوٹی باتوں نے اس کا راز فاش کر دیا تھا۔ اُن کی نظروں میں اس کا زبردست گناہ یہ تھا کہ وہ تقلید اور اندھی اطاعت کے بجائے خود سوچتا تھا، خود رائے قائم کرتا تھا۔ پادری پی رار سے اُسے ذرا بھی مدد نہ ملتی تھی۔ دارالعلوم کی عدالت سے باہر اس نے ژولیاں سے ایک لفظ تک نہ کہا تھا۔ وہاں بھی وہ سنتا زیادہ تھا، بولتا کم تھا۔ اگر ژولیاں نے پادری کاستانید کا انتخاب کیا ہوتا تو معاملہ بالکل مختلف ہوتا۔

اپنی حماقت سے باخبر ہوتے ہی ژولیاں نے پھر لوگوں سے دلچسپی لینی شروع کر دی۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ مجھے کتنا نقصان پہنچا ہے۔ اس خیال سے اب اس نے

وہ اکڑنا، وہ بننا، وہ چپ چپ رہنا اور دوسروں سے الگ الگ پھرنا چھوڑ دیا
اب اُن لوگوں نے اپنا بدلہ لینا شروع کیا۔ ژولیاں اُن کی طرف بڑھا تو وہ لوگ
حقارت سے پیش آئے۔ بلکہ اُس کا مذاق اڑانے لگے۔ اسے پتا چلا کہ جس دن سے
وہ دارالعلوم میں آیا ہے ایک گھنٹہ بھی (خصوصاً تفریح کا گھنٹہ) ایسا نہیں گزرا کہ
جب اس کی مخالفت یا موافقت میں کوئی نہ کوئی بات پیش نہ آئی ہو، اس کے
دشمنوں کی تعداد میں اضافہ نہ ہوا ہو۔ یا اُسے کسی ایسے طالب علم کی دوستی حاصل
نہ ہوئی ہو جو واقعی نیک ہو ورنہ کم سے کم دوسروں کے برابر اجڈ نہ ہو۔ ژولیاں
کو جس نقصان کی تلافی کرنا تھی وہ خاصا زبردست تھا اور یہ کام واقعی بڑا دشوار
تھا۔ اب ژولیاں برابر محتاط رہنے لگا۔ اب اسے اپنے آپ کو بالکل نئے
رنگ میں پیش کرنا تھا۔

مثلاً اپنی آنکھوں پر قابو رکھنے میں اسے بڑی مشکل پیش آئی۔ اگر ایسی جگہوں
میں لوگ آنکھیں جھکائے رکھتے ہیں تو یہ بات بے وجہ نہیں۔ ژولیاں دل میں
کہنے لگا "دیر تیر میں میرے کیا کیا دعوے تھے! میرا خیال تھا کہ میں زندہ ہوں
میں تو دراصل اپنے آپ کو زندگی کے لئے تیار کر رہا تھا۔ اب آخر میں دنیا
میں پہنچ گیا ہوں، اور جب تک میرا کام پورا نہ ہو جائے گا دنیا ایسی ہی رہے گی
اور میں حقیقی دشمنوں میں گھرا رہوں گا۔ ہر لحظے ریاکاری برتنا بھی کیسا مشکل کام ہے۔
اس کے آگے ہرکولیز کے کارناموں کی کیا حقیقت ہے! آج کل کا ہرکولیز
تو پوپ سکسٹس پنجم ہے جو پورے پندرہ سال تک اپنے انکسار سے چالیس
اسقفوں کو دھوکا دیتا رہا جنہوں نے اسے جوانی کے زمانے میں بڑا چست و چالاک

اور اکڑ باز پایا تھا۔

"تو علم یہاں کوئی معنی ہی نہیں رکھتا!" اس نے بڑی حقارت کے ساتھ دل میں کہا۔ "دینیات، کلیسا کی تاریخ وغیرہ میں کمال حاصل کرنے کی جو کچھ قدر ہے وہ صرف ظاہر میں ہے۔ اس سلسلے میں جو کچھ کہا جاتا ہے وہ محض اس نیت سے کہ مجھ جیسے بے وقوف کے پھندے میں آجائیں۔ افسوس، میرا کمال بس یہ تھا کہ میں نے بڑی جلدی ترقی کی اور اس خرافات پر مجھے بڑا عبور حاصل ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ اپنے دل میں یہ لوگ بھی ان چیزوں کی اصلی قدر و قیمت سمجھتے ہیں اور ان کی بھی وہی رائے ہے جو میری؟ اور میں ایسا بے وقوف تھا کہ اپنے اوپر ناز کرنے لگا! میں کلاس میں ہمیشہ اول آتا ہوں، لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دارالعلوم سے نکلنے کے بعد مجھے جن وسیلوں سے روزی حاصل کرنی ہے وہ میرے ہاتھ سے نکلتے جا رہے ہیں۔ شازیل مجھ سے کہیں زیادہ جانتا ہے لیکن اپنے مضمونوں میں ہمیشہ کوئی نہ کوئی بے وقوفی کی بات لکھ دیتا ہے جس کی وجہ سے اس کا پچاسواں نمبر آتا ہے۔ اگر کبھی اول آیا تو اس وقت کہ جب سوچ نہ رہا ہو۔ آہ، موسیو پی رار کا ایک لفظ، صرف ایک لفظ بھی میرے لئے کتنا سود مند ثابت ہوتا!"

جب ژولیاں کی آنکھیں کھل گئیں تو وہ طول طویل راہبانہ ریاضتیں مثلاً ہفتے میں پانچ دفعہ تسبیح و تحلیل، مناجاتیں وغیرہ، وغیرہ جو پہلے اسے انتہائی بے کیف معلوم ہوتی تھیں۔ اب زندگی کی سب سے دلچسپ سرگرمیاں بن گئیں۔ وہ اپنی ایک ایک بات پر کڑی نگاہ رکھتا اور جو ترکیب اختیار کرتا اس میں ذرا مبالغے سے کام

نہ لیتا۔ اُن طالب علموں کی طرح جو دوسروں کے لئے مثالی نمونہ تھے، اس نے شروع ہی سے یہ کوشش نہیں کی کہ ہر وقت کوئی نہ کوئی معنی خیز کام ضرور سر انجام دیا جائے۔ یعنی ایسا کام جس سے ایک نہ ایک عیسوی خوبی ظاہر ہوتی ہو۔ دار العلوم میں اُبلا ہُوا انڈا کھانے کا بھی ایک ایسا طریقہ ہوتا ہے جس سے صاف پتا چل جاتا ہے کہ اس آدمی نے پرہیزگاری میں کتنی ترقی کر لی ہے۔

اگر آپ یہ بات سُن کر مسکرانے لگے تو ذرا یاد کیجئے کہ جب شہنشاہ لوئی کے دربار کی ایک عالی مرتبت خاتون نے پادری دتے لیل کی دعوت کی تھی تو اس سے انڈا کھانے میں کتنی غلطیاں سرزد ہوئی تھیں۔

شروع میں ژولیاں نے تزکیۂ نفس کی کوشش کی۔ یہ وہ حالت ہوتی ہے کہ دینیات کے نوجوان طالب علم کی چال ڈھال، اس کے بازوؤں اور آنکھوں وغیرہ کی حرکت سے ذرا بھی دنیاداری نہیں جھلکتی۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی ظاہر نہیں ہوتا کہ یہ آدمی اس دنیا کی نفی کر چکا ہے اور دوسری دُنیا کے خیال میں کھویا ہوا ہے۔

ژولیاں کو دالانوں کی دیواروں پر ہر جگہ اس قسم کی عبارتیں لکھی نظر آتی تھیں۔

"دائمی عیش یا جہنم کے دائمی عذاب کے مقابلے میں آزمائش کے ساٹھ سال کیا حقیقت رکھتے ہیں؟" اب وہ ان عبارتوں کو حقارت کی نظر سے نہیں دیکھتا تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ یہ تو ہر وقت میرے پیشِ نظر رہنی چاہئیں۔ وہ دل میں کہا کرتا تھا "مجھے عمر بھر کیا کرنا پڑے گا؟ یہی تو کہ دیندار لوگوں کے ہاتھ جنت کے پروانے بیچوں گا۔ انہیں جنت کی شکل کیسے دکھاؤں گا؟ اپنی ظاہری صورت اور دُنیاداروں

کی ظاہری صورت میں فرق پیدا کر کے"۔

وہ ہر وقت اسی فکر میں لگا رہتا۔ لیکن کئی مہینے کی ریاضت کے بعد بھی وہ مشکل سے مفکر لگتا تھا۔ اس کی آنکھوں کی حرکت اور ہونٹ کھولنے کے انداز سے یہ بات ظاہر نہیں ہوتی تھی کہ وہ ایمان بالغیب رکھتا ہے اور ہر چیز پر ایمان لانے، ہر چیز کی حمایت کرنے کو تیار ہے، چاہے اس میں شہید ہی کیوں نہ ہونا پڑے۔ اُسے یہ دیکھ کر بڑا غصہ آتا کہ اُجڈ سے اُجڈ گنوار اس بات میں مجھ سے آگے ہیں۔ اگر وہ لوگ مفکر نہیں لگتے تھے تو ان کے پاس اس کی خاصی معقول وجوہات تھیں۔

اس نے اپنے چہرے پر اس اندھے اور شدید اعتقاد کی علامتیں پیدا کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جو ہر بات پر ایمان لانے اور ہر مصیبت اٹھانے کو تیار ہوتا ہے ــــ یعنی وہ انداز جو اٹلی کی خانقاہوں میں اکثر دکھائی دیتا ہے اور جس کے مکمل نمونے گر جینو سم دنیاداروں کے لئے گرجاؤں کے اندر اپنی تصویروں میں چھوڑ گیا ہے۔

بڑے بڑے تہواروں کے موقع پر طالب علموں کو گوبھی گوشت ملتا تھا۔ ژرولیاں کے پاس بیٹھنے والوں نے دیکھا تھا کہ وہ ایسی نعمت پا کر ذرا خوش نہیں ہوتا۔ یہ چیز اس کے پہلے جرائم میں سے تھی۔ اس کے ساتھیوں کے نزدیک یہ انتہائی احمقانہ ریاکاری کا ایک گھناؤنا مظاہرہ تھا۔ اس کے سب سے زیادہ دشمن اسی بات سے بنے۔ وہ لوگ کہا کرتے ــــ" ذرا ان نواب صاحب کو دیکھو۔ ان کی اکڑ ملاحظہ ہو۔ ایسے بن رہے ہیں جیسے گوبھی گوشت سے نفرت ہو۔ اس سے بڑھ کر کیا نعمت ہوگی! بے ایمان کہیں کا! نخرے باز! ملعون!"

اصل میں اُسے چاہیئے یہ تھا کہ تزکیۂ نفس کے طور پر اپنے حصے کا پورا گوبھی گوشت نہ کھاتا، اور دل پر جبر کر کے اس نعمت کے متعلق کسی دوست سے کہتا ——
"قادرِ مطلق کے سامنے ایک حقیر انسان خود اختیاری تکلیف کے سوا اور کیا ہدیہ پیش کر سکتا ہے ؟"

لیکن ژولیاں کو ابھی وہ تجربہ حاصل نہیں تھا جس کی مدد سے ایسی باتیں بڑی آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہیں۔

"افسوس، میرے ان ساتھی گنواروں کی جہالت اُن کے لئے بڑی مفید ثابت ہوئی ہے" وہ مایوسی کے لمحوں میں کہا کرتا "جب یہ لوگ دارالعلوم میں آتے ہیں تو معلّم کو ان کے ذہن سے وہ دنیاوی خیالات دور نہیں کرنے پڑتے جو میں اپنے ساتھ لے کے آیا ہوں اور جو میری کوشش کے باوجود میرے چہرے سے جھلکتے ہیں۔"

دارالعلوم میں جو زیادہ اجڈ دیہاتی آتے تھے۔ ژولیاں ایسے غور سے اُن کا جائزہ لیتا جس میں رشک کا پہلو نکلتا تھا۔ جب اُن کے موٹے جھوٹے کپڑے اتار کر انہیں سیاہ عبا پہنائی جاتی تو اس وقت اُن کی تعلیم پیسے کی بے انتہا عزت تک محدود ہوتی تھی۔

والتیئر کے قصوں کے ہیرو کی طرح، ان طالب علموں کے لئے بھی خوشی کے معنے سب سے پہلے یہ تھے کہ کھانا اچھا ملے۔ ژولیاں نے دیکھا کہ تقریباً ان سب لوگوں کے دل میں اچھے کپڑے پہننے والوں کے لئے ایک فطری عزت موجود ہے۔ ہماری عدالتوں میں جو "عالمگیر انصاف" رائج ہے۔ یہ جذبہ اس کی صحیح قدروقیمت

جانتا ہے، بلکہ دراصل اسے اتنا بھی نہیں سمجھتا۔ یہ لوگ اکثر آپس میں کہا کرتے تھے
— "بڑے آدمیوں سے مقدمہ بازی کرنے میں کیا ملتا ہے؟"

ڈیورا کی وادیوں میں "بڑے آدمی" کا مطلب ہوتا ہے دولت مند۔ اسی سے اندازہ لگا لیجئے کہ اُن کے دل میں سب سے دولت مند ہستی یعنی حکومت کی کیا کچھ عزت ہوگی!

ناظم کا نام آتے ہی اگر کوئی تکریماً مسکرا اٹھے نہیں تو فرانسس کونتے کے کسانوں میں اسے بڑی ناعاقبت اندیشی کی بات سمجھا جاتا ہے اور غریبوں کو ناعاقبت اندیشی کی سزا فوراً یہ ملتی ہے کہ روٹی چھن جاتی ہے۔

شروع شروع میں تو ڑولیاں کو ایسی حقارت محسوس ہوئی کہ اس کا دم گھٹنے لگا۔ لیکن آخر اسے ان لوگوں پر رحم آنے لگا۔ اس کے اکثر ساتھیوں کے ماں باپ کو یہ واقعہ پیش آچکا تھا کہ جاڑوں میں شام کو گھر آئے تو دیکھا کہ نہ روٹی ہے نہ آلو۔ ڑولیاں دل میں کہتا — "تو پھر یہ کون سے تعجب کی بات ہے کہ ان کی نظروں میں خوش و خرم آدمی سب سے پہلے تو وہ ہے جسے پیٹ بھر کے اچھا کھانا ملا ہو۔ اور اس کے بعد وہ جس کے پاس اچھا لباس ہو! میرے ساتھیوں نے واقعی خلوص کے ساتھ یہ پیشہ اختیار کیا ہے۔ یعنی انہیں امید ہے کہ پادری کے پیشے میں یہ خوشی بدستور جاری رہے گی، اچھا کھانا ملے گا، اور جاڑوں میں گرم کوٹ پاس ہوگا۔"

ایک دن اتفاق سے ڑولیاں نے ایک طالب علم کو جس کا تخیّل ذرا بلند تھا۔ اپنے ساتھی سے یہ کہتے سُنا —

"آخر سکسٹس پنجم کی طرح میں بھی پوپ کیوں نہیں بن سکتا؟ وہ ایک معمولی گڈریا تھا۔"

"پوپ تو صرف اٹلی کے لوگوں کو بنایا جاتا ہے۔" دوست نے جواب دیا "لیکن بڑے پادریوں، اسقفوں وغیرہ کی جگہ کے لیے تو ہمارے یہاں سے بھی کچھ آدمی قرعہ اندازی کے ذریعے ضرور چنے جائیں گے۔ نشاتوں کا بڑا پادری پہیہ ساز کا بیٹا ہے۔ میرے باپ بھی یہی کام کرتے ہیں۔"

ایک دن دینیات کا درس ہو رہا تھا کہ پادری پی ربار نے ژودیاں کو بلا بھیجا۔ بچارے نوجوان کو بڑی خوشی ہوئی کہ چلو آج تھوڑی دیر کے لیے اس جسمانی اور اخلاقی ماحول سے نجات ملی جس میں اتنے دن سے پڑا سڑ رہا تھا۔

دارالعلوم کے نگران نے ژودیاں کا استقبال اسی انداز سے کیا جس نے پہلے دن اسے سہما دیا تھا۔

"بتاؤ اس تاش کے پتے پر یہ کیا لکھا ہے۔" اس نے ژودیاں کی طرف ایسے دیکھا کہ اس کا جی چاہا زمین پھٹے اور میں سما جاؤں۔

ژودیاں نے پڑھا۔

"اماں دا بینے، بیکینے ژیرانت میں، آٹھ بجے سے پہلے۔ کہنا کہ تم ژاں لی سے آئے ہو، اور میری ماں کے رشتے دار ہو۔"

ژودیاں سمجھ گیا کہ میں سخت خطرے میں ہوں۔ پادری کاستانید کے جاسوسوں نے یہ پتا اس کے پاس سے اڑا لیا تھا۔

ژودیاں سے اس کی غضب ناک نظریں برداشت نہ ہو سکیں تو وہ پادری

کے ماتھے کی طرف دیکھنے لگا اور بولا ۔ " جس دن میں یہاں آیا ہوں تو میں ڈر کے مارے کانپ رہا تھا۔ موسیو شیلاآں نے مجھے بتایا تھا کہ یہاں بُغض، عناد اور چغلخوری بہت چلتی ہے۔ بلکہ لوگوں کو تربیت ہی یہ دی جاتی ہے کہ ایک دوسرے کی جاسوسی کریں اور اپنے دوستوں کا بھانڈا پھوڑیں۔ بہرحال خدا کی یہی مرضی ہے کہ نوجوان راہب دیکھیں دنیا کیا ہوتی ہے اور دُنیا اور اس کی دلفریبیوں سے نفرت کرنا سیکھیں۔"

" میرے سامنے باتیں بناتا ہے!" پادری پی رار کو جلال آ گیا۔ " بدمعاش کہیں کا!"

ژولیاں نہایت سکون کے ساتھ بولے گیا ۔ " ویریئیر میں جب میرے بھائیوں کو مجھ سے کوئی جلن ہوتی تو وہ مجھے پیٹا کرتے تھے . . . "

" کام کی بات کر! کام کی بات!" پادری آپے سے باہر ہو کے چلایا۔

ژولیاں ذرا بھی نہ بوکھلایا، اور پھر اپنا قصہ سنانے لگا۔

" جس دن میں بساں سوں آیا ہوں ۔ دوپہر کا وقت تھا۔ مجھے بڑی بھوک لگ رہی تھی۔ میں ایک کیفے میں چلا گیا۔ ایسی گندی جگہ جانے سے مجھے گھن تو بہت آئی، مگر میں نے سوچا کہ سرائے کی بہ نسبت یہاں کھانا سستا ملے گا۔ وہاں ایک عورت تھی جو کیفے کی مالکہ معلوم ہوتی تھی۔ اسے میرے اناڑی پن پر رحم آ گیا ۔ وہ کہنے لگی کہ بساں سوں میں بدمعاش بھرے پڑے ہیں۔ مجھے آپ کی طرف سے ڈر لگتا ہے۔ اگر آپ کے اوپر کوئی مصیبت پڑے تو میرے پاس چلے آئیے گا، یا آٹھ بجے سے پہلے کسی کے ہاتھ کہلوا بھیجیے گا۔ اگر دارالعلوم

کے چپراسی آپ کا پیغام لانے سے انکار کر دیں تو کہہ دیجئے گا کہ آپ میرے رشتہ دار ہیں اور ژان لی سے آئے ہیں.....؟

"اس ساری بکواس کی تفتیش کرنی پڑے گی" پادری پی رار چلا کے بولا۔ غصے کے مارے اس سے ایک جگہ نہ بیٹھا جا رہا تھا اور وہ کمرے میں ادھر سے ادھر ٹہل رہا تھا۔

"تم اپنے حجرے میں جاؤ"

پادری ژولیاں کے ساتھ گیا اور اسے اندر بند کر کے باہر سے تالا لگا دیا۔ ژولیاں نے فوراً اپنا ٹرنک دیکھا جس کی تہ میں اس نے وہ منحوس کارڈ احتیاط سے چھپا کے رکھا تھا۔ ٹرنک میں سے کوئی چیز غائب نہ تھی۔ مگر سامان الٹ پلٹ ہو رہا تھا۔ اس کے باوجود تالی ہمیشہ اس کے پاس رہی تھی۔ ژولیاں نے سوچا۔۔۔"اب میری سمجھ میں آیا کہ موسیو کاستا بید نے اتنی فیاضی کیوں برتی تھی اور کئی دفعہ مجھے دارالعلوم سے باہر جانے کی اجازت کیوں دی تھی۔ اچھا ہوا کہ اس اندھے پن کے زمانے میں میں نے اس اجازت سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا۔ ممکن تھا کہ مجھ سے یہ حماقت سرزد ہوتی کہ کپڑے تبدیل کر کے حسین اماں دا سے ملنے چل دیتا۔ پھر تو میں کہیں کا نہ رہتا۔ جب یہ لوگ اپنے اس انکشاف سے پورا فائدہ نہ اٹھا سکے تو انہوں نے سوچا کہ بات کیوں بیکار جائے، اٹھا کے میری شکایت کر دی"۔

دو گھنٹے بعد نگران نے اسے پھر بلایا۔

"تم نے جھوٹ نہیں بولا تھا" اس نے ذرا کم سختی کے ساتھ ژولیاں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "لیکن اس قسم کا پتا اپنے پاس رکھنا بڑی ناعاقبت اندیشی کی بات ہے۔ تم نہیں سمجھ سکتے کہ یہ چیز کتنی سنگین ہے۔ بدنصیب لڑکے! شاید دس سال بعد تمہیں اس کی بدولت نقصان اٹھانا پڑے گا"

ستائیسواں باب

زندگی کا پہلا تجربہ

موجودہ زمانہ! خدا کی قسم یہ تو مقدس تبرکات کی طرح ہے۔
جس نے اسے چھوا اس کی شامت آئی۔

دی دردو

ناظرین ہمیں معاف فرمائیں، ہم نے ژولیاں کی زندگی کے اس دور کی صحیح اور واضح تفصیلات بہت کم دی ہیں۔ یہ بات نہیں کہ ہم واقفیت نہ رکھتے ہوں، معاملہ بالکل اُلٹا ہے۔ لیکن ہم نے ان صفحات میں اعتدال کا رنگ قائم رکھنے کی کوشش کی ہے اور اس نے دارالعلوم میں جس قسم کی زندگی بسر کی۔ وہ ذرا زیادہ سیاہ ہے۔ آج کل کے لوگوں نے چند چیزوں کی بدولت تکلیف اٹھائی ہے۔ اگر وہ باتیں یاد دلائی جائیں تو انہیں دکھ ہوگا اور ہر قسم کا لطف ختم ہو کے رہ جائے گا۔ یہاں تک کہ ناول پڑھنے کا لطف بھی۔

ژولیاں کو عملاً ریاکاری برتنے کی کوششوں میں کوئی خاص کامیابی نہیں ہوئی۔ اب وہ اکثر بیزار سا رہنے لگا۔ بلکہ بعض وقت تو اس کا جی چھوٹ جاتا۔ وہ بالکل ناکام

رہا تھا، اور وہ بھی ایک ذلیل سے پیشے میں۔ اسے جس دشواری پر قابو پانا تھا، وہ کچھ ایسی بڑی نہ تھی۔ اگر اُسے باہر سے ذرا بھی مدد ملتی تو اس کی ہمت بندھ جاتی۔ لیکن وہ بالکل اکیلا تھا، ایسا تنہا جیسے بیچ سمندر میں کوئی جہاز۔ وہ دل میں کہتا "اور اگر میں کامیاب بھی ہوا تو کیا ہے؟ ساری زندگی ایسے بدمعاشوں کی صحبت میں گزارنی پڑے گی! بالکل مربھکے ہیں، ہر وقت یہ خیال لگا رہتا ہے کہ آج کھانے میں آملیٹ ملے گا۔ یا پھر پادری کاستابند جیسے لوگ ہیں جن کے لئے بڑے سے بڑا جرم جائز ہے! ایک دن یہی لوگ صاحبِ اقتدار ہوں گے۔ لیکن، خدایا، کتنی زبردست قیمت دے کر!

"انسان کے ارادے میں بڑی طاقت ہے۔ مجھے یہ بات ہر طرف لکھی نظر آتی ہے۔ مگر کیا اتنی سخت کراہت پہ قابو پانے کے لئے قوتِ ارادی کافی ہے؟ بڑے آدمیوں کا کام ہمیشہ آسان رہا ہے۔ خطرہ چاہے کتنا ہی زبردست کیوں نہ ہو، انہیں دلفریب ہی معلوم ہوا ہے۔ لیکن میرے سوا کون سمجھ سکتا ہے کہ میرے چاروں طرف گندگی ہی گندگی ہے؟"

یہ اس کی زندگی کا سب سے زیادہ صبر آزما دور تھا۔ بسان سون میں جو فوجی دستے مقیم تھے ان میں بھرتی ہو جانا کتنا آسان تھا! وہ لاطینی کا استاد بھی بن سکتا تھا۔ تھوڑا بہت جو بھی مل جائے زندہ رہنے کے لئے کافی تھا۔ لیکن اس کا مطلب یہ تھا کہ اس کے حوصلے، اس کے بلند ارادے، اس کے تخیل کی پرواز سب ختم ہوئی۔ یہ زندگی تو موت کے برابر تھی۔ اب اسی قسم کے ایک منحوس دن کا تفصیلی بیان سنئے:

ایک دن وہ دل میں کہنے لگا "میں بڑا خود پسند ہوں اور مجھے اکثر اس بات پر فخر ہوا ہے کہ میں ان نوجوان دیہاتیوں سے مختلف ہوں۔ لیکن اپنے تجربات

سے میں نے یہ سیکھا ہے کہ فرق ہی سے نفرت پیدا ہوتی ہے"۔ اس پر اس عظیم حقیقت کا انکشاف ابھی اپنی ایک سخت ناکامی کے ذریعے ہوا تھا۔ ہفتے بھر سے وہ ایک طالب علم سے دوستی گانٹھنے کی فکر میں لگا ہوا تھا جو اپنے آپ کو ولی سمجھتا تھا۔ وہ صحن میں اس کے ساتھ ٹہل رہا تھا اور کان دبائے اس کی احمقانہ باتیں سن رہا تھا جن سے اُسے نیند آنے لگی تھی۔ اتنے میں ایک دم سے طوفان آگیا، اور بجلی کڑکنے لگی۔ اُس طالب علم نے بڑی بدتمیزی سے، ژولیاں کو پیچھے دھکیل دیا، اور بولا۔۔۔

"سُنو، دُنیا میں کوئی کسی کا نہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ میرے اوپر بجلی گرے۔ ممکن ہے خدا تمہیں کافر یا والتیئر کا بھائی بند سمجھ کے تمہارے اوپر بجلی گرا دے"۔

غصے کے مارے ژولیاں کے دانت بھینچ گئے اور اس نے آسمان پر بجلی کی دھاریوں کی طرف نظریں اٹھا کے کہا ——— "اگر میں اس طوفان کے دوران میں سویا تو خدا کرے مجھ پر بجلی گر پڑے"! پھر دل میں بولا ——— "اب کسی اور بدھو کو پھانسنے کی کوشش کرنی چاہیئے"۔

اتنے میں کلیسا کی تاریخ کا گھنٹہ شروع ہو گیا۔ پادری کاستانید کا درس تھا۔

پادری کاستانید نے آج ان دیہاتیوں کو جو اپنے والدین کے افلاس اور محنت مشقت کے خیال سے ہر وقت کانپتے رہتے تھے، یہ بات پڑھائی کہ وہ ہستی جو اُن کی نظروں میں اتنی خوفناک تھی یعنی حکومت، دراصل کوئی جائز اختیارات نہیں رکھتی، سوائے اس طاقت کے جو دنیا میں خدا کا نائب یعنی پوپ اُسے تفویض کر دے۔

"اپنی اطاعت شعاری سے، اپنی پرہیزگاری سے پوپ کی عنایتوں کے مستحق بنو۔ تمہاری حیثیت ایسی ہونی چاہیئے جیسے پوپ کے ہاتھ کا عصا"۔ کاستانید کہنے لگا۔ "اگر تم نے

ان باتوں کا خیال رکھا تو پھر تمہیں وہ اعلیٰ مرتبہ حاصل ہوگا۔ جہاں تم اپنے مالک خود ہوگے اور تمہارے اوپر کسی کا زور نہ ہوگا۔ تمہاری ملازمت مستقل ہوگی۔ ایک تہائی تنخواہ تو حکومت کی طرف سے ملے گی اور دو تہائی حصہ دیندار لوگ تمہارے وعظ سے متاثر ہو کے دیں گے۔"

درس دینے کے بعد کاستاینڈ باہر نکلا تو صحن میں طالب علموں کے درمیان کھڑا ہو گیا جنہوں نے آج اس کی باتیں بڑی توجہ سے سنی تھیں۔

طالب علم اُسے گھیر کے کھڑے ہو گئے اور وہ کہنے لگا۔ "پادری کے پیشے کے متعلق بڑی آسانی سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ جو آدمی جس قابل ہوتا ہے۔ اسے اتنا ہی ملتا ہے۔ خود مجھ ہی کو ایسے پہاڑی علاقے معلوم ہیں جہاں پادری کو شہر سے بھی زیادہ پیسے ملتے ہیں اور پھر اس کے علاوہ انڈا، مرغی، تازہ مکھن اور ایسی بیسیوں نعمتوں کا تو ذکر ہی کیا۔ وہاں پادری کو گاؤں کا سب سے بڑا آدمی مانا جاتا ہے۔ کوئی ایسی دعوت نہیں ہوتی جہاں اُسے نہ بلایا جائے اور آؤ بھگت کتنی ہوتی ہے" وغیرہ وغیرہ۔

موسیو کاستاینڈ کے اپنے کمرے میں جاتے ہی طالب علم چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں بٹ گئے۔ ژولیاں کسی گروہ میں بھی شامل نہ تھا۔ وہ لوگ تو اس سے یوں بچتے تھے جیسے وہ کوڑھی ہو۔ اس نے دیکھا کہ ہر گروہ میں ایک آدمی ہوا میں پیسہ اچھال رہا ہے۔ اگر وہ شخص چت یا پٹ کا ٹھیک اندازہ لگا لیتا تو اس کے ساتھی اس نتیجے پر پہنچتے کہ اسے جلدی ہی کوئی ایسی جگہ ملے گی جہاں خوب آمدنی ہو۔

پھر قصے شروع ہو گئے۔ ایک آدمی نے جسے راہب بنے مشکل سے ایک سال ہوا تھا، ایک بڈھے پادری کے نوکر کو تحفے میں خرگوش دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پادری نے اسے اپنا نائب بنا لیا اور دو چار مہینے بعد پادری مرا تو اسے وہ جگہ مل گئی۔ ایک آدمی نے

ایک بڑے اچھے شہر میں پادری کی جگہ کے لئے اپنے آپ کو اس طرح نامزد کرایا تھا کہ بڈھے مفلوج پادری کے کھانے کے وقت پہنچ جاتا اور اسے بڑے سلیقے سے گوشت کے ٹکڑے کاٹ کاٹ کے دیا کرتا۔

دوسرے پیشوں میں جو نوجوان ہوتے ہیں۔ انہیں کی طرح یہ طالب علم بھی ایسی چھوٹی چھوٹی ترکیبوں کے بارے میں جو ذرا غیر معمولی ہوں اور جن میں تخئیلی رنگ ہو، بڑے مبالغے سے کام لے رہے تھے۔

ژولیاں نے سوچا۔ "مجھے بھی ان لوگوں کی گفتگو میں حصہ لینا چاہئے"۔ جب گوشت گوبھی گو اور پادریوں کی آمدنی کا ذکر نہ ہوتا تو پھر کلیسائی تعلیم کے بنیادی پہلو کی بات چھڑتی اور اسقف اور ناظم، پادری اور رہبر کے فرق پر بحث ہوتی۔ ژولیاں نے دیکھا کہ اُن کے ذہنوں میں ایک دوسرے خدا کا خیال چھپا ہوا ہے جو پہلے خدا سے بھی طاقت ور ہے اور جس سے اور زیادہ ڈرنا چاہئے۔ یہ دوسرا خدا پوپ تھا۔ جب کہنے والے کو یقین ہوتا کہ موسیو پی رار نہیں سُن رہا تو وہ نیچی آواز میں کہتا کہ اگر پوپ فرانس کے سارے ناظم اور سارے مُنیبر خود مقرر کرنے کی زحمت گوارا نہیں کرتا تو اس لئے کہ اس نے فرانس کے بادشاہ کو کلیسا کے فرزندِ دل بند کا خطاب دے دیا ہے اور یہ فرض اس کے سپرد کر دیا ہے۔

اب ژولیاں کو خیال آیا کہ مجھے پوپ کے متعلق موسیو دلیستر کی کتاب بہت پسند ہے۔ اس سے کیوں نہ فائدہ اٹھاؤں؟ اس نے واقعی اپنے ساتھیوں کو اچنبھے میں ڈال دیا۔ مگر یہ ایک اور بدقسمتی کی بات ہوئی۔ اس نے انہیں کے خیالات کا اظہار اُن سے بہتر کیا تو وہ چڑ گئے۔ موسیو شیلاں اس کے لئے بھی اتنا ہی بُرا مصلح کار ثابت ہوا جتنا خود اپنے لئے اس نے ژولیاں کو یہ تربیت تو ضرور دی تھی کہ بحث میں عقل سے کام لے اور خالی

لفظوں سے دھوکا نہ کھائے مگر یہ بتانا بھول گیا تھا کہ معمولی آدمی کے لئے یہ عادت جرم سے
کم نہیں۔ کیونکہ عقل کی باتوں سے لوگ بُرا مان جاتے ہیں۔

چنانچہ ژولیاں کی نفیس تقریر ایک نیا جُرم شمار ہوئی۔ اب اس کے ساتھیوں کو اس کے
بارے میں سوچنا پڑا اور انہیں دو ایسے لفظ مل گئے جن سے ان کی ساری نفرت ظاہر
ہوتی تھی۔ انہوں نے اس کا نام "مارٹن لوتھر" رکھ دیا۔ وہ کہا کرتے — "خصوصاً اس منحوس
منطق کی وجہ سے جس پر اسے اتنا فخر ہے"۔

کئی نوجوان طالب علموں کا رنگ ژولیاں سے اچھا تھا اور وہ اس سے زیادہ قبول
صورت سمجھے جا سکتے تھے۔ لیکن اس کے ہاتھ بڑے سفید تھے اور اس سے اپنی صفائی کی عادت
چھپائے نہ چھپتی تھی۔ قسمت نے اسے جس قید خانے میں لا ڈالا تھا۔ وہاں اس امتیاز کے
کوئی معنی نہ تھے۔ وہ جن گندے دیہاتیوں میں رہتا تھا وہ صاف صاف کہنے لگے کہ اس کا
چال چلن ٹھیک نہیں۔ ہم اپنے ہیرو کی مصیبتوں کے بیان سے ناظرین کو بدمزہ نہیں کرنا
چاہتے۔ مثال کے طور پر بس ایک بات سُن لیجئے۔ اس کے ساتھیوں میں جو لوگ ذرا زیادہ
طاقتور تھے۔ انہوں نے چاہا کہ ژولیاں کی پٹائی ہمارے معمول ہی میں داخل ہو جائے۔
اسے مجبور ہو کر لوہے کی ایک لمبی سی پرکار اپنے ساتھ رکھنی پڑی اور اس نے لوگوں کو
سمجھا دیا کہ میں اسے استعمال بھی کروں گا۔ مگر یہ بات اس نے اشاروں ہی اشاروں میں
کہی۔ کیونکہ جاسوس اپنی اطلاعات میں اشاروں سے اتنا فائدہ نہیں اٹھا سکتے جتنا
الفاظ سے۔

اٹھائیسواں باب

ایک جلوس

ہر آدمی کا دل گداز ہو گیا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ خدائے تعالیٰ خود ان تپلی تپلی سڑکوں پر اتر آیا ہے جو ہر طرف پھیلی ہوئی تھیں اور جن پر دیندار لوگوں نے بڑی احتیاط سے بجری بچھائی تھی۔

آرتھر بینگ

ژولیاں نے چھوٹا بنتے اور احمق معلوم ہونے کی بہتیری کوشش کی مگر سب لاحاصل۔ وہ لوگوں کو مطمئن نہ کر سکا۔ وہ ان سے بالکل مختلف تھا۔ وہ دل میں کہنے لگا۔ "تاہم یہ سارے معلّمین صاحبِ فہم و ذکا ہیں اور ہزاروں میں سے ایک۔ پھر یہ کیا بات ہے کہ انہیں میرا انکسار پسند نہیں آتا؟" وہ ہر بات پر ایمان لانے کو تیار رہتا تھا اور ایسا ظاہر کرتا تھا کہ میں ہر فریب میں آسکتا ہوں۔ اُسے معلوم ہوتا تھا کہ اس چیز سے بس ایک معلّم نے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے۔ یہ گرجا کی رسوم کا مہتمم پادری شاس برنار تھا۔ پچھلے پندرہ سال سے وہ کسی بڑے عہدے کی اُمید میں یوں ہی لٹک رہا تھا۔ فی الحال وہ دارالعلوم میں کلیسائی خطابت

کا درس دیتا تھا۔ اپنے اندھے پن کے زمانے میں ژولیاں اس کلاس میں ہمیشہ اوّل آتا تھا۔
اس بات سے متاثر ہو کے پادری شاس، ژولیاں سے کچھ ملاطفت برتنے لگا تھا،
اور گھنٹہ ختم ہونے کے بعد اس کا بازو پکڑ کے باغ میں ٹہلنے کے لئے نکل جاتا تھا۔

ژولیاں دل میں سوچا کرتا۔ "یہ آخر چاہتا کیا ہے؟" اسے یہ دیکھ کر بڑا تعجب ہوتا
کہ پادری گرجا کے آرائشی سامان کے بارے میں گھنٹوں اس سے باتیں کرتا ہے۔
نماز جنازہ کے وقت جو لباس پہنا جاتا ہے، اس کے علاوہ گرجا میں سترہ زرق برق
عبائیں تھیں۔ سدرِ مجلس دروباں تپے کی بیوہ سے ان لوگوں کو بڑی امیدیں تھیں، یہ
عورت نوّے سال کی تھی، اور اس نے کوئی ستّر سال سے اپنا شادی کا لباس محفوظ کر رکھا
تھا جو بڑے قیمتی کپڑے کا تھا اور اوپر سونے کا کام تھا۔ "میرے دوست، ذرا سوچو تو
سہی۔" پادری شاس ایک دم سے کھڑا ہو گیا اور آنکھیں پھاڑ کے بولا۔ "ان لباسوں
میں اتنا سونا ہے کہ کپڑا گل جانے کا اندیشہ ہی نہیں۔ لساں توں کے نیک لوگوں
کی عام رائے یہی ہے کہ اس خاتون کی وصیت کے مطابق گرجا کے خزانے میں دس
عباؤں کا اضافہ ہوگا۔ بڑے تہواروں کے لئے چار پانچ عبائیں اس کے علاوہ ہیں۔ میں
تو اس سے بھی بڑی بات کہنے کو تیار ہوں۔" پادری ذرا نیچی آواز میں بولا۔ "میرا خیال ہے
کہ یہ خاتون ہمیں چاندی کے آٹھ بڑے شاندار شمع دان بھی دے گی۔ کہتے ہیں کہ یہ شمع دان
دلیر شارل ڈیوک آف برگنڈی نے اٹلی میں خریدے تھے اور اس خاتون کے آبا و اجداد
میں سے ایک آدمی ڈیوک کا منہ چڑھا وزیر تھا۔"

ژولیاں سوچنے لگا۔ "لیکن اس تمام بکواس سے اس آدمی کا مقصد ہے کیا؟ یہ
تیاریاں ایک زمانے سے ہو رہی ہیں لیکن نتیجہ کچھ نہیں نکلا۔ معلوم ہوتا ہے اسے مجھ پہ

ذرا اعتماد نہیں! یہ دوسروں سے زیادہ چالاک ہے۔ ان کے خفیہ مقاصد کا پتا تو پندرہ دن میں ہی چل جاتا ہے۔ اب میں سمجھ گیا۔ اس آدمی کو تکلیف یہ ہے کہ پندرہ سال ہو گئے اور اس کے حوصلے پورے نہیں ہوتے۔"

ایک دن شام کو فوجی قواعد کے دوران میں پادری پی رآر نے ژولیاں کو بلایا اور اس سے کہا۔

"کل تہوار کا دن ہے۔ گرجا کو سجانے کے لئے پادری شاس برنار کو تمہاری مدد درکار ہے۔ جاؤ جو پادری صاحب کہیں وہ کرو۔"

پادری پی رآر نے اسے پھر بلایا۔ کے بلایا اور ترس کے لہجے میں کہا۔

" اگر تم اس موقع سے فائدہ اٹھا کر سیر کے لئے شہر جانا چاہو تو اس کا فیصلہ تمہارے ہاتھ ہے۔"

ژولیاں نے لاطینی میں جواب دیا — "قدم قدم پر تو میرے دشمن چھپے ہوئے ہیں"

اگلے دن صبح سویرے ژولیاں نیچی نظریں کئے گرجا کی طرف چل دیا۔

شہر کی سڑکوں پر چہل پہل شروع ہو گئی تھی۔ یہ نظارہ دیکھ کر ژولیاں کی طبیعت ذرا بحال ہوئی۔ ہر طرف لوگ اپنے مکانوں کے سامنے جلوس کی وجہ سے پردے لٹکا رہے تھے۔ اس نے دارالعلوم میں جتنا زمانہ گزارا تھا وہ ایسا لگنے لگا جیسے ایک لمحے سے زیادہ نہ ہو۔ وہ یا تو ورژی کے بارے میں سوچ رہا تھا یا حسین اماں دا بینے کے متعلق جس سے ممکن تھا ملاقات ہو جائے۔ کیونکہ اس کا کیفے راستے سے ذرا ہی ہٹ کے تھا۔ اس نے دور سے دیکھا کہ پادری شاس برنار اپنے عزیز گرجا کے دروازے میں کھڑا ہے۔ وہ لمبا تڑنگا آدمی تھا، ہنس مکھ اور ملنسار۔ آج وہ خوشی کے مارے پھولا نہیں سما رہا تھا۔ "بیٹے

میں بہت دیر سے تمہارا انتظار کر رہا تھا۔" وہ ژولیاں کو دیکھتے ہی پکار کے بولا۔"میں تمہارے استقبال کے لئے کھڑا ہوں۔ آج ہمیں بڑی محنت کرنی پڑے گی۔ آؤ پہلے ہی سے تیار ہو جائیں، اور ذرا سویرے ناشتہ کر لیں۔ پھر نماز کے دوران میں دس بجے دوبارہ ناشتہ کر لیں گے۔"

ژولیاں نے بہت سنجیدہ بن کر کہا۔ "جی میں چاہتا ہوں کہ ایک منٹ کے لئے بھی اکیلا نہ رہوں۔" پھر اُوپر گھنٹے کی طرف اشارہ کرکے بولا۔"مہربانی فرماکر یہ دیکھیے کہ میں پانچ بجنے سے ایک منٹ پہلے آگیا ہوں۔"

"اچھا، تم اُن دارالعلوم والے بدمعاشوں سے ڈر رہے ہو! بھلا تم اُن کے بارے میں سوچتے ہی کیوں ہو؟" پادری شاتس نے کہا۔" اگر سڑک کے دونوں طرف جھاڑیوں میں کلنٹے ہوں تو کیا سڑک خراب ہو جاتی ہے؟ مسافر اپنی راہ چلا جاتا ہے اور کانٹوں کو وہیں پڑا سڑنے دیتا ہے۔ بہرحال اب چلو کام میں لگیں، کام میں۔"

پادری شاتس نے بالکل ٹھیک کہا تھا کہ محنت بہت کرنی پڑے گی۔ ایک دن پہلے، گرجا میں جنازے کی نماز ہوئی تھی۔ تہوار کی تیاریاں بالکل ہو ہی نہ سکی تھیں۔ چنانچہ آج صبح سویرے کھمبوں کے اُوپر تیس فٹ کی بلندی تک سُرخ ریشمی کپڑے کا غلاف سا چڑھانا پڑا تھا۔ بڑے پادری نے ڈاک گاڑی کے ذریعے پیرس سے تین گتے بنانے والے منگوائے تھے۔ لیکن یہ لوگ ہر کام خود تو نہیں کر سکتے تھے۔ پھر اُن کے مقامی بھائی بند جو اپنی سی بے ڈھنگی کوشش کر رہے تھے اس کی ہمت افزائی کرنے کی بجائے ان لوگوں نے اُلٹا مذاق اڑانا شروع کر دیا جس سے ان کے ہاتھ پیر اور پھول گئے۔

ژولیاں نے دیکھا کہ مجھے خود سیڑھی چڑھنا پڑے گا۔ اس کی تیزی طراری اس وقت

بڑے کام آئی۔ اس نے مقامی گدّے والوں کی نگرانی اپنے ذمّے لے لی۔ پادری شاتس نے اُسے ایک سیڑھی سے دوسری سیڑھی پر اچکتے دیکھا تو اس کی خوشی کا ٹھکانا نہ رہا۔ جب ستونوں پر کپڑا چڑھانے کا کام ختم ہو گیا تو پھر اگلی چیز یہ تھی کہ اونچی قربان گاہ کے اوپر پروں کے پانچ بڑے بڑے گچھے رکھے جائیں۔ قربان گاہ کے اوپر ایک سونے کے ملمع والا لکڑی کا تاج اطالوی سنگِ مرمر کے آٹھ خمیدہ ستونوں پر ٹکا ہوا تھا۔ لیکن تاج تک پہنچنے کے لئے لکڑی کے ایک پرانے کارنس پر چڑھنا پڑتا تھا جو شاید کیڑوں کھایا اور زمین سے چالیس فٹ اونچا تھا۔

پہلے تو سیڑھیوں والے بہت ہنس ہنسا رہے تھے۔ لیکن اس خطرناک چڑھائی کا وقت آیا تو ان پر اوس پڑ گئی۔ وہ نیچے کھڑے اسے تک رہے تھے اور باتیں بنا رہے تھے۔ مگر اوپر جانے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ ژولیاں نے پروں کے گچھے اٹھائے اور کھٹ کھٹ سیڑھی پر چڑھ گیا۔ اس نے بڑی خوبی سے انہیں تاج کی شکل میں سجا دیا۔ جب وہ سیڑھی سے اُترا تو پادری شاتس نے اسے گلے لگا لیا۔

"واقعی تم نے کمال کر دیا" نیک دل پادری بولا "میں بڑے پادری صاحب کو سارا قصّہ سناؤں گا"

دس بجے والا ناشتہ بہت پُرلطف ثابت ہوا۔ پادری شاتس نے اپنے گرجا کو اتنا اچھا سجا ہوا کبھی نہیں دیکھا تھا۔

وہ ژولیاں سے کہنے لگا۔ "بیٹے، میری والدہ اس مقدس گرجا میں کرسیاں کرائے پر دینے کی خدمت پر مامور تھیں۔ چنانچہ میری پرورش ہی اس زبردست عمارت میں ہوئی ہے۔ روبس پیئر کی نادرشاہی میں ہم برباد ہو کے رہ گئے۔ لیکن اس زمانے

میں آٹھ سال کی عمر میں بھی میں ذاتی مکانات کی نمازوں میں شامل ہوا کرتا تھا، اور گھر والے مجھے
کھانا کھلا دیا کرتے تھے۔ عبادت کرنے کے معاملے میں کوئی میری برابری نہیں کر سکتا تھا۔
سونے کا فیتہ کبھی ٹوٹتا ہی نہ تھا۔ جب سے نپولین نے عیسوی دین دوبارہ قائم کیا ہے۔ اس
مقدس گرجا میں ہر چیز کی نگرانی کرنے کا شرف مجھے حاصل رہا ہے۔ سال میں پانچ دفعہ
اپنی آنکھوں سے گرجا کو سجا ہوا دیکھتا ہوں۔ لیکن یہ اتنا شاندار کبھی نہیں لگا جتنا آج۔ نہ
تو کبھی ریشمی کپڑا اتنی اچھی طرح چڑھایا گیا ہے نہ ستونوں پر اس طرح چپکا ہے۔"

"اب یہ مجھ سے اپنا راز کہنے والا ہے۔" ژولیاں نے سوچا "آج تو اپنے بلے
میں باتیں کر رہا ہے۔ اب کھل چلا۔" مگر اس آدمی نے کوئی ناعاقبت اندیشانہ بات
کبھی ہی نہیں۔ اسے تو بس جوش آ رہا تھا۔ ژولیاں دل میں کہنے لگا۔ "مگر اس نے
کام بہت کیا ہے۔ آج بڑا خوش ہے پینے پلانے میں بھی کمی نہیں کی۔ کیا آدمی ہے!
میرے سامنے اس نے عمل کا کیا خوب نمونہ پیش کیا ہے! آج زوروں میں ہے۔" (یہ
عامیانہ فقرہ اس نے بڈھے ڈاکٹر سے سیکھا تھا)

جب نماز کی گھنٹی بجی تو ژولیاں کا جی چاہا خرقہ پہن کر بڑے پادری کے ساتھ جلوس میں
جاؤں۔

"لیکن دوست، چوروں کو بھول ہی گئے، چوروں کو!" پادری شاس بولا "جلوس نکلنے
والا ہے۔ گرجا خالی رہ جائے گا۔ میں اور تم یہاں چوکسی کے لئے رہیں گے۔ ستونوں کے نیچے
جو سونے کا فیتہ لپٹا ہوا ہے۔ اس میں سے اگر بس دو چار گز ہی غائب ہو تو سمجھو کہ سستے
چھوٹے۔ یہ بھی مادام دردباں پیرے کا تحفہ ہے۔ یہ اُن کے پردادا کی ملکیت ہے۔ دو،
یہ بالکل سچے سونے کا ہے۔" وہ بڑی گرمجوشی کے ساتھ ژولیاں کے کان میں کہنے لگا۔

"اس میں کھوٹ کا نام نہیں! تم شمالی دالان کی نگرانی کرو، وہاں سے ہلنا مت۔ میں جنوبی دالان اور بیچ کے حصّے کا ذمّہ لیتا ہوں۔ اعتراف کے کمروں کا بھی خیال رکھنا۔ وہاں چوروں کی جاسوس عورتیں اس تاک میں رہتی ہیں کہ ہم غافل ہوں اور وہ کوئی چیز اڑا لے جائیں۔"

اس نے بات ختم کی ہی تھی کہ پونے بارہ بج گئے۔ بڑا گھنٹہ فوراً بجنے لگا۔ گھنٹہ بجانے والے پورا زور صرف کر رہے تھے۔ یہ بھاری اور گمبھیر آواز سن کر ژولیاں کے دل پر بڑا اثر ہوا۔ اس کا تخیل آسمان سے باتیں کرنے لگا۔

چھوٹے چھوٹے بچے سینٹ جون کے بھیس میں قربان گاہ کے سامنے گلاب کی پتیاں بکھیر رہے تھے۔ پتیوں کی مہک اور بخورات کی خوشبو سے ژولیاں کا غلو اور بڑھ گیا۔

گھنٹے کی گمبھیر آواز سن کر تو ژولیاں کو بس یہ خیال آنا چاہیئے تھا کہ پچاس سینٹ پانے والے بیس آدمی اس کام میں لگے ہوئے ہیں اور پندرہ یا بیس دین دار لوگ اُن کی مدد کر رہے ہیں۔ اُسے تو یہ بات سوچنی چاہیئے تھی کہ رسیاں کتنی گھستی ہیں، لکڑی گل تو نہیں گئی، خود گھنٹے کی وجہ سے کتنا خطرہ ہے جو ہر دو سو سال بعد گر پڑتا ہے۔ یا پھر اُسے کسی ایسی ترکیب پر غور کرنا چاہیئے تھا کہ گھنٹہ بجانے والوں کی اُجرت کم ہو جائے، یا انہیں کلیسا کے روحانی خزانے میں سے کوئی چیز بخشی جائے تاکہ کلیسا کا روپیہ بچے۔

ان معقول باتوں پر غور کرنے کی بجائے ژولیاں کی روح تو ان تند و تیز آوازوں سے گرمی پاکر خیالی سرزمینوں میں بھٹکتی پھر رہی تھی۔ وہ کبھی اچھا پادری یا اچھا حاکم نہیں بن سکتا۔ جو روح ایسی باتوں سے متاثر ہو جائے وہ زیادہ سے زیادہ ایک فن کار پیدا کر سکتی ہے۔ یہاں آکر صاف پتا چل جاتا ہے کہ اپنے بارے میں ژولیاں کی خوش فہمی کا کیا عالم تھا۔ دینیات کے طالب علموں کو ایک طرف تو یہ بتایا جاتا ہے کہ ہر جھاڑی میں آزاد خیالی

چھپی بیٹھی ہے۔ پھر وہ لوگوں کی نفرت سے بھی واقف ہوتے ہیں۔ چنانچہ وہ زندگی کی حقیقتوں کو غور سے دیکھنے کے عادی ہوتے ہیں۔ ژولیاں کے شاید پچاس سالتھی اگر گرجا کا گھنٹہ سنتے تو انہیں صرف یہ خیال آتا کہ گھنٹہ بجانے والوں کو کتنی اُجرت ملے گی۔ وہ تو اپنی ساری ذہنی قوت اس بات کا اندازہ لگانے میں صرف کرتے کہ لوگوں میں جتنی عقیدت مندی پیدا ہوتی ہے وہ اس اجرت کو دیکھتے ہوئے مہنگی تو نہیں۔ اگر ژولیاں کو کلیسا کے مادی مفاد کا خیال آتا بھی تو اس کا تخیل پھر اڑ کے اپنی حد سے آگے جا پہنچتا۔ وہ تو یہ سوچنے بیٹھ جاتا کہ چالیس فرانک کی بچت کیسے ہو سکتی ہے اور پچیس سینٹ کا خرچ کم کرنے کا موقع ہاتھ سے نکل جانے دیتا۔

اتنا اچھا موسم شاید ہی کبھی رہا ہو۔ جلوس بساں سوں کی سڑکوں پہ آہستہ آہستہ چلا جا رہا تھا اور شہر کے مختلف انتظامی محکموں نے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر جو زرق برق شامیانے لگائے تھے، وہاں ذرا ذرا سی دیر رک کے آگے بڑھتا تھا۔ اُدھر گرجا میں گہری خاموشی طاری تھی۔ اندر ہلکی ہلکی روشنی ہو رہی تھی، اور فضا میں ایک طراوت سی تھی۔ پھولوں اور بخورات کی خوشبو سے فضا ابھی تک مہک رہی تھی۔

خاموشی، مکمل تنہائی اور لمبے لمبے دالانوں کی ٹھنڈک نے ژولیاں کے خوابوں کو اور بھی شیریں بنا دیا۔ اسے پادری شاس کی مداخلت کا کوئی کھٹکا نہیں تھا جو عمارت کے دوسرے حصے کی نگرانی کر رہا تھا۔ اس کا جسم تو شمالی دالان میں آہستہ آہستہ ٹہل قدمی کر رہا تھا۔ مگر روح جسدِ خاکی کو تقریباً چھوڑ کے چل دی تھی۔ وہ اس وجہ سے اور بھی مطمئن تھا کہ اسے یقین تھا اعتراف کے کمروں میں دو چار دیندار عورتوں کے سوا اور کوئی نہیں۔ اس کی آنکھیں تو کھلی تھیں، مگر وہ دیکھ نہیں رہا تھا۔

اتنے میں دو عورتیں نظر آئیں تو اس کی خود فراموشی کچھ کم ہوئی۔ یہ دونوں بڑے عمدہ لباس میں تھیں اور گھٹنوں کے بل جھکی کھڑی تھیں۔ ایک تو اعتراف کے ایک کمرے میں، دوسری قریب ہی ایک کرسی پر۔ اس نے انہیں دیکھا تو مگر غور سے نہیں۔ پھر یا تو اپنے فرض کے مبہم سے احساس کی وجہ سے، یا اُن کے سیدھے سادے مگر شریفانہ لباس سے متاثر ہو کے اُسے خیال آیا کہ اعتراف کے اس کمرے میں کوئی پادری تو ہے ہی نہیں۔ اس نے دل میں کہا — "تعجب کی بات ہے کہ اگر یہ عورتیں دین دار ہیں تو کسی شامیانے کے نیچے کیوں نہیں بیٹھیں، اور اگر دولت مند ہیں تو کسی بالاخانے پر انہیں جگہ کیوں نہیں ملی۔ اس لباس کی تراش خراش کتنی عمدہ ہے! اس میں نفاست کس قدر ہے!" اُن کے چہرے دیکھنے کی غرض سے اس نے اپنی چال ذرا ہلکی کر دی۔

جو عورت اعتراف کے کمرے میں تھی اس نے ہر طرف چھائی ہوئی خاموشی میں ژرولیاں کے قدموں کی آواز سُنی تو ذرا سا سر پھیر کے دیکھا۔ ایک دم سے اس کی چیخ نکلی اور وہ بے ہوش ہو گئی۔

عورت بے جان سی ہو کر پیچھے کو گر پڑی۔ اس کی سہیلی جو پاس ہی تھی مدد کو دوڑی۔ بالکل اُسی وقت ژرولیاں کی نظر گرنے والی عورت کے کندھوں پر پڑی، اور اسے ایک بڑے بڑے موتیوں کی مالا دکھائی دی جس سے وہ خوب واقف تھا۔ جب اس نے مادام درینال کے بال پہچانے تو اس کی کیا حالت ہوئی! یہ وہی تھی۔ جو عورت اس کا سر سنبھالنے اور اسے گرنے سے روکنے کی کوشش کر رہی تھی، مادام درویل تھی۔ ژرولیاں کی حالت دیوانوں کی سی ہو گئی، اور وہ آگے جھپٹا۔ اگر وہ سہارا نہ دیتا تو مادام درینال کے ساتھ ساتھ اس کی سہیلی بھی گر پڑتی۔ اس نے دیکھا کہ مادام درینال کا سر اپنی سہیلی کے کندھے پر ڈھلکا ہوا ہے

چہرہ زرد اور بے جان لگ رہا ہے۔ مادام درتویل کے ساتھ مل کر اس نے اس حسین سر کو ایک بید کی کرسی کی پُشت سے لگا دیا۔ وہ گھٹنوں کے بل جھکا ہوا تھا۔

مادام درتویل نے سر پھیر کے دیکھا تو اسے پہچان گئی۔

"یہاں سے چلے جائیے، جناب، یہاں نہ ٹھہریئے!" اس نے غصے میں بھر کے ژدلیاں سے کہا۔ "اب انہیں آپ کی شکل نظر نہ آئے۔ آپ کو دیکھ کے وہ بھڑک جائیں گی آپ کے آنے سے پہلے اچھی خاصی تھیں! آپ نے اُن پر بڑا ظلم ڈھایا ہے۔ اگر آپ کے اندر ذرا بھی شرم ہے تو یہاں سے چل دیجئے۔ جائیے!"

یہ بات، ایسے تحکم کے ساتھ کہی گئی اور ژدلیاں اس وقت ایسا کمزور ہو رہا تھا کہ وہ فوراً وہاں سے ہٹ آیا۔ "اسے مجھ سے ہمیشہ نفرت رہی ہے" اس نے مادام درتویل کے بارے میں سوچتے ہوئے کہا۔

اب اُن پادریوں کی مُناجاتوں کی آواز آنے لگی جو جلوس کے آگے آگے چل رہے تھے۔ جلوس واپس آرہا تھا۔ پادری شاس برنار نے ژدلیاں کو کئی دفعہ پکارا، مگر اس نے پہلے تو سُنا ہی نہیں۔ اس کی حالت مُردوں سے بدتر تھی اور وہ ایک ستون کے پیچھے چھپ کے کھڑا ہو گیا تھا۔ آخری پادری نے خود آگے اس کا بازو پکڑا اور اسے وہاں سے نکالا۔ وہ ژدلیاں کو بڑے پادری کے سامنے پیش کرنا چاہتا تھا۔

"بیٹے، تمہاری طبیعت خراب معلوم ہوتی ہے۔" پادری نے دیکھا کہ وہ زرد ہو رہا ہے اور اس سے چلا بھی نہیں جاتا۔ "آج تم نے بڑی محنت کی ہے۔" پادری نے سہارے کے لئے اسے اپنا بازو دے دیا۔ "آؤ، یہاں میرے پیچھے چپراسی کے اسٹول پر بیٹھ جاؤ۔ میں تمہیں چھپا لوں گا۔" اب جلوس دروازے کے قریب

آگیا تھا" ذرا آرام لو، ابھی تو بڑے پادری صاحب کے آنے میں بیس منٹ ہیں۔ ذرا بدن میں جان آنے دو۔ جب وہ یہاں سے گزریں گے تو میں تمہیں سہارا دے کے کھڑا کر لوں گا، کیونکہ میں بڈھا تو ضرور ہوں مگر ابھی مجھ میں بہت جان ہے۔"

لیکن جب بڑا پادری وہاں سے گزرا تو ژولیاں ایسا کانپ رہا تھا کہ پادری شاس نے اسے پیش کرنے کا خیال ہی چھوڑ دیا۔

"تم پریشان مت ہو۔" اس نے ژولیاں سے کہا۔ "میں پھر کوئی موقع ڈھونڈ لوں گا۔"

شام کو پادری شاس نے دارالعلوم کے گرجا میں پانچ سیر موم بتیاں بھجوائیں اور کہا کہ ژولیاں نے جلدی جلدی موم بتیاں بجھا کر اپنی کوششوں سے اتنی بچت کی ہے۔ مگر یہ بات سرتاپا غلط تھی۔ وہ بیچارا بتیاں کیا بجھاتا۔ وہ تو آپ ہی بجھا ہوا تھا مادام دوتیال کو دیکھنے کے بعد اُسے تو سوچنے کا بھی یارا نہ رہا تھا۔

انتیسواں باب

پہلا قدم

وہ اپنے زمانے کو پہچانتا ہے، اپنے علاقے کو جانتا ہے، اور وہ دولت مند ہے۔

ایک اخبار

گرجا میں اس واقعے کے بعد ژولیاں بالکل مبہوت رہ گیا تھا۔ ابھی اس کی حالت ٹھیک بھی نہ ہوئی تھی کہ ایک دن صبح کو سخت مزاج پادری پی رآر نے اُسے بلایا۔

"یہ پادری شاس برنار کا خط ہے۔ انہوں نے تمہاری بہت تعریف کی ہے میں فی الجملہ تمہارے برتاؤ سے بالکل مطمئن ہوں۔ تم بہت ہی ناعاقبت اندیش ہو۔ بلکہ احمق بھی ہو۔ چاہے یہ بات ظاہر نہ ہوتی ہو۔ بہر حال اس وقت تک تمہارا دل بے داغ ہے، بلکہ فیاض بھی۔ تمہارا ذہن اور دل سے کہیں اچھا ہے۔ بحیثیت مجموعی تمہارے اوپر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے اندر ایک چنگاری موجود ہے جس سے غفلت نہیں برتنی چاہیے۔

"پندرہ سال تک تن دہی سے کام کرنے کے بعد اب میں اس ادارے سے رخصت ہو رہا ہوں۔ میرا جرم یہ ہے کہ میں نے طالب علموں کو ان کی ذاتی رائے پر چلنے دیا اور اعتراف کے دوران میں تم نے جس خفیہ جماعت کا ذکر کیا تھا میں نے اس کی نہ تو سرپرستی کی اور نہ اس کا پردہ چاک کیا۔ جانے سے پہلے میں تمہارے لئے کچھ کرنا چاہتا ہوں۔ میں دو ہفتے پہلے ہی کچھ نہ کچھ کر چکا ہوتا۔ کیونکہ تم اس کے مستحق ہو۔ مگر تمہارے پاس سے جو امان داہینے کا پیا ملا تھا اور اس کی وجہ سے لوگوں نے تمہارے اوپر الزام لگایا تھا، بس اس کے خیال سے میں چپ ہو گیا۔ اب میں تمہیں عہدنامہ قدیم اور عہدنامہ جدید کا استاد مقرر کرتا ہوں۔"

احسان مندی کے جوش میں تژولیاں کا جی چاہا کہ گھٹنوں کے بل جھک کر خدا کا شکر بجا لاؤں۔ مگر پھر ایک زیادہ پرخلوص جذبہ اس کے اوپر غالب آگیا۔ وہ پادری پی رار کے قریب گیا اور اس کا ہاتھ لے کر اپنے ہونٹوں سے لگا لیا۔

"یہ کیا ہے؟" دارالعلوم کے نگران نے خفگی کے لہجے میں چیخ کے کہا مگر اس فعل سے زیادہ بلاغت، تو تژولیاں کی آنکھوں میں تھی۔

پادری پی رار نے حیران ہو کر تژولیاں کی طرف اس طرح دیکھا جیسے اس طویل عرصے میں لطیف جذبات سے دوچار ہونے کی عادت نہ رہی ہو۔ اس توجہ سے پادری کا دل نرم ہو گیا اور اس کی آواز بدل گئی۔

"ہاں بیٹے، مجھے واقعی تجھ سے لگاؤ ہے۔ خدا جانتا ہے کہ یہ بات بالکل میری مرضی کے خلاف ہوئی ہے۔ مجھے تو صرف منصف مزاج ہونا چاہئے۔ کسی سے نفرت یا محبت کرنا میرا کام نہیں۔ تجھے زندگی میں بڑی دشواریاں پیش آئیں گی۔ تیرے اندر مجھے

ایک ایسی بات نظر آتی ہے جو عام آدمیوں کو اچھی نہیں لگتی۔ بغض وحسد اور بدگوئی سے تیرا کبھی پیچھا نہیں چھٹے گا۔ خدا تجھے جہاں کہیں بھی رکھے، تیرے ساتھی تجھے نفرت ہی کی نظروں سے دیکھیں گے۔ اگر وہ محبت جتائیں گے بھی تو بس تجھے اطمینان کے ساتھ دھوکا دینے کے لیے۔ اس کا صرف ایک ہی علاج ہے۔ خدا سے لو لگائے رکھ۔ اس نے تیرے غرور کی سزا یہ دی ہے کہ لوگ تجھ سے نفرت ہی کریں گے۔ اپنے اعمال درست رکھ۔ مجھے تو تیری نجات کا یہی واحد طریقہ نظر آتا ہے۔ اگر تو صداقت کے راستے پر سختی سے گام زن رہا تو جلد یا بدیر تیرے دشمنوں کو ندامت اٹھانی پڑے گی۔"

ژولیاں نے مدت سے کوئی دوستانہ آواز نہ سنی تھی چنانچہ ہمیں اس کی ایک کمزوری معاف کرنی پڑے گی۔ وہ پھوٹ پھوٹ کے رونے لگا۔ پادری پی رار نے بازو بڑھا کر اسے گلے لگا لیا۔ یہ لمحہ دونوں کے لیے بڑا گراں قدر ثابت ہوا۔

ژولیاں خوشی کے مارے دیوانہ ہو گیا۔ اسے پہلی دفعہ ترقی ملی تھی۔ اس کے ٹھاٹھ بڑے زبردست تھے۔ یہ بات پوری طرح سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ آدمی نے کئی مہینے اس طرح گزارے ہوں کہ دم بھر کے لیے تنہائی کا موقع نہ ملے اور ہر وقت ایسے لوگوں کے ساتھ رہنا پڑے جو بیزار کن بلکہ اکثر تو ناقابل برداشت ہوں۔ حساس آدمی کو پریشان کر دینے کے لیے تو ان کی چیخ پکار ہی کافی تھی۔ ان دیہاتیوں کو یہاں اچھا کھانے اور اچھا پہننے کو ملتا تھا۔ وہ یہاں ایسے خوش تھے کہ جب تک غل غپاڑا نہ مچائیں اور اپنے پھیپھڑوں کی پوری طاقت سے نہ چلائیں انہیں تسکین ہی نہ ہوتی تھی۔

اب ژولیاں اکیلے یا تقریباً اکیلے کھانا کھایا کرتا، اور دوسرے طالب علموں سے گھنٹہ بھر بعد اُسے باغ کی ایک تالی مل گئی تھی، اور وہ ٹہلنے کے لئے اس وقت بھی وہاں جا سکتا تھا جب باغ بالکل خالی ہوتا۔

یہ دیکھ کر ژولیاں کو بڑا تعجب ہوا کہ اب لوگوں کی نفرت کم ہوگئی ہے۔ اسے تو امید تھی کہ نفرت اور بڑھ جائے گی۔ یہ پوشیدہ خواہش کہ مجھ سے کوئی نہ بولے جو بالکل نمایاں تھی اور جس کی وجہ سے اس کے اتنے دشمن پیدا ہو گئے تھے۔ اب مضحکہ خیز تکبر کی نشانی نہیں سمجھی جاتی تھی۔ وہ جن اجڈ لوگوں کے درمیان رہتا تھا۔ ان کی نظروں میں یہ تو اُس کے وقار کا جائز احساس تھا۔ ان کی نفرت کافی گھٹ گئی۔ خصوصاً اس کے سب سے نوعمر ساتھیوں کی جو اب اس کے شاگرد بن گئے تھے اور جن کے ساتھ وہ بڑے اخلاق سے پیش آتا تھا۔ آہستہ آہستہ اُسے کچھ حامی بھی مل گئے اور اسے مارٹن لوتھر کہنا بری بات سمجھا جانے لگا۔

لیکن اس کے دوستوں اور دشمنوں کے ذکر سے کیا فائدہ؟ یہ باتیں بڑی گندی ہیں، بلکہ زندگی کی جتنی صحیح تصویر پیش کی جائے گی اتنی ہی گندی ہوگی۔ بہر حال عوام کے معلم اخلاق یہی لوگ ہیں۔ ان کے بغیر ہماری کیا حالت ہوگی؟ کیا اخبار کبھی پادری کی جگہ لے سکیں گے؟

ژولیاں کی ترقی کے بعد سے دارالعلوم کے نگراں نے یہ اصول بنا لیا کہ اس سے محض اس وقت بات کرتا جب دوسرے لوگ موجود ہوتے۔ اس میں استاد اور شاگرد دونوں کی بھلائی تھی۔ لیکن سب سے زیادہ تو یہ ایک آزمائش تھی۔ پی راد ایک تو سخت گیر تھا پھر ژاں سینسنت فرقے کا۔ اس کا اصول ہمیشہ یہ رہا تھا۔ "تمہارے خیال میں یہ

شخص کچھ صلاحیت رکھتا ہے، تو پھر وہ جو کچھ کرنا چاہے، جو کام شروع کرے۔ اس میں روڑا اٹکاؤ۔ اگر اس میں سچی صلاحیت موجود ہے تو وہ ہر رکاوٹ پر قابو پالے گا یا اُسے راستے سے ہٹا دے گا۔"

یہ شکار کا موسم تھا۔ فوکے کو ایک نئی بات سوجھی اور اس نے ژرولیاں کے خاندان کی طرف سے ایک ہرن اور ایک جنگلی سُور دارالعلوم بھیج دیا۔ یہ دونوں مردہ جانور سونے کے کمرے اور باورچی خانے کے درمیان والی گلی میں رکھ دیئے گئے۔ طالب علم کھانا کھانے کے لئے اُدھر سے گذرے تو سب نے انہیں دیکھا۔ لوگوں کو ان سے بڑی دلچسپی پیدا ہوئی۔ سُور حالانکہ مرا ہوا تھا۔ مگر نو عمر لڑکوں کو اس سے بڑا ڈر لگا۔ انہوں نے اس کے بڑے بڑے دانت چھو کر دیکھے۔ ہفتے بھر تک بس اسی بات کا ذکر رہا۔

اس تحفے نے ژرولیاں کے خاندان کو سماج کے اس طبقے میں جگہ دے دی جس کی عزت لازمی ہے اور اب رشک وحسد کا بالکل خاتمہ ہوگیا۔ یہ برتری تو دولت کی بنیاد پر قائم تھی۔ شازیل اور دوسرے ممتاز طالب علم اس کی چاپلوسی میں لگ گئے بلکہ انہیں شکایت ہوئی کہ اس نے اپنے والدین کی دولت کا حال پہلے ہی کیوں نہ بتادیا، ورنہ اُن سے روپیہ کی عزت میں کمی کرنے کی حماقت سرزد نہ ہوتی۔

اسی زمانے میں جبری بھرتی شروع ہوگئی۔ مگر دینیات کے طالب علم کی حیثیت سے ژرولیاں اس کی زد میں نہ آتا تھا۔ اس بات سے اسے بڑا دکھ ہوا۔ یعنی اب وہ لمحہ ہمیشہ کے لئے گزر گیا کہ جب بیس سال پہلے والا زمانہ ہوتا تو بہری دلاورانہ زندگی کا آغاز ہو سکتا تھا!

وہ باغ میں اکیلا ٹہل رہا تھا کہ اسے دو معماروں کی یہ گفتگو سنائی دی جو باہر کی دیوار ٹھیک کر رہے تھے۔

"اچھا، تو پھر جانا ہی پڑے گا۔ بھرتی شروع ہو گئی ہے۔"

"اُس دوسرے آدمی کے زمانے میں بڑا اچھا تھا! ایک معمولی معمار افسر ہو گیا تھا، اور پھر جنرل بنا۔ یہ تو مشہور بات ہے۔"

"آج کل دیکھو کیا ہو رہا ہے! بچارے غریب غربا ہی بھیجے جا رہے ہیں۔ جن لوگوں کے پاس کھانے کو ہے وہ مزے سے گھر بیٹھے ہیں۔"

"بچارا غریب تو غریب ہی رہتا ہے۔ اصل بات بس یہ ہے۔"

"دیکھو، لوگ کہتے ہیں۔ وہ دوسرا آدمی مرگیا۔ یہ سچ ہے؟" ایک تیسرا معمار بولا۔

"اجی، بڑے لوگ کہتے ہیں۔ دیکھتے نہیں؟ وہ اس سے بہت ڈرتے تھے۔"

"کیسا فرق پڑا ہے! اس کے زمانے میں ہر کام کتنی اچھی طرح ہوتا تھا! اور پھر اسی کے جنرلوں نے اسے دھوکا دیا! کوئی نہ کوئی غدار ہمیشہ نکل ہی آتا ہے۔"

یہ باتیں سُن کر ژولیاں کو تھوڑا سا قرار آیا۔ جب وہ باغ سے چلا تو ٹھنڈا سا سانس بھر کے کہنے لگا۔۔۔

"بس وہی ایک ایسا بادشاہ ہے جسے لوگ یاد کرتے ہیں۔"

امتحانات بھی شروع ہو گئے۔ ژولیاں نے سب سوالوں کا جواب بڑی ذہانت کے ساتھ دیا۔ اس نے دیکھا کہ شنازیل بھی اپنا سارا علم آج ہی دکھا دینے کی فکر میں ہے۔

بڑے پادری فری لیئیر نے جو ممتحن مقرر کئے تھے۔ انہیں پہلے دن یہ دیکھ کر بڑی بدمزگی ہوئی کہ ژولیاں سوریل کو تو پادری پی رار کا پٹھو بتایا گیا تھا اور وہی ہر دفعہ اوّل یا دوم آ رہا ہے۔ دارالعلوم میں شرطیں بدی گئیں کہ پورے امتحان میں ژولیاں اوّل آئے گا۔ اس امتیاز کے ساتھ بڑے پادری کے یہاں دعوت کا اعزاز بھی شامل تھا۔ لیکن ایک ممتحن ذرا ہوشیار تھا۔ دلیوں کے متعلق امتحان میں سینٹ جیرَوم اور اس کے محبوب مصنف کی کیرو کے بارے میں ژولیاں سے سوال پوچھتے پوچھتے اس نے ہوریس، ورجل اور دوسرے دنیاوی مصنفوں کا ذکر چھیڑ دیا۔ اس کے ساتھیوں کو علم نہ تھا، مگر ژولیاں نے ان مصنفوں کی عبارتیں کی عبارتیں رٹ رکھی تھیں۔ اپنی پہلی کامیابیوں کے زعم میں اسے خیال ہی نہ رہا کہ میں ہوں کہاں۔ ممتحن نے جو بار بار کہا تو اس نے بڑے جوش وخروش سے ہوریس کی کئی نظمیں ترجمے سمیت سُنا ڈالیں۔ ممتحن نے بیس منٹ تک تو اسے اچھی طرح احمق بننے دیا۔ پھر ایک دم سے اس کے چہرے کا انداز بدل گیا اور اس نے ژولیاں کو خوب جھاڑا کہ تم ان دنیاوی کتابوں پر اپنا وقت کیوں ضائع کرتے ہو اور اپنے دماغ میں ایسے خیالات کیوں بھرے پھرتے ہو جو مجرمانہ بھی نہ ہوں تو بے مصرف ضرور ہیں۔"

"جی، میں واقعی احمق ہوں۔ آپ بجا فرماتے ہیں۔" ژولیاں سمجھ گیا کہ مجھے کس چالاکی سے بے وقوف بنایا گیا ہے، اور بڑی عاجزی کے ساتھ بولا۔

ممتحن کی اس چالاکی کو دارالعلوم میں بھی ایک نازیبا حرکت سمجھا گیا۔ مگر پادری فری لیئیر بڑا چلتا ہوا آدمی تھا۔ اس نے جینسنٹ جماعت کا نظام بڑی ہوشیاری سے ترتیب دیا تھا اور جو اطلاعات وہ پیرس بھیجتا تھا ان سے جج، ناظم، بلکہ چھاؤنی کے

افسر تک ڈرتے تھے۔ اس نے اپنے مضبوط ہاتھ سے ژدلیاں کے نام کے آگے ۱۹۸ نمبر لکھ دیئے۔ اُسے بڑی خوشی ہوئی کہ اس طرح اپنے دشمن پی رار کو تکلیف پہنچانے کا ایک موقع ہاتھ آیا۔

پچھلے دس سال سے اس کی یہی تمنا تھی کہ دارالعلوم کا انتظام کسی طرح پی رار کے ہاتھ سے چھن جائے۔ پی رار خود بھی انہیں اصولوں پر چلتا تھا جن کی تلقین اس نے ژدلیاں کو کی تھی۔ وہ بڑا مخلص، دین دار، فرض شناس اور سازشوں سے کوسوں دُور تھا۔ لیکن اس پر خدا کا یہ غضب نازل ہوا تھا کہ اسے طبیعت بڑی زُود حس ملی تھی اور ہر قسم کی توہین اور نفرت کا اس کے دل پر گہرا اثر ہوتا تھا۔ اس کے مزاج میں اتنی گرمی تھی کہ جب کبھی اُسے نیچا دیکھنا پڑا۔ ہر دفعہ اُسے دھکا سا لگا۔ اب تک تو وہ سو دفعہ استعفیٰ دے چکا ہوتا، مگر اس کا خیال تھا کہ مجھے خدا نے جس جگہ رکھا ہے وہاں میری واقعی ضرورت ہے۔ وہ دل میں کہا کرتا ”میں بت پرستی اور جینز دسٹ خیالات کو پھیلنے سے روکتا ہوں“۔

امتحان کے وقت شاید اس نے ژدلیاں سے کوئی دو مہینے سے بات تک نہ کی تھی مگر جب امتحان کا سرکاری نتیجہ آیا اور جس شاگرد کو وہ اپنے ادارے کے لئے باعث فخر سمجھتا تھا۔ اس کے نام کے سامنے ۱۹۸ نمبر لکھا دیکھا تو وہ آٹھ دن تک بیمار پڑا رہا۔ اس سخت مزاج آدمی کی تسکین کا بس اب یہی طریقہ رہ گیا تھا کہ ژدلیاں کی اور کڑی نگرانی کرے۔ یہ دیکھ کر اسے بڑی خوشی ہوئی کہ ژدلیاں کو نہ تو غصہ آیا، نہ انتقام کی خواہش پیدا ہوئی، نہ اس کی ہمت ٹوٹی۔

چند ہفتے بعد ژدلیاں کو ایک خط ملا تو وہ کانپ اٹھا۔ اس پر پیرس کی مُہر تھی

وہ دل میں بولا۔ "آخر مادام ورینال کو اپنے وعدے یاد آہی گئے۔" اس آدمی نے اپنا نام پال سوریل لکھا تھا اور اپنے آپ کو اس کا رشتے دار بتایا تھا اور ساتھ ہی پانچ سو فرانک کی ہنڈی بھیجی تھی۔ لکھنے والے نے وعدہ کیا تھا کہ اگر ژولیاں نے لاطینی کے بہترین مصنفوں کا مطالعہ اسی کامیابی کے ساتھ جاری رکھا تو ہر سال اتنی ہی رقم اسے ملتی رہے گی۔

"یہ وہی ہے! یہ اُسی کی عنایت ہے!" ژولیاں آب دیدہ ہو کر بولا۔ "وہ مجھے تسلی دینا چاہتی ہے۔ مگر اس میں پیار کا تو ایک بھی لفظ نہیں ہے؟"

خط کے بارے میں اُسے غلط فہمی ہوئی۔ اپنی سہیلی مادام ورویل کے زیرِ اثر مادام ورینال تو اپنی پشیمانی اور تاسف میں غرق تھی۔ اپنی کوشش کے باوجود اسے اکثر اس عجیب ہستی کا خیال آیا کرتا جس نے اس کی زندگی کو تہ و بالا کر کے رکھ دیا تھا۔ مگر خط لکھنے کی جرأت اسے نہیں ہو سکتی تھی۔

اگر ہم دارالعلوم کی زبان میں باتیں کریں تو کہہ سکتے ہیں کہ پانچ سو فرانک کا آنا در اصل ایک معجزہ تھا اور خدا نے خود موسیو فری لیئر کے ذریعے ژولیاں کو یہ تحفہ بھجوایا تھا۔

بارہ سال پہلے موسیو فری لیئر ہلکا پھلکا سامان لے کر بساں سوں آیا تھا۔ کہتے ہیں کہ یہی اس کی ساری کائنات تھی۔ اب وہ اس علاقے کے سب سے مال دار زمینداروں میں گنا جاتا تھا۔ اپنی اس روز افزوں خوش حالی کے سلسلے میں اس نے ایک جائداد کا آدھا حصہ خریدا تھا۔ جس کا دوسرا حصہ وراثت میں موسیو ولامرل کے پاس آیا۔ چنانچہ اب دونوں ممتاز ہستیوں میں مقدمے بازی ہو رہی تھی۔

پیرس میں اس کے بڑے ٹھاٹ تھے اور دربار میں بھی اس کے رتبے بڑے تھے۔ لیکن اس کے باوجود موسیو دلاموٓل یہ محسوس کرتا تھا کہ بساں سوں میں ایسے پادری سے جھگڑا مول لینا خطرناک ہے جس کے بارے میں مشہور ہے کہ ناظموں کا تقرّر اور برطرفی اُسی کے ہاتھ میں ہے۔ ایک بات یہ بھی ہو سکتی تھی کہ وہ پادری سے پچاس ہزار فرانک ہرجانہ لے کر اسے یہ چھوٹا سا مقدمہ جیت جانے دے، اور پادری کے خیال سے اس ہرجانے کا نام کچھ اور رکھ لیا جائے۔ مگر اس کے بجائے موسیو دلاموٓل تو بگڑ بیٹھا۔ اُسے یقین تھا کہ میرے مقدمے میں بہت جان ہے۔

کیونکہ اگر ہم جرأت کر کے کہہ سکیں تو اصل بات یہ ہے کہ ایسا کون سا نچ ہے جسے اپنے بیٹے یا کم سے کم کسی بھائی بند کو اچھی سی ملازمت دلوانے کی فکر نہ ہو؟

جو لوگ ان واقعات سے پوری طرح واقف نہیں ہیں اُن کی خاطر ہمیں بتانا پڑے گا کہ پہلا فیصلہ تو پادری فریلیئر نے اپنے حق میں حاصل کر لیا اور اس کے بعد اسقف کی گاڑی میں بیٹھ کر اپنے وکیل کے یہاں پہنچا اور لیجن آف آنر کا تمغہ بنفسِ نفیس وکیل کو پیش کیا۔ موسیو دلاموٓل نے جو اپنے حریف کی اکڑ دیکھی تو وہ بڑا ہراساں ہوا۔ ساتھ ہی اس نے یہ بھی محسوس کیا کہ میرا وکیل کچھ کمزور پڑ رہا ہے۔ چنانچہ اس نے مسیو شیلاآں سے مشورہ لیا۔ شیلاآں نے اس کا تعارف موسیو پی رآر سے کرا دیا۔

ہماری کہانی کے زمانے میں یہ سلسلہ چار سال سے جاری تھا۔ پی رآر کے مزاج میں تو تندی تھی ہی۔ اس نے اس معاملے میں بڑے شدومد سے کام لیا۔ مارکوئس کے وکیل سے اس کی برابر خط و کتابت رہتی ہی تھی۔ اس نے مقدمے کا اچھی طرح مطالعہ کیا اور یہ دیکھ کر کہ مارکوئس راستی پر ہے، وہ کھلم کھلا طاقت ور بڑے پادری کے

خلاف موسیو دلاموٓل کا حامی بن گیا۔ اس گستاخی پر بڑا پادری بہت بگڑا خصوصاً اس وجہ سے کہ یہ حرکت ایک معمولی ژاں سینٹ کی طرف سے سرزد ہوئی تھی۔

"دیکھا تم نے ان درباری نوابوں کی کیا حیثیت ہے، اور اوپر سے اکڑتے ہیں"۔ پادری فری لیئر اپنے مقربین سے کہا کرتا تھا۔ "موسیو دلاموٓل نے اپنے یہاں سوٗں والے بڈھو کو ایک معمولی سی صلیب تک نہیں بھیجی۔ اب وہ برطرف ہونے والا ہے تو دلاموٓل چپکا بیٹھا دیکھ رہا ہے، اور دم نہیں مارتا۔ اس کے باوجود میرے دوستوں نے لکھا ہے کہ ایک ہفتہ بھی ایسا نہیں گزرتا جو نواب صاحب اپنے تمغے پھڑکاتے وزیر کے یہاں حاضری دینے نہ جاتے ہوں۔ چاہے اس سے کوئی فائدہ ہو یا نہ ہو"

موسیو پی رآر کی بھاگ دوڑ کے باوجود، اور حالانکہ وزیر انصاف، اور خصوصاً اس کے افسروں سے موسیو دلاموٓل کے بڑے اچھے تعلقات تھے لیکن اس چھ سال کی مسلسل کوششوں کے بعد اسے بس اتنی بات حاصل ہوئی تھی کہ ابھی تک اس کے خلاف فیصلہ نہیں سنایا گیا تھا۔

موسیو دلاموٓل اور پادری پی رآر دونوں اس معاملے میں پوری تن دہی سے کام کر رہے تھے، اور ان میں برابر خط و کتابت کا سلسلہ جاری تھا۔ چنانچہ آہستہ آہستہ موسیو دلاموٓل پی رآر کی شخصیت اور کردار کا بڑا معترف ہو گیا اور ان کی سماجی حیثیت میں اتنے فرق کے باوجود اُن کے خطوں میں دوستانہ لہجہ آگیا۔ پادری پی رآر نے مارکوئس کو بتایا کہ میرے دشمن ہر طریقے سے میری توہین کر کر کے مجھے استعفےٰ دینے پر مجبور کر دینا چاہتے ہیں۔ اس کے خیال میں ژردیاں کے ساتھ بھی بڑی نازیبا چال چلی گئی تھی۔ چنانچہ اس غصے میں اس نے ژردیاں کی کہانی

بھی مارکوئس کو سنا دی۔

مارکوئس مالدار تو بہت تھا مگر خبیس بالکل نہیں تھا۔ ادھر پی رار نے مقدمے کے سلسلے میں جو خط و کتابت کی تھی اس کا ڈاک کا خرچ تک مارکوئس سے نہیں لیا تھا۔ چنانچہ مارکوئس نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر پادری کے خاص شاگرد کو پانچ سو فرانک بھیج دیئے۔

روپیہ کے ساتھ جو خط آیا تھا وہ مارکوئس نے خود اپنے ہاتھ سے لکھا تھا اس پر اُسے پادری کا خیال آنے لگا۔

ایک دن پادری کو ایک رقعہ ملا جس میں درخواست کی گئی تھی کہ بساں سوں کے باہر ایک سرائے میں فوراً پہنچیے، بہت ضروری کام ہے۔ وہاں موسیو دلاموِل کا خادم اُس کے انتظار میں بیٹھا تھا۔

"نواب صاحب نے آپ کے لئے اپنی گاڑی بھجوائی ہے۔" خادم نے کہا۔ "انہیں امید ہے کہ یہ خط پڑھنے کے بعد آپ، چار پانچ دن کے اندر پیرس جا سکیں گے۔ آپ فرما دیجیئے کہ کس دن چلنا ہے۔ میں اس دوران میں نواب صاحب کی ریاست تک ہو آؤں گا۔ پھر جس دن آپ فرمائیں گے۔ ہم پیرس روانہ ہو جائیں گے۔"

خط بالکل مختصر تھا ــــ

"ان قصباتی جھگڑوں سے پیچھا چھڑائیے اور آکے پیرس کی پُرسکون فضا میں سانس لیجئے۔ میں اپنی گاڑی بھیج رہا ہوں جو چار دن تک ٹھیری رہے گی۔ اس عرصے میں آپ فیصلہ کر لیجئے۔ میں خود پیرس میں منگل تک آپ کا انتظار

کروں گا۔ پیرس کے قریب ایک بہت اچھے علاقے میں پادری کی جگہ خالی ہے۔ آپ کے بس ہاں کرنے کی دیر ہے۔ میں آپ کی طرف سے یہ جگہ قبول کر لوں گا۔ اس علاقے کے سب سے مالدار آدمی نے آپ کو دیکھا تو نہیں، مگر آپ اندازہ نہیں کر سکتے کہ اسے آپ سے کتنی عقیدت ہے۔ اس کا نام مارکوئس، لاموَل ہے۔"

پادری پی رار پندرہ سال سے اس دارالعلوم کی خدمت کر رہا تھا۔ یہاں اس کے دشمن بھرے پڑے تھے۔ مگر اسے خود معلوم نہیں تھا کہ مجھے اس جگہ سے کتنی محبت ہو گئی ہے۔ موسیو دلاموَل کا خط اس کے لئے بالکل ایسا تھا جیسے کوئی تکلیف دہ مگر ضروری آپریشن کرنے کے لئے ڈاکٹر آ جائے۔ اس کی برطرفی یقینی تھی۔ اس نے مارکوئس کے خادم کو تین دن بعد بلایا۔

تذبذب کی وجہ سے پادری پی رار نے اگلے اڑتالیس گھنٹے بخار کی سی حالت میں گزارے۔ آخر اس نے موسیو دلاموَل کو خط لکھ ہی دیا اور ایک دوسرا خط اسقف کے نام لکھا جو کچھ طویل تو ضرور تھا، مگر کلیسائی اندازِ بیان کا شاہکار تھا۔ خط کی زبان ایسی بے داغ تھی اور اس سے اتنا پُرخلوص احترام ٹپکتا تھا جس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ مگر اس کے باوجود خط کا مقصد یہ تھا کہ موسیو فری آلیر کو اپنے سرپرست کے ساتھ ایک بڑا صبر آزما گھنٹہ گزارنا پڑے۔ پی رار نے اپنی شکایت کے سارے اسباب ایک ایک کر کے گنوائے تھے اور بتایا تھا کہ یہ لوگ کس طرح میرے چٹکیاں لیتے رہے ہیں، چھ سال تک تو میں نے صبر سے کام لیا۔ مگر اب تنگ آ کے استعفےٰ دے رہا ہوں۔

ان لوگوں نے اس کے گودام سے لکڑی چرائی تھی، اس کے کتے کو زہر

دیا تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔

یہ خط لکھ کر اس نے آدمی بھیجا کہ ژولیاں کو جگا کے لائے جو دوسرے طالب علموں کی طرح شام کے آٹھ بجے ہی سو گیا تھا۔

"تمہیں معلوم ہے نا کہ اُسقف کا محل کہاں ہے؟" اس نے بڑی نفیس لاطینی میں ژولیاں سے کہا۔ "یہ خط وہاں لے جاؤ۔ میں تم سے یہ بات نہیں چھپاؤں گا کہ میں تمہیں بھیڑیوں کے درمیان بھیج رہا ہوں۔ اپنے کان اور آنکھیں کھلی رکھنا جو بات بھی کہو اس میں ذرا دروغ بافی نہ ہو۔ لیکن یہ بھی یاد رکھنا کہ جو آدمی تم سے سوالات پوچھے گا۔ اُسے تمہیں نقصان پہنچانے میں بڑا مزا آئے گا۔ بیٹے مجھے خوشی ہے کہ میرے جانے سے پہلے تمہیں یہ تجربہ حاصل ہو جائے گا۔ کیونکہ میں یہ بات بھی نہیں چھپاؤں گا کہ تم جو خط لے جا رہے ہو وہ دراصل میرا استعفیٰ ہے۔"

ژولیاں کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔ اسے پادری پی رار سے ایک لگاؤ سا ہو گیا تھا۔ اس کی عاقبت بینی نے اسے بہت سمجھایا کہ "اس شریف آدمی کے جانے کے بعد دوسری پارٹی تمہیں برطرف کر دے گی بلکہ شاید یہاں سے نکال ہی دے۔" مگر اس وقت ژولیاں سے اپنے بارے میں سوچا ہی نہ جا رہا تھا۔

وہ بوکھلا اس وجہ سے گیا تھا کہ وہ ایک بات ذرا شائستگی کے ساتھ کہنا چاہتا تھا مگر اس وقت دماغ قابو میں ہی نہ رہا تھا۔

"کیوں بھئی، جلتے کیوں نہیں؟"

"جی، دیکھیے۔" ژولیاں نے شرما شرما کر کہنا شروع کیا۔ "آپ یہاں اتنے عرصے تک نگراں رہے لیکن آپ نے پس انداز کچھ بھی نہیں کیا۔ میرے

پاس چھ سو فرانک ہیں۔"

آنسوؤں کے مارے اس سے آگے نہ بولا جا سکا۔

"یہ بات بھی میرے نامۂ اعمال میں لکھ لی جائے گی۔" دارالعلوم کے معتمد نگراں نے بے اعتنائی سے کہا۔ "اب تم جاؤ۔ دیر ہو رہی ہے۔"

اتفاق ایسا ہوا کہ اس روز اُسقف کے دیوان خانے میں پادری فری آلبیر بیٹھا تھا اور اسقف ناظم کے یہاں دعوت میں گیا ہوا تھا۔ چنانچہ ژولیاں نے خط خود فری آلبیر کے ہاتھ میں جا دیا۔ لیکن اُسے معلوم نہیں تھا کہ یہ ہے کون۔

ژولیاں کو یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ پادری نے اُسقف کے نام کا خط بے دھڑک کھول لیا۔ پادری کے حسین چہرے پر تعجب اور خوشی کے ملے جلے آثار ہویدا ہو گئے اور اس کی سنجیدگی بڑھ گئی۔ ژولیاں کو اس کی حسین شکل دیکھ کر ایسی حیرت ہوئی کہ جب پادری خط پڑھ رہا تھا تو وہ غور سے اس کا جائزہ لینے لگا۔ یہ چہرہ اس قسم کا تھا کہ اگر بعض خطوط سے انتہائی ہوشیاری نہ ٹپک رہی ہوتی تو اور بھی سنجیدہ لگتا اور اگر اس حسین چہرے کا مالک ایک لمحے کے لئے بھی اس پر قابو رکھنے سے غافل ہو جاتا تو واقعی بے ایمانی برسنے لگتی۔ اس کی ناک بہت نمایاں اور بالکل خطِ مستقیم کی طرح تھی۔ پہلو کی طرف سے تو اس کا چہرہ نہایت شاندار معلوم ہوتا تھا، لیکن بدقسمتی سے اس ناک نے بالکل لومڑی سے مشابہت پیدا کر دی تھی۔ اس کے علاوہ یہ پادری جو موسیو پی راآ کے استعفا سے اتنی دلچسپی لے رہا تھا۔ بڑے نفیس کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ یہ چیز ژولیاں کو بہت پسند آئی، کیونکہ اس نے یہ بات کسی پادری میں نہیں دیکھی تھی۔

کہیں بعد میں جاکر ژولیاں کو پتا چلا کہ پادری فری لیٹر میں اصلی ہنر کیا ہے۔ وہ اپنے اسقف کو خوش رکھنا جانتا تھا۔ یہ اسقف ایک خوش طبع بڈھا آدمی تھا جو پیرس میں رہنے کے لیے بنا تھا اور جس کے لیے بساں سوں میں رہنا جلاوطنی کے برابر تھا۔ اس کی آنکھیں بہت کمزور تھیں اور اسے مچھلی کا بے انتہا شوق تھا۔ جب اس کے سامنے مچھلی آتی تو پادری فری لیٹر کانٹے چن کر نکال دیا کرتا۔

پادری خط کو دوبارہ پڑھنے لگا۔ ژولیاں خاموشی سے اس کی طرف تک رہا تھا کہ دروازہ ایک دم سے کھلا۔ ایک زرق برق وردی میں ملبوس خادم کمرے میں آیا اور جلدی سے گزر گیا۔ ژولیاں کو مڑ کر دروازے کی طرف دیکھنے کا وقت مشکل ہی سے ملا۔ اسے ایک پستہ قد بڈھا نظر آیا جس کے گلے میں اسقف والی صلیب پڑی تھی۔ وہ گھٹنوں کے بل جھک گیا۔ اسقف نے بڑی شفقت کے ساتھ مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور کمرے میں سے گزرا چلا گیا۔ حسین پادری بھی اس کے پیچھے پیچھے چل دیا۔ ژولیاں کمرے میں اکیلا رہ گیا اور بڑی فرصت کے ساتھ اس دیندارانہ ٹھاٹ باٹ کا نظارہ کرنے لگا۔

بساں سوں کا اسقف بڑے مضبوط کردار کا آدمی تھا۔ وہ جلاوطنی کی آزمائشوں سے گزر چکا تھا، مگر اس کی ہمت میں فرق نہیں آیا تھا۔ اس کی عمر پچھتر سال تھی، مگر اسے اس بات کی ذرا بھی پروا نہ تھی کہ اگلے دس سال میں کیا ہونے والا ہے۔

"شاید کمرے میں سے گزرتے ہوئے مجھے ایک طالب علم نظر آیا تھا جو صورت سے کچھ چالاک سا لگتا ہے۔ یہ کون ہے؟" اسقف نے کہا۔ "میں نے کیا یہ حکم نہیں دے رکھا کہ اس وقت سب طالب علم سو جائیں؟"

"حضور، میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ لڑکا اس وقت بالکل بیدار ہے، اور بڑی زبردست خبر لے کے آیا ہے۔ آپ کے علاقے میں بس ایک ہی استثنیٰ رہ گیا تھا، اس کا بھی استعفیٰ آ گیا۔ آخر وہ خوفناک شخص پادری پی رار استعفے کا مطلب سمجھ ہی گیا۔"

اُسقف نے شرارت سے ہنس کر کہا ___ "خیر، میں شرط بدتا ہوں کہ تم اس جگہ کے لئے اُس کے مقابلے کا آدمی لا کے دکھاؤ اور تمہیں یہ دکھانے کے لئے کہ وہ آدمی کس غضب کا ہے، میں اُسے کل اپنے ساتھ کھانا کھانے کے لئے بلاتا ہوں۔"

پادری نے چاہا کہ نئے آدمی کے تقرر کے سلسلے میں پیچھے سے ایک آدھ بات کہہ دے۔ مگر اُسقف کا جی اس وقت کاروباری باتیں کرنے کو نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ بولا ___

"نئے آدمی کو لانے سے پہلے یہ تو معلوم کرنا چاہئے کہ یہ کیوں جا رہا ہے۔ اُس طالب علم کو یہاں لاؤ۔ بچوں کی باتوں میں صداقت ہوتی ہے۔"

ژولیاں کی طلبی ہوئی۔ اس نے دل میں کہا۔ "اب دو دو محتسب مجھے گھیریں گے۔" اس سے زیادہ ہمت اس نے اپنے اندر کبھی محسوس نہیں کی تھی۔

ژولیاں اندر داخل ہوا تو دو لمبے تڑنگے خادم جو موسیو والنو سے بھی اچھا لباس پہنے ہوئے تھے، اُسقف کے کپڑے اتار رہے تھے۔ اُسقف نے موسیو پی رار کا ذکر چھیڑنے سے پہلے مناسب سمجھا کہ ژولیاں سے اس کی پڑھائی کے بارے میں پوچھے۔ پہلے تو اس نے دو ایک سوال عقائد کے بارے میں کئے

اور اسے بڑی حیرانی ہوئی۔ پھر اس نے ورجل، ہوریس، کی کیرو وغیرہ لاطینی مصنفین کی طرف رُخ کیا۔ ژدلیاں نے سوچا — "انہیں لوگوں کی وجہ سے میں ۱۹۸ نمبر پہ آیا ہوں۔ اب اس سے زیادہ میرا کیا نقصان ہوگا؟ لاؤ میں اپنے جوہر ہی دکھاؤں۔" وہ بہت کامیاب رہا۔ اسقف لاطینی ادب کا بڑا اچھا عالم تھا۔ وہ مسحور ہو کے رہ گیا۔

ناظم کے یہاں دعوت میں ایک لڑکی نے جو واقعی جائز طور پر مشہور تھی، ایک نظم ترنم سے سُنائی تھی۔ اُسقف کا جی چاہ رہا تھا کہ ادبی گفتگو ہو۔ چنانچہ وہ پادری پی رار وغیرہ سب کو بھول کر طالب علم سے اس اہم مسئلے پر بحث کرنے لگا کہ ہوریس امیر تھا یا غریب۔ پادری نے کئی نظموں کے ٹکڑے سُنائے۔ لیکن بعض وقت اس کا حافظہ کام نہ کرتا اور ژدلیاں بڑے انکسار کے ساتھ فوراً ساری نظم فر فر سُنا ڈالتا۔ اُسقف پر جس چیز کا خاص اثر ہوا، وہ یہ تھی کہ ساری گفتگو میں ژدلیاں کا لہجہ ایک سا ہی رہا۔ اس نے بیس یا تیس لاطینی نظمیں اس طرح سُنائیں جیسے یہ بتا رہا ہو کہ دارالعلوم میں کیا کیا ہوتا ہے۔ اب ورجل اور کی کیرو پر ایک طویل بحث چھڑ گئی۔ آخر اُسقف سے نہ رہا گیا، اور اس نے طالب علم کی تعریف میں ایک جملہ کہہ ہی دیا۔

"اس سے اچھا مطالعہ ہونا ممکن نہیں۔"

ژدلیاں نے کہا — "حضور، آپ کے دارالعلوم میں تو ۱۹۷ آدمی ایسے موجود ہیں جو اس اعزاز کے مجھ سے زیادہ مستحق ہیں۔"

"یہ کیسے؟" اُسقف نے ان اعداد و شمار پر متعجب ہو کے پوچھا۔

"میں نے حضور کی خدمت میں جو کچھ عرض کیا ہے۔ میں اس کا سرکاری ثبوت پیش کر سکتا ہوں۔

"جن موضوعات کے سلسلے میں اس وقت حضور نے میری تعریف فرمائی ہے۔ سالانہ امتحان میں بھی انہیں کے متعلق سوالات ہوئے تھے اور میرا ۱۹۸ نمبر آیا۔"

"او ہو، یہ تو پادری پی رار کا آدمی ہے۔" اُسقف نے قہقہہ لگا کر موسیو فری آبیر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس کی تو ہمیں پہلے سے توقع ہونی چاہئے تھی مگر یہ تو انصاف کی بات ہے۔" پھر ژولیاں سے مخاطب ہوا۔ "یہ بات ہے کہ نہیں کہ تمہیں سوتے سے جگا کر یہاں بھیجا گیا ہے؟"

"جی، حضور۔ میں دار العلوم سے بس ایک دفعہ اکیلا باہر نکلا ہوں، اور وہ بھی تہوار کے دن بڑے گرجا کو سجانے میں موسیو شاس برنار کی مدد کرنے کے لئے۔"

اُسقف بولا۔ "اچھا تو یہ ہمت تمہیں نے کی تھی کہ پردوں کا گچھا قربان گاہ کے اوپر رکھ دیا؟ ہر سال میں ڈر کے مارے کانپنے لگتا ہوں۔ مجھے ہمیشہ یہ خوف رہتا ہے کہ کسی آدمی کی جان نہ ضائع ہو۔ دوست، تم بہت ترقی کرو گے۔ تمہاری زندگی بڑی شاندار ہو گی۔ میں نہیں چاہتا کہ بھوک کے ہاتھوں اسے یہیں کے یہیں ختم ہو جانے دوں۔"

اُسقف کے حکم سے ملازم بسکٹ اور شراب لائے۔ ژولیاں نے خوب خوب ہاتھ دکھلائے اور اس سے بھی زیادہ پادری فری آبیر نے جسے معلوم تھا کہ

میرا اُسقف آدمی کو پوری رغبت سے اور ہنسی خوشی کے ساتھ کھاتا دیکھ کر خود بھی بہت خوش ہوتا ہے۔

اس کی شام جس طرح گذر رہی تھی اس سے اسقف اتنا مطمئن ہوتا چلا گیا کہ وہ تھوڑی دیر کے لئے کلیسا کی تاریخ کی باتیں کرنے لگا۔ اس نے دیکھا کہ ژودلیاں کچھ سمجھ ہی نہیں رہا۔ اب کونسٹنٹائن کے دور کے شہنشاہوں کے ماتحت رومی سلطنت کی اخلاقی حالت بیان ہونی شروع ہوئی۔ کفر کے آخری زمانے میں ذہنی بےچینی اور تشکیک پیدا ہو گئی تھی جو انیسویں صدی میں افسردہ اور تھکی ماندی روحوں کو پریشان کئے ہوئے ہے۔ اُسقف نے دیکھا کہ معلوم ہوتا ہے ژودلیاں تو طےسی ٹس کا نام تک نہیں جانتا۔

ژودلیاں نے بھولے پن سے جواب دیا کہ دارالعلوم کے کتب خانے میں اس مصنف کی کوئی کتاب نہیں۔ اس پر اُسقف کو بڑا تعجب ہوا۔

"یہ سن کر مجھے بڑی خوشی ہوئی۔" اُسقف نے کھل کھلا کر ہنستے ہوئے کہا۔ "تم نے میری مشکل دور کر دی۔ تمہارے ساتھ میری شام بڑی اچھی گذری، اب مجھے اس کی ذرا امید نہ تھی۔ مجھے کیا خبر تھی کہ میرے دارالعلوم کا ایک طالب علم تو اچھا خاصا عالم فاضل نکلے گا؟ دس منٹ سے میں یہی سوچ رہا ہوں کہ تمہارا شکریہ کیسے ادا کروں۔ یہ تحفہ یادہ دنوں کا ساتھ نہیں، مگر میں تمہیں طےسی ٹس کی کتابیں دینا چاہتا ہوں۔"

اُسقف نے آٹھ بڑی خوبصورت جلدوالی کتابیں منگوائیں اور اصرار کے ساتھ پہلی کتاب کے سرورق پر لاطینی میں ایک جملہ ژودلیاں کی تعریف میں لکھا۔ اسقف

کو لاطینی زبان سے اپنی واقفیت پر بڑا ناز تھا۔ آخر میں اس نے ژولیاں سے کہا اور ایک ایسے سنجیدہ لہجے میں جو باقی گفتگو کے لہجے سے بالکل مختلف تھا۔

"لڑکے، دیکھو اگر تم نے عقلمندی سے کام لیا تو ایک دن تم بڑے اچھے علاقے کے پادری ہو گے اور یہ جگہ میرے محل سے ڈیڑھ سو دو سو میل سے زیادہ دور نہیں ہو گی۔ مگر شرط یہی ہے کہ تم عقل مندی سے کام لو۔"

جب آدھی رات کا گھنٹہ بج رہا تھا تو ژولیاں کتابیں لادے، حیران و پریشان محل سے روانہ ہوا۔

اُسقف نے پادری پی رار کے بارے میں ایک لفظ بھی نہ کہا تھا۔ ژولیاں کو سب سے زیادہ تعجب اس بات پر ہوا کہ اُسقف اس کے ساتھ بڑے اخلاق سے پیش آیا۔ اُسے کبھی خیال بھی نہ آیا تھا کہ ایسے نظری وقار کے ساتھ ایسی شائستگی بھی مل سکتی ہے۔ جب وہ دوبارہ اس گمبھیر پادری پی رار کے سامنے پہنچا تو اسے یہ تضاد بہت کھٹکا۔ پی رار اس کے انتظار میں تھا اور اس کی بے چینی لمحہ بہ لمحہ بڑھتی جا رہی تھی۔

جیسے ہی ژولیاں نظر آیا۔ اس نے لاطینی میں زور سے چلا کے پوچھا: "ان لوگوں نے تم سے کیا کہا؟"

پھر جب ژولیاں کو اُسقف کی گفتگو کا لاطینی ترجمہ پیش کرنے میں دشواری ہوئی تو دارالعلوم کا معتوب نگران اپنے سخت لہجے میں اور بہت ہی ناشائستہ انداز سے بولا۔

"فرانسیسی بولو، اور اُسقف کے الفاظ دہراؤ۔ اپنی طرف سے نہ کچھ گھٹاؤ

نہ کچھ بڑھاؤ۔"

"ایک اسقف کی طرف سے ایک نوجوان کو کتنا عجیب تحفہ ملا ہے۔" اس نے ان خوبصورت کتابوں کے ورق اُلٹتے ہوئے کہا۔ جن کے ملمع شدہ کنارے دیکھ کر شاید اسے گھن آ رہی تھی۔

اس نے جب تک ایک ایک بات مفصل طور سے نہ سُن لی اپنے شاگرد کو سونے کے لئے نہ جانے دیا۔ ژولیاں کو دو بجے چھٹکارا ملا۔

"ٹے سی ٹس کی پہلی جلد میرے پاس چھوڑتے جاؤ جس پر اسقف نے کچھ لکھا ہے۔" وہ ژولیاں سے بولا۔ "میرے جانے کے بعد یہاں تمہیں خطرات سے یہی لاطینی کی سطر بچائے گی —— بیٹے، میرا جانشین تمہارے لئے ایسا ہوگا جیسے کوئی شیر اپنا شکار ڈھونڈتا ہو۔"

اگلے دن صبح کو ژولیاں نے دیکھا کہ میرے ساتھی مجھ سے کچھ عجیب ہی طرح بات کرتے ہیں۔ یہ دیکھ کر وہ ان سے دُور دُور پھرنے لگا۔ اس نے سوچا —— "یہ موسیو پی رار کے استعفےٰ کا اثر ہے۔ سب لوگوں کو پتا چل چکا ہے اور وہ مجھے ان کا محبوب شاگرد سمجھتے ہیں۔ ایسا انداز اختیار کرنے کا مطلب یہی ہے کہ وہ میری توہین کرنا چاہتے ہیں۔" مگر اسے یہ توہین کہیں نظر نہ آئی۔ اس کے برخلاف سونے کے کمروں میں اُسے جتنے آدمی ملے سب کی آنکھوں میں نفرت کا نشان تک نہ تھا "اس کا کیا مطلب ہے؟ ضرور ان لوگوں نے کوئی جال بچھایا ہے۔ اب تو ہم ہیں ٹھن گئی۔" آخر ویریئیر کے نوجوان طالب علم نے ہنس کر اس سے کہا —— "یہ سب ٹے سی ٹس کی مکمل تصنیفات کی کرامات ہے۔"

یہ بات اوروں نے بھی سُن لی اور سب کے سب ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ژرولیاں کو مبارک باد دینے لگے۔ صرف اس شاندار تحفے پر ہی نہیں بلکہ اسقف سے دو گھنٹے باتیں کرنے کے اعزاز پر بھی۔ اس گفتگو کی چھوٹی چھوٹی تفصیلات تک لوگوں کو معلوم تھیں۔ اب رشک وحسد بالکل ختم ہو گیا۔ ہر آدمی عاجزی اور انکساری سے پیش آنے لگا۔ پادری کا نمائندہ جو کل تک ژرولیاں سے اتنی بدتمیزی برتتا تھا۔ اب آیا اور اس کا بازو پکڑ کر دوپہر کے کھانے کی دعوت دی۔

ژرولیاں کے کردار میں ایک عجیب کمزوری تھی۔ اُن اجڈ لوگوں کی بدتمیزی تو اسے بہت گراں گذرتی تھی۔ مگر اُن کی عاجزی دیکھ کر اُسے ذرا خوشی نہ ہوتی، اُلٹی گھن آتی۔

دوپہر کے قریب پادری پی رار اپنے شاگردوں سے رخصت ہوا، مگر پہلے ایک بہت سخت وعظ کہا۔ وہ بولا — "تم کیا چاہتے ہو؟ اس دنیا کی عزت؟ سماجی رتبہ؟ لوگوں پر حکم چلانے کی لذت؟ قانون کی خلاف ورزی کرنے اور سب آدمیوں سے بدتمیزی کے ساتھ پیش آنے کی آزادی؟ یا پھر تمہیں واقعی دائمی نجات درکار ہے؟ تم میں جاہل سے جاہل آدمی بھی اگر آنکھیں کھول کے دیکھے گا تو ان دونوں راستوں کا فرق صاف نظر آجائے گا۔"

اس کے جاتے ہی جینزونسٹ فرقے کے لوگوں نے گرجا پہنچ کے اپنی مخصوص مناجات شروع کر دی۔ دارالعلوم میں کسی نے پرانے نگران کے وعظ کو ذرا اہمیت بھی نہ دی۔ لوگ ہر طرف یہی کہہ رہے تھے — "انہیں تو اپنی برطرفی پر جھنجلاہٹ ہو رہی ہے۔" ایک طالب علم بھی اتنا سادہ دل نہیں تھا کہ اس بات پر یقین لے آئے

کہ کوئی آدمی جان بوجھ کر ایسی ملازمت چھوڑ سکتا ہے جہاں بڑے بڑے ٹھیکیداروں سے تعلقات قائم کرنے کے بیسیوں موقعے ملتے ہیں۔

پادری پی رآر بساں سوں کی بہترین سرائے میں جا ٹھیرا۔ اس کا ارادہ تھا کہ کسی ذاتی کام کے بہانے وہ ایک دن یہاں رہوں گا۔

اُسقف نے پادری فری آلیئر کو تنگ کرنے کے لئے اسے کھانے پر بلایا اور یہ کوشش کی کہ خوب چمکے۔ نقل کے دوران میں پیرس سے یہ عجیب و غریب خبر آئی کہ پی رآر دارالسلطنت سے تھوڑی دُور کے فاصلے پر ن ــــ کے نفیس علاقے کا پادری مقرر ہو گیا ہے۔ نیک دل اسقف نے خلوص کے ساتھ اسے مبارک باد دی۔ اس سارے معاملے میں اُسے ایک زبردست چال نظر آئی جس سے وہ بہت خوش ہوا اور اس نے پی رآر کی صلاحیتوں کے بارے میں بڑی اچھی رائے قائم کی اور اس نے پادری کو لاطینی میں بڑی شاندار سند لکھ کے دی، اور جب فری آلیئر نے کچھ اعتراض کرنا چاہا تو اسے خاموش کر دیا۔

اس روز شام کو اُسقف نے بیگم وردباں پرے کے دیوان خانے میں بھی پی رآر کے گُن گائے۔ بساں سوں کے اونچے طبقوں میں اس خبر کا بڑا چرچا ہوا۔ لوگ اس فکر میں پڑ گئے کہ آخر اس غیر معمولی عنایت کے کیا معنی ہیں۔ انہوں نے طے کر لیا کہ پی رآر اب اسقف ہوا چاہتا ہے۔ جو لوگ ذرا تیز طبع تھے انہوں نے یہاں تک فرض کر لیا کہ موسیو دلامول وزیر ہو گیا ہے اور شام کے وقت مجلس میں پادری فری آلیئر کے تحکمانہ انداز پر خوب مسکرائے۔

اگلے دن صبح کو لوگ سڑکوں پر پادری پی رآر کے پیچھے پیچھے پھر رہے تھے

اور جب وہ مارکوئس کے ججوں سے ملنے گیا تو دکان دار اپنی دکانوں کے دروازے میں آ کھڑے ہوئے۔ جج اس کے ساتھ پہلی مرتبہ اخلاق سے پیش آئے۔ اس نے اپنے چاروں طرف جو کچھ دیکھا اس پر سخت گیر ژاں سینسنت کو بڑا غصہ آیا۔ اس نے مارکوئس دلاموَل کے لیے جو وکیل انتخاب کیا تھا، اس کے ساتھ بہت دیر تک کام کرتا رہا اور پھر پیرس روانہ ہو گیا۔ اس کے دو تین پرانے دوست اسے گاڑی تک پہنچانے آئے اور گاڑی پر مارکوئس کا جو خاندانی نشان بنا ہوا تھا کھڑے ہو کے اسے پھٹی پھٹی نظروں سے دیکھنے لگے۔ پی تار نے اپنی بے وقوفی میں اُن سے یہ کہہ دیا کہ پندرہ سال تک دارالعلوم کا انتظام کرنے کے بعد میں شہر سے پانچ سو بیس فرانک لے کر جا رہا ہوں، یہی میرا کُل سرمایہ ہے۔ ان دوستوں نے آنکھوں میں آنسو لا کے پادری کو گلے لگا لیا اور پھر آپس میں کہنے لگے۔ "پادری کو یہ جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی۔ بالکل مہمل بات ہے۔"

عام لوگ روپیہ کی محبت میں اندھے ہوتے ہیں۔ اُن میں یہ بات سمجھنے کی اہلیت نہیں تھی کہ پی تار کے خلوص نے اسے یہ ہمت بخشی تھی کہ وہ چھ سال تک جینسنسٹ لوگوں اور اپنے اُسقف کے خلاف تنِ تنہا لڑتا رہا۔

تیسواں باب

حوصلے

نوابوں کے طبقے میں بس ایک خطاب کی وقعت باقی رہ گئی ہے یعنی ڈیوک کے خطاب کی۔ مارکوئس تو مہمل بات ہے۔ لیکن ڈیوک کا لفظ سنتے ہی لوگ سر پھرا کر دیکھنے لگتے ہیں۔

ایڈنبرا ریویو

پادری کو مارکوئس کے رئیسانہ انداز اور اس کی زندہ دلی دیکھ کر تعجب سا ہوا۔ بہرحال اس مستقبل کے وزیر نے اس کا خیر مقدم رئیسوں کی سی آن چھوٹی چھوٹی اداؤں کے ساتھ نہیں کیا جو ظاہر میں تو بڑی شائستہ ہوتی ہیں۔ لیکن جو لوگ اُن کا مطلب سمجھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ ان میں کتنی بدتمیزی چھپی ہوتی ہے۔ ان باتوں میں فضول وقت ضائع ہوتا اور مارکوئس سیاست میں اتنا الجھا ہوا تھا کہ اس کے پاس فالتو وقت تھا ہی نہیں۔

چھ مہینے سے وہ اس سازش میں لگا ہوا تھا کہ بادشاہ اور قوم دونوں ایک خاص وزارت قبول کرلیں جو شکر گزاری کے طور پر اسے ڈیوک بنا دے گی۔

مارکوتس اپنے بساں سوں والے وکیل سے ہر سال یہی کہتا تھا کہ میرے مقدمے کے بارے میں صحیح اور واضح اطلاع پیش کرو۔ لیکن جب بات بچارے وکیل ہی کی سمجھ میں نہیں آتی تھی تو وہ اسے کیا بتاتا؟

پادری نے اسے کاغذ کا ایک چھوٹا سا پرزہ دیا جس سے ہر بات صاف ہو گئی۔

مارکوتس نے ذاتی استفسارات اور تمام رسمی باتیں پانچ منٹ کے اندر اندر ختم کر دیں۔ پھر کہنے لگا ــــ " پادری صاحب! اپنی مفروضہ دولت کے باوجود میرے پاس اتنا وقت نہیں کہ دو چھوٹی سی باتوں کی طرف سنجیدگی سے توجہ کر سکوں جو بہر حال خاصی اہم ہیں۔ یعنی میرا خاندان اور میرے معاملات۔ مجھے اپنے خاندان کی ترقی سے بڑی دلچسپی ہے۔ امید ہے میں اس سلسلے میں بہت کچھ کر سکوں گا۔ پھر میں اپنے عیش و آرام کا بھی بہت خیال رکھتا ہوں۔ یہ چیز سب سے پہلے آتی ہے ــــ کم سے کم میری نظروں میں "۔ پادری کی نظروں میں حیرانی کی جھلک دیکھ کر اس نے تصریح کی۔ پادری حالانکہ سمجھدار آدمی تھا لیکن ایک بڈھے کو اپنے عیش و آرام کا ذکر اس طرح کھلم کھلا کرتے دیکھ کر اُسے تعجب سا ہوا۔

" پیرس میں بھی لوگ کام کرتے ہیں، مگر وہ لوگ جو پانچویں منزل پر ٹوٹے پھوٹے کمروں میں رہتے ہیں "۔ ریس کہہ رہا تھا " جس آدمی سے میری ملاقات ہوتی ہے تھوڑے دن بعد دیکھتا ہوں تو دوسری منزل پر آ گیا اور اس کی بیوی نے ٹھاٹ باٹ شروع کر دیے۔ اس کے بعد جو کام ہوتا ہے، جتنی کوشش ہوتی ہے، سب اس لیے کہ فیشن ایبل بن جائیں یا کم سے کم نظر آئیں۔ روٹی کا ٹھکانہ ہوا

اور بس ان باتوں کی سوجھی۔

"آمدم برسرِ مطلب، اپنے مقدموں کے لئے، اور الگ الگ ہر مقدمے کے لئے بھی میں وکیل رکھتا ہوں جو کام کرتے کرتے مر جاتے ہیں۔ ایک آدمی تو پرسوں ہی تپ دق سے مرا ہے۔ لیکن آپ یقین کیجئے کہ اپنے عام کاروبار کے لئے تو میں نے پچھلے تین سال سے ایسا آدمی ملنے کی اُمید ہی چھوڑ دی ہے جو حساب کتاب وغیرہ لکھتے ہوئے یہ بھی خیال رکھے کہ میں کر کیا رہا ہوں۔ بہرحال یہ تو تمہید تھی۔

"میرے دل میں آپ کی عزت ہے اور حالانکہ ہم آج پہلی دفعہ ملے ہیں لیکن مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ آپ مجھے پسند آئے۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو میرے سیکرٹری بن جائیے۔ میں آٹھ ہزار فرانک بلکہ اس سے بھی دُگنی تنخواہ دینے کو تیار ہوں۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ آپ کے آنے سے میرا اس سے بھی زیادہ فائدہ ہوگا۔ وہ پادری کی جگہ میں آپ کے لئے خالی رکھوں گا۔ اگر کبھی ہمارے درمیان مفاہمت قائم نہ رہ سکی تو آپ وہاں جا سکتے ہیں۔"

پادری نے انکار کر دیا، مگر گفتگو کے آخر میں مارکوئس کی حقیقی پریشانی دیکھ کر ایک بات سُوجھی، اور وہ کہنے لگا۔

"میں دارالعلوم میں ایک غریب نوجوان کو چھوڑ کے آیا ہوں۔ اگر میں غلطی نہیں کرتا تو وہاں لوگ اس پر بڑا ظلم ڈھائیں گے۔ اگر وہ سیدھا سادہ مذہبی قسم کا آدمی ہوتا تو اب تک اس نے خاصی ترقی کر لی ہوتی۔

"فی الحال یہ لڑکا صرف لاطینی اور انجیل جانتا ہے۔ لیکن یہ بات بالکل ممکن ہے کہ ایک دن اس کے جوہر کھلیں اور وہ بڑا اچھا واعظ بنے یا لوگوں کی روحانی

رہنمائی میں کمال حاصل کرے۔ پتا نہیں وہ کون سا راستہ اختیار کرے گا۔ مگر اس کے اندر وہ مقدس جذبہ موجود ہے اور وہ بڑی ترقی کر سکتا ہے۔ میرا خیال تھا کہ اگر کوئی ایسا اسقف آیا جو آپ کی طرح معاملہ فہم اور مردم شناس ہو تو اس نوجوان کو اس کی خدمت میں پیش کر دوں گا۔"

"یہ نوجوان ہے کہاں کا؟" مارکوئس نے کہا

"کہتے ہیں کہ کسی بڑھئی کا لڑکا ہے، اور یہیں پہاڑوں کا رہنے والا ہے۔ لیکن میرا تو خیال ہے کہ یہ کسی مالدار آدمی کی ناجائز اولاد ہے۔ اس کے پاس گمنام یا فرضی نام سے ایک خط آیا تھا جس میں پانچ سو فرانک کی ہنڈی رکھی تھی۔"

"اچھا تو ژولیاں سوریل ہے!" مارکوئس نے کہا۔

"آپ کو اس کا نام کیسے معلوم ہوا؟" پادری نے تعجب سے پوچھا۔ پھر جب وہ سوال پوچھ کر خود ہی شرما گیا تو مارکوئس نے جواب دیا۔ "یہ میں آپ کو نہیں بتاؤں گا۔"

"خیر! آپ اسے اپنا سیکرٹری بنا کے تو دیکھئے۔ اس میں کام کرنے کی ہمت بھی ہے، سمجھ بوجھ بھی اچھی ہے۔ غرض اُسے آزما کے تو دیکھنا چاہئے۔"

"کیوں نہیں؟" مارکوئس نے کہا۔ "لیکن کہیں وہ ایسا آدمی تو نہیں کہ ناظم یا کوئی اور اس کی مٹھی گرم کر دے اور وہ میری جاسوسی پہ تعینات ہو جائے۔ بس مجھے یہی ایک اعتراض ہے۔"

پادری نے اسے اطمینان دلایا تو اس نے ایک ہزار فرانک کا نوٹ نکال کر کہا۔ "ژولیاں سوریل کو سفر خرچ بھیج دیجئے اور اس سے کہئے کہ میرے پاس

آجائے"۔

"جی، آپ پیرس میں رہتے ہیں۔ اسی لئے آپ کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے۔ آپ کا مرتبہ اعلیٰ ہے، آپ کو خبر نہیں کہ ہم بچارے قصباتی لوگوں پر، خصوصاً جن پادریوں کے جینز وئٹ لوگوں سے اچھے تعلقات نہ ہوں۔ اُن پر کیا ظلم ٹوٹتا ہے۔ وہ لوگ کبھی ژدلیاں کو آنے کی اجازت نہیں دیں گے، پھر اپنے بچاؤ کے لئے ایک سے ایک نیا عذر تراشیں گے۔ وہاں سے جواب ملے گا کہ ژدلیاں بیمار ہے۔ ڈاک میں خط کھو گئے" وغیرہ، وغیرہ۔

"میں آج کل میں وزیر سے اُسقف کے نام خط لکھوا دوں گا"۔ مارکوئس نے کہا۔

"ایک بات تو میں بھول ہی گیا" پادری بولا "یہ لڑکا ہے تو معمولی درجے کا۔ مگر ہے بڑا مغرور۔ اگر اس کے پندار کو دھکا لگا تو آپ کو اپنے کاروبار میں اس سے ذرا مدد نہیں ملے گی۔ وہ بس بدھو بن کے رہ جائے گا"

"مجھے یہ بات پسند آئی" مارکوئس نے کہا "میں اسے اپنے بیٹے کی مصاحبت میں رکھ دوں گا۔ یہ ٹھیک رہے گا نا؟"

اس کے کچھ دن بعد ژدلیاں کو کسی نامعلوم آدمی کا لکھا ہوا خط ملا جس پر شالوں کی مہر تھی اور راندر بساں سوں کے ایک تاجر کے نام کی ہنڈی رکھی تھی۔ اسے ہدایت کی گئی تھی کہ فوراً پیرس روانہ ہو جائے۔ لکھنے والے کا نام تو فرضی تھا، مگر ژدلیاں نے خط کھولا تو وہ کانپ گیا۔ تیرھویں لفظ پر سیاہی کا بڑا سا دھبہ تھا۔ پی رار اور اُس کے درمیان یہ نشانی پہلے سے مقرر ہو گئی تھی۔

ایک گھنٹے کے اندر اندر اُسقف کے محل میں ژولیاں کی طلبی ہوئی۔ اور وہاں اس کا استقبال بڑی شفقت کے ساتھ ہوا۔ پیرس میں ژولیاں کو جو اونچا رتبہ حاصل ہونے والا تھا اس کے سلسلے میں اُسقف نے اس کی بڑی تعریفیں کیں، اور ساتھ ساتھ ہورِیس کے اشعار بھی پڑھتا گیا۔ ژولیاں نے شکریہ ادا کرنا چاہا، مگر ساتھ میں یہ بھی تو بتانا ضروری تھا کہ بات اصل میں کیا تھی۔ ژولیاں کچھ بھی نہ کہہ سکا، خاص طور سے اس لئے کہ اسے کچھ معلوم ہی نہ تھا، دوسرے یہ کہ اُسقف اس کے ساتھ بڑی تکریم سے پیش آ رہا تھا۔ محل کے ایک چھوٹے پادری نے میئر کے نام رقعہ لکھا، اور میئر بذاتِ خود پروانۂ راہداری لے کر آیا جس پر دستخط تو موجود تھے، مگر مسافر کے نام کی جگہ خالی تھی۔

آدھی رات سے پہلے ہی ژولیاں فُوکے کے پاس پہنچ گیا جس قسم کا مستقبل اس کے دوست کا منتظر تھا اس پر اس سنجیدہ مزاج آدمی کو خوشی تو ہوئی، مگر حیرت اس سے بھی زیادہ۔

آزاد خیال فُوکے بولا ــــ "تمہیں کوئی سرکاری ملازمت تو مل جائے گی، مگر نتیجہ یہ ہوگا کہ تم سے کوئی ایسی حرکت سرزد ہوگی جسے اخبار لے اڑیں گے۔ جب تمہاری بے عزتی ہوگی۔ اسی وقت مجھے تمہاری خبر ملے گی۔ یہ بات یاد رکھو کہ چاہے حکومت حضرت سلیمان ہی کی کیوں نہ ہو، مگر کسی حکومت سے چار ہزار فرانک پانے کی بہ نسبت مالی اعتبار سے بھی لکڑی کی تجارت جیسے ایماندارانہ پیشے میں سو لُوئی کمانا اچھا ہے، جہاں آدمی اپنی مرضی کا مالک تو ہوتا ہے۔"

ژولیاں کو اس بات میں ایک دیہاتی دماغ کے چھوٹے پن سے اور کچھ

زیادہ نظر نہ آیا۔ اب جا کے تو اسے عظیم واقعات کے میدان میں آنے کا موقع ملا تھا۔ اسے اسی بات میں مزا ملتا تھا کہ مواقع تو زیادہ ہوں اور یقین کم ہو۔ اس کے دماغ میں پیرس کا یہ تصور تھا کہ وہاں بڑے ذہین لوگ، بڑے بڑے سازشی اور بڑے بڑے ریاکار بستے ہیں۔ مگر وہ سب کے سب بساں سوں اور آگد کے اسقفوں سے زیادہ بااخلاق اور شائستہ ہیں۔ ایسی جگہ جانے کی امید کے سامنے اس کی نظروں میں ہر دوسری چیز ماند پڑ گئی۔ اس نے بڑی بے چارگی کے ساتھ اپنے دوست کو بتایا کہ پادری پی رار کا خط آنے کے بعد میں اپنی مرضی کا مالک نہیں رہا۔

اگلے دن دوپہر کے قریب وہ بڑا خوش خوش ویریئیر پہنچا۔ لسے مادام ور نیال سے دوبارہ ملنے کی امید تھی۔ پہلے تو وہ اپنے اصلی سرپرست نیک دل پادری شیلاں کے پاس گیا۔ وہاں اس کا خیر مقدم بڑی سختی کے ساتھ ہوا۔

"تمہیں اپنے اوپر میرا کوئی احسان ہے یا نہیں؟" موسیو شیلاں نے اس کے سلام کا جواب دیئے بغیر کہا۔ "تم میرے ساتھ کھانا کھاؤ۔ اس عرصے میں تمہارے لئے دوسرا گھوڑا کرائے کا کر دیا جائے گا اور پھر تم کسی سے ملے بغیر ویریئیر سے چل دو گے۔"

"آپ کے حکم کی تعمیل میرے اوپر فرض ہے۔" ژولیاں نے دینیات کے طالب علم کا سا سنجیدہ چہرہ بنا کر جواب دیا۔ اس کے بعد دینیات اور لاطینی کی تعلیم کے علاوہ کسی موضوع پر بات نہیں ہوئی۔

وہ گھوڑے پر سوار ہو کر روانہ ہو گیا۔ وہ چند میل آگے جا کر ... جنگل ملا۔ اسے

کوئی دیکھ نہیں رہا تھا، چنانچہ وہ جنگل میں جا کے چھپ گیا۔ سورج غروب ہونے کے وقت اس نے گھوڑا ایک کسان کے ہاتھ شہر کے قریب توبِن دروازے پر بھجوا دیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک مالی کے یہاں پہنچا اور اس سے ایک سیڑھی خریدی۔ مالی راضی ہو گیا کہ میں سیڑھی بڑی سڑک کے پاس والے جنگل تک پہنچا دوں گا۔

"یا تو تم فوج سے بھاگے ہو یا چوری کا مال بیچنے والے ہو۔" مالی نے اس سے رخصت ہوتے ہوئے کہا۔ "لیکن مجھے کیا؟ میری سیڑھی کے دام تو اچھے مل گئے پھر مجھے بھی تو اپنی عمر میں کئی دفعہ ایسی کھکیڑ اٹھانی پڑی ہے۔"

رات اندھیری تھی۔ ایک بجے کے قریب ژولیاں سیڑھی اٹھائے ویریئر میں داخل ہوا۔ جتنی جلدی ممکن ہو سکا وہ اس چشمے کے اندر اتر گیا جو موسیو ورنیال کے شاندار باغ میں سے ہو کر گزرتا تھا۔ اور جس کے دونوں طرف دیواریں تھیں۔ اپنی سیڑھی کی مدد سے ژولیاں بڑی آسانی سے پھر اوپر آ گیا۔ وہ سوچنے لگا ——
"کتے میرا استقبال کس طرح کریں گے؟ سارا سوال تو یہ ہے۔" کتے بھونکنے لگے اور اس کی طرف دوڑے۔ مگر اس نے ہلکے ہلکے سیٹی بجائی تو وہ آ کے اس کی ٹانگوں سے لپٹ گئے۔

حالانکہ پھاٹک بند تھے، مگر وہ باغ کے تختوں پر چڑھتا ہوا بغیر کسی دشواری کے ادھر ورنیال کی خواب گاہ کی کھڑکی کے نیچے جا پہنچا جو باغ کی طرف زمین سے کوئی نو، دس فٹ اونچی تھی۔

کواڑوں میں دل کی شکل کا ایک چھوٹا سا سوراخ تھا جس سے ژولیاں خوب واقف تھا۔ اسے یہ دیکھ کر بڑی مایوسی ہوئی کہ سوراخ میں سے، اندر کی روشنی

نہیں جھلک رہی تھی۔

"خدایا!" اس نے دل میں کہا "یہ آج ہی کی رات ہونا تھا کہ مادام درنیال اس کمرے میں نہ سوتیں! وہ ہے کس کمرے میں؟ آج سب لوگ ہیں تو دیر تیز ہی ہیں، کیونکہ کتے تو ابھی بولے تھے۔ لیکن اگر میں اس اندھیرے کمرے میں گیا تو ممکن ہے خود موسیو درنیال یا کسی اجنبی سے مڈبھیڑ ہو جائے پھر تو بڑا فضیحتا ہو گا!"

دور اندیشی کی بات تو یہ تھی کہ وہیں سے واپس ہو لے۔ مگر اس خیال سے نزولیاں کو دھکا سا لگا "اگر وہاں کوئی اجنبی ہوا تو میں اپنی سیڑھی چھوڑ چھاڑ کے بھاگ لوں گا۔ لیکن اگر وہ ہوئی تو مجھ سے کس طرح پیش آئے گی؟ یہ تو ٹھیک ہے کہ آج کل اسے ندامت اور دین داری کا دورہ پڑا ہے، لیکن پھر بھی وہ مجھے یاد تو کرتی ہے، ابھی تو اس نے مجھے خط لکھا تھا" یہ بات سوچ کر اس نے قطعی فیصلہ کر لیا۔

اس کا دل تو دھڑک رہا تھا، مگر وہ مصمم ارادہ کر چکا تھا کہ میں یا تو اس سے مل کے رہوں گا یا فنا ہو جاؤں گا۔ اس نے تھوڑی سی بجری اٹھا کر دروازے پر ماری۔ لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ اب اس نے کھڑکی کے پاس دیوار پر سیڑھی لگا کے خود کھٹکھٹایا۔ پہلے تو ہلکے ہلکے، پھر زور زور سے۔ وہ سوچنے لگا "اندھیرا تو ہے، مگر ممکن ہے میرے اوپر بندوق چلا دیں" اب یہ مجنونانہ حرکت جسمانی ہمت کے سوال پر آ ٹھہری۔

وہ دل میں بولا "آج رات اس کمرے میں کوئی نہیں معلوم ہوتا۔ اور اگر کوئی اندر سو رہا ہے تو اس وقت تک ضرور جاگ گیا ہو گا۔ چنانچہ اب یہاں تو زیادہ احتیاط برتنے کی ضرورت نہیں۔ خیال یہ رکھنا ہے کہ دوسرے کمروں میں سونے والے میری

آواز نہ سن لیں۔"

وہ نیچے اترا، ایک کواڑ سے اپنی سیڑھی لگائی، پھر چڑھا، اور دل کی شکل کے سوراخ میں ہاتھ ڈالا۔ خوش قسمتی سے وہ تار فوراً ہی مل گیا جس سے کھڑکی کی زنجیر بند ہوتی تھی۔ اس نے تار کھینچ لیا، اور یہ دیکھ کر اسے بے انتہا خوشی ہوئی کہ اب کواڑ بند نہیں تھا بلکہ اس کے دھکا دینے سے کھلتا جا رہا تھا۔ "کواڑ آہستہ آہستہ کھولنا چاہئے پھر یہ کوشش کروں کہ وہ میری آواز پہچان لے۔" اس نے کواڑ اتنا کھولا کہ سر اندر چلا جائے اور آہستہ آہستہ دو دفعہ کہا — "ایک دوست ہے۔"

اس نے کان لگا کر سنا، اور اسے یقین ہو گیا کہ کمرے کی مکمل خاموشی میں کوئی فرق نہیں آیا۔ لیکن آتش دان میں آدھی بجھی ہوئی بتی تک موجود نہ تھی۔ یہ بڑی علامت تھی۔

اس نے لمحے بھر کے لئے سوچا — "ذرا بندوق کے فیر سے بچے رہنا!" پھر ہمت کر کے انگلی سے کھڑکی کا شیشہ کھٹکھٹایا۔ کوئی جواب نہ ملا۔ اب اس نے اور زور سے کھٹکھٹایا۔ "چاہے شیشہ ٹوٹ جائے، مگر میں آج تصفیہ کر کے ہوں گا۔"

جب وہ دھماد ھم کھڑکی پیٹ رہا تھا تو اسے خیال ہوا کہ اندھیرے میں ایک سفید سایہ سا کمرے میں آگے آتا نظر آیا ہے، لمحے بھر بعد شک رفع ہو گیا۔ اب وہ سایہ بالکل صاف دکھائی دینے لگا جو بہت ہی آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا۔ اچانک اس نے دیکھا کہ جس شیشے پر میں نے آنکھ لگا رکھی ہے اس کے دوسری طرف ایک رخسار ہے۔

وہ کانپ کے تھوڑا سا پیچھے کو ہٹ گیا۔ لیکن رات ایسی اندھیری تھی کہ اتنے

قریب سے بھی صاف پتہ نہیں چلتا تھا کہ یہ مادام درنیاں ہے یا کوئی اور۔ اسے ڈر ہوا کہ وہ سایہ ایک دم سے چیخ نہ پڑے۔ نیچے سیڑھی کے پاس سے کتوں کے غرّانے اور چکر کاٹنے کی آواز آ رہی تھی۔ اس نے دوبارہ خاصے زور سے کہا ''میں ہوں ۔۔۔ ایک دوست۔'' کوئی جواب نہ ملا۔ سفید سایہ غائب ہو گیا تھا۔ ''خدا کے لئے کھڑکی کھولو۔ مجھے ایک ضروری بات کہنی ہے۔ میری حالت خراب ہو رہی ہے!'' اور اس نے اتنی زور سے دھم دھمایا کہ کھڑکی ٹوٹتے ٹوٹتے بچی۔

ایک ہلکی سی کھڑکن ہوئی۔ کواڑ کا کھٹکا کھل گیا۔ اس نے دھکا دے کے کھڑکی کھولی، اور چپکے سے اندر کود گیا۔

سفید سایہ دور ہٹ گیا۔ اس نے بازو پکڑ لئے۔ یہ کوئی عورت تھی۔ اس کی ہمت جواب دے گئی ''اگر یہ وہی ہے تو مجھ سے کیا کہے گی؟'' جب اسے ایک ہلکی سی چیخ سے پتہ چلا کہ مادام درنیاں ہی ہے تو اس کی عجیب حالت ہوئی۔

اس نے مادام درنیاں کو بازوؤں میں جکڑ لیا۔ وہ کانپ اٹھی، اور اس میں اتنی طاقت نہ رہی کہ ژولیاں کو پیچھے ہٹا دے۔

''کمبخت! کیا کر رہا ہے؟''

اس کی آواز ایسی لرز رہی تھی کہ لفظ ادا نہ ہوتے تھے۔ ژولیاں نے دیکھا کہ وہ واقعی غصے میں ہے۔

''چودہ مہینے کی دردناک جدائی کے بعد میں تم سے ملنے آیا ہوں۔''

''جاؤ، فوراً میرے پاس سے چلے جاؤ۔ آہ! موسیو شیلاں، آپ نے مجھے خط لکھنے سے کیوں روکا؟ میں یہ حرکت کبھی نہ ہونے دیتی۔'' اس نے ژولیاں کو ایسے

زور سے پیچھے ڈھکیلا جو ایک عورت کے لئے بڑی غیر معمولی بات تھی "میں اپنے گناہ پر نادم ہوں۔ خدا نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔" وہ رُندھی ہوئی آواز میں بولی "جاؤ! بھاگ جاؤ!"

"چودہ مہینے دکھ جھیلنے کے بعد میں تم سے بات کئے بغیر بالکل نہیں جاؤں گا۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ اس عرصے میں تم کیا کرتی رہی ہو۔ میں نے تم سے اتنی شدید محبت کی ہے کہ مجھے تمہارا محرم راز بننے کا حق پہنچتا ہے ...... میں ساری باتیں معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

اپنی کوشش کے باوجود مادام درنیال کے دل پر اس تحکمانہ لہجے کا بڑا اثر پڑا۔

ژولیاں اسے چپٹائے ہوئے تھا، اور الگ نہ ہونے دے رہا تھا۔ اب اس نے یہ لپٹا چپٹانا بند کردیا۔ اس بات سے مادام درنیال کو ذرا تسلی ہوئی۔

وہ بولا "میں سیڑھی اوپر کھینچے لیتا ہوں کتوں کے شور سے جاگ کے کوئی نوکر ادھر آنکلا تو ہم پکڑے جائیں گے۔"

"چلے جاؤ! بہتر یہ ہے کہ تم چلے ہی جاؤ۔" مادام درنیال نے واقعی بگڑ کر جواب دیا۔ "مجھے لوگوں کی کیا پروا ہے؟ خدا تو دیکھ رہا ہے کہ تم مجھے کس خوفناک گناہ میں گھسیٹ رہے ہو۔ اور وہ مجھے اس کی سزا دے گا۔ ایک زمانہ تھا کہ جب میرے دل میں تمہاری جگہ تھی، لیکن اب تو نہیں رہی۔ اور تم بزدلوں کی طرح اسی سے فائدہ اٹھا رہے ہو۔ سنتے ہو، ژولیاں صاحب؟"

اس نے سیڑھی آہستہ آہستہ اوپر کھینچی تاکہ شور نہ ہو۔

"تمہارے شوہر یہیں شہر میں ہیں؟" اس نے مادام درنیال کی مدافعت کو نظر انداز کرنے کے لئے نہیں، بلکہ محض عادتاً پوچھا۔

"خدا کے لئے مجھ سے ایسی باتیں نہ کرو، ورنہ میں اپنے شوہر کو بلا لوں گی۔ اتنا گناہ تو مجھ سے پہلے ہی سرزد ہو چکا ہے کہ میں نے تمہیں واپس کیوں نہ لوٹا دیا۔ مجھے تمہارے اوپر رحم آتا ہے۔" وہ ژرولیاں کے پندار کو مجروح کرنے کی غرض سے بولی، کیونکہ اسے معلوم تھا وہ بڑا زود حس ہے۔

وہ اس وقت ژرولیاں کو "تو" کے بجائے "تم" کہہ رہی تھی۔ جس نازک رشتے پر ژرولیاں کو ابھی تک بھروسہ تھا، اسے یک لخت ختم کرنے کا یہ طریقہ اختیار کر کے مادام درنیال نے اس کی محبت کی آگ اور بھڑکا دی۔

"ہیں! کیا یہ ممکن ہے کہ اب تمہیں مجھ سے محبت نہیں رہی!" وہ ایسے لہجے میں بولا کہ پتھر کا بھی دل ہو تو موم ہو جائے۔

مادام درنیال نے کوئی جواب نہیں دیا۔ رہا ژرولیاں، تو وہ پھوٹ پھوٹ کے رو رہا تھا۔

اب اس میں بولنے کی بھی طاقت نہیں رہی تھی۔

"آج تک صرف ایک ہستی نے مجھ سے محبت کی ہے، اور وہ بھی مجھے بھول گئی! اب زندہ رہنے سے کیا فائدہ؟" جب کسی مرد سے مقابلے کا خطرہ نہیں رہا تو اس کی ساری ہمت فوراً رخصت ہو گئی تھی۔ اس کے دل میں محبت کے سوا کچھ باقی نہ رہا تھا۔

وہ دیر تک چپ چاپ روتا رہا۔ مادام درنیال کو اس کے سسکیاں لینے کی آواز

سنائی دے رہی تھی۔ ژرولیاں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی، مگر دو چار اضطراری حرکتوں کے بعد یوں ہی رہنے دیا۔ اندھیرا بہت گہرا تھا۔ انہوں نے دیکھا کہ دونوں مادام درنیاں کے بستر پر بیٹھے ہیں۔

"چودہ مہینے پہلے کی حالت اور اب کی حالت میں کتنا فرق ہے!" ژرولیاں نے سوچا، اور وہ پہلے سے بھی زیادہ رونے لگا۔ "جدائی سارے انسانی جذبات کا خاتمہ کر دیتی ہے! بہتر یہی ہے کہ میں چل دوں!"

"مہربانی کر کے یہ تو بتاؤ کہ تمہارے اوپر کیا گزری؟" آخر ژرولیاں نے خاموشی سے گھبرا کر گھٹتی ہوئی آواز میں کہا۔

مادام درنیاں نے ذرا سخت آواز میں جواب دیا جس کا لہجہ ژرولیاں کو ملامت آمیز معلوم ہوا — "اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ جب تم گئے ہو تو شہر میں لوگوں کو میری خطاکاریوں کا علم تھا۔ تم نے کام ہی ایسی ناعاقبت اندیشی سے لیا تھا۔ کچھ دن بعد جب میں بالکل مایوس ہو چکی تھی، بچارے موسیو شیلاں میرے پاس آئے وہ بڑی دیر تک مجھ سے گناہ کا اعتراف کرانے کی کوشش میں لگے رہے۔ مگر لاحاصل۔ ایک دن انہیں کچھ خیال آیا۔ وہ مجھے دی ژرون کے اس گرجا میں لے گئے جہاں میری پہلی مذہبی رسم ادا ہوئی تھی۔ وہاں انہوں نے یہی ذکر چھیڑ دیا . . . ." مادام درنیاں بات کرتے کرتے رونے لگی۔ "مجھے کیسی شرم آئی اس وقت! میں نے سب کچھ قبول لیا۔ وہ اتنے شریف آدمی ہیں کہ انہوں نے مجھے لعنت ملامت کے بوجھ تلے نہیں دبایا، بلکہ وہ میرے دکھ درد میں برابر کے شریک ہوئے۔ ان دنوں میں تمہیں روز خط لکھا کرتی تھی، مگر بھیجنے کی ہمت نہ ہوتی تھی، میں انہیں احتیاط سے چھپا کے

رکھ دیتی - اور جب میری حالت خراب ہوتی تو کمرے میں بند ہو کے اپنے خط پڑھا کرتی۔

"آخر موسیو شیلاں نے سمجھا بجھا کر مجھ سے وہ خط لے لئے . . . . جو خط ذرا اعتدال کے ساتھ لکھے تھے وہ تو میں نے بھیجے بھی، مگر تم نے ایک دفعہ بھی جواب نہیں دیا۔"

"میں قسم کھا کے کہتا ہوں، دار العلوم میں مجھے تمہارا ایک بھی خط نہیں ملا۔"

"خدایا! وہ خط بیچ میں کس نے رکھ لئے ؟"

"ذرا سوچو تو مجھے کتنا رنج ہوا ہوگا۔ جس دن میں نے تمہیں گرجا میں دیکھا تھا۔ اس سے پہلے مجھے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ تم زندہ بھی ہو یا نہیں۔"

مادام درنیاں نے جواب دیا ــــ "خدا نے میرے اوپر بڑا فضل کیا، اور میں سمجھ گئی کہ میں خود خدا کے خلاف، اپنے بچوں کے خلاف، اپنے شوہر کے خلاف کتنا بڑا گناہ کر رہی ہوں۔ میرے شوہر کو مجھ سے کبھی اتنا پیار نہیں رہا جتنا اس وقت میرے خیال میں تمہیں مجھ سے تھا . . . . . "

ژولیاں کا اس قسم کا کوئی ارادہ تو نہ تھا، مگر اسے اپنے اوپر بالکل قابو نہ رہا اور وہ مادام درنیاں کے بازوؤں میں گر پڑا۔ لیکن مادام درنیاں نے اسے پیچھے ہٹا دیا، اور خاصی سختی سے کہنے لگی ــــ

"میرے شریف دوست موسیو شیلاں نے مجھے سمجھایا کہ موسیو درنیاں سے شادی کر کے میں نے اپنے تمام جذبات ان کی نذر کر دیئے ہیں۔ یعنی وہ جذبات بھی جن سے میں اس وقت تک ناواقف تھی۔ اور ایک مہلک دوستی سے پہلے جنہیں کبھی

محسوس بھی نہ کیا تھا . . . . . . ان خطوں کو جو مجھے اتنے عزیز تھے، قربان کرنے کے بعد سے، میری زندگی اگر خوش و خرم نہیں تو بہر حال خاصی پرسکون گزری ہے۔ اب میرا سکون برباد نہ کرو۔ بس میرے دوست بنے رہو . . . بہترین دوست۔" ژولیاں نے اس کے ہاتھوں پر بوسوں کی بوچھار کر دی۔ مادام درنیال کو محسوس ہوا کہ وہ ابھی تک رو رہا ہے۔

"روتو مت مجھے پریشانی ہوتی ہے . . . . چلو اب تمہاری باری ہے۔ بتاؤ تم کیا کرتے رہے۔" ژولیاں سے بولا ہی نہ گیا۔ "میں جاننا چاہتی ہوں کہ تم نے دارالعلوم میں کیسے دن گزارے۔" اس نے دہرایا۔ "پھر تم چلے جانا، ٹھہرنا نہیں۔"

ژولیاں کو یہ بھی پتا نہ تھا کہ میں کہہ کیا رہا ہوں۔ بہر حال اس نے ان تمام سازشوں اور فتنہ پردازیوں کا حال سنایا جن سے شروع میں سابقہ پڑا تھا۔ پھر بتایا کہ استاد مقرر ہونے کے بعد زندگی ذرا سکون کے ساتھ گزری۔

وہ کہنے لگا ــ "اسی زمانے میں ایک عرصہ، راز کی خاموشی کے بعد جس کا مطلب مجھے وہ کچھ سمجھنا تھا جو اب میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں، یعنی یہ کہ تمہیں مجھ سے محبت نہیں رہی، اور میں تمہاری نظروں سے گر چکا ہوں . . . ؛" مادام درنیال نے اس کے ہاتھ پکڑ کے دبائے۔ "اسی زمانے میں تم نے مجھے پانچ سو فرانک بھیجے۔"

"میں نے تو کبھی نہیں بھیجے۔" مادام درنیال نے کہا۔

"خط پر پیرس کی مہر تھی، اور اندر پال سوریل کے نام سے دستخط تھے تاکہ کسی کو شبہ نہ ہو۔"

اب ایک مختصر سی بحث اس بات پر ہوئی کہ یہ خط کس نے بھیجا ہوگا۔ فضا بدلنے لگی۔ بالکل غیر شعوری طور پر مادام درنیاں اور ژولیاں دونوں وہ سنجیدہ لہجہ چھوڑ چکے تھے اور وہی پرانا دوستی اور پیار کا لہجہ اختیار کر لیا تھا۔ اندھیرا اتنا سخت تھا کہ وہ ایک دوسرے کو دیکھ تو نہ سکتے تھے۔ مگر ان کی آوازیں سب کچھ کہے دے رہی تھیں۔ ژولیاں نے اپنی محبوبہ کی کمر کے گرد بازو ڈال دیا۔ یہ حرکت بڑی خطرناک تھی۔ اس نے ژولیاں کا بازو ہٹانا چاہا۔ اس پر ژولیاں نے ہوشیاری سے کام لے کر کوئی دلچسپ واقعہ سنانا شروع کر دیا۔ اور اسے باتوں میں لگا لیا۔ مادام درنیاں بازو کو بھول ہی گئی، اور وہ وہیں رہا جہاں تھا۔

خط اور روپیہ بھیجنے والے کے متعلق بیسیوں اندازے لگانے کے بعد ژولیاں نے پھر اپنی کہانی شروع کر دی تھی۔ اپنی گزشتہ زندگی کا ذکر کرتے ہوئے اسے اپنے اوپر خاصا قابو حاصل ہو گیا۔ کیونکہ اس وقت اس پر جو کچھ بیت رہی تھی اس کے مقابلے میں اسے ان حالات سے ذرا دلچسپی نہ تھی۔ اسے تو بس یہ فکر لگی ہوئی تھی کہ اس ملاقات کا خاتمہ کس طرح ہو گا۔ مادام درنیاں ذرا سخت لہجے میں بار بار کہہ رہی تھی ــــ "اب تم جاؤ"

ژولیاں دل میں کہنے لگا ــــ "اگر اس نے مجھے نکال دیا تو میرے لئے کیسی شرم کی بات ہو گی! یہ رنج مجھے عمر بھر رہے گا، اور میری زندگی تلخ ہو جائے گی۔ وہ مجھے کبھی خط بھی نہیں لکھے گی۔ خدا جانے یہاں کب آنا ملے گا!" اس صورت حال میں جتنی بھی آسمانی مسرت تھی وہ اب ژولیاں کے دل سے ایک دم غائب ہو گئی، ایسا اندھیرا کہ ہاتھ کو ہاتھ نہ سوجھے، یہ کمرہ جہاں اس نے خوشی کے دن گزارے

تھے، وہ عورت پاس جو اسے جان سے بھی پیاری تھی، بلکہ بازوؤں میں جکڑی ہوئی۔ اس بات کا علم کہ ایک منٹ سے رو رہی ہے۔ اس کے سینے کی حرکت سے یہ پتا لگتا کہ سسکیوں کے مارے اس کا بُرا حال ہے۔ غرض بدقسمتی سے ان سب چیزوں نے ژولیاں کو پکا سیاست باز بنا دیا! وراس میں جذبات سے عاری ہو کر ایک ایک بات جانچنے پرکھنے کی ویسی ہی صلاحیت آگئی جیسی دارالعلوم کے صحن میں اس وقت آجاتی تھی کہ جب کوئی قوی تر ساتھی اسے اپنے پُرعناد تمسخر کا نشانہ بناتا۔ ژولیاں اپنی کہانی کو لمبا کرتا چلا گیا۔ اور یہ بتانے لگا کہ ویریئر سے جانے کے بعد میں نے کس مصیبت میں زندگی بسر کی ہے۔ مادام دریناآل اپنے دل میں کہنے لگی —— "سال بھر کی جدائی کے بعد میں تو اسے بھولنے لگی تھی۔ مگر میری کسی نشانی کے بغیر بھی وہ اس خوشی کے زمانے کو برابر یاد کرتا رہا جو اس نے ورژی میں گزارا تھا۔" اس کی سسکیاں اور شدت اختیار کر گئیں۔ ژولیاں نے دیکھا کہ میری کہانی کا خاطر خواہ اثر ہوا ہے۔ اس نے محسوس کیا کہ اب اپنا آخری ہتھیار استعمال کر کے دیکھنا چاہیے۔ چنانچہ اس نے ایک دم سے اس خط کا ذکر کیا جو ابھی پیرس سے آیا تھا۔

"میں اُسقف سے بھی رخصت ہو لیا ہوں۔"

"ہیں! تم بساں سوں واپس نہیں آؤ گے؟ تم ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو رہے ہو؟"

"ہاں" ژولیاں نے ایسے لہجے میں کہا جس سے پکا ارادہ جھلکتا تھا۔ "ہاں، میں اس جگہ سے جا رہا ہوں جہاں مجھے وہ ہستی بھی بھول گئی جس سے میں نے

اپنی عمر میں سب سے زیادہ محبت کی ہے، اور میں یہ ارادہ کر کے جا رہا ہوں کہ یہاں کبھی قدم نہیں رکھوں گا۔ اب میں پیرس جا کے رہوں گا۔ . . . "

"تم پیرس جا رہے ہو!" مادام درنیاں نے خاصے زور سے کہا۔

آنسوؤں کے مارے اس کی آواز گھٹ سی گئی تھی جس سے اس کے رنج کی شدت کا پتا چلتا تھا۔ ژردلیاں کو اسی بڑھاوے کی ضرورت تھی۔ وہ ایسی ترکیب آزما کے دیکھ رہا تھا جس سے ممکن تھا کہ معاملہ بالکل چوپٹ ہو جائے، روشنی تو تھی نہیں۔ اس لئے مادام درنیاں کی چیخ سے پہلے اسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ میری بات کا کیا اثر ہوا ہے۔ اب اس کی جھجک دور ہو گئی، ندامت کے ڈر سے ژردلیاں کو شہہ اور اور بھی قابو حاصل ہو گیا۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اور بڑی سرد مہری کے ساتھ بولا۔

"ہاں بیگم صاحب، میں آپ سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو رہا ہوں، خدا کرے آپ خوش رہیں۔ خدا حافظ!"

وہ کھڑکی کی طرف بڑھا اور اسے کھولنے لگا۔ مادام درنیاں اس کے پیچھے لپکی اس نے ژردلیاں کے کندھے پر اپنا سر رکھ دیا، اور اسے بازوؤں میں جکڑ کے اس کے رخسار سے اپنا رخسار لگا دیا۔

غرض تین گھنٹے کی بحثا بحثی کے بعد ژردلیاں نے وہ سب حاصل کر لیا جس کی پہلے دو گھنٹے میں اتنی شدید تمنا رہی تھی۔ اگرچہ پیار بھرے جذبات کچھ دیر پہلے ہی عود کر آئے ہوتے اور مادام درنیاں کی توبہ دیں کے وہیں ڈگمگا گئی ہوتی تو اصل میں ژردلیاں کو ایک بڑی مسرت حاصل ہوتی، مگر

اب تو جو کچھ ملا تھا وہ بپالا کی سے ملا تھا، اس لئے اس کی حیثیت بم ... کے لطف ... سے زیادہ نہ تھی - اپنی محبوبہ کی التجاؤں کے باوجود ژو ئیاں نے بصد اصرار بتی جلا ہی دی۔

... نے مادام درنیاں سے پوچھا۔

"اتنے دن ... تو ... نے تمہیں دیکھا ہے، کیا تم چاہتی ہو کہ میں اس کی کوئی یاد اپنے ذہن میں لے کر نہ جاؤں؟ تمہاری حسین آنکھیں اس وقت محبت سے چمک رہی ہوں گی - کیا میں اس نظارے سے محروم رہوں؟ کیا میں یہ پیارا پیارا سفید ہاتھ نہ دیکھوں؟ ذرا سوچو تو، میں شاید تم سے یک عرصہ دراز کے لئے جدا ہو رہا ہوں!"

مادام درنیاں نے دل میں کہا — "یہ تو بہت بڑی بات ہے" لیکن عمر بھر کی جدائی کے خیال سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے، اور وہ کسی بات سے بھی انکار نہ کر سکی، پو پھٹ رہی تھی، اور ویرییر کے مشرق میں پہاڑوں پر درختوں کے خاکے نظر آنے لگے تھے، ژو لیاں لذت میں ایسا سرشار تھا کہ روانہ ہونے کے بجائے اس نے مادام درنیاں کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ میں آج دن بھر تمہارے کمرے میں چھپا رہوں گا اور رات کو جاؤں گا۔

"ہاں، کیوں نہیں؟" اس نے جواب دیا "مجھ سے پھر وہی غلطی سرزد ہو رہی ہے - اب میری نگاہوں میں اپنی عزت باقی نہیں رہی، میری قسمت میں عمر بھر جلنا کڑھنا ہی لکھا ہے" اور اس نے ژو لیاں کو اپنے سینے سے چمٹا لیا۔

"اب میرے شوہر پہلے کی طرح نہیں رہے - انہیں شک ہو گیا ہے - ان کا

خیال ہے کہ میں اس معاملے میں انہیں برابر بے وقوف بناتی رہی ہوں۔ وہ مجھ پر بگڑتے ہی رہتے ہیں۔ اگر ان کے کان میں بھنک بھی پڑ گئی تو میں کہیں کی نہ رہوں گی۔ وہ مجھے فوراً گھر سے نکال دیں گے اور میں ہوں بھی اسی قابل۔"

"تمہاری باتوں میں موسیو شیلاں کی آواز گونج رہی ہے۔" ژدلیاں نے کہا۔ "میری بدنصیبی تھی کہ مجھے دارالعلوم جانا پڑا، اس سے پہلے تم ایسی بات کبھی نہ کہتیں۔ ان دنوں تمہیں مجھ سے محبت تھی!"

ژدلیاں نے یہ بات جس سرد مہری سے کہی تھی اس کا انعام بھی مل گیا۔ اس نے دیکھا کہ اس کی محبوبہ شوہر کے قریب ہونے کا خطرہ فوراً بھول گئی اور اس سے بھی بڑے خطرے کی فکر میں پڑ گئی، یعنی یہ کہ ژدلیاں اس کی محبت پر شک کر رہا ہے۔ روشنی بڑھتی جا رہی تھی، اور اب کمرے میں اجالا ہو گیا تھا جب ژدلیاں نے دیکھا کہ وہ حسین عورت، وہ واحد عورت جس سے میں نے محبت کی ہے، اور جو چند گھنٹے پہلے خدائے قہار و جبار کے ڈر سے کانپ رہی تھی اور اپنے فرض کے احساس میں کھوئی ہوئی تھی، اس وقت میرے بازوؤں میں آ گئی ہے بلکہ قدموں پر آ پڑی ہے تو فخر و مباہات کی لذتیں اسے پھر مل گئیں۔ مادام درنیال کی مستقل مزاجی سال بھر سے جن ارادوں کی پشت پناہی کرتی رہی تھی وہ ژدلیاں کی ہمت کے سامنے ذرا نہ ٹھہر سکے۔

اتنے میں مکان کے اندر سے ایک آواز آئی۔ مادام درنیال کو ایک بات کا اب تک خیال ہی نہ آیا تھا۔ لیکن اب اسے پریشانی ہونے لگی۔

"وہ بے ایمان ایلیزا تھوڑی دیر میں یہاں آتی ہوگی۔ اس لمبی چوڑی سیڑھی کا

کیا کریں؟" وہ اپنے عاشق سے کہنے لگی: "اسے چھپائیں کہاں؟ میں اسے لیجا کے اوپر کوٹھڑی میں رکھے آتی ہوں۔" وہ ایک دم سے ہشاش بشاش ہو کے بولی۔

"ہاں، اب ٹھیک ہے! یہی چہرہ ہے جو مجھے یاد ہے!" ژولیاں نے خوش ہو کر کہا۔ "لیکن تمہیں نوکر کے کمرے میں سے گزرنا پڑے گا۔"

"میں سیڑھی کو دالان میں چھوڑ دوں گی اور نوکر کو بُلا کے کسی کام سے باہر بھیج دوں گی۔"

"ممکن ہے نوکر دالان میں سے گزرتے ہوئے سیڑھی دیکھ لے۔ اس کے لئے کوئی بہانہ پہلے سے سوچ لو۔"

"ہاں، پیارے۔" مادام درینال نے اس کا بوسہ لیتے ہوئے کہا۔ "اور دیکھو اگر میری غیر موجودگی میں ایلیزا اندر آجائے تو تم جلدی سے مسہری کے نیچے چھپ جانا۔"

ژولیاں کو اس کے یوں اچانک کھلکھلا پڑنے پر بڑی حیرت ہوئی۔ وہ دل میں کہنے لگا۔ "یعنی جسمانی خطرہ محسوس کر کے وہ پریشان نہیں ہوتی، بلکہ اُلٹی ہنسنے لگتی ہے کیونکہ ندامت کا خیال اس کے ذہن سے اتر جاتا ہے! واقعی بڑی زبردست عورت ہے! اس دل پہ حکومت کرنا معرکے کا کام ہے۔" ژولیاں کو سرور آگیا۔

مادام درینال نے سیڑھی اٹھانی چاہی۔ ظاہر ہے کہ یہ اُس کے لئے بہت بھاری تھی۔ ژولیاں اس کی مدد کرنے لگا۔ وہ ابھی اس کے دلفریب جسم کے نظارے ہی میں محو تھا جس میں قوّت کے کوئی آثار نہ ملتے تھے کہ اتنے میں مادام درینال سے مدد کے بغیر اچانک سیڑھی ایسے اٹھالی جیسے کرسی ہو۔ وہ اسے جلدی جلدی تیسری منزل پہ دالان میں لے گئی اور دیوار سے لگا کے رکھ دیا۔ اس نے نوکر کو

آواز دی اور اس انتظار میں کہ وہ کپڑے پہن لے کبوتر خانے میں چلی گئی۔ پانچ منٹ بعد وہ دالان میں واپس آئی تو سیڑھی غائب تھی۔ وہ کہاں اڑن چھو ہو گئی تھی؟ اگر ژولیاں گھر کے اندر نہ ہوتا تو کوئی بات نہ تھی۔ لیکن اگر اس وقت اس کا شوہر سیڑھی دیکھ لے تو! اس کے نتائج بڑے ہولناک ہو سکتے ہیں۔ مادام درینال نے سارا گھر چھان مارا۔ آخر سیڑھی چھت کے نیچے رکھی ملی جہاں خود نوکرنے اسے لے جاکر چھپا دیا تھا۔ یہ بات بجائے خود عجیب سی تھی۔ کوئی اور وقت ہوتا تو اسے بڑی گھبراہٹ ہوتی۔

وہ دل میں بولی — "اب سے چوبیس گھنٹے بعد جب ژولیاں چلا گیا ہوگا، کچھ بھی ہوتا رہے، مجھے اس سے کیا؟ پھر تو میرے لئے بہرصورت رنج اور ندامت کے سوا کچھ باقی ہی نہیں رہے گا!"

اُسے ایک مبہم سا خیال آیا کہ مجھے خودکشی کر لینی چاہئے۔ لیکن اب اس کے بھی کوئی معنی نہ تھے۔ اس نے تو سمجھا تھا کہ ژولیاں ہمیشہ کے لئے جدا ہو گیا۔ لیکن وہ پھر واپس آگیا تھا۔ وہ پھر اس کی نظروں کے سامنے تھا اور اس تک پہنچنے کے لئے ژولیاں نے جو جتن کئے تھے ان سے پتا چلتا تھا کہ اس کی محبت کتنی شدید ہے!

وہ ژولیاں کو سیڑھی کا قصہ سناتے ہوئے پوچھنے لگی: "اگر نوکرنے میرے شوہر کو بتا دیا کہ سیڑھی کس طرح ملی ہے تو میں اُن سے کیا کہوں گی؟" اس نے ذرا سی دیر کچھ غور کیا: "تم نے جس آدمی سے سیڑھی خریدی ہے۔ اس کا پتا چلانے میں بھی چوبیس گھنٹے لگیں گے۔" وہ ژولیاں کے بازوؤں میں گر پڑی اور اسے اضطراری طور سے جکڑ لیا: "آہ! اگر اسی طرح مر جائیں تو کتنا اچھا ہو!" اس نے ژولیاں کو

وھر اُدھر چومتے ہوئے کہا۔ پھر ہنس کے بولی: "لیکن تمہیں بھوک سے تو نہیں مرنے دینا چاہیئے۔"

"آؤ، پہلے تو میں تمہیں مادام ورویل کے کمرے میں چھپا دوں جس میں ہمیشہ تالا لگا رہتا ہے۔"

وہ نگرانی کے لئے دالان کے آخر میں جا کھڑی ہوئی اور ژولیاں جلدی سے اس کمرے میں جا پہنچا۔ وہ باہر سے تالا لگاتے ہوئے بولی: "اگر کوئی کھٹکھٹائے تو دیکھو دروازہ مت کھولنا، اور کوئی نہیں ہوگا، بچے کھیل کھال رہے ہوں گے۔"

ژولیاں نے کہا: "ذرا انہیں باغ میں کھڑکی کے نیچے بھیجو۔ میں انہیں دیکھ تو لوں۔ ذرا انہیں باتیں کرنے دو۔"

"اچھا، اچھا" مادام ورینال نے جاتے ہوئے کہا۔

وہ تھوڑی دیر بعد نارنگیاں، بسکٹ اور شراب کی بوتل لے کر پھر واپس آ گئی۔ اسے روٹی اڑانے کا موقع نہیں ملا تھا۔

"تمہارے شوہر کیا کر رہے ہیں؟" ژولیاں نے پوچھا۔

"کسانوں سے کچھ معاملات طے کر رہے ہیں۔ اُس سلسلے میں کچھ لکھ لکھا رہے ہیں۔"

لیکن آٹھ بج چکے تھے اور گھر میں شور و غل برپا تھا۔ اگر مادام ورینال نظر نہ آتی تو لوگ اُسے ہر طرف ڈھونڈنے لگتے۔ چنانچہ اُسے ژولیاں کے پاس سے ہٹنا پڑا۔ تھوڑی دیر بعد وہ احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر پھر آ موجود ہوئی اور اس کے لئے کافی کی ایک پیالی لائی۔ اسے ڈر تھا۔ کہیں ژولیاں کی آنتیں قل ھو اللہ نہ پڑھ رہی

ہوں۔ دوپہر کے کھانے کے بعد وہ بچوں کو مادام دریال والے کمرے کی کھڑکی کے نیچے لے آئی۔ ڈولیاں نے دیکھا کہ وہ کافی بڑے ہو گئے تھے۔ مگر اب وہ کچھ حامیانہ سے لگنے لگے تھے، یا پھر اسی کے خیالات کچھ بدل گئے تھے۔ مادام دریال اُن سے ڈولیاں کی باتیں کرنے لگی۔ سب سے بڑے بچے کی باتوں سے تو اپنے پرانے اتالیق کی محبت اور اس کے جانے کا افسوس ظاہر ہوتا تھا، لیکن دونوں چھوٹے بچے شاید اسے بھول چکے تھے۔

اس دن موسیو دریال گھر سے نکلا ہی نہیں۔ وہ اوپر سے نیچے دوڑا دوڑا پھر رہا تھا۔ اور کسانوں سے سودا چکانے میں مصروف تھا جن کے ہاتھ آلوؤں کی فصل بیچنی تھی۔ رات کے کھانے کے وقت تک مادام دریال اپنے قیدی کے لئے فرصت کا ایک لمحہ بھی نہ نکال سکی۔ جب کھانا میز پر لگ گیا تو اسے خیال آیا کہ گرم گرم شوربے کی ایک رکابی ڈولیاں کے لئے اُڑا دوں۔ جب وہ احتیاط سے رکابی اٹھائے چپکے چپکے ڈولیاں کے کمرے کے پاس پہنچی تو اس نوکر سے مڈبھیڑ ہو گئی جس نے صبح سیڑھی چھپائی تھی۔ اس وقت وہ بھی دالان میں چپکے چپکے قدم اٹھاتا آ رہا تھا جیسے کچھ سن رہا ہو۔ شاید ڈولیاں نے چلنے پھرنے میں بے احتیاطی سے کام لیا تھا۔ نوکر گھبرا کے بھاگ گیا۔ مادام دریال بے دھڑک ڈولیاں کے کمرے میں چلی گئی۔ اس نے جو یہ قصہ سنایا تو ڈولیاں کانپ گیا۔

"تم ڈر رہے ہو۔" وہ بولی۔ "اور میں؟ میں اگر جھجکے بغیر دنیا کے سارے خطروں کا مقابلہ کر سکتی ہوں۔ مجھے تو صرف ایک بات کا ڈر ہے یعنی اس لمحے کا جب تم چلے جاؤ گے اور میں اکیلی رہ جاؤں گی۔" اور وہ دوڑ کے کمرے سے نکل گئی۔

"آہ!" ڈولیاں نے بڑا جوش اور فخر محسوس کرتے ہوئے کہا۔ "اس بلند ہستی کو اگر کسی چیز سے ڈر لگتا ہے تو ندامت سے ہے!"

آخر رات آ گئی۔ موسیو دریناال کلب چلا گیا۔

اس کی بیوی سر کے درد کا بہانہ کر کے اپنے کمرے میں چلی گئی اور ایلینرا کو جلدی ہی رخصت کر دیا۔ پھر وہ فوراً اٹھی اور ژدلیاں کو باہر نکالا۔

اب وہ بھوک کے مارے واقعی بے حال ہو رہا تھا۔ مادام دریناال روٹی کی فکر میں ہی باورچی خانے گئی۔ ژدلیاں کو ایک چیخ کی آواز سنائی دی۔ وہ واپس آئی اور اسے بتایا کہ جب میں اندھیرے میں باورچی خانے کے اندر گئی اور جس نعمت دان میں روٹی رکھی تھی اسے ٹٹولنا چاہا تو ہاتھ بڑھاتے ہی ایک عورت کا بازو ملا۔ ژدلیاں نے جو چیخ سنی تھی وہ ایلینرا کی تھی۔

"وہ وہاں کیا کر رہی تھی؟"

"مٹھائی چرا رہی تھی یا شاید ہماری ٹوہ میں ہو"۔ مادام دریناال نے بڑی بے پروائی سے کہا۔ "مگر خوش قسمتی سے مجھے تھوڑی سی مٹھائی اور ایک ڈبل روٹی مل گئی"۔

"اور وہ اس میں کیا ہے؟" ژدلیاں نے اس کی جیب کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

مادام دریناال بھول ہی گئی تھی کہ کھانے کے بعد سے اس کی جیبوں میں روٹی بھری ہوئی تھی۔ ژدلیاں نے بڑی شدید محبت کے ساتھ اسے گلے لگا لیا۔ وہ اسے اتنی حسین کبھی نہیں لگی تھی۔ وہ ایک مبہم انداز سے اپنے دل میں بولا "پیرس میں بھی ایسا بلند کردار مجھے کہیں نہیں ملے گا"۔ مادام دریناال میں اس عورت کا سلیقے ڈھنگ بھی موجود تھا جو اس قسم کی توجہات کی عادی نہ ہو۔ مگر ساتھ ساتھ اس آدمی کی سی سچی بہادری بھی تھی جو صرف دوسرے قسم کے اوسان سے کہیں زیادہ ہولناک خطرات سے ڈرتا ہو۔

ژدلیاں کو اتنی سخت بھوک لگی ہوئی تھی کہ وہ خوب ڈٹ کے کھانا کھا رہا تھا اور اس کی

مجھ بے بنس ہنس کر اس بیہودے ساڈے کھانے کے متعلق معافی مانگ رہی تھی۔ کیونکہ وہ سنجیدہ گفتگو سے ڈرتی تھی۔ اتنے میں کسی نے کمرے کا دروازہ زور زور سے دھڑ دھڑایا۔ یہ موسیو دربنال تھا

"دروازہ اندر سے کیوں بند کر رکھا ہے؟" اس نے چیخ کے کہا۔

ژولیاں کو مشکل سے اتنی مہلت ملی کہ صوفے کے نیچے گھس جائے۔

"ہیں! تم تو پورے کپڑے پہنے ہوئے ہو" موسیو دربنال نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔ "تم کھانا کھا رہی ہو اور دروازہ اندر سے بند کر رکھا ہے"

یہ سوال شوہروں کی سی وحشت کے ساتھ پوچھا گیا تھا۔ کوئی اور دن ہوتا تو مادام دربنال کو برا لگتا۔ مگر اس نے دیکھا کہ اگر میرے شوہر نے ذرا بھی نظریں نیچی کیں تو ژولیاں دکھائی دے جائے گا۔ کیونکہ موسیو دربنال صوفے کے سامنے والی اسی کرسی پر بیٹھ گیا تھا جہاں ایک لمحے پہلے ژولیاں بیٹھا تھا۔

سر کا درد ہر چیز کا بہانہ بن گیا۔ اس کا شوہر پوری تفصیلات کے ساتھ ایک لمبا چوڑا قصہ سنانے لگا کہ میں نے کلب میں بلیرڈ کھیلتے ہوئے انیس فرانک کس طرح جیتے۔ اتنے میں مادام دربنال نے دیکھا کہ اُن سے دو چار قدم کے فاصلے پر ٹھیک اُن کی نظروں کے سامنے ایک کرسی پر ژولیاں کی ٹوپی پڑی ہے۔ اس نے پہلے سے بھی زیادہ اطمینان کے ساتھ کپڑے اتارنا شروع کر دیے۔ موقع پا کر وہ جلدی سے شوہر کی کمر کے پیچھے پہنچی اور جس کرسی پر ٹوپی پڑی تھی وہاں ایک کپڑا ڈال دیا۔

آخر موسیو دربنال چلا گیا۔ اس نے ژولیاں سے درخواست کی کہ دار العلوم میں تم پر جو کچھ گذری ہے اس کے حالات پھر سناؤ۔ "کل تو جب تم یہی باتیں کر رہے تھے اور میں بس یہ سوچ رہی تھی کہ اتنی ہمت کہاں سے لاؤں جو تمہیں یہاں سے چلتا کروں"

وہ اس وقت مجسم ناعاقبت اندیشی بن کے رہ گئی تھی۔ دونوں اونچی آواز میں باتیں کر رہے تھے۔ کوئی دو کا عمل ہوگا کہ کسی نے دروازے پر زور سے مکا مارا۔ یہ پھر موسیو وریناال تھا۔

"مجھے فوراً اندر آنے دو۔ مکان میں چور گھسے ہوئے ہیں!" وہ بولا۔ "ان کی سیڑھی صبح نوکر کو ملی تھی۔"

"لو اب خاتمہ بخیر ہوا!" مادام وریناال نے ژولیاں کے بازوؤں میں گرتے ہوئے کہا۔ "وہ ہم دونوں کو مار ڈالیں گے۔ چوروں کا تو بہانہ ہے۔ خیر، میں تمہاری آغوش میں مروں گی۔ جو خوشی مجھے عمر بھر نہیں ملی وہ مرتے وقت ملے گی۔" اس نے شوہر کو کوئی جواب نہیں دیا جو باہر کھڑا بگڑ رہا تھا۔ وہ تو ژولیاں سے چپٹی ہوئی تھی۔

"تم استانس لاس کی ماں کو بچاؤ۔" ژولیاں نے تحکمانہ انداز میں کہا۔ "میں کھڑکی میں سے صحن میں کودتا ہوں۔ باغ میں سے ہو کر نکل جاؤں گا۔ کتے مجھے پہچان گئے ہیں۔ جتنی جلدی بھی ہو سکے۔ میرے کپڑوں کا گولا بنا کے باغ میں پھینک دینا۔ اسے دروازہ توڑنے دو۔ دیکھو، اور چاہے جو کرو۔ لیکن قبول نا مت۔ یہ میرا حکم ہے۔ یقین کی بہ نسبت شک بہتر ہے۔"

"کودنے میں تمہاری جان جائے گی۔" مادام وریناال نے بس اتنا کہا اور اسے فکر تھی بھی تو صرف اس بات کی۔

وہ اس کے ساتھ کھڑکی تک گئی۔ پھر جلدی جلدی ژولیاں کے کپڑے چھپا کر دروازہ کھول دیا۔ اس کا شوہر آگ بگولا ہو رہا تھا۔ اس نے ایک لفظ منہ سے نہ نکالا، سارے کمرے اور الماری کی تلاشی لی اور چلا گیا۔ مادام وریناال نے ژولیاں کے کپڑے نیچے

پھینک دیئے۔ وہ کپڑے لپک کر باغ میں سے ہوتا ہوا سیدھا دریا کی طرف بھاگا۔
جب وہ بھاگ رہا تھا تو ایک گولی سرسراتی ہوئی اس کے پاس سے نکل گئی۔
اور ساتھ ہی ساتھ بندوق کی آواز آئی۔

"یہ موسیو درینال تو ہے نہیں۔" ژولیاں نے فیصلہ کیا۔ "اس کا نشانہ اتنا اچھا نہیں ہے۔" کتے چپ چاپ اس کے ساتھ بھاگ رہے تھے۔ دوسرا فیر ہوا اور گولی شاید ایک کتے کی ٹانگ میں لگی، کیونکہ وہ بُری طرح چیخنے چلانے لگا۔ ژولیاں دیوار پھاند گیا۔ اور پچاس گز دیوار کی آڑ میں چلنے کے بعد دوسری سمت میں بھاگ نکلا۔ لوگ اس کا نام لے کر پکار رہے تھے۔ اس نے صاف صاف دیکھا کہ جو نوکر اس کا دشمن تھا، بندوق چلا رہا ہے۔ باغ کے دوسری طرف سے ایک کسان نے فیر کیا۔ لیکن اب ژولیاں دریا کے کنارے پہنچ چکا تھا۔ وہاں اس نے کپڑے پہنے۔

گھنٹہ بھر بعد وہ ویریئر سے چھ سات میل دور نکل چکا تھا اور جینوا کی سڑک پر جا رہا تھا۔ اس نے سوچا — "اگر اُن لوگوں کو شک ہوا تو وہ مجھے پیرس کی سڑک پر تلاش کریں گے۔"

دوسری جلد

وہ خوبصورت نہیں ہے۔ اُس کے گالوں پہ ذرا سُرخی نہیں۔

سینٹ بیو

پہلا باب

دیہات کے مزے

اے دیہات! تُو مجھے کتنا یاد آتا ہے!

ہورٹیس

"کیا حضور پیرس کی ڈاک گاڑی کے انتظار میں ہیں؟" جس سرائے میں ژوریاں اپنا روزہ کھولنے کے لیے ٹھیرا تھا اس کے مالک نے پوچھا۔

"آج ملے یا کل، میرے لئے ایک بات ہے۔" ژدیاں نے کہا وہ ایسا بن رہا تھا جیسے کوئی فکر ہی نہ ہو۔ اتنے میں گاڑی آگئی۔ صرف دو جگہیں خالی تھیں۔

"ارے، تم ہو یار، خال کوز!" جینوا کی طرف سے آنے والے مسافر نے اس آدمی سے کہا جو ژولیاں کے ساتھ گاڑی میں داخل ہوا تھا۔

"میں تو سمجھتا تھا کہ تم لی اوں کے قریب رون کی حسین وادی میں رہ پڑے ہو۔"

فال کوز بولا۔

"رہ پڑا ہوں؟ بہت خوب! میں تو وہاں سے بھاگ رہا ہوں۔"

"ہیں! بھاگ رہے ہو؟ سیبں زیرو، تم تو اچھے خاصے شریف آدمی لگتے ہو۔ تم سے ایسا کیا جرم ہوا؟" فال کوز نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"خدا کی قسم، بات تو کچھ ایسی ہی ہے۔ دیہات کی زندگی بڑی منحوس ہوتی ہے میں اسی سے بھاگ رہا ہوں۔ تم جانتے ہو کہ سایہ دار جنگلوں اور پرسکون کھیتوں سے مجھے کتنا پیار رہا ہے۔ تم نے اکثر مجھ پہ رومانیت پسند ہونے کا الزام لگایا ہے۔ سیاست ایک ایسی چیز تھی جس کے بارے میں میں کچھ نہیں سننا چاہتا تھا اور سیاست ہی کہیں میرا پیچھا نہیں چھوڑتی۔"

"لیکن تمہارا تعلق کس جماعت سے ہے؟"

"کسی سے بھی نہیں، اور اسی نے تو مجھے مارا ہے۔ میری ساری سیاست بس یہ ہے ـــ میں مصوری اور موسیقی کا دلدادہ ہوں۔ کوئی اچھی کتاب پڑھنے کو ملے تو سمجھتا ہوں کہ میری زندگی میں ایک بڑا واقعہ ہوا۔ اب میری عمر چالیس سال کے لگ بھگ ہے۔ اب میں کتنے دن اور جیوں گا؟ یہی کوئی پندرہ بیس یا زیادہ سے زیادہ تیس سال۔ اچھا تو میری رائے ہے کہ اب سے تیس سال بعد ہمارے وزیر کچھ لائق ترضرور ہو جائیں گے۔ مگر فی الجملہ رہیں گے ویسے کے ویسے ہی جیسے آج کل کے وزیر ہیں۔ ہیں تو اپنے ملک کا مستقبل انگلستان کی تاریخ کے آئینے میں دیکھتا ہوں۔ ہمیشہ کوئی نہ کوئی بادشاہ ایسا ضرور رہے گا جو اپنے اختیارات بڑھانا چاہتا ہو۔ پارلیمنٹ میں داخل ہونے، کامرانیاں حاصل کرنے اور مرابو کی طرح

لاکھوں فرانک بنانے کی دھن ہمارے دولت مند قصبائیوں کو رات رات بھر جگائے رکھے گی۔ اور وہ اس کا نام رکھیں گے آزاد خیالی اور عوام کی محبت۔ نواب یا بادشاہ کا مصاحب بننے کی آرزو انتہا پسندوں کو ہمیشہ رہے گی۔ ملک کی کشتی میں ہر آدمی یہ چاہے گا کہ پتوار میرے ہاتھ میں ہو۔ کیونکہ اس کام میں پیسے اچھے ملتے ہیں۔ جو شخص محض مسافر ہو گیا اس کے لئے کبھی ایک چھوٹا سا کونہ بھی نہ ہو گا۔"

"کیوں نہ ہو گا؟ تمہارے جیسے امن پسند آدمی کو تو بڑا اچھا کونہ ملے گا۔ کیا تم ان آخری انتخابات کی وجہ سے اپنا علاقہ چھوڑ رہے ہو؟"

"میری مصیبت کا آغاز اس سے پہلے ہو چکا تھا۔ چار سال پہلے میری عمر چالیس سال تھی۔ اور میرے پاس پانچ لاکھ فرانک تھے۔ اب میری عمر چار سال زیادہ ہے اور میرے پاس شاید پچاس ہزار فرانک کم ہیں۔ رون کے کنارے ایک بڑی نفیس جگہ میرا جو مکان ہے اُسے بیچنے میں یہ پچاس ہزار ہاتھ سے نکل جائیں گے۔

"جس چیز کو انیسویں صدی کی تہذیب کہا جاتا ہے۔ وہ پیرس میں آدمی کو ہر وقت اداکار بنے رہنے پر مجبور کرتی ہے۔ میں اس سے تھک چکا تھا۔ مجھے سیدھی سادی اور خلوص و محبت کی زندگی کی تمنا تھی۔ چنانچہ میں نے رون کے کنارے پہاڑوں میں زمین خرید لی۔ یہ دنیا کی حسین ترین جگہ ہے۔

"پہلے چھ مہینے تک گاؤں کے پادری اور آس پاس کے زمینداروں نے میری بڑی آؤ بھگت کی۔ میں اکثر ان کی دعوت کرتا رہتا تھا۔ میں نے اُن سے کہہ دیا تھا کہ میں نے پیرس اس لئے چھوڑا ہے کہ سیاست کی باتیں نہ تو خود کروں اور نہ سنوں۔ میں کوئی اخبار نہیں خریدتا۔ میرے پاس جتنی کم ڈاک آئے میں اتنا ہی خوش رہتا ہوں۔

"یہ بات پادری کو پسند نہیں تھی۔ اب مجھ سے عجب عجب قسم کے مطالبے ہونے لگے اور میں سازشوں میں گھر گیا۔ میں ہر سال دو تین سو فرانک غریبوں میں بانٹنا چاہتا تھا۔ یہ لوگ مجھے پریشان کرنے لگے کہ میں یہ روپیہ مذہبی انجمنوں کو دوں۔ میں نے انکار کر دیا۔ اب میری طرح طرح سے تذلیل ہونے لگی۔ میں نے بیوقوفی یہ کی کہ اُن لوگوں سے بگڑ بیٹھا۔ میرے لئے پہاڑوں کے حسین مناظر سے لطف لینا ناممکن ہو گیا۔ صبح کو گھر سے نکلتا تو کوئی نہ کوئی احمق ضرور مل جاتا اور میرے خیالات کا سلسلہ درہم برہم کر دیتا۔ پھر مجھے انسان اور اس کی بدیوں کا خیال بدمزہ کر دیتا۔ مثال کے طور پر تہوار کے دن جلوسوں میں جو گیت گائے جاتے ہیں وہ مجھے بہت پسند ہیں (اُن کی دھن شاید یونانی ہے) مگر پادری میرے کھیتوں کو برکت نہیں دیتا۔ کیونکہ وہ کہتا ہے یہ کھیت تو ایک بے دین کے ہیں۔ کسی دیندار بڑھیا کی گائے مرجائے تو وہ کہتی ہے کہ میری گائے اس وجہ سے مری کہ پیرس کے فلسفی اور کافر کا نالاب قریب تھا اور ہفتے بھر بعد دیکھتا ہوں کہ میری ساری مچھلیاں پانی کے اوپر اُلٹی تیر رہی ہیں۔ انہیں کسی نے چونا دے دیا ہے۔ غرض ہر طرف شرارتیں ہی شرارتیں ہیں منصف ویسے تو ایماندار آدمی ہے، مگر اسے اپنی جگہ چھن جانے کا ڈر ہے۔ اس لئے مقدموں کا فیصلہ ہمیشہ میرے خلاف ہوتا ہے۔ کھیتوں کا سکون میرے لئے عذاب بن گیا ہے جیسے ہی لوگوں نے دیکھا کہ گاؤں کی کلیسائی جماعت کے سردار یعنی پادری نے میرا ساتھ چھوڑ دیا، اور آزاد خیالوں کا سردار بڈھا کپتان بھی میری حمایت نہیں کرتا، بس پھر کیا تھا، وہ مجھ پر پل پڑے۔ یہاں تک کہ وہ معمار بھی جس کی روٹی سال بھر سے میرے سہارے چل رہی تھی، اور وہ لوہار بھی جو میرے ہلوں کی مرمت کرنے میں بڑے

اطمینان سے مجھے لوٹتا تھا۔

"اس خیال سے کہ میرا کوئی نو ساتھی ہو اور میں کم سے کم ایک دو مقدمے تو جیت سکوں، میں آزاد خیال بن گیا۔ لیکن جیسا تم نے ابھی کہا، پھر وہ منحوس انتخابات آ گئے۔ مجھ سے میری رائے کا مطالبہ ہوا . . . . "

"کسی اجنبی کے حق میں؟"

"نہیں، اجنبی کیسا؟ ایک ایسے آدمی کے حق میں جس کی میں رگ رگ سے واقف تھا۔ مجھ سے کیا حماقت ہوئی کہ میں نے انکار کر دیا! اس دن سے آزاد خیال بھی میرے سر ہو گئے اور زندگی اجیرن ہو کے رہ گئی۔ میرا خیال ہے کہ اگر کسی دن پادری کو میرے اوپر اپنے نوکر کے قتل کا الزام لگانے کی سوجھ جاتی تو دونوں جماعتوں کے بیسیوں آدمی یہ گواہی دینے کو تیار ہو جاتے کہ ہم نے اپنی آنکھ سے اسے یہ جرم کرتے دیکھا ہے۔"

"تم چاہتے ہو کہ دیہات میں بھی رہو اور اپنے پڑوسیوں کی حرص و آز کی تسکین میں بھی مدد نہ دو، بلکہ ان کی گپ شپ تک نہ سنو۔ یہ تمہاری بڑی زبردست غلطی ہے!"

"اب میں اس غلطی کی تلافی تو کر رہا ہوں۔ میرا مکان بک رہا ہے۔ اگر ضروری ہوا تو میں پچاس ہزار فرانک کا نقصان بھی برداشت کر لوں گا۔ بہر حال میں بہت خوش ہوں۔ میں اس ریاکاری اور بغض و عناد کے جہنم سے نکل کے جا رہا ہوں۔ مگر فرانس میں تنہائی اور دیہات کا سا سکون کہیں میسر ہے تو پیرس میں شانزے لی زے کے قریب کسی چوتھی منزل کے کمرے میں۔ میں اب وہیں جا رہا ہوں۔ ساتھ ہی

ساتھ میں یہ بھی سوچ رہا ہوں کہ محلے کے گرجا میں نذر چڑھا کے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز کیوں نہ کر دوں۔"

"تمہارے ساتھ اس قسم کی باتیں نپولین کے زمانے میں نہیں ہو سکتی تھیں۔" فال کوز بولا۔ غصے اور افسوس کے مارے اس کی آنکھیں چمک اٹھی تھیں۔

"یہ سب تو ٹھیک ہے، مگر تمہارا نپولین اپنی جگہ قائم کیوں نہ رہ سکا؟ آج میں جو کچھ بھگت رہا ہوں یہ اسی کا تو کیا دھرا ہے۔"

اب ژولیاں اور بھی توجہ سے سننے لگا۔ وہ پہلے ہی سمجھ گیا تھا کہ یہ نپولین کا حامی موسیو د رینال کا بچپن کا دوست ہے۔ جس سے وہ ۱۸۱۶ء میں الگ ہو گیا تھا اور یہ فلسفی سینٹ ژیرو غالباً اس سرکاری افسر کا بھائی ہے جو نیلام میں میونسپلٹی کی جائداد سستے داموں خریدنا جانتا ہے۔

"یہ سب تمہارے نپولین کا کیا دھرا ہے" سینٹ ژیرو کہہ رہا تھا "چالیس سال کی عمر کا ایک ایماندار اور بے ضرر سا آدمی جا کے دیہات میں نہیں رہ سکتا۔ اور اسے وہاں سکون نہیں ملتا۔ نپولین کے پادری اور زمیندار اسے وہاں سے بھگا دیتے ہیں۔"

"ارے اسے برا نہ کہو" فال کوز چلا کے بولا "دوسری قوموں کی نظر میں فرانس کی اتنی عزت کبھی نہیں رہی جتنی تیرہ سال تک اس کے دور میں۔ ان دنوں جو بات بھی ہوتی تھی اس میں ایک عظمت کا پہلو ہوتا تھا۔"

وہ چالیس سال کا آدمی کہنے لگا "تمہارا شہنشاہ، خدا اسے جہنم میں پہنچائے بس میدانِ جنگ میں ہی اپنی عظمت دکھاتا تھا، یا پھر اس نے ۱۸۰۲ء میں ذرا ملک

کی مالی حالت ٹھیک کی۔ مگر بعد میں اس نے جو حرکتیں کیں اُن کے کیا معنی ہیں؟ اس کے دربار، اس کا جاہ و جلال، اس کے خادم، یہ سب کیا باتیں ہیں؟ وہ بادشاہت کی ساری حماقتوں کو نئی شکل میں پیش کر رہا تھا۔ یہ شکل ذرا اصلاح شدہ تھی، شاید ایک دو صدی چل جاتی۔ مگر پادری اور امرا وہی پرانی شکل پھر واپس لے آئے۔ لیکن اُن کے پاس وہ آہنی طاقت نہیں جس کے ذریعے اسے عوام کے سامنے پیش کر سکیں۔"

"ذرا ان کی باتیں سُنو! آخر اخبار والے ہیں نا!"

"مجھے میری زمین سے کون بے دخل کر رہا ہے؟" اخبار والا اسی جوش کے ساتھ بولتا رہا۔ "پادری، وہی پادری جنہیں نپولین نے پھر ہمارے سر پہ لا بٹھایا۔ اُن کے ساتھ وہی سلوک ہونا چاہیئے تھا جو حکومت ڈاکٹروں، وکیلوں اور سائنسدانوں کے ساتھ کرتی ہے۔ یعنی انہیں عام شہریوں کی حیثیت دی جاتی ہے اور یہ نہیں دیکھا جاتا کہ ان کا پیشہ کیا ہے۔ اگر نپولین نے بیرن اور کاؤنٹ کے خطاب نہ بانٹے ہوتے تو کیا آج یہ بدتمیز لوگ موجود ہوتے؟ اُن لوگوں کا زمانہ تو گزر چکا تھا۔ پادریوں کے بعد مجھے سب سے زیادہ ان چھوٹے چھوٹے دیہاتی رئیسوں نے ستایا ہے اور مجھے آزاد خیال بننے پر مجبور کیا ہے۔"

یہ بحث ختم ہونے والی ہی نہ تھی، بلکہ ابھی تو فرانس میں پچاس سال اور لوگوں کو اسی کا سودا رہے گا۔ سیں ژیرو بار بار یہی کہے جا رہا تھا کہ قصبات میں زندگی بسر کرنا بالکل ناممکن ہے۔ ژولیاں نے جھینپتے ہوئے موسیو دِرینال کی مثال پیش کی۔

"بہت اچھے، جوان، بہت اچھے! تم بھی خوب آدمی ہو!" فال کوز چیخ پڑا۔" وہ مفرور بن گیا ہے تاکہ اہرن نہ بننا پڑے، اور ہے بھی بڑا خوفناک چھوکرا۔ لیکن ابھی سے دکھائی دے رہا ہے کہ وال نو اسے مار بھگائے گا۔ تم اس بدمعاش کو جانتے ہو؟ بڑا اچھٹا ہوا ہے۔ جب دو چار دن میں تمہارے موسیو رینال کو پتا چلے گا کہ مجھے تو نکال دیا گیا اور وال نو میری جگہ آگیا تو پھر وہ کیا کہیں گے؟"

"بیٹھ کے اپنے جرائم پر سر دھنیں گے۔" سیں ژیرو بولا۔" تو، جوان، تم ویریئر سے واقف ہو؟ بہت خوب! نپولین پر خدا کی لعنت ہو۔ رینال اور شیلاں جیسے لوگوں کا دور دورہ اسی کی بدولت ہوا، اور اب ان کے بجائے وال نو اور ماس لو جیسے لوگوں کا زمانہ آ رہا ہے۔"

اس مشتبہ سیاست بازی کی باتیں سنکر ژولیاں کو بڑی حیرت ہوئی اور نفسانی لذت کے خواب اس کے دماغ سے نکل گئے۔

اس نے پیرس کو پہلی مرتبہ دور سے دیکھا تو کچھ ایسا متاثر نہ ہوا۔ ایک طرف تو وہ اپنے مستقبل کے بارے میں خیالی پلاؤ پکا رہا تھا۔ دوسری طرف ان چوبیس گھنٹوں کی یاد ابھی تک بالکل تازہ تھی جو اس نے ویریئر میں گزارے تھے۔ اس نے عہد کیا کہ اپنی محبوبہ کے بچوں کو کبھی اکیلا نہیں چھوڑوں گا، اور اگر پادریوں کی بدتمیزیوں کی وجہ سے جمہوریت دوبارہ قائم ہوئی اور امیروں کو ستایا گیا تو بچوں کی حفاظت کے لئے ہر چیز قربان کر دوں گا۔

ویریئر میں اس رات کو جب اس نے مادام دریناال کی خواب گاہ کی کھڑکی پہ سیڑھی لگائی ہے اگر وہاں کسی اجنبی یا موسیو دریناال سے مڈبھیڑ ہو جاتی تو اس پر

کیا گزرتی ؟

لیکن ساتھ ہی وہ شروع کے دو گھنٹے کیسے مزے کے تھے۔ جب اس کی محبوبہ اُسے باہر نکالنا چاہ رہی تھی اور وہ اندھیرے میں اس کے پاس بیٹھا منت سماجت کر رہا تھا! اس قسم کی یادیں عمر بھر ژرولیاں جیسے آدمی کا پیچھا نہیں چھوڑتیں۔ ملاقات کا باقی حصہ اس وقت تک اُن کی محبت کے چودہ مہینے بیشتر والے دور میں مدغم ہو چکا تھا۔

گاڑی رُکی تو ژرولیاں اپنے خوابوں سے جاگا۔ وہ گاڑی خانے کے صحن میں پہنچ چکے تھے۔ اس نے ایک گزرتے ہوئے دو پہیئے کے کوچوان سے کہا "میں مال میزرون جانا چاہتا ہوں"۔

"اتنی رات گئے ؟ آپ کو وہاں کیا کام ہے ؟"

"تمہیں اس سے کیا ؟ تم چلو"۔

سچے جذبات کی توجہ بس اپنے اوپر ہی مرکوز رہتی ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ پیرس میں جذبات اتنے مہمل بن جاتے ہیں۔ کیونکہ یہاں ہمارا ہمسایہ یہی چاہتا ہے کہ ہماری زیادہ تر توجہ اُسی پر صرف ہو۔ میں مال میزرون میں ژرولیاں کی شدتِ جذبات کا ذکر نہیں کروں گا۔ وہ وہاں خوب رویا۔ ہیں! اُن بدصورت سفید دیواروں کے باوجود جو اسی سال بنی تھیں اور جن کی وجہ سے پارک کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے تھے ؟ جی ہاں، جناب، ان کے باوجود۔ کیونکہ آئندہ نسلوں کی طرح ژرولیاں کے لئے بھی آرکول، سینٹ ہلینا اور مال میزرون میں کوئی فرق نہیں تھا۔

اس روز شام کو تھیٹر میں داخل ہونے سے پہلے ژرولیاں بڑی دیر تک

کشمکش و پنج میں پڑا رہا۔ اس ملعون جگہ کے بارے میں اس کے خیالات بڑی عجیب قسم کے تھے۔

اپنی شدید بدگمانی کی وجہ سے وہ پیرس کے نظاروں سے لطف نہ لے سکا اگر اس کے دل پر کسی چیز کا اثر ہوا تو بس اپنے ہیرو کی چھوڑی ہوئی یادگاروں کا۔

"تو یعنی میں سازش اور ریاکاری کے مرکز میں پہنچ گیا ہوں! پادری فری تیبر کے سرپرست یہیں راج کرتے ہیں۔"

اس کا ارادہ تھا کہ پادری پی رآر سے ملنے سے پہلے گھوم پھر کے ساری چیزیں دیکھ لے۔ مگر تیسرے دن کی شام کو اس ارادے پر تجسس غالب آگیا۔ پی رآر نے بالکل غیر جذباتی لہجے میں اُسے بتایا کہ موسیو دلاّمول کے یہاں اُسے کس قسم کی زندگی بسر کرنی پڑے گی۔

"اگر دو تین مہینے کے اندر پتہ چلا کہ تم اُن کے کام کے نہیں تو پھر تمہیں سیدھے سیدھے دارالعلوم بھیج دیا جائے گا، مگر باعزت طریقے سے۔ مارکوئس دلاّمول فرانس کے سب سے بڑے نوابوں میں سے ایک ہیں۔ تم انہیں کے یہاں رہو گے۔ تمہیں سیاہ لباس پہننا پڑے گا۔ مگر پادریوں کا سا نہیں، بلکہ ماتمی قسم کا۔ میں چاہتا ہوں کہ ہفتے میں تین بار تم دینیات کا درس لینے کسی مدرسے میں بھی جاؤ۔ میں وہاں تمہارا تعارف کرا دوں گا۔ روز دوپہر کے وقت تمہیں نواب صاحب کے کتب خانے میں جانا ہوگا۔ وہ تمہیں اپنے مقدموں اور دوسرے کاروبار کے سلسلے میں خط و کتابت کرنے کے لئے ملازم رکھ رہے ہیں جو خط آئیں گے اُن کے حاشیئے پر جو بھی جواب دینا ہوگا۔ اس کا خلاصہ وہ ایک الفاظ میں لکھ دیا کریں گے

میں نے ذمہ لیا ہے کہ تین مہینے کے اندر تم خطوں کا جواب لکھنا اچھی طرح سیکھ جاؤ گے۔ اگر تم نے بارہ خط اُن کے سامنے دستخطوں کے لئے پیش کئے تو آٹھ تو ضرور اس قابل ہوں گے کہ وہ ان پر دستخط کر دیں۔ شام کو آٹھ بجے اُن کے کاغذات ٹھیک کر کے رکھنے ہوں گے اور دس بجے تمہیں چھٹی مل جایا کرے گی۔"

پھر پی آر کہنے لگا ـــ "یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی معمر خاتون یا کوئی چرب زبان آدمی اشاروں ہی اشاروں میں تمہیں سبز باغ دکھائے یا صاف صاف روپیہ دے کر نواب صاحب کے خط دیکھنے کو مانگے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

"جی!" تُرو ولیاں نے شرم سے سرخ ہو کر کہا۔

پادری ذرا تلخ مسکراہٹ کے ساتھ بولا ـــ "یہ عجیب بات ہے کہ تم غریب آدمی ہو اور دارالعلوم میں ایک سال رہ بھی چکے ہو۔ مگر پھر بھی تمہارے اندر بے ایمانداری کا غصہ موجود ہے۔ ضرور تمہاری آنکھیں بند رہی ہوں گی!"

"کہیں خون کا اثر تو نہیں؟" پادری نے آہستہ سے کہا جیسے اپنے آپ سے سوال پوچھ رہا ہو۔ پھر تُرو ولیاں کی طرف دیکھ کر بولا "عجیب بات ہے کہ نواب صاحب تم سے واقف ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ پتہ نہیں کس طرح۔ شروع میں تو وہ تمہیں ایک سو لوئی تنخواہ دے رہے ہیں۔ وہ ذرا من موجی آدمی ہیں۔ یہی ان میں ایک کمزوری ہے۔ تم دیکھنا، اُن کی طبیعت میں تم سے بھی زیادہ بچپن ہے۔ اگر وہ تم سے خوش ہوئے تو آہستہ آہستہ تمہاری تنخواہ آٹھ ہزار فرانک تک پہنچ جائے گی۔"

اب پادری کا لہجہ سخت ہو گیا ـــ "لیکن یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ تمہیں تنخواہ اپنی خوبصورت آنکھوں کی نہیں مل رہی۔ تمہیں ٹھیک طرح کام کرنا پڑے گا۔ اگر میں

تمہاری جگہ ہوں تو بہت کم بات کروں اور خصوصاً جن معاملات سے ناواقف ہوں اُن کے بارے میں تو بالکل ہی خاموش رہوں۔"

"ہاں، میں نے تمہارے لئے کچھ معلومات بھی فراہم کی ہیں۔ مرسیو دلاموِل کے خاندان کا ذکر تو رہا ہی جاتا ہے۔ اُن کے ایک تو بیٹی ہے اور ایک انیس سال کا بیٹا جو ہے تو بڑا نفاست پسند، مگر ویسے بالکل پگلا ہے اُسے یہ بھی خبر نہیں رہتی کہ اب کیا کر رہا ہوں اور ایک منٹ بعد کیا کروں گا۔ یوں وہ خاصا تیز طرار ہے، بہادر ہے، اسپین میں لڑ چکا ہے۔ پتا نہیں کیوں، نواب صاحب کو اُمید ہے کہ تمہاری اور اس نوجوان کاؤنٹ نوربیر کی دوستی ہو جائے گی۔ میں نے انہیں بتایا ہے کہ تم لاطینی بڑی اچھی جانتے ہو۔ غالباً انہیں توقع ہے کہ تم اُن کے بیٹے کو ورجل اور کی کیرو کے متعلق دو چار گھڑے گھڑائے فقرے رٹا دو گے۔

"اگر میں تمہاری جگہ ہوں تو اس نفیس نوجوان کو اپنے ساتھ کبھی بے تکلف نہ ہونے دوں۔ اگر وہ میری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھائے تو چونکہ اس کے انداز میں شائستگی تو ہوگی مگر ساتھ ہی طنز بھی شامل ہوگا۔ اس لئے اس کی باتوں سے متاثر ہونے سے پہلے تھوڑا سا انتظار کروں اور دیکھوں کہ وہ دوبارہ بھی میری طرف بڑھتا ہے یا نہیں۔

"میں تم سے یہ بات بھی نہیں چھپاؤں گا کہ شروع شروع میں یہ نوجوان کاؤنٹ دلاموِل تمہیں حقارت کی نظروں سے دیکھے گا، کیونکہ تم معمولی درجے کے آدمی ہو۔ وہ براہ راست ایک ایسے آدمی کی اولاد میں سے ہے جو بادشاہ کا مقرّب خاص تھا اور جسے ایک سیاسی سازش کے سلسلے میں ۲۶ر اپریل ۱۵۷۴ء کو بیچ

بازار میں پھانسی پانے کی عزت نصیب ہوئی۔ رہے تم، تو تم دیتیر کے ایک بڑھئی کے بیٹے ہو اور اوپر سے اس کے باپ کے نوکر ہو۔ اس فرق کا خیال رکھو اور موریری کی کتاب میں اس خاندان کا حال پڑھ لو۔ جتنے خوشامدی اُن کے دستر خوان پر جمع ہوتے ہیں وقتاً فوقتاً اس بات کی طرف اشارے کرتے ہیں جن کا نام انہوں نے لیلیون تلمیحات رکھا ہے۔

"فوج کے ایک بڑے افسر اور فرانس کے ایک آئندہ نواب کاؤنٹ نوربیرو لاموں کی فقرے بازی کا جواب ذرا احتیاط سے دینا، اور دیکھو بعد میں میرے پاس شکایتیں لے کر نہ آنا۔"

ژولیاں پہلے سے بھی زیادہ سُرخ ہو کر بولا۔ "اس کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو آدمی مجھے حقارت کی نظر سے دیکھے میں اسے بھی اُلٹ کر جواب نہ دوں۔"

"تمہیں پتا نہیں کہ یہ حقارت ہے کس قسم کی۔ اس کے اظہار کا طریقہ یہ ہے کہ تمہاری مبالغہ آمیز تعریفیں ہوں گی۔ اگر تم بے وقوف ہو تو ممکن ہے دھوکے میں آجاؤ لیکن اگر تم کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہو تو لازمی ہے کہ اپنے آپ کو دھوکے میں آجانے دو۔"

ژولیاں نے کہا۔ "اگر کسی دن مجھے یہ ساری باتیں پسند نہ آئیں اور میں اپنے حجرے نمبر ۱۰۳ میں واپس پہنچ گیا تو کیا مجھے ناشکرا سمجھا جائے گا؟"

"بالکل۔" پادری نے جواب دیا۔ "سارے چاپلوس لوگ تمہاری بُرائی کریں گے مگر پھر میں خود وہاں جا پہنچوں گا کہ یعنی بندہ حاضر ہے، مجھ سے پوچھئے۔ میں کہہ دوں گا کہ یہ فیصلہ میں نے کیا ہے۔"

ژولیاں کو یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ پی رار کا لہجہ تلخ بلکہ پُرعناد ہے۔ اس لہجے سے پادری کے آخری جواب کا مزا تو بالکل کرکرا ہو گیا تھا۔

اصل میں پادری کے ضمیر کو یہ بات پسند نہ تھی کہ اُسے ژولیاں سے لگاؤ ہو اور کسی دوسرے کا مستقبل بنانے میں یوں براہِ راست مداخلت کرتے ہوئے وہ ایک مذہبی قسم کا خوف محسوس کر رہا تھا۔

وہ اسی تُرشی کے ساتھ بولا جیسے کوئی ناخوشگوار فرض انجام دے رہا ہو۔ ..... "تم مادام لا مارکیز دِلاموِل کو بھی دیکھو گے۔ لمبا قد، گورا رنگ، دین دار، مغرور، بہت مہذب، مگر امتیاز کی بات کوئی بھی نہیں۔ وہ بڈھے ڈیوک دشولین کی بیٹی ہیں جو اپنے رئیسانہ تعصبات کی وجہ سے مشہور ہیں۔ اپنے طبقے کی عورتوں کے سارے خصائص ان بیگم صاحب میں جمع ہو گئے ہیں، بلکہ اُن کا رنگ اور نکھر آیا ہے وہ اس بات کو راز بنا کر نہیں رکھتیں کہ اُن کی نظروں میں وہی لوگ عزت کے مستحق ہیں جن کے آباؤ اجداد صلیبی جنگوں میں شریک ہوئے ہوں۔ روپیہ کی باری بہت بعد میں آتی ہے۔ یہ سُن کر تمہیں حیرت ہوئی؟ دوست، اب ہم دیہات میں نہیں ہیں۔

"اُن کے دیوان خانے میں تمہیں کئی بڑے بڑے نواب ایسے ملیں گے جو ہمارے شہزادوں کا ذکر بڑی بے ادبی سے کریں گے۔ مگر جہاں تک مادام دلاموِل کا تعلق ہے۔ وہ کسی شہزادے، اور خصوصاً کسی شہزادی کا نام لیتی ہیں تو ازراہِ تعظیم ہلکی آواز میں بولتی ہیں۔ میری بات مانو تو اُن کے سامنے کبھی یہ نہ کہنا کہ فلپ دوم یا ہنری ہشتم وحشی تھا۔ یہ لوگ بادشاہ تھے، اس لئے ان کا

ازلی اور ابدی حق ہے کہ ہر آدمی اُن کی عزت کرے۔ خاص طور سے میں اور تم جیسے معمولی درجے کے لوگ۔ بہر حال ہم تو پادری لوگ ہیں، کیونکہ وہ تمہیں بھی پادری ہی سمجھیں گی۔ اس اعتبار سے ہم لوگ ان کی نظر میں ایسے خادم ہیں جو اُن کی نجات کے لئے ضروری ہیں۔"

ژولیاں بولا۔ "جی، مجھے تو معلوم ہوتا ہے کہ میں پیرس میں زیادہ دن نہیں رہ سکوں گا۔"

"جیسا تمہارا جی چاہے۔ لیکن ایک بات سمجھ لو۔ تمہارے پیشے کے آدمی کے لئے امرا کی مدد کے بغیر کامیابی کی کوئی امید نہیں۔ تمہارے کردار میں ایک چیز ایسی ہے جسے صحیح طور پر بیان نہیں کیا جا سکتا، کم سے کم مجھ سے تو نہیں ہوتا۔ بہر حال اس عنصر کی موجودگی میں اگر تم کامیاب نہ ہوئے تو لوگوں کے ہاتھوں تکلیفیں اٹھاؤ گے۔ تمہارے لئے درمیانی راستہ کوئی نہیں ہے۔ تم اپنی اس حیثیت کو غلط طریقے سے استعمال نہ کرو۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ جب وہ تم سے بات کرتے ہیں تو تمہیں یہ حرکت پسند نہیں آتی۔ اس جیسے سماجی ماحول میں اگر تم لوگوں کی عزت حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہوئے تو پھر تمہارے لئے بدنصیبی ہی بدنصیبی ہے۔

"اگر مارکوئس دلامول کو یہ اُچنگ نہ اٹھتی تو بیسانسوں میں تمہارا کیا حال ہوتا وہ تمہارے لئے جو کچھ کر رہے ہیں۔ یہ ذرا عجیب سی بات ہے۔ ایک دن تم ان کی قدر جان جاؤ گے، اور اگر تم بالکل جانور نہیں ہو تو عمر بھر اُن کا اور اُن کے خاندان کا احسان مانو گے۔ نہ معلوم کتنے مفلس پادریوں نے جو تم سے کہیں زیادہ ہوشیار تھے، پیرس میں سالہا سال اس طرح گزارے ہیں کہ پندرہ سو تو نماز پڑھانے کے

ملتے ہیں اور دس سو دارالعلوم میں درس دینے گے ..... ذرا یاد کرو۔ پچھلے جاڑوں میں اس بے ایمان پادری دد آبوا کے ابتدائی زمانے کے متعلق میں نے تمہیں کیا سنایا تھا۔ کہیں تم اتنے خود پسند تو نہیں ہو کہ اپنے آپ کو اس سے بھی زیادہ قابل سمجھتے ہو؟

"مجھ ہی کو لو۔ میں ایک سیدھا سادا معمولی درجے کا آدمی ہوں۔ مجھے امید تھی کہ بس اب دارالعلوم سے مر ہی کے نکلوں گا۔ یہ میرا بچپن تھا کہ مجھے دارالعلوم سے محبت ہو گئی۔ اچھا خیر! جب میں نے استعفیٰ دیا ہے تو میں نکالا جانے والا تھا تمہیں معلوم ہے کہ اس وقت میرے پاس کُل کتنے پیسے تھے؟ پانچ سو بیس فرانک، نہ کوڑی کم نہ کوڑی زیادہ۔ دوست میرا ایک بھی نہیں تھا۔ بس زیادہ سے زیادہ دو یا تین ملاقاتی تھے۔ موسیو دلاموَل کو میں نے دیکھا تک نہیں، مگر انہیں نے مجھے مصیبت سے بچایا۔ اُن کے منہ سے ایک لفظ نکلنے کی دیر تھی۔ کہ میں ایک علاقے کا پادری بن گیا۔ اس علاقے کے لوگ عام برائیوں سے پاک ہیں اور سب کے سب آسودہ حال ہیں۔ مجھے اپنی آمدنی دیکھ دیکھ کر شرم آتی ہے، کیونکہ یہ میرے کام کی نسبت سے کہیں زیادہ ہے۔ میں نے اتنی لمبی چوڑی تقریر اس وجہ سے کی کہ تمہیں سب آگا پیچھا بتا دوں۔

"بس ایک بات اور ــــ بدقسمتی سے مجھے غصہ بڑی جلدی آ جاتا ہے ممکن ہے ایک دن ایسا آئے کہ میری تمہاری بول چال ہی بند ہو جائے۔

"اگر بیگم صاحبہ کی اکڑبازی یا اُن کے بیٹے کی شرارت اور ہنسی مذاق کی وجہ سے اُن کے گھر تمہارا ٹکنا دوبھر ہو جائے تو میری صلاح یہ ہے کہ اپنی تعلیم

پیرس سے سو کوس دور کسی دارالعلوم میں مکمل کرنا، اور جنوب کے بجائے شمال کی طرف۔ شمال میں تمہیں تہذیب و شائستگی زیادہ اور بے انصافیاں کم ملیں گی"
پھر وہ نیچی آواز میں بولا "اتنی بات بھی مجھے تسلیم ہے کہ پیرس کے اخباروں کی فرہنیت کے سبب یہ کم ظرف جابر لوگ ذرا ڈرتے ہیں۔

"اگر ہم دونوں کے تعلقات اسی طرح خوشگوار رہے اور تمہیں مارکوئس کا گھر پسند نہ آیا۔ تو میں تمہیں اپنا نائب بنا لوں گا اور جتنی آمدنی ہوگی اس میں تمہارا برابر کا حصہ ہوگا۔"

ژولیاں اپنی احسان مندی کا اظہار کرنے لگا تھا، مگر پادری اس کی بات کاٹ کر بولا "یہ تو تمہارے احسان کا بدلہ ہے۔ بساں سوں میں تم نے ایسی زبردست پیش کش کی تھی کہ مجھے تو تمہارا اور بھی شکر گزار ہونا چاہیئے۔ اگر پانچ سو بیس فرانک کے بجائے میرے پاس کچھ بھی نہ ہوتا تو تمہیں میرے کام آتے۔"

پادری کے لہجے سے سختی دور ہو چکی تھی۔ ژولیاں کو یہ محسوس کر کے بڑی شرم آئی کہ میری آنکھوں سے آنسو نکل رہے ہیں۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ اپنے دوست کے بازوؤں میں گر پڑوں۔ وہ جتنا بھی مردانہ انداز بنا سکا بنا کر پادری سے یہ کہے بغیر نہ رہ سکا۔

"میں جس دن پیدا ہوا ہوں اسی دن سے میرے باپ کو مجھ سے نفرت رہی ہے۔ یہ میری سب سے بڑی بدنصیبی تھی۔ مگر اب مجھے قسمت سے کوئی گلہ نہیں نہیں رہا۔ باپ کی جگہ مجھے آپ مل گئے۔"

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔" پادری نے سٹپٹا کر کہا۔ پھر اسے دارالعلوم کے

نگراں کی زبان کا ایک فقرہ بڑے موقع سے یاد آگیا۔ "بیٹے، تمہیں 'قسمت' کبھی نہیں کہنا چاہیئے۔ ہمیشہ 'خدا' کہو۔"

گاڑی رُک گئی۔ کوچوان نے ایک زبردست دروازے کے پاس جا کر تانبے کی گھنٹی بجائی۔ یہ موسیو ولاموَل کا محل تھا اور اس غرض سے کہ سامنے گزرنے والے کو اس میں کسی قسم کا شک نہ رہے۔ دروازے کے اوپر سیاہ سنگِ مرمر کی تختی پر یہ الفاظ لکھے تھے "اوتل ولاموَل"۔ یہ نمائش پسندی ژولیاں کو ذرا نہ بھائی۔ "یہ لوگ انقلابیوں سے اتنا ڈرتے ہیں! ہر جھاڑی کے پیچھے انہیں روبس پئیر اور اس کی قیدیوں والی گاڑی نظر آتی ہے۔ ان لوگوں کی حالت دیکھ کے اکثر آدمی ہنستے ہنستے بے دم ہو جاتا ہے اور پھر یہ لوگ اپنے مکان کا اشتہار اس طرح دیتے ہیں کہ اگر غدر ہو تو ہجوم فوراً پہچان لے اور اسے تہس نہس کر ڈالے۔" اس نے دل کی بات پادری سے بھی کہہ ڈالی۔

"آہ! بیچے، تمہیں بڑی جلدی میرا نائب بننا پڑے گا۔ تمہارے دماغ میں بھی کیسا خوفناک خیال آیا ہے!"

"اس سے زیادہ سیدھی بات اور کیا ہو گی!" ژولیاں نے کہا۔

دربان کا گمبھیر پن اور اس سے بھی زیادہ صحن کی صفائی دیکھ کر ژولیاں بڑا متاثر ہوا۔ اس وقت دھوپ بڑی اچھی تھی۔

"عمارت کتنی شاندار ہے!" وہ اپنے دوست سے بولا۔

اس عمارت کا سامنے کا رُخ بالکل بے جان تھا اور یہ مکان بالکل ویسا ہی تھا جیسے فوبورسین ژرمیں کے اور مکان ہیں جو والتیئر کے انتقال کے وقت بنائے گئے تھے۔ حسن اور فیشن میں اتنا فرق کبھی نہیں رہا جتنا ان عمارتوں میں نظر آتا ہے۔

دوسرا باب

بڑے لوگوں کے درمیان پہلی دفعہ

اٹھارہ سال کی عمر میں پہلی دفعہ اکیلے اور کسی ساتھی کے بغیر ایک دیوان خانے میں جانا! اس بات کی یاد دھندلی تو ضرور ہے، مگر دل کانپ اٹھتا ہے۔ کوئی عورت میری طرف دیکھتی تو میں لرز جاتا۔ میں نے اپنے جوہر دکھانے کی جتنی کوشش کی اتنی ہی بے ہنگم حرکتیں مجھ سے سرزد ہوئیں۔ میں نے ہر چیز کے بارے میں عجب اُول جلُول قسم کی رائیں قائم کیں۔ یا تو میں بے وجہ ہتھیار ڈال دیتا۔ یا پھر جو آدمی سنجیدہ شکل بنا کے میری طرف دیکھتا اسی کو اپنا دشمن سمجھتا۔ اپنی جھینپ کی وجہ سے مجھے تکلیف تو بہت اٹھانی پڑی۔ مگر اس کے باوجود یہ دن کتنا شاندار تھا!

کانٹ

ژولیاں اپنی بوکھلاہٹ میں صحن کے بیچ ہی میں رُک گیا۔

پادری پی رار نے کہا — "ذرا اپنے آپ کو سنبھالو۔ باتیں تو تم ایسی خوفناک سوچتے ہو، مگر ہو بالکل بچے! ذرا یاد کرو ہوریس نے کیا نصیحت کی ہے۔ آدمی کو جوش میں نہیں آنا چاہئے۔ دیکھو یہ نوکر چاکر تمہیں اس طرح مبہوت کھڑا پا کر ہے وقوف

بنانے کی کوشش کریں گے۔ وہ سمجھیں گے کہ تم انہیں کے برابر کے ہو مگر بے انصافی سے کام لے کر تمہیں اُن سے اونچا درجہ دے دیا گیا ہے۔ ظاہر میں تو وہ بھل منسابت برتیں گے، تمہیں اچھے اچھے مشورے دیں گے۔ جن سے معلوم ہوگا کہ تمہاری مدد کرنا چاہتے ہیں، لیکن دراصل وہ اس فکر میں رہیں گے کہ تم سے کوئی احمقانہ حرکت سرزد ہو۔"

"میں شرط بدتا ہوں کہ یہ لوگ مجھے بیوقوف نہیں بنا سکتے۔" ژولیاں نے اپنا ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا اور وہ پھر پہلے کی طرح بدگمان ہوگیا۔

مارکوئس کے کمرے میں پہنچنے سے پہلے یہ دونوں دوسری منزل پر جن دیوان خانوں میں سے گزرے وہ ہمارے معزز قارئین کو شاندار تو ضرور معلوم ہوتے مگر ساتھ ہی بالکل بے رنگ بھی۔ یہ کمرے جس حالت میں تھے اگر اسی حالت میں آپ کے سامنے پیش کئے جاتے تو آپ وہاں رہنے سے انکار کر دیتے۔ بے لطفی اور بے مزہ بخشابخشی کا گھر یہیں ہے۔ ژولیاں اور بھی مسحور ہو کے رہ گیا۔ وہ دل میں بولا۔ —"جو آدمی ایسے عالی شان مکان میں رہتا ہو وہ کبھی ناخوش نہیں ہو سکتا۔"

آخر یہ دونوں حضرات ایک ایسے کمرے میں پہنچے جو سب سے زیادہ بدصورت تھا۔ اس میں روشنی کا گزر مشکل ہی سے ہوتا تھا۔ وہاں ایک چھوٹے قد کا دُبلا پتلا آدمی ملا جس کی آنکھیں بڑی چمکدار تھیں اور جس نے نقلی بال لگا رکھے تھے۔ پادری ژولیاں کی طرف مڑا اور اُسے اس آدمی کی خدمت میں پیش کیا۔ یہ مارکوئس تھا۔ وہ اتنے اخلاق سے پیش آیا کہ ژولیاں کو اسے پہچاننے میں بڑی مشکل ہوئی۔ یہ وہ اکڑباز نواب نہیں تھا جسے اس نے بریے لا اوکے گرجا میں دیکھا تھا۔ ژولیاں کے خیال میں اس کے

نقلی بال بہت زیادہ گھنے تھے۔ اس احساس کا اثر یہ ہوا کہ ژولیاں کو دب کر بات کرنے کی ضرورت باقی نہ رہی۔ شروع میں اسے کچھ ایسا لگا کہ ہنری سوم کے دوست کے اس وارث میں ذرا بھی رعب داب نہیں۔ وہ سوکھا سڑا سا تھا اور اسے بات بات میں جوش آجاتا تھا۔ لیکن تھوڑی دیر میں ژولیاں کو پتہ چلا کہ اس کا اخلاق اور اس کی شائستگی بساں سوں کے اسقف کی ملائمت سے بھی زیادہ خوشگوار ہے اس ملاقات میں تین منٹ بھی نہیں لگے۔ کمرے سے نکلتے ہوئے پادری نے ژولیاں سے کہا۔

"تم تو مارکوئس کو ایسے گھور رہے تھے جیسے کوئی تصویر دیکھ رہے ہو۔ یہ لوگ جس چیز کو تمیز اور سلیقہ کہتے ہیں میں اس میں کوئی مہارت نہیں رکھتا۔ تھوڑے دن میں تم مجھ سے زیادہ جان جاؤ گے۔ پھر بھی تم جس دلیری سے اُن کی طرف تک رہے تھے۔ وہ مجھے تمیز کی بات نہیں معلوم ہوتی۔"

وہ پھر اپنی گاڑی میں آبیٹھے۔ کوچوان ایک بڑی سڑک پہ آکے رکا۔ پادری ژولیاں کو کئی لمبے چوڑے کمروں میں سے لے کے نکلا۔ ژولیاں نے دیکھا کہ ان کمروں میں کسی قسم کا ساز و سامان نہ تھا۔ وہ ایک شاندار سنہری گھڑی کے اوپر بنی ہوئی تصویر دیکھنے میں محو تھا جس کا موضوع اس کے خیال میں بڑا فحش تھا کہ اتنے میں ایک سجیلا آدمی اس کی طرف مسکراتا ہوا بڑھا۔ ژولیاں نے سر جھکا کر اسے تعظیم دی۔

اُس آدمی نے مسکرا کر ژولیاں کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ ژولیاں ایک دم سے کانپ کر پیچھے ہٹ گیا۔ غصے کے مارے اس کا منہ لال ہو رہا تھا۔ پادری پی رار اپنی سنجیدگی کے باوجود اتنا ہنسا کہ آنسو نکل آئے۔ یہ آدمی درزی تھا۔

"اب تم دو دن کے لئے آزاد ہو۔" پادری نے باہر نکلتے ہوئے کہا۔ "مادام دلاموئل کے حضور میں باریابی اس سے پہلے حاصل نہیں ہو سکتی۔ تم موجودہ زمانے کے بابل میں پہنچ گئے ہو۔ تمہارے قیام کے ابتدائی دنوں میں تو یہاں زیادہ تر لوگ تمہاری اس طرح حفاظت کریں گے جیسے کسی نوجوان لڑکی کی۔ اگر تمہیں برباد ہی ہونا ہے تو بہتر یہ ہے کہ اپنے آپ کو فوراً برباد کر ڈالو۔ میں بھی اس مصیبت سے چھٹوں گا۔ یہ میری کمزوری ہے کہ میں تمہارا اتنا خیال رکھتا ہوں۔ پرسوں صبح یہ درزی تمہارے پاس دو کوٹ لے کے آئے گا۔ جو لڑکا تمہیں کوٹ پہنا کر دیکھے اسے پانچ فرانک دے دینا۔ اس کے علاوہ ایک ضروری چیز یہ ہے کہ یہ پیرس والے تمہاری آواز نہ سننے پائیں۔ اگر تمہارے منہ سے ایک لفظ بھی نکلا تو یہ لوگ تمہیں اُلّو بنانا شروع کر دیں گے۔ اس بات میں انہیں کمال حاصل ہے۔ پرسوں دوپہر کے وقت میرے یہاں آجانا۔ . . . . اچھا جاؤ، اب اپنا ستیاناس کرو۔ . . . ایک بات تو میں بھول ہی گیا۔ میں تمہیں یہ پتے دیتا ہوں۔ وہاں جا کر ٹوپی، جوتوں اور قمیصوں کا آرڈر دے آنا۔"

ژولیاں اس تحریر کے خط کو غور سے دیکھنے لگا۔

"یہ مارکوئس نے لکھا ہے۔" پادری بولا۔ "وہ کام کرنے میں بہت تیز ہیں، ہر بات کا انتظام پہلے سے رکھتے ہیں۔ بیٹھ کے حکم چلانے کے بجائے ہر کام خود کرتے ہیں۔ وہ تمہیں اس لئے ملازم رکھ رہے ہیں کہ تم انہیں اس قسم کی زحمتوں سے نجات دو۔ وہ بڑے ذہین آدمی ہیں۔ تمہیں کسی بات کا حکم دیں گے تو بس دو چار لفظوں میں۔ کیا تم میں اتنی عقل ہے کہ اُن کا حکم ٹھیک طرح بجا لاؤ؟ خیر یہ تو مستقبل بتائے گا۔ احتیاط سے کام لینا!"

ژو لیاں نے کوئی جواب نہ دیا اور سیدھا اُن دکانوں میں پہنچا۔ جن کا پتہ کاغذ پر لکھا تھا۔ اس نے دیکھا وہاں اُس کا استقبال بڑی تعظیم و تکریم کے ساتھ ہوا۔ جوتے والے نے اپنے رجسٹر میں اس کا نام درج کرتے ہوئے "موسیو ژو لیاں وسوریل" لکھا۔

پیئر لاشیز کے قبرستان میں ایک آدمی نے جو بڑا بھلا مانس اور باتوں سے تو اور بھی زیادہ آزاد خیال معلوم ہوتا تھا۔ ژو لیاں کو مارشل نے کی قبر بتائی۔ جسے دانش مند حکومت نے کتبے کی عزت سے بھی محروم رکھا ہے۔ اس آزاد خیال نے رخصت ہوتے وقت آنکھوں میں آنسو بھر کے ژو لیاں کو گلے لگا لیا۔ لیکن ژو لیاں نے بعد میں دیکھا تو گھڑی غائب تھی۔ اس تجربے کی دولت سے مالا مال ہو کر دوسرے دن بعد دوپہر کے وقت وہ پادری پی رار کے سامنے حاضر ہوا۔ پادری نے اسے اوپر سے نیچے تک دیکھا۔

پادری ذرا سختی کے ساتھ بولا۔ "تم رنگیلے بنتے جا رہے ہو۔" ژو لیاں اس وقت ایک انتہائی نو عمر آدمی معلوم ہو رہا تھا جس نے ماتمی لباس پہن رکھا تھا۔ وہ واقعی بڑا اچھا لگ رہا تھا لیکن نیک دل پادری خود قصباتی آدمی تھا۔ وہ یہ بات نہیں دیکھ سکا کہ ژو لیاں ابھی تک اُس طرح کندھے جھٹک کے چلتا ہے۔ جس سے قصبات میں نفاست پسندی اور اہمیت کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔ مارکوئس نے ژو لیاں کو دیکھا تو اس کے محاسن کے بارے میں پادری سے بالکل ہی مختلف رائے قائم کی۔ وہ پادری سے کہنے لگا۔

"اگر موسیو سوریل ناچنا سیکھ لیں تو آپ کو اعتراض تو نہیں ہو گا؟"

پادری بپھر اسا گیا۔

"نہیں۔" اس نے تھوڑی دیر بعد جواب دیا۔ "ژولیاں پادری تو ہے نہیں۔"

مارکوئس ایک پوشیدہ زینے کی دو دو سیڑھیاں ایک ساتھ طے کرتا ہوا ہمارے ہیرو کو بنفسِ نفیس ایک صاف ستھری کوٹھری میں لے گیا۔ جہاں سے محل کا لمبا چوڑا باغ نظر آتا تھا۔ اس نے ژولیاں سے پوچھا کہ کتنی قمیصیں سلوائی ہیں۔

"دو۔" ژولیاں نے کہا۔ اتنے بڑے آدمی کو ایسی چھوٹی چھوٹی باتیں پوچھتے دیکھ کر ژولیاں بھونچکا رہ گیا۔

"ٹھیک ہے۔" مارکوئس نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ اور ذرا تیز اور تحکمانہ قسم کے لہجے میں کہا۔ "ٹھیک ہے! بائیس قمیصیں اور سلوا لو۔ یہ رہی تمہاری تین مہینے کی تنخواہ۔"

یہ بات سُن کر ژولیاں سوچنے لگا۔

نیچے آکر مارکوئس نے ایک معمّر آدمی کو بلایا اور کہا — "آرسین، موسیو سوریل کی خدمت تمہارے سپرد ہے۔" دو چار منٹ بعد ژولیاں اس شاندار کتب خانے میں اکیلا رہ گیا۔ یہ لمحہ بھی عجیب لطف کا تھا۔ اس ڈر سے کہ کہیں اس ہیجانی کیفیت میں اُسے کوئی دیکھ نہ لے۔ وہ ایک اندھیرے سے کونے میں جا کر چھپ گیا اور وہاں سے بڑے وفور کے ساتھ کتابوں کی چمک دار جلدوں کو تکنے لگا۔ وہ دل میں بولا — "اب میں یہ سب کتابیں پڑھ سکوں گا۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ میں یہاں خوش نہ رہوں۔ مارکوئس دلا مول نے میرے لئے جو کچھ کیا ہے۔ اگر موسیو دریناں نے اس کا

سوواں حصہ بھی کیا ہوتا تو اسے عمر بھر اس میں اپنی تذلیل محسوس ہوتی۔"

"مگر پہلے خطوں کی نقل ہو جائے۔" یہ کام ختم ہوا تو ژولیاں ہمت کر کے الماریوں کی طرف بڑھا۔ اُسے والتیر کی مکمل تصنیفات رکھی ملیں تو وہ خوشی کے مارے پاگل ہو گیا۔ اس نے جلدی سے دوڑ کر کتب خانے کا دروازہ کھولا اور چاروں طرف نظر ڈالی کہ کوئی دیکھ تو نہیں رہا۔ پھر اس نے باری باری یہ تمام اسّی جلدیں کھول کھول کر دیکھیں، اور خوب محظوظ ہوا۔ کتابوں کی جلدیں بڑی شاندار تھیں اور یہ لندن کے بہترین کاریگر کا شاہ کار تھا۔ اب تو ژولیاں نہالوں نہال ہو گیا۔

گھنٹے بھر بعد مارکوئس آیا اور نقلیں ملاحظہ کیں۔ یہ دیکھ کر اسے بڑا تعجب ہوا۔ کہ ژولیاں نے ایک معمولی سے لفظ کو بار بار غلط لکھا تھا۔" یعنی پادری نے اس کی علمیت کے جو قصّے سنائے ہیں۔ وہ سب گپ ہی گپ ہے۔" مارکوئس کو مایوسی تو بہت ہوئی۔ مگر اس نے بڑی نرمی سے کہا —

"آپ کا املا درست نہیں ہے"۔

"جی بجا ہے۔" ژولیاں نے کہا اور یہ بھی نہ سوچا کہ میں خود اپنے پیروں پر کلہاڑی مار رہا ہوں۔ مارکوئس کی شفقت کا اس کے دل پر بڑا اثر پڑا تھا، کیونکہ اُسے موسیو دریناال کے لہجے کی درشتی یاد آنے لگی تھی۔

مارکوئس نے دل میں کہا — "اس دیہاتی راہب کی آزمائش بے کار رہی ہے مجھے تو ایسے آدمی کی ضرورت تھی جس پر بھروسہ کر سکوں۔"

مارکوئس نے اسے بتایا — "دیکھئے، یہ لفظ یوں لکھا جاتا ہے۔ جب نقل کا کام ختم ہو جائے تو جن الفاظ کے ہجے نہ معلوم ہوں اُنہیں لغت لے کے دیکھئے۔"

چھ بجے مارکوئس نے ژولیاں کو پھر بلوایا۔ اُس کی نظر ژولیاں کے جوتوں کی طرف گئی تو اسے سخت مایوسی ہوئی۔ "یہ میرا قصور ہے۔ میں آپ کو بتانا بھول ہی گیا کہ روز شام کو ساڑھے پانچ بجے آپ کو کپڑے پہن کر تیار ہو جانا چاہیئے۔"

ژولیاں کی سمجھ میں کچھ نہ آیا اور وہ مارکوئس کی طرف دیکھنے لگا۔

"میرا مطلب یہ ہے کہ جرابیں پہن لیا کیجیے۔ آرسینن آپ کو یاد دلا دیا کرے گا آج تو خیر میں آپ کی طرف سے معافی مانگ لوں گا۔"

یہ کہہ کر مارکوئس ژولیاں کو دیوان خانے میں لے گیا۔ جس کی دیواروں پر سونے کا ملمع جگ مگ جگ مگ کر رہا تھا۔ ایسے موقعوں پر موسیو دریناں ہمیشہ اپنی چال تیز کر دیتا تھا تاکہ اُسے دروازے میں سے پہلے گزرنے کا امتیاز حاصل ہو سکے۔

اس کے پرانے آقا کی اس خود پسندی اور چھوٹے پن کا نتیجہ یہ ہوا کہ ژولیاں کا پیر مارکوئس کے پیر پر پڑ گیا۔ جس سے گٹھیا کے سبب اسے بڑی تکلیف ہوئی۔ مارکوئس نے دل میں کہا۔ "یہ تو پرلے درجے کا احمق ہے!" اس نے ژولیاں کو ایک دراز قد اور رعب دار عورت کے سامنے پیش کیا۔ یہ مادام دلامول تھی۔ ژولیاں نے فیصلہ کیا کہ یہ عورت تو کچھ بدتمیز سی معلوم ہوتی ہے اور اسے سینٹ شارل کے تہوار کی دعوت میں ویریئیر کے نائب ناظم کی بیوی مادام دموژی روں کا انداز یاد آنے لگا۔ ژولیاں کمرے کی شان و شوکت دیکھ کر بوکھلا گیا تھا۔ اس نے سنا ہی نہیں کہ موسیو دلامول کیا کہہ رہا ہے۔ مادام دلامول نے بس اتنی زحمت گوارا کی۔ کہ اس پر ایک ہلکی سی نظر ڈال لی۔ کمرے میں کئی آدمی تھے۔ ژولیاں کو یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ آگدؔ کا نوجوان اُسقف بھی موجود ہے۔ جس نے برے لااو کی

رسم کے دن ازراہِ عنایت اس سے دو چار لفظ کہے تھے۔ اس نے اپنی گھبراہٹ میں جو اسقف کی طرف التفات آمیز نگاہوں سے تکنا شروع کیا تو اسقف چونکا ہو گیا اور اس دیہاتی کو پہچاننے کی ذرا بھی کوشش نہیں کی۔

اس دیوان خانے میں جو لوگ جمع تھے۔ وہ ژولیاں کو کچھ افسردہ اور رُکے رُکے سے معلوم ہوئے۔ پیرس میں لوگ نیچی آوازیں بولتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی باتوں کو بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں۔

ساڑھے چھ بجے کے قریب ایک مونچھوں والا، زرد رو، اور چھریرے بدن کا خوبصورت نوجوان کمرے میں داخل ہوا۔ اس کا سر بہت چھوٹا تھا۔

"تم ہمیشہ انتظار کراتے ہو۔" نوجوان مادام دلاموَل کا ہاتھ چومنے لگا تو وہ بولی۔

ژولیاں سمجھ گیا کہ یہ کاؤنٹ دلاموَل ہے۔ وہ اسے پہلی ہی نظر میں اچھا لگا تھا۔

ژولیاں دل میں بولا ——— "کیا یہی وہ آدمی ہے جس کی فقرے بازی سے میں چڑ جاؤں گا اور یہ گھر چھوڑ کے چل دوں گا؟"

کاؤنٹ نوربیر کا سر سے پیر تک جائزہ لینے کے بعد ژولیاں کو پتہ چلا کہ وہ لمبے بوٹ اور مہمیزیں پہنے ہوئے ہے۔ "چونکہ میرا رتبہ اس سے کم ہے۔ اس لئے مجھے معمولی جوتے پہننے چاہئیں۔" اب کھانا شروع ہو گیا۔ ژولیاں نے سنا کہ مادام دلاموَل ذرا اونچی آوازیں کسی کو ڈانٹ رہی ہے۔ اس وقت اس نے دیکھا کہ ایک گوری چٹی اور بڑی خوش اندام لڑکی اس کے مقابل والی

کرسی پر بیٹھ رہی ہے۔ وہ اس سے ذرا متاثر نہیں ہوا، مگر لڑکی کا غور سے جائزہ لینے کے بعد اس نے سوچا کہ میں نے ایسی خوبصورت آنکھیں کبھی نہیں دیکھیں لیکن ان آنکھوں سے بھی سرد مہری ٹپکتی تھی۔ تھوڑی دیر بعد ژدلیاں نے فیصلہ کیا کہ اُن سے ایک ایسی بے کیفی ظاہر ہوتی ہے جو دوسروں کا غور سے مطالعہ تو کرتی ہے مگر ساتھ ہی ساتھ اپنے آپ کو یہ بھی یاد دلاتی رہتی ہے کہ دوسروں پر رعب ڈالنا فرضِ منصبی ہے۔ ژدلیاں دل میں بولا ــــ

"مادام دریناک کی آنکھیں بھی بڑی خوبصورت تھیں۔ لوگ اُن کی تعریفیں کرتے رہتے تھے۔ مگر اُن آنکھوں اور ان آنکھوں میں کوئی چیز مشترک نہیں"۔ ژدلیاں کو ابھی یہ بات سمجھنے کا تجربہ نہیں تھا کہ مادموازیل ماتیلد (اس نے یہی نام سنا تھا) کی آنکھوں میں وقتاً فوقتاً جو چمک سی ہوتی ہے وہ دراصل بذلہ سنجی کی ہے۔ مادام دریناک کی آنکھوں میں چمک آتی تھی تو اپنے جذبات کی بدولت یا کسی بُرے فعل پر راستبازانہ غصے کے سبب۔ مادموازیل دلامول کی آنکھوں میں جس قسم کا حُسن تھا اُس کے لئے کھانا ختم ہونے کے قریب ژدلیاں کو صحیح لفظ مل گیا۔ وہ دل میں بولا۔ "اس کی آنکھیں جگ مگ جگ مگ کرتی ہیں"۔ باقی ہر طرح یہ لڑکی اپنی ماں سے بہت مشابہ تھی، وہ مشابہت رکھتی تھی اور ماں کی طرف سے ژدلیاں کی ناپسندیدگی بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ چنانچہ اب وہ اس کی طرف دیکھ ہی نہ رہا تھا۔ اس کے برخلاف کاؤنٹ نوربیر اسے ہر اعتبار سے پسند آیا۔ ژدلیاں اس کا اتنا گرویدہ ہو گیا کہ وہ حالانکہ اس سے زیادہ دولت مند اور زیادہ عالی خاندان تھا مگر اسے نوربیر سے جلنے یا نفرت کرنے کا خیال تک نہ آیا۔

ژولیاں کی رائے میں مارکوتس کچھ بے کیف سا ہو رہا تھا۔

کھانے کے دوسرے دور میں اس نے اپنے بیٹے سے کہا۔

"نوربیر، میں چاہتا ہوں کہ تم موسیو ژولیاں سوریل کا خیال رکھو۔ میں نے انہیں اپنے یہاں رکھ لیا ہے، اور میرا ارادہ ہے کہ اگر ممکن ہو تو میں انہیں واقعی آدمی بنا دوں۔"

"یہ میرے سکرٹری ہیں۔" مارکوتس نے اپنے برابر والے آدمی کو بتایا "ان کا املا ذرا یونہی سا ہے۔"

ہر آدمی ژولیاں کی طرف دیکھنے لگا جو نوربیر کو ذرا مبالغہ آمیز تکریم کے ساتھ سلام کر رہا تھا۔ مگر فی الجملہ لوگ اس کی شکل وصورت سے خاصے مطمئن ہوئے۔

غالباً مارکوتس نے لوگوں کو بتایا ہوگا کہ ژولیاں کو کس قسم کی تعلیم ملی ہے۔ کیونکہ ایک مہمان نے اسے ہورس کے موضوع پر دھر پکڑا۔ ژولیاں نے دل میں کہا "بساں سوں کے اسقف کے سامنے بھی میری بات اسی لئے بنی کہ ہورس پر بحث چھڑ گئی تھی۔ غالباً یہ لوگ بس اسی ایک ہی مصنف کو جانتے ہیں۔" اب ژولیاں کو اپنے اوپر بالکل قابو حاصل ہو گیا۔ یہ تبدیلی اس وجہ سے بھی آسان رہی کہ اس نے ابھی ابھی یہ طے کر لیا تھا کہ مادموازیل دلاموں میری نظروں میں عورت کبھی نہیں بنے گی۔ دارالعلوم میں رہ کر اس کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ لوگ چاہے جتنی دشمنی کریں اسے ذرا پروا نہ ہوتی تھی، اور اب وہ کسی سے نہ دبتا تھا۔ اگر کھانے کے کمرے میں اتنا ٹھاٹ باٹ نہ ہوتا تو اس کی ہچکچاہٹ بالکل ہی ختم ہو جاتی۔ کمرے میں آٹھ آٹھ فٹ اونچے دو آئینے رکھے تھے۔ جب وہ ہورس پر تقریر کر رہا

تھا تو کبھی کبھی اُسے اپنے مخالف کی شکل ان آئینوں میں نظر آجاتی تھی اور وہ ہچکنے سا جاتا تھا۔ قصباتی ہونے کے اعتبار سے اس کے جملے غیر ضروری حد تک طویل نہیں تھے۔ اس کی آنکھیں بڑی نفیس تھیں اور جب وہ جھینپ کر کلپنے سا لگتا۔ یا کوئی اچھا جواب دینے کے بعد خوش ہو جاتا تو اس کے شرمیلے پن سے آنکھوں کی چمک دوبالا ہو جاتی۔ اس امتحان کی وجہ سے یہ سنجیدہ قسم کی دعوت خاصی دلچسپ بن گئی۔ مارکوئس نے دوسرے آدمی کو اشارہ کیا کہ ژولیاں کو خوب ستاؤ۔ وہ دل میں کہنے لگا ۔ "کیا اسے واقعی کچھ آتا ہے ؟"

جواب دیتے دیتے ژولیاں کو نئے خیالات سوجھنے لگے اور اس کی جھینپ خاصی کم ہو گئی۔ وہ بذلہ سنجی کا مظاہرہ تو نہیں کرسکا۔ یہ بات ایسے آدمی کے لئے بالکل ناممکن تھی جو پیرس میں بولی جانے والی زبان نہ جانتا ہو۔ اس کے بیان میں نفاست بھی نہیں تھی، اور نہ موقع محل کا لحاظ، مگر اس کے خیالات تھے بالکل نئے، اور لوگوں نے دیکھ لیا کہ اُسے لاطینی خوب آتی ہے۔

اُس کا مخالف مخطوطات کی مجلس کا رُکن تھا۔ مگر بہر حال لاطینی جانتا تھا۔ اسے پتہ چلا کہ ژولیاں تو لاطینی کا عالم ہے۔ چنانچہ اب اُسے ژولیاں کو خفیف کرنے کا ڈر نہ رہا۔ اور وہ اسے واقعی ستانے کی فکر میں لگ گیا اس مناظرے کے جوش میں آخر ژولیاں کمرے کا ٹھاٹ باٹ بالکل بھول گیا۔ اور لاطینی شاعروں کے متعلق ایسی رائوں کا اظہار کرنے لگا جو دوسرے آدمی نے کسی کتاب میں نہ پڑھی تھیں۔ مگر وہ آدمی ایمان دار تھا۔ اس نے یہ بات مان لی۔ کہ یہ خیالات نوجوان سکرٹری کے ہی تھے، اور اُس کی

تعریف بھی کی۔ خوش قسمتی سے بحث کا رُخ اس سوال کی طرف پھر گیا کہ ہوریس غریب تھا یا امیر ـــــ مولئیر اور لافونٹین کے دوست شاپیل کی طرح بے فکرا، عیش پسند اور خوش طبع جو اپنی تفریح کے لئے شاعری کرتا ہو، یا بائرن کے دُشمن سدّی کی طرح مفلس، شاہی دربار کا ملازم جسے بادشاہ کی سالگرہ کے دن قصیدہ لکھنا پڑے۔ اب یہ ذکر نکلا کہ آگسٹس اور جارج چہارم کے زمانے میں سماج کی کیا حالت تھی۔ دونوں زمانوں میں ساری طاقت امرا کے ہاتھ میں تھی۔ مگر رُوم میں تو یہ طاقت ییسناٹس نے چھین لی۔ جو ایک معمولی فوجی افسر تھا اور انگلستان میں اُمرا کے طبقے نے جارج چہارم کی حالت ایسی کردی جیسی وینس کے ڈیوک کی۔ کھانے کے شروع میں تو مارکوئس اپنی بے لطفی کی وجہ سے بالکل پژمردہ بیٹھا تھا۔ لیکن اس بحث نے اس کے اندر بھی کچھ تازگی پیدا کردی۔

یہ موجودہ زمانے کے نام مثلاً سدّی، بائرن، جارج چہارم وغیرہ تو ژودلیاں کی ذرا سمجھ میں نہ آئے۔ اس نے سنے ہی تھے پہلی دفعہ۔ لیکن لوگوں نے دیکھا۔ کہ جب روم کے اُن تاریخی واقعات۔ کا سوال آتا ہے جن کے بارے میں ہوریس، مارشل، ٹے سی ٹس وغیرہ کی کتابوں سے معلومات حاصل کی جا سکتی ہیں تو وہاں ژودلیاں کی برابری کوئی نہیں کر سکتا۔ اس نے بہت سی وہ رائیں دُہرا ڈالیں۔ جو اس دن بحث میں لیاں تھراں کے اُستفسہ سے سُنی تھیں۔

جب یہ لوگ شاعروں پر بحث کرتے کرتے تھک گئے تو مادام دلاموَل نے

جس کا قاعدہ تھا کہ جو چیز شوہر کو پسند کرے۔ اُس کی وہ بھی تعریف کرے۔ ازراہِ نوازش ژدلیاں کی طرف ایک نظر دیکھا۔ مخطوطات کی مجلس کے رُکن نے جو پاس ہی بیٹھا تھا۔ مادام دلاموَل سے کہا۔ "اس بے ڈھنگے راہب کے لباس میں شاید ایک عالم چھپا ہوا ہے۔" ژدلیاں کے کان میں بھی ان باتوں کی بھنک پڑ گئی۔ مادام دلاموَل کو گھڑے گھڑائے فقرے بہت پسند تھے۔ چنانچہ اس نے ژدلیاں کے بارے میں یہ فقرہ بھی یاد کر لیا اور اسے مخطوطات کی مجلس کے اس رکن کو مدعو کرنے پر بڑی خوشی ہوئی۔ اس نے دل میں کہا۔ "اس آدمی کی باتوں سے موسیو دلاموَل کا دل بہلتا ہے۔"

تیسرا باب

ابتدائی اقدامات

یہ لمبی چوڑی وادی، جگمگاتی ہوئی روشنیاں، ہزاروں آدمیوں کا مجمع ــــ میری
تو آنکھوں میں چکاچوند ہوتی ہے۔ ان میں سے ایک بھی آدمی مجھے نہیں جانتا۔ سب
کے سب مجھ سے بلند و برتر ہیں۔ میرا تو سر چکرانے لگا۔

ایک اطالوی مصنّف

اگلے دن صبح سویرے ژرولیاں کتب خانے میں خط نقل کر رہا تھا کہ مادموازیل ماتیلد
نقلی کتابوں کی الماریوں کے پیچھے بڑی ہوشیاری سے چھپے ہوئے دروازے سے
اندر داخل ہوئی۔ ژرولیاں کو تو اس ترکیب پر حیرت ہو رہی تھی اور مادموازیل دلامول آ کے
وہاں بیٹھے دیکھ کر پہلے تو حیران ہوئی پھر چڑ گئی۔ ژرولیاں کے خیال میں وہ بالوں میں گھونگھر
ڈالنے کے کاغذ لگائے ہوئے بڑی سخت مزاج، اکڑباز اور کچھ مردسی معلوم ہو رہی تھی
مادموازیل دلامول کو اپنے باپ کے کتب خانے سے اس طرح چپ چاپ کتابیں چرانے
کی عادت تھی جس میں اُسے کوئی دیکھ نہ سکے۔ ژرولیاں کی موجودگی کے باعث آج اس
کی مہم ناکام رہی۔ وہ اس وجہ سے اور بھی جھنجلائی کہ وہ والتیر کی داستان "بابل کی شہزادی"

کی دوسری جلد لینے آئی تھی۔ اُسے مذہبی اور شاہ پرستانہ قسم کی تعلیم ملی تھی اور جیسوئٹ معلمین نے اس پر پوری توجہ صرف کی تھی۔ وہ اس تعلیم سے واقعی پورا فائدہ اٹھا رہی تھی! انیس سال کی عمر ہی میں اس بچاری لڑکی کا حال یہ تھا کہ جب تک طنز و مزاح کا چٹخارہ نہ ہو۔ اسے ناول میں مزا ہی نہ آتا تھا۔

کاؤنٹ نوربیر کتب خانے میں کوئی تین بجے وارد ہوا۔ وہ اخبار پڑھنے آیا تھا تاکہ شام کو سیاسیات پر گفتگو کر سکے۔ ژولیاں کا وجود اس کے دماغ سے محو ہو چکا تھا اُسے یہاں دیکھ کر نوربیر کو خوشی ہوئی۔ وہ ژولیاں سے بڑی اچھی طرح پیش آیا اور سواری کے لئے اسے اپنا گھوڑا دینے کا وعدہ کیا۔

"والد صاحب نے ہمیں رات کے کھانے کے وقت تک کی چھٹی دے دی ہے"۔

ژولیاں اس "ہمیں" کا مطلب سمجھ گیا اور اُسے یہ بات بڑی اچھی لگی

وہ بولا — "نواب صاحب! اگر اسّی فٹ اونچے درخت کو گرا کر اس کے تختے چیرنے کا سوال ہو تو میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ میں یہ کام کر لوں گا۔ لیکن گھوڑے پر تو میں عمر بھر میں پانچ چھ دفعہ سے زیادہ نہیں چڑھا"۔

"چلیئے، اب ساتویں دفعہ سہی"۔ نوربیر نے کہا۔

ژولیاں کو دربیر میں ... کے بادشاہ کی تشریف آوری یاد تھی، اور وہ اپنے آپ کو بڑا اچھا سوار سمجھتا تھا لیکن جب یہ دونوں سیر کر کے واپس آ رہے تھے تو ژولیاں ایک گاڑی سے بچنے کی کوشش میں بیچ سڑک پر گر پڑا اور اس کے کپڑے کیچڑ میں لت پت ہو گئے۔ خوش قسمتی سے اس کے پاس دوسرا جوڑا موجود تھا۔ کھانے کے دوران میں مارکوئس نے اسے بھی گفتگو میں شریک کرنے کی نیت سے آج کی

بیر کے متعلق پوچھا۔ نوربیر نے جلدی سے خود جواب دیا اور بڑی فیاضی سے کام لیا۔

ژولیاں نے کہا ــــ "کاؤنٹ نوربیر میرے اوپر نوازش فرما رہے ہیں۔ میں اُن کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور ان کی عنایت کا احسان مند ہوں۔ انہوں نے از راہِ نوازش مجھے سب سے خوبصورت اور سب سے سیدھا گھوڑا دیا تھا، لیکن گھوڑا مجھے بگڑ گھوڑا ہی سکتا تھا۔ چنانچہ پُل کے قریب جو لمبی سڑک ہے میں وہاں گر پڑا۔"

مادموازیل ماتیلد نے اپنا قہقہہ روکنے کی بڑی کوشش کی، مگر وہ رُک نہ سکا بلکہ آخر اُس نے شرم بالائے طاق رکھ کر تفصیلات پوچھ ہی لیں۔ ژولیاں اس دشواری سے بھی بڑی سادگی اور بڑے بھولے پن کے ساتھ عہدہ برآ ہوا۔ اس کے اندر ایک ایسی شائستگی تھی جس کی خود اسے خبر نہ تھی۔

"مجھے اس لڑکے کا مستقبل شاندار نظر آتا ہے۔" مارکوُس نے مجلس کے رُکن سے کہا۔ "ایک سیدھا سادا دیہاتی، اور ایسا مشکل مرحلہ! ایسی بات تو نہ دیکھی نہ سُنی۔ پھر وہ اپنے حادثے کا نقشہ خواتین کے سامنے سنا رہا ہے!"

ژولیاں نے اس حادثے کا حال اس بے تکلفی سے سُنایا کہ کھانا ختم ہونے کے بعد جب لوگ کچھ اور باتیں کرنے لگے تو مادموازیل ماتیلد نے اپنے بھائی سے اصرار کیا کہ اس افسوسناک واقعے کی تفصیلات سُناؤ۔ اس نے یہ سوال کئی دفعہ دہرایا، اور ایک آدھ بار تو اُس کی نظریں ژولیاں کی نظروں سے مل گئیں۔ چنانچہ ژولیاں نے ہمت کر کے براہِ راست جواب دے دیا۔ حالانکہ سوال اس سے نہیں پوچھا گیا تھا۔ آخر تینوں کے تینوں اس طرح کھلکھلا کر ہنس پڑے جیسے تین نوجوان دیہاتی کسی جنگل میں۔

اگلے دن ژولیاں نے جا کر دینیات کے دو درس لئے اور پھر بیس خط نقل کرنے

سے لئے واپس آیا۔ اس نے دیکھا کتب خانے میں اُس کی کرسی کے قریب ایک نوجوان بیٹھا ہے۔ جس کا لباس تو صاف ستھرا ہے مگر شکل سے کمینگی اور عناد ٹپکتا ہے۔

اتنے میں مارکوئس بھی آگیا۔

"موسیو تاں بو، آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟" اس نے ذرا سخت لہجے میں نووارد سے پوچھا۔

"میں نے سوچا ــــ" نوجوان نے خوشامدانہ انداز میں مسکرا کر کہنا شروع کیا۔

"نہیں جناب، آپ نے کچھ نہیں سوچا، کوشش تو ضرور کی، مگر بُری طرح ناکام رہے"۔

نوجوان تاں بو بگڑ کے اُٹھ کھڑا ہوا، اور کمرے سے چل دیا۔ وہ مخطوطات کی مجلس کے رُکن کا بھتیجا تھا اور ادیب بننا چاہتا تھا۔ مجلس کے رُکن نے مارکوئس کو اسے اپنا سکرٹری بنانے پر راضی کر لیا تھا۔ تاں بو ایک الگ کمرے میں کام کرتا تھا۔ اس نے جو سُنا کہ ژولیاں پر کیا کیا عنایات ہو رہی ہیں تو اس کا بھی جی چاہا کہ میں بھی حصہ بٹاؤں اور وہ صبح اپنی میز کتب خانے میں اُٹھا لایا تھا۔

چار بجے کچھ دیر ہچکچانے کے بعد ژولیاں ہمت کر کے کاؤنٹ نوربیر کو ڈھونڈنے چل دیا۔ نوربیر گھوڑے پر سیر کرنے جا رہا تھا۔ وہ اتنا مہذب آدمی تھا کہ ژولیاں کو دیکھ کر سٹ پٹا سا گیا اور بولا ــــ

"میرا خیال ہے کہ پہلے تو آپ سواری سیکھ لیجئے۔ دو چار ہفتے بعد میں بڑی خوشی سے آپ کے ساتھ سیر کو چلوں گا"۔

"میں تو آپ کی نوازشوں کا شکریہ ادا کرنا چاہتا تھا"۔ ژولیاں بڑا سنجیدہ بن کے بولا "یقین کیجئے آپ کا احسان میرے دل پر نقش ہے۔ اگر کل میری بیوقوفی کی وجہ سے گھوڑے

کے چوٹ نہ آئی ہو اور گھوڑا خالی ہو تو میں آج بھی سواری کرنا چاہتا ہوں۔"

"سوریل صاحب، اب آپ جانیں اور آپ کا کام۔ مگر یہ یاد رکھئے گا کہ دوراندیشی جس بات کی متقاضی ہے وہ میں نے عرض کر دی۔ دیکھئے چار بج چکے ہیں۔ اب وقت بالکل نہیں۔"

ژولیاں گھوڑے پر بیٹھ گیا تو نوجوان کاؤنٹ سے بولا ــــ

"گرنے سے بچنے کی کیا ترکیب ہے؟"

"بہت سی ترکیبیں ہیں۔" نوربیر نے قہقہہ لگا کے کہا۔ "مثلاً ایک تو یہ ہے کہ پیچھے کو بیٹھیے۔"

ژولیاں دُلکی چلنے لگا۔ اس وقت وہ ایک بڑی سڑک سے گزر رہے تھے۔

"جناب، اتنے بہادر نہ بنئے۔ دیکھئے کتنی گاڑیاں آجا رہی ہیں، اور گوچوان بھی ایک سے ایک بے نکرا ہے۔ اگر آپ لڑھک گئے تو گاڑیاں آپ کو کچلتی ہوئی نکل جائیں گی۔ اتنی تیزی میں چلتی ہوئی گاڑی کو روک کر کوئی اپنے گھوڑے کا مُنہ تھوڑا ہی زخمی کرے گا۔"

نوربیر نے کوئی بیس دفعہ دیکھا کہ ژولیاں گرتے گرتے بچا۔ لیکن آخر یہ سیر کسی حادثے کے بغیر ہی ختم ہو گئی۔ جب وہ گھر لوٹے تو نوجوان کاؤنٹ نے اپنی بہن سے کہا۔

"لو ذرا ان سے ملو۔ یہ آدمی نہیں جن ہیں۔"

رات کو کھانے کے وقت نوربیر نے اپنے باپ سے جو میز کے دوسرے کنارے پر بیٹھا تھا، باتیں کرتے ہوئے ژولیاں کی ہمت کو خوب سراہا۔ اس کی شہسواری

میں بس یہی ایک بات قابلِ تعریف تھی۔ دن کے وقت نور ہیر نے سنا تھا کہ سائیس گھوڑوں کی مالش کرتے ہوئے ژولیاں کے گرنے کا بُری طرح مذاق اڑا رہے ہیں۔

ان تمام نوازشوں کے باوجود ژولیاں اس گھر میں اپنے آپ کو بڑی جلدی اکیلا اکیلا محسوس کرنے لگا۔ ان لوگوں کے طور طریقے اسے بڑے عجیب معلوم ہوتے تھے اور اس سے ہمیشہ کوئی نہ کوئی غلطی ہوتی رہتی تھی۔ اس کی حماقتیں ملازموں کی تفریحِ طبع کا باعث بنتی تھیں۔

پادری پی رآر اپنے علاقے میں چلا گیا تھا۔ اس نے اپنے دل میں کہا تھا۔" اگر ژولیاں تنکے کی طرح کمزور ہے تو اُسے برباد ہونے دو۔ اور اگر وہ ہمت والا ہے تو اُسے اپنا راستہ خود بنانے دو۔"

چوتھا باب

مارکوئس دلاآمول کا محل

یہ شخص یہاں کیا کر رہا ہے ؟ اسے یہ جگہ پسند آئے گی ؟ کیا وہ کوشش کرے گا کہ دوسرے بھی اسے پسند کریں ؟

روں سار

اگر موسیو دلاآمول کے رئیسانہ دیوان خانے میں ژولیاں کو ہر چیز عجیب لگتی تھی تو جو لوگ اس کی طرف دیکھنے کی زحمت گوارا کرتے تھے۔ انہیں یہ زرد رو نوجوان اپنے سیاہ لباس میں بڑا عجیب معلوم ہوتا تھا۔ مادام دلاآمول نے اپنے شوہر کو مشورہ دیا کہ جس دن بعض لوگ کھانے پر آیا کریں اُس دن ژولیاں کو کسی کام سے باہر بھیج دیا جائے۔

"میں چاہتا ہوں کہ یہ تجربہ پورا کر کے ہی دیکھوں۔" مارکوئس نے جواب دیا۔ "یادری پی رآر کی رائے میں یہ بات غلط ہے کہ ہم لوگ جنہیں اپنے گھر رکھتے ہیں اُن کی عزتِ نفس کچل دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ آدمی اسی چیز کا سہارا لیتا ہے جو خود اپنی جگہ کھڑی رہ سکے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس آدمی میں بس ایک ہی خرابی ہے۔ وہ شکل سے کچھ بے ڈھنگا لگتا ہے۔ ورنہ ویسے تو گونگا بہرا بنا بیٹھا رہتا ہے۔"

ژولیاں نے دل میں کہا ۔" اگر مجھے یہاں ٹھیک چلنا ہے تو پھر مجھے چاہیئے
کہ اس دیوان خانے میں جو لوگ آتے ہیں اُن کے نام اور ہر آدمی کے کردار کے متعلق
دو دو چار چار لفظ لکھ کے رکھ لوں ۔"

اس فہرست میں اُس نے سب سے اوپر پانچ چھ ملاقاتیوں کا نام لکھا جو سمجھتے تھے کہ اُن
پر مارکوئس کی خاص نظرِ عنایت ہے، اور اس لئے اس کی چاپلوسی میں لگے رہتے تھے۔
یہ بچارے غریب اور مریل قسم کے لوگ تھے۔ لیکن آج کل امیروں کے دیوان خانوں
میں اُس طبقے کے جو نمائندے نظر آتے تھے۔ اُنہیں دیکھتے ہوئے یہ بات تسلیم
کرنی پڑے گی کہ وہ ہر ملاقاتی کے سامنے مریل پن نہیں دکھاتے تھے۔ ان میں سے
بعض مارکوئس کی گالیاں تک کان دبا کے سُن سکتے تھے۔ لیکن اگر مادام دلامول
کے مُنہ سے ایک لفظ بھی سخت نکل جاتا تو بگڑ بیٹھتے۔

گھر کے مالک، اور مالکہ دونوں کی طبیعت میں غرور اور اُکتاہٹ بہت زیادہ تھی
انہیں اپنی تفریحِ طبع کے لئے دوسروں کی توہین کرنے کی عادت پڑ گئی تھی۔ چنانچہ انہیں
سچے دوستوں کی امید تو ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ لیکن بارش کے دنوں یا انتہائی بے لطفی
کے لمحوں کے علاوہ جو شاذ و نادر ہی آتے تھے۔ اُن دونوں کی خوش اخلاقی میں کوئی کمی
نہیں آتی تھی۔

اگر وہ پانچ چھ خوشامدی جو ژولیاں سے بالکل پدرانہ شفقت کے ساتھ پیش آتے
تھے، یہاں سے چل دیتے تو مادام دلامول کو تنہائی کے طول طویل گھنٹے گزارنے
محال ہو جاتے، اور اس طبقے کی عورتوں کی نظر میں تنہائی بڑی خوفناک چیز ہے، بلکہ
کلنک کا ٹیکہ ہے۔

اپنی بیوی سے مارکوئس کا سلوک بڑا اچھا تھا۔ وہ اس بات کا خیال رکھتا تھا کہ بیوی کا دیوان خانہ خالی نہ رہنے پائے۔ نوابوں سے تو اس کے سیاسی اختلافات تھے۔ اس کے نئے ساتھیوں کا رتبہ اتنا بلند نہیں تھا کہ وہ دوستوں کی حیثیت سے اس کے ہاں آسکیں، نہ وہ اتنے دلچسپ تھے کہ انہیں ماتحتوں کی حیثیت سے ہی بُلا لیا جائے۔

یہ راز ژولیاں کو بہت بعد میں جا کر معلوم ہوئے۔ متوسط طبقے کے گھرانوں میں تو گفتگو کا خاص موضوع سیاسی معاملات ہوتے ہیں۔ لیکن مارکوئس جیسے لوگوں کے یہاں ان باتوں کا ذکر تک نہیں ہوتا۔ کوئی مصیبت کا وقت ہو تو خیر۔

اس بے لطفی کے دور میں بھی تفننِ طبع کی ضرورت اتنی شدید ہے کہ خاص خاص دعوتوں کے دن بھی مارکوئس کے دیوان خانے سے اُٹھتے ہی باقی سب آدمی بھاگ جاتے ہیں۔ وہاں ہر بات پر کُھل کے بحث کرنے کی آزادی تھی بشرطیکہ خدا یا بادشاہ یا پادریوں یا صاحبِ اقتدار لوگوں یا دربار کی سرپرستی میں رہنے والے فن کاروں یا کسی روایتی چیز کا ذکر تمسخر کے ساتھ نہ ہو، اور بشرطیکہ بیراں ژے، یا والتیر یا رُوسو یا حکومت کے مخالف اخباروں یا جو آدمی تھوڑا سا بھی آزادیٔ اظہار کا قائل ہو۔ اُس کی تعریف نہ کی جائے۔

جس آدمی کی آمدنی ایک لاکھ ہو یا جسے کوئی خطاب مل چکا ہو۔ وہ اس قسم کے دیوان خانے کے خلاف ایک لفظ نہیں کہہ سکتا۔ وہاں ایک معمولی سا خیال بھی بشرطیکہ اس میں جان ہو۔ بدتمیزی کے مترادف سمجھا جاتا تھا۔ تمیز، سلیقے، شائستگی اور دوسروں کا دل خوش کرنے کی خواہش کے باوجود ہر آدمی کے چہرے سے بے کیفی ٹپکتی تھی جو نوجوان یہاں حاضری دینے آتے تھے انہیں ہر وقت یہ ڈر رہتا تھا کہ مُنہ سے کوئی ایسی بات نہ نکل جائے

جس سے ہمارے اوپر سوچنے سمجھنے کا شبہ ہو یا کوئی ممنوعہ کتاب پڑھنے کا پتا چلے۔ لہٰذا وہ موسم اور کسی موسیقار کے بارے میں دو ایک صاف ستھرے سے جملے کہہ کر خاموش ہو جاتے۔

ژولیاں نے دیکھا کہ عام طور سے گفتگو جن لوگوں کے سہارے چلتی ہے اُن میں سے دو وائی کاؤنٹ ہیں اور پانچ بیرن۔ ان سے مارکوئس کی واقفیت جلا وطنی کے زمانے میں ہوئی تھی۔ ان لوگوں کی آمدنی چھ ہزار سے لے کر آٹھ ہزار لیور تک تھی۔ ان میں سے چار تو "کوتی دی آین" اخبار کی بنائی ہوئی راہ پر چلتے تھے، اور تین "گیزٹ دفرانس" کی راہ پر۔ ان میں سے ایک آدمی روزانہ دربار کا کوئی نیا قصہ سناتا تھا جس میں لفظ "شاندار" بڑی فیاضی سے استعمال ہوتا۔ ژولیاں نے دیکھا کہ یہ آدمی پانچ تمغے لگاتا ہے اور دوسرے لوگ تین سے زیادہ نہیں لگاتے۔

اس کے دوسری طرف برابر والے کمرے میں دس باوردی ملازم کھڑے رہتے تھے اور ہر پندرہ منٹ بعد آئس کریم یا چائے تقسیم ہوتی تھی اور آدھی رات کو ہلکا سا کھانا مع شراب کے ملتا تھا۔

اسی کی خاطر ژولیاں بعض دفعہ آخر تک رُکا رہتا۔ ورنہ اس کی سمجھ میں تو یہ بات آتی ہی نہ تھی کہ اس شاندار دیوان خانے میں عام طور پر جو گفتگو ہوتی ہے۔ اُسے کوئی سنجیدگی کے ساتھ سُن کیسے سکتا ہے۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد وہ بولنے والوں کی طرف یہ معلوم کرنے کے لیے دیکھنے لگتا کہ وہ اپنی باتوں پر کہیں خود ہی تو نہیں ہنس رہے۔ وہ دل میں کہا کرتا۔۔۔ "مجھے اپنے موسیو دمیستر کی پوری کتاب زبانی یاد ہے۔ ان سے سو گنی اچھی باتیں تو اُسی کتاب میں ہیں، اور اس کتاب سے بھی مجھے تو بیزاری

ہوتی ہے۔"

یہ بات نہ تھی کہ اس ذہنی جمود کا احساس ایک ژدلیاں ہی کو ہو۔ بعض لوگ بہت سا آئس کریم کھا کھا کر اپنے دل کو تسلی دیتے تھے۔ بعضوں کی تسلی اس لذت میں تھی کہ دوسروں سے جا جا کر کہیں ——"میں ابھی مارکوئس دلاموَل کے یہاں سے آ رہا ہوں۔ وہاں میں نے سنا ہے کہ رُوس ——" وغیرہ وغیرہ۔

ژدلیاں کو ایک خوشامدی سے پتا چلا کہ کوئی چھ مہینے ہوئے مادام دلاموَل نے بیچارے بیرن لاکورگی یتوں کو بیس سال کی محنت کا انعام دیا ہے۔ بادشاہ کے دوبارہ قیام کے بعد سے وہ نائب ناظم چلا آ رہا تھا۔ مادام دلاموَل نے اسے ناظم بنوا دیا۔

اس عظیم واقعے کے بعد ان لوگوں کا جوش و خروش پھر تازہ ہو گیا۔ پہلے تو یہ لوگ بعض دفعہ ذرا سی بات کا برا مان جاتے تھے۔ مگر اب انہیں کوئی بات بُری نہ لگتی تھی۔ ان کے ساتھ براہِ راست بدتمیزی تو شاذ و نادر ہی ہوتی تھی، مگر ژدلیاں کھانے کے دوران میں کئی دفعہ مارکوئس اور اس کی بیوی کو ایک دوسرے سے ایسی باتیں کہتے سن چکا تھا جو پاس بیٹھنے والوں کے لیے بڑی تکلیف دہ تھیں۔ ہر اس آدمی کے لیے جس کے باپ دادا بادشاہ کی گاڑی میں نہ بیٹھے ہوں۔ ان دونوں معزز ہستیوں کے دل میں بڑی پُرخلوص حقارت تھی اور وہ اسے چھپاتے بھی نہ تھے۔ ژدلیاں نے دیکھا کہ بس ایک فقرہ "صلیبی جنگ" ایسا ہے جو ان کے چہرے پر انتہائی سنجیدگی اور عزت کی جھلک پیدا کرتا ہے۔ عام طور سے جب وہ کسی کے ساتھ مہربانی سے پیش آتے تو اس طرح جیسے بڑی نوازش کر رہے ہوں۔

اس شان و شوکت اور اس بے لطفی کے درمیان ژنولیاں کو اگر کسی چیز سے دلچسپی تھی تو بس موسیو دلاموں سے۔ ایک دن اُسے مارکوئس کی زبان سے یہ بات سن کر بڑی خوشی ہوئی کہ اس بچارے لابورگ نیوں کی ترقی میں موسیو دلاموں کا ہاتھ نہیں تھا۔ یہ مادام دلاموں پر ایک لطیف سی چوٹ تھی۔ ژولیاں کو پادری پی رار سے اصل بات معلوم ہو چکی تھی۔

ایک دن صبح کے وقت پادری مارکوئس کے کتب خانے میں ژولیاں کے ساتھ فری لیر والے مقدمے کے سلسلے میں، جو کبھی ختم ہونے میں ہی نہ آتا تھا، کچھ کام کر رہا تھا۔ ژولیاں ایک دم سے بولا۔

"جی، یہ تو بتائیے کہ روز رات کو مادام دلاموں کے ساتھ کھانا کھانا میرے فرائض میں داخل ہے، یا پھر یہ میرے اوپر خاص عنایت ہوتی ہے؟"

یہ بات سُن کر پادری کو دھکا سا لگا، اور وہ کہنے لگا۔۔۔ "نہیں، یہ تو ایک ایسا اعزاز ہے جو ہر آدمی کو نصیب نہیں ہوتا! وہ مخطوطات کی مجلس کا رکن م۔۔۔ن پندرہ سال سے برابر حاضری دے رہا ہے، لیکن وہ اپنے بھتیجے موسیو تاں بو کے لیے یہ اعزاز آج تک حاصل نہیں کر سکا۔"

"اس ملازمت میں اگر میں کسی چیز سے بیزار ہوں تو اس سے۔ اتنی اکتاہٹ تو مجھے دارالعلوم میں بھی نہیں ہوتی تھی۔ حالانکہ مادموازیل دلاموں کو تو ان ملاقاتیوں کی پھیکے دار تقریریں سننے کی عادت ہوگی، مگر بعض دفعہ میں دیکھتا ہوں کہ وہ بھی جمائیاں لے رہی ہیں۔ مجھے تو یہ ڈر لگا رہتا ہے کہ کہیں میں سو نہ جاؤں۔ مہربانی فرما کر مجھے اجازت دلوا دیجئے کہ میں کسی چھوٹی موٹی سرائے میں جا کر اپنا اُلٹا سیدھا کھانا کھا لیا کروں۔"

پادری ٹھیٹ نودولتا تھا، اور اسے ایک بڑے رئیس کے ساتھ کھانا کھانے کی
عزت کا شدید احساس تھا۔ وہ ژرولیاں کو یہ بات سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا کہ اتنے
میں کچھ کھٹکا ہوا۔ اور دونوں نے اس طرف دیکھا۔ ژرولیاں کو مادموازیل دلاتول نظر آئی
جو وہاں کھڑی اُن کی باتیں سن رہی تھی۔ وہ شرم کے مارے سُرخ ہو گیا۔ وہ کسی کتاب کی
تلاش میں وہاں آئی تھی اور اس نے ساری باتیں سُن لی تھیں۔ اُس کے دل میں ژرولیاں
کی عزت سی پیدا ہوئی اور اس نے سوچا۔ "بڈھے پادری کی طرح اس شخص کی ذہنیت
غلامانہ نہیں ہے۔ اوہ، یہ پادری کتنا بدصورت ہے!"

رات کو کھانے کے وقت ژرولیاں کو مادموازیل دلاموِل کی طرف دیکھنے کی ہمت نہ
ہوئی۔ مگر اس نے ازراہِ ملاطفت خود ژرولیاں سے باتیں کیں۔ اُس روز کافی بڑا مجمع ہونے والا
تھا۔ اس نے ژرولیاں سے دیر تک ٹھیرنے کا وعدہ لے لیا۔ پیرس میں لڑکیاں ایک خاص
عمر کے آدمیوں کی طرف توجہ نہیں کرتیں، خصوصاً اگر وہ اچھے لباس میں نہ ہوں۔ ژرولیاں
کسی خاص فہم و ذکاوت کے بغیر ہی یہ بات سمجھ گیا کہ موسیو لُورگی نیوں کے جو ساتھی دیوان خانے
میں رہ گئے تھے اُنھیں حسبِ دستور مادموازیل دلاموِل کی جملے بازی کا نشانہ بننے کا
شرف حاصل ہو رہا ہے۔ نہ معلوم وہ جان بوجھ کر ایسی بن رہی تھی یا ویسے ہی، بہر حال
آج اس نے ان جنگلی لوگوں پر بڑا ظلم ڈھایا۔

مادموازیل دلاموِل ایک چھوٹے سے گروہ کا مرکز تھی جو ہر روز رات کو مادام دلاموِل
کی زبردست آرام کرسی کے پیچھے جمع ہوا کرتا تھا۔ اس گروہ میں مارکوئس دکرداز نوا،
کاؤنٹ دکےلو، وائی کاؤنٹ دلوز، اور چند نوجوان فوجی افسر شامل تھے جو نوربیر یا
اس کی بہن کے دوست تھے۔ یہ لوگ ایک بڑے سے نیلے صوفے پر بیٹھے تھے۔ اس

صوفے کے آخر میں بذلہ سنج ماتیلد کے مقابل بید کی نیچی سی کرسی پر ژرولیاں چپ چاپ جما ہوا تھا۔ اس سیدھی سادی نشست پر سارے خوشامدی رشک کر رہے تھے۔ نوربیر نے اپنے باپ کے نوجوان سکرٹری کی دلجمعی کے لئے دو چار دفعہ اس سے کوئی بات کر لی۔ یا اس کا نام لے دیا۔ اس موقع پر مادموازیل دلامول نے اس سے پوچھا کہ جس پہاڑ پر بساں سوں آباد ہے۔ اُس کی اونچائی کیا ہے۔ ژرولیاں بالکل یہ بھی نہ بتا سکا کہ وہ پہاڑ موں مارتر سے اونچا ہے یا نیچا۔ اس چھوٹے سے گروہ میں لوگ جو باتیں کر رہے تھے۔ وہ اکثر ان پر قہقہہ لگا کے ہنس پڑتا۔ وہ بھی اسی قسم کی کوئی بات کہنا چاہتا تھا، مگر سوجھ ہی نہ رہی تھی۔ یہ باتیں کسی اجنبی زبان کی طرح تھیں جسے وہ سمجھ تو لیتا تھا مگر بول نہ سکتا تھا۔

اس شاندار دیوان خانے میں آج لوگ آئے چلے جا رہے تھے اور ماتیلد کے دوستوں کا رویہ ان کی طرف مخاصمانہ تھا۔ شروع میں خاندان کے دوستوں کو دوسروں پر ترجیح دی گئی۔ کیونکہ اُن سے واقفیت زیادہ تھی۔ اب یہ آپ خود فیصلہ کر لیجئے کہ ژرولیاں ان سب باتوں کو غور سے دیکھ رہا تھا یا نہیں۔ آج اسے ہر چیز سے دلچسپی ہو رہی تھی — بذاتِ خود اُن چیزوں سے بھی اور جس انداز سے اُن کا مذاق اڑایا جا رہا تھا اس سے بھی۔

"لو آیا، وہ ہیر دسے کوئی آئے!" ماتیلد نے کہا۔ "آج اپنے نقلی بال اتار کے آئے ہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ اپنی قابلیت کے بل پر ناظم بننے کے خواب دیکھ رہے ہوں؟ آج ان کا گنجا سر کھلا ہوا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس میں ایک سے ایک بلند خیال بھرا پڑا ہے۔"

"یہ صاحب ساری دنیا سے واقف ہیں۔" مارکوئس دکروازنوا نے کہا۔ "یہ میرے چچا آنجہانی صاحب کے پاس بھی آتے تھے۔ یہ اپنے ہر دوست سے کوئی نہ کوئی جھوٹ

سالہا سال تک بول سکتے ہیں اور ان کے دو تین سو دوست ہیں۔ انہیں دوستی گانٹھنا خوب آتا ہے۔ اس بات میں انہیں کمال حاصل ہے۔ ان کا حلیہ تو جاڑوں میں دیکھنے کے قابل ہوتا ہے، صبح سات بجے کیچڑ میں لت پت کسی دوست کے دروازے پر کھڑے ہیں۔

"کبھی کبھی یہ حضرت لڑ بھی پڑتے ہیں اور جھگڑا جاری رکھنے کے لئے سات آٹھ خط لکھتے ہیں۔ پھر من جاتے ہیں اور سات آٹھ خط محبت جتانے کے لئے کھینچتے ہیں۔ لیکن ان کا اصلی ہنر یہ ہے کہ ایماندار بن کر یہ ظاہر کرتے ہیں کہ میں تو صاف گو اور مخلص آدمی ہوں، دل میں کوئی بات نہیں رکھتا۔ کسی سے کوئی کام کرانا ہو تو یہ ان کی خاص ترکیب ہے۔ میرے چچا کے ایک نائب بادشاہت کے قیام کے بعد سے موسیو دے کوئلی کی زندگی کے حالات بڑے مزے سے سناتے ہیں۔ میں کسی دن انہیں یہاں لاؤں گا۔"

"ہُنہ، میں ایسی باتیں سننا ہی نہیں چاہتا۔ یہ تو چھوٹے چھوٹے لوگوں کا پیشہ ورانہ حسد ہے۔" کاؤنٹ دے کے کو نے کہا۔

"موسیو دے کوئلی کا نام تاریخ میں یادگار رہے گا۔" مارکوئس دے کروازنوا بولا "بادشاہت کے قیام میں پادری دپرات، موسیو تالی راں اور موسیو پوزو دی بورگو کے ساتھ وہ بھی شریک تھے۔"

"ان حضرت کا لاکھوں آدمیوں سے سابقہ پڑا ہے۔" نوربیر نے کہا۔ "پتا نہیں یہ والد صاحب کے طعنے تشنے سننے کے لئے آتے کیوں ہیں۔ بعض دفعہ تو وہ بھی غضب کرتے ہیں۔ ابھی دو ایک دن کی بات ہے۔ میز کے اس کنارے سے پکار کے بولے۔ کبھی دے کوئلی، تم نے اپنے دوستوں سے کتنی بار دغا کی ہے"

"لیکن کیا یہ ٹھیک ہے کہ انہوں نے لوگوں سے دغا کی ہے؟" مادموازیل ولامول نے کہا۔ "آخر یہ حرکت کس نے نہیں کی؟"

"ارے! کاؤنٹ دسکے تو نوربیر سے بولا۔ "مشہور آزاد خیال موسیو سیں کلیئر بھی یہاں موجود ہیں۔ یہ کیسے تشریف لائے؟ میں ذرا جا کے انہیں چھیڑتا ہوں۔ ان کی باتیں تو سنوں۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ بہت تیز آدمی ہیں۔"

"لیکن تمہاری والدہ نے انہیں یہاں آنے کی اجازت کیسے دی؟" موسیو دکرواز نوا نے کہا۔ "ان کے خیالات تو بڑے جوشیلے، بڑے انتہا پسندانہ اور بڑے جمہوری قسم کے ہیں ....."

"دیکھو، دیکھو" مادموازیل دلامول بولی۔ "ذرا اپنے آزاد خیال کو دیکھو۔ موسیو دے کول کے سامنے زمین تک جھکے جا رہے ہیں اور ان کا ہاتھ پکڑ رہے ہیں۔ میں تو سمجھی کہ ہونٹوں سے لگا لیں گے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ دے کول کا اثر رسوخ جتنا ہم سمجھتے ہیں اس سے کہیں زیادہ ہے۔" موسیو دکرواز نوا نے بیچ میں کہا۔

"سیں کلیئر کے یہاں آنے کا منشا یہ ہے کہ اکادمی کی رکنیت حاصل ہو جائے" نوربیر بولا۔ "کرواز نوا، دیکھو وہ بیرن ل ..... کو جھک کے سلام کر رہے ہیں۔"

"اس سے تو اگر گھٹنوں کے بل ہی جھک جائیں تو شاید ایسے نیچ نہ لگیں۔" موسیو دتوز نے کہا۔

نوربیر بولا ـــــ "عزیز سوریل! تم ذہین آدمی ہو، مگر پہاڑوں سے آ رہے ہو۔ دیکھو، تم لوگوں کے سامنے اس طرح نہ جھکنا جیسے یہ عظیم شاعر جھک رہا ہے۔ خدا

سامنے بھی نہیں"۔

"لو، وہ ذہین آدمی آئے۔ موسیو لا باروں باتوں"۔ مادموازیل دلاموَل نے اس خادم کی سی آواز بناتے ہوئے کہا جس نے ابھی بیرن کی آمد کا اعلان کیا تھا۔

"میرے خیال میں آپ کے نوکر تک ان پر ہنستے ہیں۔ کیسا عجیب نام ہے، باروں باتوں!" موسیو دکے لو نے کہا۔

ماتیلدنے فوراً جواب دیا۔" ابھی دو ایک دن ہوئے یہ ہم سے کہہ رہے تھے کہ نام میں کیا رکھا ہے۔ ڈیوک دبوئی اوں کا نام پہلی دفعہ پکارا جائے تو وہ بھی ایسا ہی لگے گا، رہا میں تو لوگوں کو ذرا میرے نام کی عادت پڑ جائے پھر سب ٹھیک ہو جائے گا"۔

ژدلیاں اس صوفے کے پاس والے حلقے سے باہر نکل آیا۔ وہ اس قسم کے ہلکے پھلکے تمسخر کی لطافتوں سے ابھی پوری طرح واقف نہ تھا۔ کسی فقرے پر ہنسنے سے پہلے وہ ضروری سمجھتا تھا کہ اس کی بنیاد عقل پر ہو۔ ان نوجوانوں کی باتوں میں اُسے ہر چیز کی مذمت کے علاوہ اور کچھ نظر نہ آیا اور یہ بات اُسے پسند نہ آئی۔ اس کے اندر قصباتیوں یا انگریزوں کی سی چھوٹی نیکی تھی۔ چنانچہ اسے ان باتوں میں رشک و حسد کی جھلک دکھائی دی۔ مگر اس کا یہ خیال بالکل غلط تھا۔

وہ دل میں بولا۔" میں نے دیکھا ہے کہ کاؤنٹ نوربیر اپنے کرنل کو بیس سطر کا خط لکھ رہا ہو تو تین تین دفعہ از سرِ نو لکھتا ہے۔ اگر وہ موسیو سیں کلیئر کی طرح ایک صفحہ بھی لکھ سکے تو اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہے"۔

وہ ادھر سے اُدھر پھرنے لگا۔ چونکہ وہ کوئی اہم آدمی تو تھا نہیں۔ اس لئے کسی نے

بھی دھیان نہ کیا۔ وہ باری باری مختلف گروہوں کے قریب گیا خصوصاً وہ باردن بالتون کے پیچھے پیچھے پھر رہا تھا، مگر ذرا فاصلے سے۔ وہ اس کی باتیں سننا چاہتا تھا۔ یہ طباع آدمی کچھ مضطرب سا معلوم ہوتا تھا۔ ژولیاں نے دیکھا کہ جب اُسے تین چار پھڑکتے ہوئے فقرے سوجھ گئے تو اس کی حالت ذرا سنبھلی۔ ژولیاں کو ایسا معلوم ہوا کہ اس قسم کی بذلہ سنجی کو اپنا جوہر دکھانے کے لئے کافی جگہ کی ضرورت پڑتی ہے۔

بیرن سے چٹکلے نہیں چھوڑے جاتے تھے۔ اپنے جوہر دکھانے کے لئے اُسے چھ چھ سطروں کے چار جملوں کی ضرورت پڑتی تھی۔

"یہ شخص باتیں نہیں کرتا۔ کتاب لکھتا ہے۔" ژولیاں کی کمر کے پیچھے کسی نے کہا۔ اس نے مڑ کے دیکھا اور جب اُس نے کاؤنٹ شال وے کا نام سُنا تو خوشی کے مارے اس کا چہرہ سُرخ ہوگیا۔ یہ اپنے زمانے کا سب سے تیز آدمی تھا۔ ژولیاں نے "سینٹ ہلینا کے واقعات" اور نپولین کے لکھوائے ہوئے تاریخی ٹکڑوں میں اس کا نام اکثر دیکھا تھا۔ کاؤنٹ شال وے گفتگو میں بڑے اختصار سے کام لیتا تھا۔ اس کی باتوں میں گہرائی اور تیزی ہوتی تھی اور ایک ایک جملہ کانٹے کی تول تلا ہوا، اور اثر میں بجلی کی طرح ہوتا تھا۔ اگر وہ سیاسی معاملات کے بارے میں کچھ کہتا تو لوگ فوراً دیکھ لیتے کہ بات کہیں سے کہیں پہنچ گئی۔ اس کی بحث میں خیال آرائی نہیں، بلکہ حقائق ہوتے اور اس کی باتیں سننے میں ایک خاص لطف آتا۔ مگر سیاسی معاملات میں وہ بالکل بے دھڑک واقع ہوا تھا اور اسے کسی پر اعتبار نہیں تھا۔

"میں تو بالکل آزاد آدمی ہوں۔" وہ کسی آدمی سے کہہ رہا تھا جو تین تمغے لگائے ہوئے تھا اور جسے وہ شاید اُلّو بنا رہا تھا۔ "یہ کیا ضروری ہے کہ میری آج بھی

وہی رائے ہو جو دو مہینے پہلے تھی؟ اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ میں اپنی رائے کا غلام
بن کے رہ گیا۔"

چار سنجیدہ نوجوان اس کے پاس ہی کھڑے تھے۔ وہ یہ بات سن کر مُنہ بنانے لگے۔
اس قسم کے لوگوں کو ہنسوڑپن اچھا نہیں لگتا۔ کاؤنٹ سمجھ گیا کہ میں حد سے آگے بڑھ گیا
خوش قسمتی سے اُسے موسیو بالاآں نظر آگیا جس نے ایمانداری کو ایک پیشہ بنا رکھا تھا
کاؤنٹ اس سے باتیں کرنے لگا۔ لوگوں نے دیکھا کہ اب بچارے بالاآں کی کم بختی
آئی تو وہ وہاں آکر جمع ہوگئے۔ حالانکہ موسیو بالاآں بڑا بدصورت تھا۔ مگر شروع میں
دنیا کے خلاف جدوجہد کرنے کے بعد جس کا بیان ذرا مشکل کام ہے۔ اس نے
اخلاق اور اخلاقیات کی مدد سے ایک بڑی مالدار بیوہ سے شادی کر لی جو مرگئی۔ پھر ایک
دوسری بڑی مالدار بیوہ ہاتھ آگئی جو گھر سے باہر نہ نکلتی تھی۔ وہ بڑے صبر و رضا کے ساتھ
ساٹھ ہزار لیور کی آمدنی پر قانع تھا، اور اس کے یہاں بھی چاپلوسوں کا جھمگٹا لگتا تھا۔ کاؤنٹ
شال وے نے اس کے سامنے ان سب باتوں کا ذکر بڑی بے رحمی سے کیا۔ ذرا کے
ذرا میں کوئی تیس آدمی ان دونوں کے گرد جمع ہوگئے۔ ہر آدمی مسکرا رہا تھا، یہاں تک
کہ وہ سنجیدہ نوجوان بھی جن سے ہمارے زمانے کی امیدیں وابستہ ہیں۔

"یہ شخص موسیو دلامول کے گھر نقلِ محفل بن جاتا ہے تو پھر آخر یہاں آتا ہی کیوں
ہے؟" ژولیاں نے سوچا۔ وہ یہ بات معلوم کرنے کے لئے پادری پی رار کی طرف
بڑھا۔

موسیو بالاآں کمرے سے چلا گیا۔

"بہت خوب!" نوربیر بولا۔ "والد کا ایک جاسوس تو گیا۔ بس اب ایک وہ

بونا اپاہج ناچیزے رہ گیا۔"

"کہیں اس معمے کا یہی تو حل نہیں ؟" ژولیاں نے دل میں کہا۔" لیکن پھر مارکوئس موسیو بالاآں کو اپنے یہاں بلاتا ہی کیوں ہے ؟"

سخت مزاج پادری پی رآر ایک کونے میں بیٹھا تھا اور خادموں کو نئے ناموں کا اعلان کرتے سن کر منہ بنا رہا تھا۔

"یہ تو ایک اچھا خاصا اڈّا ہے"۔ وہ کہہ رہا تھا۔" جو آ رہا ہے وہ بدمعاش"۔

اصل میں سخت مزاج پادری اونچے طبقے کے امتیازی نشانات سے واقف نہیں تھا۔ لیکن اپنے ژاں سینسنٹ دوستوں کی مدد سے پی رآر کو اُن لوگوں کا بالکل صحیح اندازہ ہو گیا تھا جو دیوان خانوں میں اپنی انتہائی چالاکی کے ذریعے پہنچتے ہیں۔ جس سے تمام سیاسی جماعتیں بیک وقت فائدہ اٹھاتی ہیں یا پھر بے ایمانی سے کمائی ہوئی دولت کے ذریعے۔ اُس رات وہ کئی منٹ تک ژولیاں کے مضطرب سوالوں کا جواب اس طرح دیتا رہا جیسے اس کا دل بھرا ہوا ہو۔ لیکن پھر ایک دم سے رُک گیا۔ اسے یہ دیکھ کر بڑی تکلیف ہوئی کہ میں دوسروں کی برائی کر رہا ہوں اور مجھ سے ایک گناہ سرزد ہو رہا ہے۔ ایک تو وہ ژاں سینسنٹ فرقے کا تھا۔ اوپر سے مزاج کا چڑچڑا۔ پھر ساتھ ہی ساتھ عیسوی قسم کی فراخ دلی کو اپنا فرض سمجھتا تھا۔ چنانچہ اس کی زندگی ایک مسلسل کشمکش بن کے رہ گئی تھی۔

"یہ پادری پی رآر کتنا بدصورت ہے !" ژولیاں دوبارہ صوفے کے پاس آیا تو مادموازیل دلاموِل نے کہا۔

ژولیاں کو بڑی جھنجلاہٹ ہوئی، مگر وہ واقعی ٹھیک کہہ رہی تھی۔ اس میں کوئی شک

نہیں کہ اس کمرے میں سب سے ایماندار آدمی موسیو پی رآ رہی تھا۔ لیکن اس وقت اس کے داغ دار چہرے نے جو ضمیر کی اذیت کے سبب اور بھی مسخ ہو گیا تھا۔ پادری کو بہت ہی بدہیئت بنا دیا تھا۔ ژولیاں نے دل میں کہا۔" اس کے بعد مجھے آدمی کی صورت پر نہیں جانا چاہئے۔ اس وقت پادری کا ضمیر اسے کسی گناہ پہ ملامت کر رہا ہے مگر وہ اتنا بدشکل لگتا ہے، دوسری طرف ہر آدمی جانتا ہے کہ نلپیٹے جاسوس ہے۔ مگر اس کے چہرے سے بے داغ اور پرسکون خوشی ٹپک رہی ہے۔" مگر بہرحال پادری نے اپنی جماعت کے ساتھ بڑی رعایت ملحوظ رکھی تھی۔ اس نے ایک خادم ساتھ لے لیا تھا اور اچھے خاصے کپڑے پہنے ہوئے تھا۔

ژولیاں نے دیوان خانے میں ایک عجیب واقعہ دیکھا۔ لوگوں کی آنکھیں ایک دم سے دروازے کی طرف اٹھ گئیں اور باتیں بند ہو گئیں۔ ایک خادم نے مشہور و معروف بیرن دتوبلی کے نام کا اعلان کر دیا۔ جس کا ذکر حالیہ انتخابات کے بعد سے ہر طرف ہو رہا تھا۔ ژولیاں نے آگے بڑھ کر اسے اچھی طرح دیکھا۔ بیرن کسی حلقے میں رائے شماری کے لئے تعینات ہوا تھا۔ اسے بڑی دور کی سوجھی، اور ایک خاص جماعت کے حق میں جتنی پرچیاں پڑی تھیں انہیں غائب کر دیا۔ ان کے بدلے اس نے دوسری پرچیاں رکھ دیں جن پر اس کی پسند کے آدمی کا نام لکھا تھا۔ بعض رائے دینے والوں نے یہ فیصلہ کن چال تاڑلی اور فوراً بیرن دتوبلی کو مبارک باد دینے جا پہنچے۔ یہ قابلِ قدر انسان اس عظیم معرکے کے بعد سے ابھی تک زرد ہو رہا تھا، بدطینت لوگوں نے ابھی سے قید کا حکم لگا دیا تھا۔ موسیو دلامول نے اس کا استقبال بڑی سرد مہری سے کیا۔ بچارا بیرن جلدی سے کھسک گیا۔

"یہ حضرت ہمیں اتنی جلدی چھوڑ کے چل دیئے۔ شاید موسیو کونت کے یہاں گئے ہیں"
کاؤنٹ شال دوے نے کہا۔ لوگ ہنس پڑے (کونت ایک مشہور بازی گر تھا)
ایک وزیر کی جگہ خالی تھی اور اس کے لئے موسیو دلاموَل کا نام لیا جا رہا تھا۔ چنانچہ آج اس کے دیوان خانے میں امرا کا جمگھٹ تھا جو خاموش کھڑے تھے۔ ایک سے ایک بڑا سازشی آئے چلا جا رہا تھا۔ ان میں زیادہ تر لوگ بہت بدنام ہو چکے تھے۔ مگر تھے سب کے سب بڑے ہوشیار۔ اس ہجوم کے درمیان نوجوان تاں تو آج پہلی دفعہ اپنے جوہرِ طبع دکھا رہا تھا۔ ابھی اس میں فہم و ادراک کی تیزی نہیں آئی تھی مگر جیسا ابھی آپ دیکھ لیں گے۔ وہ اس کمی کو زورِ بیان سے پورا کر رہا تھا۔
"اس آدمی کو دس سال کے لئے جیل کیوں نہیں بھیجتے؟" ژولیاں اس گروہ کے پاس پہنچا تو وہ کہہ رہا تھا۔ "سانپوں کو تو تہ خانے میں بند کر کے رکھنا چاہیئے۔ ان کا تو اندھیرے ہی میں مرنا اچھا۔ ورنہ زہر پھیل پھیل کے اور خطرناک بن جاتا ہے۔ اس پر سو اشرفیاں جرمانے کرنے سے کیا فائدہ؟ وہ غریب ہے تو اور بھی ٹھیک ہے۔ جرمانہ تو اس کی جماعت ادا کر دے گی۔ ہونا تو یوں چاہیئے کہ پانچ سو فرانک جرمانہ اور کال کوٹھڑی میں دس سال قید۔"
"خدایا! یہ کون ایسا خوفناک آدمی ہے جس کی باتیں ہو رہی ہیں؟" ژولیاں نے اپنے ساتھی کے زوردار لہجے اور مسخ سی حرکات و سکنات پر تعجب کرتے ہوئے سوچا۔ مجلس کے رکن کے چہیتے بھتیجے کا سکڑا سمٹا سا چہرہ اس وقت باتیں کرتے ہوئے بڑا بدنما لگ رہا تھا۔ ژولیاں کو فوراً ہی پتا چل گیا کہ جس آدمی کا ذکر ہو رہا تھا۔ وہ اس زمانے کا سب سے بڑا شاعر تھا (یعنی بے راں ژے)

"وحشی کہیں کا!" ژدلیاں نے تقریباً زور سے ہی کہہ دیا اور جوش کے مارے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے "بے ایمان، میں تجھے ان باتوں کا مزا چکھاؤں گا۔"

وہ دل میں کہنے لگا ـــــ "یہ لوگ اُس جماعت کے کاسہ لیس ہیں جس کے سرار دل میں سے ایک موسیو دلاموُل ہے! اور یہ بے ایمان جس ممتاز ہستی کی برائی کر رہا ہے اگر وہ شخص اپنے آپ کو، میں یہ تو نہیں کہتا کہ موسیو دزدال کی بے جان وزارت کے ہاتھ، لیکن جیسے اچھے خاصے ایماندار وزیر آئے جاتے رہتے ہیں۔ اُن میں سے کسی کے ہاتھ بیچ دیتا تو اس نے نہ معلوم کتنے تمغے اور کتنی ملازمتیں حاصل کر لی ہوتیں؟"

پادری پی رار نے ژدلیاں کو اشارے سے بُلایا۔ موسیو دلاموُل نے ابھی ابھی اس سے کوئی بات کہی تھی۔ ژدلیاں اس وقت نظریں نیچی کئے ایک اسقف کا رونا جھینکنا سن رہا تھا۔ آخر جب اسے چھٹکارا ملا اور وہ اپنے دوست کے پاس پہنچا۔ تو دیکھا کہ اُسے وہ منحوس تانؔ بو گھیرے کھڑا ہے۔ چونکہ ژدلیاں پر عنایتیں پادری ہی کی وجہ سے ہو رہی تھیں۔ اس لئے گو تانؔ پادری سے خار کھاتا تھا اور اس وقت اس کی چاپلوسی کرنے آیا تھا۔

"موت ہمیں نجاست کے اس ڈھیر سے کب چھٹکارا دلائے گی؟" اس وقت یہ کم ظرف ادیب بڑی پیغمبرانہ شان کے ساتھ ان الفاظ میں لارڈ ہالینڈ کا ذکر کر رہا تھا۔ اس میں خاص خوبی یہ تھی کہ اسے آج کل کے ممتاز آدمیوں کی سوانح عمریوں سے پوری واقفیت تھی، اور اس وقت وہ اُن لوگوں کا سرسری جائزہ لے رہا تھا۔ جو انگلستان کے نئے بادشاہ کے عہدِ حکومت میں اقتدار حاصل کرنے کی فکر میں لگے ہوئے تھے۔

پادری پی رآر برابر والے کمرے میں چلا گیا، اور ژولیاں بھی پیچھے پیچھے وہیں پہنچا۔

"مارکوئس کو لکھنے والے پسند نہیں۔ میں تمہیں آگاہ کیے دیتا ہوں۔ اسے اگر کسی سے چڑ ہے تو ان لوگوں سے ہے۔ تم سے ہو سکے تو لاطینی، یونانی، مصریوں کی تاریخ، ایرانیوں کی تاریخ جو جی چاہے سیکھو۔ وہ تمہیں عالم سمجھے گا۔ تمہاری سرپرستی کرے گا۔ ہر طرح خیال رکھے گا۔ لیکن فرانسیسی میں ایک صفحہ بھی نہ لکھنا، خصوصاً ایسے سنجیدہ موضوعات پر جو تمہاری سماجی حیثیت سے بلند تر ہیں۔ اگر تم نے یہ حرکت کی تو وہ تمہیں "منشی جی" کہنے لگے گا۔ اور تم سے چڑ جائے گا۔ ایک نواب کے محل میں رہتے ہو اور تمہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ ڈیوک دکاستری نے روسو اور دالاں بیر کے متعلق کیا کہا تھا؟ اس قسم کے لوگ باتیں تو دنیا بھر کی بناتے ہیں، لیکن آمدنی پوچھو تو سال میں ہزار اشرفی بھی نہیں۔"

ژولیاں نے دل میں کہا —— "دارالعلوم کی طرح یہاں بھی ہر بات کا پتا چل جاتا ہے!" اس نے نو دس صفحے خاصے پرزور انداز میں لکھے تھے۔ یہ گویا بڈھے سرجن میجر کی شان میں ایک تاریخی قصیدہ تھا۔ جس نے ژولیاں کے بقول اسے آدمی بنایا تھا۔ "میں نے تو اس چھوٹی سی کاپی کو ہمیشہ تالے میں رکھا ہے۔" اس نے اوپر جا کے وہ مسودہ جلا دیا، اور دیوان خانے میں واپس آ گیا۔ وہ بذلہ سنج بدمعاش لوگ جا چکے تھے، اور اب صرف امرا باقی رہ گئے تھے۔

خادم ایک میز اندر لے آئے تھے۔ جس پر کھانا چنا چنایا رکھا تھا۔ اس میز کے گرد سات آٹھ عورتیں بیٹھی تھیں جو بہت عالی نسب، بڑی دین دار، بڑی

پُرتصنّع تھیں، اور جن کی عمریں تیس اور پینتیس سال کے درمیان ہوں گی۔ مارشل وفرواک کی بذلہ سنج بیوی اتنی دیر میں آنے کی معافی مانگتے ہوئے اندر داخل ہوئی رات آدھی سے زیادہ جا چکی تھی۔ وہ مادام دلاموٓل کے برابر بیٹھ گئی۔ ژرولیاں کے دل میں ہلچل سی مچ گئی۔ اس کی آنکھیں اور اس کا انداز دیکھ کر ژرولیاں کو مادام دریناآل یاد آ گئی۔

مادموازیل دلاموٓل کے گرد اب بھی خاصے آدمی جمع تھے۔ وہ اور اس کے دوست بدنصیب کاؤنٹ دتاآلے کا مذاق اڑا رہے تھے۔ وہ اس مشہور یہودی کا اکلوتا بیٹا تھا جس نے عوام کے خلاف جنگ کرنے کے لئے بادشاہوں کو روپیہ قرض دے کر دولت کمائی تھی، اور اس بات میں نام پیدا کیا تھا۔ یہودی حال ہی میں مرا تھا اور بیٹے کے لئے ورثے میں ایک لاکھ اشرفی ماہوار کی آمدنی اور افسوس کہ ایسا نام چھوڑ گیا تھا جس سے لوگ اچھی طرح واقف تھے! جس آدمی کی حیثیت اتنی عجیب وغریب ہو۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ یا تو وہ بالکل سیدھا سادا ہو۔ یا پھر اس میں قوتِ ارادی بڑی زبردست ہو۔ بدقسمتی سے کاؤنٹ نیک دل آدمی تھا اور خوشامدیوں نے اسے طرح طرح کی غلط فہمیوں میں مبتلا کر دیا تھا۔

موسیو دکے لو کہہ رہا تھا کہ سنا ہے۔ انہوں نے مادموازیل دلاموٓل سے شادی کرنے کی ٹھان لی ہے (مارکوئس دکرہ واآزنوا بھی جو ایک ڈیوک کا بیٹا اور ایک لاکھ لیور کی جائداد کا وارث تھا۔ اس کی خدمت میں عرضِ نیاز کر رہا تھا)

"ارے، اس بچارے پر کسی ارادے کا الزام کیوں لگاتے ہو۔" نوربیر نے اس طرح کہا جیسے بچارے پر رحم آ رہا ہے۔

اس بچارے کاؤنٹ دتالّے میں خامی یہ تھی کہ وہ کسی بات کا پکّا ارادہ نہیں کرسکتا تھا۔ اس لحاظ سے وہ بادشاہ بڑا اچھا رہتا۔ صلاح مشورہ تو وہ ہر وقت اور ہر آدمی سے کرتا رہتا۔ لیکن کسی مشورے پر پوری طرح عمل کرنے کی ہمّت اس میں نہ تھی۔

مادموازیل دلاموّل نے کہا ــــــ "ان کی تو شکل ہی دیکھ کے میں تہالوں نہال ہو جاتی۔"

اُس کے چہرے پر ایک عجیب قسم کا اضطراب اور مایوسی برستی تھی۔ لیکن وقتاً فوقتاً اپنی اہمیت کا احساس بھی پھٹ پڑتا، اور ساتھ ہی ساتھ لہجے میں بھی وہ تُرشی آجاتی جو فرانس کے سب سے مالدار آدمی کے لہجے میں ہونی چاہیئے، خصوصاً اگر وہ ایسا بدشکل نہ ہو اور عمر بھی چھتیس سال سے کم ہو۔ موسیو دکرواَزنوا بولا ــــــ "یہ گستاخ تو ہیں۔ مگر بزدل بھی۔" کاؤنٹ دکے لو، نورَبیر اور دو تین دوسرے مونچھوں والے نوجوان جی بھر کے اس کا مذاق اڑاتے رہے اور اس کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ آخر ایک بجے اسے چھٹی ملی۔

"ایسے موسم میں تم نے اپنے عرب گھوڑوں کو باہر کھڑا کر رکھا ہے؟"

"نہیں، یہ میں نے نئے گھوڑے لئے ہیں جو اتنے گراں نہیں پڑے۔" موسیو دتلّے نے جواب دیا۔ "بائیں طرف والا گھوڑا پانچ ہزار فرانک کا ہے اور دائیں طرف والا سو لوئی کا۔ لیکن یقین مانو کہ دائیں طرف والا گھوڑا بس رات کو نکلتا ہے۔ بات یہ ہے کہ وہ دوسرے گھوڑے کے برابر ہی تیز دوڑتا ہے۔"

نورَبیر کی بات سن کر کاؤنٹ نے سوچا کہ میری جیسی حیثیت کے آدمی کے لئے

ضروری ہے کہ اُسے گھوڑوں سے بڑی محبّت ہو، اور اپنے گھوڑوں کو بارش میں نہ بھیگنے دے۔ چنانچہ وہ رخصت ہو گیا، اور دوسرے لوگوں نے بھی ہنستے ہوئے اجازت چاہی۔

ژولیاں نے زینے پر سے اُن کے ہنسنے کی آواز سُنی تو دل میں کہا — "یعنی اس وقت مجھے ایک ایسے آدمی کو دیکھنے کا موقع ملا ہے جو ہر اعتبار سے میرا تضاد ہے! میری آمدنی بیس لوئی بھی نہیں، اور میں ایک ایسے آدمی کے ساتھ شانہ بشانہ کھڑا تھا جس کی آمدنی بیس لوئی فی گھنٹہ ہے، اور پھر بھی لوگ اُس کا مذاق اڑا رہے تھے ... ایسا منظر دیکھنے کے بعد آدمی کے دل میں رشک و حسد باقی نہیں رہتا۔"

پانچواں باب

احساس مندی اور ایک دین دار خاتون

یہ لوگ بے رنگ باتوں کے ایسے عادی ہو چکے ہیں کہ جس خیال میں ذرا سا بھی زور ہو وہ انہیں بدتمیزی کی بات معلوم ہوتی ہے۔ جو شخص سوچ سوچ کر اچھے اچھے فقرے بولتا ہے اُس کی خیر نہیں۔

فوبلا

جس دن محل کے داروغہ نے اسے تیسری سہ ماہی دی۔ ژولیاں کئی مہینے کی آزمائشوں کے بعد اس منزل تک پہنچ چکا تھا۔ موسیو دلاّمول نے اسے برٹنی اور نورمنڈی کی زمینوں کے انتظام کی نگرانی پر مقرر کر دیا تھا۔ وہ ان علاقوں میں اکثر جایا کرتا۔ اس کا خاص فریضہ یہ تھا کہ پادری فری لیئر والے مشہور مقدمے کے سلسلے میں جتنی خط و کتابت ہوتی تھی۔ وہ سب اس کے سپرد تھی۔ موسیو پیرار نے اُسے ضروری ہدایتیں دے دی تھیں۔

موسیو دلاّمول کے پاس جو ہر قسم کے کاغذات آتے۔ وہ اُن کے حاشیے پر مختصر نوٹ لکھ دیا کرتا۔ جن کی مدد سے ژولیاں جوابی خط تیار کرتا، اور تقریباً سبھی پر دستخط ہو جایا کرتے۔

دینیات کے مدرسے میں اس کے معلموں کو شکایت تھی کہ وہ محنت نہیں کرتا۔ مگر بہرحال وہ اُسے اپنے ممتاز ترین شاگردوں میں گنتے تھے۔ دیہات سے تو وہ سُرخ سفید رنگ لے کر آیا تھا۔ لیکن چونکہ اسے اپنے حوصلوں میں کامیابی حاصل نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے وہ مختلف قسم کے فرائض بڑے جوش اور تن دہی سے سرانجام دیتا۔ اس محنت و مشقت میں اُس کے چہرے کی تازگی ختم ہوگئی۔ لیکن اُس کے ساتھی طالب علموں کی نظر میں یہ زردی بھی ایک خوبی بن گئی تھی۔ اُس نے دیکھا کہ یہ لوگ نہ تو ایسے کینہ توز ہیں اور نہ روپیہ کے سامنے اس طرح جھکتے ہیں جیسے بساں تسوں کے طالب علم۔ اُدھر وہ لوگ اُسے تپِ دق کا شکار سمجھتے تھے۔ مارکوئس نے اسے ایک گھوڑا دے رکھا تھا۔

اس ڈر سے کہ وہ لوگ کہیں اسے گھوڑے پر سواری کرتے نہ دیکھ لیں۔ اس نے اُن سے کہہ رکھا تھا کہ ڈاکٹر نے میرے لیئے یہ ورزش تجویز کی ہے۔ پادری پی رار اُسے کئی ژاں سینسنت لوگوں کے یہاں لے گیا تھا۔ اُن لوگوں کو دیکھ کر ژولیاں حیران و ششدر رہ گیا۔ مذہب کا تصور اس کے ذہن میں ریاکاری اور زرپرستی سے اس بری طرح وابستہ تھا کہ دونوں کو الگ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس نے ان دیندار اور سخت مزاج لوگوں کو بڑی تحسین کی نظروں سے دیکھا جنہیں مال و دولت سے مطلق دلچسپی نہ تھی۔ ان میں سے کئی آدمیوں کو ژولیاں سے ایک لگاؤ ہو گیا اور وہ اسے مشورے دینے لگے۔ اب اُسے ایک بالکل نئی دنیا نظر آرہی تھی۔ انہیں لوگوں کے درمیان اس کی ملاقات ایک کاؤنٹ آلتمائیرا سے ہوئی۔ یہ ایک چھ فٹ کا لمبا تڑنگا، آزاد خیال آدمی تھا جسے اپنے مُلک میں موت کی سزا ہوئی تھی۔ لیکن ساتھ ہی وہ پکا کیتھلک بھی تھا۔ آزادی کی محبت اور مذہب کا یہ عجیب وغریب امتزاج دیکھ کر ژولیاں بڑا متاثر ہوا۔

نوجوان کاؤنٹ کے دل میں ژولیاں کی اب وہ جگہ نہیں رہی تھی۔ نورتیر نے دیکھا تھا کہ یہ میرے بعض دوستوں کی فقرے بازی کا جواب تُرکی بتُرکی دینے لگا۔ ژولیاں سے دو ایک حرکتیں آداب کے خلاف سرزد ہوئیں تو اس نے عہد کر لیا تھا کہ اب میں نہ مادموازیل ماتیلد سے کبھی مخاطب نہیں ہوں گا۔ یوں تو محل میں ہر آدمی اس کے ساتھ بڑے اخلاق سے پیش آتا تھا۔ لیکن وہ محسوس کرتا تھا کہ میں ان لوگوں کی نظروں میں گر چکا ہوں۔ اُس کی قصباتی سمجھ بوجھ نے اسے بتایا کہ یہ "قدر کھو دیتا ہے ہر روز کا آنا جانا" والا معاملہ ہوا ہے۔

شاید اب اس کی بصیرت پہلے کی بہ نسبت بڑھ گئی تھی۔ یا پھر یہ بات ہو کہ شروع میں تو پیرس کی شہریت سے مسحور ہو گیا تھا۔ لیکن اب یہ چیز نہ رہی تھی۔

اپنا کام ختم کرتے ہی وہ سخت بے کیفی کا شکار ہو جاتا۔ جو شائستگی اونچے طبقوں کی امتیازی خصوصیت ہے وہ اپنی جگہ بڑی اچھی چیز ہے۔ لیکن آدمی آدمی کی حیثیت کے مطابق اُس میں درجہ بدرجہ تبدیلی ہوتی چلتی ہے۔ یہ بجھی بجھی سی کیفیت اسی کا نتیجہ تھا۔ جو آدمی ذرا بھی حساس ہو وہ اس بناوٹ کو فوراً پہچان جاتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ قصباتیوں پر ابتذال یا ناشائستگی کا الزام لگایا جا سکتا ہے لیکن بات کا جواب دیتے ہوئے وہ تھوڑی سی گرمجوشی تو دکھاتے ہیں۔ موسیو دلامول کے محل میں ژولیاں کے پندار کو ٹھیس لگنے کا موقع کبھی نہ آتا تھا۔ لیکن اپنا کام ختم کرنے کے بعد جب وہ شمعدان لے کر برابر والے کمرے میں جاتا تو اکثر اس کا جی چاہنے لگتا کہ رو پڑوں۔ قصبات میں اگر کسی ریسٹورنٹ میں داخل ہوتے وقت کوئی حادثہ پیش آ جائے تو خادم آپ سے دلچسپی کا اظہار تو کرتا ہے اور اگر کہیں اس حادثے میں کوئی ایسی بات

بھی شامل ہو جس سے آپ کے پندار کو ٹھیس لگ سکے تو وہ مزاج پرسی کے ساتھ ساتھ کوئی نہ کوئی لفظ اس قسم کا بھی کہتا رہے گا کہ آپ تلملا اُٹھیں۔ پیرس میں لوگ آپ کا اتنا لحاظ کریں گے کہ آپ پر ہنسنے سے پہلے مُنہ دوسری طرف پھیر لیں گے۔ لیکن آپ اُن کے لیے رہیں گے اجنبی ہی۔

ہم ایسی بہت سی چھوٹی چھوٹی باتوں کا ذکر چھوڑے دیتے ہیں جو لوگوں کو اس پر ہنسواتیں۔ لیکن ایک معنی میں وہ اس قابل ہی نہ تھا کہ اس پر ہنسا جاتے۔ اسے اپنی حرکات و سکنات کا احساس ہر وقت رہتا اور اس جنون میں اُس سے ہزاروں غلطیاں سرزد ہوتیں اس کی تفریحات بھی ایک طرح کی پیش بندی تھیں وہ روز نشانے کی مشق کرتا، اور اس کا شمار شمشیر زنی کے مشہور ترین استادوں کے سب سے ہونہار شاگردوں میں ہوتا تھا۔ ایک لمحے کی بھی فرصت ملتی تو وہ پہلے کی طرح کتاب لے کر بیٹھ جانے کے بجائے سیدھا سواری کے مدرسے جاتا اور سب سے کڑوے قسم کے گھوڑے مانگتا۔ سواری سکھانے والے کے ساتھ چلتے ہوئے وہ ہر دفعہ شیخی بگھارتا تھا۔

اس کی محنت، اس کی خاموش طبعی اور اس کی ذہانت کی وجہ سے مارکوس نے اسے بالکل اپنے مطلب کا آدمی پایا اور آہستہ آہستہ جتنے پیچیدہ معاملات تھے وہ سب اس کے سپرد کر دیئے۔ اس کی جاہ طلبی اُسے کبھی مہلت دیتی تو مارکوس اپنے کاروباری معاملات خاصی ہوشیاری سے سرانجام دیتا۔ چونکہ وہ ایسی جگہ تھا جہاں اُسے تازہ ترین خبریں بڑی آسانی سے مل جاتی تھیں۔ اس لیے وہ سٹہ بڑی کامیابی کے ساتھ کھیلتا تھا۔ وہ مکان اور جنگل کی لکڑی خریدتا رہتا۔ مگر بُرا بڑی جلدی مان جاتا تھا۔ یوں تو وہ سینکڑوں اشرفیاں لٹا دیتا مگر دو چار سو فرانک کے لیے کچہری میں چڑھ دوڑتا۔ مالدار لوگ جن کے خیالات بلند ہوں، ذاتی کاروبار

میں تفریح طبع کا وسیلہ ڈھونڈتے ہیں، نتائج کی پرواہ نہیں کرتے۔ مارکوئس کو ایک ایسے مختار عام کی ضرورت تھی جو اس کے سارے مالی معاملات کو اس طرح ترتیب دے دے کہ وہ آسانی سے سمجھ میں آسکیں۔

گو مادام ولاموول بڑی سائے دیئے رہتی تھی مگر بعض اوقات وہ ژرولیاں کا مذاق اڑایا کرتی جو بات غیر متوقع ہو وہ احساس مندی سے پیدا ہوتی ہے اور ایسی باتوں سے بلند مرتبہ خواتین سخت نفرت کرتی ہیں۔ کیونکہ رسمی آداب سے ان کا کوئی میل نہیں۔ مارکوئس نے دو تین دفعہ ژرولیاں کی حمایت کی ۔۔۔ "تمہارے دیوان خانے میں تو وہ ضرور بے محل معلوم ہوتا ہے لیکن دفتر میں اس کا جواب نہیں"۔ رہا ژرولیاں، تو وہ سمجھتا تھا کہ میں نے بیگم صاحب کا راز بھانپ لیا ہے۔ بیرن ولاژرمات کے نام کا اعلان ہوتے ہی مادام ولاموول کو کسی چیز سے دلچسپی باقی نہ رہتی تھی۔ یہ ایک برف مزاج آدمی تھا جس کے چہرے پر کوئی جذبہ، کوئی کیفیت نظر نہ آتی تھی۔ وہ چھوٹے قد کا منحنی اور بدصورت تھا مگر کپڑے بہت نفیس پہنتا تھا۔ اس کا سارا وقت یہیں محل میں گزرتا اور عام طور سے کسی چیز کے بارے میں بھی اس کی کوئی رائے نہ ہوتی۔ اس کا اندازِ نظر یہی تھا۔ اگر مادام ولاموول اس کا گٹھ جوڑ اپنی بیٹی سے کر دیتی تو عمر میں پہلی دفعہ اُسے شدید قسم کی خوشی حاصل ہوتی۔

چھٹا باب

تلفظ

اُن کی زندگی کا زبردست مقصد یہ ہے کہ لوگوں کی روزانہ زندگی کے چھوٹے چھوٹے واقعات پر سکون کے ساتھ غور کیا کریں۔ وہ اتنے عقل مند ہیں کہ جن چھوٹی چھوٹی باتوں پر لوگ بھڑک اٹھیں گے یا جن واقعات کو افراہیں کچھ سے کچھ بنا دیں گی انہیں پہلے ہی سے دیکھ لیتے ہیں۔

گرانیوہس

ژولیاں ایک تو یہاں نو وارد تھا، پھر اپنے غرور کی وجہ سے اوروں سے کوئی بات نہ پوچھتا تھا۔ اس کے باوجود اُس سے کوئی بڑی حماقتیں سرزد نہیں ہوئیں۔ ایک دن ریوسیں لمونورے میں اُسے اچانک بارش آجانے کی وجہ سے ایک ریسٹورنٹ میں پناہ لینی پڑی۔ وہاں ایک لمبے تڑنگے آدمی نے جو کھال کا کوٹ پہنے ہوئے تھا اس کی غمزدہ نظروں پر متعجب ہو کر اس کی طرف بالکل اُسی انداز سے تکنا شروع کر دیا جیسے مدت ہوئی بساں سوں میں مادموازیل اماں دا کے عاشق نے اسے گھورا تھا۔

ژولیاں اکثر اپنے آپ کو لعنت ملامت کرتا رہا تھا کہ میں نے اُس توہین کا بدلہ کیوں

نہ لیا۔ اس مرتبہ وہ اس حرکت کو بھلا کیسے برداشت کرتا۔ اُس نے فوراً ٹوکا۔ لمبے کوٹ والے آدمی نے اُسے مغلظات سنانی شروع کر دیں۔ ریسٹورنٹ میں جتنے آدمی تھے سب ان دونوں کے گرد جمع ہو گئے۔ راہ گیر دروازے کے باہر آ کھڑے ہوئے۔ قصباتیوں کی طرح ژو لیاں بھی احتیاطاً جیب میں پستول رکھتا تھا۔ اس نے اضطراری طور پر جیب میں ہاتھ ڈال کے پستول پکڑ لیا۔ تاہم اس نے سمجھداری سے کام لیا اور بات یہیں تک رکھی کہ اپنے حریف سے بار بار کہنے لگا —" جناب! اپنا پتا بتائیے۔ مجھے آپ سے سخت نفرت ہے۔"

ان الفاظ کی ایسی تکرار سے ہجوم پر بڑا رعب پڑا۔

"قسم خدا کی، یہ دوسرا آدمی جو اپنے آپ سے باتیں کیے چلا جا رہا ہے، اسے لازم آتا ہے کہ اپنا پتا بتائے۔" کوٹ والے آدمی نے جو یہ فیصلہ بار بار سُنا تو اپنے ملاقاتی کارڈ مٹھی بھر کے ژو لیاں کے منہ پر دے مارے۔ خوش قسمتی سے ایک بھی کارڈ اس کے نہ لگا۔ اس نے عہد کر رکھا تھا کہ پستول سے صرف اسی وقت کام لوں گا جب کوئی مجھے ہاتھ لگائے گا۔ وہ آدمی چل دیا، مگر بار بار مڑ کے ژو لیاں کو مُکا دکھاتا اور گالیاں دیتا رہا۔

ژو لیاں پسینے میں نہا گیا تھا۔ وہ بگڑ کر دل میں بولا —" یعنی رذیل سے رذیل آدمی مجھے اتنا برانگیختہ کر سکتا ہے۔ اپنے اس احساس کو کس طرح ختم کروں جس کے ہاتھوں مجھے اتنا ذلیل ہونا پڑتا ہے؟"

وہ چاہتا تھا کہ اگر لڑنا ہی ہے تو یہ کام فوراً کر گزروں۔ لیکن ایک بڑی مشکل تھی۔ پیرس جیسے زبردست شہر میں وہ اپنا ساتھی کہاں سے لائے؟ یوں واقفیت تو

اس نے بہت سے آدمیوں سے پیدا کی تھی۔ مگر پانچ چھ ہفتے بعد سب اس سے الگ ہو جاتے تھے۔ وہ سوچنے لگا "میں بڑا کم آمیز ہوں اور اب مجھے اس کی سزا مل رہی ہے"۔ آخر اسے خیال آیا کہ لیئے واں سے رجوع کروں۔ یہ نمبر ۹۶ رجمنٹ کا پنشن یافتہ لفٹنٹ تھا اور بالکل مفلوک الحال۔ ژولیاں اس کے ساتھ شمشیر زنی کی مشق کیا کرتا تھا اور اس سے بے تکلفی بھی تھی۔

لیئے واں بولا "میں بڑی خوشی سے تمہارے ساتھ چلوں گا۔ مگر ایک شرط ہے اگر تم نے اس آدمی کو زخمی نہ کیا تو وہیں مجھ سے لڑنا پڑے گا"۔

"منظور"۔ ژولیاں نے بڑی گرمجوشی سے ہاتھ ملا کر کہا اور وہ کارڈ والے پتے پر موسیو بووداز ی کو ڈھونڈنے خوبریس زریں چل دیئے۔

اس وقت صبح کے سات بجے تھے۔ جب اس نے اندر اطلاع کرائی تو اس وقت ژولیاں کو خیال آیا کہ شاید یہ مادام دربنال کا وہ نوجوان رشتے دار ہے جو پہلے روم یا نیپلز میں سفارت خانے سے متعلق تھا اور جس نے اس گانے والے ژیرونیمو کو تعارفی خط دیا تھا۔

ژولیاں نے لمبے تڑنگے خادم کو ایک تو اپنا کارڈ دیا تھا اور دوسرے اُن کارڈوں میں سے ایک جو کل اس کے منہ پر مارے گئے تھے۔

ژولیاں اور اس کے ساتھی کو پورے پون گھنٹہ انتظار کرنا پڑا۔ آخر انہیں ایک بڑے نفیس اور سجے سجائے کمرے میں بلایا گیا۔ وہاں انہیں ایک دراز قد نوجوان ملا۔ جس نے نارنجی اور سفید رنگ کا ڈریسنگ گاؤن پہن رکھا تھا اور جو اپنے حلیئے سے بالکل گڑیا کی طرح معلوم ہوتا تھا۔ اس کا چہرہ یونانی حسن کا نمونہ تھا جس میں ہر چیز مکمّل ہوتی ہے لیکن

کوئی چیز امتیازی حیثیت نہیں رکھتی۔ اس کا سر بے انتہا پتلا تھا اور حسین سنہرے بال اہرامی شکل میں اوپر اُٹھے ہوئے تھے۔ ان میں بڑی احتیاط سے گھونگر ڈالے گئے تھے اور ایک بال بھی دوسروں سے الگ نہیں تھا۔ لفٹیننٹ نے دل میں کہا ــــ "یہ ملعون اپنے بالوں کی فکر میں پڑا ہوا ہے۔ انہیں کی خاطر اس نے ہمیں اتنی دیر سکھایا۔" اس کا دو رنگا ڈریسنگ گاؤن صبح کا پتلون، یہاں تک کہ کڑھی ہوئی سلیپریں، غرض ہر چیز نہایت موزوں، نہایت باقاعدہ اور صاف ستھری تھی۔ اُس کا چہرہ امیرانہ اور خالی خالی سا تھا۔ اُس کی شکل ہی سے پتا چلتا تھا کہ یا تو اس کے ذہن میں خیالات آتے ہی نہیں یا پھر آتے ہیں تو رسمی قسم کے۔ غرض اس میں نیک نیت آدمی کی ساری علامتیں موجود تھیں ــــ سنجیدگی کی پُہتات، غیر متوقع باتوں اور تمسخر کا ڈر ــــ

ژولیاں کو اس کے لفٹیننٹ نے بتایا تھا کہ بدتمیزی کے ساتھ منہ پر کارڈ پھینک کے مارنے کے بعد اتنی دیر انتظار کرانا ایک مزید توہین ہے۔ چنانچہ وہ اکڑتا اینٹھتا موسیو دلو وو آزی کے سامنے پہنچا۔ اس کا ارادہ تھا کہ گستاخی دکھاؤں۔ لیکن ساتھ ساتھ وہ اپنی شائستگی اور خوش تمیزی کا بھی اظہار کرنا چاہتا تھا۔

وہ موسیو دلو وو آزی کی شائستگی اور ملائمت سے، اس کے انداز سے جس میں تکلف، اہمیت اور خود اطمینانی سب بیک وقت موجود تھے۔ اس کے چاروں طرف ہر چیز کی نفاست سے اتنا متاثر ہوا کہ پلک جھپکتے میں بدتمیزی سے پیش آنے کا خیال اُس کے ذہن سے غائب ہو گیا۔ یہ وہ کل والا آدمی ہی نہیں تھا جس مبتذل آدمی سے ریسٹورنٹ میں ملاقات ہوئی تھی۔ اس کی جگہ اتنی ممتاز ہستی کو دیکھ کر وہ ایسا بھونچکا ہوا کہ سمجھ ہی میں نہ آیا کہ کہوں کیا۔ جو کارڈ اس کے منہ پر مارے گئے تھے انہیں میں سے ایک اس نے

پیش کر دیا۔

"یہ میرا ہی نام ہے۔" فیشن ایبل آدمی بولا۔ صبح سات بجے ژرولیاں کو سیاہ کوٹ پہنے دیکھ کر اس کے دل میں احترام کا جذبہ پیدا نہ ہو سکا۔ "لیکن میں نہیں سمجھ سکا کہ اعزاز . . ."

اس نے یہ آخری الفاظ جس طرح ادا کئے اس سے ژرولیاں کی برہمی بھی بہت پھر بیدار ہو گئی۔

"جناب، میں آپ سے لڑنے آیا ہوں۔" اور اس نے جلدی جلدی سارا قصہ سنایا۔

موسیو شارل دیووازی نے ژرولیاں کے سیاہ کوٹ کی تراش پر تھوڑی دیر غور کیا اور اسے اطمینان بخش پایا۔ وہ خاموشی سے اس کی باتیں سنتے ہوئے دل میں بولا۔ "یہ کوٹ استوب کے یہاں سِلا ہوا ہے۔ صاف ظاہر ہے۔ واسکٹ سے خوش مذاقی ٹپکتی ہے، اور جوتے بھی قاعدے کے ہیں لیکن دوسری طرف صبح سویرے یہ سیاہ کوٹ پہنا گیا، یعنی ا . . . شاید گواہ بننے کے لئے ہو گا۔"

یہ باتیں معلوم کر لینے کے بعد اس نے پھر بڑے اخلاق سے پیش آنا شروع کر دیا اور ژرولیاں سے برابر والوں کی طرح بات کرنے لگا۔ بحث کافی دیر تک جاری رہی۔ بات ہی ایسی نازک تھی لیکن نتیجہ یہ نکلا کہ ژرولیاں اپنی آنکھوں کی گواہی کو رد نہ کر سکا۔ بہتا نوجوان اس بدتمیز آدمی سے ذرا بھی مماثلت نہ رکھتا تھا جس نے پیرسوں اس کی توہین کی تھی۔

ژرولیاں کا یہاں سے جانے کو جی ہی نہ چاہتا تھا۔ وہ بات بڑھائے چلا گیا۔ اس نے

دیکھا کہ شوالیئے دبورووآزی اپنے آپ میں بُری طرح مگن ہے (ژولیاں نے جو اُسے بار بار سیدھے سادے طریقے سے "موسیو" کہا تو اُسے بُرا سا لگا اور اس نے اپنا ذکر کرتے ہوئے یہ خطاب استعمال کیا)

اُسے دبورووآزی کی سنجیدگی بہت پسند آئی جس میں تھوڑی سی خود پسندی اور حماقت تو ضرور شامل تھی مگر جو لمحے بھر کے لیئے بھی اس سے الگ نہ ہوتی تھی۔ الفاظ ادا کرتے ہوئے اس کی زبان کچھ اس طرح ہلتی تھی کہ ژولیاں کو بڑا تعجب ہوا۔ . . لیکن بہرحال ان سب چیزوں میں ذرا سی بات بھی ایسی نہ تھی جس کے سبب اس سے جھگڑا مول لیا جائے۔

آخر سفارت خانے کا یہ افسر بڑی خوش اخلاقی کے ساتھ لڑنے کو راضی ہو گیا لیکن نمبر ۹۶ رجمنٹ کے پنشن یافتہ لفٹیننٹ نے جو گھنٹے بھر سے ٹانگیں الگ الگ کیئے، ہاتھ کولھوں پر رکھے اور کہنیاں باہر نکالے بیٹھا تھا، فیصلہ کیا کہ میرا دوست موسیو سوریل اس قسم کا آدمی ہی نہیں کہ جرمنوں کی طرح دوسرے آدمی سے محض اس لئے لڑ پڑے کہ اس کے ملاقاتی کارڈ کسی نے چرا لیئے تھے۔

ژولیاں بڑی بدمزگی کے عالم میں وہاں سے نکلا۔ شوالیئے کی گاڑی باہر صحن میں سیڑھیوں کے پاس اس کا انتظار کر رہی تھی۔ اتفاقاً ژولیاں نے نظریں اوپر اٹھائیں تو دیکھا کہ کل والا آدمی گاڑی کوچوان ہے۔

ژولیاں نے اسے دیکھتے ہی اس کے کوٹ کا دامن پکڑ کر اُسے نیچے کھینچ لیا اور سڑا سڑ چابک اڑانے شروع کر دیئے۔ دو نوکروں نے اپنے ساتھی کو بچانے کی کوشش کی۔ ژولیاں کے دو ایک مکے لگے۔ اس نے فوراً جیب سے پستول نکال کے ان پر

داغ دیا۔ نوکر اڑ لیئے۔ یہ سب ایک منٹ کے اندر ہو گیا۔

شوالیئے دبو ووازی اپنے امیرانہ لہجے میں "کیا ہوا، کیا ہوا؟" کہتا بڑی دل کش سنجیدگی کے ساتھ آہستہ آہستہ نیچے اترا۔ ظاہر ہے کہ اسے تجسس تو ہو رہا تھا مگر اس کی افسرانہ شان اسے دلچسپی کا اظہار کرنے نہ دے رہی تھی۔ جب اسے پتا چل گیا کہ معاملہ کیا ہے۔ اس وقت بھی اس کے چہرے پر تمکنت اور اس ہلکے سے تمسخر آمیز سکون کی جنگ جاری رہی جو ایک بڑے افسر کے چہرے پر ہر وقت موجود ہونی چاہیئے۔

لفٹننٹ سمجھ گیا کہ موسیو دبو ووازی لڑنے کی فکر میں ہے۔ اس نے مصلحتاً یہ مناسب سمجھا کہ پہل اب بھی میرے دوست کی جانب سے ہو اور اس کا یہ امتیاز برقرار رہے چنانچہ وہ بولا ــــ "اب تو لڑائی کی ایک مناسب وجہ بھی موجود ہے" دشمن نے جواب دیا "میرا بھی یہی خیال ہے"۔

وہ اپنے ملازموں سے بولا ــــ "آج سے میں نے اس بدمعاش کو الگ کیا۔ گاڑی چلانے کے لئے کسی اور کو بلا لو" نوکروں نے گاڑی کا دروازہ کھول دیا۔ شوالیئے نے اصرار کیا کہ ژولیاں اور اس کا دوست پہلے بیٹھیں۔ اب وہ موسیو دبو ووازی کے ایک دوست کو ڈھونڈنے چلے جس نے ایک خاموش سی جگہ تجویز کی۔ اس طرف جاتے ہوئے بڑی اچھی اچھی باتیں ہوئیں۔ اگر کوئی انوکھی بات تھی تو یہ کہ رضاعت خانے کا افسر خوابی کے لباس میں تھا۔

ژولیاں سوچنے لگا ــــ "یہ لوگ ہیں تو سب اونچے طبقے کے۔ لیکن موسیو رلامول کے یہاں آنے والوں کی طرح ان سے اکتاہٹ نہیں ہوتی"۔ پھر لمحے بھر بعد بولا

"میں اس کی وجہ بھی سمجھ گیا۔ یہ لوگ گندی باتیں کرتے ہوئے جھینپتے نہیں۔" اس وقت
اُن ناچنے والیوں کا ذکر ہو رہا تھا جن کی کل ذات تھیئٹر میں بڑی تعریف ہوئی تھی۔
دونوں رئیس اپنی باتوں میں اُن چٹپٹے واقعات کی طرف اشارے کرتے جاتے تھے۔
جن سے ژولیاں اور اس کا ساتھی لفٹیننٹ بالکل بے خبر تھے۔ ژولیاں نے ان باتوں
سے واقفیت جتانے کی حماقت نہیں کی، بلکہ نہایت شائستگی سے اپنی لاعلمی کا اعتراف
کر لیا۔ شوالئے کے دوست کو یہ صاف گوئی بہت پسند آئی۔ اس نے یہ واقعات
پوری تفصیل کے ساتھ اور بڑے مزے دار انداز میں ژولیاں کو سنائے۔

ایک بات پر تو ژولیاں کے تعجب کی کوئی حد نہ رہی۔ ایک مذہبی جلوس کے سلسلے
میں سڑک کے بیچوں بیچ چبوترا بنایا جا رہا تھا جس کی وجہ سے گاڑی کو لمحے بھر کے لئے رکنا
پڑا۔ دونوں رئیسوں نے فقرے بازی شروع کر دی۔ اُن کے خیال میں اس علاقے کا
پادری ایک اسقف کا بیٹا تھا۔ مارکوئس دلاموَل کے یہاں جو ڈیوک بننا چاہتا تھا۔
ایسی بات کہنے کی ہمت کسی کو نہیں ہو سکتی تھی۔

ڈوئیل ایک لمحے کے اندر ختم ہو گئی۔ ژولیاں کے بازو میں گولی لگی۔ انہوں نے
فوراً اپنے رومال لے کر اس کے بازو پر باندھ دیئے۔ رومالوں کو پہلے برانڈی میں بھگو
لیا تھا اور شوالئے دبووَرازی نے بڑے اخلاق سے کہا کہ ہم جس گاڑی میں آئے
ہیں۔ اگر آپ اجازت دیں تو اسی میں آپ کو گھر پہنچا دیں۔ جب ژولیاں نے
مارکوئس دلاموَل کے محل کا پتا دیا تو نوجوان افسر اور اس کے دوست نے آنکھوں
ہی آنکھوں میں ایک دوسرے سے کچھ کہا۔ ژولیاں کی بھی گاڑی کھڑی تھی، مگر اسے
ان دونوں کی باتیں اپنے مشفق لفٹیننٹ کی باتوں سے کہیں زیادہ دلچسپ معلوم ہوئیں

"ہیں! اڈوئیل بس یہی ہوتی ہے؟" ژرولیاں سوچنے لگا۔ "یہ بڑا اچھا ہوا کہ وہ کوچوان مجھے پھر مل گیا۔ اگر مجھے یہ توہین دوبارہ کسی ریسٹورنٹ میں برداشت کرنی پڑتی تو کیسی بری بات ہوتی!"
وہ دلچسپ گفتگو ابھی ختم نہیں ہوئی تھی۔ اب ژرولیاں کی سمجھ میں آیا کہ کسی سفارت خانے کے کسی افسر کی دوستی بھی کام کی چیز ہے۔

ژرولیاں دل میں کہنے لگا ۔۔ "تو یہ ضروری نہیں کہ اونچے طبقے والوں کی گفتگو بے رنگ اور بے کیف ہی ہو! یہ لوگ مذہبی جلوس کا مذاق اڑاتے ہیں اور بڑے بڑے گندے واقعات مزے لے لے کر اور پوری تفصیلات کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ اگر ان میں کسی بات کی کمی ہے تو یہ کہ سیاسی معاملات میں عقل سے کام نہیں لے سکتے۔ لیکن یہ کمی ان کے لب و لہجے کی نفاست اور اندازِ بیان کی موزونیت سے پوری ہو جاتی ہے۔" ژرولیاں کا دل ان لوگوں کی طرف کھنچنے سا لگا۔ "میرا جی چاہتا ہے کہ ان دونوں سے اکثر ملنا ہو!"
جب یہ لوگ ایک دوسرے سے رخصت ہوئے تو شوالیے دبودوازی فوراً معلومات فراہم کرنے چل دیا۔ اس نے جو باتیں سنیں وہ ایسی امید افزا نہیں تھیں۔ اسے اپنے حریف سے ملاقات بڑھانے کی بڑی خواہش تھی۔ کیا اس سے ملنے جانا مناسب تھا؟ اسے دو چار باتیں معلوم ہوئیں۔ وہ کچھ ہمت افزا نکلیں۔

"یہ تو بڑی بُری بات ہوئی!" وہ اپنے دوست سے بولا۔ "میں لوگوں کے سامنے کبھی نہیں قبول سکتا کہ موسیو ولامول کے ایک معمولی سکرٹری سے ڈوئیل لڑا ہوں اور وہ بھی اتنی سی بات پر کہ ایک کوچوان نے میرے ملاقاتی کارڈ چرا لئے تھے۔"
"ہاں، یہ بات تو ہے۔ لوگوں کو ہنسنے کا موقع تو ضرور ملتا ہے۔"
اسی روز شام کو شوالیے دبودوازی نے ہر جگہ یہ خبر اڑا دی کہ یہ موسیو سوریل (جو اتفاق

سے ویسے بھی بڑا دل کش نوجوان تھا) مارکوئس دِلاموَل کے ایک گہرے دوست کی ناجائز اولاد ہے۔ افواہ بڑی آسانی سے پھیل گئی۔ جب یہ بات لوگوں نے پوری طرح تسلیم کر لی۔ تو نوجوان افسر اور اس کا دوست دونوں ازراہِ نوازش کئی دفعہ ژدلیاں کو دیکھنے کے لئے گئے جو پندرہ دن تک بستر پر پڑا رہا۔ ژدلیاں نے اُن کے سامنے اعتراف کیا کہ میں عمر بھر میں ایک دفعہ بھی اوپیرا نہیں گیا۔

"توبہ! تم بھی کیا آدمی ہو!" وہ لوگ بولے۔ "اور جانے کی کونسی جگہ ہے؟ پہلی دفعہ اوپیرا جا رہے ہو تو "کونت اوری" دیکھو۔"

اوپیرا میں شوالیئے دبووآزی نے اُسے مشہور گانے والے ژرے رودیمو سے ملایا جس کی اُن دنوں دھوم مچی ہوئی تھی۔

ژدلیاں تو شوالیئے کی درباداری سی کرنے لگا۔ عزّتِ نفس، ایک پراسرار قسم کی شان اور لڑکوں کی سی سادہ دلی کے امتزاج نے اُسے گردیدہ بنا لیا تھا۔ مثلاً شوالیئے تھوڑا سا ہکلاتا تھا کیونکہ اُسے اکثر ایک بہت بڑے نواب کی خدمت میں حاضر رہنے کی عزّت نصیب ہوتی تھی۔ جس میں یہی کمزوری تھی۔ ژدلیاں نے ایک آدمی کے اندر ان دو چیزوں کا میل کبھی نہیں دیکھا تھا ــــ ایک طرف تو ایسی مہمل حرکتیں جن پر ہر وقت ہنسی آئے، دوسری طرف، وہ نفاست اور سلیقہ کہ ایک غریب قصباتی کے لئے اس کی تقلید لازمی ہو۔

وہ اوپیرا میں اکثر شوالیئے دبووآزی کے ساتھ نظر آتا تھا۔ ان دونوں کے تعلقات کی وجہ سے اونچے طبقے میں بھی اُس کا ذکر ہونے لگا۔

ایک دن موسیو دلاموَل اُس سے بولا ــــ "کہیئے جناب! تو گویا آپ فرانش کونتے کے ایک رئیس اور میرے گہرے دوست کی ناجائز اولاد ہیں!"

ژولیاں نے یہ بتانا چاہا کہ اس افواہ کے پھیلانے میں میرا کوئی دخل نہیں مگر مارکوئس نے اس کی بات کاٹ دی۔

"موسیو دبوو آزی کو یہ بات پسند نہیں تھی کہ ایک بڑھئی کے بیٹے سے ڈوئیل لڑی ہو۔"

"مجھے معلوم ہے، مجھے معلوم ہے"، موسیو دلاموِل نے کہا: "یہ افواہ میرے مطلب کی چیز ہے۔ اب اسے قابلِ قبول بنانا میرا کام ہے۔ لیکن آپ سے میری ایک درخواست ہے اس میں آپ کا آدھ گھنٹے سے زیادہ خرچ نہیں ہوگا۔ جس دن اوپیرا جانا ہو، ہر دفعہ ساڑھے گیارہ بجے جس وقت بڑے بڑے لوگ باہر نکل رہے ہوں ڈیوڑھی میں جا کر کھڑے ہو جایئے۔ مجھے آپ کے اندر اب بھی بعض دفعہ قصباتی انداز نظر آتے ہیں۔ ان سے پیچھا چھڑایئے۔ اس کے علاوہ اگر آپ اہم شخصیتوں کی کم سے کم صورت ہی پہچان جائیں تو اس میں آپ کا کچھ نہیں بگڑتا۔ ممکن ہے کسی دن مجھے آپ کو ان لوگوں کے پاس بھیجنا پڑے۔ ذرا ٹکٹ گھر میں بھی جایئے تاکہ وہ لوگ بھی آپ کو پہچان لیں۔ انھوں نے آپ کا نام تو اپنی فہرست میں لکھ لیا ہے۔"

٭ ٭

ساتواں باب

گھٹیا کا دورہ

اور مجھے ترقی مل گئی۔ اپنی لیاقت کی وجہ سے نہیں، بلکہ اس لئے کہ میرے آقا کو گھٹیا ہو گئی تھی۔

برتولوتی

اس بے تکلفانہ اور قریب قریب دوستانہ لب و لہجے پر شاید ہمارے ناظرین کو حیرت ہو گی۔ ہم یہ بتانا بھول گئے کہ چھ ہفتے سے مارکوئس گھٹیا کے دورے کی وجہ سے گھر کے اندر بند پڑا تھا۔

مادموازیل دلامول اور اس کی ماں دونوں مارکوئس کی ماں سے ملنے ای آئیر گئی ہوئی تھیں۔ کاؤنٹ نوربیر باپ کے پاس دو چار منٹ کے لئے آتا تھا۔ اُن کے تعلقات بڑے خوشگوار تھے۔ لیکن ایک دوسرے سے کہنے کی کوئی بات اُن کے پاس نہ تھی مارکوئس دلامول کے لئے بس ژولیاں ہی ژولیاں رہ گیا تھا۔ اُسے یہ دیکھ کر بڑا تعجب ہوا کہ ژولیاں کے دماغ میں خیالات بھی ہیں۔ وہ اس سے اخبار پڑھوا کر سنا کرتا۔ نوجوان سکرٹری کو دلچسپ چیزوں کا انتخاب کرنا بھی بڑی جلدی آگیا۔ ایک نیا اخبار نکلا

تھا جس سے مارکوئس کو بڑی نفرت تھی۔ اس نے قسم کھائی تھی کہ میں اسے کبھی نہیں پڑھوں گا اور وہ روز اس کا ذکر کیا کرتا تھا۔ ژدلیاں اس پر دل ہی دل میں ہنستا اور اسے حیرت ہوتی کہ کسی خیال کے خلاف با اقتدار لوگوں کی مدافعت کتنی کمزور ہوتی ہے۔ اتنے بڑے آدمی کی بھی صحبتِ خاص میں کئی شامیں گزارنے کے بعد سے ڈر ہو چلا تھا کہ میری سرد مزاجی ختم ہو کے رہ جائے گی۔ لیکن مارکوئس کی اس کمزوری سے ژدلیاں کو اپنی یہ خوبی برقرار رکھنے میں بڑی مدد دی۔ مارکوئس اپنے زمانے سے اتنا خفا تھا کہ اس نے ژدلیاں سے لاطینی مصنف لوی کی کتاب پڑھوا کر سنی۔ ژدلیاں فوراً کے فوراً ترجمہ بھی کر جاتا تھا۔ اس سے مارکوئس بہت محظوظ ہوا۔

ایک دن مارکوئس حد سے بڑھی ہوئی خوش اخلاقی کے اسی لہجے میں جس سے ژدلیاں اکثر چڑ جاتا تھا، کہنے لگا ــــ

"اچھا، میری طرف سے ایک نیلا کوٹ تحفے میں قبول کر لیجئے۔ جب آپ مناسب سمجھیں اسے پہن کر میرے پاس آئیے۔ میں آپ کو کاؤنٹ دِرتیز کا چھوٹا بھائی، یعنی اپنے پرانے دوست ڈیوک دِرتیز کی اولاد سمجھوں گا۔"

ژدلیاں کی پوری طرح سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ تماشہ کیا ہے۔ بہر حال اسی روز شام کو وہ نیلا کوٹ پہن کر مارکوئس کے پاس پہنچا۔ مارکوئس نے اس سے بالکل برابر والوں کا سا سلوک کیا۔ ژدلیاں میں اتنا خلوص تو تھا کہ وہ سچی خوش اخلاقی کی قدر کر سکے لیکن اس خوبی کے لطیف اور نازک پہلو اس کی سمجھ سے باہر تھے۔ لیکن مارکوئس کو یہ نئی لہر آنے سے پہلے وہ قسم کھا کے کہہ سکتا تھا کہ اب یہ مجھ سے اور زیادہ عزت کے ساتھ پیش نہیں آ سکتا۔ ژدلیاں دل میں بولا۔ "یہ کیسا ذہین آدمی ہے!" جب وہ چلنے لگا تو مارکوئس نے معافی مانگی کہ

ہیں گٹھیا کی وجہ سے دروازے تک آپ کے ساتھ نہیں چل سکتا۔

ڑدلیاں کے دماغ میں ایک عجیب سا خیال گڑ کے رہ گیا اور وہ سوچنے لگا کہ کہیں یہ میرا مذاق تو نہیں اڑا رہا تھا۔ وہ پادری پی رار سے صلاح لینے گیا مگر اس میں وہ شائستگی نہیں تھی جو مارکوئس میں تھی۔ پی رار جواب دینے کے بجائے سیٹی بجانے لگا، اور کوئی دوسری بات شروع کر دی۔

اگلے دن صبح کو ژدلیاں اپنا بستہ اور دستخط کے لئے کاغذات سنبھالے اور کالا کوٹ پہنے مارکوئس کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کا استقبال پرانے طریقے سے ہوا۔ لیکن شام کو جب وہ نیلے کوٹ میں پہنچا تو انداز بالکل بدلا ہوا تھا اور مارکوئس اتنی ہی خوش اخلاقی سے پیش آیا جیسے کل شام کو۔

مارکوئس کہنے لگا ـــــ "چونکہ آپ کو ایک بچارے بیمار بڈھے سے اتنی دلچسپی معلوم ہوتی ہے کہ آپ اسے دیکھنے چلے آتے ہیں۔ اس لئے آپ کو چاہیئے کہ اسے اپنی زندگی کے چھوٹے چھوٹے واقعات سنائیں لیکن پوری صاف گوئی کے ساتھ اور کسی بات کا لحاظ کئے بغیر۔ البتہ یہ خیال رہے کہ قصہ صاف اور سلجھے ہوئے انداز میں اور دلچسپ طریقے سے بیان ہو۔ کیونکہ آدمی کے لئے تفریح طبع ضروری ہے۔ زندگی میں یہی تو ایک اصلی چیز ہے کوئی آدمی یہ تو نہیں کر سکتا کہ روزانہ میدانِ جنگ میں میری جان بچایا کرے یا لاکھوں روپے روزانہ میری خدمت میں پیش کیا کرے۔ لیکن اگر روارول میرے بستر کے پاس موجود ہوتا تو روزانہ کم سے کم گھنٹے بھر کے لئے تو میری اکتاہٹ اور میرا درد کچھ کم ہو جایا کرتا۔ جلاوطنی کے زمانے میں میری اس سے ہیمبرگ میں بڑی ملاقاتیں رہی ہیں۔"

اور مارکوئس نے ژدلیاں کو بہت سے قصے سنائے کہ ہیمبرگ والوں کے ساتھ

روآرول کی کیسی گزری۔ کسی لطیفے کا مطلب سمجھنے کے لیے وہاں چار چار آدمی ایک ساتھ مل کر زور لگاتے تھے۔

اس نوجوان راہب کے علاوہ کوئی دوسرا آدمی ہی نہ تھا جو موسیو دلاآمول کے پاس بیٹھے لہٰذا اس نے چاہا کہ اسی میں تھوڑی سی زندہ دلی پیدا کروں۔ اس نے ژدلیاں کے پندار کو تھوڑی سی ٹھیس پہنچادی۔ ژدلیاں سے صاف گوئی برتنے کے لیے کہا گیا تھا۔ چنانچہ اس نے ارادہ کرلیا کہ میں اپنی ساری کہانی سنادوں گا، بس دو باتیں چھپاؤں گا —— ایک تو اس آدمی سے اپنی مجنونانہ عقیدت جس کا نام سنتے ہی مارکوئس بگڑ اٹھتا ہے، دوسرے اپنی مکمل بے اعتقادی جو ایک ہونے والے پادری کے لئے کسی طرح بھی مناسب نہیں تھی۔ وہ شوالئے د بووواَزی والا واقعہ بالکل ٹھیک موقع پر پیش آیا۔ کوچوان سے مڈبھیڑ میں اُسے جس طرح مغلظات سناتی تھیں اس کا حال سن کر مارکوئس ہنستے ہنستے لوٹ گیا۔ آقا اور ملازم کے تعلقات میں یہ دور مکمل بے تکلفی کا تھا۔

موسیو دلاآمول کو اس عجیب و غریب کردار سے بڑی دلچسپی ہوگئی۔ شروع شروع میں تو اپنے تفننِ طبع کی خاطر اس نے ژدلیاں کی بے ہنگم باتوں سے لطف لیا۔ پھر زندگی کے بارے میں اس نوجوان کے غلط نقطۂ نظر کو بڑی نرمی کے ساتھ درست کرنے میں زیادہ مزا آنے لگا۔ مارکوئس سوچا کرتا —— "قصبات سے جو لوگ پیرس آتے ہیں وہ ہر چیز کی تعریف کرتے ہیں۔ یہ لڑکا ہر چیز سے نفرت کرتا ہے۔ ان لوگوں میں مصنوعی جذبات بہت ہوتے ہیں۔ اس میں یہ بات بالکل ہے ہی نہیں۔ اور جو لوگ خود احمق ہیں وہ اسے احمق سمجھتے ہیں۔"

جاڑے کی وجہ سے گٹھیا کا دورہ طوالت پکڑ گیا، اور کئی مہینے جاری رہا۔

مارکوئس دل میں کہتا تھا ـــ "آدمی کو تو اچھے کتّے سے بھی محبت ہو جاتی ہے۔ اگر مجھے اس نوجوان راہب سے لگاؤ ہو گیا ہے تو اس میں شرم کی کیا بات ہے؟ یہ بالکل انوکھی قسم کا آدمی ہے۔ میں اس سے بیٹے کا سا برتاؤ کرتا ہوں۔ اس میں ہرج ہی کیا ہے! اگر یہ مذاق اسی طرح جاری رہا تو مجھے اپنے وصیّت نامے میں اس کے نام کوئی پانچ سو اشرفی کی مالیت کا ہیرا لکھنا پڑے گا!"

مارکوئس کو ایک دفعہ اس آدمی کے کردار کی پختگی کا اندازہ ہو گیا تو وہ روز کوئی نہ کوئی نیا کام اس کے سپرد کرنے لگا۔

ژولیاں کو یہ دیکھ کر بڑی گھبراہٹ ہوئی کہ بعض دفعہ یہ رئیسِ اعظم ایک ہی معاملے میں بالکل متضاد قسم کی ہدایات دیتا ہے۔

اس میں خطرہ یہ تھا کہ وہ کسی مصیبت میں نہ پھنس جائے۔ ژولیاں جب مارکوئس کے پاس کام کرنے کے لیے آتا تو ہر دفعہ ایک ڈائری ساتھ لاتا جس میں مارکوئس کے احکامات لکھ کر نیچے اس کے دستخط کرا لیتا۔ ژولیاں نے ایک کلرک بھی رکھ لیا تھا جو ہر کام سے متعلق ایک خاص رجسٹر میں یہ احکامات نقل کر لیتا۔ اسی رجسٹر میں سارے خطوں کی نقلیں بھی رہتی تھیں۔

شروع میں تو یہ خیال بہت ہی مہمل اور بیزار کن معلوم ہوا۔ لیکن دو مہینے سے بھی کم کے عرصے میں مارکوئس کو اس کے فوائد کا اندازہ ہو گیا۔ ژولیاں نے تجویز پیش کی کہ بینک سے کسی کلرک کو بلا کر ملازم رکھ لیا جائے جو ان زمینوں کی آمدنی اور خرچ کا حساب باقاعدہ درج کرے جن کا انتظام اس کے سپرد تھا۔

ان سب ترکیبوں سے مارکوئس کو اپنی مالی حالت کا اتنا صحیح اندازہ ہو گیا کہ اس نے

دلاّل کی مدد کے بغیر ہی جو اس کی جیب کاٹ رہا تھا۔ دو تین نئے کاروبار شروع کر دیئے۔

ایک دن اس نے اپنے نوجوان وزیر سے کہا۔ "تین ہزار فرانک تم لے لو"

"لیکن حضور، لوگ مجھے بدنام کریں گے"

"پھر تم کیا چاہتے ہو؟" مارکوئس نے جھنجلا کر کہا۔

"میری درخواست ہے کہ آپ اپنے ہاتھ سے رجسٹر میں لکھ دیں کہ تین ہزار فرانک مجھے انعام میں دیئے گئے۔ اس کے علاوہ حساب کتاب باقاعدہ رکھنے کا خیال تو پہلے موسیو پی رآر کو آیا تھا" مارکوئس نے بڑی بدمزگی کے ساتھ یہ فیصلہ درج کر دیا۔

جب شام کو ژولیاں نیلا کوٹ پہن کر آتا تو کاروباری باتیں بالکل نہ ہوتیں۔ ہمارے ہیرو کے پندار کو بڑی جلدی ٹھیس لگ جاتی تھی لیکن مارکوئس کی عنائتیں اس کے پندار کے لئے بھی ایسی تسلی بخش تھیں کہ تھوڑے ہی دن میں ژولیاں کو اپنی طبیعت کے باوجود اس خوش دل بڈھے سے ایک لگاؤ سا ہو گیا۔ پیرس میں اس لفظ کے جو معنی ہیں اس کے لحاظ سے ژولیاں حساس نہیں تھا۔ لیکن وہ بالکل جانور بھی نہ تھا اور بڈھے سرجن میجر کے مرنے کے بعد کسی نے بھی اس سے اتنی مہربانی کے ساتھ بات نہیں کی تھی بلکہ اسے یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ اپنی خوش اخلاقی میں مارکوئس اس کی عزتِ نفس کا اتنا لحاظ رکھتا ہے کہ سرجن میجر کبھی نہیں رکھتا تھا۔ آخر اسے یہ بھی احساس ہوا کہ مارکوئس کو اپنی نوابی پر بھی اتنا فخر نہیں جتنا سرجن میجر کو اپنے تمغے کے اوپر تھا۔ مارکوئس ایک بہت بڑے نواب کا بیٹا تھا۔

ایک دن صبح کو جب ژولیاں کاروباری سلسلے میں کالا کوٹ پہن کر آیا تھا، کام ختم ہو چکا تھا تو مارکوئس اس کی کسی بات پر بڑا محظوظ ہوا اور اسے دو گھنٹے کے لئے روک

لیا۔ اُس کا دلّال اسٹاک ایکسچینج سے ابھی کچھ نوٹ لے کر آیا تھا۔ اس نے مٹھی بھر نوٹ اٹھائے اور ڑولیاں سے اصرار کرنے لگا کہ انہیں قبول کر لو۔

"حضور، آپ کا ادب کرنا میرا فرض ہے۔ اگر گستاخی نہ ہو تو کچھ عرض کر دوں۔"

"بولو، بولو۔"

"اگر حضور مجھے اس سے معاف ہی فرمائیں تو آپ کا کرم ہوگا۔ یہ بخشش کالے کوٹ والے آدمی پہ نہیں ہو رہی۔ اگر اس نے اسے قبول کر لیا تو پھر نیلے کوٹ والا آدمی وہ بے تکلفی نہیں برت سکے گا جو حضور گوارا فرما لیتے ہیں۔" اس نے ادب سے جھک کر سلام کیا اور ادھر ادھر دیکھے بغیر کمرے سے چلا گیا۔

اس رویّے سے مارکوئس اور بھی خوش ہوا، اور شام کو یہ قصّہ پادری پی رآر کو سنایا۔

"پادری صاحب، ایک ایسی بات ہے جسے آپ کے سامنے قبولنا ہی پڑ رہا ہے مجھے معلوم ہے کہ ڑولیاں اصل میں کس کا بیٹا ہے۔ میں آپ کو اجازت دیتا ہوں کہ یہ بات صیغۂ راز میں نہ رکھیں۔"

مارکوئس نے دل میں کہا۔ "آج صبح اُس نے بڑی شریفانہ بات کی ہے۔ میں اُسے شریف ہی بنائے دیتا ہوں۔"

اس کے کچھ عرصے بعد آخر مارکوئس ٹھیک ہو گیا، اور کمرے سے باہر نکل آیا۔

وہ ڑولیاں سے بولا۔ "جاؤ دو ایک مہینے لندن میں گزار آؤ۔ جو خط آیا کریں گے میں اُن پر مختصر سے اُنہیں لکھ کر ڈاک سے یا خاص ہرکاروں کے ذریعے تمہارے پاس بھیج دیا کروں گا۔ تم جواب لکھ کر خط سمیت مجھے واپس کر دینا۔ میں نے حساب لگا لیا ہے۔ پانچ دن سے زیادہ دیر نہیں ہوا کرے گی۔"

جب وہ ڈاک گاڑی میں کیلے جا رہا تھا تو اسے تعجب ہو رہا تھا کہ جس مفروضہ کام پر مجھے لندن بھیجا گیا ہے وہ کتنا بے معنی ہے۔

اس کا ذکر فضول ہے کہ جب اس نے انگلستان کی زمین پر قدم رکھا ہے تو اُسے کیسی گھن، بلکہ نفرت محسوس ہوئی۔ ناظرین کو معلوم ہے کہ اُسے نپولین سے کیسی والہانہ عقیدت تھی۔ ہر افسر اُسے سر ہڈسن لو نظر آتا، ہر نواب لارڈ باتھرسٹ لگتا جس نے سینٹ ہلینا میں وہ مظالم ڈھائے تھے اور اس کے عوض دس سال کے لئے وزارت پائی تھی۔

آخر لندن میں اُسے پتا چل گیا کہ خود پسندی اور حماقت کی انتہا کیا ہوتی ہے۔ اس کی چند نوجوان روسیوں سے دوستی ہو گئی۔ جنہوں نے اُسے ساری چیزیں دکھائیں۔

"عزیز سوریل، تمہیں قدرت نے پیدا ہی کیا ہے کامیاب ہونے کے لئے۔" وہ لوگ اس سے کہتے۔ "تمہارے چہرے سے کسی جذبے کا اظہار ہی نہیں ہوتا۔ ایسا لگتا ہے جیسے تم کسی بات سے اثر ہی نہیں لیتے۔ ہم بھی اپنے اندر یہ بات پیدا کرنا چاہتے ہیں مگر ہوتی ہی نہیں۔"

"تم ابھی اپنے زمانے کو اچھی طرح نہیں سمجھے۔" شہزادہ کوراسوف کہتا۔ "لوگوں کو تم سے جس بات کی توقع ہو اس کے بالکل برخلاف کرو۔ خدا کی قسم، آج کل کا بس یہی مذہب ہے۔ حماقت یا بناوٹ کی باتیں مت کرو۔ ورنہ لوگ تم سے حماقت اور بناوٹ ہی کی توقع کرنے لگیں گے اور تم اپنے اصول سے ہٹ جاؤ گے۔"

ایک دن تذولیاں نے ڈیوک فٹز فلک کے دیوان خانے میں بڑا معرکہ مارا۔ وہاں اُسے کوراسوف سمیت کھانے پر بلایا گیا تھا۔ لوگوں کو پورے گھنٹے بھر انتظار کرنا پڑا۔ چوبیس پچیس لوگ انتظار میں کھڑے تھے۔ ان کے درمیان تذولیاں نے اتنی خوش اسلوبی

دکھائی کہ لندن کے سفارت خانے کے نوجوان سکریٹری آج تک اس کی تعریف کرتے ہیں اس کے چہرے کا جو انداز رہا اُس کی برابری تو کوئی کر ہی نہیں سکتا۔

اپنے رنگیلے دوستوں کے استہزا کے باوجود اُسے مشہور و معروف فلپ وین سے ملنے کی بڑی بیتابی تھی جو لوک کے بعد انگلستان کا واحد فلسفی ہے۔ جب ژدلیاں اس سے ملا تو وہ قید خانے میں اپنا ساتواں سال پورا کر رہا تھا۔ ژدلیاں نے دل میں کہا ــــ" اس ملک میں امرا کا طبقہ ایسی باتوں کو ہنسی مذاق نہیں سمجھتا۔ قید کے ساتھ ساتھ بچارے وین کی تضحیک و تذلیل بھی ہوتی ہے"۔ وغیرہ وغیرہ۔

ژدلیاں کو وہ آدمی بڑا زندہ دل معلوم ہوا۔ اسے امرا کے طبقے کی برانروختگی میں بھی مزا آتا تھا۔ ژدلیاں قید خانے سے چلا تو دل میں بولا " انگلستان میں مجھے بس یہ ایک خوش مزاج آدمی دکھائی دیا ہے "۔

وین نے اس سے کہا تھا ــــ" جابر حکمرانوں کے لئے جو خیال سب سے زیادہ کارآمد ہے، وہ خدا کا تصوّر ہے"۔

چونکہ اس فلسفی کے فکری نظام میں ترشی زیادہ ہے۔ اس لئے ہم باقی باتوں کا ذکر نہیں کرتے۔

جب وہ واپس آیا تو موسیو دلاموَل نے پوچھا ــــ" تم انگلستان سے کون سا دلچسپ خیال ساتھ لائے ہو"؟ ژدلیاں خاموش رہا تو مارکوئس ذرا تیزی سے بولا " دلچسپ ہو یا نہ ہو، تم خیال کون سا لے کر آئے ہو"؟

ژدلیاں نے کہا " پہلی بات تو یہ ہے کہ انگلستان کا سب سے عقل مند آدمی روزانہ گھنٹے بھر کے لئے پاگل ہو جاتا ہے۔ خود کشی کا جِن اس کے سر آتا ہے۔ یہی اس مُلک کا

خدا ہے۔

"دوسری بات یہ کہ انگلستان کی زمین پر قدم رکھتے ہی ذہانت اور کمال کی قیمت پچیس فی صدی کم ہو جاتی ہے۔

"تیسری بات یہ کہ دُنیا میں کوئی چیز اتنی اثر انگیز، اتنی قابلِ تعریف اور اتنی حسین نہیں جتنے انگلستان کے دیہات۔"

مارکوئس نے کہا" اب میری باری ہے۔

"پہلی بات تو یہ کہ تم نے روسی سفارت خانے کے ناچ میں یہ کیسے کہا کہ فرانس میں پچیس سال کی عمر کے تین لاکھ نوجوان ہیں جو جنگ کے لئے بے تاب ہیں؛ تمہارے خیال میں یہ کوئی تمیز کی بات ہے؟"

ژولیاں نے کہا" سفارت خانوں کے بڑے بڑے افسروں سے بات کرتے ہوئے سمجھ میں ہی نہیں آتا کہ کہا کیا جائے۔ انہیں سنجیدہ گفتگو شروع کر دینے کا خبط ہوتا ہے اگر آدمی اخباروں کی گھسی پٹی باتوں تک محدود رہے تو احمق سمجھا جاتا ہے اور اگر کوئی سچی یا نئی بات مُنہ سے نکل جائے تو وہ لوگ ٹپٹا جاتے ہیں، اُن کی سمجھ میں نہیں آتا کہ جواب کیا دیں، اور اگلے دن صبح سات بجے سفارت خانے کے سکرٹری کے ذریعے کہلوا بھیجتے ہیں کہ تم نے بدتمیزی کی ہے۔"

"بڑے نہیں رہے!" مارکوئس نے قہقہہ لگا کر کہا" بہرحال، جناب فلسفی صاحب میں شرط لگا کے کہتا ہوں کہ آپ کو ابھی تک یہی پتا نہیں چلا کہ آپ انگلستان کیا کرنے گئے تھے۔"

"معاف فرمائیے گا" ژولیاں نے جواب دیا" میں وہاں اس لئے گیا تھا کہ ہفتے

ہیں ایک بار بادشاہ سلامت کے سفیر کے ساتھ کھانا کھاؤں ۔ وہ بے انتہا خلیق آدمی ہیں ۔"

" حضرت ! آپ وہ تمغہ حاصل کرنے کے لئے گئے تھے جو وہاں سامنے رکھا ہے ۔"
مارکوئس نے اُسے بتایا " میں یہ نہیں چاہتا کہ تم اپنا سیاہ کوٹ اتار دو ، اور میں نیلے کوٹ والے آدمی سے جس پُر لطف انداز میں باتیں کرتا ہوں ۔ اس کی مجھے عادت پڑ چکی ہے ۔ جب تک تمہیں مزید احکامات نہ ملیں ، بات یوں سمجھو ۔ جس وقت مجھے یہ تمغہ نظر آ سکے اس وقت گویا تم میرے دوست ڈیوک در تیز کے چھوٹے بیٹے ہو جسے یہ خبر نہیں کہ میں گذشتہ چھ مہینے سے وزارتِ خارجہ کا کام کر رہا ہوں ۔" مارکوئس نے ژولیاں کی احسان مندی کے اظہار کو وہیں روکتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے کہا " یہ بات یاد رکھو کہ میں ذرا بھی نہیں چاہتا کہ تم اپنے درجے سے بلند تر مقام حاصل کرو ۔ یہ ہمیشہ بڑی غلط چیز ہوتی ہے اور اس طرح محسن اور احسان مند دونوں مصیبت میں پڑ جاتے ہیں جب تم میرے مقدموں سے اکتا جاؤ ، یا میں سمجھوں کہ اب تم میرے مطلب کے نہیں رہے تو ہمارے دوست پی رار کی طرح میں تمہیں بھی کسی علاقے کا پادری بنوا دوں گا اور اس سے زیادہ کچھ نہیں ۔" مارکوئس نے بڑے خشک لہجے میں اس فقرے کا اضافہ کیا ۔

تمغہ پاکر ژولیاں کا پندار مطمئن ہو گیا ۔ اب وہ پہلے سے کہیں زیادہ بے تکلفی سے باتیں کرنے لگا ۔ باتیں ذرا گرم جوشی سے ہو رہی ہوں تو بعض دفعہ کسی کے منہ سے کوئی ایسی بات نکل جاتی ہے جس کا مطلب ذرا غیر شائستہ بھی ہو سکتا ہے ۔ پہلے تو ایسے موقعوں پر ژولیاں اکثر یہی سمجھتا تھا کہ میں نشانہ بن رہا ہوں اور میری توہین ہو رہی ہے ۔

اب اس بات میں بھی کمی آگئی۔

اس تمغے کی وجہ سے ژولیاں کو بالکل غیر متوقع طور پر ایک ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ یہ موسیو لا باروں دوال نو تھے جو بیرن کا خطاب پانے کے بعد وزیر کا شکریہ ادا کرنے اور اس سے کوئی سودا چکانے کے لئے پیرس تشریف لائے تھے۔ موسیو دریناں کے برطرف ہونے کے بعد انہیں ویریئیر کے میئر کی جگہ ملنے والی تھی۔

موسیو دوال نو نے اُسے بتایا کہ حال ہی میں پتا چلا ہے۔ موسیو دریناں انقلاب پسند جماعت کا ہے۔ یہ بات سن کر ژولیاں دل ہی دل میں خوب ہنسا۔ بات یہ تھی کہ انتخابات کی تیاری ہو رہی تھی۔ اس میں یہ نیا بیرن وزارت کی طرف سے کھڑا ہو رہا تھا۔ حلقے کے زیادہ تر لوگ شاہ پرست تھے، اور موسیو دریناں کو آزاد خیال جماعت کی طرف سے کھڑا کیا گیا تھا۔

ژولیاں نے مادام دریناں کی خیر خبر معلوم کرنے کی کوشش کی، مگر بے سود۔ بیرن کو غالباً اپنی رقابت ابھی تک یاد تھی، اور وہ ذرا بھی ٹس سے مس نہ ہوا۔ آخر میں اس نے ژولیاں سے کہا کہ اپنے باپ سے میرے حق میں رائے دلوا دو۔ ژولیاں نے خط لکھنے کا وعدہ کر لیا۔

"موسیو لا شوالیئے، آپ کو مجھے مارکوئس دلامول کی خدمت میں ضرور پیش کرنا چاہئے۔"

"واقعی، ضرور چاہئے!" ژولیاں نے دل میں کہا "ایسے بدمعاش کو!"

اس نے جواب دیا "صاف بات یہ ہے کہ نواب صاحب کے محل میں میری حیثیت ہی کیا ہے جو میں کسی کو اُن کی خدمت میں پیش کر سکوں۔"

ژولیاں ہر بات مارکوئس سے کہا کرتا تھا ۔ اس روز شام کو اس نے والؔ تو کی شیخیوں کا حال سنایا، اور ۱۸۱۴ء سے لے کر اب تک اپنی زندگی کے سارے واقعات بیان کیے ۔

موسیو دلاموٓل نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ جواب دیا ۔" اس نئے بیرن کو مجھ سے کل ضرور ملاؤ، بلکہ میں اُسے پرسوں کھانے پر بھی بلاؤں گا۔ وہ ہمارے نئے ناظموں میں سے ہوگا ۔"

ژولیاںؔ نے بڑی سرد مزاجی کے ساتھ تڑ سے کہا ۔" اگر یہ بات ہے تو میں درخواست کرتا ہوں کہ محتاج خانے کا مہتمم میرے والد کو بنا دیا جائے ۔"

"بہت خوب !" مارکوئس نے پھر پہلی سی زندہ دلی برتتے ہوئے کہا۔" چلو منظور ۔ میرا تو خیال تھا کہ تم وعظ شروع کر دو گے ۔ تم آدمی بنتے جا رہے ہو ۔"

موسیو دوالؔ نو نے ژدلیاں کو بتایا کہ وریئیر میں لاٹری کے دفتر والا آدمی ابھی مرا ہے ۔ ژدلیاں کو خیال آیا کہ اگر یہ جگہ موسیو دشولیںؔ کو مل جائے تو بڑا مزا رہے ۔ یہ وہی احمق بڈھا تھا جس کی درخواست ژدلیاںؔ کو اس کمرے میں ملی تھی جہاں موسیو دلاموٓل آکے ٹھیرا تھا ۔ ژولیاںؔ نے دشولیںؔ کے خط پر موسیو دلاموٓل سے دستخط کراتے ہوئے وزیر مالیات کے نام یہ درخواست پڑھ کر سنائی تو مارکوئس دل کھول کر ہنسا ۔

موسیو دشولین کا تقرر ہوتے ہی ژدلیاںؔ کو پتا چلا کہ اُس علاقے کے نمائندوں نے اس جگہ کے لئے مشہور اقلیدس داں موسیو گرو کی سفارش کی تھی ۔ اس شریف دل انسان کی آمدنی صرف چودہ سو فرانک تھی، اور وہ مرنے والے کو

اُس کے خاندان کی پرورش میں امداد کے طور پر چھ سو فرانک سالانہ قرض دیا کرتا تھا۔

ژولیاں اپنی حرکت کے اس نتیجے پر حیران رہ گیا "مرنے والے کے خاندان کا گزارا اب کس طرح ہو رہا ہے؟" یہ خیال اُس کا دل بار بار مسوسنے لگا۔

وہ اپنے آپ سے بولا۔ "یہ تو کچھ بھی نہیں۔ اگر مجھے کامیاب ہونا ہے تو اور بہت سی بے انصافیوں کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ اس سے بھی زیادہ یہ کہ مجھے ایسی باتوں کو نفیس جذباتی الفاظ کے پردے میں چھپانے کا ڈھب سیکھنا چاہئے، بچارا اگروا اصل میں تمغے کے لائق تو وہ تھا، اور ملا مجھے۔ یہ انعام حکومت نے دیا ہے، مجھے وہی کرنا پڑے گا جو حکومت کہے۔"

آٹھواں باب

کس خطاب سے قدر بڑھتی ہے؟

پیاسا جن بولا "تمہارا پانی پی کر مجھے سیری نہیں ہوتی، حالانکہ شہر بھر میں اس کنوئیں کا پانی سب سے ٹھنڈا ہے۔"

پیلیکیو

موسیو دلاموں کو دریائے سین کے کنارے ویل کلٹے والی زمین سے خاصی دلچسپی تھی۔ کیونکہ اس کی ساری جائداد میں بس یہی زمین مشہور و معروف بوئی فاس دلاموں کی ملکیت تھی۔ ایک دن ژولیاں اس دل فریب مقام سے لوٹا تو محل میں مادام دلاموں اور اس کی بیٹی کو موجود پایا۔ وہ ای آئیر سے واپس آگئی تھیں۔

اب ژولیاں خاصا رنگیلا بن گیا تھا اور پیرس کی زندگی کے فن سے واقف ہو چکا تھا۔ اس نے مادموازیل دلاموں کو بالکل بے رخی کے ساتھ سلام کیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ اُسے وہ زمانہ سرے سے یاد ہی نہیں جب وہ ہنس ہنس کر اس سے پوچھا کرتی تھی کہ آپ گھوڑے سے کس طرح گرے تھے۔

مادموازیل دلاموں نے اُسے پہلے سے زیادہ لمبا اور زرد رو پایا۔ اس کی شکل و صورت

یا لباس میں اب قصباتیوں کی سی کوئی بات نہ رہی تھی۔ مگر اس کی بول چال میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ اس کی باتیں ابھی تک بہت سنجیدہ اور بہت پُر اعتماد تھیں۔ اس کے غرور کا بھلا ہو، اس گمبھیرپن کے باوجود اس کی گفتگو میں کمتری کا احساس نہیں جھلکتا تھا بس اتنا ضرور معلوم ہوتا تھا کہ وہ ابھی تک بہت سی چیزوں کو اہم سمجھتا ہے۔ لیکن یہ بات فوراً ظاہر ہو جاتی تھی کہ وہ اس قسم کا آدمی ہے کہ جو کہتا ہے وہی کرے گا۔

"اس میں لطافت کی تو کمی ہے، مگر ذہانت کی نہیں۔" مادموازیل ولاموول نے اپنے باپ کو اس تمغے کے سلسلے میں چھیڑتے ہوئے کہا جو اس نے تزدلیاں کو دیا تھا۔ "بھائی ڈیڑھ سال سے یہی تمغہ مانگ رہے ہیں اور وہ لاموول خاندان کے ہیں۔"

"ہاں! مگر تزدلیاں کو ایسی چیز ملی ہے جس کی اسے امید ہی نہیں ہو سکتی تھی۔ تم جس لاموول کا ذکر کر رہی ہو اس کا یہ حال تھوڑا ہی ہو سکتا ہے۔"

نوکر نے ڈیوک درتیز کے آنے کی اطلاع دی۔

ماتیلدہ کو جماہی پر جماہی آنے لگی۔ اس آدمی کو دیکھتے ہی اسے اپنے باپ کے دیوان خانے میں آنے والے پرانے ملاقاتی اور وہاں کا ندیم آرائشی سامان یاد آ گیا۔ اب پیرس میں دوبارہ جس قسم کی زندگی شروع ہونے والی تھی وہ اسے انتہائی بیزار کن معلوم ہوئی۔ لیکن ای آیئر میں اسے پیرس کی یاد ستاتی تھی۔

وہ سوچنے لگی ––– "اور ابھی تو میں انیس سال کی ہوں! ان مُطلا احمقوں کے نزدیک یہ تو مرادوں کے دن ہیں۔" اس نے نظموں کی نو دس نئی کتابوں کی طرف نظر ڈالی جو اس کی غیر موجودگی میں دیوان خانے کی میز پر جمع ہو گئی تھیں۔ اس کی بدنصیبی یہ تھی کہ وہ دکرواذنوا، دکے لو، دنوزا اور اپنے باقی دوستوں سے زیادہ ذہین تھی۔ اسے ابھی سے

معلوم تھا کہ وہ لوگ پرووانس کے حسین آسمان، شاعری اور جنوبی علاقے وغیرہ کے بارے میں کیا کیا کہیں گے۔

وہ خوبصورت آنکھیں جن میں انتہائی بے کیفی، اور اس سے بھی زیادہ بری چیز یہ کہ لطف کے حصول سے قطعی مایوسی جھلک رہی تھی، آ کے ژولیاں پر رکیں۔ بہرصورت وہ دوسروں کی طرح تو نہیں تھا۔

وہ تیز اور کھنک دار آواز میں بولی جس میں اس قسم کی ذرا بھی نسائیت نہیں تھی جو اونچے طبقے کی نوجوان عورتیں عام طور سے کام میں لاتی ہیں ـــ "موسیو سوریل، آپ آج رات موسیو دوریتز کے یہاں ناچ میں آرہے ہیں؟"

"مادموازیل، مجھے موسیو لا دیوک سے شرفِ ملاقات حاصل نہیں ہوا۔" (ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ الفاظ ادا کرتے ہوئے اس مغرور قصباتی کے ہونٹ جلے جا رہے ہیں)

"انہوں نے بھائی سے کہا ہے کہ آپ کو ساتھ لے کر آئیں۔ اگر آپ وہاں گئے تو میں آپ سے وِیل کئے کا حال سنوں گی۔ بہار کے زمانے میں ہمارے وہاں جانے کا ذکر ہو رہا ہے۔ میں یہ جاننا چاہتی ہوں کہ وہاں کا مکان رہنے کے قابل بھی ہے یا نہیں اور وہاں کے مناظر کیا اتنے ہی خوبصورت ہیں جتنے لوگ کہتے ہیں۔ بعض دفعہ شہرت خواہ مخواہ ہو جاتی ہے!"

ژولیاں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"بھائی کے ساتھ ناچ میں آئیے۔" وہ بڑے خشک لہجے میں بولی۔

ژولیاں نے جھک کر تعظیم دی۔ "یعنی ناچ کے دوران میں بھی مجھے خاندان کے

ایک ایک فرد کو حساب کتاب دینا پڑے گا۔ میں، اُن کا مختارِ عام جو ٹھیرا۔" وہ برہم ہو کے
دل میں بولا۔ "خدا ہی جانتے ہیں اس لڑکی سے جو باتیں کہوں اُن سے باپ، بھائی، ماں
سب کی تجاویز گڑبڑ نہ ہو جائیں! بالکل ایسا ہے جیسے کسی خود مختار بادشاہ کا دربار۔ آدمی
سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ بالکل صفر بن کے رہ جائے اور ساتھ ہی کسی کو شکایت
بھی نہ پیدا ہونے پائے۔"

مادموازیل دلاموول کو اس کی ماں نے اپنی سہیلیوں سے ملانے کے لئے بُلایا
جب وہ کمرے میں ایک طرف سے دوسری طرف جا رہی تھی تو ژولیاں نے دل میں کہا
— "مجھے یہ لمبی تڑنگی لڑکی بہت بُری لگتی ہے! اپنے فیشن ہی میں مری جاتی ہے
اس کا لباس دیکھو، کندھوں سے پھسلا پڑ رہا ہے۔ . . . یہ تو پہلے سے بھی زیادہ
پیلی ہو کے آئی ہے۔ . . . اس کے بال کیسے بے رنگ ہیں! اور لوگ انہیں سُنہرا
بتاتے ہیں۔ بالکل ایسا لگتا ہے جیسے بالوں میں سے روشنی چھنتی ہے! سلام کرتی ہے
تو اکڑ کے، لوگوں کی طرف دیکھتی ہے تو اکڑ کے! ایسے بنتی ہے جیسے کہیں کی ملکہ ہو۔"

نوربیر جا رہا تھا کہ مادموازیل دلاموول نے بھائی کو واپس بُلا لیا۔

کاؤنٹ نوربیر، ژولیاں کے پاس آیا اور کہنے لگا — "میرے عزیز سورل!
موسیو درتیز کے یہاں ناچ میں چلنے کے لئے میں آدھی رات کے وقت تمہیں کہاں
لینے آؤں؟ انہوں نے تمہیں لانے کے لئے خاص طور سے کہا تھا۔"

"مجھے علم ہے کہ یہ نوازش مجھ پر کس کے طفیل ہو رہی ہے۔" ژولیاں نے تقریباً
زمین تک جھکتے ہوئے جواب دیا۔

نوربیر نے جس خوش اخلاقی بلکہ ذاتی دلچسپی کے لہجے میں بات کی تھی۔ اس میں ژولیاں

کو اپنی برہمی کے باوجود کوئی نقص نہ مل سکا۔ چنانچہ اس کی خفگی کا نچوڑ خود اپنے جواب پر ہوا جس میں اس نے گراوٹ کا پہلو نکال لیا۔

اس رات جب وہ ناچ میں گیا تو ورتینز کے محل کی شان و شوکت دیکھ کر بڑا مرعوب ہوا۔ صحن کے اوپر ایک زبردست شامیانہ تان دیا گیا تھا جس پر سونے کے ستارے لگے ہوئے تھے۔ اس سے زیادہ نفیس چیز مشکل ہی سے ملے گی۔ اس شامیانے کے نیچے صحن کو نارنگی اور گلاب کے پھولدار درختوں کے جھنڈ میں بدل کے رکھ دیا تھا۔ گملے زمین میں کافی نیچے گڑے ہوئے تھے۔ اس لئے معلوم ہوتا تھا کہ درخت زمین میں اُگے ہوئے ہیں۔ گاڑیوں کے راستے میں ریت بچھا دیا تھا۔

ہمارے قصباتی کو اس جگہ کا مجموعی تاثر بہت ہی غیر معمولی لگا۔ ایسی شان و شوکت اس کے خواب و خیال میں بھی نہ آئی تھی۔ ذرا کے ذرا میں اس کا تخیل فرّاٹے بھرنے لگا تھا اور خفگی یا دل گرفتگی سے کوسوں دور پہنچ گیا۔ گاڑی میں یہاں آتے ہوئے نورتیر تو بہت خوش تھا اور اسے ہر چیز سیاہ نظر آ رہی تھی۔ جب وہ صحن میں داخل ہوئے تو معاملہ اس کے بالکل برعکس ہو گیا۔

نورتیر صرف چند تفصیلات ہی کو دیکھ رہا تھا جو اس شان و شوکت کے درمیان بے احتیاطی کی وجہ سے یونہی رہ گئی تھیں۔ وہ ہر چیز کی قیمت کا اندازہ لگا رہا تھا اور جب مجموعی رقم بہت اونچی بیٹھی تو ژولیاں نے دیکھا کہ اسے جلن ہونے لگی اور وہ بجھ سا گیا۔

رہا ژولیاں تو جس وقت وہ ناچ کے پہلے کمرے میں پہنچا، یہاں کی دلفریبیوں سے بالکل سحر زدہ ہو چکا تھا۔ اس کے دل میں ایسا طوفان برپا تھا کہ وہ جھینپنے سا لگا۔ ہر آدمی دوسرے کمرے کے دروازے کی طرف جا رہا تھا۔ ہجوم اتنا زیادہ تھا کہ ہلنا جلنا مشکل ہو گیا تھا

یہ زبردست کمرہ غرناطہ کے الحمرا کی شکل میں سجایا گیا تھا۔

"آج کی ملکۂ حسن یہی ہے۔ اس میں ذرا شک نہیں۔" ایک مونچھوں والے نوجوان نے کہا جس کا کندھا ڈولیاں کے سینے میں گڑا جا رہا تھا۔

اس کے ساتھی نے جواب دیا۔ "مادموازیل فورموں جاڑوں بھر ملکۂ حسن رہی ہے لیکن اب وہ سمجھ گئی ہے کہ میرا نمبر دوسرا ہو گیا۔ دیکھو کیسے منہ پھلائے بیٹھی ہے۔"

"ہاں، لوگوں کو رجھانے کے پورے سامان کر رہی ہے۔ دیکھو، دیکھو۔ دیہاتی ناچ میں وہ کیسی فیاضی کے ساتھ مسکراتی ہوئی بیچ میں آئی ہے۔ خدا کی قسم، اس کا جواب نہیں ہو سکتا۔"

"مادموازیل دلاموں کو اپنی فتح مندی کا پورا احساس ہے۔ اس میں اسے بڑی لذت مل رہی ہے۔ مگر اپنے آپ کو بڑی اچھی طرح قابو میں رکھا ہے۔ اس کے انداز سے تو ایسا لگتا ہے جیسے ڈر رہی ہو کہ میں نے بات کی اور آدمی مجھ پہ لٹو ہوا۔"

"بالکل ٹھیک۔ ایسی نور جھلانے کی ترکیب ہے۔"

ڈولیاں اس عشوہ طراز عورت کو ایک نظر دیکھنے کی جان توڑ کوشش کر رہا تھا مگر سات آٹھ اس سے بھی لمبے آدمی سامنے کھڑے تھے اور اسے دیکھنے نہ دے رہے تھے۔

"اس شریفانہ رکاوٹ میں بھی ایک غمزہ ہے۔" مونچھوں والے نے کہا۔

اس کا ساتھی بولا — "بعض دفعہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بڑی بڑی نیلی آنکھیں اس کا راز فاش کر دیں گی۔ مگر وہ ٹھیک اسی وقت آہستہ آہستہ جھکنے لگتی ہیں واللہ، یہ آنکھوں کا نٹھ گمیت ہے۔"

"دیکھو، اس کے سامنے حسین فور موں کیسی معمولی سی لگتی ہے۔" ایک تیسرے آدمی نے کہا

"اس کا رکھ رکھاؤ کا سا انداز یہ کہتا معلوم ہوتا ہے اگر تم میرے لائق ہوتے تو میں تمہیں کیسی دلفریب بن کے دکھاتی۔"

"اور اس آسمانی حور ماتیلدا کے لائق کون آدمی ہو سکتا ہے؟" پہلے شخص نے کہا۔

"کسی ملک کا فرماں روا، حسین، خوش اندام، طبّاع، میدان کا مرد، اور عمر زیادہ سے زیادہ بیس سال۔"

"روس کے شہنشاہ کا ناجائز بیٹا جس کے لئے اس شادی کے موقع پر کہیں سے ایک سلطنت پیدا کی جائے گی، یا پھر سیدھا سادا کاؤنٹ دتالے جو ایسا لگتا ہے جیسے کسی دیہاتی نے تہوار کے کپڑے پہن رکھے ہوں ۔ ۔ ۔ ۔"

لوگ دروازے میں سے ہٹ گئے تھے اور اب وہ دوسرے کمرے میں جا سکتا تھا۔

اس نے سوچا — "ان سب بے احمقوں کی نظر میں یہ لڑکی بہت زوردار معلوم ہوتی ہے۔ اسے غور سے دیکھنا تو چاہیئے۔ کم سے کم یہ تو پتا چلے کہ ان لوگوں کے ذہن میں حسن کا کیا تصور ہے۔"

ژولیاں اس فکر میں تھا کہ اس کی نظر مجھ پر پڑ جائے۔ اتنے میں ماتیلد نے خود اس کی طرف دیکھا۔ ژولیاں نے دل میں کہا — "اب مجھے نوکری بجانی ہے۔" لیکن اس کی خفگی اب صرف اس کے چہرے ہی تک محدود تھی۔ تجسّس کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہ خاصی لذّت محسوس کرتے ہوئے اس کی طرف بڑھا۔ ماتیلد کے کھلے ہوئے کندھوں نے اس لذّت میں بڑی جلدی کچھ اس قسم کا اضافہ کیا جو ماننا پڑے گا کہ ژولیاں کی عزّتِ نفس

کے لئے باعثِ فخر نہیں تھا۔ اس نے سوچا ــــ "اس لڑکی کے حسن میں جوانی کی جاذبیت تو ضرور ہے۔" اس کے اور ماتیلد کے درمیان پانچ چھ نوجوان کھڑے تھے جن میں وہ لوگ بھی شامل تھے جن کی باتیں اس نے دروازے میں سُنی تھیں۔

وہ اس سے بولی ــــ "آپ جاڑوں بھر یہاں رہے ہیں۔ بتائیے یہ بات ٹھیک ہے یا نہیں کہ اس موسم میں اس سے اچھا ناچ ابھی تک نہیں ہوا؟" اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

"وہ سامنے جو ناچ ہو رہا ہے۔ یہ مجھے بڑا نفیس معلوم ہوتا ہے، اور جو ناچ رہی ہیں بڑی عمدگی سے۔" نوجوان نے مڑ کر دیکھا کہ یہ خوش نصیب کون ہے جس سے جواب پر اتنا اصرار ہو رہا ہے۔ جواب کچھ اُمید افزا نہ نکلا۔

"مادموازیل، میں کیا اور میری رائے کیا! میرا سارا وقت تو لکھنے میں صرف ہوتا ہے۔ اتنا زبردست ناچ میں نے عمر میں پہلی دفعہ دیکھا ہے۔"

مونچھوں والے نوجوان تکتے تکتے رہ گئے۔

"موسیو سوریل، آپ دانشور قسم کے آدمی ہیں۔" وہ اور بھی زیادہ دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے بولی۔ "آپ اس ناچ رنگ، ان دعوتوں کو اس طرح دیکھتے ہیں جیسے کوئی فلسفی، جیسے کوئی ژاں ژاک روسو۔ آپ ان حماقتوں پر حیران تو ہوتے ہیں، مگر ریجھتے نہیں۔"

اس ایک لفظ نے ژولیاں کے تخیل کا گلا گھونٹ دیا اور اس کے دل سے ہر قسم کی خوش فہمی دور کر دی۔ اس کے ہونٹوں سے حقارت ٹپکنے لگی جس میں شاید مبالغے کو بھی تھوڑا سا دخل تھا۔

اس نے جواب دیا۔ "جب ژاں ژاک روسو اُونچے طبقوں پر تنقید کرنے کا دم بھرتا ہے تو میں اُسے پکا احمق سمجھتا ہوں۔ وہ ان باتوں کو سمجھتا ہی نہ تھا۔ اس معاملے میں تو اس کا رویّہ ایسا ہے جیسے کسی فیمولت سائیس کا۔"

ماتیلد نے عقیدت کے لہجے میں کہا۔ "مگر اس نے "سماجی عہد نامہ" لکھا تھا۔"

"اس نے جمہوریت کے بہت گن گائے ہیں اور شاہی خطابات واپس کر دینے کی بھی بہت کچھ تلقین کی ہے۔ لیکن اگر کوئی ڈیوک رات کے کھانے کے بعد اُس کے کسی دوست کے ساتھ جانے کے لئے اپنی سیر کا راستہ بدل دے تو یہ نو دولتا خوشی کے مارے دیوانہ ہو جاتا ہے۔"

"ہاں، ہاں! موں موراں سی میں ڈیوک دلوکساں بُور پیرس کی سڑک پر ایک شخص مرسیو کوآں دے کے ساتھ گئے تھے"۔ مادموازیل دلامول کو پہلی دفعہ اپنی علمیت جتانے کا موقع ملا تھا۔ چنانچہ اس نے بے اختیار اس کی لذت لیتے ہوئے کہا۔ اُسے اپنے تبحر پر اتنی خوشی ہو رہی تھی جیسے اس عالم کو جس نے شاہ فیریترئیوس کے وجود کا پتا چلایا تھا۔ ژولیاں کی آنکھوں میں ابھی تک وہی سختی اور تیزی باقی تھی۔ لمحے بھر کے لئے تو ماتیلد جوش میں آ گئی۔ لیکن پھر اپنے ساتھی کی سرد مہری سے بالکل بوکھلا گئی۔ چونکہ اسے خود اوروں کو اسی طرح پریشان کرنے کی عادت تھی، اس لئے وہ اور بھی حیران ہوئی۔

اتنے میں مارکوئس دکروازنوا بڑی بے چینی کے ساتھ مادموازیل دلامول کی طرف بڑھا۔ اسے لمحے بھر کے لئے ماتیلد سے دو چار قدم کے فاصلے پر رکنا پڑا۔ کیونکہ ہجوم کی وجہ سے راستہ نہ ہی نہ ملا۔ اس طرح پھنس کے رہ جانے پر مسکراتے ہوئے اس نے ماتیلد کی طرف دیکھا۔ مارکوئس د رژ دوسے کی نوجوان بیوی اُن کے پاس ہی کھڑی تھی۔ وہ

ماتیلد کی رشتے دار تھی۔ اس کے شوہر نے اس کا بازو پکڑ رکھا تھا۔ ان دونوں کی شادی کو بس پندرہ دن ہوئے تھے۔ مارکوئس درودورے بھی جوان آدمی تھا اور اس کے چہرے پر وہ احمقانہ محبت برس رہی تھی جس میں ایسے لوگ گرفتار ہوتے ہیں، جن کی شادی خاندانی وکیلوں نے کسی منفعت کی خاطر کرائی ہو۔ لیکن بعد میں پتا چلے کہ بیوی تو بڑی اچھی ملی ہے۔ موسیو درودورے ایک بہت معمر چچا کے انتقال کے بعد ڈیوک بننے والا تھا۔

مارکوئس دکرووآزنوا کو ابھی تک راستہ نہ ملا تھا اور وہ کھڑا مسکرا مسکرا کر ماتیلد کو تک رہا تھا۔ ماتیلدا اپنی بڑی بڑی اور آسمان کی طرح نیلی آنکھوں سے اُسے اور اس کے پاس والوں کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگی۔ وہ دل میں بولی ——" یہ لوگ کتنے بے رنگ ہیں! کرووآزنوا کو دیکھو۔ یہ مجھ سے شادی کرنے کی فکر میں ہے۔ بڑا نفیس، بڑا مہذب آدمی ہے۔ موسیو درودورے کی طرح نشست و برخاست کے آداب سے اچھی طرح واقف ہے۔ مجھے ان لوگوں سے اکتاہٹ ہوتی ہے، ورنہ یہ اچھے خاصے معقول آدمی ہیں۔ یہ بھی اسی دل جمعی اور خود اطمینانی کے ساتھ مجھے ناچ میں لے کر آیا کرے گا۔ ہماری شادی کے سال بھر بعد میری بگھی، میرے گھوڑے، میرے لباس، پیرس سے چالیس پچاس میل دور گاؤں میں میری کوٹھی، غرض ہر چیز لاجواب ہوگی۔ اور لوگ دیکھ دیکھ کر جلا کریں گے۔ مثلاً کاؤنٹس درواویل، اور اس کے بعد . . . . "؟

ماتیلد کا دماغ مستقبل کی فکر میں پڑ گیا۔ مارکوئس دکرووآزنوا آخر کسی نہ کسی طرح اس کے پاس پہنچ ہی گیا، اور اس سے باتیں کرنے لگا۔ لیکن وہ اپنے خیالوں میں ایسی مگن

تھی کہ اس کی بات سُنی ہی نہیں۔ کرواز نوا کی آواز ناچ کے شور و غل میں گم ہو کر رہ گئی۔ ماتیلد کی نظریں اپنے آپ سے اپنے آپ ژولیاں کے پیچھے پیچھے چل رہی تھیں۔ جو نہایت موّدبانہ، مگر کچھ بے اطمینانی اور غرور کے انداز میں اس کے پاس سے ہٹ گیا تھا۔ اس نے دیکھا کہ اِدھر سے اُدھر گھومتے ہوئے، ہجوم سے بالکل الگ تھلگ، ایک کونے میں کاؤنٹ آلتامیرا بیٹھا ہے۔ جیسا ناظرین کو معلوم ہے۔ اس شخص کو اپنے مُلک میں موت کی سزا ہوئی تھی۔ لوئی چہار دہم کے زمانے میں اُس کے خاندان کی ایک عورت نے ایک شہزادے دکونتی سے شادی کر لی تھی۔ اس بات کی یاد اُسے کسی حد تک جیزوئٹ لوگوں کے جاسوسوں سے بچائے ہوئے تھی۔

ماتیلد دل میں بولی ــــ "اگر آدمی کو واقعی امتیاز حاصل ہوتا ہے تو بس موت کی سزا سے۔ صرف یہ ایک ایسی چیز ہے جو خریدی نہیں جا سکتی۔"

"آہا! میں نے تو بڑا زوردار فقرہ کہہ دیا! مگر دل ہی دل میں کہا۔ افسوس یہ بات مجھے اس وقت نہ سوجھی جب میں اس سے بڑا فائدہ اُٹھا سکتی تھی!" ماتیلد خاصی خوش مذاق تھی۔ اس سے یہ حرکت نہ ہو سکی کہ باتوں کو ایک خاص ڈھب پر لا کر پہلے سے گھڑا گھڑایا فقرہ استعمال کر دے۔ مگر اس میں پندار بھی بہت تھا وہ یہ بھی نہ کر سکی کہ اپنی ظرافت پر خوش نہ ہو۔ اکتاہٹ کے بجائے اب اس کے چہرے سے مسرت ٹپکنے لگی۔ مارکوئس دکروازنوا اس سے باتیں کئے چلا جا رہا تھا۔ اس نے جو کامیابی کا ایک موقع دیکھا تو اس کی بک بک اور بڑھ گئی۔

ماتیلد نے دل میں کہا ـــ "میرے اس فقرے میں کوئی کیا نقص نکال سکتا

ہے؟ میں اپنے معترض کو یہ جواب دوں گی کہ بیرن یا ڈائی کاؤنٹ کا خطاب تو خریدا جا سکتا ہے، تمغہ بھی خواہ مخواہ مل جاتا ہے۔ میرے بھائی کو ہی ابھی ملا ہے۔ آخر انہوں نے کون سا کارنامہ کیا ہے؟ ترقی بھی کسی نہ کسی طرح حاصل ہو جاتی ہے۔ فوج میں دس سال گزارے ہوں یا وزیر جنگ رشتے دار ہو تو نورتبیر کی طرح آدمی کمانڈر بن جاتا ہے۔ مال و دولت! اس کا حاصل کرنا سب سے مشکل ہے، چنانچہ یہ سب سے زیادہ تعریف کے قابل بات ہے۔ یہ بھی ایک رہی! کتابیں جو کچھ کہتی ہیں بات اس کے بالکل برخلاف ہے . . . مال و دولت حاصل کرنے کے لئے آدمی کسی لکھپتی کی بیٹی سے شادی کر سکتا ہے۔

"میں نے واقعی بڑی گہری بات کہی ہے۔ موت کی سزا ہی ایک ایسی چیز ہے جس کی درخواست کرنے کا آج تک کسی کو خیال بھی نہیں آیا۔"

"آپ کاؤنٹ آلتامیرا کو جانتے ہیں؟" اس نے کروآزنوا سے پوچھا۔

وہ ایسی لگ رہی تھی جیسے خیال کی نامعلوم کن بلندیوں سے ابھی زمین پر اتری ہو، اور بیچارا مارکوئس پچھلے پانچ منٹ سے جو کچھ کہہ رہا تھا۔ اس کا اس سوال سے اتنا کم تعلق تھا کہ اس کے دوستانہ جذبات کچھ درہم برہم سے ہو گئے۔ مگر وہ حاضر جواب آدمی تھا اور اس معاملے میں اس کی بڑی شہرت تھی۔

وہ سوچنے لگا۔ "ماتیلد واقعی بڑی عجیب قسم کی لڑکی ہے۔ یہ اس میں بڑی خامی ہے، مگر اس سے شادی کرنے میں آدمی کو کتنا شاندار سماجی رتبہ حاصل ہوتا ہے! پتا نہیں مارکوئس دلا مول کس ترکیب سے کام لیتا ہے۔ اس کی ہر جماعت کے سربرآوردہ لوگوں سے دوستی ہے۔ اس آدمی کے مقدر میں زوال نہیں۔ پھر ماتیلد

کا یہ انوکھا پن ایک جوہرِ کامل کی علامت بھی سمجھا جا سکتا ہے۔ آدمی عالی نسب ہو، اور دولت پاس ہو تو جوہرِ کامل ہنسنے کی چیز نہیں رہتی، پھر یہی طرّۂ امتیاز بن جاتا ہے! پھر اس لڑکی میں ایک اور بات بھی ہے۔ جب اس کا جی چاہتا ہے۔ وہ ظرافت، موزونیت اور بلند کرداری کے امتزاج کا مکمل نمونہ بن جاتی ہے، اور یہی چیز گفتگو کو دلچسپ اور دلکش بناتی ہے ....."

چونکہ دو باتیں ایک ساتھ اچھی طرح کرنا مشکل ہے، اس لئے مارکوئس نے ماتیلد کو خالی خالی سے انداز میں جواب دیا جیسے آموختہ دُہرا رہا ہو۔

"بچارے آلتامیرا سے کون واقف نہیں" اور اس نے ماتیلد کو اس مہمل اور ناکامیاب سازش کا پورا قصہ سُنا دیا۔

"کیا حماقت تھی!" ماتیلد اس طرح بولی جیسے اپنے آپ سے کہہ رہی ہو "لیکن اس نے کچھ کیا تو ہے۔ میں تو یہ چاہتی ہوں کہ آدمی ہی جان ہو۔ ذرا اسے میرے پاس تو لائیے۔" اس نے مارکوئس سے کہا جیسے یہ بات سُن کر دھکا سا لگا۔

کاؤنٹ آلتامیرا مادموازیل دلامول کی اکڑ اور تُرش خوئی کے سب سے بڑے اور علانیہ مداحوں میں سے تھا۔ اس کے خیال میں وہ پیرس کی حسین ترین عورتوں میں سے تھی۔

"یہ لڑکی تختِ شاہی پر بیٹھی ہو تو کتنی حسین معلوم ہو!" وہ کرواز نوا سے بولا اور چوں چرا کئے بغیر اس کے ساتھ چلا آیا۔

اونچے طبقوں میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو یہ اصول قائم کرنا چاہتے ہیں کہ

سازش کے برابر بدمذاقی کی بات کوئی نہیں۔ اس میں انقلاب پسندی کی بُو آتی ہے اور ناکام انقلابی کے برابر کون بُرا ہوگا؟

ماتیلدہ کر دازلزا کی طرف دیکھ دیکھ کر نظروں سے تو آلتامیرا کی آزاد خیالی کا مذاق اڑا رہی تھی، مگر اس کی باتیں بڑی دلچسپی سے سُن رہی تھی۔

وہ دل میں کہہ رہی تھی ـــــ "ایک سازشی اور ناچ ہیں! یہ تضاد بھی بڑا عجیب ہے۔"

اپنی کالی کالی مونچھوں کے ساتھ یہ سازشی اسے آرام کرتے ہوئے شیر کی طرح معلوم ہو رہا تھا۔ لیکن اسے بڑی جلدی پتا چل گیا کہ اس شخص کا بس ایک ہی نقطۂ نظر ہے ـــ افادیت پرستی۔

اس نوجوان کاؤنٹ کو اگر دلچسپی تھی تو بس ایسی چیزوں سے جو اُس کے ملک میں دو ایوانوں والی جمہوری حکومت قائم کرنے میں مدد دے سکیں۔ باقی چیزیں اُس کی نظر میں توجہ کے قابل نہ تھیں۔ ماتیلدا اس ناچ میں سب سے دلفریب عورت تھی، مگر وہ اسے بڑی خوشی سے چھوڑ کے چل دیا، کیونکہ اس نے پیرو کے ایک جنرل کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھ لیا تھا۔

یورپ سے مایوس ہو کر بچارا آلتامیرا اب یہ خواب دیکھ رہا تھا کہ جب جنوبی امریکہ کے ملک طاقتور ہو جائیں گے تو شاید وہ یورپ کو وہی آزادی دلا سکیں گے جو مرابو نے انہیں بھجوائی تھی۔

بہت سے مونچھوں والے نوجوان ماتیلدا کے گرد جمع ہو گئے۔ وہ اچھی طرح سمجھ گئی تھی کہ میں آلتامیرا کا دل نہیں موہ سکی اور اس کے یوں چلے جانے پر کٹ کے رہ گئی

تھی۔ اس نے دیکھا کہ پیترو کے جنرل سے باتیں کرتے ہوئے آلتامیرا کی سیاہ آنکھیں چمک اٹھی ہیں۔ مادموازیل ولاموُل ان نوجوان فرانسیسیوں کا جائزہ اس گہری سنجیدگی کے ساتھ لینے لگی جس کی نقل اُس کی ایک بھی رقیب نہیں اتار سکتی تھی۔ وہ سوچنے لگی ـــ "اگر ان لوگوں کو سازگار حالات بھی ملیں تو بھی ان میں کون ایسا ہے جو موت کی سزا پا سکے؟"

اس نے جو اس عجیب طرح اُن کی طرف دیکھا تو جو لوگ کم عقل تھے وہ تو بہت خوش ہوتے، مگر دوسرے گھبرا گئے۔ انہیں ڈر لگا کہ اب اس نے کوئی پھبتی کسی جس کا جواب دینا مشکل ہو جائے گا۔

ماتیلڈ دل میں کہنے لگی ـــ "اچھے حسب نسب کی وجہ سے آدمی میں بیسیوں ایسی خوبیاں پیدا ہو جاتی ہیں جن کی غیر موجودگی مجھے بہت بری لگے۔ مثلاً ژولیاں ہی کو لو مگر ساتھ ہی دل و دماغ کی وہ خوبیاں بھی ختم ہو جاتی ہیں، جن کی وجہ سے آدمی کو موت کی سزا ملتی ہے۔"

اسی وقت اُس نے کسی کو یہ کہتے سُنا ـــ "یہ کاؤنٹ آلتامیرا، سان نازارو پی منتل کا دوسرا بیٹا ہے۔ اسی خاندان کے ایک آدمی نے کونارَدین کی جان بچانے کی کوشش کی تھی جو ۱۲۶۸ء میں قتل ہوا تھا۔ یہ لوگ نیپلز کے بڑے پرانے خاندانوں میں سے ہیں۔"

ماتیلڈ دل میں بولی ـــ "لو میرے مقولے کا بڑا اچھا ثبوت مل گیا۔ اچھے حسب نسب کی وجہ سے کردار کی پختگی ختم ہو جاتی ہے اور اس کے بغیر لوگ موت کی سزا نہیں پا سکتے۔ آج شام غلطیاں کرنا تو میرے لئے مقدر ہو گیا ہے۔ بہرحال میں بھی اوروں کی طرح

ایک عورت ہوں۔ مجھے بھی ناچنا چاہیئے "۔ مارکوئس دکروازنوا آدھ گھنٹے سے ناچنے کے لیئے اصرار کر رہا تھا، وہ اس کی بات مان گئی۔ اپنی فلسفیانہ ناکامیابی کی یاد ذہن سے محو کرنے کے لیئے ماتیلد ناز و انداز دکھانے لگی۔ مارکوئس دکروازنوا بالکل سرمست ہوگیا۔

لیکن ماتیلد کی اُلجھن نہ تو ناچ سے دور ہوئی نہ حسین درباریوں میں سے ایک کا دل موہ لینے کی خواہش سے۔ اس سے بڑی کامیابی اُسے اور کیا حاصل ہو سکتی تھی۔ وہ اس ناچ کی ملکۂ حسن قرار دی گئی تھی۔ اُسے یہ بات معلوم تھی مگر اس کا دل پھر بھی سرد پڑا تھا۔

گھنٹے بھر بعد جب مارکوئس دکروازنوا ماتیلد کو اس کی جگہ بٹھانے لے جا رہا تھا تو وہ دل میں کہنے لگی "اس جیسے آدمی کے ساتھ میری زندگی کتنی بے رنگ گزریگی" وہ افسردہ سی ہوگئی۔ "چھ مہینے باہر رہنے کے بعد مجھے اس ناچ میں کوئی مزا نہیں آیا جس پر پیرس کی ساری عورتوں کو رشک ہے۔ پھر مجھے اور کہاں لطف مل سکتا ہے؟ اور اوپر سے یہ کہ جتنے بھی اچھے سے اچھے آدمی تصور میں آسکتے ہیں وہ میرے گن گا رہے ہیں۔ چند رئیسوں اور ژوایاں جیسے دو ایک آدمیوں کو چھوڑ کر نیچے طبقے کا تو یہاں دخل ہی نہیں"۔ اس کی افسردگی بڑھتی گئی۔ "قسمت نے مجھے کون سی خوبی نہیں دی؟ شرافت، مال و دولت حُسن ہر چیز موجود ہے، مگر افسوس ایک خوشی میسر نہیں۔

"میری جن خوبیوں کی روز شام کو تعریفیں ہوتی ہیں اُنہیں پر مجھے سب سے زیادہ شک ہے۔ طنز و مزاح کی صلاحیت میں جانتی ہوں مجھ میں ہے، کیونکہ ظاہر ہے سب مجھ سے ڈرتے ہیں۔ اگر ان لوگوں نے کبھی کوئی سنجیدہ بحث چھیڑنے کی جرأت

کی بھی تو پانچ منٹ بعد اسی نتیجے پر آ پہنچتے ہیں جو میں آدھ گھنٹے سے بار بار دہرا رہی ہوں اور وہ بھی ہانپتے کانپتے اور اس طرح جیسے کوئی زبردست چیز دریافت کر کے لائے ہوں۔ میں حسین ہوں، مجھ میں وہ خوبی ہے جس کے لئے مادام دا ستائیل ہر چیز قربان کر دیتی اور پھر بھی حقیقت یہ ہے کہ میں بے کیفی کے مارے مری جا رہی ہوں۔ اگر میرا نام دلاّمول کے بجائے دکرواز نوا ہو گیا تو کیا اس بے لطفی میں کوئی کمی آجائے گی؟

"لیکن خدایا!" اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے "کیا یہ شخص ہر طرح سے مکمل نہیں ہے؟ اس زمانے میں آدمی کی جیسی تعلیم و تربیت ہونی چاہیئے۔ یہ اس کا شاہ کار ہے۔ اس کی طرف دیکھو تو وہ فوراً کوئی نہ کوئی خوشگوار، بلکہ پھڑک دار بات ضرور کہتا ہے۔ وہ بہادر بھی ہے . . . . لیکن یہ ژولیاں بھی عجیب آدمی ہے۔" اب اس کی آنکھوں میں افسردگی کے بجائے غصہ جھلکنے لگا۔ "میں نے اس سے کہا تھا کہ تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں، اور اس نے یہاں واپس آنے کی بھی زحمت گوارا نہیں کی۔"

نواں باب

ناچ

لباسوں کی شان، شمعوں کی روشنی، خوشبوئیں، بھرے بھرے بازو، نفیس شانے، گلدستے، روشنی کی موسیقی، چی چیری کی تصویریں! میرے تو ہوش و حواس خراب ہوئے جا رہے ہیں!

یوزیبی کا سفرنامہ

"تم کچھ چڑچڑی ہوئی سی بیٹھی ہو۔" مادام دلاآمول نے بیٹی سے کہا۔ "میں بتائے دیتی ہوں، ناچ میں اس طرح بیٹھنا کوئی تمیز کی بات نہیں ہے۔"

"سر میں درد سا ہے اور کچھ نہیں۔" ماتیلد نے حقارت سے جواب دیا۔ "یہاں گرمی بہت ہو رہی ہے۔"

اسی وقت گویا مادموازیل دلاآمول کی تصدیق کرنے کے لئے بڈھا بیرن دتولی بیہوش ہو کر گر پڑا۔ لوگ اسے باہر اٹھا لے گئے۔ بعضوں نے کہا۔ مرگی کا دورہ پڑ گیا ہے۔ بہر حال یہ واقعہ بہت ناخوشگوار پیش آیا۔

ماتیلد نے اس واقعے کی طرف ذرا بھی دھیان نہ دیا۔ یہ اس کی خاص عادت تھی کہ

وہ کسی بڈھے یا ایسے آدمی کی طرف دیکھتی تک نہ تھی جس کے بارے میں مشہور ہو کہ یہ غمناک چیزوں کے متعلق باتیں کرتا ہے۔

مرگی کے متعلق گفتگو سے بچنے کے لئے وہ ناچنے لگی۔ اصل میں بیرن کو مرگی کا دورہ پڑا ہی نہ تھا، کیونکہ وہ دو ایک دن بعد پھر نمودار ہو گیا۔

ناچ ختم کرنے کے بعد وہ دل میں بولی ـــ "لیکن یہ سوریل نظر نہیں آتا" اس کی آنکھیں ژرولیاں کو تلاش کر رہی تھیں کہ اتنے میں وہ ایک دوسرے کمرے میں نظر آیا۔ عجیب بات یہ تھی کہ اس وقت اس کا لہجہ بے حسی اور سرد مہری کا نہیں رہا تھا۔ جو اس کے لئے فطری سی چیز تھی۔ اس وقت وہ انگریز نہیں لگ رہا تھا۔

"وہ میرے سزا یافتہ آدمی کاؤنٹ آلتامیرا سے باتیں کر رہا ہے" ماتیلدہ دل میں کہنے لگی "اس کی آنکھوں میں ایک غمناک سی چمک ہے۔ بالکل ایسا لگتا ہے جیسے کوئی بھیس بدلے ہوئے شہزادہ۔ اس کی نظروں میں غرور کی جھلک اور بڑھ گئی ہے۔"

ژرولیاں ابھی تک آلتامیرا سے باتیں کرتا اسی طرف آ رہا تھا۔ جہاں وہ کھڑی تھی۔ وہ اسے ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے اور اس کے خد و خال میں ان زبردست خوبیوں کے نقوش ڈھونڈنے لگی جن کی بدولت آدمی کو موت کی سزا پانے کا اعزاز حاصل ہوتا ہے۔

جب وہ اس کے پاس سے گزرا تو آلتامیرا سے کہہ رہا تھا۔ "ہاں، داں توں واقعی جی دار آدمی تھا!"

"خدایا! کیا یہ دوسرا داں توں بننے والا ہے؟" ماتیلدہ نے دل میں کہا۔ "لیکن

اس کا چہرہ تو اتنا شریفانہ ہے اور وہ واں توں تو کم بخت بالکل بدصورت تھا۔ میں تو سمجھتی ہوں قصائی ہوگا۔" ژولیاں ابھی نزدیک ہی تھا۔ اس نے ذرا ہچکچائے بغیر ژولیاں کو پکار لیا۔ اُسے خوب معلوم تھا۔ بلکہ اس پر فخر تھا کہ ایک لڑکی کے لئے اس قسم کی بات پوچھنا بڑی غیر معمولی چیز ہے۔

"واں توں قصائی تھا نا" وہ بولی۔

"ہاں، بعض لوگوں کی نظر میں۔" ژولیاں نے ایسی حقارت کے ساتھ جواب دیا جو کسی طرح چھپائے نہ چھپ رہی تھی۔ "اتنا تیرا اسے جو باتیں ہوتی تھیں اُن کی وجہ سے ژولیاں کی آنکھیں ابھی تک دہک رہی تھیں۔" لیکن عالی نسب حضرات کی بدقسمتی ہے کہ وہ میری سوورسین میں وکیل تھا۔" پھر اس کا لہجہ طنزیہ ہو گیا۔ "یعنی، مادموازیل اس کی زندگی بالکل اسی طرح شروع ہوئی تھی جیسے بعض اُن نوابوں کی جو آج مجھے یہاں نظر آرہے ہیں۔ البتہ یہ ٹھیک ہے کہ حسینوں کی نظر میں اس کے اندر ایک بہت بڑی خرابی تھی۔ وہ بدصورت بے انتہا تھا۔"

ژولیاں نے یہ آخری الفاظ بڑی تیزی سے اور ایک ایسے غیر معمولی انداز میں کہے جو شائستگی سے کوسوں دُور تھا۔

اس نے لمحہ بھر انتظار کیا۔ دھڑ ذرا سا آگے کو جھکا ہوا اور انداز ایسا جس میں اکڑ اور عاجزی دونوں شامل تھے۔ گویا وہ زبانِ حال سے کہہ رہا تھا ــــ "مجھے آپ کے سوالوں کا جواب دینے ہی کی تنخواہ ملتی ہے، اور اسی تنخواہ پر میرا گزارا ہے۔" اس نے اتنی زحمت بھی گوارا نہیں کی کہ نظریں اٹھا کر ماتیلد کے چہرے کی طرف دیکھ ہی لے۔ ماتیلد کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں اور وہ اُسے تکتے ہوئے ایسی لگ رہی تھی جیسے

اُس کی کنیز ہو۔ آخر جب سکوت جاری ہی رہا تو ژولیاں نے اس کی طرف یوں دیکھا جیسے ملازم حکم سنتے ہوئے اپنے آقا کو دیکھتا ہے۔ ماتیلدا ابھی تک اُسی عجیب انداز سے ژولیاں کو تکے جا رہی تھی۔ ژولیاں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا تو سہی، مگر تیز تیز قدم اٹھاتا وہاں سے سرک گیا۔

ماتیلدا آخر اپنے خوابوں سے بیدار ہو کر دل میں کہنے لگی ـــــ "یہ بھی عجب بات ہے کہ خود اتنا حسین ہو کر یہ شخص بدصورتی کی شان میں قصیدے پڑھتا ہے! اپنے بارے میں تو کبھی سوچتا ہی نہیں۔ یہ کہے تو یا کہ دازلوا کی طرح نہیں ہے۔ اس سوریل میں کچھ کچھ وہ انداز ہے جو ناج میں نپولین کا بھیس بھرتے وقت والد کا ہوتا ہے۔" دال توں کا خیال اس کے ذہن سے بالکل محو ہو چکا تھا۔ "آج شام مجھے واقعی بڑی اکتاہٹ ہو رہی ہے۔" اس نے اپنے بھائی کا بازو پکڑ لیا اور حالانکہ نوربیر کو بڑی کوفت ہوئی، مگر ماتیلدا نے بھائی کو مجبور کیا کہ اسے سارے کمروں میں پھرائے۔ اُسے خیال آیا کہ موت کی سزا پانے والے آدمی کی باتیں ژولیاں سے کرے۔

مجمع بڑا زبردست تھا۔ بہرحال کسی نہ کسی طرح اس نے ان دونوں کو جا پکڑا۔ آلتامیرا اُسی وقت بالکل ماتیلدا کے سامنے ایک میز کے پاس آئس کریم لینے کے لئے رُکا تھا۔ اس کا آدھا رُخ ژولیاں کی طرف تھا اور اس سے باتیں کرتا جا رہا تھا۔ اتنے میں اُسے ایک زرکار آستین والا بازو دکھائی دیا۔ جو اسی میز سے آئس کریم لینے کے لئے بڑھ رہا تھا۔ سونے کے کام کی ا... نے اُسے چونکا سا دیا اور وہ پورا گھوم کر یہ دیکھنے لگا کہ بازو ہے کس کا۔ اس کی خوبصورت، سیاہ آنکھیں جن سے بلند نظری ٹپکتی تھی اور تصنع کا شائبہ تک نہ تھا فوراً ہی کچھ حقارت کا انداز اختیار کر گئیں۔

"آپ نے اس آدمی کو دیکھا ہے؟ وہ ژدلیاں سے ہلکے سے بولا" یہ ___ کا سفیر شہزادہ وار اچیلی ہے۔ آج صبح اس نے فرانس کے وزیر خارجہ موسیو دزوال سے درخواست کی ہے کہ مجھے ملک سے نکال دیا جائے۔ دیکھئے، وزیر خارجہ بھی وہ سامنے بیٹھے تاش کھیل رہے ہیں۔ موسیو دزوال مجھے ان لوگوں کے حوالے کرنے کو بالکل تیار ہیں۔ کیونکہ ہمارے ملک نے بھی ۱۸۱۶ء میں دو تین سازشی آپ کے ملک کو واپس دیئے تھے۔ اگر ان لوگوں نے مجھے میرے بادشاہ کے حوالے کر دیا تو چوبیس گھنٹے کے اندر مجھے پھانسی پر لٹکا دیا جائے گا اور انہیں مونچھوں والے حسین نوجوانوں میں سے کوئی مجھے گرفتار کرے گا۔"

"بدمعاش کہیں کے!" ژدلیاں نے خاصی بلند آواز سے کہا۔

ان دونوں کی گفتگو کا ایک لفظ بھی ایسا نہ تھا جو ماتیلد نے سُنا ہو۔ اس کی اکتاہٹ کافور ہو چکی تھی۔

"نہیں، ایسے بدمعاش بھی نہیں ہیں۔" کاؤنٹ آلتامیرا نے جواب دیا "میں نے اپنا ذکر تو اس لئے کیا ہے کہ آپ کے سامنے ایک حقیقی مثال پیش کرسکوں۔ ذرا دار اچیلی کو دیکھئے۔ ہر پانچ منٹ بعد وہ اپنی شہزادگی کے تمغے پر نظر ڈالتا ہے۔ اپنے سینے پر یہ کھلونا لٹکا دیکھ کر اسے اتنی خوشی ہوتی ہے جو کبھی ختم ہونے ہی میں نہیں آتی۔ اس بچارے میں کوئی خرابی ہے تو بس یہ کہ اسے پرانے زمانے میں پیدا ہونا چاہئے تھا۔ سو سال پہلے یہ تمغہ بہت بڑا اعزاز تھا، لیکن اُس زمانے میں اس جیسے شخص کو یہ تمغہ مل ہی نہیں سکتا تھا۔ آج کل تو عالی خاندان لوگوں میں کوئی آراچیلی جیسا آدمی ہی اس پر خوش ہو سکتا ہے۔ یہ اعزاز حاصل کرنے کے لئے اُس نے پورے شہر کو پھانسی پر

لٹکایا ہوگا۔"

"تو کیا واقعی اس نے یہ اعزاز اس طرح خریدا ہے"؟ ژولیاں نے مضطرب ہو کر کہا۔

"نہیں۔ بالکل اس طرح تو نہیں۔" آلتامیرا نے نہایت اطمینان سے جواب دیا۔ "شاید اس نے اپنے ملک کے تیس امیر زمینداروں کو جنہیں آزاد خیال سمجھا جاتا تھا دریا میں پھنکوایا ہوگا۔"

"بالکل جائز ہے۔" ژولیاں بولا

مادموازیل دلاموَل آگے کو جھکی بڑی دلچسپی سے یہ باتیں سن رہی تھی۔ وہ اس کے اتنے قریب تھی کہ اس کے خوبصورت بال ژولیاں کے کندھے سے چھو رہے تھے۔

"آپ ابھی نوجوان ہیں۔" آلتامیرا نے کہا۔ "میں نے آپ کو سنایا تھا کہ میری ایک بہن کی شادی پروَوانس ہی میں ہوئی ہے۔ وہ ابھی تک خاصی خوبصورت، اچھی اور نرم دل ہے۔ اپنے بچوں سے بڑا پیار کرتی ہے، اپنے سارے فرائض کا خیال رکھتی ہے۔ دیندار ہے، مگر کٹر نہیں۔"

"یہ بات کیا کہنی چاہتا ہے"؟ مادموازیل دلاموَل نے سوچا

"وہ خوش و خرم ہے۔" کاؤنٹ آلتامیرا کہہ رہا تھا۔ "۱۸۱۵ء میں بھی اسی طرح خوش و خرم تھی۔ اُن دنوں میں آں تیبَ کے پاس اس کی ریاست میں چھپا ہوا تھا۔ مارشل نے کو سزائے موت ملنے کی خبر سنتے ہی وہ خوشی کے مارے ناچنے لگی۔"

"کیا ایسی بات بھی ممکن ہے"؟ ژولیاں حیران و ششدر رہ گیا۔

"یہ سیاسی تعصب کا کرشمہ ہے۔" آلتامیرا نے جواب دیا۔ "انیسویں صدی میں حقیقی

جذبات تو باقی ہی نہیں رہے۔ اسی وجہ سے تو فرانس میں لوگ اتنی بے کیفی محسوس کرتے ہیں۔ ہم سے بڑی بڑی بے رحمیاں سرزد ہوتی ہیں، مگر بیرحمی کے بغیر؟"

"تب تو اور بھی بُرا ہے!" تژولیاں نے کہا۔ "اگر ہم کوئی جرم کریں تو کم سے کم لطف کے ساتھ تو کریں۔ جرم کے اندر کوئی اچھی بات ہے تو یہ، اور اس کا کوئی جواز ہو سکتا ہے تو یہی۔"

مادموازیل دلاموّل یہ بھول ہی گئی کہ میں کون ہوں اور کہاں ہوں۔ وہ آنا بیرا اور تژولیاں کے درمیان آکھڑی ہوئی۔ اس نے ابھی تک بھائی کا بازو پکڑ رکھا تھا۔ نوربیر کو تو اُس کا کہنا ماننے کی عادت نہ ہی تھی۔ وہ کمرے میں چاروں طرف دیکھنے لگا اور جھینپ مٹانے کے لیے ایسا بن گیا جیسے ہجوم میں راستہ نہ مل رہا ہو۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔" آنا بیرا نے کہا۔ "ہم ہر کام بغیر کسی لطف کے کرتے ہیں اور بعد میں اسے یاد بھی نہیں رکھتے۔ ہمارے جرائم کا بھی یہی حال ہے۔ میں اس ناچ میں آپ کو اور کچھ نہیں تو دس آدمی ایسے دکھا سکتا ہوں جنہیں قتل کے جرم میں سزا ملے گی۔ وہ خود بھی یہ بات بھول گئے ہیں اور دنیا بھی۔

"ان میں سے کئی کا یہ حال ہے کہ اگر ان کے کتے کا پیر ٹوٹ جائے تو آنکھوں میں آنسو آجائیں گے۔ جب قبرستان میں لوگ پیرس کے محاورے کے مطابق اُن کی قبروں پر پھول بکھیریں گے تو ہمیں بتایا جائے گا کہ ان میں پرانے دلاوروں کی ساری خوبیاں جمع ہو گئی تھیں اور ہنری چہارم کے زمانے میں ان کے آبا و اجداد کے کارناموں کا حال نہیں سنایا جائے گا۔ اگر شہزادہ دارا جیلی کی مہربانیوں کے باوجود مجھے پھانسی پر نہ لٹکایا گیا۔ اور مجھے پیرس میں کبھی چین سے رہنا ملا تو میں اپنے یہاں

دعوت میں آپ کو نو دس قاتلوں سے ملاؤں گا جو باعزت لوگ ہوں گے اور جنہیں اپنے کیے پر ذرا بھی افسوس نہیں ہوگا۔

"دعوت میں صرف آپ اور میں دو ایسے آدمی ہوں گے جن کے ہاتھ خون سے پاک ہوں گے، لیکن لوگ مجھے خونخوار انقلابی اور وحشی سمجھ کر حقارت کی نظر سے دیکھیں گے بلکہ نفرت کریں گے، اور آپ سے حقارت کی وجہ یہ ہوگی کہ آپ نچلے طبقے کے آدمی ہیں جو بڑے لوگوں میں آ گھسا ہے۔"

"واقعی بالکل درست ہے۔" مادموازیل دلاموَل نے کہا

آلتامیرا نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ ژولیاں نے اتنی زحمت گوارا نہ کی۔

"ہاں، ایک بات اور دیکھیے۔" کاؤنٹ آلتامیرا کہنے لگا۔ "میں جس انقلاب کی رہنمائی کر رہا تھا وہ صرف اس وجہ سے ناکامیاب رہا کہ میں تین آدمیوں کا سر کاٹنے اور اپنے ساتھیوں میں ستر اسّی لاکھ روپیہ تقسیم کرنے کو راضی نہیں ہوا۔ جو اتفاق سے ایک ایسے صندوق میں رکھا تھا جس کی چابی میرے پاس تھی۔ آج کل تو میرے بادشاہ سلامت مجھے پھانسی پر لٹکانے کو بے تاب ہیں۔ لیکن بغاوت سے پہلے نہایت بے تکلفی سے مجھے "تو" کہہ کر بات کیا کرتے تھے۔ اگر میں ان تین آدمیوں کا سر کاٹ ڈالتا اور صندوق کا روپیہ بانٹ دیتا تو وہ بڑی خوشی سے مجھے بڑے سے بڑا اعزاز عطا فرما دیتے۔ کیونکہ اس وقت مجھے تھوڑی بہت کامیابی تو حاصل ہو ہی جاتی اور میرے ملک کو کچھ نہ کچھ جمہوری حقوق تو مل ہی جاتے ... تو جناب یہ ہے دنیا کا حال۔ شطرنج کا سا کھیل ہے۔"

ژولیاں کی آنکھیں دہک اٹھیں، اور وہ بولا — "اس زمانے میں تو آپ یہ کھیل نہیں جانتے تھے۔ اب . . . ."

"آپ کا مطلب ہے کہ میں ان لوگوں کے سر کاٹ ڈالوں، اور پھر بھی یہ بات دہشت پسندی میں شامل نہ ہو، جیسا آپ اس دن کہہ رہے تھے"۔ آلناتبرا افسردہ ہو کر کہنے لگا "جب آپ کسی کو ڈوئیل میں قتل کریں گے۔ اس وقت میں آپ کو جواب دوں گا۔ یہ بات بھی اتنی گندی نہیں ہے جتنا کسی کو جلاد کے ہاتھوں قتل کرانا۔"

ژولیاں نے کہا — "سنیئے جناب! ذرائع کیسے بھی ہوں، اصل چیز تو مقصد ہے اب تو میں ذرۂ ناچیز ہوں۔ لیکن اگر میرے ہاتھ میں طاقت ہوتی تو میں چار آدمیوں کی جان بچانے کے لیے بھی تین آدمیوں کو پھانسی پر لٹکا دیتا۔"

اس کی آنکھوں سے ضمیر کی آگ کے شعلے نکل رہے تھے اور دنیا والوں کی بے بنیاد راؤں کی طرف سے حقارت ٹپک رہی تھی۔ اس کی نظریں مادموازیل دلامول کی نظروں سے ملیں جو پاس ہی کھڑی تھی، اور یہ حقارت شائستگی اور نفاست کے انداز میں تبدیل ہو جانے کے بجائے اور بڑھ گئی۔

اسے بڑا صدمہ ہوا۔ مگر ژولیاں کو بھول جانا اب اس کے امکان سے باہر تھا۔ وہ ملول ہو کر وہاں سے ہٹ گئی اور بھائی کو بھی ساتھ لے گئی۔

"اب میں کچھ پیوں اور خوب ناچوں"۔ وہ دل میں بولی۔ "میں چاہتی ہوں کہ اس وقت ہر چیز کا لطف اٹھاؤں اور جس طرح بھی ہو لوگوں کے دل پر اپنا سکہ بٹھا دوں۔ بہت خوب! لو، وہ گستاخی کا بادشاہ کاؤنٹ دفرواک آ رہا ہے"۔ ماتیلدہ نے اس کی دعوت قبول کر لی، اور وہ ناچنے لگے۔ اس نے سوچا — "ابھی تو یہ دیکھنا ہے کہ ہم دونوں میں

سے کون زیادہ منہ پھٹ نکلتا ہے۔ لیکن اس سے پوری دل لگی لینے کے لئے ضروری ہے کہ میں اسے باتیں کرنے پر اُکساؤں"۔ ذرا کے ذرا میں سارا ناچ محض ایک رسم ہو بن کر رہ گیا۔ ماتیلد کے چبھتے ہوئے فقروں سے کوئی بھی محروم نہیں رہنا چاہتا تھا۔ موسیو دفرواک بالکل سٹپٹا گیا۔ نفیس اور شائستہ جملوں کے سوا اس کے ذہن میں کوئی خیال آہی نہ رہا تھا۔ وہ کھسیانی ہنسی ہنسنے لگا۔ ماتیلد کا مزاج تو بگڑا ہوا تھا ہی۔ وہ پیچھے جھاڑ کر اس کے پیچھے پڑ گئی۔ اور اسے دشمن بنا لیا۔ وہ صبح ہونے تک ناچتی رہی اور آخر جب گھر چلی تو تھک کے چور ہو چکی تھی۔ لیکن جو تھوڑی بہت طاقت بچی تھی۔ وہ گاڑی میں بیٹھ کر اپنے آپ کو اور بھی رنجیدہ اور بے حال بنانے میں صرف ہوئی۔ ژولیاں اس سے حقارت کے ساتھ پیش آیا تھا، مگر وہ اس کا جواب حقارت سے نہ دے سکی تھی۔

ژولیاں کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ لاشعوری طور پر وہ موسیقی سے، پھولوں سے، حسین عورتوں سے، ہر چیز کی نفاست سے، اور سب سے زیادہ خود اپنے تخیل سے مسحور ہو کے رہ گیا تھا جو اپنے لئے طرح طرح کے اعزاز اور انسانیت کے لئے آزادی کا خواب دیکھ رہا تھا۔

"کیسا عمدہ ناچ ہے!" وہ کاؤنٹ سے بولا۔ "کسی بات کی بھی تو کمی نہیں"۔

"خیال کی کمی ہے"۔ آلتامیرا نے جواب دیا

اور اس کے چہرے سے وہ حقارت ٹپک رہی تھی جو اس وقت اور بھی نمایاں ہو جاتی ہے کہ جب آدمی آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے اسے چھپانا فرض سمجھتا ہو۔

"آخر آپ تو موجود ہیں، نواب صاحب۔ چنانچہ خیال بھی ہے، اور خیال بھی وہ جو سازش کھڑی کر سکتا ہے!"

"میں تو اپنے نام کی وجہ سے یہاں ہوں۔ لیکن خیال سے تو آپ کے دیوان خانوں میں نفرت کی جاتی ہے۔ اسے مذاقیہ گانے کی سطح سے بلند ہونے کی اجازت نہیں۔ البتہ اس صورت میں انعام کا مستحق ٹھیرتا ہے۔ لیکن اگر آدمی سوچنے کی صلاحیت رکھتا ہو اور اس کی جملے بازی میں جدت اور قوت ہو تو اسے آدم بیزار کہا جاتا ہے۔ آپ کے ایک جج نے کوریے کو یہی تو خطاب دیا تھا؟ آپ لوگوں نے اسے جیل خانے میں ڈال دیا اور بیراں ژے کو بھی۔ آپ کے یہاں جو چیز بھی ذہنی اعتبار سے قابلِ قدر ہو۔ جینروٹٹ لوگ اسے پولیس کے حوالے کر دیتے ہیں اور ادنےٰ طبقوں میں اس پر واہ واہ ہوتی ہے۔

"اصل بات یہ ہے کہ آپ کے یہاں سب سے زیادہ رسمی چیزوں کی قدر ہوتی ہے ... آپ لوگ سپاہیانہ بانک پن کی سطح سے زیادہ بلند کبھی نہیں ہو سکتے۔ میورا جیسے آدمی تو آپ کے یہاں ہوتے رہیں گے۔ لیکن واشنگٹن کبھی پیدا نہیں ہوگا۔ فرانس میں پندار کے علاوہ مجھے تو اور کچھ نظر نہیں آتا۔ جو آدمی اپنی گفتگو میں جدت سے کام لیتا ہو۔ اس کے منہ سے کوئی نہ کوئی الٹی سیدھی بات نکل ہی جاتی ہے اور اس کا میزبان یہ سمجھتا ہے کہ میری توہین ہوئی ہے۔"

اتنے میں کاؤنٹ کی گاڑی جو ژولیاں کو گھر پہنچانے جا رہی تھی، موسیو دلا مول کے محل پر آ رکی۔ ژولیاں اس سازشی پر فریفتہ ہو چکا تھا۔ آلتامیرا نے اس کے متعلق ایک بڑا عمدہ توصیفی کلمہ کہا تھا جو معلوم تو یہی ہوتا تھا کہ دل سے نکلا ہے ــــ "آپ میں فرانسیسیوں کا سا بھنوڑپن نہیں ہے اور آپ افادیت کا اصول سمجھتے ہیں۔" اتفاق سے ژولیاں نے دو ہی دن پہلے کاسی میر دلا وینیہ کی ٹریجیڈی "ماری نو خالیئے رو"

دیکھی تھی۔

"کیا اُس معمولی بڑھیّا "ازرائیل برتوچیو" کا کردار وینس کے اُن سب نوابوں سے بلند نہیں ہے؟" ہمارے بغاوت پسند پرولتاری نے دل میں کہا۔ "اور یہ وہ لوگ ہیں جن کا خاندانی سلسلہ شارل مین سے بھی ایک صدی پہلے ۸۰۰ء تک پہنچتا ہے۔ اس کے برخلاف آج موسیو درتیز کے یہاں جو لوگ آئے تھے اُن میں شریف سے شریف آدمی کا بھی سلسلۂ نسب تیرھویں صدی سے آگے نہیں جاتا! اور وہ بھی ہزار کوڑ پھاند کے بعد۔ اچھا یہ بھی سہی۔ مگر وینس کے اُن نوابوں کے درمیان جو خاندان کے لحاظ سے تو اتنے بڑے ہیں لیکن کردار کے لحاظ سے بے رنگ ہیں، اگر کوئی آدمی یاد رہ جاتا ہے تو برتوچیو۔

"سماجی اتفاقات کے ہاتھوں جتنے بھی خطاب ملتے ہیں تم انہیں ایک سازش ختم کر کے رکھ دیتی ہے۔ ان حالات میں آدمی کے رتبے کا تعین اس لحاظ سے ہوتا ہے کہ اس نے موت کا سامنا کس طرح کیا۔ ذہن کی بھی قدر و قیمت کم ہو جاتی ہے .....

"آج وال نو اور رینال جیسے لوگوں کے زمانے میں داں توں آخر کیا ہوتا؟ سرکاری وکیل کا نائب تک نہیں .....

"یہ میں کیا بک رہا ہوں؟ وہ اپنے آپ کو جینز دٹ لوگوں کے ہاتھ بیچ دیتا، اور روزیر بن جاتا۔ کیونکہ آخر اس عظیم انسان داں توں نے چوری تو کی ہی تھی۔ مرابو نے بھی اپنے آپ کو بیچا تھا۔ نپولین نے اٹلی میں لاکھوں روپے چرائے، ورنہ پیش گرو کی طرح وہ بھی افلاس کے ہاتھوں کہیں کا نہ رہتا۔ البتہ لافائیت ایک ایسا آدمی تھا جس نے کبھی چوری نہیں کی۔ تو کیا یہ ضروری ہے کہ آدمی چوری کرے۔ اپنے آپ کو بیچے؟" اس سوال سے اُس کے تخیل کی روانی وہیں کی وہیں رک گئی۔ باقی رات

اُس نے انقلابِ فرانس کی تاریخ پڑھنے میں گزاری۔

اگلے دن کتب خانے میں خط نقل کرتے ہوئے اُسے کاؤنٹ آلتامیرا کی گفتگو کے سوا اور کوئی خیال آ ہی نہ رہا تھا۔

وہ بہت دیر اسی سوچ بچار میں محو رہنے کے بعد دل میں کہنے لگا ـــ "واقعی یہ بات بالکل ٹھیک ہے کہ اگر اسپین کے یہ آزاد خیال لوگ دو چار جرائم کے ذریعے عوام کو بھی اپنے گناہ میں شامل کر لیتے تو ان کا صفایا اتنی آسانی سے نہ ہوتا۔ یہ لوگ گپی اور بڑبولے تھے۔ لڑکے ہی جو ٹھیرے . . . جیسا میں ہوں!" ژولیاں ایک دم چونک سا گیا۔

"میں نے آج تک کون سا مشکل کام سرانجام دیا ہے کہ مجھے ان بچاروں پر حرف رکھنے کا حق حاصل ہو، جنہوں نے ہمت تو دکھائی ہے، عمل شروع تو کیا ہے؟ میری مثال تو اُس آدمی کی سی ہے جو دسترخوان پر سے اٹھتے ہوئے کہتا ہے کہ کل میں کھانا نہیں کھاؤں گا اور اس کے باوجود میری طاقت اور پھرتی میں کوئی کمی نہ آئے گی۔ مجھے کیا معلوم کہ کسی عظیم کارنامے کے دوران میں لوگ کیا محسوس کرتے ہیں؟ آخر یہ باتیں ایسی تو ہیں نہیں جیسے پستول چلا لینا۔" ان بلند خیالات کا سلسلہ مادموازیل دلاموَل کے اچانک اندر آ جانے سے منقطع ہو گیا۔ اس وقت ژولیاں، داں توں، مرابو، کارنو جیسے لوگوں کی عظیم صفات کی تعریف میں جنہوں نے کبھی ہار نہیں مان کے دی۔ ایسا گرمجوش تھا کہ اس کی نظریں تو مادموازیل دلاموَل پر ضرور پڑیں، لیکن نہ تو ژولیاں نے اسے سلام کیا، نہ اُس کے بارے میں سوچا، بلکہ شاید اُسے دیکھا تک نہیں۔ آخر جب اس کی بڑی

بڑی اور ہوا کو تکتی ہوئی آنکھیں ماتیلد کے وجود سے باخبر ہوئیں تو کچھ بجھ سی گئیں۔ مادموازیل دلاموَل کو یہ بات دیکھ کر بڑی تلخی محسوس ہوئی۔

اس نے ژولیاں سے وِیلی کی "تاریخِ فرانس" مانگی۔ جو سب سے اوپر والے تختے پر تھی اور ژولیاں کو جا کر بڑی سیڑھی لانی پڑی۔ مگر اس کا بھی کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ سیڑھی لے آیا، کتاب اتاری اور ماتیلد کو دے دی، لیکن اُس کے بارے میں اب بھی نہ سوچ سکا۔

جب وہ اپنے خیال میں مگن سیڑھی واپس لے جا رہا تھا تو اس کی کہنی الماری کے شیشے میں لگی۔ فرش پر شیشے کے ٹکڑے گرنے کی آواز سے آخر وہ چونکا۔ اُس نے جلدی جلدی مادموازیل دلاموَل سے معافی مانگی، اور تہذیب سے پیش آنے کی کوشش کی۔ مگر اس سے زیادہ وہ اور کچھ نہ کر سکا۔ ماتیلد نے صاف صاف دیکھ لیا کہ میں مخل ہوئی ہوں اور مجھ سے باتیں کرنے کے بجائے وہ چاہتا ہے کہ جو بات سوچ رہا تھا وہی سوچتا رہوں۔ اس نے ژولیاں کو نظر بھر کے دیکھا، اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی کمرے سے چل دی۔ جب وہ چلی تو ژولیاں اُسے غور سے دیکھنے لگا۔ اس وقت کے لباس کی سادگی اور اس کے رات والے ٹھاٹ باٹ کا تقابل اسے بہت پسند آیا۔ ماتیلد کے چہرے میں بھی اتنا ہی فرق نظر آ رہا تھا۔ یہ لڑکی جو ڈیوک دِرتیز کے ناچ میں اتنی اکڑ رہی تھی، اس وقت منکسر مزاج سی لگ رہی تھی۔ ژولیاں دل میں کہنے لگا۔ "سیاہ لباس میں تو اس کا حسن اور بھی نمایاں ہو جاتا ہے۔ لیکن اس نے ماتمی لباس کیوں پہن رکھا ہے؟

"اگر میں نے کسی سے اس ماتمی لباس کی وجہ پوچھی تو ہمیشہ کی طرح خواہ مخواہ اُلّو بنوں گا۔"

اب اس کا وہ جوش وخروش ختم ہو چکا تھا اور وہ زمین پر اتر آیا تھا۔" آج میں نے جتنے
خط لکھے ہیں انہیں پھر سے پڑھنا چاہئے۔ خدا جانے کتنے لفظ چھوڑے ہوں گے
اور کتنی غلطیاں کی ہوں گی۔"

جب وہ اپنے اوپر زور ڈال کر پہلا خط پڑھ رہا تھا تو اسے اپنے قریب
ریشمی کپڑے کی سرسراہٹ سنائی دی۔ اس نے جلدی سے مڑ کر دیکھا۔ مادموازیل
ولاموول میز کے پاس کھڑی مسکرا رہی تھی۔ وہ دوسری دفعہ جو مخل ہوئی تو ژولیاں چڑ گیا۔
رہی ماتیلد تو اسے ابھی ابھی پوری طرح احساس ہوا تھا کہ میں اس نوجوان کے لئے کوئی
معنی نہیں رکھتی۔ مسکرانے کا مطلب یہ تھا کہ اس کی بوکھلاہٹ چھپ جائے اور اس
میں وہ کامیاب رہی۔

"موسیو سوریل، معلوم ہوتا ہے آپ کسی بڑی دلچسپ چیز کے بارے میں سوچ
رہے ہیں۔ کہیں اس سازش کا تو کوئی مزیدار قصہ نہیں ہے جس کی وجہ سے کاؤنٹ
آلتامیرا یہاں پیرس چلے آئے ہیں؟ بتائیے تو سہی کیا بات ہے۔ مجھے سننے کی
بے چینی ہو رہی ہے۔ یہ بات مجھ ہی تک رہے گی۔ میں قسم کھا کے کہتی ہوں؟" اس نے
یہ آخری جملہ کہا تو خود ہی حیران رہ گئی۔ ہیں! وہ ایک چھوٹے آدمی سے درخواست
کر رہی تھی! وہ اور بوکھلا گئی اور بات ہنسی میں اڑانے کی غرض سے بولی۔

"آپ تو بڑے غیر جذباتی آدمی ہیں۔ یہ کیا ہوا کہ آپ تو اچانک شاعری کرنے
لگے اور ایسے بن گئے جیسے مائیکل اینجلو کا کوئی پیغمبر؟"

یہ جسارت آمیز اور غیر محتاط سوال نشتر کی طرح ژولیاں کے دل میں اتر گیا اور اس
کا جنون پھر عود کر آیا۔

"داں تنوں نے چوری کی تو کیا یہ بات ٹھیک تھی؟" وہ بڑی تیزی سے بولا، اور اس کا انداز وحشیانہ ہوتا گیا۔ "کیا یہ مناسب تھا کہ پیٹے موس اور اسپین کے انقلابی اپنے جرائم سے عوام کو بھی اس گناہ میں شامل کر لیتے؟ کیا جو لوگ اس لائق نہ ہوں انہیں بھی فوجی عہدے اور خطابات بخش دینا اچھی بات ہے؟ کیا یہ خطاب یافتہ لوگ بادشاہ کی واپسی کے خیال سے نہ لرزتے؟ کیا تورین کے خزانے کو لٹوا دینا چاہیئے تھا؟" وہ خوفناک شکل بنائے ماتیلد کے قریب آنے لگا۔ "تو مادموآزیل، مختصر یہ کہ جو آدمی دنیا سے جہالت اور جرم کو مٹانا چاہتا ہے۔ کیا اُسے بگولے کی طرح آکر گزر جانا چاہیئے؟ کیا اُسے بُرے کام اس طرح کرنے چاہئیں جیسے اتفاقیہ سرزد ہو گئے ہوں؟"

ماتیلد کو ڈر لگنے لگا۔ وہ اس کی نظروں کی تاب نہ لا سکی اور دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔ اس نے لحہ بھر ژولیاں کو غور سے دیکھا۔ پھر اپنے خوف پر خود ہی جھینپ کر ہلکے ہلکے قدم اٹھاتی کتب خانے سے چل دی۔

دسواں باب

ملکہ مارگریت

اے عشق! وہ کون سی حماقت ہے جس میں ہمیں تیری بدولت مزا نہ آتا ہو؟

ایک پرتگالی راہبہ کے خطوط

ژولیاں اپنے خط دوبارہ پڑھنے لگا۔ جب کھانے کی گھنٹی بجی تو وہ دل میں بولا۔ "میں اس پیرس کی گڑیا کی نظروں میں کتنا احمق لگا ہوں گا! میں نے بھی کیا پاگل پن کیا کہ جو کچھ سوچ رہا تھا وہی اس سے کہہ دیا! لیکن شاید ایسی بُری بات بھی نہیں ہوئی۔ اس موقع پر سچ بولنا ہی میرے شایانِ شان تھا۔

"آ کے میرے ذاتی معاملات کے متعلق جرح کرنے کے کیا معنی؟ اس کا سوال ہی نامعقول تھا۔ بھلا یہ کوئی تمیز کی بات تھی۔ مجھے تنخواہ یہ بتانے کی تھوڑا ہی ملتی ہے کہ میں دانتوں کے بارے میں کیا سوچتا ہوں کیا نہیں۔"

کھانے کے کمرے میں پہنچ کر اس نے مادموازیل دلامول کا ماتمی لباس دیکھا تو اُس کی خفگی ذرا کم ہوئی۔ یہ بات اس وجہ سے اور بھی نمایاں ہو گئی تھی کہ خاندان کے کسی اور آدمی نے بھی سیاہ لباس نہیں پہن رکھا تھا۔

کھانے کے بعد اس نے دیکھا کہ جوش وخروش کا وہ دورہ جو دن بھر سر پر سوار رہا ہے اب بالکل ختم ہو چکا تھا۔ خوش قسمتی سے مجلسِ مخطوطات کا وہ رُکن جو لاطینی جانتا تھا اس وقت موجود تھا۔

"اگر مادموازیل دلاموَل کے ماتمی لباس کے متعلق پوچھنا بدتمیزی کی بات ہوئی تو یہ آدمی ایسا ہے جو میرا زیادہ مذاق نہیں اڑائے گا۔"

ماتیلدا اُس کی طرف ایک عجب انداز سے دیکھ رہی تھی۔ وہ دل میں بولا "مادام دریتال نے اس شہر کی عورتوں کے ناز و انداز کا جو حال سنایا تھا اس کی ایک مثال یہ موجود ہے۔ آج صبح میں اس سے اچھی طرح پیش نہیں آیا۔ وہ باتیں کرنا چاہتی تھی۔ مگر میں نے اس کی ایک نہ چلنے دی۔ اس کی نظروں میں میری قدر بڑھ گئی ہے۔ غرض شیطان نے پورا بندوبست کر لیا ہے۔ بعد میں اُس کی تکبر آمیز حقارت اپنا بدلہ کسی نہ کسی طرح ضرور لے گی۔ خیر، دیکھیں وہ کیا کرتی ہے۔ جو عورت میرے ہاتھ سے نکل گئی ہے یہ اس سے کتنی مختلف ہے! اس میں کیسی فطری جاذبیت تھی! کتنی سادگی تھی! مجھے پہلے ہی سے پتا چل جاتا تھا کہ وہ کیا کرنے والی ہے۔ میں یہ تک دیکھ لیتا تھا کہ اُس کے دل میں کون سے خیالات پیدا ہو رہے ہیں! میرے مقابلے پہ کوئی تھا تو صرف اس کا یہ ڈر کہ بچے نہ مر جائیں۔ یہ خوف اس کی محبت کا بالکل معقول اور فطری اظہار تھا، بلکہ مجھے بھی یہی ڈر لگتا تھا اور اس لئے مجھے بھی یہ خوف پسند تھا۔ میں بھی بڑا احمق نکلا۔ میں نے پیرس کا جو تصور باندھ رکھا تھا اس نے مجھے اُس بلند ہستی کی پوری طرح قدر نہ کرنے دی۔

"دونوں میں کتنا فرق ہے! اور یہاں مجھے کیا ملا ہے؟ ایک خشک قسم کا تکبر، نخوت

خود پسندی کی عجیب عجیب شکلیں اور بس۔"

لوگ کھانے کی میز پر سے اُٹھنے لگے۔ ژولیاں دل میں بولا "کہیں ایسا نہ ہو کہ اتنے میں کوئی اور مجلسِ مخطوطات کے رُکن سے الجھ جائے۔" جب لوگ باغ میں جلنے لگے تو ژولیاں جلدی سے اُس کے پاس جا پہنچا۔ مجلس کے رُکن کو وکتور ہیوگو کے کھیل "ایرنانی" کی کامیابی پر تاؤ آ رہا تھا۔ ژولیاں بھی مسکین صورت بنا کر اس کی ہاں میں ہاں ملانے لگا۔

"کاش ہم لوگ اس زمانے میں ہوتے جب ایسی باتوں پر آدمی کو جیل میں ڈال دیا جاتا تھا اور اس کی داد بھی نہ فریاد!" وہ بولا۔

"ہاں، پھر اُسے ایسی چیز لکھنے کی ہمت ہی نہ ہوتی۔" مجلس کے رُکن نے اداکاروں کے سے انداز میں کہا۔

کسی پھول کا ذکر کرتے ہوئے ژولیاں نے ورجل کے دو ایک شعر سنائے، اور پھر یہ رائے ظاہر کی کہ شاعری میں پادری دلیل کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا۔ غرض اس نے مجلس کے رُکن کو ہر ممکن طریقے سے خوش کرنے کی کوشش کی۔ اس کے بعد بڑی بے اعتنائی کا انداز اختیار کر کے بولا — "غالباً مادموازیل دلاَمول کو اپنے کسی چچا کا ترکہ ملا ہے اور وہ اُنہیں کا سوگ منا رہی ہیں۔"

مجلس کا رُکن چلتے چلتے ایک دم سے رُک گیا اور کہنے لگا — "ہیں، آپ اسی گھر میں رہتے ہیں، اور آپ کو اس کے خبط کا علم نہیں ہے؟ نہ معلوم اس کی والدہ ایسی باتوں کی اجازت کیسے دیتی ہیں۔ یہ بات آپ صرف اپنے ہی تک رکھئے گا۔ دراصل اس خاندان کے لوگوں کا جو رُعب داب ہے وہ کردار کی پختگی کی وجہ سے نہیں ہے۔ ان سب کے بدلے یہ خوبی مادموازیل دلاَمول کے حصّے میں آئی ہے، اور اس نے سب کی ناک میں

نکیل ڈال رکھی ہے۔ آج ۳۰ر اپریل ہے!"

مجلس کا رکن یہیں رک گیا اور ژولیاں کی طرف رازدارانہ انداز سے دیکھنے لگا۔ ژولیاں نے جہاں تک بن پڑا، اس طرح مسکرانے کی کوشش کی جیسے سب سمجھ گیا ہو۔

"سارے خاندان کی ناک میں نکیل ڈالنے، ماتمی لباس پہننے اور ۳۰ر اپریل میں کیا تعلق ہو سکتا ہے؟" وہ دل میں بولا۔ "میں جتنا سمجھتا تھا شاید اس سے بھی زیادہ بیوقوف ہوں۔"

"میں صاف ہی کیوں نہ کہہ دوں۔" وہ مجلس کے رکن سے بولا، اور باقی سوال اس کی نظروں نے ادا کر دیا۔

"آیئے باغ میں ٹہلیں۔" مجلس کے رکن نے ایک طویل اور نفیس تقریر کے موقع سے خوش ہو کر کہا۔ "ہیں، کیا واقعی آپ کو معلوم نہیں کہ ۳۰ر اپریل ۱۵۷۴ء کے دن کیا ہوا تھا؟"

"کس جگہ؟" ژولیاں حیران ہو کے بولا

"پلاس دگریو میں۔"

ژولیاں ایسا متحیر تھا کہ یہ نام سن کر بھی اسے کوئی بصیرت حاصل نہ ہوئی۔ اس کے مزاج میں تجسس اور المناک واقعات سے دلچسپی تو کوٹ کوٹ کر بھری ہی تھی۔ اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ داستان گو اپنے سامعین میں یہ بات دیکھ کر بڑا خوش ہوتا ہے۔ مجلس کے رکن کو ایک ایسا آدمی ملا جس نے یہ کہانی پہلے نہ سنی تھی تو اسے اور بھی مزا آیا۔ چنانچہ اس نے ژولیاں کو سارا قصہ بالتفصیل سنایا کہ ۳۰ر اپریل ۱۵۷۴ء کے دن اپنے زمانے کے حسین ترین آدمی بونی فاس دلاموِل اور اس کے دوست اینی بال دکوکوناسو کا سر پلاس دگریو میں کس طرح اڑایا گیا تھا۔ لاموِل، ناوار کی ملکہ مارگریت کا عاشق تھا جس پر وہ بھی جان چھڑکتی تھی۔ ہاں، یہ بات بھی دیکھئے کہ مادموازیل دلاموِل کا پورا نام ماتیلد مارگریت ہے۔ لاموِل،

ڈیوک والاں تسوں کا بھی مقرب خاص اور اپنی محبوبہ کے شوہر ناوار کے بادشاہ کا گہرا دوست تھا جو بعد میں آن ری چہارم بنا۔ ۲۰ راپریل کے دن بدنصیب بادشاہ شارل نہم بستر مرگ پر پڑا تھا، اور سارا دربار اس کے گرد جمع تھا۔ لاموّل نے چاہا کہ اپنے دوست شہزادوں کو لے بھاگوں جنہیں ملکہ کاترین ومیدی چی نے قید کر رکھا تھا۔ وہ دو سو سوار لے کر محل کے نیچے جا پہنچا۔ ڈیوک والاں تسوں کو ڈر لگا اور اس نے لاموّل کو قتل گاہ بھجوا دیا۔

"لیکن مادموازیل ولاموّل کو اس قصے میں جو بات پسند آئی ہے وہ اس نے خود سات آٹھ سال ہوئے مجھے بتائی تھی جب اس کی عمر صرف بارہ سال تھی۔ یہ لڑکی ہے ہی اتنی ذہین۔" اور مجلس کے رکن کی نظریں آسمان کی طرف اٹھ گئیں۔ "اس سیاسی المیہ میں وہ جس چیز سے متاثر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ قتل کے وقت ملکہ مارگریت قریب ہی ایک مکان میں چھپی ہوئی تھی، اور اس نے ہمت سے کام لے کر جلاد سے اپنے عاشق کا سر مانگ لیا۔ پھر اسی دن رات کو یہ سر گاڑی میں لے کر گئی اور مونمارتر کی پہاڑی کے قریب ایک گرجا میں اپنے ہاتھ سے دفن کر دیا۔"

"اچھا، ایسی باتیں بھی ہوتی ہیں!" ژولیاں نے اس کہانی سے متاثر ہو کے کہا۔

"مادموازیل ماتیلد اپنے بھائی کو حقارت کی نظر سے دیکھتی ہے کیونکہ وہ اس قدیم تاریخی واقعے کو ذرا اہمیت نہیں دیتا اور ۳۰ راپریل کے دن ماتمی لباس نہیں پہنتا۔ کوکوناسو اطالوی تھا اور اسی لئے اس کا نام اینی بال تھا۔ چنانچہ اس مشہور و معروف قتل کے بعد سے لاموّل اور کوکوناسو کی گہری دوستی کی یاد میں اس خاندان کے سارے مردوں کے نام میں یہ لفظ شامل رہا ہے۔" پھر مجلس کا رکن ذرا نیچی آواز میں بولا۔ "اور شارل نہم کے بیان کے مطابق خود کوکوناسو نے ۲۴ راگست ۱۵۷۲ء کو بہت خون بہایا ہے لیکن عزیز سوریل:

یہ کیا بات ہے کہ آپ اس گھر میں رہتے ہیں اور ان چیزوں سے بالکل بے خبر ہیں؟"
"اچھا تو یہی وجہ ہے کہ مادموازیل دلاموَل نے کھانے کے دوران میں اپنے بھائی کو دو دفعہ اپنی بآل کہہ کے پکارا تھا۔ میں سمجھا کہ میں نے غلط سُنا ہے۔"
"یہ تو ملامت کے طور پر کہا تھا۔ یہ عجیب بات ہے کہ مادام دلاموَل بیٹی کو اس حماقت پر نہیں ٹوکتیں . . . . اس عجیب و غریب لڑکی کے میاں کو واقعی مزا آجائے گا!"
اس کے بعد اس نے پانچ چھ طنزیہ فقرے کہے کسی کا راز طشت از بام کر دینے سے اُسے اتنی خوشی ہوئی کہ آنکھوں میں چمک آگئی۔ یہ دیکھ کر ژولیاں کو دھکا سا لگا۔ وہ دل میں بولا — "ہم دونوں کی حیثیت بس ایسی ہے جیسے دو نوکر بیٹھے اپنے مالک کی بُرائی کر رہے ہوں؟ لیکن ان بزرگ سے ہر بات کی توقع ہو سکتی ہے۔"
ایک دن ژولیاں نے اسے مادام دلاموَل کے سامنے گھٹنوں کے بل جھکا ہوا دیکھ پایا تھا۔ وہ اپنے ایک بھتیجے کے لئے دیہات میں تمباکو بیچنے کے لائسنس کی درخواست کر رہا تھا۔ اُسی رات ژولیاں کو مادموازیل دلاموَل کی ایک خادمہ سے جو ایلیزا کی طرح اس سے عشق لڑا رہی تھی، معلوم ہوا کہ اس کی مالکہ یہ ماتمی لباس لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے نہیں پہنتی یہ خبط اس کے مزاج میں داخل تھا۔ اُسے واقعی اس زمانے کی سب سے شاندار ملکہ کے محبوب عاشق لاموَل سے محبت ہو گئی تھی جس نے اپنے دوستوں کو بچانے کی کوشش میں جان دی اور دوست بھی کیسے! خاندانِ شاہی کا سب سے بڑا شہزادہ اور آں ری چہارم۔
مادام دریناَل کی ہر بات بالکل فطری ہوتی تھی۔ ژولیاں کو اس کی ایسی عادت پڑ گئی تھی کہ پیرس کی عورتوں میں اسے تصنع کے سوا اور کچھ نظر ہی نہ آتا تھا اور جب افسردہ نہ ہو

تب بھی اُن سے کہنے کی کوئی بات اُسے سوجھتی ہی نہ تھی۔ بس ایک مادموازیل دلاموُل اس چیز سے مستثنیٰ تھی۔

امیرانہ رکھ رکھاؤ میں جو حُسن ہوتا ہے پہلے تو وہ اُسے سخت دلی کی نشانی سمجھتا تھا لیکن اب یہ بات نہ رہی۔ اب مادموازیل دلاموُل سے اُس کی لمبی چوڑی باتیں ہونے لگیں اور بہار کے دنوں میں یہ معمول ہوگیا کہ جب موسم اچھا ہوتا تو وہ اس کے ساتھ دیوان خانے کی کھلی ہوئی کھڑکیوں کے سامنے ٹہلا کرتی۔ ایک دن اُس نے بتایا کہ میں اوبینیہ کی تاریخ اور براں تومؔ پڑھ رہی ہوں۔ ژولیاںؔ نے دل میں کہا: "یہ انتخاب بھی عجیب وغریب ہے اور اس کی ماں اُسے والٹر سکاٹ کے ناول بھی نہیں پڑھنے دیتی۔"

ایک دن اس نے ژولیاںؔ کو آں ری سوم کے عہد کی ایک نوجوان عورت کا کارنامہ سنایا جو اس نے ابھی لے تواںؔ کی کتاب میں پڑھا تھا۔ اس عورت کو پتا چلا کہ میرے شوہر نے بے وفائی کی ہے تو اٹھا کے اس کے خنجر گھونپ دیا۔ یہ واقعہ سناتے ہوئے مادموازیل دلاموُل کی آنکھیں لطف کے احساس کی وجہ سے چمک اٹھی تھیں۔ یہ ایسی بات ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ بولنے والا واقعی خلوص کے ساتھ اس فعل کی تعریف کر رہا ہے

ژولیاںؔ کی خود پرستی کو بڑی تقویت پہنچی۔ ایک ایسی ہستی نے جس کی سب عزت کرتے تھے اور جس نے مجلس کے رُکن کے بقول گھر بھر کی ناک میں نکیل ڈال رکھی تھی۔ از راہِ نوازش ژولیاںؔ سے ایسے لہجے میں بات کی تھی جو قریب قریب دوستانہ تھا۔

پھر وہ فوراً ہی دل میں بولا —"میں نے غلط سمجھا۔ یہ دوستی کی بات نہیں ہے۔ میں تو صرف ایک المناک داستان کا سامع ہوں۔ اسے تو بس باتیں کرنے کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ یہاں لوگ مجھے بڑا عالم فاضل سمجھتے ہیں۔ اب میں براں تومؔ، دوبینیہ اور لے تواںؔ

کی کتابیں پڑھوں گا۔ مادموازیل ولاموں مجھے ایسے قصے سنائے گی تو میں اس کی غلطیاں نکالا کروں گا۔ اب یہ نہیں ہونا چاہئیے کہ میں چپ چاپ سُنتا رہوں۔"

تھوڑے دنوں میں اس لڑکی سے جو رعب تو جماتی تھی مگر ساتھ ہی ملنسار بھی تھی۔ ژو لیاں کی اور بھی دلچسپ باتیں ہونے لگیں۔ اب اُسے وہ باغی پر وقاری والا افسوسناک کردار یاد بھی نہ رہا۔ اُسے پتا چلا کہ ماتیلد خاصی پڑھی لکھی اور معقول ہے۔ باغ میں وہ جن خیالات کا اظہار کرتی تھی وہ دیوان خانے والے خیالات سے مختلف ہوتے تھے۔ عام طور سے تو اس کا رویہ بڑی سرد مہری اور تکبر کا ہوتا تھا لیکن بعض وقت وہ ژولیاں کے سامنے ایسی گرم جوشی اور صاف گوئی سے کام لیتی کہ بالکل اور ہی چیز بن جاتی۔

"فرانس کی تاریخ میں لیگ والی جنگوں کا زمانہ دلاوری کا عہد ہے"۔ ایک دن وہ اس سے بولی۔ ذہانت اور جوش کی وجہ سے اس کی آنکھیں چمک اُٹھی تھیں۔ "اس زمانے میں ہر آدمی کسی خاص مقصد کے حصول کے لئے لڑتا تھا اور اس میں بھی مطمح نظر یہ ہوتا تھا کہ اپنی جماعت فتح مند رہے۔ وہ آپ کے شہنشاہ کے زمانے والی بات نہیں تھی کہ ساری جد و جہد کا مطلب صرف ایک تمغہ حاصل کرنا ہو۔ آپ کو ماننا پڑے گا کہ اُن دنوں لوگوں میں ایسی خود غرضی اور ایسی رذالت نہیں تھی۔ مجھے تو اس زمانے سے محبت ہے۔"

"اور اس زمانے کے ہیرو تھے بونی فاس لاموں"۔ ژولیاں نے کہا۔

"بہر حال کسی کو اُن سے ایسی محبت تو تھی کہ آدمی کا جی خوش ہو جائے۔ آج کون ایسی عورت ہے جو اپنے مقتول عاشق کا سر چھونے سے نہ گھبرائے؟"

مادام دلاموں نے بیٹی کو اندر بلا لیا۔ ریاکاری کا فائدہ تو جبھی ہے کہ آدمی اُسے

چھپا رکھے اور جیسا ہم نے دیکھا تھا ژولیاں نے مادموازیل ولاموُل کو نپولین سے اپنی عقیدت کا حال تھوڑا سا بتا دیا تھا۔

وہ باغ میں اکیلا رہ گیا تو دل میں بولا۔" ان لوگوں کو ہم پر یہ بڑی فوقیت حاصل ہے ان کے آباؤ اجداد کی تاریخ انہیں عامیانہ جذبات کی سطح سے بلند کر دیتی ہے اور دال روٹی کی فکر ہر وقت نہیں ستاتی! کیا مصیبت ہے!" اس کے لہجے میں تلخی آ گئی۔" دراصل مجھے ان سنجیدہ معاملات پر بحث کرنے کا حق ہی نہیں ہے۔ شاید ان چیزوں کے بارے میں میرا نقطۂ نظر ہی غلط ہے۔ میری زندگی تو بس ریاکاریوں کا ایک سلسلہ بن کر رہ گئی ہے کیونکہ میرے پاس ہزار فرانک ماہوار کی آمدنی نہیں جس سے بیٹھے بٹھائے روٹی کا بندوبست ہو جائے۔"

"کہئے، جناب، کیا سوچ رہے ہیں؟" ماتیلد نے پوچھا۔ اس کے سوال میں بے تکلفی کی جھلک تھی، ژولیاں کے پاس پہنچنے کی بے چینی میں وہ بھاگی بھاگی آئی تھی اور اس کا سانس پھول گیا تھا۔

ژولیاں ضبط کرتے کرتے اکتا گیا تھا۔ وہ ایسی اکڑ میں آیا کہ جو کچھ سوچ رہا تھا سچ سچ کہہ دیا۔ ایک امیر آدمی سے اپنے افلاس کا ذکر کرتے ہوئے وہ شرم کے مارے سُرخ ہو گیا۔ اُس نے لہجے میں نخوت پیدا کر کے یہ جتلانے کی کوشش کی کہ میں کچھ مانگ نہیں رہا ہوں۔ ماتیلد کو وہ کبھی اتنا حسین نہیں لگا تھا۔ اس وقت اسے ژولیاں میں ایسی احساس مندی اور ایسی صاف گوئی نظر آئی جو ذرا کم ہی دکھائی دیتی تھی۔

تقریباً مہینے بھر بعد کا ذکر ہے کہ ژولیاں کچھ افسردہ افسردہ سا محل کے باغ میں ٹہل رہا تھا مگر اب اس کے چہرے پر کسی ترش رو فلسفی کی سی کرختگی باقی نہیں رہی تھی جو اپنی

کمتری کے مستقل احساس نے پیدا کر دی تھی۔ وہ ابھی مادموازیل دلامول کو دیوان خانے کے دروازے تک پہنچا کے آیا تھا جس نے یہ بہانہ بنایا تھا کہ بھائی کے ساتھ دوڑتے ہوئے پیر میں موچ آگئی ہے۔

وہ دل میں کہنے لگا — "وہ میرے بازو پہ کیسے عجیب طریقے سے جھکی ہوئی تھی۔ میں کہیں احمق تو نہیں ہوں، یا وہ مجھے واقعی پسند کرتی ہے؟ مجھے اپنے غرور کے ہاتھوں جو دکھ جھیلنا پڑتا ہے اس کا اعتراف کروں تو بھی وہ مسکین صورت بنائے سنتی رہتی ہے اور دوسروں کے سامنے اتنا اکڑتی ہے! اگر دیوان خانے میں بیٹھنے والے اُسے ایسی شکل بنائے دیکھیں تو نہیں کتنا تعجب ہو۔ اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ میرے علاوہ کسی اور کے سامنے وہ ایسا عاجزانہ اور دوستانہ انداز اختیار نہیں کرتی۔"

ژولیاں نے اس عجیب و غریب دوستی کے متعلق مبالغے سے کام لینے کی ذرا بھی کوشش نہیں کی۔ وہ خود اس دوستی کو مسلح غیر جانب داری سے تشبیہہ دیتا تھا۔ روز یہی ہوتا کہ جب وہ ملتے تو کل والا بے تکلفی کا لہجہ اختیار کرنے سے پہلے اپنے آپ سے پوچھتے — "آج ہم دوست ہیں یا دشمن؟" گفتگو شروع ہوتی تو یہ نہ دیکھتے کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں، بلکہ یہ سوچتے ہم کس طرح کہہ رہے ہیں۔ ژولیاں سمجھ گیا تھا کہ اگر ایک دفعہ بھی کان دبا کے اس اکڑ باز لڑکی کے ہاتھوں اپنی توہین برداشت کر لی تو معاملہ چوپٹ ہے۔ "اگر اس سے جھگڑا ہونا ہی ہے تو میرا فائدہ اسی میں ہے کہ پھر شروع ہی سے ہو، اور میں اپنی عزتِ نفس پر آنچ نہ آنے دوں۔ اگر میرے ذاتی وقار میں ذرا سی بھی کمی ہوئی تو فوراً میری تحقیر و تذلیل شروع ہو جائے گی اور میرے روکے نہ رک سکے گی۔"

کئی دفعہ ایسا ہوا کہ جب دونوں میں کچھ بدمزگی پیدا ہوئی تو ماتیلدہ نے نواب زادیوں کا سا لب و لہجہ اختیار کرنا چاہا۔ ان کوششوں میں اس نے بڑے ہنر سے کام لیا، مگر ژولیاں ہر دفعہ بدتمیزی پر اتر آیا اور اسے آگے نہ بڑھنے دیا۔

ایک دن وہ کچھ کہہ رہی تھی کہ ژولیاں اچانک اس کی بات کاٹ کر بولا "کیا مادموازیل دلاّمول اپنے والد کے سکریٹری کو کوئی حکم دینا چاہتی ہیں؟ حکم سننا اور بصد تکریم اسے بجا لانا تو اس کا فرضِ منصبی ہے۔ لیکن اس کے علاوہ وہ اُن کی خدمت میں وہ کچھ اور عرض نہیں کر سکتا۔ اُسے اپنے خیالات بتانے کی تنخواہ نہیں ملتی"۔

اس صورتِ حال اور ژولیاں کے عجیب و غریب شکوک نے وہ بے کیفی دور کر دی جو اس دیوان خانے میں آکر شروع شروع میں ہوئی تھی۔ جہاں اس تمام شان و شوکت کے باوجود لوگ ہر چیز سے ڈرتے تھے اور کسی چیز کا مذاق اڑانا بدتہذیبی میں داخل تھا۔

"اگر کہیں اُسے مجھ سے محبت ہو جائے تو بس مزا ہی آجائے! خیر، چاہے اُسے مجھ سے محبت ہو یا نہ ہو، ایک ذہین لڑکی میری محرمِ راز تو بن ہی گئی، اور لڑکی بھی وہ جس کے سامنے سارا گھر کانپتا ہے اور خصوصاً وہ مارکوئس دکرواز نوا۔ یعنی وہ نوجوان جو اتنا مہذب، اتنا شریف، اتنا بہادر ہے جس کے پاس حسب نسب، مال و دولت، غرض ہر وہ خوبی ہے کہ میرے پاس ان میں سے ایک بھی ہو تو چین ہی چین ہے! وہ اس کی محبت میں دیوانہ ہے یعنی جس حد تک کوئی پیرس والا محبت میں دیوانہ ہو سکتا ہے۔ وہ اس سے شادی کرنے والا ہے۔ شادی کا معاملہ طے کرنے کے لئے موسیو دلاّمول نے دونوں وکیلوں کو مجھ سے نہ معلوم کتنے خط لکھوائے ہیں! صبح کو تو میں قلم ہاتھ میں لئے گریۂ مسکین بنا دکھائی دیتا ہوں اور دو گھنٹے بعد یہاں باغ میں اُس

دلکش نوجوان سے بھی بازی لے جاتا ہوں۔ کیونکہ یہ بات بہرحال ظاہر ہے کہ ماتیلد مجھے زیادہ پسند کرتی ہے۔ شاید ایک بات یہ بھی ہے کہ وہ اس خیال ہی سے چڑتی ہے کہ یہ آدمی میرا شوہر بننے والا ہے۔ ماتیلد میں غرور ہے ہی اس درجے کا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھ پر جو عنایت ہوتی ہے وہ ایک محرمِ راز ملازم کی حیثیت سے۔

"لیکن نہیں، یا تو میرا ہی دماغ خراب ہو گیا ہے یا وہ واقعی مجھ سے عشق لڑا رہی ہے۔ میں جتنا باادب اور سرد مہر بنتا ہوں، وہ اتنا ہی میرے پیچھے پیچھے پھرتی ہے۔ ممکن ہے یہ بات ارادی اور بناوٹی ہو۔ لیکن میں نے دیکھا ہے کہ اگر میں اچانک اس کے سامنے آجاؤں تو اس کی آنکھیں چمک اُٹھتی ہیں۔ کیا پیرس کی عورتیں بننے میں ایسا کمال رکھتی ہیں، چلو اس سے ہمیں کیا ہے! ظاہر میں جو کچھ دکھائی دے رہا ہے وہ تو میرے حق میں ہے۔ اسی سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانا چاہئے۔ خدا کی قسم، کتنی خوبصورت ہے! اس کی بڑی بڑی نیلی آنکھیں جب اکثر میری طرف اٹھ جاتی ہیں تو قریب سے کتنی حسین لگتی ہیں!! اس سال اور پچھلے سال میں کتنا فرق ہے۔ جب میں مصیبت کی زندگی بسر کر رہا تھا محض اپنے کردار کی پختگی کے سہارے زندہ تھا، اور میرے چاروں طرف وہ تین سو گندے، بدنہاد اور ریاکار آدمی تھے! میں بھی نفرت کا انہیں جیسا بدنہاد ہو گیا تھا۔"

ژولیاں افسردہ خاطر ہوتا تو سوچا کرتا۔۔۔ "یہ لڑکی مجھے اُلّو بنا رہی ہے۔ وہ اپنے بھائی کے ساتھ مل کر مجھے پریشان کرنا چاہتی ہے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے بھائی کو اس کے مٹھو پن کی وجہ سے حقارت کی نظر سے دیکھتی ہے! وہ مجھ سے کہہ رہی تھی کہ بھائی بہادر تو ہیں، مگر اس سے زیادہ اور کچھ نہیں اور اس کی بہادری بھی بس اسپین والوں کی تلواروں کے سامنے ہی ظاہر ہوتی ہے۔ پیرس میں وہ ہر چیز سے بدکتا ہے، ہر جگہ اُسے ڈر لگتا ہے کہ کہیں میرا مذاق نہ

اڑے۔ اس کے دماغ میں ایک بھی تو خیال ایسا نہیں جو مروجہ خیالات سے الگ ہو ہمیشہ مجھ ہی کو ماتیلد کی حمایت میں بولنا پڑتا ہے۔ اس کی عمر صرف انیس سال ہے! کیا یہ ممکن ہے کہ اس عمر کی لڑکی ریاکاری کو اپنا اصول بنا لے اور چوبیس گھنٹے اسی اصول کی پیروی کرے؟

"اس کے برخلاف جب مادموازیل دلاموّل کی بڑی بڑی نیلی آنکھیں ایک عجیب انداز سے مجھ پر جم جاتی ہیں تو کاؤنٹ نوربیر ہمیشہ وہاں سے سرک جاتا ہے۔ اس بات سے مجھے شبہ ہوتا ہے۔ اُسے تو غصہ آنا چاہئے کہ میری بہن نے گھر کے ایک معمولی ملازم کو چھانٹا۔ میں نے ڈیوک دشولن کو اپنا ذکر انہیں الفاظ میں کرتے سنا ہے۔" یہ بات یاد آئی تو غصے نے باقی سب جذبات کو مٹا کے رکھ دیا۔ "یا پھر کہیں ایسا تو نہیں کہ اس خبطی ڈیوک کو بس پرانے انداز میں گفتگو کرنے کا شوق ہو؟

"بہر حال وہ ہے بڑی خوبصورت!" ژولیاں کی آنکھیں ایسے دہکنے لگیں جیسے شیر کی آنکھیں۔" میں اُسے حاصل کر کے رہوں گا اور پھر یہاں سے چل دوں گا۔ جاتے ہوئے کسی نے مجھے روکنا چاہا تو اس کی خیر نہیں!"

ژولیاں کو دن رات یہی دھن رہنے لگی۔ اب وہ ہر دوسری چیز سے غافل ہو چکا تھا۔ اُس کے دن ایسے گزر رہے تھے جیسے گھڑیاں۔

دن میں جس وقت بھی وہ کسی ضروری کام کی طرف متوجہ ہوتا۔ اس کے خیالات اپنے آپ سے اپنے آپ بھٹکنے لگتے اور وہ کھو جاتا۔ کہیں پندرہ منٹ بعد جا کر اسے ہوش آتا اور حالی یہ ہوتا کہ دل دھک دھک کر رہا ہے، ذہن بالکل الجھا ہوا ہے اور رہ رہ کے بس یہی خیال آ رہا ہے ــ "کیا وہ مجھ سے محبت کرتی ہے؟"

گیارھواں باب

مطلق العنان لڑکی

میں اس کے حسن پر جان دیتا ہوں۔ مگر اس کے دماغ سے ڈرتا ہوں۔

میری لے

ژولیاں کا سارا وقت ماتیلد کے حسن کے متعلق مبالغہ آرائیاں کرنے یا اس خاندان کی فطری نخوت پر پیچ و تاب کھانے میں گزرتا جسے وہ ژولیاں کی صحبت میں بالکل بھول ہی گئی تھی۔ لیکن اگر وہ اتنا ہی وقت یہ دیکھنے میں صرف کرتا کہ دیوان خانے میں کیا ہو رہا ہے تو اس کی سمجھ میں آجاتا کہ ماتیلد اپنے آس پاس والوں پر کس طرح حکمرانی کرتی ہے۔ مادموازیل دلاموول کسی سے خفا ہو جاتی تو اسے اپنی پھبتیوں کی باڑھ پر رکھ لیتی۔ اس کی پھبتیاں اتنی منجھی منجھائی، اتنی برجستہ، بظاہر اتنی بے ضرر لیکن درحقیقت ایسی نوکیلی ہوتیں کہ آدمی جتنا غور کرتا اتنی ہی گہری اترتیں۔ آدمی کے زخم خوردہ وقار کو وہ آہستہ آہستہ بالکل کچل کے رکھ دیتی۔ باقی گھر والے جن چیزوں کی آرزو میں مرتے تھے وہ انہیں خاطر میں نہ لاتی تھی۔ چنانچہ وہ سمجھتے کہ یہ ہر چیز سے بے نیاز ہے۔ آدمی بڑے لوگوں کے دیوان خانوں سے باہر نکلے تو وہاں کی باتیں سنانے میں بڑا مزا آتا ہے، لیکن اس سے زیادہ وہاں

اور کچھ نہیں رکھا۔ ان دیوان خانوں میں کسی چیز کا کوئی خاص مطلب نہیں ہوتا باتیں بالکل گھسی پٹی ہوتی ہیں، یہاں تک کہ ریاکاری کا جواب بھی اسی طرح دیا جاتا ہے۔ جب ہر بات میں اتنی شیرینی ہو تو آخر مُنہ پھر جاتا ہے اور طبیعت اکتا جاتی ہے۔ خالی خولی شائستگی بس دو چار دن ہی بھلی لگتی ہے۔ شروع میں تو ژولیاں بھونچکا سا ہو گیا تھا لیکن جب یہ جادو ٹوٹا تو اسے بھی اصل بات کا پتا چل گیا۔ وہ دل میں کہنے لگا۔۔۔ "شائستگی کا مطلب صرف یہ ہے کہ وہ بدمزگی پیدا نہ ہو جو بدتمیزی کی وجہ سے ہوتی۔" ماتیلد اکثر بے کیف رہتی۔ شاید وہ ہر حال میں ایسی ہی رہتی۔ ایسے وقت کسی چُبھتے ہوئے فقرے کی نوک پلک درست کرنا اُس کے لئے تفریح کا باعث ہوتا بلکہ اس میں حقیقی لذت ملتی۔

شاید اسے اپنے ممتاز رشتے داروں، مجلس کے رُکن اور پانچ چھ دوسرے مصاحبوں سے کچھ زیادہ مزے دار شکار کی تلاش تھی۔ چنانچہ اس نے مارکوئس دکروازنوا، کاؤنٹ دکے لو اور دو تین سربرآوردہ نوجوانوں کی تھوڑی سی ہمت افزائی کر دی تھی۔ اس کی نظر میں اُن کی حیثیت تختۂ مشق سے زیادہ نہ تھی۔

چونکہ ماتیلد ہمیں بہت پسند ہے، اس لئے ہمیں یہ اعتراف کرتے ہوئے دکھ ہوتا ہے کہ اس کے پاس ان میں سے کئی آدمیوں کے خط آئے تھے اور اس نے بعض دفعہ جواب بھی دیا تھا۔ مگر ہمیں فوراً ہی یہ بھی بتا دینا چاہئے کہ اس زمانے کے عادات و اطوار کے لحاظ سے ہماری کہانی کے اس کردار کی حیثیت ایک استثنیٰ کی ہے۔ عام طور سے اعلیٰ درجے کے مدرسوں کی طالبات پر محتاط نہ رہنے کا الزام نہیں لگایا جا سکتا۔

ایک دن مارکوئس دکروازنوا نے ماتیلد کو ایک خط واپس دیا جو اس نے مارکوئس کو ایک روز پہلے لکھا تھا اور جس میں ایسی باتیں تھیں جن سے ماتیلد پر حرف آنے کا

اندیشہ تھا۔ مارکوئس کا خیال تھا کہ اگر میں نے اتنی احتیاط برتی تو ماتیلد کے دل میں میری قدر بہت بڑھ جائے گی۔ لیکن ماتیلد کو اپنی خط وکتابت میں ناعاقبت اندیشی ہی پسند تھی۔ آگ سے کھیلنے میں اُسے بڑا مزا آتا تھا۔ اس نے مارکوئس سے چھ ہفتے بات نہیں کی۔

ان نوجوانوں کے خط پڑھ پڑھ کر وہ خوب لطف لیتی تھی۔ لیکن اس کے بقول سارے خط ایک ہی سے ہوتے تھے۔ ہر آدمی اپنی محبت کو عمیق اور غمناک بتاتا تھا۔

"یہ سب کے سب ایک ہی جیسے ہیں۔ سب نہایت شریف اور ہر لحاظ سے مکمل ہیں اور فلسطین جانے کو تیار بیٹھے ہیں۔" وہ اپنی ایک رشتے کی بہن سے کہا کرتی۔ "اس سے زیادہ بے مزہ بات اور کیا ہو سکتی ہے؟ ذرا سوچو تو سہی، میرے پاس عمر بھر ایسے ہی خط آتے رہیں گے! ان میں اگر کوئی تبدیلی ہوگی بھی تو ہر بیس سال بعد، اور جس زمانے میں جو پیشہ فیشن میں داخل ہوگا اُسی کے مطابق۔ نپولین کی شہنشاہی کے زمانے میں نوجوان غالباً اتنے بے رنگ نہ تھے۔ اُن دنوں اونچے طبقے کے ہر نوجوان نے ایسے کارنامے سرانجام دیئے تھے یا کم سے کم دیکھے ضرور تھے جن میں واقعی عظمت ہو۔ میرے ماموں ڈیوک ن ـــــ واگ راں کی جنگ میں لڑے تھے۔"

"تلوار چلانے میں کون سی عقل کی ضرورت پڑتی ہے؟ اور جب ان لوگوں کے ساتھ کوئی ایسا واقعہ پیش آجائے تو پھر اکثر اسی کا ذکر کرتے ہیں!" ماتیلد کی بہن مادموازیل دسینت ایرے دبتے کہتی۔

"مجھے ان کہانیوں میں بڑا مزا آتا ہے۔ کسی حقیقی جنگ، مثلاً نپولین کی کسی جنگ میں جہاں دس ہزار سپاہی کام آئیں، شامل ہونا بہادری کی نشانی ہے۔ اپنے آپ کو

خطرے میں ڈالنے سے آدمی کی رُوح میں بلندی آتی ہے اور آدمی اس بے کیفی سے بچتا ہے جس میں میرے بچارے عاشق گرفتار رہتے ہیں اور یہ بے کیفی کی بیماری اُڑ کے لگتی ہے۔ ان میں کون ایسا ہے جو کوئی غیر معمولی کارنامہ سرانجام دینے کے خواب دیکھتا ہو؟ یہ لوگ تو بس مجھ سے شادی کرنے کی فکر میں ہیں۔ یہ واقعی بہت بڑا کارنامہ ہے! میں دولت مند ہوں، میرے والد اپنے داماد کی ہر طرح مدد کریں گے۔ کاش انہیں کوئی ایسا داماد ملے جو کچھ تو دلچسپ ہو!"

جیسا ہم نے دیکھا، ماتیلد کے بے لاگ اور جاندار نقطۂ نظر نے اس کے طرزِ گفتگو کو بھی بدل کے رکھ دیا تھا۔ بعض دفعہ اُس کی باتیں اُس کے انتہائی مہذب اور نفاست پسند دوستوں کو بُری طرح کھٹکتیں۔ اگر اونچے طبقے میں اس کا اتنا زور شور نہ ہوتا تو وہ لوگ یہ بھی تسلیم کر لیتے کہ زبان و بیان کی اتنی رنگینی کسی عورت کو زیب نہیں دیتی۔

رہی ماتیلد، تو وہ ان حسین اور بانکے نوجوانوں سے بڑی بے انصافی برتتی تھی۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ وہ مستقبل کو خوف کی نظروں سے دیکھتی تھی۔ اس جذبے میں تو خاصی شدت ہے۔ البتہ اُسے مستقبل کے خیال سے ایسی بیزاری ہوتی جو اس عمر کی لڑکی میں شاذ و نادر ہی ملتی ہے۔

ایسی چیز باقی ہی کون سی رہی تھی جس کی اُسے تمنا ہو؟ قسمت نے اسے ہر چیز فراوانی کے ساتھ بخش دی تھی ــــ حسب نسب، مال و دولت، ذہانت، حُسن (کم سے کم لوگ تو اُسے حسین کہتے تھے اور وہ خود بھی یہی سمجھتی تھی)

جب فوبورسیں ژرمیں کی اس عالی خاندان اور دولت مند لڑکی کو جس پر سب کو رشک ہوتا تھا، ژولیاں کے ساتھ ٹہلنے میں لطف آنے لگا تو اس کے خیالات کچھ اس قسم کے تھے۔

اُسے ژولیاں کی اکڑ دیکھ کر تعجب ہوتا تھا۔ اس معمولی سے آدمی کی ہنرمندی پر اس کے مُنہ سے بے اختیار واہ نکلتی تھی۔ وہ دل میں کہا کرتی — "پادری موتری کی طرح یہ بھی ایک نہ ایک دن اُسقف بن کے رہے گا۔"

ہمارا رہبر و کسی لاگ لپیٹ کے بغیر بڑے خلوص کے ساتھ اس کے بہت سے خیالات کو رد کر دیتا تھا۔ ماتیلد کو یہ بات رہ رہ کے چبھنے لگی۔ وہ اکثر اس کے بارے میں سوچا کرتی۔ وہ بہن کو اپنی گفتگو کی ذرا ذراسی تفصیل سُناتی اور پھر بھی یہی احساس رہتا کہ بات کے سارے پہلو بیان نہیں ہو سکے۔

ایک دن اچانک اس کے ذہن میں ایک عجیب خیال آیا۔ وہ خوشی کے مارے پاگل ہو گئی اور دل میں بولی — "یہ میری خوش نصیبی ہے کہ مجھے محبت ہو گئی۔ مجھے محبت ہو گئی ہے، مجھے محبت ہو گئی ہے! اب تو صاف ظاہر ہے۔ میری جیسی عمر میں کسی نوجوان، خوبصورت اور ذہین لڑکی کو محبت کے علاوہ اور کہاں خوشی مل سکتی ہے؟ چاہے میں کچھ بھی کر لوں۔ مگر کروازنوا، کے لوا اور ان جیسے لوگوں سے مجھے کبھی محبت نہیں ہو سکتی۔ یہ لوگ ہر اعتبار سے مکمل ہیں۔ شاید ضرورت سے زیادہ مکمل ہیں۔ غرض یہ کہ مجھے اُن سے بڑی اکتاہٹ ہوتی ہے۔"

اس نے "مانوں لے کو" "نو ویل ایلوایز" اور "پرتگالی راہبہ کے خطوط" جیسی کتابوں میں محبت کا جو حال پڑھا تھا۔ اسے اپنے ذہن میں دہرایا۔ ایک زبردست محبت کے سوا اور تو کسی چیز کا خیر سوال ہی نہیں تھا۔ ہلکی پھلکی محبت تو اُس جیسی عالی خاندان اور اس کی سی عمر کی لڑکی کے لئے مناسب ہی نہیں تھی۔ محبت کا نام وہ اس ولولہ انگیز جذبے کو دیتی تھی جو فرانس میں ہنری سوم کے عہد میں ملتا ہے۔ اس محبت میں چھوٹا پن نہ تھا۔ وہ محبت کی

رکاوٹوں کے بوجھ سے پس کے نہ رہ جاتی تھی۔ بلکہ اس کی بدولت بڑے بڑے کارنامے
سرانجام پاتے تھے۔" میری کیسی بدنصیبی ہے کہ آج کل کاترین دمیدیچی یا کوئی سیزدہم
کا سا دربار موجود نہیں! مجھے محسوس ہوتا ہے کہ مجھ میں زبردست سے زبردست اور خطرناک
سے خطرناک کام کی ہمت ہے۔ اگر لوئی سیزدہم کا سا کوئی دل والا بادشاہ میرے قدموں
پر پڑا آہیں بھرتا ہو تو میں کیا نہیں کر سکتی! جیسا بیرن دتولی ہمیشہ کہتے رہتے ہیں۔ میں اسے
واک دے دے جاؤں اور وہاں بیٹھ کر وہ اپنی سلطنت دوبارہ فتح کرے۔ پھر آزادی وازادی
کی باتیں ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائیں . . . . اور ژولیاں اس کام میں میری مدد کرے گا۔
اس میں کمی کس بات کی ہے؟ نام اور دولت کی؟ نام وہ خود پیدا کرلے گا اور دولت بھی۔
"مارکوئس دکروآزنوا میں کسی بات کی بھی کمی نہیں، اور وہ عمر بھر بس ڈیوک ہی رہے گا"
تھوڑا سا شاہ پرست، تھوڑا سا آزاد خیال، نہ ادھر میں نہ ادھر میں، بے فیصلے کی قوت سے
عاری، عمل کی جگہ باتیں بنانے والا، انتہا تک جانے سے خوفزدہ، لہٰذا ہر جگہ دوسری
صف میں شامل۔

"ایسا کون سا بڑا کارنامہ ہے کہ جب آدمی اسے سرانجام دے تو وہ انتہا پسندی
میں داخل نہ ہو؟ جب وہ سرانجام پا چکتا ہے تو اس وقت عام لوگ اسے ممکن سمجھنے لگتے
ہیں۔ ہاں، اب محبت اپنی پوری کرشمہ سازیوں کے ساتھ میرے دل پر حکومت کرے گی۔
میرے اندر ایک آگ سی سلگ رہی ہے۔ اسی سے مجھے پتا چلتا ہے۔ بس یہی ایک نعمت
باقی رہ گئی تھی جو ابھی تک مجھے نہیں ملی تھی۔ خدا نے ایک آدمی پر جو ہر قسم کے انعام و اکرام
کی بارش کی ہے وہ بیکار نہیں جائے گی۔ میں جو کچھ ہوں میری خوشی بھی اسی کی مناسبت سے
ہوگی۔ اب یہ بات نہیں رہے گی کہ میرا ہر دن پہلے والے دن کی طرح پھیکا سیٹھا ہو۔ اپنے

سے اتنے کم درجے کے آدمی سے محبت کرنا ہی ایک زبردست اور بڑی بہادری کی بات ہے۔ اچھا دیکھوں تو سہی۔ کیا وہ ہمیشہ اسی طرح میری محبت کا مستحق رہے گا؟ اگر اس میں ذرا سی بھی کمزوری نظر آئی تو میں اسی وقت اُسے چھوڑ دوں گی۔ جو لڑکی میری طرح عالی خاندان ہو۔ اور جس میں لوگ دلاورانہ کردار پاتے ہوں (یہ اس کے باپ کا قول تھا) اس سے کوئی حماقت سرزد نہیں ہونی چاہئے۔

"اگر مجھے مارکوئس دکروازنوا سے محبت ہوتی تو کیا میں اچھی خاصی احمق نہ بنی ہوئی ہوتی؟ میری خوشی بھی بس وہی چیز ہوتی جو میری رشتے کی بہنوں کی خوشی ہے جن سے میں سخت نفرت کرتی ہوں۔ مجھے پہلے ہی سے ہر بات معلوم ہے کہ بچارا مارکوئس مجھ سے کیا کہتا اور مجھے کیا جواب دینا پڑتا۔ ایسی محبت سے کیا فائدہ جس میں جمائیاں آنے لگیں؟ اس سے تو بہتر ہے کہ آدمی روزہ نماز میں لگ جائے۔ میرا نکاح نامہ لکھا جاتا تو اچھا خاصا ایک تماشا ہوتا جیسے میری سب سے چھوٹی چچازاد بہن کی شادی کے وقت ہوا تھا۔ اگر شادی سے ایک دن پہلے دوسری طرف کے وکیل نے نکاح نامے میں ایک اور شرط بڑھا کے انہیں خفا نہ کر دیا ہوتا تو میرے امیر کبیر رشتے دار چاروں طرف کھڑے ہو کے آنسو بہاتے۔"

بارھواں باب

ایک اور انقلابی ہیرو؟

ہر وقت گڑھتے رہنے کی خواہش --- یہ تھا میری حسین "ملکہ مارگریٹ دوویلوا" کا کردار جنہوں نے بعد میں ناروا کے اُس بادشاہ سے شادی کرلی جو آج کل "آن ری چہارم" کے نام سے فرانس کا بادشاہ ہے۔ اس دلفریب شہزادی کے کردار کا سارا رمز اس خواہش میں پنہاں ہے کہ ہر چیز کی بازی لگادی جائے۔ سترہ سال کی عمر سے لے کر اپنے بھائیوں سے بگاڑ اور صلح دونوں کی وجہ یہی رہی۔ لیکن ایک نوجوان لڑکی کس چیز کی بازی لگا سکتی ہے؟ اسی چیز کی جو سب سے قیمتی ہے، یعنی اپنی عزت اور اپنی عمر بھر کا سرمایہ۔

شارل نہم کے ناجائز بیٹے ڈیوک ڈاں گولیم
کی خود نوشت سوانح عمری۔

"ژولیاں کے اور میرے درمیان کسی معاہدے پر دستخط نہیں ہوں گے۔"

شادی کی رسم کے لئے کسی وکیل کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ ہر چیز دلادرانہ انداز سے ہوگی۔ ہر چیز کا فیصلہ قسمت کے ہاتھ ہوگا۔ وہ عالی خاندان تو واقعی نہیں ہے۔ لیکن اس بات کے سوا یہ محبت بالکل مارگریت دوبلوا اور اُس زمانے کے سب سے ممتاز آدمی نوجوان لاموِل کی سی محبت ہے۔ اگر دربار میں جانے والے نوجوان رسمیّات کے ایسے پکّے پرستار ہیں اور ذرا سے بھی غیر معمولی اور خطرناک کام کا خیال آتے ہی زرد پڑ جاتے ہیں تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟ یونان یا افریقہ کی چھوٹی سی مہم اُن کے لئے دلاوری اور جانبازی کی انتہا ہے اور وہاں بھی وہ ایک جمِ غفیر ساتھ لے کے جاتے ہیں۔ جہاں اکیلے ہوئے، ڈر کے مارے کانپنے لگے —— بدّوؤں کے نیزوں کے خوف سے نہیں، بلکہ مذاق اڑنے کے خوف سے۔ یہ ڈر انہیں پاگل بنائے رکھتا ہے۔

"اس کے برخلاف میرا پیارا ژولیاں جو کام کرتا ہے تنِ تنہا۔ خدا نے اسے ایک عجیب شان عطا کی ہے۔ اسے دوسروں کی حمایت یا پسندیدگی حاصل کرنے کا خیال بھی نہیں آتا! وہ دوسروں کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اسی لئے تو میں اُسے حقارت کی نظر سے نہیں دیکھتی۔

"اگر غریب ہونے کے ساتھ ساتھ ژولیاں عالی خاندان بھی ہوتا تو میری محبت ایک مبتذل حماقت سے زیادہ کچھ نہ ہوتی، اور نہ اس کا اور میرا جوڑ ٹھیک رہتا۔ مجھے اس پر اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔ اس کے بغیر تو میری محبت میں اس چیز کی کمی رہتی جو ایک زبردست محبت کی نشانی ہے یعنی مشکلات کی زیادتی اور نتیجے سے قطعی بے خبری۔"

مادموازیل ولاموِل اپنی ان خیال آرائیوں میں ایسی محو ہوئی کہ اگلے دن اس نے مارکوئس دکروازنوا اور اپنے بھائی کے سامنے ژدلیاں کے گن گانے شروع کر دیئے۔ ماتیلدے نے وہ چرب زبانی دکھائی کہ وہ دونوں چڑ گئے۔

"اس آدمی سے خبردار رہنا۔ اس میں بڑی طراری ہے"۔ اس کا بھائی بولا۔ "اگر کہیں انقلاب دوبارہ شروع ہو گیا۔ تو یہ ہم سب کو پھانسی کے تختے پر لٹکوا دے گا"۔

ماتیلدے نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور جلدی سے اپنے بھائی اور مارکوئس دکروازنوا کو چھیڑنے لگی کہ آپ لوگ آدمی میں تیزی طراری دیکھ کر ڈر جاتے ہیں۔ اس کے خیال میں یہ دراصل کسی غیر متوقع چیز سے دوچار ہونے اور اسے دیکھ کر سہم کے رہ جانے کا خوف تھا اور کچھ نہیں۔

"جناب، آپ لوگ ابھی تک ہنسی مذاق سے ڈرتے ہیں، بدقسمتی سے یہ بلا تو ۱۸۱۶ء میں ہی ختم ہو چکی ہے"۔

موسیو ولاموِل کہا کرتا تھا — "جس ملک میں دو سیاسی جماعتیں ہوں، وہاں ہنسی مذاق زندہ نہیں رہ سکتا"۔

اس کی بیٹی نے یہ خیال اڑا لیا تھا۔

وہ ژدلیاں کے دشمنوں سے بولی — "تو جناب آپ حضرات عمر بھر اسی خوف سے لرزتے رہیں گے اور آپ کے بعد لوگ کہا کریں گے کہ بھیڑیا کہاں تھا خالی ایک سایہ تھا"۔

ماتیلدے جلدی ہی ان کے پاس سے اٹھ گئی۔ اس کے بھائی کی بات نے

اُسے ڈرا دیا اور وہ بہت پریشان ہوئی۔ لیکن اگلے دن وہ اسی بات کو انتہائی تعریف کے معنوں میں لینے لگی۔

"اس زمانے میں کردار کی قوت بالکل ختم ہو چکی ہے۔ یہ لوگ اس کے اثر بہ خوبی دیکھ کر [illegible] تے ہیں۔ میں اسے بتاؤں گی کہ بھائی کیا کہہ رہے تھے دیکھنا چاہتی ہوں کہ وہ جواب کیا دیتا ہے۔ لیکن میں [illegible] وقت اس کی محبت کی آنکھیں دیکھ رہی ہوں۔ پھر وہ مجھ سے جھوٹ نہیں بول سکے گا"

وہ بہت دیر تک مبہم خیالوں میں غرق رہنے کے بعد بولی۔ "کیا یہ کوئی انقلابی لیڈر بنے گا؟ دوسرا [illegible] ہوگا؟ اچھا چلو فرض کیا کہ انقلاب شروع ہو گیا؟ میرے بھائی اور [illegible] کا رویہ کیا ہوگا؟ وہ تو پہلے ہی سے طے ہے راضی برضا رہیں گے! ان کا حال تو بھاؤ ریھیڑوں کا سا ہوگا۔ گلا کٹ جائے مگر منہ سے آواز نہ نکلے۔ مرتے وقت بھی انہیں بس یہی ڈر لگا رہے گا کہ کہیں [illegible] مہر زدہ ہو جائے۔ میرے پیارے [illegible] کو بھاگ نکلنے کی ذرا سی بھی امید ہوگی تو جو انقلابی اُسے گرفتار کرنے آئے گا وہ اسے گولی سے اڑا دے گا۔ [illegible] ایسے بدمذاقی کا ذرا بھی ڈر نہیں۔"

ان آخری الفاظ سے وہ پھر [illegible] خاطر ہو گئی۔ اسے بڑی تکلیف دہ باتیں یاد آنے لگیں، اور اس کی ساری ہمت ختم ہو کے رہ گئی۔ اُسے [illegible] دکھ [illegible] اپنے بھائی کی مصرے بازی کا خیال آ گیا۔ یہ لوگ ایک زبان ہو کر کہتے تھے کہ [illegible] پادریوں کی طرح سکڑا سمٹا اور ریاکار لگتا ہے۔

"ذرا جانے [illegible]" اس کی آنکھیں خوشی کے مارے چمک اٹھیں اور وہ بولی۔

"یہ لوگ جس کثرت اور جس تلخی کے ساتھ ژولیاں پر نفرے بازی کرتے ہیں اُسی سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان جاڑوں میں اس سے زیادہ ممتاز آدمی ہم نے نہیں دیکھا اس میں کچھ خامیاں اور کچھ بے وقوفیاں ضرور ہیں، مگر اس سے کیا ہوتا ہے؟ اس میں ایک عظمت ہے اور ان لوگوں کو جو ویسے نہایت شریف اور بُردبار ہیں۔ یہی بات بُری لگتی ہے۔ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ میں غریب ہوں اور میں نے پادری بننے کے لئے تعلیم حاصل کی ہے۔ یہ لوگ فوجی افسر ہیں اور انھیں پڑھنے لکھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ان لوگوں کی زندگی زیادہ آرام کی ہے۔

"یہ تو ضرور ہے کہ وہ ہمیشہ کالا کوٹ پہنتا ہے اور پادریوں کا سا چہرہ بنائے رکھتا ہے۔ وہ مجبور ہے۔ یہ سب نہ کرے تو بھوکوں مرے۔ لیکن ان خامیوں کے باوجود یہ لوگ اُس کی لیاقت سے ڈرتے ہیں۔ یہ بات بالکل ظاہر ہے اور جب ہم دونوں کو تخلیے کا موقع ملے تو دوچار منٹ بعد یہ پادریوں والا انداز بھی غائب ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ جب یہ لوگ کوئی ایسی بات کہتے ہیں جسے انوکھا یا زوردار سمجھتے ہوں تو کیا اُن کی نظر سب سے پہلے ژولیاں کی طرف نہیں اٹھتی؟ میں نے یہ بات صاف طور سے دیکھی ہے اور وہ خوب جانتے ہیں کہ جب تک کوئی سوال نہ پوچھا جائے ژولیاں اُن سے بات نہیں کرتا۔ وہ کسی سے بولتا ہے تو بس مجھ سے اُس کا خیال ہے کہ میں بڑی بلند مزاج ہوں۔ وہ اُن کی نکتہ چینیوں کا جواب دیتا بھی ہے تو صرف اخلاقاً۔ اس کے بعد وہ فوراً مودّب بن کے بیٹھ جاتا ہے لیکن میرے ساتھ تو وہ گھنٹوں بحث کرتا ہے۔ اگر میں ذرا سا بھی اعتراض کروں تو گڑبڑا جاتا ہے۔ اس سال جاڑوں میں ایک دفعہ بھی گولی چلنے کی نوبت نہیں آئی۔ اب کے لوگوں کو

اپنی طرف متوجہ کرنے کا طریقہ یہ رہا ہے کہ آدمی باتیں اچھی کرے۔ میرے والد بڑے ممتاز آدمی ہیں۔ اُن کی وجہ سے ہمارے خاندان کی دولت اور شہرت کو چار چاند لگ جائیں گے۔ وہ بھی ژولیاں کی عزت کرتے ہیں۔ باقی سب لوگوں کو اس سے نفرت ہے۔ لیکن والدہ کی دو بیندار سہیلیوں کے سوا کوئی اُسے حقارت کی نظر سے نہیں دیکھتا۔"

کاؤنٹ دکے لو کو گھوڑوں سے بڑی محبت تھی۔ کم سے کم وہ اس کا دم ضرور بھرتا تھا۔ اُس کا سارا وقت اصطبل میں گزرتا اور اکثر کھانا بھی وہیں کھاتا۔ ایک تو یہ گھوڑوں کا شوق، دوسرے کبھی نہ ہنسنے کی عادت۔ ان دو باتوں کی وجہ سے دوستوں کے دل میں اس کی قدر بہت بڑھ گئی تھی۔ اس چھوٹے سے حلقے میں اُس کی حیثیت عقاب کی سی تھی۔

اگلے دن جب یہ گروہ مادام دلاموِل کی آرام کرسی کے پیچھے جمع ہوا تو مادموازیل دلاموِل کو دیکھتے ہی موسیو دکے لو نے بغیر کسی وجہ کے تو رنبیر اور کرواز نوا کے ساتھ مل کر ہلّہ بول دیا اور ژولیاں کے متعلق ماتیلد کے حسنِ ظن کو خاک میں ملانے کی کوشش کرنے لگا۔ وہ کوس بھر سے ہی سمجھ گئی کہ چال کیا ہے اور بہت محظوظ ہوئی۔

وہ دل میں بولی ـــ "یہ سب مل کر ایک ایسے آدمی کے خلاف سازش کر رہے ہیں جس کی آمدنی دس اشرفی بھی نہیں اور جو اُن سے بات بھی صرف اس وقت کر سکتا ہے کہ جب اس سے کچھ پوچھا جائے۔ وہ بچارا کالا کوٹ پہنتا ہے اور یہ لوگ پھر بھی اس سے ڈرتے ہیں اگر کہیں اس کے کندھوں پر افسری کا نشان

ہوتا تو نہ جانے وہ کیا ہوتا ؟"

ماتیلد نے آج کی سی تیزیٔ طبع کبھی نہیں دکھائی تھی۔ اس نے پہلے ہی حملے میں پھبتیوں کے مارے کے تو اور اس کے ساتھیوں کے دانت کھٹے کر دیے۔ جب ان تیز طرار افسروں کی فقرے بازی دھری کی دھری رہ گئی تو وہ موسیو دکے تو سے کہنے لگی ۔

"فرض کیجئے۔ کل فرانش کونتے کے کسی دیہاتی زمیندار کو پتا چلے کہ ژولیاں میری ناجائز اولاد ہے ۔ اور وہ اسے اپنا بیٹا تسلیم کر کے دو چار ہزار فرانک دے دے تو چار چھ ہفتے میں وہ بھی آپ حضرات کی طرح مونچھیں بڑھالے گا اور چھ مہینے میں آپ ہی کی طرح فوجی افسر بن جائے گا۔ پھر اس کے کردار کی عظمت ہنسنے ہنسانے کی چیز نہیں رہے گی ۔ جناب نواب صاحب ، مجھے معلوم ہے کہ پھر آپ اُسی گھسی پٹی اور مہمل بات پر اُتر آئیں گے کہ درباری اُمرا قصباتی امرا سے بلند درجہ رکھتے ہیں۔ لیکن اگر میں آپ کو تنگ کرنے کے لئے یہ فرض کر لوں کہ ژولیاں کا باپ اسپین کا ایک ڈیوک ہے جو نپولین کے زمانے میں جنگی قیدی کی حیثیت سے بساں سوں میں رہا تھا اور اب ضمیر کی آواز سے مجبور ہو کر مرتے وقت اسے اپنا بیٹا تسلیم کر لیتا ہے تو پھر آپ کیا جواب دیں گے ؟"

ژولیاں کے ناجائز اولاد ہونے کے متعلق ان تمام مفروضات کو موسیو دکے تو اور موسیو دکروآ زنوا نے سخت بدمذاقی کی بات سمجھا۔ ماتیلد کی دلیل میں انہیں بس اتنی ہی چیز نظر آئی ۔

نوربیر بہن کے سامنے بھیگی بلی بنا رہتا تھا۔ مگر ماتیلد کی باتوں کا مطلب

اتنا صاف تھا کہ اس نے سنجیدہ صورت بنالی جو اُس کے دلکش اور مسکراتے ہوئے چہرے سے لاگ نہیں کھاتی تھی۔ بڑی ہمت کر کے اس نے دو چار لفظ بھی اس سلسلے میں کہے۔

"کیا آپ کی طبیعت ناساز ہے؟" ماتیلد نے جھوٹ موٹ سنجیدہ بن کر جواب دیا۔ "طبیعت بہت ہی خراب ہوگی، جبھی تو آپ نے ایک مذاق کے جواب میں اتنا لمبا چوڑا وعظ کہہ دیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آپ اور وعظ! کہیں آپ ناظم بننے کی فکر میں تو نہیں ہیں؟"

ماتیلد ذرا کے ذرا میں کاؤنٹ دکے لو کی خفت، نوربیر کی ناراضی اور موسیو دکروآزنوا کی خاموش مایوسی بالکل ہی بھول گئی۔ اس کے ذہن میں ایک بڑا ہی خطرناک خیال آیا، جس کے بارے میں اب اُسے فیصلہ کرنا تھا۔

وہ دل میں بولی — "ژولیاں مجھ سے پورا خلوص برتتا ہے۔ ایک تو اس کی یہ عمر، پھر دوسروں کا دستِ نگر، اوپر سے اتنے اونچے اونچے حوصلے جو اُسے بے چین کئے رکھتے ہیں۔ ان حالات میں اسے غم خواری کے لئے کسی عورت کی ضرورت ہے۔ میں ایسی دوست بن سکتی ہوں۔ لیکن مجھے اس میں محبت کا نشان تک نظر نہیں آتا۔ اس کے مزاج میں تو جسارت کوٹ کوٹ کر بھری ہے، اگر اسے محبت ہوتی تو مجھ سے ضرور کہتا۔"

اب وہ چوبیس گھنٹے اسی تذبذب اور اسی اندرونی بحث ہی میں گرفتار رہنے لگی۔ ژولیاں جب کبھی اس سے بات کرتا، ماتیلد کو اس سلسلے میں کوئی نئی دلیل ضرور مل جاتی۔ چنانچہ اب وہ اضمحلال کے دورے بالکل ختم

ہو گئے جو اسے اکثر پڑے رہتے تھے۔

مادموازیل دلاموَل ایک بڑے ذہین آدمی کی بیٹی تھی جو ممکن تھا کہ ایک دن وزیر ہو جائے اور پادریوں سے جو جنگلات چھین لئے گئے تھے وہ انہیں واپس کر دے۔ چنانچہ کلیسا کے زنانہ مدرسے میں اُس کی بے انتہا چاپلوسی ہوتی تھی۔ اس طرح آدمی کو جو نقصان پہنچتا ہے اس کا ازالہ ناممکن ہے۔ اُن لوگوں نے اُس کے دل میں یہ بات بٹھا دی تھی کہ اسے حسب نسب، مال دولت وغیرہ کے جو امتیازات حاصل ہیں، انہیں دیکھتے ہوئے اسے خوشی بھی دوسری لڑکیوں سے زیادہ ملنی چاہیئے۔ امیر لوگ جس بے کیفی کا شکار ہوتے ہیں اس کا سرچشمہ یہی ہے اور اُن کی تمام حماقتوں کا بھی۔

ماتیلد اس خیال کے مہلک اثرات سے محفوظ نہ رہ سکی تھی۔ کوئی لڑکی کتنی بھی ذہین کیوں نہ ہو، پورے دس سال تک مدرسے بھر کی چاپلوسی کے اثر سے اپنا دامن کیسے بچا سکتی ہے خصوصاً اس وقت کہ جب اس خوشامد کی ایک معقول وجہ بھی نظر آتی ہو۔

جب اس نے یہ فیصلہ کر لیا کہ مجھے ژولیاں سے محبت ہے تو اس وقت سے اُس کی بے کیفی بالکل غائب ہو گئی۔ اس نے ایک زبردست محبت کے جال میں پھنس جانے کا ارادہ کر لیا تھا اور وہ روز اپنے آپ کو اس بات پر مبارکباد دیا کرتی تھی سوچ سوچ — "اس دل لگی میں خطرے تو بہت ہیں۔ مگر یہ تو اور اچھا ہے! ہزار گنا اچھا ہے!"

"ایک لڑکی کی عمر کا بہترین زمانہ سولہ اور بیس سال کے درمیان ہوتا ہے

اور میں اسی زمانے میں محبت کے بغیر بے کیفی کے ہاتھوں گھٹ گھٹ کے مری جا رہی تھی بلکہ میری عمر کے سب سے اچھے دن تو ضائع ہو ہی چکے۔ میرے لئے اگر کوئی تفریح کا سامان تھا تو بس یہ کہ بھٹی والدہ کی سہیلیوں کی بکواس سنا کروں جو سنا ہے کہ ۱۷۹۲ء میں اپنے اعمال کے اعتبار سے اتنی سخت گیر نہیں تھیں جتنی آج اپنے الفاظ کے اعتبار سے ہیں"۔

جس زمانے میں ماتیلد اس تذبذب کا شکار تھی۔ ژولیاں کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ مجھے اس طرح کیوں تکتی ہے۔ اُسے یہ ضرور احساس ہوا تھا کہ کاؤنٹ نوربیر کی سرد مہری اور دیکھے لو، دلوز اور دکروآزنوا کی اکڑ پہلے سے بڑھ گئی ہے۔ مگر ان باتوں کی اسے عادت پڑ چکی تھی۔ جس دن شام کو ژولیاں اپنی حیثیت سے بڑھ چڑھ کر چمک دمک دکھاتا اُس دن بعد میں اُسے اکثر خفت اٹھانی پڑتی۔ اگر ماتیلد خاص طور سے اُس کی پذیرائی نہ کرتی اور اس پورے جھگڑے کے بارے میں اسے تجسس نہ ہوتا تو جب رات کو کھانے کے بعد یہ مونچھوں والے تیز و طرار نوجوان مادموازیل دلامول کو لے کر باغ میں نکلتے تھے، وہ اُن کے ساتھ کبھی نہ جاتا۔

ژولیاں سوچا کرتا "ہاں، میں اس حقیقت کو نہیں جھٹلا سکتا، مادموازیل دلاموں ایک عجب انداز سے میری طرف تکتی رہتی ہے۔ لیکن جس وقت اس کی حسین نیلی آنکھیں بے جھجک میری طرف دیکھ رہی ہوں اُس وقت بھی مجھے ایسا معلوم ہوتا جیسے وہ سرد مہری بلکہ عناد کے ساتھ میرا جائزہ لے رہی ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ محبت کے آثار ہوں؟ اس کی نظروں کا انداز مادام دریتال

کی نظروں کے انداز سے کتنا مختلف ہے!"

ایک دن رات کے کھانے کے بعد ژولیاں جو موسیو دلآمول کے ساتھ اُس کے کمرے میں چلا گیا تھا۔ تیز تیز قدم اٹھاتا باغ میں آیا۔ جب وہ بے دھڑک ماتیلد والے گروہ کے قریب پہنچا تو دو تین لفظ اس کے کان میں پڑے جو خاصی بلند آواز میں کہے گئے تھے۔ وہ اپنے بھائی کو چھیڑ رہی تھی۔ ژولیاں نے صاف طور سے سنا کہ میرا نام دو مرتبہ لیا گیا ہے۔ وہ اُن لوگوں کے سامنے آ گیا۔ فوراً گہرا سکوت طاری ہو گیا جسے توڑنے کی کوششیں تو ہوئیں مگر بیکار گئیں۔ مادموازیل دلآمول اور اس کا بھائی اتنے جوش میں تھے کہ انہیں گفتگو کے لئے کوئی دوسرا موضوع سوجھا ہی نہیں۔ دکےلو، دکروآزنوا، دلوز اور اُن کا ایک اور دوست، یہ سب ژولیاں سے نہایت بیرخی سے پیش آئے۔ ژولیاں وہاں سے ٹل گیا۔

تیرھواں باب

ایک سازش

تخیّل پرست آدمی کے لئے بے ربط جملے اور اتفاقیہ ملاقاتیں انتہائی
روشن ثبوت بن جاتی ہیں بشرطیکہ اس کے دل میں لگن ہو۔

شیکسپیئر

اگلے دن اس نے پھر نورَبیرا اور اس کی بہن کو اچانک ایسے وقت
جا پکڑا کہ جب وہ اُسی کے متعلق باتیں کر رہے تھے۔ کل کی طرح آج بھی یہی
ہُوا کہ اس کے پہنچتے ہی موت کی سی خاموشی چھا گئی۔ اب تو اس کے شبہات کی
کوئی انتہا نہ رہی " کہیں یہ دلکش اور نوجوان لوگ مجھے اُلّو بنانے کی فکر میں تو
نہیں ہیں ؟ مجھے ماننا پڑے گا کہ یہ بات ایک بچارے بھتیجے سکرٹری سے مادموازیل
دلاموَل کی مزعومہ محبت کی بہ نسبت کہیں زیادہ فطری اور قرینِ قیاس ہے۔ پھر
ایک سوال یہ ہے کہ ان لوگوں میں جذبات بھی ہوتے ہیں یا نہیں ؟ ان کا خاصہ
تو یہ ہے کہ پُراسرار بنیں۔ مجھے زبان کے معاملے میں جو بُری بھلی فوقیت حاصل
ہے۔ یہ لوگ اس سے جلتے ہیں۔ حسد ان لوگوں کی ایک اور کمزوری ہے۔

ب ساری بات واضح ہو گئی۔ مادموازیل ولاموں میرے دل میں یہ بات بٹھانا چاہتی ہے کہ وہ مجھے دوسروں پر ترجیح دیتی ہے اور مقصد صرف اتنا ہے کہ اپنے ہونے والے شوہر کے سامنے میرا تماشا بنائے۔"

اس خوفناک شبہے نے ژولیاں کا اخلاقی رویہ بالکل بدل کے رکھ دیا۔ اسے پتا چلا کہ میرے دل میں محبت کی ایک رمق موجود ہے۔ مگر شک نے اُسے بھی کچل دیا۔ اس محبت کی بنیاد صرف ماتیلا کے بے مثال حُسن پر تھی بلکہ اُس کے شاہانہ انداز اور اس کے لباس کی نفاست پر۔ اس معاملے میں ژولیاں ابھی تک نو دولتا تھا۔ باخبر لوگ کہتے ہیں کہ جب کوئی ذہین دیہاتی اُونچے طبقوں میں پہنچتا ہے تو سب سے زیادہ حیرت اُسے کسی حسین اور نفیس اہلِ عورت کو دیکھ کر ہوتی ہے۔ اگر ژولیاں کچھ دن سے نئے نئے خواب دیکھنے لگا تھا تو اس کی وجہ ماتیلا کا کردار نہیں تھا۔ اس میں اتنی بات سمجھنے کی عقل تو تھی کہ اُسے ماتیلا کے کردار کے متعلق کچھ معلوم نہیں تھا۔ اسے جو کچھ نظر آتا تھا۔ وہ ممکن تھا کہ دھوکا ہی دھوکا ہو۔

مثلاً ایسا کبھی نہیں ہو سکتا تھا کہ اتوار کے دن ماتیلا گرجا نہ جائے۔ ویسے بھی وہ تقریباً روز ہی ماں کے ساتھ وہاں جاتی تھی۔ دلاموں کے دیوان خانے میں اگر کوئی گستاخ آدمی بے خیالی میں بیٹھا ہوا ہو۔ باتیں ہوتے ہوتے پاکمد کے سچے یا جھوٹے ستوں کے خلاف کسی نقطے کی طرف دور کا بھی اشارہ کر دے تو ماتیلا فوراً انتہائی سخت ہو جاتی تھی۔ لیکن تو اس کی نظر ملی ہو ... بار ... ہو جاتی تھی، لیکن اسی وقت اُن میں کسی پرانی خاندانی تصویر کا سا اتنا ہی

غرور آجانا۔

لیکن ژولیاں کو وثوق سے معلوم تھا کہ ماتیلڈ کے کمرے میں والتیئر کی کوئی نہ کوئی فلسفیانہ کتاب ہمیشہ موجود رہتی ہے۔ کتب خانے میں والتیئر کی جو شاندار جلدوں والی کتابیں رکھی تھیں۔ ژولیاں خود اکثر اُن میں سے ایک نہ ایک اڑاتا رہتا تھا جو کتاب لیتا اُس کی غیر موجودگی چھپانے کے لئے باقی کتابوں کو تختے پر ذرا ہٹا ہٹا کے رکھ دیتا۔ لیکن تھوڑے ہی دن میں اسے پتا چلا کہ والتیئر کی کتابیں کوئی اور بھی پڑھ رہا ہے۔ دارالعلوم میں اس نے ایک ترکیب سیکھی تھی۔ چنانچہ اُسی سے کام لیا اور جن کتابوں کے متعلق خیال تھا کہ ان سے مادموازیل دلاموَل کو دلچسپی ہوگی۔ اُن میں گھوڑے کے بال رکھ دیئے۔ وہ کتابیں ہفتوں غائب رہیں۔

موسیو دلاموَل کو اپنے کتب فروش پر بڑا غصہ آیا، کیونکہ وہ جعلی خود نوشت سوانح عمریاں بھیجتا تھا۔ وہ سب جعلی ہوتی تھیں۔ چنانچہ اس نے ژولیاں کو حکم دیا کہ جو بھی نئی سنسنی خیز کتاب نکلے اسے فوراً خرید لو۔ لیکن اس خیال سے کہ یہ زہر گھر بھر میں نہ پھیل جائے۔ سکرٹری کو ہدایت ہوئی کہ یہ کتابیں خود مارکوس کے کمرے میں ایک الماری کے اندر رکھی جائیں۔ ژولیاں کو بڑی جلدی وثوق سے معلوم ہوگیا کہ اگر کوئی کتاب بادشاہت یا کلیسا کے خلاف ہو تو اُسے غائب ہونے میں دیر نہیں لگتی اور یہ بات بھی یقینی تھی کہ یہ کتابیں نوکر نہیں پڑھتا۔

ژولیاں نے اس بات کو ایک بڑی اہم دریافت سمجھا اور اسے یقین ہوگیا

کہ مادموازیل ولاموول میکیاویلی کے فلسفے کی پیرو ہے اور اس میں وہی زورنگی ہے، اسے یہ مفروضہ دغابازی بڑی دلفریب معلوم ہوئی۔ بلکہ اُسے ماتیلد میں یہی ایک اخلاقی حُسن نظر آیا۔ ریاکاری سے پیدا ہونے والی بے لطفی اور دینداری کی باتوں نے اسے اس حد تک پہنچا دیا تھا۔

محبت میں گرفتار ہونے کے بجائے اس نے اپنے تخیل کو ایڑ لگا دی۔ پہلے تو وہ مادموازیل ولاموول کے جسم کی نفاست، لباس کی خوش مذاقی، ہاتھ کے گورے پن، بازو کے گداز اور حرکات و سکنات کے بناؤ ہی کے خوابوں میں کھویا رہا۔ پھر اسے پتا چلا کہ مجھے تو محبت ہوگئی ہے۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کی دلفریبیوں میں کوئی کسر نہ رہے۔ چنانچہ اس کے تخیل نے ماتیلد کو کاترین دمیدی چی بنا ڈالا۔ اس نے ماتیلد کو ایسا کردار عطا کیا جس میں ہر قسم کی گہرائی اور ہر قسم کا مجرمانہ رجحان موجود تھا۔ یہ کردار ماسلوی، فری لئیر اور کاستاینڈ جیسے لوگوں کا آدرش تھا جنہیں وہ آغازِ شباب کے زمانے میں تعریف و تحسین کی نظروں سے دیکھتا تھا، مختصر یہ کہ اس کے خیال میں یہ پیرس ہی کا آدرش تھا۔

پیرس والوں کے کردار میں گہرائی یا جرائم پسندی دیکھنے سے بڑھ کر بھی کوئی مہمل بات ہو سکتی ہے؟

وہ سوچا کرتا — "ممکن ہے یہ تینوں مجھے اُلّو بنا رہے ہوں۔" اس کی نظریں ماتیلد کی نظروں سے ٹکرا جاتیں تو وہ فوراً اپنے چہرے پر سنجیدگی اور خشکی طاری کر لیتا اگر ناظرین نے یہ بات خود ہی نہیں سمجھی تو اس کا مطلب ہے وہ ابھی تک شرولیاں کے مزاج سے واقف ہی نہیں ہوئے۔ مادموازیل ولاموول نے حیران ہو کر اسے

زمانے کی خاطر وہ تین دفعہ دوستی کا دم بھرا۔ لیکن لڑووے کیسلے طعنے ہر دفعہ
اُسے وہیں کے وہیں روک دیا۔

لڑکی فطرتاً سرد مہر تھی۔ بے کیفی اس کے مزاج میں داخل تھی، مگر ذہانت کا
اس پر بڑا اثر ہوتا تھا۔ ژولیاں نے جو یہ اچانک رنگ بدلا تو اُسے تکلیف سی پہنچی
اور اپنی طبیعت کی لڑکی کے لئے جہاں تک بھی ممکن تھا۔ اُس کی محبت جوش میں
آگئی۔ لیکن ماتیلڈ کے مزاج میں غرور بھی بہت تھا۔ اس کے دل میں وہ جذبہ تو پیدا
ہوگیا جس کی بدولت اُس کی خوشی ایک دوسری ہستی پہ منحصر ہو کے رہ گئی۔ لیکن اُس
کے ساتھ ساتھ ایک تاریک افسردگی بھی آگئی۔

پیرس آنے کے بعد سے ژولیاں نے خاصی ترقی کر لی تھی۔ اس نے تاڑ لیا کہ
یہ اکتاہٹ سے پیدا ہونے والی خشک افسردگی نہیں ہے۔ ماتیلڈ کو پہلے کی طرح
دعوتوں اور کھیل تماشوں کا شوق نہ رہا بلکہ اُن سے بچنے لگی۔

فرانسیسی گانے والوں سے ماتیلڈ کو بڑی کوفت ہوتی تھی۔ لیکن اس کے باوجود
ژولیاں نے جو اوپیرا میں جانا اپنا فرضِ منصبی سمجھتا تھا۔ دیکھا کہ وہ جتنی دفعہ بھی
ممکن ہو سکے دوستوں کے ساتھ باصرار وہاں جاتی ہے۔ اسے یہ بھی احساس ہوا
کہ ماتیلڈ کی تمام حرکات و سکنات میں جو مکمل توازن تھا وہ اب کچھ کم ہوگیا ہے۔ بعض
دفعہ وہ اپنے دوستوں سے مذاق ہی مذاق میں ایسی باتیں کہہ جاتی جو نشتر کی طرح دل میں اُتر
جاتیں۔ ژولیاں کو ایسا لگا کہ وہ مارکوئس دکروازنوا سے چڑ گئی ہے۔ وہ دل میں
کہتا۔ "یہ شخص یقیناً پیسے پر جان دیتا ہے۔ ورنہ چاہے یہ لڑکی کتنی ہی مالدار کیوں
نہ ہوتی، اسے چھوڑ کے بھاگ جاتا!" رہا وہ خود، تو مردانہ وقار کی تذلیل پر اُسے

بڑا ناؤ آیا اور وہ ماتیلڈ سے اور بھی بے رُخی برتنے لگا۔ اگر تو وہ اس حد تک
بڑھ جاتا کہ اُسے بڑی بدتمیزی سے جواب دیتا۔

حالانکہ اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ ماتیلڈ جتنی چاہے دوستی جتائے وہ ہیں دھوکے میں نہیں آؤں گا لیکن اس کی بڑھتی ہوئی دلچسپی کی نشانیاں بعض دن ایسی واضح ہو جاتیں اور وہ ژولیاں کو جس کی آنکھوں سے اب پردہ اٹھ رہا تھا اتنی حسین لگتیں کہ بعض دفعہ تو وہ بوکھلا جاتا۔

وہ دل میں کہتا ۔۔ ”مجھے تجربہ کم ہے۔ آخر میں یہ فلسٹن ایبل لوگ اپنی مہارت اور اپنی بردباری کے سبب بازی لے جائیں گے۔ مجھے تو چاہیے کہ یہاں سے چل دوں اور یہ معاملہ ختم کروں۔“ ابھی کچھ دن ہوئے مارکوئس نے لانگ ڈوک میں چند چھوٹی چھوٹی جائدادوں اور مکانوں کا بندوبست بھی اس کے سپرد کر رکھا تھا چنانچہ اسے وہاں جانا ضروری ہو گیا۔ موسیو دلامول نے بڑی مشکل سے اجازت دی۔ اس کے بلند عزائم کا تو خیر معاملہ الگ ہے۔ ویسے ژولیاں بالکل اس کا ہمراز بن گیا تھا۔

ژولیاں سفر کی تیاری کرتے ہوئے سوچنے لگا۔۔ ”پھر کچھ بھی ہو یہ لوگ مجھے پھانس نہیں سکے۔ مادموازیل دلامول جو ان لوگوں کا مذاق اڑاتی رہتی ہے چاہے ان میں اہمیت ہو چاہے محض میرے دل میں اعتبار پیدا کرنے کی نیت سے یہ باتیں کرتی ہو۔ بہرحال مجھے تو مزا ہی آیا۔

”اگر بڑھئی کے بیٹے کے خلاف سازش نہیں ہو رہی تو مادموازیل دلامول کا رویہ ناقابلِ فہم ہے۔ لیکن اگر ناقابلِ فہم ہے تو مارکوئس دکروازنوا کے لئے بھی جس طرح

میرے لئے۔ مثلاً کل اس کی خفگی بالکل حقیقی تھی اور مجھے یہ تماشہ دیکھنے کو ملا کہ میری تو آؤ بھگت ہوئی اور ایک ایسے نوجوان کو خفت اٹھانی پڑی جو اتنا ہی رئیس اور مالدار ہے جتنا میں کنگال اور چھوٹے درجے کا ہوں۔ یہ میری سب سے بڑی کامرانی ہے۔ لانگ ذوک کے میدانوں میں سے گزرتے ہوئے ڈاک گاڑی میں یہ بات مجھے گرم رکھے گی۔"

اس نے اپنے سفر کی بات راز میں رکھی تھی۔ لیکن ماتیلد کو اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ کل پیرس سے جا رہا ہے اور بہت دن کے لیے۔ اس نے بہانہ بنایا کہ میرا سر درد کے مارے پھٹا جا رہا ہے اور دیوان خانے کی گھٹی گھٹی فضا میں حالت اور بگڑ گئی ہے۔ وہ باغ میں گھنٹوں ٹہلی اور نوربیر، کرواز نوا، کے لو، دلوز اور کئی دوسرے نوجوانوں کو جنہوں نے آج محل میں کھانا کھایا تھا۔ اس طرح اپنے زہریلے فقروں کی باڑھ پہ رکھا کہ انہیں بھاگتے ہی بن پڑی۔ اس نے ژولیاں کی طرف ایک عجب انداز سے دیکھا۔

"اس طرح دیکھنا بھی شاید ایک اداکاری ہے" وہ دل میں بولا" لیکن اس کا زور زور سے سانس لینا، اس کا یہ ہیجان! . . . . ہُنہہ! میں کون ہوں جو ان معاملات کے متعلق کوئی رائے دے سکوں؟ پیرس کی عورتوں میں جو تصنع اور عشوہ گری ملتی ہے یہ اسی کا ایک نمونہ ہے۔ اسے یوں سانس لیتے دیکھ کر ضبط کا دامن میرے ہاتھ سے نکل چلا تھا۔ اسے وہ اداکارہ لیوں تین نے بہت پسند ہے۔ یہ انداز اسی سے سیکھا ہوگا۔"

اب یہ دونوں اکیلے رہ گئے تھے۔ گفتگو کچھ بے جان سی پڑ چلی تھی۔ ماتیلد نے

واقعی فکرمند ہو کے دل میں کہا۔ "نہیں! ژولیاں کو مجھ سے ذرا بھی تو لگاؤ نہیں۔"

جب وہ رخصت ہونے لگا تو ماتیلدنے اس کا بازو زور سے پکڑ لیا۔ "آج شام آپ کو میری جانب سے ایک خط ملے گا۔" وہ ایسی گھٹی ہوئی آواز میں بولی کہ اُس کی بات مشکل سے سُنائی دی۔

اس کا ژولیاں پر فوراً ہی اثر ہوا۔

وہ کہنے لگی: "آپ نے والد کی جس طرح خدمت کی ہے۔ اس کا انھیں بڑا لحاظ ہے اور واقعی ہونا بھی چاہیے۔ آپ کو کل نہیں جانا چاہیئے۔ کوئی بہانہ کر دیجیے۔" اور وہ باغ سے بھاگ گئی۔

اُس کا جسم بڑا دلکش تھا۔ اتنا خوبصورت پیر شاید ہی کسی کا ہو۔ وہ ایسی خوش ادائی سے دوڑتی تھی کہ ژولیاں دل مسوس کے رہ گیا لیکن ذرا اندازہ لگائیے کہ جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی تو ژولیاں نے کیا سوچا۔ ماتیلدنے "آپ کو نہیں جانا چاہیئے۔" بڑے تحکمانہ انداز میں کہا تھا۔ یہ بات اسے بہت بُری لگی۔ لوئی پنجدہم بستر مرگ پر تھا تو اُس کے بڑے ڈاکٹر نے بھی یہی لفظ "چاہیئے" بڑے بے ڈھنگے پن سے کہہ دیا تھا۔ حالانکہ بادشاہ کوئی نودولتا نہیں تھا۔ لیکن اُسے بھی یہ بات بُری لگی تھی۔

گھنٹے بھر بعد ایک ملازم نے ژولیاں کو ایک خط لاکے دیا۔ اس خط میں محبت کا صاف و صریح اعلان تھا۔

"اس خط کے انداز میں زیادہ بناوٹ تو ہے نہیں۔" وہ دل میں بولا اور

اس کی تشبیہات کے ذریعہ اپنی خوشی کو قابو میں رکھنے کی کوشش کرنے لگا جو اس کا چہرہ بگاڑے دے رہی تھی اور ضبط کے باوجود اسے ہنسنے پر مجبور کر رہی تھی۔

اس کا ہیجان دبائے نہ دب سکا اور وہ اچانک بولا "اتنی بڑے گھرانے کی لڑکی نے مجھ جیسے غریب دیہاتی سے محبت کا اظہار کیا ہے!"

"اور میں بھی بُرا نہیں رہا" وہ جہاں تک بھی ممکن ہو سکا اپنی خوشی کو ضبط کرتے ہوئے کہنے لگا "میں نے بھی اپنے کردار کا وقار پوری طرح قائم رکھا۔ میں نے کبھی نہیں کہا کہ مجھے محبت ہے۔" وہ اس کے حروف کی شکل کا جائزہ لینے لگا۔ مادموازیل دلاموُل کا خط بڑا نفیس اور انگریزوں کا سا تھا۔ خوشی کے مارے ژولیاں پر تو وجد کی سی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ اپنا دھیان اس طرف سے ہٹانے کے لئے تو اسے کسی جسمانی مشغولیت کی ضرورت پیش آ رہی تھی۔

"آپ جانتے ہیں، اس لئے مجھے مجبوراً کہنا ہی پڑا . . . . یہ بات مجھ سے کس طرح برداشت ہو گی کہ آپ کو نہ دیکھ سکوں۔"

اچانک ژولیاں کے ذہن میں ایک ایسا خیال آیا جو اسے ایک نئی دریافت کے برابر معلوم ہوا۔ مادموازیل کے خط کا جائزہ بیچ ہی میں رہ گیا اور اس کی خوشی پہلے سے دگنی ہو گئی۔ [illegible] میں مارکوئس دکرواز نوا سے بازی لے گیا، یعنی مجھ جیسا آدمی جو سنجیدہ باتوں کے علاوہ کبھی کچھ کہتا ہی نہیں! اور وہ خوبصورت کتنا ہے! اس کے [illegible] نفیس وردی پہنتا ہے [illegible] پر اسے کوئی شگفتہ [illegible] اور شائستہ فقرہ سوجھ [illegible]

[illegible] کے لیے تو ژولیاں کو جنت کا مزا آ گیا۔ وہ خوشی کے مارے دیوانہ ہو کر

باغ میں اِدھر سے اُدھر ٹہلنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اُٹھ کر اپنے دفتر میں گیا اور مارکوئس دلاموِل کے پاس اپنے نام کا پرچہ بھجوایا۔ خوش قسمتی سے مارکوئس ابھی باہر نہیں گیا تھا۔ ژولیاں نے اُسے کچھ کاغذات دکھائے جو نورمنڈی سے آئے تھے اور بڑی آسانی سے یہ ثابت کر دکھایا کہ وہاں کے مقدموں کی وجہ سے لانگ ڈوک کے لیے روانگی ملتوی کرنا ضروری ہے۔

جب کاروباری باتیں ختم ہو گئیں تو مارکوئس کہنے لگا "مجھے خوشی ہے کہ آپ کا جانا رُک گیا۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے سامنے ہی رہیں۔" ژولیاں کمرے سے نکل آیا۔ مارکوئس کی بات اُسے پریشان کر رہی تھی۔

"اور میں اس کی بیٹی کو خراب کرنے کی فکر میں ہوں! پھر تو شاید مارکوئس دکرو آزنوا سے شادی بھی نہ ہو سکے گی۔ دلاموِل کو اپنے مستقبل میں بھی تو ایک روشن پہلو نظر آتا ہے۔ اگر وہ خود ڈیوک نہ بن سکا تو کم سے کم اُس کی بیٹی تو ایک دن تاج پہننے کی حقدار ہو گی۔"

ژولیاں نے سوچا کہ ماتیلدا کے خط اور مارکوئس سے جو باتیں ہوئی ہیں اُن کے باوجود لانگ ڈوک چل دوں۔ یہ پاکبازی کی رگ پھڑکی تو سہی مگر جلدی ہی خاموش ہو گئی۔

وہ دل میں بولا "میں بھی کتنا دریا دل ہوں! معمولی درجے کا آدمی ہو کر بھی مجھے اتنے بڑے گھرانے پر ترس آتا ہے! میں جسے ڈیوک دشولن ایک معمولی خدمتگار کہتا ہے! مارکوئس اپنی دولت کس طرح بڑھاتا ہے؟ جس دن محل میں یہ افواہ سنتا

ہے کہ کل کوئی سیاسی ہنگامہ ہونے والا ہے تو سرکاری ہنڈیاں بیچ ڈالتا ہے مجھ سے قسمت نے سوتیلی ماں کا سا برتاؤ کیا ہے؟ اور مجھے سب سے رذیل طبقے میں لا ڈالا ہے۔ قسمت نے مجھے شریفانہ دل تو عطا کیا ہے۔ مگر ہزار فرانک کی آمدنی بھی میرے حصے میں نہیں آئی۔ اس میں تو روز کی روٹی نہیں چلتی۔ کیا میں اس لذت کو ٹھکرا دوں جو اپنے آپ سے اپنے آپ میرے سامنے آگئی ہے؟ میری زندگی بھی ایک مصیبت ہے، میں بے رنگی کے جس جلتے جھلستے ریگستان میں سے گزر رہا ہوں۔ وہاں میری پیاس بجھانے کے لئے صاف و شفاف پانی کا یہ چشمہ اُبل پڑا ہے! خدا کی قسم، میں اتنا بے وقوف نہیں ہوں۔ خودغرضی کے اس ریگستان میں جسے زندگی کہتے ہیں نفسی نفسی کا ہی اُصول کارگر ہوتا ہے۔"

اور اُسے وہ حقارت آمیز نظریں یاد آنے لگیں جو مادام دلاموّل اور خصوصاً "بیگمات" یعنی مادام کی سہیلیوں نے اس کی طرف ڈالی تھیں۔

مارکوئس دکرواز نوا پہ فتح پانے کی خوشی نے پاکبازی کی اس آخری رمق کو بھی ختم کر کے رکھ دیا۔

ژولیاں کہنے لگا — "کہ وازنوا کو غصہ آجائے تو بڑا مزا ہو! اب میں کس اعتماد کے ساتھ اسے اپنی تلوار کے جوہر دکھاؤں!" اور اس نے ہوا میں ایک وار کر کے دکھایا۔ "اب تک تو میں لیچڑ تھا۔ مجھ میں جو تھوڑی بہت ہمت ہے۔ اس سے رذیلوں کی طرح فائدہ اٹھاتا رہا۔ اس خط کے بعد اب میں اُس کے برابر کا ہوں۔"

"ہاں۔" وہ مزے لے لے کر آہستہ آہستہ بولا۔ "مارکوئس کی اور میری خوبیوں کو

کانٹے کی تول تولا گیا ہے اور میدان ژیورا کے مفلس بڑھئی کے ہاتھ رہا۔

"بہت خوب! میرا جواب تیار ہے، اور میں اس پر دستخط بھی کئے دیتا ہوں۔ مادموازیل دلا مول، آپ یہ نہ سمجھئے گا کہ میں اپنی حیثیت بھول بیٹھا۔ میں آپ کو اس بات کا احساس دلا کے چھوڑوں گا کہ آپ ایک بڑھئی کے بیٹے کی خاطر اس مشہور و معروف گی دکرواز نوا کے وارث سے بے وفائی کر رہی ہیں جو سینٹ لوئی کے ساتھ صلیبی جنگ میں شامل ہوا تھا۔"

ژولیاں خوشی کے مارے پھولا نہ سماتا تھا۔ وہ اپنے کمرے میں بند ہو کر بیٹھ گیا تھا، مگر یہ کمرہ ایسا تنگ معلوم ہونے لگا کہ سانس لینا مشکل ہو گیا اور اسے نیچے باغ میں جانا پڑا۔

وہ بار بار یہی کہہ رہا تھا۔ "میں ژیورا کا ایک غریب دیہاتی ہوں! میں ہر وقت یہ گندا سا کالا کوٹ ٹانگے رکھنے کی لعنت میں گرفتار ہوں! ہائے، بیس سال پہلے کا سا زمانہ ہوتا تو میں بھی ان لوگوں کی طرح وردی پہنتا! ان دنوں مجھ جیسا آدمی یا تو ہلاک ہو جاتا تھا۔ ورنہ چھتیس سال کی عمر میں جنرل بن جاتا تھا!" اس نے خط کو مٹھی میں دبا رکھا تھا اور یوں تنتا اکڑتا چل رہا تھا جیسے کوئی ہیرو ہو۔ "یہ ٹھیک ہے کہ آج کل اس کالے کوٹ کی بدولت آدمی کو چالیس سال کی عمر میں ایک لاکھ فرانک کی آمدنی ہو جاتی ہے اور کچھ خطابات مل جاتے ہیں جیسے بووے کے اسقف کا حال ہے۔"

پھر وہ ابلیس کی طرح ہنستے ہوئے بولا۔ "مگر مجھ میں ان لوگوں سے زیادہ سمجھ ہے۔ میں نے وہ وردی چنی ہے جو آج کل کام دیتی ہے۔" اس کے حوصلے

ایک دم سے بلند ہو گئے اور اپنے پادریوں والے لباس پر پیار سا آنے لگا۔
"پوپ کے کتنے ہی نائب ایسے ہوئے ہیں جو حسب نسب میں مجھ سے گئے گزرے تھے مگر صاحب اقتدار ہوئے! مثلاً میرا ہم وطن گراں ڈیل!"

ژولیاں کا ہیجان آہستہ آہستہ مدھم پڑنے لگا۔ اس کی دوراندیشی پھر عود کر آئی۔ وہ اپنے استاد تارتوف کی طرح جس کا کردار اُسے زبانی یاد تھا۔ کہنے لگا۔۔۔

"ان الفاظ میں ایک سچی عشوہ گری جھلکتی ہے

نہیں، میں ایسی خوش آئند باتوں کا اعتبار نہیں کروں گا۔

جب تک کہ وہ حسینہ جس کے لئے میں تڑپتا ہوں

مجھے یقین نہ دلا دے کہ ان الفاظ کا وہی مطلب ہے جو میں نے سمجھا ہے"

(مولئیر کا ڈراما "تارتوف")

"تارتوف کو بھی تو ایک عورت ہی نے تباہ کیا تھا اور وہ اتنا ہی ہوشیار آدمی تھا جتنا کوئی ہو سکتا ہے۔ ۔ ۔ ممکن ہے کہ وہ میرا جواب کسی کو دکھا دے اس کا تو ایک علاج ہو سکتا ہے۔" وہ دبی دبی سی خونخواری کے ساتھ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا۔ "ہم اپنے خط کے شروع ہی میں عالی جناب ماتیلد کے خط کے سب سے زوردار فقرے نقل کر دیں گے۔

لیکن پھر موسیو دکرواز نوا کے تین چار خادم میرے اوپر جھپٹا مار کے اصلی خط چھین لے جائیں گے۔

"نہیں، یہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ میں اچھی طرح مسلح رہتا ہوں اور وہ لوگ جانتے ہیں کہ مجھے خادموں پر گولی چلانے کی عادت ہے۔

"اچھا فرض کرو۔۔ ان میں سے ایک آدمی ذرا ہمت والا ہے۔ وہ اچانک میرے اوپر آپڑتا ہے۔ اس سے سو اشرفیوں کے انعام کا وعدہ ہو چکا ہے۔ میں اُسے مار ڈالتا ہوں، یا زخمی کر دیتا ہوں۔ یہ اور بھی اچھا ہے۔ وہ لوگ یہی تو چاہتے ہیں۔ قانون کی رو سے مجھے جیل خانے میں ڈال دیا جاتا ہے۔ پھر عدالت میں میری پیشی ہوتی ہے اور جج پورے انصاف سے کام لیتے ہوئے مجھے پوائسی کے قید خانے بھیج دیتے ہیں۔ وہاں میں چار سو مصیبت زدہ قیدیوں کے ساتھ پیال پر گدڑ مد سوتا ہوں۔۔۔ ۔ اور مجھے ان لوگوں پر تھوڑا بہت ترس ضرور آئیگا"

وہ بے قرار ہو کر اُٹھ بیٹھا۔ "جب عوام ان بڑے لوگوں کے ساتھ آجاتے ہیں تو وہ کون سا رحم کھاتے ہیں؟" اپنی طبیعت کے باوجود موسیو دلاموں کے لئے احساسِ ہمدردی کا جذبہ اُسے اب تک تکلیف دیتا رہا تھا۔ ان الفاظ کے ساتھ ساتھ وہ جذبہ بھی دم توڑ گیا۔

"نواب صاحبان آپ اتنی جلدی نہ کیجئے۔ میں یہ چال خوب سمجھتا ہوں۔ یارڈ یا ماسکو یا دارالعلوم والا کا شاگرد بھی اتنا چالاک نہ ہوگا جتنے آپ ہیں۔ آپ مجھ سے وہ خط چھین لیں گے جس کی وجہ سے مجھے اپنی خط لکھنے کی تحریک ہوئی۔ اور مجھے بھی کرنل کارٹن کی طرح سازش کے جھوٹے الزام میں پھانسی کی سزا ملے گی"

"لیکن ذرا ٹھہریئے حضرات۔ میں یہ خطرناک خط سر بمہر کر کے پادری پی رار کے پاس رکھوا دوں گا۔ وہ ایماندار آدمی ہیں، نرا سینٹ ہیں۔ چنانچہ روپیہ کے لالچ میں نہیں آسکتے۔ ہاں، مگر وہ خط کھول لیتے ہیں۔۔ میں یہ خط تو آپ کے پاس رکھواؤں گا۔"

یہاں یہ بات بتا دینی چاہئے کہ اس کی آنکھوں سے خون ٹپک رہا تھا۔ چہرہ گھناؤنا ہو گیا تھا اور شکل سے انتہائی مجرمانہ ارادے ظاہر ہو رہے تھے۔ وہ ایک ایسا مصیبت زدہ آدمی تھا جو سارے سماج سے جنگ پر آمادہ ہو۔

"اچھا، بزن!" ژولیاں ایک دم سے بولا اور ایک چھلانگ میں محل کی سیڑھیوں سے نیچے اتر آیا۔ وہ سیدھا سڑک کے نکڑ پر خط لکھنے والے کی دکان میں پہنچا۔ وہ آدمی اسے دیکھ کے ڈر گیا۔ ژولیاں مادموازیل دلاموں کا خط اسے دے کر بولا "اس کی نقل کر دو۔"

وہ آدمی تو کام میں لگ گیا۔ ژولیاں نے فوکے کو خط لکھنا شروع کر دیا اور اس سے درخواست کی کہ میں ایک قیمتی چیز تمہارے پاس بھیج رہا ہوں، اسے حفاظت سے رکھنا۔ پھر وہ قلم ہاتھ سے رکھ کے بولا "لیکن ڈاک خانے میں میرا خط کھول لیا جائے گا اور جس خط کی ان لوگوں کو ضرورت ہے۔ وہ انہیں بھیج دیا جائے گا۔" اس نے جا کے ایک بڑی سی انجیل خریدی۔ کتاب کی جلد میں ماتیلد کا خط بڑی ہوشیاری سے چھپا کے رکھ دیا، اپنے خط کے ساتھ اسے بندھوایا اور اس کا پارسل ڈاک گاڑی سے چل پڑا۔ پتا اس نے فوکے کے ایک ملازم کا لکھا جس کے نام سے پیرس میں کوئی واقف نہ تھا۔

یہ کام کر کے وہ ہنستا کھیلتا گھر واپس آیا، کمرہ اندر سے بند کر لیا اور کوٹ اتار کے پھینکتے ہوئے بولا "اب ہماری باری ہے۔"

اس نے ماتیلد کو لکھا "ارے یہ مادموازیل دلاموں ہیں جنہوں نے اپنے والد کے خدمت گار کے ہاتھ ژیورا کے ایک غریب بڑھئی کے پاس خط

بھجوایا ہے! اور خط بھی ایسا کہ اسے پڑھ کے آدمی عقل و خرد سے بیگانہ ہو جائے۔ غالباً مادموازیل اُس کی سادگی کا مذاق اڑانا چاہتی ہیں۔" پھر اس نے ماتیلد کے خط میں سے کھُلے کھُلے جُملے چُن کر نقل کر دیے۔

خود ژولیاں کا خط ایسا تھا کہ اگر موسیو دلوو وآزی بھی لکھتا تو اپنی کاردانی اور مصلحت بینی پر فخر کرتا۔ ابھی صرف دس بجے تھے۔ کچھ تو خوشی، کچھ اپنی طاقت کا احساس؛ ژولیاں کو دس تونلوں کا نشہ چڑھ گیا۔ اُس جیسے بھٹیر آدمی کے لیے یہ بالکل نیا تجربہ تھا۔ وہ اطالوی اوپیرا کی طرف چل دیا۔ وہاں اس نے اپنے دوست ژیرونیمو کا گانا سنا۔ موسیقی سے اُس کی طبیعت کو اتنی بلندی کبھی حاصل نہیں ہوئی تھی۔ وہ اپنے آپ کو دیوتا سمجھ رہا تھا۔

چودھواں باب

ایک لڑکی کے خیالات

کیسی پریشانی ہے! کتنی راتیں آنکھوں ہی آنکھوں میں نکل گئیں! خدایا!
کیا میں قابلِ نفرت بنتی جا رہی ہوں؟ وہ خود اپنے آپ سے نفرت
کرنے لگے گا! مگر وہ تو جا رہا ہے، وہ تو رخصت ہو رہا ہے۔

دموسے

ماتیلدا نے خط لکھا تو تھا مگر بڑی کشمکش کے بعد۔ اسے جس دن سے
ہوش آیا تھا، اُس کے دل پر بس ایک غرور کا تسلط رہا تھا۔ ژولیاں سے
اُس کی دلچسپی کسی طرح بھی شروع ہوئی ہو۔ بہرحال وہ اس غرور پہ بڑی جلدی غالب
آگئی تھی۔ اُس کی اکڑباز اور بے مہر طبیعت پہلی دفعہ کسی شدید جذبے سے
متاثر ہوئی تھی۔ اس جذبے نے اس کے غرور کو دبا تو لیا، مگر غرور سے جو
عادتیں پیدا ہوئی تھیں اُن کا دامن اب بھی ہاتھ سے نہ چھوٹا۔ دو مہینے کی کشمکش اور
نئے نئے احساسات نے گویا اُس کے اخلاقی مزاج ہی کو بدل کے رکھ دیا۔

ماتیلڈ سمجھی کہ اب مجھے خوشی حاصل ہونے والی ہے۔ جس شخص میں ہمت اور
غیر معمولی ذہانت دونوں چیزیں موجود ہوں وہ ایسی اُمید کا غلام بن کے رہ جاتا ہے
مگر یہاں اُسے وقار کے احساس اور عام انسانی فرائض کے ہر جذبے سے مدتوں
نبرد آزمائی کرنی پڑی۔ ایک دن ماتیلڈ صبح سات بجے ماں کے کمرے میں پہنچی اور
اس سے درخواست کی کہ مجھے ویل گیئے جانے کی اجازت دے دیجیے۔ مادام
نول نے جواب دینے کی بھی زحمت گوارا نہیں کی اور اس سے کہا۔ جاؤ سو جاؤ۔
سلمہ خیالات کی عزت اور عام سوجھ بوجھ کی طرف سے ماتیلڈ کو روکنے کی
کوشش اتنی۔

ے اس بات کا ذرا بھی ڈر نہیں تھا کہ میں کوئی برا کام کر رہی ہوں۔ یا جن
خیالات کو کے تو، دتوز، کرو ارنوا جیسے لوگ مقدس سمجھتے ہیں اُن کی بے حرمتی
ہوگی۔ اس کا خیال تھا کہ اس قسم کے لوگ مجھے سمجھنے کے لئے بنے ہی نہیں ہیں
اگر کوئی گاڑی یا کوئی جائداد خریدنے کا معاملہ ہوتا تو وہ اُن سے ضرور مشورہ لیتی۔
اُسے کوئی ڈر تھا تو بس یہ کہ ژولیاں مجھ سے ناراض نہ ہو جائے۔

"شاید وہ بھی بس ظاہر ہی میں دوسروں سے بلند تر معلوم ہوتا ہے۔"
کردار کی ناپختگی سے ماتیلڈ کو بڑی نفرت تھی۔ جو حسین نوجوان اسے گھیرے
رہتے تھے۔ اُن پر بس اُسے یہی اعتراض تھا۔ یہ لوگ ہر اس بات کا مذاق اڑاتے
تھے جو فیشن کے خلاف ہو، یا فیشن کی پیروی کرنا چاہے مگر ٹھیک طرح ہو نہ سکے۔
وہ اپنی فقرے بازی میں جتنی تیزی دکھاتے۔ ماتیلڈ کی نظروں میں اتنے ہی مردود
قرار پاتے۔

یہ لوگ بہادر تو تھے مگر اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ وہ دل میں کہا کرتی۔" پھر ان لوگوں کی بہادری کہاں ظاہر ہوتی ہے؟ ڈوئیل میں۔ لیکن ڈوئیل کی حیثیت تو اب ایک رسم کی سی رہ گئی ہے۔ ہر بات پہلے ہی سے معلوم ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ یہ بھی کہ آدمی زمین پر گرنے کے بعد کیا کہے گا۔ ایسے وقت آدمی کا فرض ہے کہ گھاس پر پڑے پڑے دل پہ ہاتھ رکھے اور فیاضی برتتے ہوئے اپنے حریف کو معاف کر دے اور ساتھ ہی کسی حسینہ کے نام پیغام بھی بھجوائے جو اکثر محض خیالی ہوتی ہے، یا اس کی موت کے دن ناچ میں ضرور جاتی ہے۔ تاکہ لوگوں کو شبہ نہ ہو۔

"جگ مگ جگ مگ کرتی ہوئی بندوقوں کے ساتھ ایک پورے فوجی دستے کا سردار بن کر خطرے کا مقابلہ کر لینا آسان ہے۔ لیکن اگر اکیلے میں اچانک کوئی انوکھی قسم کا بھیانک خطرہ پیش آجائے تو؟

"ہائے! یہ بات تو آں ری سوم ہی کے دربار میں تھی کہ لوگ حسب نسب اور کردار دونوں کے لحاظ سے بڑے ہوتے تھے! اگر ژولیاں نے ژارناک یا موں کوں تور کی لڑائیاں دیکھی ہوتیں تو پھر مجھے کوئی شبہ نہ رہتا۔ وہ زمانہ قوت اور ہمت کا تھا۔ اُن دنوں فرانسیسی محض گڑیوں کی طرح نہیں تھے۔ لڑائی کے دن کسی کے ماتھے پر شکن تک نہ ہوتی تھی۔

"اُن لوگوں کی زندگی مصر کی حنوط شدہ لاشوں کی طرح ایک لفافے میں بند نہیں تھی اور لفافہ بھی وہ جو ہمیشہ ایک جیسا ہو اور سب کے اوپر وہی خول چڑھا ہو۔ ہاں آج کل الجیریا دوڑ جانے کی بہ نسبت اُن دنوں رات کے گیارہ بجے

کاترین دمیدی چی کے محل سے اکیلے نکل کر شہر میں سے گزرنا زیادہ ہمت کا کام
تھا۔ آدمی کی زندگی خطرات کا ایک سلسلہ ہوتی تھی۔ آج کل تہذیب نے اور کوتوال
نے خطرے کو زندگی سے نکال باہر کیا ہے۔ اب انجانی اور انوکھی چیزوں کی
گنجائش نہیں رہی۔ اگر ہمارے خیالات میں کوئی ایسی بات نظر بھی آئے تو ہم اُسے
پھبتی فقرے بازی کا نشانہ بنا لیتے ہیں۔ اگر سیاسی معاملات میں نظر آئے تو ڈر کے مارے
ہم بزدلانہ سے بزدلانہ حرکت سے بھی نہیں چوکتے۔ ہم اس خوف کی وجہ سے جو حماقت
بھی کریں سب معاف ہو جاتی ہے۔ یہ تو انحطاط اور بے کیفی کا زمانہ ہے! اگر
۱۷۹۳ء میں لوئی فاس دلاموُل قبر سے اپنا کٹا ہوا سر اٹھا کر دیکھتا کہ میری اولاد میں
سے ستّرہ آدمی بھیڑوں کی طرح چپ چاپ باغیوں کے ہاتھ قید ہو گئے ہیں اور
دو ایک دن بعد اُن کا سر اڑایا جانے والا ہے تو وہ کیا کہتا؟ ان لوگوں کو
بہرحال مرنا تو تھا ہی، لیکن یہ بات شائستگی کے خلاف تھی کہ وہ اپنے آپ کو
بچانے کی کوشش کریں یا دو ایک باغیوں کو مار ہی ڈالیں! آہ! فرانس کے
دلاورانہ دور میں، لوئی فاس دلاموُل کے زمانے میں، ژولیاں تو فوج کا افسر ہوتا۔
اور میرے بھائی صاحب پادری ہوتے، اپنے طور طریقوں میں نہایت شائستہ،
آنکھوں میں عقلمندی کی جھلک اور مُنہ سے دانشوری کے پھول جھڑتے ہوئے۔"

اب سے چند مہینے پیشتر ماتیلد بالکل مایوس ہو چکی تھی اور اس نے طے کر لیا
تھا کہ مجھے کوئی آدمی ایسا نہیں مل سکتا جو عام نقشے سے تھوڑا بہت مختلف ہو۔
اس نے ہمت کر کے دو چار فیشن ایبل نوجوانوں کو خط لکھے تھے اور اس میں اُسے
ایک قسم کی خوشی ضرور ملی تھی۔ یہ حرکت ایک نوجوان لڑکی کے لئے بڑی غیر رسمی،

بڑی جسارت آمیز اور بڑی ناعاقبت اندیشانہ تھی۔ اس میں خدشہ یہ تھا کہ موسیو دگروا آنزلوا، اس کا باپ ڈیوک رشوکن اور اس کے سارے گھر والے جب منگنی ٹوٹتے دیکھیں گے تو اس کی وجہ بھی معلوم کرنا چاہیں گے اور ان کی نظروں میں ماتیلڈ کی بے عزتی ہوگی۔ اس زمانے میں جس دن ماتیلڈ اس قسم کا کوئی خط لکھتی اُسے رات بھر نیند نہ آتی۔ مگر یہ خط محض دوسرے لوگوں کے خطوں کا جواب ہوتے تھے۔

اب اس نے یہ کہنے کی جسارت کی تھی کہ مجھے محبت ہوگئی ہے۔ اب سے اس نے پہل کی تھی (یہ لفظ بھی کیسا خوفناک ہے!) اور وہ بھی ایک ایسے آدمی کے ساتھ جو بالکل ہی نیچے درجے کا تھا۔

اس بات کی وجہ سے ماتیلڈ کو یقین ہو گیا کہ اگر خط پکڑا گیا تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ لگ جائے گا۔ اس کی ماں کے پاس آنے والیوں میں سے کون عورت ایسی ہوگی جو اس کی طرفداری کر سکے؟ ان خاتون میں اسے بے انتہا حقارت کی نظروں سے دیکھا جائے گا۔ وہ ان عورتوں کو اس کا پتہ بڑھائے کہ اس نفرت میں تھوڑی سی کمی آ جائے؟

کسی مرد سے بات کرنا ہی ایک جرم ہے جیسا کہ خط لکھنا۔ نپولین نے بے لاں کی شکست کی خبر سنکر کہا تھا "بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جو نہیں لکھنی نہیں چاہیئے!" یہ قصہ ژولیاں نے ہی سنایا تھا۔ یہ تو ایسی بات ہوئی جیسے وہ اسے پہلے ہی سے نصیحت کر رہا ہو۔

لیکن یہ ساری باتیں بھی کچھ ایسی نہ تھیں۔ ماتیلڈ کی روحانی اذیت کے اور ہی

اسباب تھے۔ لوگوں پر اس حرکت کا کتنا برا اثر ہوگا۔ اس کی پیشانی پر ایسا داغ لگے گا
جو مٹائے نہ مٹ سکے گا۔ اُس کی برادری کی کیسی بے عزتی ہوگی، وہ لوگ اس سے
کتنی نفرت کریں گے ـــ ماتیلدہ یہ سب باتیں پس پُشت ڈال کر ایک ایسے آدمی
کو خط لکھ رہی تھی جو کروازنوا، دلوز، کتے لو جیسے لوگوں سے بالکل مختلف تھا۔

جب وہ اس سے بالکل عام قسم کی دوستی کے تعلقات، قائم کر رہی تھی۔ اس
وقت بھی اسے ژولیاں کے کردار کی گہرائی اور انوکھے پن سے ڈر لگنے لگا تھا اور
اب تو وہ اسے اپنا عاشق، بلکہ شاید اپنا آقا بنانے والی تھی!

"اگر اسے میرے اوپر پورا قابو حاصل ہوگیا تو وہ کیسا کیسا رعب جمائے گا!
خیر کوئی بات نہیں۔ میڈیا کی طرح میں بھی دل میں کہا کروں گی کہ ان تمام خطرات کے
درمیان ابھی میں تو صحیح سالم موجود ہوں۔"

وہ جانتی تھی کہ ژولیاں کے دل میں حسب نسب کی ذرا عزت نہیں۔ اس سے
بھی بری بات یہ کہ شاید اُسے ماتیلد سے کوئی لگاؤ نہ تھا!

اذیت ناک شبہات کے ان آخری لمحوں میں نسائی غرور کے تصورات اس کے
سامنے آموجود ہوئے۔ وہ بے قرار ہو کر بولی۔ "مجھ جیسی لڑکی کے مقدر میں ہر بات
انوکھی ہونی چاہیئے۔" چنانچہ وہ غرور جو اس کے اندر بچپن سے پرورش پا رہا
تھا۔ اب اس کی نیکی سے دست و گریباں ہونے لگا۔ اتنے میں ژولیاں کی روانگی
کا خطرہ لاحق ہوا اور جو بات کل ہونی تھی۔ وہ آج ہو گئی۔

(خوش قسمتی سے اس قسم کے کردار بہت ہی کم دیکھنے میں آتے ہیں)

اُس دن رات گئے ژولیاں کو شرارت جو سوجھی تو اس نے ایک بڑی بھاری

ٹرنک نیچے دربان کی کوٹھڑی میں بھجوا دیا اور ٹرنک لے جانے کے لئے اس خدمت گار کو بلایا جو مادموازیل ولاموُل کی خادمہ سے عشق لڑا رہا تھا۔ وہ دل ہی بولا۔ "ممکن ہے اس حرکت سے کوئی نتیجہ نہ نکلے۔ لیکن اگر یہ ترکیب کارگر ہوئی تو وہ سمجھے گی کہ میں چل دیا۔" ژولیاں اپنی چال بازی پر دل ہی دل میں خوش ہوتا سو گیا۔ ماتیلد کی آنکھ تک نہ جھپکی۔

اگلے دن صبح سویرے ژولیاں گھر سے چل دیا اور اسے کوئی نہ دیکھ بھی نہ سکا مگر وہ آٹھ بجے سے پہلے ہی واپس آ گیا۔

وہ کتب خانے میں پہنچا ہی تھا کہ مادموازیل ولاموُل بھی دہلیز پر نمودار ہوئی۔ اس نے اپنا جوابی خط ماتیلد کو دے دیا۔ اس نے سوچا کہ اس سے بات کرنا میرا فرض ہے۔ کم سے کم شائستگی کا تقاضا یہی ہے۔ لیکن مادموازیل ولاموُل نے اس کی بات ہی نہ سنی اور فوراً چل دی۔ ژولیاں کو بڑی خوشی ہوئی اس کی سمجھ ہی میں نہ آ رہا تھا کہ کہوں کیا۔

"یا تو ماتیلد اور کاؤنٹ نوربیر دونوں مل کر کوئی چال چل رہے ہیں۔ ورنہ پھر ظاہر ہے کہ اس عالی خاندان لڑکی کو جو مجھ سے محبت کرنے کی سوجھی ہے یہ میری بے رُخی کا فیضان ہے۔ اگر میں اس گوری گوری گڑیا کی محبت کے جال میں پھنس گیا تو مجھ سے بڑا بے وقوف کوئی نہ ہوگا۔" ایک تو وہ پہلے ہی پھونک پھونک کر قدم رکھتا تھا۔ لیکن یہ سوچ کر تو اس کی سرد مہری اور مصلحت بینی انتہا کو پہنچ گئی۔

وہ کہنے لگا۔ "اب جنگ کی تیاری ہو رہی ہے۔ اس کے اور میرے درمیان

حسب نسب کا غرور ایک اونچی پہاڑی کی طرح حائل ہوگا اور فوجی مورچے کی حیثیت رکھے گا۔ ساری زور آزمائی وہیں ہوگی۔ میں نے بڑی غلطی کی کہ پیرس میں ٹھیر گیا۔ اگر یہ واقعی محض کھیل ہی کھیل ہے تو میں نے روانگی ملتوی کر کے اپنی وقعت گھٹا دی ہے اور خود اُن کی زد پر آگیا ہوں۔ آخر یہاں سے چلے جانے میں کیا نقصان تھا؟ اگر وہ مجھے بے وقوف بنا رہے ہیں تو میں انہیں بے وقوف بنا رہا تھا۔ اگر مجھ سے مادموازیل کی دلچسپی واقعی سچی ہے تو وہ دلچسپی کو گنا بڑھ جاتی۔"

مادموازیل دلاموَل کے خط سے ژولیاں کے پندار کو ایسی تسکین ملی تھی کہ ان واقعات پر ہنسنے میں اُسے یہ بات بالکل یاد ہی نہ رہی کہ روانگی کے فوائد پر سنجیدگی سے غور تو کر لے۔

اس کے کردار کی ایک کمزوری یہ تھی کہ اُسے اپنی خامیوں کا بڑا احساس رہتا تھا۔ اپنی کمزوری کی اِس نئی مثال سے ژولیاں کو اتنی تکلیف پہنچی کہ وہ بھول ہی گیا کہ اس چھوٹی سی ہزیمت سے ذرا پہلے مجھے ایک زبردست فتح حاصل ہوئی ہے۔ بات یہ ہوئی تھی کہ نو بجے کے قریب مادموازیل دلاموَل کتب خانے کی دہلیز پر آئی اور اس کے سامنے ایک خط پھینک کے بھاگ گئی۔

وہ خط اٹھاتے ہوئے بولا ۔۔۔ "معلوم ہوتا ہے کہ محبت کی یہ کہانی خطوں ہی میں کہی جائے گی۔ دشمن نے غلط چال چلی ہے۔ اب میں سرد مہری اور پاکبازی سے کام لوں گا۔"

خط میں صاف و صریح جواب کا مطالبہ کیا گیا تھا، مگر ایسی اکڑ کے ساتھ کہ

اُسے بڑا مزا آیا اور وہ دل ہی دل میں ہنس پڑا۔ اس کا جی چاہا کہ جو لوگ مجھے بے وقوف بنانے کی فکر میں ہیں۔ اُنہیں اُلجھن میں ڈال دوں۔ اور اس نے دو صفحے کا جواب لکھا۔ دل لگی ہی دل لگی میں اُسے نئی سوجھی اور خط کے آخر میں اس نے اعلان کر دیا کہ میں نے کل صبح روانہ ہو جانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔

خط ختم کر کے اس نے سوچا۔ "باغ ڈاک خانے کا کام دے گا"۔ اور وہ ادھر چل دیا۔ وہاں جا کر اس نے مادموازیل دلامول کے کمرے کی کھڑکی کو سر اٹھا کے دیکھا۔

یہ کمرہ دوسری منزل پر اس کی ماں کے کمرے کے پاس تھا۔ لیکن اس کے نیچے کافی بڑا برآمدہ تھا۔

دوسری منزل اتنی اونچی تھی کہ جب وہ درختوں کی دو رویہ قطار کے نیچے خط ہاتھ میں لئے چل رہا تھا تو ژولیاں مادموازیل دلاموں کی کھڑکی سے نظر نہیں آتا تھا۔ درختوں کی شاخیں ایک دوسری میں بٹی ہوئی تھیں اور ان کی چھت سی بن گئی تھی۔ چنانچہ اوپر سے کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ ژولیاں اپنے اُوپر بگڑنے لگا۔ "لیکن یہ کیا حرکت ہے! پھر وہی ناعاقبت اندیشی! اگر ان لوگوں نے واقعی مجھے اُلو بنانے کا ارادہ کر لیا ہے تو خط ہاتھ میں لے کے پھرنے کے معنی تو یہ ہیں کہ میں دشمن کی مدد کر رہا ہوں"۔

نوربیر کا کمرہ اپنی بہن کے کمرے کے بالکل اُوپر تھا۔ اگر وہ درختوں کی دو رویہ قطار سے باہر نکل آتا تو کاؤنٹ اور اس کے دوست ژولیاں کی ایک ایک

حرکت اچھی طرح دیکھ سکتے تھے۔

مادموازیل دلاَمول اپنی بند کھڑکی کے پیچھے نظر آئی۔ ژولیاں نے اسے خط تھوڑا سا دکھایا۔ اس نے سر جھکا لیا۔ ژولیاں فوراً اپنے کمرے کی طرف لپکا اور اتفاق سے بڑے زینے پر ہی اس کی مڈبھیڑ حسین ماتیلد سے ہوگئی۔ ماتیلد نے ہنستی ہوئی آنکھوں سے بڑے اطمینان کے ساتھ خط جھپٹ لیا۔

ژولیاں دل میں بولا "چھ مہینے کی دوستی کے بعد بھی بچاری مادام دو رینال کا یہ حال تھا کہ جب وہ ہمت کر کے میرے ہاتھ سے خط لیتی تو اس کی آنکھوں سے کیسی محبت ٹپکتی تھی۔ ایسا تو ایک دفعہ بھی نہیں ہوا کہ اس نے مجھے ہنسی کی نظروں سے دیکھا ہو۔"

اپنی باقی رائے تو اس نے خود اپنے دل میں بھی ایسے واضح الفاظ میں بیان نہیں کی۔ شاید اسے اپنے ارادوں کی بے حاصلی پر شرم آ رہی ہو۔ پھر وہ بولا ــــ "لیکن دونوں میں فرق بھی تو کتنا ہے! ماتیلد صبح کو کیسا نفیس گاؤن پہنتی ہے! اس کی شکل صورت ہی سے لطافت ٹپکتی ہے! مادموازیل دلاَمول کو تیس گز دور ہی سے دیکھ کر با مذاق آدمی بتا سکتا ہے کہ وہ کس رتبے کی ہے۔ یہ ایک ایسی خوبی ہے جو روز روشن کی طرح عیاں ہے۔"

ژولیاں ابھی دل لگی میں تھا۔ وہ جو کچھ سوچ رہا تھا۔ اس کا ابھی دل میں بھی اعتراف نہیں کر رہا تھا۔ مادام دو رینال کے پاس کوئی مارکوئس دکروا زنوا جیسا آدمی نہیں تھا جسے اس کی خاطر قربان کر سکتی۔ اُن دنوں ژولیاں کا کوئی رقیب تھا بھی تو وہ منحوس نائب ناظم موسیو شارکو جس نے اپنا نام موژی رون رکھ لیا تھا کیونکہ یہ

خاندان تو ختم ہو ہی چکا تھا۔

پانچ بجے ژدلیاں کو تیسرا خط ملا۔ یہ خط اُس کی طرف کتب خانے کے دروازے میں سے پھینکا گیا تھا۔ مادموازیل ولاموَل پھر اُسی طرح بھاگ گئی۔ وہ ہنستے ہوئے دل میں بولا ——"بات کرنا بالکل آسان ہے، لیکن اسے خط لکھنے کا ہی خبط ہو گیا ہے۔ ظاہر بات ہے۔ دشمن چاہتا ہے کہ میرے قبضے میں آجائیں، اور بہت سے!" اُسے یہ آخری خط کھولنے کی ذرا بھی جلدی نہ تھی۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ وہی نفیس نفیس فقروں کی بھرمار ہوگی۔ لیکن جب خط پڑھا تو اس کا رنگ اُڑ گیا۔ اس میں صرف آٹھ سطریں تھیں۔

"میں آپ سے باتیں کرنا چاہتی ہوں۔ آج رات باتیں ضرور ہونی چاہئیں جب ایک بجے تو باغ میں پہنچ جائیے۔ کنوئیں کے پاس سے مالی کی سیڑھی اٹھا کر میری کھڑکی سے لگائیے اور میرے کمرے میں آجائیے رات کو چاندنی ہوگی، مگر کوئی بات نہیں۔"

پندرھواں باب

کیا یہ سازش ہے؟

آہ! کسی بڑے کام کا ارادہ کرنے اور اسے عمل میں لانے کا درمیانی وقفہ کتنا خوفناک ہوتا ہے! کیسے کیسے مہمل خوف پیدا ہوتے ہیں ہمت کس طرح جواب دے جاتی ہے! ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے زندگی داؤ پر لگا دی ہے، بلکہ زندگی سے بھی بڑی چیز — یعنی عزت۔

شلر

ژولیاں سوچنے لگا — "اب تو معاملہ سنگین ہو چلا۔" پھر تھوڑی دیر غور کرنے کے بعد بولا: "اب بات کچھ صاف بھی ہوتی جا رہی ہے۔ آخر یہ حسینۂ طناز مجھ سے کتب خانے میں بھی تو بات کر سکتی ہے۔ خدا کے فضل سے یہاں ہر طرح کی آزادی ہے۔ مارکوئس یہاں اس ڈر کے مارے نہیں آتا کہ میں حساب کتاب دکھا کر اسے پریشان نہ کروں۔ یہاں صرف دو ہی آدمی داخل ہوتے

ہیں۔ مسیو دلاموں اور کاؤنٹ نوربیر، اور وہ قریب قریب دن بھر غائب رہتے
ہیں۔ اس بات کی نگرانی بھی آسان ہے کہ وہ کس وقت گھر واپس آتے ہیں۔
اس کے باوجود عالی جناب ماتیلد جو شاہی محلوں میں راج کرنے کے لائق ہیں
یہ چاہتی ہیں کہ مجھ سے کوئی سخت حماقت سرزد ہو!

"بالکل صاف بات ہے۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ میں برباد ہو کے رہ جاؤں
یا کم سے کم اُلّو تو بن ہی جاؤں۔ پہلے تو انہوں نے کوشش کی کہ میرے ہی
خطوں کے ذریعے میری جڑ کھود دیں۔ لیکن میں نے خط بڑی احتیاط سے لکھے
اچھا، اب یہ لوگ مجھ سے کوئی ایسی بات کرانا چاہتے ہیں جو روزِ روشن کی طرح
عیاں ہو۔ یہ حضرات سمجھتے ہیں کہ میں بڑا سادہ لوح یا بڑا خود پسند ہوں۔
خدا ان سے سمجھے! کیا بات کہی ہے! چاندنی سے دن نکلا ہوا اور سیڑھی
پہ چڑھ کے زمین سے پچیس فٹ اُوپر دوسری منزل پہ پہنچنا! اتنی دیر میں تو
مجھے آس پاس والے بھی دیکھ لیں گے۔ اپنی سیڑھی پہ چڑھتا ہوا میں کیسا اچھا
لگوں گا!" ژولیاں نے اپنے کمرے میں جا کر سامان باندھنا شروع کر دیا۔
اور ساتھ ساتھ سیٹی بجانے لگا۔ اس نے ارادہ کر لیا تھا کہ اب یہاں سے چل
دوں گا اور خط کا جواب تک نہیں دوں گا۔

لیکن اس دانش مندانہ ارادے نے اس کے دل کو ذرا بھی تسکین نہیں
دی۔ اپنا ٹرنک بند کرتے ہی وہ ایک دم سے بولا "لیکن فرض کرو کہ ماتیلد
سچی ہوئی! پھر تو وہ مجھے نرا بزدل سمجھے گی۔ میں کسی بڑے خاندان کا تو ہوں
نہیں۔ مجھ میں تو ذاتی خوبیاں ہونی چاہئیں اور وہ بھی نقدا نقد۔ دل خوش

کرنے والے مفروضات سے کام نہیں چلے گا۔ مجھے تو ایسے کارنامے سرانجام دینے پڑیں گے جو زبانِ حال سے میری خوبیوں کا اعلان کریں۔ . . "

وہ پندرہ منٹ تک کمرے میں اِدھر سے اُدھر ٹہلتا رہا، اور آخر دل میں بولا ــ "انکار کرنے سے کیا فائدہ ؟ میں اُس کی نظروں میں بزدل قرار پاؤں گا۔ ایک تو اُونچے طبقے کی سب سے شاندار لڑکی میرے ہاتھ سے جائے گی (ڈیوک، وزتیز کے یہاں ناچ میں ہر آدمی اس کی اتنی ہی تعریف کر رہا تھا) دوسرے میں اس تماشے کی آسمانی لذّت سے محروم رہ جاؤں گا کہ وہ میری خاطر مارکوئس دکروا زنوا کو قربان کردے۔ اس میں وہ تمام صفات موجود ہیں جو مجھ میں نہیں، حاضر جوابی، شرافت، مال و دولت . . . .

"یہ رنج عمر بھر میرا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔ ماتیلد کی وجہ سے نہیں، محبوبائیں تو بے شمار مل جائیں گی بلکہ جیسا بڈّھے ڈون ڈیگو نے کہا ہے۔ عزت ایک دفعہ جاکے پھر نہیں آتی۔ میں پہلی دفعہ خطرے سے دوچار ہوا ہوں اور صاف و صریح طور سے جان چرا رہا ہوں۔ کیونکہ وہ موسیو دبووازی کے ساتھ ڈوئیل تو محض ایک مذاق تھا۔ یہ بات بالکل الگ ہے۔ ممکن ہے کوئی ملازم سیدھے بندوق اٹھاکے میرے گولی مار دے۔ لیکن یہ خطرہ تو کچھ بھی نہیں۔ ممکن ہے مجھے اپنی عزت ہی سے ہاتھ دھونے پڑیں۔"

"معاملہ سنگین ہوتا جا رہا ہے دوست!" اب وہ ذرا خوش طبعی کے ساتھ بولا "یہ عزت کا سوال ہے۔ قسمت نے مجھے ان حالوں کو پہنچا رکھا ہے۔ مجھ جیسے چھچھورے آدمی کو ایسا موقع پھر نہیں ملے گا۔ یوں معاشقے تو پھر بھی ہوں گے، مگر ردّی

قسم کے....."

وہ بڑی دیر تک سوچتا رہا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا کمرے میں ادھر سے اُدھر ٹہل رہا تھا اور کبھی کبھی ایک دم سے رُک بھی جاتا تھا۔ اس کے کمرے میں کارڈینل رشلو کا ایک بڑا شاندار سنگِ مرمر کا مجسّمہ رکھا تھا۔ اس کی نظریں بار بار مجسّمے کی طرف جاتی تھیں۔ لیمپ کی روشنی میں یہ مجسّمہ اُس کی طرف سخت نظروں سے گھورتا معلوم ہو رہا تھا جیسے ژولیاں کو ملامت کر رہا ہو کہ تم میں وہ جسارت نہیں ہے جو فرانسیسی کردار میں فطری طور پر ہونی چاہیئے" اے عظیم انسان! تیرے زمانے میں کیا مجھے ذرا بھی ہچکچاہٹ ہوتی"؟

آخر وہ کہنے لگا: "اچھا چلو یہی فرض کر لو کہ یہ سازش ہے۔ لیکن ایک نوجوان لڑکی کے لئے یہ بات کتنی نامناسب ہے اور اس میں بدنامی کا خطرہ کتنا ہے۔ وہ لوگ جانتے ہیں کہ میں چُپ رہنے والا آدمی نہیں۔ چنانچہ اُنھیں تو مجھے جان ہی سے مارنا پڑے گا۔ یہ بات ۱۵۷۴ء یعنی بونی فاس دلامول کے زمانے میں تو ٹھیک تھی۔ لیکن آج کل کسی لامول کو اتنی ہمّت نہیں پڑ سکتی۔ اب یہ لوگ ویسے نہیں رہے جیسے پہلے تھے۔ مادموازیل دلامول سے ہر آدمی جلتا ہے اگلے ہی دن چار سو دیوان خانوں میں اُس کی ذلّت کا ڈھنڈورا پٹ جائے گا۔ اور لوگ خوشی کے مارے تالیاں بجائیں گے!

"میرے اوپر جو خاص عنایت ہو رہی ہے۔ ملازموں میں بھی اس کا چرچا ہے مجھے معلوم ہے، میں نے اپنے کانوں سے سُنا ہے....

"مگر دوسری طرف اس کے خط ہیں!... ممکن ہے وہ لوگ سمجھیں کہ خط میری

جیب میں ہیں۔ ماتیلد کے کمرے میں وہ مجھ پر ایک دم سے آپڑیں گے اور خط چھین لے جائیں گے۔ خدا جانے مجھے دو یا تین یا چار یا کتنے آدمیوں سے سلٹنا پڑے۔ مگر انھیں یہ آدمی ملیں گے کہاں سے؟ ایسے محتاط ملازم پیرس میں ہیں کہاں؟ سب قانون سے ڈرتے ہیں۔ . . . اوہو! کے لو، کرو آزنو، دکوز خود آجائیں گے۔ وہ اس خیال سے دوڑے دوڑے چلے آئیں گے کہ اچھا تماشہ رہے گا۔ اور میں اُن کے درمیان اُلّو سا لگوں گا۔ جناب سکرٹری صاحب، ابیلار کا جو حشر ہُوا تھا۔ ذرا وہ یاد رہے!

"خیر، کوئی بات نہیں ہے جناب۔ مارے گھونسوں کے مُنہ نہ توڑ دوں تو میرا نام بدل دیجئے گا۔ میں ساری مار مُنہ پر ہی لگاؤں گا جیسے فارسیلیا میں سیزر کے سپاہیوں نے کیا تھا۔ . . رہے دو خط، تو انہیں میں کسی محفوظ جگہ پہنچا دوں گا۔"

ژولیاں نے ان آخری دو خطوں کی نقل کر کے انہیں کتب خانے کے اندر ہی والتیئر کی ایک کتاب میں چھپا دیا۔ اور اصلی خط جا کے ڈاک میں ڈال آیا۔ جب وہ لوٹا تو بڑے تعجب اور خوف کے ساتھ بولا "میں بھی کیا دیوانہ پن کر رہا ہوں"۔ پچھلے پندرہ منٹ سے آج رات والی مُہم کے بارے میں اس نے سوچا ہی نہ تھا۔

"لیکن اگر میں نے انکار کر دیا تو ہمیشہ اپنے آپ سے نفرت کرتا رہوں گا۔ اس مُہم کے بارے میں عمر بھر مجھے شک ہی رہے گا اور مجھے کسی بات سے اتنی اذیت نہیں پہنچتی جتنی اس قسم کے شک سے۔ کیا اماں دا کے عاشق کے سلسلے میں بھی ایسا ہی نہیں ہُوا؟ میں سمجھتا ہوں کہ اگر مجھ سے صاف صاف کوئی جُرم سرزد ہو

تو میں اپنے آپ کو آسانی سے معاف کر دوں۔ ایک دفعہ جُرم کا اعتراف کر لینے کے بعد مجھے اس کا خیال ہی نہ آئے۔

"ہیں، یہ کیا ہو رہا ہے! قسمت تو مجھ پر اتنی مہربان ہے کہ مجھے پستی سے نکال کر ایک ایسے آدمی کا رقیب بنایا ہے۔ جس کا خاندان فرانس کے سب سے بڑے خاندانوں میں سے ہے اور میں بڑی بے فکری سے یہ ثابت کرنے والا ہوں کہ میں اس کے برابر کا نہیں! اگر میں نہ گیا تو واقعی بزدلی کی بات ہوگی۔ بس اب فیصلہ ہو گیا۔" ژولیاں ایک دم سے اٹھ کھڑا ہوا۔ "پھر وہ حسین کتنی ہے!"

"اگر اس کا ارادہ بے ایمانی کا نہیں ہے تو وہ میری خاطر بڑی بے وقوفی پر اُتر آئی ہے!..... اگر یہ محض مجھے اُلجھن میں ڈالنے کی کوشش ہو رہی ہے تو جناب، یہ بات میرے ہاتھ ہے کہ اس مذاق کو سنگین معاملہ بنا دوں اور میں کروں گا بھی یہی۔

"لیکن یہ بھی تو ممکن ہے کہ جب میں کمرے میں داخل ہوں تو وہ میری مشکیں کس لیں۔ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے کوئی ایسی عجیب مشین لگا رکھی ہو!

"یہ تو اچھی خاصی ڈوئیل ہو رہی ہے۔" وہ ہنس کے بولا۔ "میرا شمشیر زنی کا استاد کہتا ہے کہ ہر وار کی ایک کاٹ موجود ہے۔ لیکن خدا کی یہی مرضی ہے کہ ہر چیز ختم ضرور ہو۔ چنانچہ اس کے حکم سے ایک لڑنے والا وار کو روکنا بھول جاتا ہے۔ بہر حال میرے پاس اُن کا جواب تیار رہے۔" اس نے جیب سے پستول نکالے اور حالانکہ وہ بھرے ہوئے تھے۔ لیکن اُن میں پھر سے نئی گولیاں ڈالیں۔

ابھی کئی گھنٹے انتظار کرنا تھا۔ کسی نہ کسی طرح مشغول رہنے کے لئے ژولیاں

نے فوکے کو خط لکھ ڈالا۔ "عزیز دوست، میں ایک خط اس کے ساتھ ہی بھیج رہا ہوں۔ اسے صرف اس وقت کھولنا کہ جب کوئی حادثہ ہو جائے اور میرے بارے میں کوئی بُری خبر سننے میں آئے۔ میں جو مسودہ بھیج رہا ہوں اس میں سے نام تو نکال ڈالنا اور آٹھ نقلیں کر کے مارتے ای، بوردو، لی آون، بروتیلز وغیرہ کے اخباروں کو بھیج دینا۔ دس دن بعد مسودے کو چھپوا کر ایک پرچہ تو مارکوئس دلاموَل کے نام بھیجنا اور اس کے پندرہ دن بعد باقی پرچے رات کے وقت وریئر کی سڑکوں پر بکھیر دینا۔"

یہ مسودہ جو فوکے صرف حادثے کی صورت میں کھولتا ایک مختصر صفائی نامہ تھا جو قصّے کی شکل میں لکھا گیا تھا۔ ژولیاں نے کوشش کی تھی کہ جہاں تک ہو سکے مادموازیل دلاموَل پر حرف نہ آئے۔ تاہم ژولیاں کی حیثیت بالکل واضح ہو گئی تھی۔

اس نے لفافہ بند کیا ہی تھا کہ رات کے کھانے کی گھنٹی بجی۔ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اس کا تخیّل اس قصّے میں اُلجھا ہوا تھا جو اس نے ابھی لکھ کر ختم کیا تھا۔ اور اسے طرح طرح کے ڈراؤنے خواب نظر آ رہے تھے۔ اس نے دیکھا کہ ملازموں نے اسے پکڑ کے گلے میں پھندا ڈال دیا ہے۔ اور مُنہ میں کپڑا ٹھونس کے تہ خانے میں لے گئے ہیں۔ وہاں ایک آدمی اس کی نگرانی کو بیٹھ گیا ہے۔ اگر اس نوابی خاندان کی عزّت کا یہی تقاضا ہوا۔ کہ قصّے کا انجام المیہ ہو تو ایسے زہر بھی موجود ہیں جن کے اثر کا پتا بھی نہیں چلتا۔ اور معاملہ وہیں کے وہیں ختم کر دینا بالکل آسان ہے۔ پھر وہ لوگ کہہ دیں گے کہ یہ تو اپنی موت مرا ہے اور اس کی لاش

اُس کے کمرے میں پہنچا دیں گے۔

جیسے کسی ڈراما نگار کو خود اپنی لکھی ہوئی کہانی پر یقین آجاتا ہے۔ یہی حال ژولیاں کا ہُوا۔ جب وہ کھانے کے کمرے میں داخل ہُوا تو اسے واقعی ڈر لگ رہا تھا۔ اس نے سب ملازموں کو جو وردی ڈانٹے کھڑے تھے۔ بڑے غور سے دیکھا اور اُن کے چہروں کا بخوبی جائزہ لیا۔ وہ دل میں بولا — "آج رات والی مہم کے لیئے ان میں سے کون کون چُنا گیا ہے ؟ اس خاندان کے ذہن میں آں رِی سوم کے دربار کی یادیں بالکل تازہ ہیں اور وہ داستانیں اکثر بیان ہوتی رہتی ہیں۔ اگر انھوں نے سمجھا کہ ہماری بے عزتی ہُوئی ہے تو اپنے ہم رُتبہ دوسرے لوگوں کی بہ نسبت ان کا فیصلہ زیادہ ناطق ہوگا۔"

ژولیاں نے مادموازیل دلاموَل کی طرف دیکھا اور اس کی نظر دل سے اس کے خاندان کی تجاویز معلوم کرنی چاہیں۔ وہ بالکل زرد ہو رہی تھی۔ ژولیاں نے سوچا کہ یہ تو ازمنۂ وسطیٰ کی عورتوں کی طرح لگ رہی ہے مانتیلد اسے اتنی شاندار کبھی نہیں معلوم ہوئی تھی۔ واقعی وہ بڑی حسین تھی۔ اور اسے دیکھ کر رعب سا پڑتا تھا۔ وہ اسے دل دے بیٹھا اور کہنے لگا۔ "چہرے کی زردی بتا رہی ہے کہ معاملہ بے ڈھب ہے۔"

کھانے کے بعد وہ دیر تک باغ میں ٹہلا کیا۔ مگر بے سود۔ مادموازیل دلاموَل باہر ہی نہ نکلی۔ اگر اس سے بات کرنے کا موقع مل جاتا تو ژولیاں کے دل پر سے بہت بڑا بوجھ اُتر جاتا۔

اب اعتراف ہی کیوں نہ کرلیا جائے کہ اسے ڈر لگ رہا تھا۔ چونکہ عمل کا پکا ارادہ تو وہ کر ہی چکا تھا۔ اس لئے ژولیاں کو اس جذبے کے سامنے سپر ڈالتے ہوئے کوئی شرم نہ آئی۔ وہ دل میں بولا ــ "اصل چیز تو یہ ہے کہ عمل کے وقت مجھ میں ہمت ہونی چاہیئے۔ اس وقت میرا کچھ بھی حال ہو، اس سے کیا؟" اس نے جا کے مورچے کا معائنہ کیا اور سیڑھی اٹھا کر اس کے وزن کا اندازہ لگایا۔

اس نے قہقہہ لگا کر کہا ــ "میری قسمت ہی میں لکھا ہے کہ یہی آلہ میرے کام آئے گا۔ وریئیر میں بھی یہی ہوا تھا۔ یہاں بھی یہی ہو رہا ہے۔ مگر دونوں میں فرق کتنا ہے!" وہ آہ بھر کے بولا "وہاں میں جس عورت کی خاطر اپنے آپ کو خطرے میں ڈال رہا تھا۔ مجھے اس پر شک کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اور ان دونوں خطروں میں بھی بڑا فرق ہے!

"اگر میں موسیو درینال کے باغ میں گولی سے مارا جاتا تو میرے نام پہ کوئی حرف نہ آتا۔ یہ بات بڑی آسانی سے مشہور کی جا سکتی تھی کہ میری موت کا سبب معلوم نہ ہو سکا۔ یہاں دشولن، دکےلو، درتیز کے محلوں میں، بلکہ ہر جگہ کیسے کیسے مکروہ افسانے تراشے جائیں گے۔ آئندہ نسلوں کے سامنے مجھے ایک جانور بنا کے پیش کیا جائے گا۔"

"یعنی دو تین سال تک!" اس نے خود اپنے اوپر ہنستے ہوئے کہا۔ لیکن اس خیال نے اسے بڑا رنج پہنچایا۔ "اور میں؟ میری طرف سے کون صفائی پیش کرے گا؟ فرض کرو کہ میرے مرنے کے بعد فوکے نے میرا

مسودہ چھاپ بھی دیا۔ تو یہ ایک اور بے آبروئی کی بات ہوگی۔ مجھے بڑی عزت سے ایک گھر میں رکھا گیا۔ میری خاطرداریاں ہوئیں، ہر طرح کی نوازشیں ہوئیں۔ اور میں نے یہ بدلہ دیا کہ گھر کا سارا حال چھاپ مارا! اپنے سرپرستوں کے ناموس پر حملہ کیا! اس سے تو ہزار گنا بہتر ہے کہ میں لوگوں کے جال میں پھنس ہی جاؤں!؟

یہ شام بڑے عذاب میں گزری۔

سولھواں باب

رات کے ایک بجے

یہ باغ بہت زبردست تھا اور چند ہی سال ہوئے بڑی خوش مذاقی
سے ترتیب دیا گیا تھا۔ لیکن درخت سو سال سے بھی پرانے تھے
وہاں کچھ دیہات کی سی فضا تھی۔

میسنگر

وہ فوکے کو خط لکھ کر اپنی پہلی ہدایات منسوخ کرنے ہی والا تھا کہ گھڑی نے
گیارہ بجائے۔ وہ اپنے کمرے سے نکل آیا اور دروازہ بند کر کے تالے میں زور
سے کنجی گھمائی جیسے اندر سے تالا لگا رہا ہو۔ وہ دبے پاؤں سارے گھر میں یہ
دیکھتا پھرا کہ ہر جگہ کیا ہو رہا ہے خصوصاً چوتھی منزل پر کوٹھریوں میں جہاں ملازم
ہوتے تھے۔ کہیں بھی کوئی غیر معمولی بات نہ تھی۔ مادام دلامول کی ایک خادمہ نے
آج ایک دعوت کر رکھی تھی۔ ملازم شراب پی پی کے رنگ رلیاں منا رہے تھے۔
ژولیاں نے سوچا۔ "جو لوگ اس طرح ہنس رہے ہیں۔ انھیں رات کی مہم
سپرد نہیں ہوتی ہو گی۔ ان لوگوں کو تو ذرا سنجیدہ ہونا چاہیئے۔"

آخر باغ کے ایک اندھیرے سے کونے میں جا کے کھڑا ہو گیا۔

"اگر ان لوگوں کی تجویز یہ ہے کہ گھر کے ملازموں کو پتا نہ چلنے پائے۔ تو جن آدمیوں کو کرائے پر بلوایا ہے وہ مجھے پکڑنے کے لیے باغ کی دیوار کے اوپر سے آئیں گے۔

"اگر موسیو دکرواز نوا نے سارے معاملے پر ٹھنڈے دل سے غور کیا ہے۔ تو اس نے یہ بات ضرور سوچی ہوگی کہ وہ جس دوشیزہ سے شادی کرنا چاہتا ہے اگر اس کے کمرے میں داخل ہونے سے پہلے ہی مجھے پکڑ لیا تو اس میں اس کی بدنامی ذرا کم ہوگی۔"

اس نے بڑی احتیاط سے فوجیوں کی طرح ساری جگہ کا جائزہ لیا۔ وہ سوچنے لگا ــــ "یہاں میری عزت کا سوال ہے۔ اگر مجھ سے کوئی غلطی سرزد ہوئی، تو خود میری نظروں میں یہ عذر درست نہیں ہوگا کہ میں نے یہ بات سوچی ہی نہ تھی۔"

آسمان اتنا صاف تھا کہ اسے دیکھ دیکھ کر ژولیاں پاگل ہُوا جا رہا تھا۔ گیارہ بجے چاند نکل آیا تھا۔ ساڑھے بارہ بجے باغ کے مکان کے سامنے والے حصے میں خوب چاندنی پھیل گئی۔

ژولیاں دل میں بولا ــــ "یہ لڑکی تو پاگل ہو گئی ہے۔" جب ایک بجا تو کاؤنٹ نور بیر کی کھڑکی میں ابھی تک روشنی نظر آرہی تھی۔ ژولیاں کو آج تک اتنا ڈر کبھی نہیں لگا تھا۔ اس کے دل میں جوش کا پتا بھی نہیں تھا بس خطرے ہی خطرے دکھائی دے رہے تھے۔

وہ سیڑھی لینے چل دیا اور پانچ منٹ اس انتظار میں رہا کہ شاید پہلا حکم منسوخ ہو جائے۔ ایک بج کے پانچ منٹ ہوئے تو اس نے سیڑھی ماتیلد کی کھڑکی سے لگا کے رکھ دی اور پستول ہاتھ میں لئے آہستہ آہستہ اوپر چڑھنے لگا اُسے تعجب ہو رہا تھا کہ ابھی تک حملہ نہیں ہوا۔ جب وہ کھڑکی تک پہنچ گیا۔ تو ماتیلد نے چپکے سے کواڑ کھول دیئے۔

"اچھا، تو آپ آ گئے!" ماتیلد کے لہجے میں بڑا گداز تھا۔ "میں گھنٹے بھر سے آپ کو کھڑی دیکھ رہی ہوں۔"

ژولیاں بالکل بوکھلا گیا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ اب کیا رویہ اختیار کروں۔ محبت کا تو اُس کے دل میں نشان تک نہ تھا۔ اپنی بوکھلاہٹ میں اس نے فیصلہ کیا کہ مجھے ہمت سے کام لینا چاہیئے اور ماتیلد کو گلے سے لگانا چاہا۔

"ہائیں، آپ کیا کر رہے ہیں!" وہ اسے پیچھے ہٹاتے ہوئے بولی۔

ماتیلد کے اس سلوک سے ژولیاں کو خاصی راحت ملی اور اس نے جلدی سے کمرے میں چاروں طرف نظر ڈالی۔ چاندنی اتنی صاف تھی کہ مادموازیل دلاموال کے کمرے میں جو سائے پڑ رہے تھے وہ بالکل کالے تھے۔ وہ سوچنے لگا ---- "ممکن ہے لوگ چھپے بیٹھے ہوں اور مجھے دکھائی نہ دے رہے ہوں۔"

"آپ کے کوٹ کی جیب میں کیا ہے؟" ماتیلد نے پوچھا۔ وہ خوش تھی کہ بات کرنے کے لئے کوئی موضوع تو ملا۔ اسے ایک عجب سی تکلیف ہو رہی تھی۔ کسی بڑے خاندان کی نوجوان لڑکی میں فطری طور پر جو رکھ رکھاؤ اور حجاب ہونا چاہیئے وہ پھر اُس پر غالب آ گیا تھا اور اسے اذیت پہنچا رہا تھا۔

"ہر طرح کے ہتھیار اور پستول ہیں"۔ ژولیاں نے جواب دیا۔ کہنے کی ایک بات ملی تو اُسے بھی اتنی ہی خوشی ہوئی۔

"سیڑھی کو زمین پر ڈال دیجئے"۔ ماتیلد نے کہا۔

"بہت بڑی ہے۔ نیچے والے کمرے یا برآمدے کی کھڑکیاں ٹوٹ جائیں گی"۔

"نہیں، کھڑکیاں نہیں ٹوٹنی چاہئیں"۔ ماتیلد نے عام گفتگو کا سا لب و لہجہ اختیار کرنا چاہا۔ مگر نہ ہو سکا۔ "میرا تو خیال ہے کہ اوپر والے ڈنڈے میں رسّی باندھ کر سیڑھی نیچے اتار دیجئے۔ میں ہمیشہ اپنے پاس بہت سی رسیاں رکھتی ہوں"!

"اور سنیئے، اس عورت کو محبّت ہے"۔ ژولیاں دل میں کہنے لگا۔ "اس کی دیدہ دلیری دیکھئے، کہتی ہے مجھے محبت ہے! اس نے کیسے ٹھنڈے دل سے غور کیا ہے، کس احتیاط اور عقلمندی سے پیش بندیاں کی ہیں۔ اس سے صاف پتا چلتا ہے کہ میں نے موسیو دکروازنوا پر فتح نہیں پائی جیسا میں اپنی بے وقوفی میں سمجھا تھا بلکہ میں تو صرف اس کا جانشین بن رہا ہوں۔ خیر! اس سے ہوتا ہی کیا ہے؟ مجھے محبّت تھوڑی ہی ہے! میں نے مارکوئس پر ان معنوں میں فتح پائی ہے کہ اس کا ایک جانشین پیدا ہو جائے گا تو اسے بہت بُرا لگے گا۔ خصوصاً اس وجہ سے کہ یہ جانشین اور بھی کوئی نہیں میں ہوں۔ رات کیفے تورتونی میں وہ کس بدتمیزی سے مجھے گھورتا رہا اور ایسا بن گیا جیسے مجھے جانتا ہی نہ ہو! پھر جب کوئی چارہ ہی نہ رہا تو مجھے کیسی خفگی کے ساتھ سلام

کیا ہے!"

ژولیاں نے سیڑھی کے اوپر والے ڈنڈے میں رسّی باندھ لی تھی۔ اب وہ بالکنی پر آگے کو جھک کے اسے آہستہ آہستہ نیچے اتارنے لگا۔ تاکہ کھڑکی میں نہ لگے۔ وہ دل میں بولا۔" اگر ماتیلد کے کمرے میں کوئی چھپا بیٹھا ہے تو اس وقت مجھے قتل کرنے کا اچھا موقع ہے۔"

لیکن ہر طرف گہری خاموشی چھائی رہی۔

سیڑھی زمین پر پہنچ گئی۔ دیوار کے ساتھ ساتھ جو جنگلی پھولوں کی کیاری تھی۔ ژولیاں نے اسے وہاں چھپا دیا۔

ماتیلد بولی ——" والدہ جب اپنے خوبصورت پودوں کو کچلا ہوا دیکھیں گی تو کیا کہیں گی!" پھر وہ بڑے اطمینان سے کہنے لگی۔" رسّی نیچے پھینک دیجیے۔ اگر کسی نے اسے لٹکتے دیکھ لیا تو بہانہ بنانا مشکل ہو جائے گا۔"

" اور میں کیسے واپس جاؤں گا؟" ژولیاں نے سنسوڑین کے ساتھ لہجہ بگاڑ کے پوچھا۔

" آپ دروازے سے جائیں گے۔" یہ حل نکل آیا۔ تو ماتیلد بہت خوش ہوئی۔

وہ دل میں بولی ——" آہ! یہ شخص میری محبت کا کتنا مستحق ہے!"

ژولیاں نے رسّی نیچے باغ میں پھینکی ہی تھی کہ ماتیلد نے اس کا بازو پکڑ لیا وہ سمجھا کہ دشمن نے آ لیا اور خنجر کھینچ کے فوراً پیچھے کی طرف مڑا۔ ماتیلد کو خیال ہوا کہ کہیں سے کھڑکی کھلنے کی آواز آئی ہے۔ انہوں نے سانس روک لیا اور

بالکل چُپ کھڑے ہو گئے۔ چاند کی روشنی ٹھیک اُن کے اُوپر پڑ رہی تھی جب آواز دوبارہ نہ آئی تو پھر گھبرانے کی کوئی بات نہ رہی۔

بوکھلاہٹ پھر شروع ہو گئی اور دونوں کا ایک سا ہی حال بن گیا۔ زولیاں نے دروازے کے پاس جا کے دیکھا کہ ساری چٹخنیاں لگی ہوئی ہیں یا نہیں۔ اُسے تو یہ بھی خیال آیا کہ مسہری کے نیچے جھانک کے دیکھ لوں مگر ہمت نہ پڑی۔ ممکن تھا کہ وہاں دو ایک خدمتگار چھپا رکھے ہوں۔ پھر سوچا کہ بعد میں میری دُور اندیشی مجھے ملامت ہی کرتی رہے گی اور اس نے جھانک کے دیکھ ہی لیا۔

ماتیلد کو اپنی انتہائی شرم و حیا کی بدولت ایک عذاب سہنا پڑ رہا تھا۔ اپنے آپ کو اس کیفیت میں دیکھ کر اُس کے ہوش اڑے جا رہے تھے۔

آخر وہ کہنے لگی: "آپ نے میرے خطوں کا کیا کیا؟"

زولیاں نے سوچا۔ "اگر یہ لوگ یہاں کہیں چھُپے سُن رہے ہیں تو انہیں ہراساں کرنے اور لڑائی جھگڑے سے بچنے کا اچھا موقع ہے!"

"پہلا خط تو ایک موٹی سی انجیل کے اندر ہے جسے کل رات ڈاک گاڑی یہاں سے بہت دور لے بھی گئی۔"

یہ تفصیلات بتلاتے ہوئے وہ بالکل صاف صاف اور اس انداز سے بولا کہ اگر ان دو بڑی بڑی الماریوں میں جن کا جائزہ لینے کی اُسے ہمت نہ ہوئی تھی کوئی چھُپا بیٹھا ہو تو وہ بھی سُن لے۔

"باقی دو خط بھی ڈاک میں ہیں اور اسی طرف جا رہے ہیں جہاں پہلا خط گیا ہے۔"

"توبہ! اتنی احتیاط کی ضرورت کیوں پیش آئی؟" ماتیلد حیران ہو کر بولی۔

ژولیاں نے سوچا "آخر اس سے کیوں جھوٹ بولوں؟" اور اس نے اپنے تمام شکوک و شبہات کا اعتراف کر لیا۔

"اچھا، خطوں میں تم نے جو رکھائی برتی ہے۔ اس کی یہی وجہ ہے!" ماتیلد پیار کے نہیں بلکہ سرستی کے لہجے میں بولی۔

ژولیاں کو لہجے کی تبدیلی کا احساس ہی نہ ہوا۔ مگر "آپ" کے بجائے "تم" سن کر وہ ہوش و حواس کھو بیٹھا۔ ورنہ کم سے کم اس کے شبہات تو دور ہو ہی گئے۔ خود اس کی نظروں میں اپنی وقعت بڑھ گئی۔ اس نے ہمت کر کے اس لڑکی کو بازوؤں میں بھینچ لیا جو اتنی حسین تھی اور جسے دیکھ کر اس کے دل میں اتنی عزت پیدا ہوتی تھی۔ اب کے اسے پیچھے تو ہٹا یا گیا، مگر یونہی سا۔

جیسے بہت دن پہلے بساں سوں میں اماں دا بینے کے ساتھ ہوا تھا۔ اس نے پھر اپنے حافظے سے کام لیا اور روسو کے ناول "نو ویل ایلوایز" میں سے کئی اچھے اچھے ٹکڑے سنا ڈالے۔

وہ اس کی باتیں سنی ان سنی کر کے بولی "تم نے واقعی مرد کا دل پایا ہے! لو میں بتلائے دیتی ہوں۔ میں دراصل تمہاری بہادری کا امتحان لینا چاہتی تھی پہلے تو تم دبدھا میں پڑ گئے۔ پھر یہاں آنے کا پکا ارادہ کر لیا۔ یہ حال سن کر تو پتا چلا کہ میں جتنا سمجھ رہی تھی۔ تم اس سے بھی زیادہ ہمت والے ہو۔"

ماتیلد "تم" کہہ کر بولنے میں خاص اہتمام برت رہی تھی۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ وہ جو کچھ کہہ رہی ہے اس کا ماتیلد کو اتنا خیال نہیں جتنا اس غیر معمولی اندازِ تخاطب

کا ہے۔ لیکن اس "تم" کے باوجود لہجے میں کوئی پیار نہ تھا۔ چنانچہ لمحے بھر کے بعد ہی اس بات میں ژولیاں کے لئے کوئی مزا نہ رہا۔ اُسے تعجب ہو رہا تھا کہ ہم دونوں میں خوشی کے آثار بالکل نظر نہیں آتے۔ آخر خوشی محسوس کرنے کے لئے اُسے اپنی عقل سے مدد مانگنی پڑی۔ اس نے دیکھا کہ یہ لڑکی جو اتنی مغرور ہے اور جو اگر مگر لگائے بغیر کسی کی تعریف نہیں کرتی۔ میری دل سے قدردان ہے۔ اس دلیل کے ذریعے اس نے اپنے پندار کی تسکین کر لی۔

یہ سچ ہے کہ اس وقت اُسے وہ روحانی لذت حاصل نہیں ہو سکی جو بعض دفعہ مادام دریناں کے ساتھ مل جایا کرتی تھی۔ ان دونوں باتوں میں کتنا فرق تھا! یہ محبت کے ابتدائی لمحے تھے۔ مگر اس کے جذبات میں نرمی اور گداز نام کو نہ تھا۔ اسے جو خوشی تھی وہ اپنے حوصلے پورے ہونے کی تھی اور ژولیاں میں حوصلہ مندی ہی سب چیزوں پر غالب تھی۔ وہ پھر یہی باتیں کرنے لگا کہ مجھے کن کن آدمیوں پر شبہ تھا اور میں نے کیا کیا پیش بندیاں کی تھیں۔ باتیں کرتے ہوئے وہ سوچتا جا رہا تھا کہ اپنی اس فتح سے کس طرح فائدہ اٹھاؤں۔

ماتیلد ابھی تک بوکھلائی ہوئی تھی اور ایسی لگ رہی تھی جیسے اپنی حرکت پر مبہوت ہو کے رہ گئی ہو۔ گفتگو کا ایک موضوع ہاتھ آیا تو وہ کھل اٹھی۔ اب اُن دونوں میں یہ باتیں ہونے لگیں کہ دوبارہ کیسے ملیں گے۔ ژولیاں نے اپنی ذہانت اور دلاوری سے پورا کام لیا اور اس گفتگو کے دوران میں ان خوبیوں کے نئے نئے ثبوت فراہم کئے۔ اُن کا سابقہ کئی بہت ہی تیز اور دوربین لوگوں سے تھا۔ اس میں تو کوئی شبہ ہی نہ تھا کہ نوجوان تاں بو جاسوسی کرتا ہے لیکن

ماتیلد اور ژولیاں بھی ایسے گئے گزرے نہ تھے۔

اس سے آسان بات کیا ہوسکتی تھی کہ وہ دونوں کتب خانے میں ملیں، اور سارا معاملہ طے کرلیں؟

"میں محل کے ہر حصے میں پہنچ سکتا ہوں اور اس طرح کہ مجھ پر کسی کو شبہ بھی نہ ہو۔ ضرورت پڑے تو مادام دلاموِل کے کمرے میں بھی جا پہنچوں۔" اس کمرے میں سے گزرے بغیر اُس کی بیٹی کے کمرے میں جانا قریب قریب ناممکن تھا۔ اگر ماتیلد کو یہی پسند ہو کہ وہ ہمیشہ سیڑھی کے ذریعے آئے تو ژولیاں یہ چھوٹا سا خطرہ مول لینے کو بڑی خوشی سے تیار تھا۔

اُس کی باتیں سنتے ہوئے ماتیلد کو یہ فتح مندی کا لب ولہجہ بہت بُرا لگا۔ وہ دل میں بولی ـــ "تو یعنی یہ میرا آقا ہے!" ندامت کے احساس نے اسے تنگ کرنا شروع کردیا تھا۔ یہ جو غیر معمولی حماقت اس سے ابھی سرزد ہوئی تھی۔ اس پر اس کی عقل حیران تھی اور اسے اپنے آپ سے گھن آرہی تھی۔ اگر یہ بات ممکن ہوتی تو وہ ژولیاں اور اپنے آپ دونوں کو وہیں کے وہیں ختم کرڈالتی۔ اگر اس کی قوتِ ارادی لمحے بھر کے لئے بھی احساسِ ندامت پر غالب آجاتی تو شرم و حیا اور عفّت کے مجروح جذبات اسے کچو کے دینے لگتے۔ اسے پہلے خیال تک نہ آیا تھا کہ میری حالت ایسی غیر ہوجائے گی۔

آخر وہ دل میں کہنے لگی ـــ "بہرحال مجھے اس سے بات تو کرنی چاہئے۔ یہ قاعدے میں داخل ہے۔ اپنے عاشق سے بات تو کرتے ہی ہیں۔" اور پھر اس طرح جیسے کوئی فرض بجا لا رہی ہو اور ایک ایسے پیار کے ساتھ جو اس کے الفاظ

میں تو موجود تھا مگر لب و لہجے میں غائب تھا۔ اس نے ژولیاں کو بتایا کہ میں نے پچھلے چند دن میں تمہارے متعلق کیا کیا فیصلے کئے تھے۔

اس نے ارادہ کر لیا تھا اگر میری ہدایت کے مطابق ژولیاں مالی کی سیڑھی کے ذریعے مجھ تک پہنچنے کی ہمت کر بیٹھا تو میں اُس کی ہو جاؤں گی۔ لیکن پیار کی باتیں شاید ہی کبھی ایسے خشک اور رسمی لہجے میں کہی گئی ہوں۔ اُن کی یہ ملاقات ابھی تک برف کی طرح یخ رہی تھی۔ اس کے بعد تو آدمی کو محبت کے خیال ہی سے نفرت ہونے لگتی۔ ایک ناعاقبت اندیش نوجوان عورت کے لئے کیسا عبرت کا مقام تھا! کیا یہ ایک لمحہ اس لائق ہے کہ اس کی خاطر اپنا مستقبل برباد کر لیا جائے؟

عورت میں جو عزتِ نفس ہونی چاہیئے اس نے ماتیلد کی سنگین قوتِ آزادی کے سامنے اتنی مشکل سے ہتھیار ڈالے کہ سطحی طور سے دیکھا جاتا تو اس کا تذبذب انتہائی سخت نفرت کا نتیجہ معلوم ہوتا۔ بہرحال دیر تک دبدھا میں پڑے رہنے کے بعد آخر ماتیلد نے اپنے آپ کو ژولیاں کے حوالے کر دیا۔

سچی بات تو یہ ہے کہ دونوں کی ہیجانی کیفیت اور سرشاری کچھ ارادی قسم کی تھی۔ شدید محبت اُن کے لئے ایک حقیقت نہیں تھی بلکہ محض ایک نمونہ جس کی وہ نقل اتار رہے تھے۔

مادموازیل دلاموَل تو یہ سمجھ رہی تھی کہ میں ایک فرض ادا کر رہی ہوں جو اپنی طرف سے اور اپنے عاشق کی طرف سے مجھ پر عائد ہوتا ہے۔ وہ دل میں کہہ رہی تھی ــ ”اس بے چارے لڑکے نے کمال کی جرأت دکھائی ہے۔ اب یہ اس کا

حق ہے کہ اُسے خوشی حاصل ہو۔ ورنہ میرے کردار کی کمزوری ثابت ہو گی۔" لیکن وہ خود اپنے ہاتھوں جس مجبوری میں گرفتار ہو گئی تھی۔ اس سے چھٹکارا پانے کے لئے اُسے ابدی عذاب تک منظور تھا۔

حالانکہ وہ دل پر سخت جبر کر رہی تھی۔ لیکن اسے اپنی گفتگو پر پورا پورا قابو حاصل تھا۔

آج رات ژولیاں کو خوشی کے بجائے تعجب سا ہو رہا تھا۔ لیکن ندامت یا ملامت کے احساس نے آ کے اس کا مزا کرکرا نہیں کیا۔ اس ملاقات اور دیر تیر والی چوبیس گھنٹے کی آخری ملاقات میں کتنا فرق تھا! وہ بڑی بے انصافی سے کام لیتے ہوئے دل میں بولا — "پیرس کی شائستگی نے ہر چیز، یہاں تک کہ محبت کو بھی غارت کرنے کا راز معلوم کر لیا ہے۔"

وہ کپڑوں کی لمبی چوڑی الماری میں کھڑا اس قسم کی باتیں سوچنے لگا۔ برابر والے کمرے یعنی مادام دلاتول کی خواب گاہ میں کھٹکا ہوتے ہی اسے یہاں ٹھونس دیا گیا تھا۔ ماتیلد اپنی ماں کے ساتھ گرجا چلی گئی۔ نوکرانیاں بھی ان کمروں کو جھاڑ پونچھ کے رخصت ہوئیں، اور باقی کام ختم کرنے کے لئے اُن کے ادھر آنے سے پہلے پہلے ژولیاں چپ چاپ کھسک لیا۔

وہ گھوڑے پر سوار ہوا۔ اور میودں کے جنگل میں جو مقام سب سے زیادہ سنسان تھا۔ اس طرف پو قدمے چل پڑا۔ اب بھی اس کا وہی حال تھا کہ اتنی خوشی نہیں ہو رہی تھی جتنی حیرت۔ اس کے دل میں تھوڑی دیر بعد مسرت کا ایک طوفان سا اُمنڈ آتا۔ مگر یہ ایک نوجوان سیکنڈ لفٹنٹ کی سی خوشی تھی جس نے

کوئی زبردست کارنامہ سرانجام دیا ہو اور کمانڈر ان چیف اسے ایک دم سے کرنل بنا دے۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے کسی بڑی بلندی پر جا پہنچا ہو۔ جو چیزیں کل تک اس سے اونچی تھیں۔ آج اس کے برابر بلکہ اس سے بھی نیچے آ گئی تھیں ژولیاں پیرس سے جتنا دور ہوتا گیا اس کی خوشی بھی آہستہ آہستہ اتنی ہی بڑھتی گئی۔

اگر ژولیاں کے دل میں نرمی یا گداز کا شائبہ تک نہ تھا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ بات تو عجیب سی معلوم ہوگی لیکن شروع سے آخر تک اس کے ساتھ ماتیلد کا رویہ بالکل ایسا رہا تھا جیسے کوئی فرض انجام دے رہی ہو۔ آج کے واقعات میں اس کے لئے اگر کوئی چیز خلافِ امید تھی تو بس یہ کہ جن آسمانی مسرتوں کا ذکر ناولوں میں ہوتا ہے اُن کے بجائے اُسے رنج و ملال اور ندامت سے سابقہ پڑا۔

"کہیں میں نے اپنے آپ کو دھوکا تو نہیں دیا؟ کیا مجھے ژولیاں سے محبت نہیں؟" ماتیلد نے خود سے پوچھا۔

سترھواں باب

پرانی تلوار

اب میں ذرا سنجیدگی اختیار کرتا ہوں، بہت دیر ہنس لیا۔ بات یہ ہے
آج کل ہنسی مذاق کو سنگین چیز سمجھا جاتا ہے۔ نیکی بدی پر ہنسنے تو
جرم قرار پاتی ہے۔

بائرن

کھانے کے وقت وہ مسرے سے آئی ہی نہیں۔ شام کو دیوان خانے میں دم بھر کے لئے آئی۔ مگر ژولیاں کی طرف دیکھا تک نہیں۔ یہ رویّہ ژولیاں کو بڑا عجیب سا لگا۔ وہ دل میں بولا — "مگر مجھے اعتراف ہے کہ میں بڑے لوگوں کے طور طریقوں سے پوری طرح واقف نہیں ہوں۔ یہ تو میں نے سینکڑوں دفعہ دیکھا ہے کہ وہ روزانہ زندگی میں کیا کیا کرتے ہیں۔ اُن کے متعلق مجھے بس اتنا ہی معلوم ہے۔ ماتیلد اس رویّے کی بھی کوئی نہ کوئی مناسب تاویل کر دے گی۔" لیکن ساتھ ہی ساتھ تجسّس کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہ ماتیلد کے چہرے کا جائزہ لینے لگا۔ اسے ماننا پڑا کہ ماتیلد کا انداز خشک اور معاندانہ تھا۔ ظاہر تھا کہ یہ وہ عورت نہیں جس پر

کل رات سچ مچ یا جھوٹ موٹ خوشی کے ایسے دورے پڑ رہے تھے کہ ان کی اصلیت پر شبہ ہونے لگتا تھا۔

اگلے روز اور اس کے بعد والے دن بھی ماتیلد کی بے رخی کا وہی عالم رہا۔ وہ اس کی طرف دیکھتی ہی نہ تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے ماتیلد اس کے وجود سے بالکل بے خبر ہو۔ ژولیاں کو فکر کھائے جا رہی تھی۔ پہلے دن تو بس کامرانی کے احساس نے اسے گرما دیا تھا۔ لیکن آج وہ اس جذبے سے کوسوں دور تھا۔ وہ دل میں کہنے لگا۔ ”کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ پھر نیکی کے راستے پر واپس چلی گئی ہو؟“ لیکن متکبر مزاج ماتیلد کوئی متوسط طبقے کی تھوڑی تھی کہ اس کے بارے میں ایسی بات کہی جا سکے۔

ژولیاں سوچنے لگا۔ ”عام حالات میں تو وہ مذہب پر یقین نہیں رکھتی۔ اگر وہ مذہب کی قدر کرتی ہے تو صرف اس لئے کہ اس کے طبقے کا مفاد اس سے وابستہ ہے۔“

”لیکن کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ محض نسائی شرم و حیا کی وجہ سے اپنے آپ کو اس غلطی پر لعنت ملامت کر رہی ہو؟“ ژولیاں اپنے آپ کو اس کا پہلا عاشق سمجھ رہا تھا۔

بعض وقت وہ کہتا۔ ”لیکن یہ ماننا پڑے گا کہ آج کل اس نے جو انداز اختیار کیا ہے۔ اس میں سادگی، معصومیت یا نرمی نام کو نہیں۔ آج کل تو وہ ایسی لگ رہی ہے جیسے کوئی ملکہ ابھی تخت سے اتر کے آ رہی ہو۔ یہ بات میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ اسے مجھ سے گھن آ رہی ہو؟ یہ بات اس سے

بعید نہیں کہ میرے لئے اس نے جو کچھ کیا ہے۔ اس پر اپنے آپ کو صرف اس لئے ملامت کر رہی ہو کہ میں رذیل ہوں۔"

کتابوں اور دیر تحیر کی یادوں سے ژولیاں نے جو تعصبات اخذ کئے تھے وہ اُن میں غرق ہو کے رہ گیا تھا۔ وہ اپنے خوابوں کی دنیا میں ایک ایسی پیار بھری محبوبہ کا پیچھا کر رہا تھا جو اپنے عاشق کو مسرّتوں کی دولت بخش دینے کے بعد اپنی ہستی کا خیال تک دل میں نہ لائے۔ اُدھر ماتیلد اپنے غرور میں اس پر پیچ و تاب کھا رہی تھی۔

چونکہ پچھلے دو مہینے سے بے کیفی نے ماتیلد کو ستایا ہی نہ تھا۔ اس لئے اب وہ بے کیفی سے ڈرتی بھی نہ تھی۔ چاہے ژولیاں کو اس بات کا خیال تک نہ آسکا ہو لیکن وہ اپنی سب سے بڑی فوقیت سے محروم ہو چکا تھا۔

"اچھا تو میں نے ایک آدمی کو اپنا آقا بنا لیا!" مادموازیل دلاموِل غصے میں لال پیلی ہو کر اِدھر اُدھر ٹہلتے ہوئے کہہ رہی تھی "ممکن ہے اسے اپنی عزّت کا بڑا پاس ہو۔ لیکن اگر میں نے اس کے پندار کو زیادہ چھیڑا تو وہ انتقاماً ہمارے تعلقات کو المنشرح کر دے گا۔" یہ ہمارے زمانے کی لعنت ہے۔ بڑی سے بڑی بے راہ روی سے بھی ہماری بے کیفی دور نہیں ہوتی۔ ژولیاں ماتیلد کا پہلا عاشق تھا۔ اس عمر میں خشک مزاج سے خشک مزاج آدمی کے دل میں بھی کچھ نازک نازک خوش فہمیاں ہوتی ہیں۔ لیکن ماتیلد ان زہریلے خیالات کا شکار بنی ہوئی تھی۔

"اُسے میرے اوپر بڑی زبردست طاقت حاصل ہو گئی ہے۔ ڈرا دھمکا کے

دوسروں پر حکومت کرنا اُس کا شیوہ ہے۔ اگر میں نے اسے ناراض کر دیا تو وہ مجھے بڑی خوفناک سزا دے سکتا ہے۔" صرف یہ خیال ہی ماتیلد کو اس کی تذلیل پر آمادہ کرنے کے لئے کافی تھا۔ کیونکہ ہمت اُس کے کردار کی بنیادی صفت تھی۔ اگر کسی بات پر اسے جوش آتا تھا یا اگر کوئی چیز اس کی مستقل بے کیفی کو دور کر سکتی تھی تو یہ خیال کہ میں نے اپنی ساری ہستی کو داؤ پر لگا دیا ہے۔

تیسرے دن جب مادموازیل دلاموَل کی بے رُخی کا وہی عالم رہا۔ تو کھانے کے بعد ژولیاں اس کے چہرے سے جھلکتی ہوئی خفگی کے باوجود اُس کے پیچھے پیچھے بلیرڈ روم میں چلا گیا۔

وہ ایسے تاؤ میں آکر بولی جو چھپائے سے بھی نہ چھپ رہا تھا۔ "کیوں جناب، کیا آپ سمجھتے ہیں کہ آپ کو میرے اوپر پُورا اختیار حاصل ہو گیا ہے؟ میں نے صاف صاف ظاہر کر دیا کہ میں کیا چاہتی ہوں، لیکن آپ مجھ سے بولنے کی کوشش کئے چلے جا رہے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ اتنی جسارت آج تک کوئی نہیں کر سکا؟"

ان دونوں جوان محبت کرنے والوں کے مکالمے سے بڑھ کر مزیدار چیز شاید ہی کوئی ہو۔ غیر شعوری طور پر دونوں کے دونوں ایک دوسرے سے انتہائی نفرت کر رہے تھے۔ پائداری کسی کے مزاج میں بھی نہیں تھی۔ پھر وہ بڑے لوگوں کے طور طریقوں کے بھی عادی تھے۔ چنانچہ تھوڑی ہی دیر میں دونوں نے صاف صاف لفظوں میں اعلان کر دیا کہ اب ہمارے درمیان ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ناچاقی ہو گئی۔

"میں قسم کھا کے کہتا ہوں کہ یہ راز ہمیشہ میرے دل میں محفوظ رہے گا۔"

ژولیاں بولا۔" اگر میرے رویے میں زیادہ تبدیلی نظر آئی تو ممکن ہے آپ کے اوپر حرف آئے۔ ورنہ میں یہ بھی قسم کھا لیتا کہ آپ سے بات تک نہیں کروں گا۔"

اس نے بڑی تعظیم سے جھک کے سلام کیا اور چلا گیا۔

جس چیز کو وہ اپنا فرض سمجھ رہا تھا اسے بجا لانے میں ژولیاں کو ذرا بھی دشواری پیش نہ آئی۔ اسے یہ بھی مغالطہ بالکل نہیں تھا کہ مجھے مادموازیل دلاموں سے بڑی گہری محبت ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ تین دن پہلے جب اُسے الماری میں چھپایا گیا تھا۔ تو اس وقت اُسے محبت نہیں تھی۔ لیکن جب اس نے دیکھا کہ ماتیلد سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جدائی ہو گئی تو اُس کا دل ایک دم سے بدل گیا۔

بے رحم یادیں اپنے کام میں لگ گئیں اور ژولیاں کو اس رات کے چھوٹے سے چھوٹے واقعات کا خیال آنے لگا جنہوں نے دراصل اس کے دل پر ذرا بھی اثر نہ کیا تھا۔

ابدی علیحدگی کی قسم کھا لینے کے بعد اگلی رات کو جب ژولیاں یہ اقرار کر لینے پر مجبور ہو گیا کہ مجھے مادموازیل دلاموں سے محبت ہے تو وہ پاگل ہوتے ہوتے بچا۔

اس دریافت کے بعد ایک خوفناک کشمکش شروع ہو گئی۔ اس کے سارے جذبات بالکل گڈمڈ ہو کے رہ گئے۔

ایک ہفتے بعد تو یہ حال ہوا کہ موسیو دکرزانوا سے اکڑنے کی بجائے اس کا جی چاہتا تھا کہ اسے گلے لگا کے روؤں۔

مسلسل غمگین رہنے کی وجہ سے ژولیاں میں تھوڑی سی سمجھ آئی۔ اس نے لانگ دوک جانے کا ارادہ کر کے سامان باندھا اور ڈاک گاڑی کے دفتر چل دیا۔

دفتر پہنچ کے اُسے پتا چلا کہ اتفاق سے تولوز جانے والی گاڑی میں کل کے لئے ایک جگہ خالی ہے تو اسے غش آتے آتے بچا۔ اس نے کرایہ دے کر جگہ رُکوائی، اور مار کوئس دلاموَل کو روانگی کی اطلاع دینے گھر واپس آیا۔

موسیو دلاموَل باہر گیا ہُوا تھا۔ اس وقت ژولیاں مُردوں میں تھا نہ زندوں میں۔ بہر حال مار کوئس کا انتظار کرنے کے لئے وہ کتب خانے میں پہنچا۔ مادموازیل دلاموَل کو وہاں دیکھ کر اس کی کیا حالت ہوئی؟

اسے آتا دیکھ کر ماتیلد نے چہرے پر ایسی نمایاں مخاصمت طاری کر لی جس کی اور کوئی تفسیر ہو ہی نہ سکتی تھی۔

ژولیاں بھونچکا رہ گیا اور اپنے غم و اندوہ سے مجبور ہو کر اس نے یہ کمزوری دکھائی کہ ماتیلد سے بڑے پیار بھرے اور دل سے نکلنے والے لہجے میں بولا۔

"اچھا، تو اب آپ کو مجھ سے محبّت نہیں رہی؟"

"مجھے اس بات سے گھِن آ رہی ہے کہ جو آدمی پہلے آیا۔ میں نے اپنے آپ کو اُسی کے حوالے کر دیا"۔ ماتیلد کو اپنے اوپر اتنا غصّہ آیا کہ وہ پھوٹ پھوٹ کے رونے لگی۔

"جو آدمی پہلے آیا!" ژولیاں نے چیخ کے کہا اور لپک کے ایک پُرانی تلوار اٹھالی جو کتب خانے میں ایک نادر چیز کے طور پر رکھی تھی۔

جب اس نے مادموازیل دلاموَل سے بات کی تھی یوں تو اسی وقت

اسے اپنا غم نہایت شدید معلوم ہُوا تھا۔ لیکن ماتیلد کو شرم کے آنسو بہاتے دیکھ کر تو رنج سو گُنا بڑھ گیا۔ اگر وہ ماتیلد کو جان سے مار سکتا تو اُس کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہتا۔

اس نے تلوار کو ذرا دشواری کے ساتھ پُرانی نیام سے باہر نکالا ہی تھا کہ ماتیلد ایک نئے احساس کی لذّت سے خوش ہو کر بڑے فخر کے ساتھ اُس کی طرف بڑھی۔ اُس کے آنسو رُک گئے تھے۔

اپنے محسن موسیو دلاموَل کی تصویر ژولیاں کی آنکھوں میں پھر گئی۔ وہ دل میں بولا ــــ "اُس کی بیٹی کو قتل کروں! کیسی بُری بات ہے!" اس نے چاہا کہ تلوار پھینک دوں۔ مگر ساتھ ہی ساتھ سوچا ــــ "اس ڈرامائی حرکت پر یہ قہقہہ لگا کے ہنس پڑے گی۔"

یہ خیال آنا تھا کہ اُسے پھر اپنے اُوپر پورا قابو حاصل ہو گیا۔ وہ اس پُرانی تلوار کے پھل کو بڑے غور سے الٹ پلیٹ کے دیکھنے لگا جیسے زنگ ڈھونڈ رہا ہو، پھر تلوار کو نیام میں رکھ کے اُسی سُنہری کھونٹی پہ ٹانگ دیا جہاں سے اُتارا تھا۔

یہ تمام حرکات جو آخر میں ارادی طور پہ سُست پڑ گئی تھیں، پورے منٹ بھر جاری رہیں۔ مادموازیل دلاموَل بھونچکی ہو کر اُس کی طرف تک رہی تھی۔ وہ دل میں بولی ــــ "یعنی میرا عاشق مجھے قتل کرتے کرتے رہ گیا!"

یہ خیال اُس کے ذہن کو شارل نہم اور آں ری سوم کے دلاورانہ عہد میں اُڑا لے گیا۔

ژولیاں نے تلوار واپس رکھ دی تھی اور ماتیلڈ اس کے سامنے بےحس و حرکت کھڑی اُسے تکے جا رہی تھی۔ اُس کی آنکھوں سے نفرت کی چمک غائب ہو چکی تھی یہ ماننا پڑے گا کہ اس وقت وہ بڑی دلفریب لگ رہی تھی اور اس میں "پیرس کی گڑیوں" سے ذرا بھی مشابہت نہ تھی (ژولیاں کو اس شہر کی عورتوں پر سب سے بڑا اعتراض یہی تھا)

ماتیلڈ نے سوچا — "مجھے پھر اس پر کچھ پیار سا آ رہا ہے۔ بس اب میری کمزوری ظاہر ہونے ہی والی ہے۔ ابھی تو میں نے اس سے اتنی سخت کلامی کی ہے کہ وہ ذرا سدھر چلا تھا۔ مگر اب فوراً اپنے آپ کو میرا مالک اور آقا سمجھنے لگے گا۔" چنانچہ وہ بھاگ لی۔

ژولیاں نے اسے دوڑ کے باہر جاتے دیکھا تو بولا — "خدا کی قسم، کتنی حسین ہے یہ! ابھی دس پندرہ دن پہلے کی بات ہے کہ یہی بالکل سرمست ہو کے میرے بازوؤں میں آ گری تھی . . . . اب وہ لمحے کبھی واپس نہیں آئیں گے! اور قصور سب میرا ہے! وہ واقعہ بھی کتنا غیر معمولی تھا اور اس کا مجھ سے کتنا گہرا تعلق تھا۔ لیکن اس وقت مجھے پتا ہی نہ چلا کہ ہو کیا رہا ہے! . . . . مجھے ماننا پڑے گا کہ میں بڑا کند ذہن اور افسردہ مزاج واقع ہوا ہوں۔"

اتنے میں مارکوئس آ گیا۔ ژولیاں نے فوراً اسے اپنی روانگی کی اطلاع دی

"کہاں جا رہے ہیں؟" موسیو دلامول نے پوچھا۔

"لانگ ڈوک۔"

"نہیں جناب، ذرا ٹھیریئے۔ مجھے آپ سے ایک اور بڑا کام لینا ہے۔

اگر آپ کو جانا ہی ہے تو شمال کی طرف جائیے . . . . آپ اپنے آپ کو یہاں قید میں سمجھیے۔ اگر آپ باہر نکلیں بھی تو دو یا تین گھنٹے سے زیادہ غائب نہ رہیے۔ آپ کی بڑی عنایت ہوگی۔ خدا جانے کس وقت آپ کی ضرورت پڑ جائے۔"

ژولیاں جھک کر آداب بجا لایا اور کچھ کہے سنے بغیر موسیو ولاموں کو ہکا بکا چھوڑ کے چل دیا۔ اس کے منہ سے بات نہ نکل رہی تھی۔ وہ اپنے کمرے میں بند ہو کے بیٹھ گیا۔ وہاں اُسے قسمت کے مظالم پر رونے دھونے کی پوری آزادی تھی۔

وہ سوچنے لگا — "یعنی میں جا بھی نہیں سکتا! خدا جانے مارکوئس مجھے پیرس میں کتنے دن روکے رکھے۔ خدایا، میرا کیا حشر ہوگا؟ میرا کوئی دوست بھی تو نہیں کہ اس سے مشورہ ہی کر لوں۔ پادری پی رآر تو ایک فقرے سے آگے نہیں بڑھنے دے گا۔ کاؤنٹ آلتامیرا کہے گا کہ اپنا دھیان بٹانے کے لئے کسی سازش میں شریک ہو جاؤ۔

"اور یہاں میرا دماغ خراب ہوا جا رہا ہے۔ صاف معلوم ہوتا ہے میں پاگل ہو گیا ہوں!

"مجھے کون راستہ دکھائے؟ میرا کیا حشر ہوگا؟"

اٹھارواں باب

اذیّت ناک لمحے

اور وہ خود مجھ سے اصرار کرتی ہے! ذرا ذرا سی تفصیلات سناتی ہے! اُس کی حسین آنکھیں میری آنکھوں سے کہتی ہیں کہ اُسے ایک اور آدمی سے کتنی محبّت ہے!

شِلر

مادموازیل دلاموِل پر وجد کی حالت طاری تھی۔ اُسے رہ رہ کر بس یہی خوشی ہو رہی تھی کہ خدا نے مجھے بھی یہ دن دکھایا کہ میں قتل ہوتے ہوتے رہ جاؤں بلکہ وہ تو یہاں تک کہنے لگی — "یہ واقعی میرا آقا بننے کا مستحق ہے۔ کیونکہ وہ مجھے قتل کرتے کرتے رہ گیا۔ اونچے طبقے کے نہ معلوم کتنے وجیہہ نوجوانوں کو ملا کر ایک جگہ جمع کیا جائے۔ تب کہیں جا کے محبت کا ایسا شدید جذبہ پیدا ہو!

"یہ ماننا پڑے گا کہ جب وہ کرسی پر چڑھ کے تلوار کو ٹھیک اُسی جگہ ٹانگنے لگا جہاں آرائش کرنے والوں نے ٹانگا تھا تو وہ ایسا خوبصورت نہیں لگ رہا تھا! بہرحال میں اس سے محبت کرنے لگی تو کوئی ایسی بے وقوفی کی بات نہیں ہوئی!"

اس وقت اگر مفاہمت کا کوئی باعزت طریقہ نکل آتا تو وہ بڑی خوشی سے قبول کر لیتی۔

ژولیاں اپنے کمرے میں مُقفل پڑا مایوسی کے مارے ایڑیاں رگڑ رہا تھا۔ اپنے پاگل پن میں اس کا جی چاہا کہ جا کر ماتیلد کے قدموں پہ گر پڑوں۔ اگر وہ کونے میں چھپے رہنے کے بجائے موقع پر موجود رہنے کی غرض سے مکان اور باغ میں اِدھر اُدھر ٹہلنے لگتا تو شاید دم بھر میں اس کا رنج و الم نشاط میں تبدیل ہو جاتا۔

ہمیں ژولیاں سے یہ شکایت تو ضرور ہے کہ اس میں کارنامی مطلق نہ تھی۔ لیکن اگر اس میں یہ بات ہوتی تو پھر اضطراری طور پہ ایسا علوی جذبہ کیسے پیدا ہوتا کہ وہ لپک کے تلوار اٹھا لے اور اس وقت اپنی اسی حرکت کی وجہ سے وہ مادموازیل دلاموَل کو اتنا حسین لگ رہا تھا۔ ماتیلد کو یہ عجیب سوجھی تھی۔ بہرحال ژولیاں کا تو اس میں فائدہ ہی تھا۔ وہ دن بھر اسی خیال میں مگن رہی۔ اسے رہ رہ کر وہ مختصر سے لمحے بڑے افسوس کے ساتھ یاد آ رہے تھے کہ جب وہ ژولیاں سے محبت کرنے لگی تھی۔ وہ لمحے اسے بڑے رنگین معلوم ہو رہے تھے۔

وہ دل میں کہنے لگی "درِ اصل وہ بچارا تو یہی سمجھتا ہے کہ اس سے میری محبت رات کے ایک بجے شروع ہوئی۔ یعنی جس وقت میں نے اسے پستول کوٹ کی جیب میں ڈالے سیڑھی پر چڑھ کے آتے دیکھا اور نو بجے ختم ہو گئی جب میں گرجا میں تھی تو ساڑھے نو بجے یہ بات پہلی مرتبہ میرے ذہن میں آئی تھی کہ اب وہ اپنے آپ کو میرا آقا سمجھے گا اور شاید ڈرا دھمکا کے مجھ سے اپنی ہر بات منوا لیا کرے گا۔"

کھانے کے بعد ژولیاں سے گریز کرنا تو الگ مادموازیل ولاموّل اس سے باتیں کرنے لگی اور اسے تقریباً حکم دیا کہ میرے ساتھ باغ میں چلو۔ وہ مان گیا اب ماتیلد سے ضبط نہ ہو سکا۔ اُسے پھر ژولیاں سے محبت ہو گئی اور اس نے غیر شعوری طور پر اپنے آپ کو جذبات کے سپرد کر دیا۔ اُسے ژولیاں کے ساتھ ٹہلنے میں بڑا مزا آیا اور وہ ذرا تجسّس کے ساتھ اس کے ہاتھوں کی طرف دیکھنے لگی۔ جنہوں نے آج صبح اسے قتل کرنے کے لئے تلوار اٹھائی تھی۔

اس حرکت کے بعد اور جو کچھ ہو گزرا تھا اس کے بعد اب یہ تو ہو ہی نہ سکتا تھا کہ یہ دونوں اُسی پرانے طریقے سے باتیں کریں۔

آہستہ آہستہ ماتیلد اُسے بڑی بے تکلفی اور اعتماد کے لہجے میں اپنے دل کا حال سُنانے لگی۔ اس قسم کی باتوں میں اُسے ایک عجیب لطف ملا۔ اُس نے ژولیاں کو مفصّل طور سے سنایا کہ پہلے تو میں کچھ دن موسیو دکروازنوا پر فریفتہ رہی۔ پھر کچھ دن موسیو دکے لوپر۔ . . . . .

"ہیں! موسیو دکے لوپر بھی!" ژولیاں ایک دم سے چیخا۔ اس کے الفاظ میں ایک ٹھکرائے ہوئے عاشق کی تمام رقابت، جلن اور تلخی موجود تھی۔ ماتیلد نے بھی اس بات کا یہی مطلب لیا اور بُرا نہیں مانا۔

وہ ژولیاں کو برابر کوچتی رہی اور بڑے مفصّل طریقے سے نہایت خلوص کے ساتھ اپنے جذبات کی رُوداد سنانے لگی۔ ژولیاں نے دیکھا کہ وہ جن چیزوں کے بارے میں باتیں کر رہی ہے۔ وہ اس کی نظروں کے سامنے موجود معلوم ہوتی ہیں پھر یہ دیکھ کر اسے اور بھی رنج ہُوا کہ وہ بولتے بولتے اپنے دل میں نئی باتیں دریافت

کرتی جا رہی ہے۔

ژومیلیاں کا ایسا بُرا حال ہُوا کہ رقابت کا جذبہ اس سے زیادہ اور اذیت نہیں پہنچا سکتا۔

یہ شبہ بھی خاصا تکلیف دہ ہے کہ محبوبہ رقیب سے محبت کرتی ہے، لیکن اس سے بڑھ کے اور کیا عذاب ہو سکتا ہے کہ محبوبہ خود اپنی زبان سے پورا حال سنائے کہ میرے دل میں اُس کی کتنی محبت ہے؟

ژولیاں نے اپنے گھمنڈ میں خود کو کے لو اور کروا زلوا سے برتر سمجھ رکھا تھا لیکن اس وقت اس غرور کی کیسی سزا مل رہی تھی! وہ کس شدید اور حقیقی رنج کے ساتھ اُن کی چھوٹی چھوٹی خوبیوں کو بڑھا چڑھا کر بیان کر رہا تھا! وہ کس گرم جوشی اور خلوص کے ساتھ اپنے آپ سے نفرت کر رہا تھا!

ماتیلد اُسے جنت کی حُور معلوم ہو رہی تھی۔ اُس کے جذبۂ عبودیت کی تُندی اور تیزی بیان کی طاقت سے باہر ہے۔ اُس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے وہ چوری چوری اُس کے ہاتھوں، اُس کے بازوؤں اور اُس کے شاہانہ انداز کو دیکھتا جا رہا تھا۔ محبت اور غم کے مارے وہ بالکل نڈھال ہو چکا تھا اور قریب تھا کہ وہ اس کے قدموں پر گر پڑے اور چیخ چیخ کے کہے — "میرے اوپر رحم کھاؤ!"

"یہ کتنی حسین ہے، دوسری عورتوں سے کتنی بلند ہے۔ اس نے مجھ سے محبت بھی کی ہے۔ لیکن اب جلدی ہی موسیو دکے لو سے محبت کرنے والی ہے!"

ژولیاں مادموازیل دلامول کے خلوص پر شبہ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ جو کچھ کہہ رہی تھی اس سے صداقت ٹپکتی تھی۔ ژولیاں کے دُکھ میں اگر کوئی کمی رہ گئی تھی۔

تو وہ بھی پوری ہوگئی۔ ماتیلد کا دماغ اُن جذبات سے تو مصروف تھا ہی جو اس نے ایک زمانے میں موسیو دکےلو کے بارے میں محسوس کئے تھے۔ چنانچہ بعض دفعہ وہ اس کے متعلق اس طرح باتیں کرنے لگتی جیسے اب بھی اس سے محبّت ہو۔ اتنی بات تو ژولیاں کو صاف دکھائی دے رہی تھی کہ اس کے لب و لہجے سے محبّت ٹپکتی ہے۔

اگر اس کے سینے میں پگھلا ہوا سیسہ بھر دیا جاتا تو بھی اتنی تکلیف نہ ہوتی۔ غم نے اس کا حال تباہ کر دیا تھا۔ وہ بچارا کیسے سمجھ سکتا تھا کہ مادموازیل دلاموَل کو گذشتہ زمانے میں موسیو دکےلو یا موسیو دکرواز نوا سے محبت کرتے ہوئے جو لطافتیں محسوس ہوئی تھیں۔ اگر وہ انہیں یوں مزے لے لے کے یاد کر رہی ہے تو صرف اس وجہ سے کہ وہ اس وقت خود اُسے اپنا حال سُنا رہی ہے؟

ژولیاں کی اذیّت کا بیان لفظوں کی طاقت سے باہر ہے۔ چند دن پہلے جن درختوں کے نیچے کھڑے ہو کر اس کا انتظار کیا تھا کہ ایک بجے تو ماتیلد کے کمرے میں جاؤں۔ آج وہ انہیں درختوں کے سامنے یہ بیان مفصّل سن رہا تھا کہ ماتیلد نے دوسرے سے کس طرح محبّت کی ہے۔ اس سے زیادہ رنج برداشت کرنا انسان کے بس میں نہیں۔

یہ سنگین قسم کے راز و نیاز پورے ہفتے بھر جاری رہے۔ کبھی تو ایسا معلوم ہوتا کہ وہ اس سے بات کرنے کا موقع ڈھونڈ رہی ہے۔ کبھی ایسا موقع خود بخود آ جاتا۔ تو وہ دامن نہ بچاتی۔ کچھ ایسا لگتا تھا کہ دونوں کے دونوں کو ہر پھر کے اُسی ایک موضوع پر آ جانے میں عجب خوفناک قسم کی لذّت ملتی ہے اور وہ موضوع یہی تھا

کہ ماتیلد نے دوسروں کے بارے میں کیا کیا جذبات محسوس کئے۔ اس نے ژولیاں
کو بتایا کہ میں نے کیسے کیسے خط لکھے۔ اُن خطوں کے الفاظ بلکہ پورے پورے
جملے سنائے۔ آخری دنوں میں تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ ایک معاندانہ مسرت کے
ساتھ ژولیاں کا بغور مطالعہ کر رہی ہے۔ ژولیاں کی اذیت اُس کے لئے تفریح
طبع کا سامان تھی۔ اس سے ماتیلد کو اپنے آقا کی کمزوری کا پتا چلتا تھا۔ چنانچہ اب وہ
اپنے آپ کو اُس سے محبت کرنے کی اجازت بھی دینے کو تیار تھی۔

صاف ظاہر ہے کہ ژولیاں کو زندگی کا کوئی تجربہ نہ تھا۔ اس نے تو ناول
تک نہیں پڑھے تھے۔ اگر وہ ایسا اناڑی نہ ہوتا تو جس لڑکی سے اسے اتنی محبت تھی
اور جو اس سے عجیب عجیب راز کی باتیں کیا کرتی تھی۔ وہ ذرا سرد مہری کے ساتھ
اُس سے کہتا۔ ”تمہیں یہ بات ماننی پڑے گی کہ میں ان لوگوں کے برابر نہ سہی لیکن
تمہیں محبت تو مجھ ہی سے ہے۔۔۔“

شاید ماتیلد کو خوشی ہوتی کہ اس پر میرا راز کھل گیا۔ بہرحال ژولیاں کی کامیابی
اس بات پر منحصر ہوتی کہ اس نے اپنے خیال کا اظہار کس نفاست سے کیا ہے۔
اور موقع کون سا چنا ہے۔ خیر کچھ بھی ہو۔ اصل چیز یہ ہے کہ ژولیاں اپنے آپ
کو اس صورتِ حال سے بخوبی اور کچھ فائدے کے ساتھ ہی نکال لایا۔ جس سے اب
ماتیلد اُکتا چلی تھی۔

ژولیاں اپنی محبت اور اپنے غم کے ہاتھوں ایسا بدحال ہو چکا تھا کہ ایک دن
بڑی دیر تک ساتھ ساتھ ٹہلنے کے بعد وہ اس سے بولا ”میں تو تمہیں پوجتا ہوں
اور تمہیں اب مجھ سے محبت نہیں رہی!“ اس سے بڑی غلطی اور کوئی نہیں ہو سکتی

تھی۔

مادموازیل دلاموِل کو اسے اپنے دل کی باتیں سنانے میں جو مزا آتا تھا۔ وہ یہ جملہ سنتے ہی ایک دم سے ختم ہو گیا۔ اُسے تو اب اس بات پر تعجب ہونے لگا تھا کہ ہم دونوں کے درمیان جو کچھ ہو گزرا ہے۔ اس کے بعد بھی ژولیاں کو میرے راز سن کر غصّہ نہیں آتا۔ جب ژولیاں نے یہ احمقانہ جملہ کہا۔ اُس وقت ماتیلد قریب قریب یہ فیصلہ کر چکی تھی کہ اب اسے مجھ سے محبت نہیں رہی۔ وہ دل میں کہہ رہی تھی "غرور نے اس کی محبت کا گلا گھونٹ دیا ہے۔ وہ اس طبیعت کا آدمی ہی نہیں کہ کے لو، دلوز، دکرواز نوا جیسے لوگوں کو جنہیں وہ اپنے سے برتر تسلیم کر چکا ہے اُس پہ فوقیت دی جائے اور وہ برا نہ مانے۔ نہیں، اب میں اسے اپنے قدموں پر پڑا ہوا کبھی نہیں دیکھوں گی!"

غم نے ژولیاں کو ایسا سادہ دل بنا دیا تھا کہ وہ کئی دن سے بڑے خلوص کے ساتھ ان لوگوں کی بے مثال خوبیوں کے گُن گا رہا تھا۔ بلکہ اس نے تو اور مبالغے سے کام لیا تھا۔ مادموازیل دلاموِل اس تبدیلی سے غافل نہ تھی۔ اُسے تو خاصی حیرت ہوئی تھی۔ ژولیاں اپنے عشق میں ایسا دیوانہ ہو چکا تھا کہ جس رقیب کو سمجھتا کہ اس سے ماتیلد کو محبت ہے۔ اس کی تعریف کرتے کرتے اُس کی خوش قسمتی پر خود بھی خوش ہونے لگتا۔

ژولیاں نے جو صاف مگر احمقانہ بات کہہ دی تھی۔ اس نے دم بھر میں سب کچھ بدل کے رکھ دیا۔ ماتیلد کو اس کی محبت کا یقین ہو گیا تو وہ اسے بالکل حقارت کی نظروں سے دیکھنے لگی۔

جب ژولیاں نے یہ بے ڈھنگی بات کہی، تو وہ اس کے ساتھ ٹہل رہی تھی۔ ماتیلد اُسے چھوڑ کے چل دی اور جاتے ہوئے اس پر بڑی حقارت کی نظر ڈالی۔ جب وہ دیوان خانے میں واپس آئی تو اس رات اس نے ژولیاں کی طرف دیکھا تک نہیں۔ اگلے دن یہ حقارت اُس کے دل پر پوری طرح قابض ہو گئی۔ اب اس جذبے کا سوال باقی ہی نہیں رہا تھا جس کی وجہ سے ہفتے بھر اس نے ژولیاں کو اپنا سب سے گہرا دوست سمجھا۔ اب تو ژولیاں کو دیکھ کر اسے گھن آنے لگی۔ ماتیلد کا یہ جذبہ بڑی جلدی کراہیت کی حد تک جا پہنچا۔ اس کی نظریں اتفاق سے ژولیاں پر پڑ جاتیں تو اسے اتنی شدید حقارت محسوس ہوتی کہ بیان سے باہر ہے۔

آٹھ دن سے ماتیلد کے دل و دماغ میں جو کچھ گزر رہا تھا اس کا ژولیاں کو ذرا بھی اندازہ نہ تھا۔ لیکن اُس کے پندار کی آنکھیں بڑی تیز تھیں۔ چنانچہ اس نے ماتیلد کی حقارت ضرور تاڑ لی۔ اتنی سمجھ بوجھ تو اس میں تھی کہ جہاں تک بن پڑتا۔ وہ ماتیلد کے سامنے جانے سے بچتا اور اس کی طرف نظر اٹھا کے بھی نہ دیکھتا۔

اس نے اپنے آپ کو ایک حد تک ماتیلد کی مجالست سے محروم تو کر لیا مگر اس میں اذیت بھی بڑی اٹھائی۔ اسے کچھ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اب میرا غم واقعی اور بڑھ گیا ہے۔ وہ دل میں کہہ رہا تھا ”انسان میں اس سے زیادہ غم برداشت کرنے کی طاقت نہیں ہو سکتی۔“ اس کا سارا وقت چھت کے اوپر ایک کوٹھری میں کھڑکی کے پاس بیٹھے گزرتا۔ وہ جھلملی بڑی احتیاط سے بند کر دیتا۔ مادموازیل دلاموَل باغ میں نکلتی تو کم سے کم وہ اس کی ایک جھلک تو دیکھ ہی سکتا تھا۔

جب رات کے کھانے کے بعد وہ ماتیلد کو موسیو دگے لو، موسیو دلوزیا کسی ایسے آدمی کے ساتھ ٹہلتے دیکھتا جس سے خود اس کے بیان کے مطابق اُسے کسی زمانے میں محبت رہ چکی تھی۔ تو ژولیاں کے جذبات کیا ہوتے؟

ژولیاں کو کبھی خیال تک نہ آیا تھا کہ ایسا دکھ بھی جھیلنا پڑے گا۔ اُس کا جی چاہتا تھا کہ پھوٹ پھوٹ کے روؤں۔ یہ مضبوط ارادے والا آدمی آخر بالکل ہی بے بس ہو کے رہ گیا تھا۔

جو خیال مادموازیل دلامول سے متعلق نہ ہوتا وہ اسے بہت ہی بُرا لگتا۔ اب تو اس سے بالکل سیدھے سادے خط بھی نہ لکھے جاتے تھے۔

ایک دن مارکوئس نے اس سے کہا ــــ "تم تو کچھ پاگل سے ہو رہے ہو۔"

ژولیاں کو ڈر لگا کہ اب میرا بھانڈا پھوٹا۔ اس نے بیماری کا بہانہ بنا دیا۔ اور مارکوئس کو یقین بھی آ گیا۔ خوش قسمتی سے رات کو کھانے کے وقت مارکوئس نے ژولیاں کو اس کے آئندہ سفر کے سلسلے میں چھیڑا۔ ماتیلد کو پتا چلا کہ شاید وہ کافی عرصے باہر رہے۔ ژولیاں کو اس سے بچتے ہوئے کئی دن ہو چکے تھے اور اب ماتیلد کو اس کے خوابوں کی دُنیا سے باہر نکالنا ان تیز طرار نوجوانوں کے بس میں نہ رہا تھا۔ جو ہر اُس خوبی سے متصف تھے۔ جن سے یہ زرد رو اور تیرہ جبیں شخص خالی تھا ــــ یہ شخص جو کچھ دن پہلے اس کا محبوب رہ چکا تھا۔

وہ دل میں بولی ــــ "کوئی معمولی لڑکی ہو تو اپنے چاہنے والے کا انتخاب ایسے نوجوانوں میں سے کرے جن کی طرف دیوان خانوں میں ہر آدمی کی نظر اُٹھتی ہے لیکن ذہانت کی ایک نشانی یہ ہے کہ اپنے خیالات کو اُن راہوں پر کبھی نہ جانے دے

جنہیں عام لوگوں کے پیر روند چکے ہوں۔

"ژولیاں ہیں روپے کے سوا اور کسی بات کی کمی نہیں، مگر روپیہ میرے پاس ہے۔ ایسے آدمی کی جیون ساتھی بن کر میں ہمیشہ لوگوں کی نظروں میں نمایاں رہوں گی میری زندگی میں ایسا کبھی نہیں ہوگا کہ لوگ میری طرف توجہ ہی نہ کریں۔ میرے عزیز اقارب ہر وقت انقلاب کے خوف سے لرزتے رہتے ہیں۔ انھیں عوام سے اتنا ڈر لگتا ہے کہ اگر کوچوان ٹھیک طرح گاڑی نہ چلائے تو اسے ڈانٹنے کی بھی ہمت نہیں پڑتی۔ اس طرح کانپتے رہنا تو کجا۔ میرا تو انقلاب میں ایک زبردست حصّہ ہوگا۔ کیونکہ میں نے جس آدمی کو چنا ہے وہ مضبوط کردار کا مالک ہے اور اس کے حوصلوں کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اس میں کمی کس بات کی ہے؟ دوستوں کی؟ روپیہ کی؟ یہ چیزیں تو میں اسے دے سکتی ہوں۔" لیکن وہ ژولیاں کے متعلق کچھ اس طرح غور کر رہی تھی جیسے وہ اپنے سے نیچا ہو، جس کی قسمت کا فیصلہ اپنی مرضی کے مطابق جب جی چاہے کیا جا سکے اور جس کی محبت کے بارے میں شبہے کی بھی گنجائش نہیں۔

انیسواں باب

ناٹک

آہ، محبت کی بہار بھی اپریل کے حسین اور شان دار دن کی طرح بے بنیاد ہے
ابھی تو خوب دھوپ کھلی ہوئی ہے۔ ابھی بادل آیا اور سب غائب!
شیکسپیئر

اپنے مستقبل اور جس عظیم زندگی کی اُسے امید تھی۔ اس کے بارے میں سوچتے سوچتے ماتیلد کو بڑی حسرت کے ساتھ وہ خشک اور فلسفیانہ بحثیں یاد آنے لگیں جو ژولیاں اور اس کے درمیان ہُوا کرتی تھیں۔ جب وہ ان بلند خیالات سے تھک جاتی تو کبھی اُن خوشی کے لمحوں کو یاد کر کر کے آہیں بھرنے لگتی جو ژولیاں کے ساتھ گزرے تھے۔ لیکن ان یادوں میں ایک پہلو ندامت کا بھی تھا۔ جس کے ہاتھوں وہ بعض دفعہ تو بالکل نڈھال ہو جاتی تھی۔

وہ دل میں کہتی ــــ "لیکن مجھ جیسی لڑکی اگر کوئی کمزوری دکھائے تو بھی اُسے لازم ہے کہ صرف کسی ممتاز آدمی کی خاطر اپنے فرائض سے پہلو تہی کرے لوگ یہ تو نہیں کہہ سکیں گے کہ اس آدمی کی خوبصورت مونچھوں یا اس کی شہسواری

نے اس لڑکی کا دل موہ لیا۔ میں اگر متاثر ہوئی ہوں تو فرانس کے مستقبل کے بارے میں اُس کی عالمانہ گفتگو سے، اس کے ان خیالات سے کہ ہمیں جن حالات سے دوچار ہونا ہے۔ وہ انگلستان کے ۱۶۸۸ء والے انقلاب سے مشابہ ہوں گے"

اُس نے ندامت کی آواز کے جواب میں کہا "میری عزت تو گئی، میں کمزور عورت تو ضرور ہوں، لیکن میں صرف ظاہری خوبیاں دیکھ کر کٹھ پتلی کی طرح نہیں پھسلی۔

"اگر انقلاب ہوا تو آخر ژولیاں روﷲں کیوں نہیں بن سکتا اور میں مادام روﷲں کیوں نہیں بن سکتی؟ مجھے مادام دِاستائیل کے بجائے مادام روﷲں بننا زیادہ پسند ہے۔ ہمارے زمانے میں بدچلنی راستے کا روڑا ثابت ہوگی۔ اب میں ایسا موقع نہیں آنے دوں گی کہ مجھ پر دوبارہ کمزوری کا الزام عائد ہو۔ اب تو میں شرم کے مارے مرجاؤں گی۔"

یہ ماننا پڑے گا کہ ماتیلد جو باتیں سوچتی تھی وہ سب کی سب ایسی سنجیدہ نہیں ہوتی تھیں جیسی ہم نے لکھی ہیں۔

وہ ژولیاں کو چوری چوری دیکھتی رہتی اور اس کی ذرا ذرا سی حرکات میں اسے بڑی نفاست اور بڑی دلکشی نظر آتی۔

وہ دل میں کہتی۔ "وہ سمجھتا تھا کہ اس کا میرے اوپر حق ہے۔ لیکن میں نے اس قسم کا ہر خیال ختم کرکے رکھ دیا ہے۔

"ہفتہ بھر ہوا اُس بچارے نے باغ میں مجھ سے وہ پیار کی بات جس غم و اندوہ اور جس شدید جذبے کے ساتھ کہی تھی۔ اس سے قطعی ثبوت ملتا ہے۔ یہ ماننا پڑے گا کہ میں نے بھی عجیب حرکت کی جو ایسی بات کا بُرا مان گئی جس میں عزت اور محبت

کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ کیا میں اُس کی بیوی نہیں ہوں ؟ اس کی بات بالکل فطری بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ بڑی خوشگوار تھی۔ میں مانتی ہوں کہ میں نے بے رحمی سے کام لیا تھا اور اُسے بس یہی باتیں سُنائی تھیں کہ اپنی بے رنگ اور بے کیف زندگی سے مجبور ہو کے میں اُونچے طبقے کے اُن نوجوانوں سے کس طرح محبت کرنے لگی جن سے وہ اتنا جلتا ہے لیکن اس کے بعد بھی وہ مجھ سے محبت کرتا رہا۔ کاش اُسے معلوم ہوتا کہ ان لوگوں سے اسے ذرا بھی خطرہ نہیں! جب میں اُن کا مقابلہ ژولیاں سے کرتی ہوں تو وہ کتنے بے جان، مُردہ اور سارے کے سارے ایک ہی سانچے میں ڈھلے ہوئے معلوم ہوتے ہیں"۔

ماتیلد بیٹھی یہ باتیں سوچ رہی تھی تو اس وقت اس کی ماں کی نظریں اسی طرف تھیں۔ اس خیال سے کہ میرے چہرے سے کہیں کوئی بات ظاہر نہ ہو جائے وہ پنسل لے کے اپنے البم کے ایک صفحے پر اُلٹی سیدھی لکیریں بنانے لگی۔ یونہی شکلیں بناتے بناتے اس نے جو آخری تصویر پہ نظر ڈالی تو وہ چونک پڑی اور ساتھ ہی ساتھ خوش بھی ہوئی۔ یہ تصویر ہو بہو ژولیاں کی شکل سے ملتی تھی۔ اُسے وجد سا آگیا اور وہ بولی ــــ "یہ غیبی اشارہ ہے! یہ محبت کا کرشمہ ہے! میں نے تو اُسی کی تصویر بنا ڈالی۔ مجھے تو معلوم بھی نہ تھا کہ میں کیا کر رہی ہوں"۔

وہ بھاگی بھاگی اپنے کمرے میں پہنچی اور اندر سے کنڈی چڑھا کے بیٹھ گئی۔ پھر بڑی محنت سے ژولیاں کی تصویر بنانے کی کوشش کی، مگر کامیابی نہ ہوئی جو تصویر بے خیالی میں بن گئی تھی وہی ژولیاں سے زیادہ مشابہ تھی۔ ماتیلد بالکل مسحور ہو کے رہ گئی۔ یہ بات اسے اپنی شدید محبت کا صاف ثبوت معلوم ہوئی۔

وہ اپنا البم بڑی دیر تک ہاتھ میں لئے بیٹھی رہی اور اس وقت جا کے ہاتھ سے رکھا۔ جب مادام ولاموئل نے اُسے اطالوی اوپیرا جانے کے لئے بلوایا۔ اس کے دل میں بس ایک ہی خیال تھا۔ وہ یہ کہ اپنی نظروں سے ژولیاں کو چاروں طرف ڈھونڈ کے اور وہاں سے کہہ کر اُسے بھی ساتھ چلنے کی دعوت دے سکے۔

وہ نظر ہی نہ آیا۔ اوپیرا میں ان دونوں کے ساتھ جو لوگ تھے وہ بالکل ہی عامیانہ قسم کے تھے۔ پہلے ایکٹ کے دوران میں ماتیلد بیٹھی اُس آدمی کے بارے میں سوچتی رہی جس سے اُسے انتہائی شدید اور والہانہ محبت تھی۔ لیکن دوسرے ایکٹ میں ایک گانا بڑی پیاری دھن میں محبت کے متعلق گایا گیا جو اس کے دل میں کھب کے رہ گیا تھا۔ ہیروئن کہہ رہی تھی ـــــ "میں جو اُسے پوجنے لگی ہوں تو مجھے اس کی سزا ملنی چاہئے۔ میری محبت تو حد سے بڑھ گئی ہے"۔

یہ آسمانی نغمہ سنتے ہی ماتیلد دُنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گئی۔ لوگوں نے اس سے بات کی تو اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی ماں نے ڈانٹا تو ماتیلد نے بڑی مشکل سے نظر اٹھا کے اس کی طرف دیکھا اور بس۔ اس کی وجدانی کیفیت میں ایسی شدت اور علویت آگئی کہ ژولیاں نے بھی پچھلے چند دنوں میں اس کے لئے اس سے زیادہ شدید جذبات محسوس نہ کئے ہوں گے۔ اس گیت کے الفاظ اسے بالکل اپنے حسب حال معلوم ہوتے تھے۔ جب وہ براہِ راست ژولیاں کے متعلق نہ سوچ رہی ہوتی تو یہ دلفریب اور الوہی نغمہ اُس کے ذہن پر چھا جاتا۔ موسیقی سے اس کی محبت کا فیضان تھا کہ آج رات اُس کی وہی حالت ہو گئی جیسی ژولیاں کے بارے میں سوچتے ہوئے مادام دورینال کی ہمیشہ ہو جاتی تھی۔ جو محبت ذہن کی پیداوار ہو

وہ بچی محبت ہے تو واقعی زیادہ پُرزور ہوتی ہے۔ لیکن اس کا جوش و خروش بس بجلی کی چمک کے مانند ہوتا ہے۔ یہ محبت اپنے آپ سے غیر ضروری حد تک واقف ہوتی ہے۔ ہر وقت اپنے اوپر تنقید کرتی رہتی ہے۔ خیال کو بے دخل کرنا تو الگ رہا۔ یہ تو خود خیال ہی کی مدد سے تعمیر ہوتی ہے۔

گھر واپس آ کے مادام دلامول کے اصرار کے باوجود ماتیلد بخار کے بہانے سے اپنے کمرے میں چلی آئی اور رات گئے تک پیانو پر یہ نغمہ بجاتی رہی۔ اس نے بار بار وہ مشہور گیت بھی گایا۔ جس نے اس پر جادو سا کر دیا تھا ——

مجھے سزا ملنی چاہیئے، مجھے سزا ملنی چاہیئے۔

میری محبت حد سے بڑھ گئی ہے۔

یہ رات جس دیوانگی میں گذری۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ماتیلد سمجھی میں نے اپنی محبت پر قابو پا لیا۔

(یہ صفحہ بچارے مصنف کے لئے کئی اعتبار سے نقصان دہ ثابت ہوگا جن لوگوں کے دل برف جیسے ٹھنڈے ہیں۔ وہ اس پہ ناشائستگی کا الزام لگاتیں گے۔ پیرس کے دیوان خانوں میں جن ہستیوں کے دم سے رونق رہتی ہے۔ وہ ان کی توہین نہیں کر رہا اور نہ اسے یہ بدگمانی ہے کہ جن فاسد خیالات نے ماتیلد کے کردار کو اتنا پست بنا دیا تھا۔ وہ ان ہستیوں میں سے کسی پر اثر انداز ہوں گے۔ یہ کردار بالکل خیالی ہے۔ بلکہ اس کا ان سماجی طور طریقوں سے کوئی واسطہ ہی نہیں جن کی بدولت انیسویں صدی کی تہذیب کو انسانیت کی تاریخ میں اتنی ممتاز جگہ ملے گی۔

اس سال بہاڑوں میں جن نوجوان خواتین نے رقص گاہوں کو زینت بخشی ہے۔ اُن میں دُور اندیشی کی تو مطلق کمی نہیں۔

نہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اُن پر مال و دولت، گھوڑوں، بڑی بڑی جائدادوں اور اُن تمام چیزوں کو حقارت کی نظر سے دیکھنے کا الزام لگایا جا سکتا ہے جن کی بدولت سماج میں ایک خوشگوار حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ ان امتیازات کو بے رنگ اور بے کیف سمجھنا تو الگ، عموماً یہی چیزیں اُن کی تمناؤں کا مرکز بنی رہتی ہیں۔ اگر اُن کے دل میں جذبے کا وجود ہے تو وہ انہیں چیزوں پر صرف ہوتا ہے۔

میں یہ بھی نہیں کہتا کہ جن نوجوانوں میں تردلیاں کی طرح تھوڑا بہت جوہر ہو اُن کی دست گیری محبت ہی کرتی ہے۔ یہ لوگ تو کسی نہ کسی طرح گروہ کے ساتھ چپک جاتے ہیں اور جب وہ گروہ کامیاب ہو جاتا ہے تو ان پر بھی دنیا کی ساری نعمتوں کی بارش ہونے لگتی ہے۔ جو طالب علم کسی گروہ میں شامل نہ ہو اس کی بڑی مٹی پلید ہوتی ہے۔ اس کی چھوٹی چھوٹی اور غیر یقینی کامیابیاں بھی اُس کے لئے طوقِ ملامت بن جاتی ہیں۔ اپنے آپ کو نیک اور بلند و برتر سمجھنے والے لوگ اس کا حق بھی مارتے ہیں اور اسے ذلیل بھی کرتے ہیں۔ جناب ناول تو ایک آئینہ ہے۔ جسے لے کر آدمی شاہراہ پر سے گزر رہا ہو۔ کبھی تو اس میں نیلے آسمان کا عکس پڑتا ہے۔ کبھی آپ کے پیروں کے پاس والی کیچڑ کا۔ اور جو آدمی یہ آئینہ لے کے چل رہا ہے۔ اس پر آپ بد اخلاقی کا الزام لگاتے ہیں! اس کا آئینہ تو بس کیچڑ کی تصویر دکھا رہا ہے اور آپ قصور آئینے کا بتاتے ہیں! الزام تو اس سڑک کو دیجئے جس پر کیچڑ پڑی ہے۔ بلکہ قصور تو سڑکوں کے انسپکٹر کا ہے جو پانی

جمع ہوتے اور کیچڑ پھیلتے دیکھتا ہے مگر کچھ نہیں کرتا۔

اب یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ ہمارے جیسے پاکباز اور دوراندیش زمانے میں ماتیلد کا سا کردار ممکن ہی نہیں۔ لہٰذا اس دلفریب لڑکی کی حماقتوں کا حال سناتے ہوئے اب مجھے یہ ڈر نہیں رہا کہ لوگ ناراض ہوں گے۔)

اگلے دن صبح سے شام تک وہ اسی بات کو پایۂ ثبوت تک پہنچانے کی فکر میں رہی کہ مجھے اپنی مجنونانہ محبت پر قابو حاصل ہو گیا ہے۔ اس کا خاص مقصد یہ رہا کہ جس طرح بھی بن پڑے۔ ژولیاں کو تکلیف پہنچاتی رہوں لیکن ژولیاں نے اس کی تمام حرکات وسکنات پر نظر رکھی۔

ژولیاں ایسا نڈھال اور ایسی ہیجانی کیفیت میں تھا کہ محبت کی ان پیچیدہ چالوں کو ذرا بھی نہ سمجھ سکا اور اس بات میں خود اُس کا جو فائدہ مضمر تھا اسے تو وہ بالکل ہی نہ دیکھ سکا۔ وہ تو بڑی آسانی سے جال میں پھنس گیا۔ اُس نے ایسا دکھ اس سے پہلے کبھی نہیں جھیلا تھا۔ اُس کے افعال پر اس کے دماغ کا ذرا بھی قابو نہیں رہا تھا۔ اگر کوئی چڑچڑے مزاج کا فلسفی اس سے کہتا ــ "ماتیلد کا میلانِ طبیعت فی الحال تمہارے حق میں ہے۔ اس سے فائدہ اٹھانا ہے تو جلدی کرو۔ پیرس میں جو عقلی محبت نظر آتی ہے۔ اس میں ذہن دو دن سے زیادہ ایک حالت پر نہیں رہتا"۔ اگر یہ بات اس سے کہی جاتی تو ژولیاں کی سمجھ ہی میں نہ آتی۔ لیکن اس ہیجانی کیفیت کے باوجود ژولیاں میں عزت کا احساس موجود تھا۔ اس کا سب سے پہلا فرض یہ تھا کہ محتاط رہے۔ اتنی بات وہ ضرور سمجھتا تھا۔ جو آدمی سب سے پہلے نظر آتے اسی کو اپنی بپتا سنا ڈالے اور اس سے مشورہ طلب کرنے میں تو ژولیاں کو

وہی راحت ملتی جو تپتے ہوئے ریگستان میں کسی مصیبت زدہ مسافر کو بارش کا ٹھنڈا پانی پاکر ہوتی ہے۔ مگر اسے خطرے کا پورا احساس تھا۔ اسے ڈر تھا کہ اگر وہ غیر محتاط آدمی کوئی سوال پوچھ بیٹھا تو میں کہیں آنسوؤں کے دریا نہ بہادوں۔ وہ اپنے کمرے میں بند ہوکے بیٹھ گیا۔

اس نے دیکھا کہ ماتیلد بڑی دیر تک باغ میں ٹہلتی رہی۔ جب وہ آخر وہاں سے چلی گئی تو ژولیاں نیچے اُتر کر باغ میں پہنچا۔ وہ سیدھا اُس گلاب کے درخت کی طرف گیا جس میں سے ماتیلد نے پھول توڑا تھا۔

رات اندھیری تھی۔ وہ دل کھول کے اپنے غم واندوہ کا مزا لے سکتا تھا اور یہ ڈر بھی نہ تھا کہ کوئی دیکھ لے گا۔ یہ بات اُس پر واضح ہو چکی تھی کہ مادموازیل دلاموں کو ان نوجوان افسروں میں سے کسی ایک سے محبت ہے۔ جن کے ساتھ وہ ہنس ہنس کے باتیں کر رہی تھی۔ اُسے ایک زمانے میں ژولیاں سے بھی محبت تھی۔ لیکن اب اُسے پتا چل گیا تھا کہ یہ ایسا بے نظیر آدمی نہیں جیسا میں نے سمجھا تھا۔

"اور واقعی مجھ میں کون سی ایسی بڑی خوبیاں ہیں"۔ اس نے پورے یقین کے ساتھ کہا۔ "بحیثیت مجموعی میں بڑا اٹھس آدمی ہوں اور بالکل عامیانہ قسم کا۔ دوسروں کو مجھ سے کوفت ہوتی ہے، اور خود مجھے اپنی باتیں اچھی نہیں لگتیں"۔ اسے اپنی خوبیاں اور وہ ساری چیزیں زہر لگنے لگیں جن سے اتنی گرم جوشی کے ساتھ محبت کرتا رہا تھا۔ "معکوس تخیل" کی اس کیفیت میں وہ اپنے تخیل ہی کے سہارے زندگی پر نکتہ چینی کرنے لگا۔ یہ غلطی بلند و برتر انسانوں کی خاص نشانی ہے۔

اُسے کئی دفعہ خودکشی کا خیال آیا۔ یہ تصوّر اُسے بڑا دلکش معلوم ہوا۔ اس میں ایک عجیب راحت اور ایک عجیب مزا تھا۔ بالکل ایسا معاملہ تھا جیسے ریگستان میں کوئی بچارا پیاس اور گرمی سے مر رہا ہو اور اسے ٹھنڈے پانی کا ایک گلاس مل جائے۔

"میری موت سے ماتیلد کی نفرت اور بڑھ جائے گی!" وہ ایک دم سے بولا "میرے مرنے کے بعد وہ مجھے بھلا کن الفاظ سے یاد کرے گی!"

غم واندوہ کی گہرائیوں میں ڈوب جانے کے بعد انسان کے لئے بس ایک ہمّت ہی کا سہارا باقی رہ جاتا ہے۔ ژولیاں میں اتنی فراست نہیں تھی کہ وہ کہتا ــــ "لاؤ سب کچھ داؤ پر لگا دوں"۔ لیکن آج رات اس نے جو ماتیلد کی کھڑکی کی طرف دیکھا تو جھلملی میں سے نظر آیا کہ وہ بتّی بجھا رہی ہے۔ اس کی آنکھوں میں وہ حسین کمرہ گھومنے لگا جو افسوس ہے کہ اس نے عمر میں صرف ایک ہی دفعہ دیکھا تھا۔ اس کا تخیّل اس سے آگے نہ جا سکا۔

اتنے میں ایک بجا۔ یہ آواز سنتے ہی اس نے دل میں کہا ــــ "لو میں سیڑھی لے کے اوپر چڑھتا ہوں"۔

یہ بات اُسے اس طرح سوجھی جیسے الہام ہوا ہو۔ بعد میں دلیلیں بھی بہت مل گئیں۔ وہ دل میں کہنے لگا ــــ "اب اس سے بُری حالت اور کیا ہوگی؟" وہ بھاگا سیڑھی لینے گیا۔ مالی نے اسے زنجیر سے باندھ رکھا تھا۔ اس وقت ژولیاں میں نہ جانے کہاں کی طاقت آگئی تھی۔ اس نے اپنے پستول کا گھوڑا توڑ کر اس سے زنجیر کی کڑی کھول لی۔ دو چار منٹ کے اندر سیڑھی اس کے قبضے میں آگئی اور

اُس نے ماتیلد کی کھڑکی سے لگا کے رکھ دی۔

" اسے بڑا غصہ آئے گا۔ مجھ سے انتہائی حقارت کا برتاؤ کرے گی۔ لیکن اس سے کیا ہوتا ہے، اس کا ایک بوسہ، آخری بوسہ لے کر میں اپنے کمرے میں چلا جاؤں گا اور اپنے گولی مار لوں گا . . . . مرنے سے پہلے میرے ہونٹ اس کے رخسار سے تو مس ہو جائیں گے"!

وہ چھلانگیں لگاتا سیڑھی پر چڑھ گیا اور کھڑکی کھٹکھٹائی۔ لمحے بھر بعد ماتیلد نے آواز سن کر کھڑکی کھولنے کی کوشش کی مگر سیڑھی کی وجہ سے نہ کھل سکی۔ کواڑ کو کھلا رکھنے کے لیے جو شکنی لگی ہوئی تھی ژولیاں نے اسے پکڑ لیا اور گرنے کے خطرے سے بے پروا ہو کر سیڑھی کو زور سے ہلایا۔ سیڑھی تھوڑی سی ہٹ گئی اور ماتیلد نے کھڑکی کھول دی۔

ژولیاں کمرے میں کود گیا۔ اس کی حالت مُردوں سے بدتر تھی۔

" اچھا تم ہو"! وہ بولی اور اس کے بازوؤں میں گر پڑی۔

. . . .

ژولیاں کو جتنی خوشی ہوئی۔ وہ بیان سے باہر ہے۔ ادھر ماتیلد کا بھی یہی حال تھا۔

وہ خود اپنی برائیاں کرنے لگی۔ خود اپنے اوپر الزام لگانے لگی۔

اس نے ژولیاں کو اس زور سے بھینچا کہ اس کا دم گھٹنے لگا۔" لو مجھے میری اکڑبازی اور غرور کی سزا دے لو۔" وہ کہنے لگی "تم میرے آقا ہو، میں تمہاری کنیز ہوں۔ میں تم سے دامن چھڑانا چاہ رہی تھی۔ لو میں تمہارے قدموں پر

گر کے معافی مانگتی ہوں"۔ وہ ژولیاں کی آغوش سے پھسل کے اس کے پیروں پر
آرہی ۔"ہاں، تم میرے آقا ہو"۔ وہ محبت اور خوشی کے نشے میں سرشار ہو کے بولی۔
" لو میرے اوپر ہمیشہ ہمیشہ راج کرو۔ تمہاری کنیز تم سے بھاگنا چاہے تو اسے
جتنی چاہے سزا دو۔"

پھر وہ ایک دم ژولیاں کے بازوؤں میں سے نکل بھاگی اور بتی جلالی۔
وہ اپنے ایک طرف کے سارے بال کاٹ پھینکنا چاہتی تھی۔ ژولیاں نے
بہزار وقت اسے روکا۔

وہ کہنے لگی ۔" میں یہ بات یاد رکھنی چاہتی ہوں کہ میں تمہاری باندی ہوں۔
اگر میں اپنے منحوس غرور میں کبھی یہ بات بھول جاؤں تو مجھے یہ بال دکھا کر کہو
کہ اب محبت کا سوال ہی نہیں۔ ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں کہ تم اس وقت
کیا محسوس کر رہی ہو، تم نے اطاعت کی قسم کھائی ہے۔ اپنی عزت کا پاس ہے
تو اطاعت کرو۔"

لیکن بہتر یہی ہے کہ ایسی وحشیانہ شادمانی کے بیان کو یہیں ختم
کر دیا جائے۔

ژولیاں کی شرافت بھی اس کی خوشی سے گھٹ کے نہ رہی۔ اس نے باغ کے
ادھر مشرق میں مکانوں کی چھت پر اُجالا ہوتے دیکھا تو ماتیلد سے کہنے لگا ۔
" اب مجھے چل دینا چاہیئے۔ تم اسی لائق ہو کہ میں تمہاری خاطر یہ قربانی کروں۔ ابھی
تو میں کئی گھنٹے جنت کے مزے لوٹ سکتا تھا۔ لیکن مجھے یہ محرومی گوارا ہے۔ میں
تمہاری بدنامی کے ڈر سے یہ قربانی کر رہا ہوں۔ اگر تمہیں معلوم ہے کہ میرے

دل کی کیا حالت ہے تو پھر تم سمجھ جاؤ گی کہ میں اپنے اُوپر کیسا ظلم توڑ رہا ہوں کیا تم میرے ساتھ ہمیشہ یہی سلوک کرو گی جیسا اب کیا ہے ؟ خیر اتنی باتیں بہت ہیں، میری عزت کا تقاضا ہے کہ اب چل پڑوں۔ ہاں تمہیں ایک بات اور بتا دوں۔ ہماری پہلی ملاقات کے بعد سے شبہ صرف چوروں تک ہی محدود نہیں رہا۔ موسیو دلاموں نے باغ میں پہرہ بٹھا دیا ہے۔ موسیو دکرواز نوا کے پیچھے جاسوس لگے ہوئے ہیں یہیں روز رات کو پتا چل جاتا ہے کہ آج دن بھر وہ کیا کرتا رہا ۔۔۔"

"بہت خوب!" ماتیلد نے زور سے قہقہہ لگا کے کہا۔ اس کی ماں اور ایک خادمہ کی آنکھ کھل گئی۔ انہوں نے فوراً دروازے کے باہر سے ماتیلد کو پکارا۔ ژولیاں نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ پیلی پڑ گئی اور خادمہ کو ڈانٹا، مگر ماں کو جواب دینے کی تکلیف تک گوارا نہ کی۔

"لیکن اگر کہیں انہیں کھڑکی کھولنے کی سوجھ گئی تو سیڑھی دیکھ لیں گے!" ژولیاں نے کہا۔

اس نے ماتیلد کو ایک دفعہ پھر بازوؤں میں بھینچا۔ اُچھل کے سیڑھی پر پہنچا اور سیدھی طرح اترنے کی بجائے پھسلتا ہوا دم بھر میں زمین پر آ رہا۔

تین سیکنڈ بعد سیڑھی درختوں کے نیچے پہنچ گئی اور ماتیلد کی عزت سلامت رہ گئی۔ ژولیاں کو ہوش آیا تو دیکھا کہ خون بہہ رہا ہے اور میں نیم برہنہ ہوں۔ سیڑھی پر سے اندھا دُھند پھسلنے میں اس کے چوٹ آ گئی تھی۔

خوشی کے جوش میں اسے اپنے کردار کی ساری قوت واپس مل گئی تھی۔ اگر اس وقت بیس آدمی بھی اس کے سامنے آ جاتے تو اکیلے اُن کا مقابلہ کرنے میں

اُسے مزید لطف ملتا۔ خوش قسمتی سے اُس کی سپاہیانہ دلاوری کے امتحان کا موقع ہی نہ آیا۔ اس نے سیڑھی وہیں رکھ دی۔ جہاں عام طور سے رکھی رہتی تھی اور زنجیر بھی ویسی کی ویسی ہی باندھ دی۔ ماتیلد کی کھڑکی کے نیچے جنگلی پھولوں کی کیاری میں سیڑھی سے جو نشان پڑ گئے تھے۔ وہ لوٹ کے انہیں مٹانا بھی نہ بھولا۔

جب وہ اندھیرے میں زمین پہ ہاتھ پھیر پھیر کے یہ دیکھ رہا تھا کہ نشان پوری طرح مٹ گئے یا نہیں، تو اُسے محسوس ہوا کہ کوئی چیز آ کے ہاتھ پر گری ہے۔ یہ ماتیلد کے پورے ایک طرف کے بال تھے جو اس نے کاٹ کے نیچے ژولیاں کے پاس پھینک دیئے تھے۔

وہ اپنی کھڑکی میں کھڑی تھی۔

"دیکھو تمہاری کنیز نے تمہاری خدمت میں کیا چیز پیش کی ہے" وہ خاصے زور سے بولی "یہ اس بات کی نشانی ہے کہ میں ہمیشہ ہمیشہ تمہاری فرمانبردار رہوں گی۔ اب میں اپنی عقل اور اپنے ارادے سے دست بردار ہوتی ہوں تم میرے آقا بن جاؤ۔"

ژولیاں اپنے جذبات سے ایسا مغلوب ہوا کہ اس کا جی چاہا بھاگ کے سیڑھی لے آؤں اور پھر اس کے کمرے میں جا پہنچوں۔ لیکن آخر عقل کی بات چل گئی۔

باغ سے مکان کے اندر جانا آسان کام نہیں تھا۔ بہر حال اس نے کسی نہ کسی طرح ایک تہہ خانے کا دروازہ کھول لیا۔ مکان کے اندر پہنچا تو اُسے بڑی خاموشی کے ساتھ اپنے کمرے کا تالا توڑنا پڑا۔ اپنی گھبراہٹ میں ہر وہ چیز وہیں

چھوڑ آیا تھا، یہاں تک کہ تالی بھی جو کوٹ کی جیب میں تھی۔ وہ دل میں بولا۔ "خدا کرے ماتیلد کو "لاش" چھپانی یاد رہے"!

آخر تھکن شادمانی پر غالب آ گئی اور جب سُورج چڑھا تو وہ گہری نیند سو گیا۔ دوپہر کے کھانے کی گھنٹی نے اسے بہزار دقت جگایا۔ وہ کھانے کے کمرے میں پہنچا۔ ذرا سی دیر بعد ماتیلد بھی آ گئی۔ اس کے پندار کو یہ دیکھ کر لمحے بھر کے لئے بڑی خوشی ہوئی کہ جس حسینہ کے سامنے دُنیا جھکی جاتی ہے اس کی آنکھوں میں پیار کی چمک ہے۔ لیکن پھر ایک ایسی بات ہوئی جس سے اس کی دُور اندیشی بیدار ہو گئی۔

اس بہانے سے کہ مجھے سنگار کرنے کا وقت ہی نہیں ملا، ماتیلد نے بال اس طرح بنائے تھے کہ ژولیاں نے ایک نظر میں دیکھ لیا۔ رات اپنے بال کاٹ کر اس نے میرے لئے کتنی بڑی قربانی کی ہے۔ ایسی حسین صورت کسی طرح خراب ہو ہی نہیں سکتی۔ ورنہ ماتیلد نے واقعی اپنی شکل لبگاڑلی ہوتی۔ وہ زردی مائل سنہرے سنہرے بال جلد سے آدھ آدھ انچ اوپر تک ایک طرف سے بالکل اڑے ہوئے تھے۔

کھانے کے دوران میں ماتیلد کا رویّہ شروع سے آخر تک اسی ابتدائی ناعاقبت بینی سے ہم آہنگ رہا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ ارادتاً ہر آدمی پر یہ بات واضح کر دینا چاہتی ہو کہ مجھے ژولیاں سے کیسی دیوانہ وار محبت ہے۔ اور خوش قسمتی سے آج موسیو اور مادام دلاموَل خطابات کی اس فہرست میں منہمک تھے۔ جس کا عنقریب اعلان ہونے والا تھا اور جس میں موسیو دشولن کا نام نہ تھا۔ کھانے کے آخر میں ماتیلد نے ژولیاں سے باتیں کرتے ہوئے اسے "میرے آقا" کہہ کے

خطاب کیا۔ ژولیاں سر سے پیر تک سُرخ ہو گیا۔

نہ معلوم اتفاق تھا یا مادام دلاموں کی کوشش کا نتیجہ، بہر حال اُس روز ماتیلد کو لمحے بھر کے لئے بھی تنہائی نصیب نہ ہوئی۔ لیکن شام کو جب وہ کھانے کے کمرے سے دیوان خانے میں جا رہی تھی تو اس نے ژولیاں سے بات کرنے کا موقع نکال ہی لیا۔

"میری سب تجویزیں رکھی رہ گئیں۔ یہ نہ سمجھنا کہ یہ میری حرکت ہے۔ والدہ نے ابھی طے کیا ہے کہ ان کی ایک خادمہ میرے کمرے میں سویا کرے گی۔"

دن بجلی کی سی تیزی کے ساتھ گزر گیا۔ ژولیاں بے انتہا خوش تھا۔ اگلے دن سات بجتے بجتے وہ کتب خانے میں جا بیٹھا۔ اُسے امید تھی کہ مادموازیل دلاموں وہاں آنے کی تکلیف ضرور گوارا کرے گی۔ اس نے ماتیلد کے نام ایک لمبا چوڑا خط لکھ رکھا تھا۔

ماتیلد کئی گھنٹے بعد کہیں دوپہر کے کھانے کے وقت نظر آئی۔ اس نے اپنے بال بڑی محنت سے بنائے تھے اور کٹے ہوئے لچھوں کی وجہ سے جو جگہ خالی رہ گئی تھی اسے نہایت ہنرمندی سے چھپا لیا تھا۔ اس نے دو ایک دفعہ ژولیاں کی طرف دیکھا تو سہی مگر بڑے سکون اور شائستگی کے ساتھ۔ اب ژولیاں کو "میرے آقا" کہہ کر پکارنے کا کوئی سوال باقی نہ رہا تھا۔

حیرت کے مارے ژولیاں سے سانس نہ لیا جا رہا تھا۔ . . . ماتیلد نے اس کے لئے جو کچھ بھی کیا تھا۔ اس پر اپنے آپ کو ملامت کر رہی تھی۔

اچھی طرح سوچنے سمجھنے کے بعد اس نے یہ رائے قائم کی تھی کہ ژولیاں بالکل معمولی قسم کا آدمی نہ سہی۔ بہر حال اتنا ممتاز تو ہرگز نہیں کہ اس کی خاطر وہ تمام حماقتیں کی جائیں جو مجھ سے سرزد ہوئی ہیں۔ فی الجملہ اب اُسے محبت کا خیال ہی

نہ آرہا تھا۔ آج وہ محبت سے تھک چکی تھی۔

رہا ژولیاں، تو اس وقت اس کے دلی جذبات سولہ سال کے لڑکوں جیسے تھے۔ کھانے کے دوران میں شک، تحیر، ناامیدی باری باری سے اس پر حملہ کرتے رہے اور اسے یوں لگا کہ یہ کھانا کبھی ختم ہی نہ ہوگا۔

آدابِ محفل نے جیسے ہی اُسے اُٹھنے کی اجازت دی۔ وہ اصطبل کی طرف لپکا۔ خود گھوڑا کسا اور سرپٹ چل پڑا۔ اسے ڈر تھا کہ اگر میں نے ذرا بھی کمزوری دکھائی تو میری بے عزتی ہوگی۔ جنگل میں گھوڑا دوڑاتے ہوئے وہ دل میں بولا۔

"میں اپنے آپ کو اتنا تھکا ڈالوں گا کہ دل خود بخود مر جائے گا۔ ۔ ۔ ۔ آخر میں نے ایسا کیا کیا ہے، ایسی کیا بات کہی ہے جو اس تذلیل کا مستحق ٹھہرا؟"

گھر واپس آتے ہوئے اس نے فیصلہ کیا۔ "آج تو میں نہ کچھ کروں گا۔ نہ کچھ کہوں گا۔ جس طرح میری روح مردہ ہو چکی ہے، اسی طرح جسم بھی مردہ رہے گا۔ اب ژولیاں زندہ ہی نہیں، یہ تو اس کی لاش چل پھر رہی ہے۔"

بیسواں باب

جاپانی گلدان

شروع شروع میں تو اُس کے دل کو غم و اندوہ کا صحیح اندازہ نہیں ہوتا۔
اُس کا دماغ زیادہ پریشان ہو جاتا ہے، جذبات میں ہلچل کم ہوتی ہے۔
لیکن جیسے ہوش و حواس درست ہوتے ہیں، اپنی بدنصیبی کا احساس
بڑھنے لگتا ہے۔ زندگی کے سارے لذائذ اُس کے لئے بے حقیقت
ہو جاتے ہیں۔ اُسے تو بس ایک مایوسی کے نشتروں کا احساس ہوتا
ہے۔ جو اسے ہر وقت چھیدتے رہتے ہیں۔ یہاں جسمانی تکلیف کا ذکر
فضول ہے۔ اس دُکھ کا مقابلہ کون سا جسمانی دُکھ کر سکتا ہے؟

ژاں پال

کھانے کی گھنٹی بجی تو ژولیاں جلدی جلدی کپڑے پہن کے بھاگا۔ دیوان
خانے میں اس نے دیکھا کہ ماتیلد اپنے بھائی اور موسیو دکر واز نوا پر دباؤ ڈال
رہی ہے کہ شام کو مادام دفرواک کے یہاں نہ جایا کریں۔
ان دونوں کے ساتھ اس کا سلوک نہایت ہی دلفریب اور مسحور کن تھا۔

کھانے کے بعد موسیو دلوز، مرسیو دگے لو، اور کئی دوسرے دوست بھی آ موجود ہوئے۔
ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مادموازیل دلاآمول نے خواہرانہ محبت کا اظہار اور رسمی طور بر
طریقوں کی پابندی پھر سے شروع کر دی ہے۔ حالانکہ آج رات موسم بڑا خوشگوار
تھا۔ لیکن اس نے اصرار کیا کہ باغ میں نہیں جائیں گے۔ ماتیلد نے مصمم ارادہ کر لیا
تھا کہ مادام دلاآمول کی آرام کرسی کے پاس سے نہیں ہٹنا۔ جاڑوں کی طرح آج
بھی نیلا صوفا اس گروہ کا مرکز بن گیا۔

ماتیلد باغ سے خفا تھی۔ کم از کم اسے باغ سے اکتاہٹ ضرور ہو رہی تھی کیونکہ
اس سے ژولیاں کی یادیں وابستہ تھیں۔

غم سے عقل خراب ہو جاتی ہے۔ ہمارے ہیرو سے یہ حماقت کی کہ اسی بید
کی کرسی سے چپکا رہا۔ جہاں پہلے اسے اتنی زبردست کامرانیاں حاصل ہوئی تھیں
آج رات کسی نے اس سے بات تک نہ کی۔ لوگ اس کے وجود سے بالکل
بے خبر رہے، بلکہ اس سے بھی برا سلوک ہوا۔ مادموازیل دلاآمول کے جو دوست
اس کے پاس صوفے کے آخر میں بیٹھے تھے۔ انہوں نے اسے جتلا دیا کہ
ہم نے جان بوجھ کے تمہاری طرف کمر کر لی ہے۔ کم سے کم ژولیاں نے یہی
سوچا۔

اس نے دل میں کہا ”یہ تو ایسا ہو رہا ہے جیسے درباریوں کی تذلیل
کی جاتی ہے۔“ اس کا جی چاہا کہ جو لوگ مجھے اپنی حقارت کے بوجھ سے کچل دینا
چاہتے ہیں۔ انہیں ذرا غور سے تو دیکھوں۔

موسیو دلوز کا چچا بادشاہ کے محل میں ایک اہم خدمت پر مامور تھا۔ اس کا

نتیجہ یہ ہوا کہ جو نیا آدمی آتا اسے یہ بانکا افسر چھوٹتے ہی یہ مزیدار بات سناتا کہ میرے چچا صبح سات بجے شاہی محل گئے ہیں، اور رات کو بھی وہیں رہنے کا خیال ہے یہ خبر اس طرح سنائی جاتی جیسے چلتے چلاتے بات نکل آئی ہو۔ لیکن سنائی ضرور جاتی۔

ژولیاں نے غم کی سخت گیر نگاہوں سے موسیو دکرواز نوا کو بغور دیکھا تو پتا چلا کہ اس لائق وفائق اور دلکش نوجوان کو ہر چیز میں کسی پراسرار قوت کا ہاتھ نظر آتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر کسی اہم واقعے کا کوئی سیدھا سادا اور فطری سبب بتا یا جائے تو وہ چڑ جاتا اور منہ پھلا لیتا۔ ژولیاں دل میں کہنے لگا۔ "یہ تو کچھ دیوانگی کے آثار ہیں۔ اس کا کردار روس کے شہنشاہ الیکسانڈر سے بڑی مشابہت رکھتا ہے جس کا حال مجھے شہزادے کوراسوف نے سنایا تھا۔" پیرس میں اپنے قیام کے پہلے سال تو ژولیاں کا یہ حال رہا کہ وہ بچارا سیدھا دارالعلوم سے آرہا تھا۔ ان دلکش نوجوانوں کے محاسن اس کے لیے بالکل نئی چیز تھے۔ اس کی آنکھیں چندھیا سی گئیں اور وہ ان لوگوں سے مرعوب ہو گیا۔ لیکن اب ان کا اصلی کردار کچھ کچھ اس کی سمجھ میں آنے لگا تھا۔

"یہاں بیٹھ کے میں اپنی بے عزتی کرا رہا ہوں"۔ اس نے ایک دم سے فیصلہ کیا۔ اب سوال یہ تھا کہ اب بید کی کرسی سے کس طرح اٹھا جائے جو بدحرکت بدتمیزی میں شمار نہ ہو۔ اس نے اپنی قوت ایجاد سے کام لینا چاہا۔ اپنے تخیل کی مدد سے کوئی نئی چیز ڈھونڈ نکالنی چاہی مگر تخیل تو کہیں اور مصروف تھا۔ اسے اپنے حافظے کا سہارا لینا پڑا جو سچی بات ہے اس قسم کے ذخائر سے خالی تھا۔

یہ لڑکا ابھی بالکل اناڑی تھا۔ چنانچہ وہ دیوان خانے سے جانے کے لئے اٹھا تو نہایت بے ڈھنگے پن سے اور ہر آدمی نے یہ بات بھی دیکھ لی۔ اس کی تمام حرکات و سکنات سے غم ٹپکتا تھا۔ پون گھنٹے سے اُس کی حیثیت ایک پریشان کُن ملازم کی رہی تھی۔ جس سے لوگ یہ چھپانے کی تکلیف بھی گوارا نہ کرتے ہوں کہ تمہارے متعلق ہماری کیا رائے ہے۔

وہ اپنے رقیبوں کو بڑی ناقدانہ نظر سے دیکھتا رہا تھا۔ چنانچہ اُسے اپنی مصیبت پر زیادہ غم کھانے کی ضرورت نہ پیش آئی۔ اپنے پندار کو تقویت پہنچانے کے لئے اسے پرسوں رات کی باتیں خوب یاد تھیں۔ وہ اکیلا باغ میں پہنچا تو دل میں کہنے لگا — "یہ لوگ ہزار طرح مجھ سے بہتر سہی، مگر ان کے لئے مانتیلد کبھی وہ نہیں رہی جو عمر میں دو دفعہ میرے لئے رہ چکی ہے۔"

اس کی فراست اس سے آگے نہ پہنچ سکی۔ اتفاقات نے اس کی ساری خوشی جس عجیب و غریب ہستی کے سپرد کر دی تھی وہ اس کے کردار کو ذرا بھی نہ سمجھ سکا۔

اگلے دن اُس کی ساری کوشش یہی رہی کہ میں اور میرا گھوڑا تھک کے چُور ہو جائیں۔ شام کو وہ اس نیلے صوفے کے پاس تک نہ پھٹکا جس پہ مانتیلد حسبِ معمول جمی ہوئی تھی۔ ژولیاں نے دیکھا کہ جب کا وُنٹ نوربیر سے مڈبھیڑ ہوئی تو اس نے میری طرف نظر تک نہ ڈالی۔ اس نے سوچا — "یہ نہایت مہذب آدمی ہے، اس وقت اپنے اوپر بڑا جبر کر رہا ہو گا۔"

ژولیاں کے لئے نیند ایک نعمت ثابت ہوئی۔ جسمانی خستگی کے باوجود بڑی

بڑی دلفریب یادوں نے اس کے تخیل پر حملہ بول دیا۔ وہ اتنی بات نہ سمجھ سکا کہ پیرس کے چاروں طرف جنگلوں میں پھر پھر کے میں صرف اپنے آپ پر عمل کر رہا ہوں ماتیلد کے دل یا دماغ پر عمل نہیں کر رہا، اور اس طرح اپنی قسمت بالکل اتفاقات کے ہاتھوں میں چھوڑے دے رہا ہوں۔

ژولیاں نے سوچا کہ صرف ایک چیز میرے غم کو تسکین دے سکتی ہے اور وہ یہ کہ ماتیلد سے بات ہو جائے مگر وہ اس کی جرأت کرتا بھی تو کہتا کیا؟

ایک دن صبح سات بجے وہ بیٹھا اسی سوال پر غور کر رہا تھا کہ اچانک دیکھا ماتیلد کتب خانے میں آ رہی ہے۔

"جناب، مجھے معلوم ہے کہ آپ مجھ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔"

"ارے، آپ سے کس نے کہا؟"

"آپ کو اس سے کیا؟ بس مجھے معلوم ہے۔ اگر آپ میں عزت کا احساس نہ ہوتا تو آپ مجھے برباد کر سکتے ہیں، یا کم از کم اس کی کوشش تو کر ہی سکتے ہیں۔ میں سمجھتی ہوں کہ اس خطرے میں زیادہ جان نہیں۔ بہرحال یہ نہیں ہو سکتا کہ میں خلوص نہ برتوں۔ سنیے جناب، مجھے آپ سے محبت نہیں رہی۔ مجھے تو میرے تخیل نے دیوانہ بنا دیا تھا۔ . . ."

یہ خوفناک چوٹ پڑی تو ژولیاں محبت اور غم سے پاگل ہو کر طرح طرح کے عذر پیش کرنے لگا۔ اس سے مہمل بات اور کیا ہو سکتی تھی؟ اگر کوئی ہمیں پسند نہ کرے تو ہم اپنی کیا صفائی پیش کر سکتے ہیں؟ لیکن اب اس کے افعال پر عقل کا تو اختیار رہا ہی نہ تھا۔ کوئی اندھی طاقت اسے اندر سے مجبور کر رہی تھی کہ وہ اپنی

قسمت کا فیصلہ کسی اور وقت کے لئے اٹھا رکھے۔ اُسے کچھ یوں لگ رہا تھا کہ جتنی دیر بولتا رہوں گا اتنی دیر یہ بات آخری طور پر طے نہ ہونے پائے گی۔ مادموازیل اس کی باتیں سُن ہی نہ رہی تھی۔ اُسے ژولیاں کی آواز تک بُری لگ رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ اس نے میری بات کاٹنے کی جرأت کیسے کی۔

آج اُسے دُہری ندامت ہو رہی تھی۔ ایک تو اپنی عصمت کے خیال سے دوسرے اپنے پندار کی وجہ سے۔ رنج کے مارے اُس کی بُری حالت ہوگئی تھی۔ یہ خوفناک خیال اسے پیسے ڈال رہا تھا کہ میں نے ایک معمولی باوری اور کسان کے بیٹے کو اپنے اوپر چند اختیارات دے دیئے۔ جب وہ اپنی مصیبت کے بارے میں مبالغے سے کام لینے لگتی تو کہتی ـــ" یہ تو کچھ ایسی بات ہے جیسے میں نے کسی خدمت گار سے دل لگا یا ہو"

مغرور مزاج اور دلیر لوگوں کو اپنے اوپر بگڑتے بگڑتے دوسروں پر برس پڑنے میں ذرا بھی دیر نہیں لگتی۔ ایسے وقت غصّہ بھی ایک شدید لذّت بن جاتا ہے۔

دم بھر میں مادموازیل دلامول کی یہ حالت ہوئی کہ وہ طرح طرح سے ژولیاں کو اپنی انتہائی حقارت کا نشانہ بنانے لگی۔ وہ بڑی ذہین تھی اور دوسروں کے پندار کو تکلیف پہنچانے اور انھیں بے رحمی سے کچوکے دینے کے فن میں یہ ذہانت اپنے جوہر خوب دکھاتی تھی۔

ژولیاں کو اپنی عمر میں پہلی دفعہ ایسا اتفاق ہوا تھا کہ اس سے بہتر دماغ رکھنے والا کوئی شخص اُس کے خلاف انتہائی شدید نفرت کے جوش میں آکے اس پر تابڑ توڑ حملے شروع کردے۔ مدافعت کا خیال آنا تو درکنار، وہ تو اس وقت خود اپنے آپ سے

نفرت کرنے لگا۔ ماتیلد جان جان کر ایسی باتیں کہہ رہی تھی کہ اگر اس کی اپنے بارے میں کوئی اچھی رائے ہو تو وہ بھی ختم ہو جائے۔ حقارت کا ایسا بے رحمانہ اظہار دیکھا تو ژولیاں کو محسوس ہوا۔ ماتیلد بالکل ٹھیک کہتی ہے۔ بلکہ جتنا چاہیئے اس سے کم ہی کہہ رہی ہے۔

رہی ماتیلد تو اس کے پندار کو اس بات میں بڑی لذت مل رہی تھی کہ میں نے چند دن پہلے جو محبت کی تھی اُس کی سزا اپنے آپ کو بھی دے رہی ہوں اور اُسے بھی۔

اُسے وہ زہریلے الفاظ ایجاد کرنے یا وضع کرنے کے وقت سوچنے کی ضرورت نہیں پڑی جو اس روانی اور اطمینان کے ساتھ اس کے منہ سے نکل رہے تھے۔ وہ تو بس وہی الفاظ دہرا رہی تھی جو محبت کی مخالف جماعت کا وکیل ہفتے بھر سے اُس کے دل میں کہہ رہا تھا۔

ماتیلد کا ایک ایک لفظ ژولیاں کے غم واندوہ کو سوگنا بڑھا رہا تھا۔ اس نے چاہا کہ یہاں سے بھاگ جاؤں، مگر مادموازیل دلاموّل نے بڑے تحکمانہ انداز سے اس کا بازو پکڑ لیا۔

ژولیاں بولا ــــ "مہربانی کر کے یہ تو دیکھئے کہ آپ زور زور سے بول رہی ہیں۔ برابر والے کمرے میں لوگ سن لیں گے۔"

"تو پھر کیا ہوگا!" مادموازیل دلاموّل نے اکڑ کے جواب دیا۔ "اتنی ہمت کس میں ہے جو مجھ سے آکر کہے کہ میں نے آپ کی بات سن لی ہے؟ تمہارا پندار حد سے بڑھ گیا ہے۔ تم نے نہ معلوم مجھے کیا سمجھ رکھا ہے۔ میں آج تمہاری غلط فہمیاں

ہمیشہ کے لئے دُور کر دینا چاہتی ہوں۔"

جب ژولیاں کو کُتب خانے سے چھٹکارا ملا تو وہ ایسا بھونچکا رہ گیا تھا کہ اب اپنا غم بھی اتنا محسوس نہ ہو رہا تھا۔ وہ بہ آوازِ بلند کہنے لگا جیسے اپنے آپ کو اطلاع دے رہا ہو کہ میرے حالات کیا ہیں — "تو اب اُسے مجھ سے محبت نہیں رہی! معلوم ہوتا ہے کہ اُسے تو مجھ سے آٹھ دس دن ہی محبت رہی لیکن مجھے اس سے عمر بھر محبت رہے گی۔

"کیا یہ ممکن ہے کہ اب سے چند دن پہلے وہ میرے لئے کچھ بھی نہیں تھی۔ میرے دل کے لئے کچھ بھی نہیں تھی؟"

اُس کے پندار نے تسکین پائی تو ماتیلد کے دل میں خوشی کا طوفان اُمنڈ آیا۔ یعنی اُس نے ژولیاں سے ہمیشہ کے لئے تعلقات ختم کر ہی دیئے! ایسی زبردست محبت کے اُوپر اتنی مکمل فتح پا لینے کے خیال سے ماتیلد نہالوں نہال ہو رہی تھی۔ "اب یہ حضرت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سمجھ جائیں گے کہ انہیں میرے اُوپر نہ تو کسی قسم کا اختیار حاصل ہے نہ ہوگا۔" وہ اتنی خوش تھی کہ اس وقت تو اُسے بالکل محبت محسوس نہ ہو رہی تھی۔

اگر کوئی ایسا آدمی ہوتا جس میں ژولیاں کے سے تیز اور شدید جذبات نہ ہوتے تو ایسی تحقیر و تذلیل کے بعد اُسے محبت کا خیال تک نہ آتا جو وقار اُس کے لئے ضروری تھا۔ اسے چھوڑے بغیر مادموازیل دلامول نے خوب سوچ سمجھ کے ژولیاں سے بعض ایسی ناخوش گوار باتیں کہی تھیں کہ اگر ٹھنڈے دل سے بھی اُن پر غور کیا جائے تو سچی معلوم ہونے لگیں۔

اس عجیب و غریب ہنگامے سے ژولیاں نے شروع میں یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ماتیلد بے انتہا مغرور ہے۔ اُسے پختہ یقین ہو گیا کہ ہم دونوں میں جو علاقہ تھا وہ اب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوا۔ اس کے باوجود اگلے دن دوپہر کو وہ ماتیلد کے سامنے گھبرایا اور جھینپا ہوا سا رہا۔ اب سے پہلے اس قسم کا عجیب اُس میں کبھی نظر نہیں آیا تھا۔ چھوٹا معاملہ ہو یا بڑا، اسے اچھی طرح معلوم رہتا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے اور میں کیا کرنا چاہتا ہوں اور پھر اس بات پر عمل بھی کرتا تھا۔

اُس روز کھانے کے بعد مادام دلاموں نے اس سے ایک باغیانہ اور نہایت نکیاب رسالہ مانگا جو اس علاقے کے پادری نے آج صبح چوری چھپے لا کر دیا تھا تو ایک چھوٹی میز کے اُوپر سے رسالہ اٹھاتے ہوئے ژولیاں سے چینی کا ایک نیلا اور نہایت قدیم گلدان گر پڑا جو ازحد بھونڈی شکل کا تھا۔

مادام دلاموں رنج کے مارے چیخ پڑی اور کمرے کے دوسری طرف سے اٹھ کر اپنے عزیز گلدان کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑے دیکھنے آئی۔ وہ کہنے لگی۔ "یہ گلدان قدیم جاپان کا تھا۔ یہ مجھے ایک رشتے کی دادی نے دیا تھا۔ ڈیوک دآرلیاں کو ہالینڈ والوں سے تحفے میں ملا۔ انہوں نے اپنی بیٹی کو دیا۔۔۔"

ماتیلد بھی اپنی ماں کے ساتھ ساتھ اٹھ کر چلی آئی تھی۔ یہ گلدان اُسے بہت ہی بدصورت لگتا تھا۔ اس کے ٹوٹ جانے سے اُسے بڑی خوشی ہوئی۔ ژولیاں خاموش کھڑا تھا۔ اُسے کچھ ایسی زیادہ پریشانی نہیں ہو رہی تھی۔ اس نے دیکھا کہ مادموازیل دلاموں میرے پاس ہی کھڑی ہے۔

وہ اس سے کہنے لگا۔ "یہ گلدان اب ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔ اس جذبے

کا بھی یہی حال ہوا ہے جو کچھ دن کے لئے میرے دل پر چھا گیا تھا۔ اس کے ہاتھوں مجھ سے بڑی بڑی حماقتیں سرزد ہوئی ہیں۔ میں آپ سے معافی کا خواستگار ہوں" اور وہ کمرے سے چل دیا۔

جب وہ جا رہا تھا تو مادام دلاموں نے کہا" واقعی ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے ان ژولیاں صاحب نے جو حرکت کی ہے، اس پر بہت خوش ہیں اور فخر کر رہے ہیں۔"

یہ بات سن کر ماتیلد کے دل پر چوٹ سی لگی۔ وہ سوچنے لگی۔" بالکل درست ہے۔ اماں نے ٹھیک سمجھا۔ یہ اسی خیال میں مگن ہے"۔کل والے ہنگامے پر اُسے جو خوشی ہوئی تھی۔ وہ کہیں اب جا کے ختم ہوئی۔ اس نے بظاہر سکون کے ساتھ اپنے دل میں کہا۔" چلو، قصّہ ختم ہوا۔ مجھے بہت بڑا سبق ملا ہے۔ میں بھی کیسی خوفناک غلطی کر بیٹھی جس میں میری اتنی بے عزّتی ہوئی! خیر، مجھے عمر بھر کے لئے عقل ہوئی۔"

" میں نے ٹھیک بات بھی کہی تھی یا نہیں؟" ژولیاں سوچ رہا تھا۔" مجھے اس پاگل عورت سے جو محبت تھی۔ وہ آخر مجھے ابھی تک کیوں تنگ کر رہی ہے؟"

اُسے امید تھی کہ یہ محبت اپنے آپ سے اپنے آپ مر جائے گی۔ ایسا ہونا تو درکنار۔ وہ تو اُلٹی اور بڑھنے لگی۔ وہ دل میں بولا۔" یہ ہے تو واقعی پگلی، مگر کیا اس وجہ سے کچھ کم پیاری لگتی ہے؟ اس سے حسین بھی کوئی لڑکی ہوگی؟ تہذیب کی بدولت جتنی بھی نفاستیں اور لطافتیں پیدا

ہو سکتی ہیں۔ کیا وہ سب کی سب مادموازیل ڈلاموٓل میں جمع نہیں ہو گئیں ؟"۔
گذشتہ شادمانی سے وابستہ یادیں ژدلیآں پر غالب آگئیں اور عقل نے جتنا کچھ کام کیا تھا اُسے بڑی تیزی سے ختم کر کے رکھ دیا۔
اس قسم کی یادوں کے خلاف عقل کی ساری جدوجہد رائگاں جاتی ہے عقل کی سخت گیری سے اُن کا حُسن کچھ اور بڑھ جاتا ہے۔
جاپانی گل دان ٹوٹنے کے چوبیس گھنٹے بعد ژدلیآں اتنا دُکھی تھا کہ مشکل ہی سے کوئی ہو گا۔

اکیسواں باب

خفیہ رُقعہ

میں جو کچھ سُنا رہا ہوں۔ وہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔
مُمکن ہے دیکھتے ہوئے میں دھوکا کھا گیا ہوں لیکن سُناتے ہوئے
آپ کو دھوکا نہیں دے رہا۔

مصنّف کے نام ایک خط

مارکوئش نے ژولیاںؔ کو بُلوایا۔ موسیو دلاموِل ایسا لگ رہا تھا جیسے دوبارہ جوان ہوگیا ہو۔ اُس کی آنکھوں میں ایک نئی چمک تھی۔
وہ ژولیاںؔ سے بولا ـــ "سُنا ہے آپ کا حافظہ بڑا شان دار ہے۔ ذرا ہم بھی تو دیکھیں۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ آپ چار صفحے زبانی یاد کرلیں اور لندن جاکے انہیں دُہرادیں؟ لیکن ایک لفظ اِدھر سے اُدھر نہ ہونے پائے!"
مارکوئش بیتابی سے اخبار کے ورق الٹ رہا تھا اور ایسی سنجیدگی برتنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا جو ژولیاںؔ نے اس زمانے میں بھی نہیں دیکھی تھی۔ جب فری لیبر والے مقدمے پر بحث ہُوا کرتی تھی۔

اس وقت تک ژولیاں کو خاصا تجربہ حاصل ہو چکا تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ نیم مزاحیہ انداز مجھے بیوقوف بنانے کے لئے اختیار کیا گیا ہے اور مجھے بھی یہی ظاہر کرنا چاہئے کہ میں بیوقوف بن گیا۔

"یہ آج کا اخبار شاید کچھ ایسا دلچسپ تو نہیں ہے۔ لیکن اگر حضور اجازت دیں تو کل صبح میں یہ اخبار شروع سے آخر تک زبانی سُنا دوں"۔

"کیا! اشتہار تک سُنا دیں گے"؟

"جی حضور، بالکل۔ ایک لفظ تک نہیں چھوٹنے پائے گا"۔

"اچھا آپ وعدہ کرتے ہیں"؟ مارکوئس نے ایک دم سے سنجیدہ ہو کر کہا۔

"جی، حضور۔ لیکن مجھے وعدہ پورا نہ ہونے کا ڈر لگا رہے گا اس وجہ سے میرا حافظہ دغا دے جائے تو دے جائے"۔

"میرا مطلب ہے کہ میں کل آپ سے یہ بات پوچھنی بھول گیا۔ میں آپ سے یہ قسم نہیں لینا کہ جو باتیں آپ سنیں گے وہ کسی سے کہیں گے نہیں۔ میں آپ کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ اس لئے میں اس طرح آپ کی توہین نہیں کرنا چاہتا۔ میں نے آپ کی طرف سے ذمہ داری لے لی ہے۔ اب میں آپ کو ایک کمرے میں لے جاؤں گا جہاں بارہ آدمی جمع ہوں گے۔ ہر آدمی جو بات کہے آپ اسے لکھتے جائیے گا۔

"گھبرائیے نہیں۔ باتیں الم غلم نہیں ہوں گی۔ لوگ اپنی تقریریں تیار کر کے تو نہیں لائیں گے۔ لیکن ہر آدمی باری باری سے بولے گا"۔ مارکوئس نے پھر وہی بے فکری اور برتری کا انداز اختیار کر لیا جو اُس کی فطرتِ ثانیہ بن گیا تھا۔ "ہم تو آپس میں باتیں کریں گے اور آپ کوئی بیس صفحے لکھ لیجئے گا۔ پھر ہم دونوں یہاں واپس آ کر اُن

بیس صفحوں کو کاٹ پیٹ کے چار صفحے بنالیں گے۔ کل صبح سارا اخبار سنانے کے بجائے یہی چار صفحے مجھے سنائیے گا۔ اس کے بعد فوراً روانہ ہو جائیے۔ سفر اس طرح کیجئے جیسے کوئی نوجوان سیر و تفریح کے لئے گھر سے نکلا ہو۔ اس بات کا خاص خیال رہے کہ کوئی آپ کو دیکھنے نہ پائے۔ آپ کو ایک بہت بڑے آدمی کے پاس جانا ہے۔ وہاں آپ کو اور زیادہ ہوشیاری سے کام لینا پڑے گا۔ اُن کے گرد جو لوگ ہوں۔ اُنہیں نزدیک ہی رکھنا لازمی ہے۔ کیونکہ اُن کے سکرٹریوں میں اور ان کے ملازموں میں ایسے لوگ بھی ہیں جنہیں ہمارے دشمنوں کی طرف سے پیسے ملتے ہیں جو اس تاک میں رہتے ہیں کہ ہم جو آدمی بھیجیں اسے بیچ ہی میں روک لیں۔ آپ کو ایک تعارفی خط مل جائے گا۔ جن صاحب کے پاس آپ جا رہے ہیں تو جیب سے یہ گھڑی نکال لیجئے گا۔ میں اپنی گھڑی تھوڑے دن کے لئے آپ کو دیئے دیتا ہوں۔ اب آپ کو یہ کام کرنا تو ہے ہی۔ ابھی لے لیجئے اور اپنی گھڑی مجھے دے دیجئے۔

”آپ جو صفحے زبانی یاد کریں گے انہیں بولتے جائیے گا اور ڈیوک بنفسِ نفیس لکھتے جائیں گے۔

”یہ کام ختم ہونے کے بعد اگر وہ آپ سے سوال کریں تو انہیں اس جلسے کا حال سنا دیجئے گا جہاں میں آپ کو لے جا رہا ہوں، مگر خیال رہے، یہ کام ختم ہونے سے پہلے نہیں۔

”ایک بات ایسی ہے جس کی وجہ سے راستے بھر بے لطفی آپ کے پاس نہیں پھٹکے گی۔ پیرس سے لے کر ڈیوک کے محل تک بیسیوں آدمی ایسے ہوں گے جو موسیو سورِیل کو گولی کا نشانہ بنانا چاہیں گے۔ پھر آپ کے سفر کا مقصد بھی غارت

ہو جائے گا اور ہمارے کام میں بھی بڑی دیر لگے گی۔ کیونکہ، میرے عزیز، ہمیں آپ کی موت کی خبر کیسے ملے گی؟ آپ کتنی ہی گرمجوشی سے کام کیوں نہ لیں، ہمیں اس واقعے کی اطلاع تو نہیں دے سکتے۔

"جائیے، جلدی جا کے ضروری سامان خرید لیجئے"۔ مارکوئس پھر سنجیدہ ہو گیا۔ "اب سے دو سال پہلے والے فیشن کے کپڑے پہنیے گا۔ آج شام آپ کا لباس کچھ اُجڑا اکھڑا سا ہونا چاہیے۔ سفر میں وہی کپڑے پہنیے گا جیسے ہمیشہ پہنتے ہیں۔ یہ سُن کر آپ کو تعجب ہوا؟ آپ شکی مزاج ہیں۔ آپ نے اس کی وجہ بھی سمجھی؟ میرے دوست، آج بحث میں جو قابلِ احترام ہستیاں شامل ہوں گی اُن میں ایک بزرگ ایسے بھی ہیں جن سے کچھ بعید نہیں کہ دوسروں کو اطلاعات بہم پہنچا دیں۔ اس کا نتیجہ اور کچھ نہیں تو یہ ہو سکتا ہے کہ اگر آپ رات کو کسی اچھے خاصے ریسٹورنٹ میں کھانا کھانے گئے تو ممکن ہے کوئی آپ کو افیم دے دے"۔

ژولیاں نے کہا۔ "بہتر تو یہ ہوگا کہ میں پچاس ساٹھ میل آگے نکل جاؤں اور سیدھے راستے سے نہ جاؤں۔ میرا خیال ہے کہ مجھے روم جانا ہے۔۔۔"

مارکوئس کے چہرے سے اکڑ اور خفگی ٹپکنے لگی۔ ژولیاں نے برے لاڈ کے بعد سے اب تک اس کا یہ عالم کبھی نہ دیکھا تھا۔

"جناب، میں جس وقت مناسب سمجھوں گا۔ یہ بات بھی آپ کو معلوم ہو جائے گی۔ مجھے سوالات پسند نہیں"۔

"یہ سوال نہیں تھا"۔ ژولیاں نے تڑپ کے جواب دیا۔ "میں قسم کھا کر کہتا ہوں حضور، میں نے تو دل کی بات زور سے کہہ دی تھی۔ میں تو دل ہی دل میں یہ سوچ

رہا تھا کہ سب سے محفوظ راستہ کون سا ہے۔"

"ہاں، یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا دماغ کہیں اور تھا۔ یہ کبھی نہ بھولیے کہ سفیر کو خصوصاً آپ کی عمر کے سفیر کو ایسی بات نہیں کرنی چاہیے جس سے ظاہر ہو کہ زبردستی راز معلوم کرنا چاہتا ہے۔"

ژولیاں کو بڑی تکلیف پہنچی۔ اس سے ایک غلطی ہو گئی تھی۔ اس کا پندار کوئی عذر ڈھونڈنا چاہتا تھا مگر مل نہ رہا تھا۔

موسیو دلاموَل نے کہا "یہ بات اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ جب آدمی سے کوئی احمقانہ بات ہو جائے تو وہ ہمیشہ اپنے دل کا سہارا لیتا ہے۔"

گھنٹے بھر بعد ژولیاں مارکوئس کی چھوٹی نشست گاہ میں پہنچ گیا۔ اس نے بالکل معمولی آدمیوں کے سے پرانے فیشن والے کپڑے پہن رکھے تھے۔ مفلر بھی صاف ستھرا نہ تھا۔ غرض ژولیاں کچھ چھچھور سا لگ رہا تھا۔

اُسے دیکھتے ہی مارکوئس قہقہہ لگا کے ہنس پڑا۔ اس وقت جا کے ژولیاں کی معافی ہوئی۔

موسیو دلاموَل دل میں کہنے لگا ـــ "اگر اس لڑکے نے مجھے دھوکا دیا تو پھر میں کس پر اعتبار کر سکتا ہوں؟ لیکن جب کام آ پڑے تو کسی نہ کسی کا تو اعتبار کرنا ہی ٹھیرا۔ میرا بیٹا اور اس کے تیز طرار دوست نیک دل اور ایماندار لوگ ہیں۔ ایک ایک میں ہزار ہزار آدمیوں کے برابر وفاداری ہے۔ اگر لڑنے کا معاملہ ہو تو وہ شاہی تخت کی سیڑھیوں پر سر کٹانے کو تیار ہیں۔ انھیں سب کچھ آتا ہے۔ . . . سوائے اس بات کے جس کی اس وقت ضرورت ہے۔ ان کم بختوں میں ایک

بھی تو ایسا نہیں جو چار صفحے زبانی یاد کرلے، اور دو چار سو میل اس طرح چلا جائے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔ وقت آپڑے تو اپنے آباؤ اجداد کی طرح نور ہیر بھی جان دے سکتا ہے ۔ لیکن یہ تو کوئی بھی انارڑی سپاہی کرسکتا ہے"

مارکوئس سوچ میں پڑ گیا۔ وہ آہ بھر کے بولا — " اور جان دینے کے معاملے میں بھی یہ سور یل شاید اتنا ہی اچھا نکلے گا جتنا نور ہیر . . . "

"گاڑی تیار ہے"۔ مارکوئس نے کہا جیسے کسی پریشان کن خیال کو دل سے دور کرنا چاہتا ہو۔

ژولیاں بولا — "حضور جب درزی میرا کوٹ ٹھیک کر رہا تھا تو میں نے بیٹھے بیٹھے آج کے اخبار کا پہلا صفحہ زبانی یاد کر لیا"۔

مارکوئس نے اخبار اپنے ہاتھ میں لے لیا، ژولیاں نے فرفر سارا صفحہ سنا ڈالا اور ایک لفظ کی غلطی نہ ہوئی۔

"بہت خوب"۔ مارکوئس نے کہا۔ آج شام وہ پکا مدبر بنا ہوا تھا۔ "چلو اچھا ہے، ان باتوں میں لگ کے لڑکا یہ نہیں دیکھ رہا کہ ہم کن سڑکوں پر سے گزر رہے ہیں"

وہ ایک بڑے سے کمرے میں پہنچے جو کچھ اجاڑ سا لگتا تھا۔ ایک حصے میں تو دیوار پر تختے لگے ہوئے ہیں۔ باقی حصے میں سبز مخمل کے پردے ٹنگے تھے۔ ایک خدمت گار ناک بھوں چڑھائے آیا اور کمرے کے بیچ میں ایک کھانے کی میز لاکے رکھ دی، پھر اس پر ایک لمبا چوڑا سبز میز پوش بچھایا جس پر ہر طرف روشنائی کے دھبے تھے اور جو کسی وزارت کی یادگار تھا۔ اب یہی میز لکھنے کی میز بن گئی۔

گھر کا مالک ایک لحیم شحیم آدمی تھا۔ مگر اس کا نام نہیں بتایا گیا۔ ژولیاں نے

رہا تھا۔ اس کا حلیہ اور اس کی باتیں ایسی ہیں جیسے کوئی آدمی کھانا ہضم کرنے میں مصروف ہو۔

مارکوس کا اشارہ پاکے ژولیاں میز کے آخری سرے پر ہی بیٹھا رہا۔ اپنی گھبراہٹ دور کرنے کے لئے وہ قلم بنانے لگا۔ اس نے آنکھ کے ایک کونے سے مڑ کر دیکھا کہ بولنے والے سات آدمی ہیں۔ لیکن اُسے بس اُن کی کمر دکھائی دی۔ دو آدمی مرسیو دلاموں سے برابری کے انداز میں باتیں کر رہے تھے، باقی لوگوں کا لہجہ کم و بیش تعظیمی تھا۔

بغیر کسی اطلاع کے ایک اور آدمی کمرے میں آیا۔ ژولیاں نے دل میں کہا۔ "یہ عجیب بات ہے۔ اس کمرے میں کسی کے نام کا اعلان ہی نہیں کیا جاتا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ پیش بندی میری وجہ سے ہو رہی ہو؟" نووارد کے استقبال کے لئے سب لوگ اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس نے بھی وہی انتہائی ممتاز قسم کا تمغہ لگا رکھا تھا۔ جیسا تین اور آدمیوں نے جو پہلے سے کمرے میں موجود تھے۔ یہ لوگ نیچی آواز سے بول رہے تھے۔ ژولیاں کو صرف شکل وصورت اور لباس ہی سے اس آدمی کا اندازہ لگانا پڑا۔ وہ پستہ قد اور دوہرے بدن کا تھا۔ رنگ گہرا سُرخ، آنکھیں چمکدار جن سے اگر کوئی چیز جھلکتی تھی تو جنگلی سُور کی سی کینہ توزی۔

فوراً ہی ایک دوسری قسم کا آدمی اندر داخل ہوا اور ژولیاں کی توجہ ایک دم سے ادھر منعطف ہو گئی۔ یہ آدمی لمبا تڑنگا اور انتہائی دبلا تھا۔ اس نے تین چار واسکٹیں پہن رکھی تھیں۔ اس کی حرکات و سکنات میں ایک شائستگی اور نظروں میں ایک پیار سا تھا۔ ژولیاں نے دل میں کہا "بیزانسوں کے بڈھے اسقف کا انداز بھی بالکل

ہستیاں تھیں، وہ ان چیزوں کو صیغہ راز میں رکھنے کے لیے خدا جانے کتنی احتیاط سے کام لے رہی ہوں گی۔

حالانکہ وہ بڑے آہستہ آہستہ کام کر رہا تھا۔ لیکن اس عرصے میں ژرولیاں نے بیس قلم بنا لیے تھے۔ اب یہ سہارا بھی ختم ہوا چاہتا تھا۔ اس نے موسیو دلاموُل کی طرف دیکھا کہ شاید وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں کوئی حکم دے، لیکن بے سود۔ مارکوئس تو اسے بھول ہی گیا تھا۔

ژرولیاں نے قلم چھیلتے ہوئے دل میں کہا "میں جو کام کر رہا ہوں۔ یہ مہمل تو ضرور ہے۔ لیکن یہ لوگ جو ظاہر میں ایسے معمولی قسم کے لگتے ہیں۔ بڑے بڑے اہم معاملات سنبھالے ہوئے ہیں یا دوسروں نے ان کے سپرد کر دیئے ہیں۔ یہ بڑے زودحس ہوں گے۔ میرے کم بخت چہرے ہی سے تجسس ٹپکتا ہے۔ ! وزیر اعظم کا نام و نشان تک نہیں۔ انہیں یہ بات ضرور بُری لگے گی۔ اگر میں آنکھیں زیادہ جھکا لوں تو ایسا معلوم ہوگا کہ ان کی باتیں غور سے سن رہا ہوں۔"

اس کی سراسیمگی انتہا کو پہنچ گئی۔ اس وقت وہ عجیب عجیب باتیں سن رہا

تھا!

بائیسواں باب

مباحثہ

جمہوریت ــــ اگر آج کہیں ایک ایسا آدمی ہے جو عوام کی بھلائی کے لئے سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہو تو اس کے مقابل ہزاروں آدمی ایسے ہیں جو اپنے عیش اور اپنی خود پرستی کے علاوہ کسی چیز سے علاقہ ہی نہیں رکھتے۔ پیرس میں آدمی کی عزت اپنی گاڑی کی وجہ سے ہوتی ہے، اپنی نیکی کے سبب نہیں۔

نپولین

خادم نے ایک دم سے اندر داخل ہو کے اعلان کیا۔ "ڈیوک د ــــ"

"چپ رہو، احمق!" ڈیوک نے کمرے میں آتے ہوئے کہا۔ اس نے یہ بات ایسی نفاست اور ایسی شان کے ساتھ کہی کہ ژولیاں نے سوچا۔ اس ممتاز ہستی کو اگر کوئی چیز آتی ہے تو بس نوکروں پر بگڑنا۔ ژولیاں نے پہلے تو نظریں اٹھائیں مگر پھر فوراً ہی نیچے کر لیں۔ وہ نو وارد کی اہمیت اتنی اچھی طرح بھانپ گیا تھا کہ وہ اس ڈر سے کانپ اٹھا کہ میری نظر کہیں گستاخی میں داخل نہ ہو۔

ڈیوک کی عمر کوئی پچاس سال ہوگی۔ لباس میں ایک بانکپن تھا اور وہ چل ایسے رہا تھا جیسے پیروں میں اسپرنگ لگے ہوں۔ سر پتلا پتلا، ناک لمبی، چہرہ خم دار، اور آگے کو نکلا ہوا۔ یہ بات ذرا مشکل ہی سے ملے گی کہ آدمی میں رُعب یا نہ شان بھی ہو اور ساتھ ہی ساتھ بالکل معمولی قسم کا بھی لگتا ہو۔ اس کے آتے ہی بحث شروع ہو گئی۔

ژولیاں اس قیافہ شناسی میں منہمک ہی تھا کہ موسیو دلاموول کی آواز نے اُسے ایک دم سے جگا دیا۔ "موسیو سوریل آپ کی خدمت میں حاضر ہیں"۔ مارکوئس بولا "ان کا حافظہ غضب کا ہے۔ ابھی گھنٹہ بھر ہوا۔ میں نے انہیں بتایا تھا کہ انہیں کونسی خدمت سپرد ہونے والی ہے۔ اپنے حافظے کا ثبوت پیش کرنے کے لئے انہوں نے اخبار کا پہلا صفحہ زبانی یاد کر لیا ہے۔"

"اوہو! غیر ملکوں کی خبریں جو بچارے ن ـــــ نے بھیجی ہیں"، مکان کا مالک بولا۔ اس نے بڑی بیتابی سے اخبار اٹھا لیا۔ اور اہم بننے کی کوشش میں ژولیاں کی طرف ظریفانہ انداز سے دیکھ کر بولا ـــ "سنائیے، صاحب"۔

گہری خاموشی چھا گئی اور لوگوں کی نظریں ژولیاں کی طرف لگ گئیں، اس نے اپنا آموختہ ایسی اچھی طرح سنایا کہ بیس سطروں کے بعد ہی ڈیوک نے کہا ـــ "بس اتنا کافی ہے"۔ سؤر کی سی آنکھوں والا پستہ قد آدمی بیٹھ گیا۔ یہ صدر تھا کیونکہ اپنی جگہ بیٹھتے ہی اس نے ژولیاں کو ایک تاش کھیلنے کی میز دکھائی اور اشارہ کیا کہ اسے میرے قریب لے آؤ۔ ژولیاں لکھنے کا سامان لے کر وہاں جم گیا۔ اس نے گنا تو معلوم ہوا کہ میز کے گرد بارہ آدمی بیٹھے ہیں۔

ڈیوک نے کہا ـــ "موسیو سوریل، آپ ذرا برابر والے کمرے میں چلے

جائیے۔ ہم آپ کو بلوا لیں گے۔"

مالک مکان کے چہرے سے بے چینی ٹپکنے لگی۔ "کواڑ بند نہیں ہیں"۔ اس نے اپنے برابر والے آدمی کے کان میں کہا۔ پھر بڑے احمقانہ انداز میں ژولیاں سے بولا۔ "کھڑکی میں سے جھانک کے دیکھنے سے آپ کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔"

ژولیاں سوچنے لگا۔

"اور کچھ نہیں تو میں کم از کم ایک سازش میں تو پھنس ہی گیا۔ خدا کا شکر ہے کہ یہ سازش اس قسم کی نہیں جو آدمی کو پھانسی کے تختے پر پہنچاتی ہے۔ خطرہ تو ضرور ہے۔ لیکن مجھ پر مارکوئس کا اس سے بھی زیادہ حق ہے۔ میری حماقتوں کی بدولت اس بیچارے کو ایک دن نہ جانے کتنا دکھ جھیلنا پڑے۔ اگر میں تھوڑا سا کفارہ ہی ادا کر سکوں تو یہ میری خوش قسمتی ہے۔"

اپنی حماقتوں اور اپنے دکھ درد پر غور کرتے ہوئے اس نے گرد و پیش کا بھی اچھی طرح جائزہ لیا کہ اب وہ کبھی بھول نہیں سکتا تھا۔ اب جا کے اسے خیال آیا کہ میں نے یہ تو سنا ہی نہیں کہ مارکوئس نے خادم کو سڑک کا نام کیا بتایا تھا اور آج مارکوئس نے کرائے کی گاڑی منگوائی تھی ۔۔۔ یہ ایسی بات تھی جو وہ کبھی نہ کرتا تھا۔

ژولیاں کو بڑی دیر تک فرصت رہی اور وہ بیٹھا یہی باتیں سوچتا رہا۔ اس کمرے میں سبز مخمل کے پردے پڑے تھے جن پر سونے کی چوڑی چوڑی دھاریاں بنی ہوئی تھیں۔ ایک چھوٹی میز پر ہاتھی دانت کی بڑی سی صلیب رکھی تھی، اور آتشدان پر موسیو دمیستر کی کتاب "اسقف اعظم" مجلد و مطلا نظر آ رہی تھی۔ ژولیاں

نے کتاب کھول لی تاکہ ایسا نہ لگے جیسے باتیں سننے کی کوشش کر رہا ہو۔ تھوڑی
تھوڑی دیر بعد برابر والے کمرے میں لوگ اونچی آواز سے باتیں کرنے لگتے تھے
آخر دروازہ کھلا اور اس کا نام پکارا گیا۔

صدر نے کہا۔ "حضرات یاد رکھیے کہ اب ہمارا خطاب ذہین لوگوں
سے ہے۔" پھر ژولیاں کی طرف اشارہ کر کے بولا۔— "یہ صاحب ایک
نوجوان راہب ہیں۔ ہمارے مقصد کو یہ بھی اتنا ہی مقدس سمجھتے ہیں جتنا ہم۔ ان کا
حافظہ اتنا حیرت انگیز ہے کہ یہ ہمارے بنیادی اصول کے الفاظ کو بڑی آسانی سے
دہرا سکتے ہیں۔"

"اب آپ فرمائیے۔" صدر نے اس آدمی کی طرف اشارہ کیا جس کا انداز بڑا
مشفقانہ تھا اور جس نے تین چار واسکٹیں پہن رکھی تھیں۔ ژولیاں نے سوچا
کہ اس سے بہتر تو یہی ہوتا کہ اس آدمی کو "واسکٹوں والے صاحب" کہا جاتا۔ اس
نے کاغذ اٹھایا اور صفحے کے صفحے بھرنے شروع کر دیئے۔

(مصنّف تو یہ چاہتا تھا کہ یہاں ایک پورا صفحہ نقطوں سے بھر دے۔ لیکن
ناشر صاحب کہتے ہیں۔— "یہ کچھ اچھا نہیں لگے گا اور ایسی ہیچ و پوچ کتاب
اگر اچھی بھی نہ لگے تو اس کی موت ہے۔"

مصنّف کہتا ہے۔— "ادب میں سیاست کا ذکر تو ایسا ہے جیسے گلے
میں پتھر باندھ دیا ہو جو اسے چھ مہینے کے اندر اندر ڈبو کے رکھ دے گا۔ تخیلی
دلچسپیوں کے درمیان سیاست بالکل ایسی ہے جیسے گانے بجانے کی محفل میں
پستول کی آواز۔ اس میں شور تو بہت ہوتا ہے۔ زور بالکل نہیں ہوتا۔ کسی بھی

سازش ہے اس کی سنگت نہیں ملتی۔ سیاست کے ذکر سے میرے آدھے پڑھنے والوں کو تو سخت تکلیف پہنچے گی اور باقی لوگوں کو بے لطفی ہو گی۔ کیونکہ وہ صبح کے اخبار میں اس سے کہیں دلچسپ اور زوردار سیاست دیکھ چکے ہوں گے۔"

ناشر صاحب جواب دیتے ہیں ــــ "اگر آپ کے کرداروں نے سیاست کے متعلق باتیں نہ کیں تو وہ ۱۸۳۰ء کے فرانسیسی نہیں لگیں گے اور جیسا آپ کا دعویٰ ہے، آپ کی کتاب حقیقت کا آئینہ نہیں رہے گی۔"

ژولیاں نے چھبیس صفحے کی رُوداد لکھی۔ اس کا ایک بے رنگ سا اقتباس یہاں پیش کیا جاتا ہے۔ کیونکہ مجھے حسبِ معمول مضحکہ خیز باتوں کو خارج کرنا پڑا ہے جن سے یا تو کوفت ہوتی یا پھر وہ بالکل خلافِ قیاس معلوم ہوتیں۔ (مقابلے کے لئے عدالتوں کی رو داد دیکھئے)

بوڑھا اسکاٹوں اور مشفقانہ انداز والا آدمی (جو شاید کوئی اُسقف تھا) بار بار مسکرا پڑتا تھا۔ اس وقت اُس کی آنکھیں پھڑپھڑاتے ہوئے پپوٹوں کے درمیان ایک عجب طرح چمک اُٹھتیں اور اس کی نظروں کا ابہام رخصت ہو جاتا۔ سب سے پہلے اسی شخص کو ڈیوک کے سامنے (ژولیاں دل میں سوچ رہا تھا۔ "مگر کون سا ڈیوک ہے؟") بولنے، اپنی رائے ظاہر کرنے اور وکیل کے فرائض انجام دینے کی دعوت دی گئی تھی۔ ژولیاں کو ایسا لگا کہ یہ شخص کچھ مبہم سی باتیں کرتا ہے اور واضح نتائج اخذ کرنے سے بچتا ہے، یعنی وہی عیب جو وکیلوں میں اکثر ہوتا ہے۔ بحث کے دوران میں ڈیوک کو اُسے اس بات پر جھاڑنا پڑا۔

تھوڑی سی اخلاقیات اور وسیع القلبی کا فلسفہ بگھارنے کے بعد بڈھے اسکاٹوں والے

آدمی کہنے لگا۔

"عالی حوصلہ انگلستان، نے ایک عظیم انسان پٹ کی رہنمائی میں انقلاب کو کچلنے کی خاطر چالیس کروڑ فرانک خرچ کئے۔ اگر یہ مجلس مجھے اجازت دے تو میں صاف گوئی سے کام لے کر ایک ذرا افسوس ناک قسم کی بات کہوں۔ انگلستان کی پوری طرح سمجھ میں نہیں آیا کہ نپولین جیسے آدمی کے خلاف اگر کوئی چیز کارگر ہو سکتی تھی تو ذاتی اور شخصی قسم کی تدابیر، خصوصاً اس حالت میں کہ اس کے مقابلے کے لئے انگلستان کے پاس نیک ارادوں کے سوا اور کچھ بھی نہ تھا۔ ۔ ۔ ۔"

"اوہو، قتل و غارت گری کی پھر تعریف ہو رہی ہے!" مالک مکان نے مضطرب ہو کر کہا۔

"اپنی جذباتی تقریروں سے تو ہمیں معاف ہی رکھئے"۔ صدر نے بگڑ کے کہا۔ اس کی سؤر جیسی آنکھوں میں ایک وحشیانہ چمک آگئی۔ "نمبر آگے چلئے"۔ وہ واسکٹوں والے آدمی سے بولا۔ صدر کے رخسار اور پیشانی بالکل سرخ ہو گئی تھی۔

مقرر کہنے لگا۔ "آج عالی حوصلہ انگلستان بالکل پس کے رہ گیا ہے کیونکہ ہر انگریز کو اپنی دال روٹی کی فکر کرنے سے پہلے اُن چالیس کروڑ فرانک کا سود ادا کرنا پڑتا ہے جو انقلابیوں کی مخالفت میں صرف ہوئے تھے۔ اب انگلستان میں کوئی پٹ باقی نہیں رہا۔ ۔ ۔ ۔"

"ڈیوک آف ولینگٹن جو ہے"۔ ایک فوجی شخصیت نے تنتے ہوئے کہا۔

"خاموش، حضرات، خاموش!" صدر چیخا۔ "اگر یہی بحثا بحثی جاری رہی تو پھر موسیو سوریل کو بلانے سے کیا فائدہ ہوگا؟"

جو آدمی بیچ میں بول پڑا تھا وہ نپولین کا جنرل رہ چکا تھا۔ ڈیوک نے چڑکر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ہمیں معلوم ہے کہ آپ کا دماغ کیسا زرخیز ہے۔"

ژولیاں سمجھ گیا کہ یہ اشارہ ذاتی قسم کا ہے اور اس میں کوئی ناخوشگوار بات ضرور ہے۔ لوگ مسکرا پڑے۔ مرتد جنرل غصّے کے مارے دیوانہ ہوگیا۔

"اب کوئی پٹ نہیں رہا۔" مقرر کہنے لگا۔ اس کی ہمت ٹوٹ سی گئی تھی اور اس کی شکل سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ اپنے سامعین کو عقل کی بات سمجھانے سے ناامید ہو چکا ہے۔ "انگلستان میں کوئی نیا پٹ نکل بھی آئے تو بھی کسی قوم کو ایک ہی چیز سے دو دفعہ بیوقوف نہیں بنایا جا سکتا۔۔۔"

"اسی وجہ سے تو فرانس میں اب کوئی دوسرا فاتح، کوئی دوسرا نپولین کامیاب نہیں ہو سکتا۔" فوجی نے پھر بات کاٹ لی۔

اس مرتبہ صدر یا ڈیوک کسی کو بھی اپنی خفگی کا اظہار کرنے کی ہمت نہ ہوئی حالانکہ ژولیاں کو اُن کی آنکھوں میں اس قسم کے ارادے کی جھلک ضرور نظر آئی۔ دونوں نے اپنی آنکھیں جھکا لیں، اور ڈیوک نے بس اتنا کیا کہ زور سے ٹھنڈا سانس بھرا جو سب نے سُن لیا۔

لیکن مقرر بگڑ بیٹھا تھا۔

"آپ کو جلدی ہے کہ میں اپنی بات ختم کر دوں۔" وہ گرم ہو کے بولا اس کی مسکراہٹ، اُس کی شائستگی، اس کا رکھ رکھاؤ جسے ژولیاں نے اُس کی

شخصیت کا فطری اظہار سمجھا تھا۔ اب بالکل غائب ہو چکا تھا۔ "آپ کو جلدی ہے کہ میں اپنی بات ختم کر دوں۔ میں تو اس کوشش میں ہوں کہ میرے منہ سے کوئی ایسی بات نہ نکلے جو احمق سے احمق آدمی کو بھی گراں گزرے اور آپ مجھے داد نہیں دیتے۔ خیر حضرات اب میں اختصار سے کام لیتا ہوں۔

"میں صاف لفظوں میں کہتا ہوں کہ ہمارے اس نیک کام کے لئے انگلستان کے پاس ایک دھیلا نہیں ہے۔ اگر اب خود پٹ بھی واپس آجائے تو وہ اپنی تمام ذہانت کے باوجود انگلستان کے چھوٹے چھوٹے زمینداروں کو بیوقوف نہیں بنا سکتا۔ کیونکہ انہیں بتا چل گیا ہے کہ صرف ایک واٹرلو کی چھوٹی سی لڑائی میں ایک کروڑ ستر لاکھ خرچ ہوئے"! مقرر میں حرارت بڑھتی ہی چلی گئی۔ "چونکہ آپ چاہتے ہیں کہ باتیں صاف صاف ہوں۔ اس لئے میں آپ سے کہتا ہوں کہ آپ اپنی مدد خود کیجئے۔ کیونکہ آپ کی اعانت کے لئے انگلستان کے پاس ایک اشرفی تک نہیں ہے اور اگر انگلستان نے روپیہ نہ دیا تو آسٹریا، روس اور جرمنی جن کے پاس جرأت ہی ہمت ہے، پیسہ ایک نہیں، فرانس کے خلاف ایک یا دو سے زیادہ حملوں کا خرچ برداشت نہیں کر سکتے۔

"آپ کو امید ہے کہ انقلاب پسند جو نوجوان سپاہی اکٹھے کریں گے انہیں پہلے یا شاید دوسرے حملے میں ہرایا جا سکتا ہے۔ آپ لوگ مجھ سے بدگمان ہیں اور مجھے انقلابی سمجھتے ہیں۔ لیکن تیسرے حملے میں آپ دیکھ لیں گے کہ ۱۷۹۴ء والے سپاہی میدان میں آجائیں گے جو ۱۷۹۲ء کی طرح زبردستی پکڑے ہوئے دیہاتی نہیں رہے تھے۔"

اب کے تین چار آدمی ایک ساتھ بیچ میں بول پڑے۔

صدر نے ژولیاں سے کہا۔ "آپ نے جو رُوداد لکھی ہے اس کا شروع کا حصّہ دوسرے کمرے میں جا کے صاف صاف نقل کر لیجئے۔" ژولیاں کو اس کمرے سے جاتے ہوئے بڑا دُکھ ہوا۔ مقرّر نے ممکن الوقوع باتوں کی طرف اشارہ کیا تھا عام طور سے اس کے غور و فکر کا موضوع یہی ہوتا تھا۔

ژولیاں سوچنے لگا۔ "یہ لوگ ڈرتے ہیں کہ میں ان پر ہنسوں گا۔" جب اُسے دوبارہ بلایا گیا تو موسیو دلاموِل کچھ ایسی سنجیدگی سے بول رہا تھا کہ ژولیاں کو جو اُس سے خوب واقف تھا۔ یہ انداز بڑا پُر لطف معلوم ہوا۔

وہ کہہ رہا تھا۔ "ہاں حضرات، یہ اسی بدنصیب قوم کے لئے کہا گیا تھا کہ بتاؤ، تم کون سی چیز لیتے ہو، خدا، یا میز یا پیالہ؟

"شاعر کہتا ہے کہ میں خدا لیتا ہوں۔ حضرات، یہ بلند اور گہری بات آپ کے اوپر پوری اُترتی ہے۔ خود اپنے پیروں پہ کھڑے ہو جائیے اور ہمارا اعظیم ملک پھر اُسی صورت میں جلوہ گر ہوگا جیسا ہمارے آباو اجداد نے اسے بنا دیا تھا یا جیسا ہم نے خود اپنی آنکھوں سے شہنشاہ لوئی کی وفات سے پہلے دیکھا ہے۔

"انگلستان، کم از کم وہاں کے امرا بھی ہماری ہی طرح اس منحوس انقلاب پسندی پر لعنت بھیجتے ہیں۔ انگلستان کے روپیہ کے بغیر آسٹریا، روس اور جرمنی دو تین لڑائیوں سے زیادہ کی تاب نہیں لا سکتے۔ کیا ویسی ہی عظیم الشان کامیابی حاصل کرنے کے لئے جسے ۱۸۱۷ء میں موسیو دِرشلو نے اپنی حماقت سے ضائع کیا۔ اتنی بات کافی ہے؟ میرا تو خیال ہے کہ نہیں۔"

اب پھر مداخلت ہوئی۔ لیکن لوگوں نے "چ چ" کرکے اُسے دبا دیا۔ اُس
دفعہ بھی یہ اُسی جنرل کی حرکت تھی جو ڈیوک بننے کو بیتاب تھا اور چاہتا تھا کہ خفیہ
رقعہ لکھنے والوں میں میرا بھی نام شامل ہو۔

اس گڑبڑ کے بعد موسیو دلاموَل نے پھر کہنا شروع کیا۔ "میرا تو خیال ہے
کہ نہیں"۔ اس لفظ "میرا" پر اُس نے کچھ ایسی اکڑ کے ساتھ زور دیا کہ ڑولیاں کا دل
باغ باغ ہو گیا۔ اس کا قلم اتنا ہی تیز چلنے لگا جتنی مارکوئس کی زبان چل رہی تھی اور
وہ دل میں بولا۔ "آدمی ہو تو ایسا ہو"۔ موسیو دلاموَل نے ایک زوردار لفظ سے
مرند جنرل کے بیس معرکے ختم کرکے رکھ دیئے تھے۔

مارکوئس بڑے پنے تلے انداز سے کہنے لگا۔ "ایک نئی فوجی کامیابی حاصل
کرنے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ ہم صرف غیر ملکیوں ہی کا احسان لیں۔ وہ نوجوان جو
"گلوب" اخبار میں گرما گرم مضامین لکھتے ہیں۔ انہیں میں سے آپ کو تین چار ہزار
کپتان مل سکتے ہیں۔ ان میں ایک سے ایک بہادر پڑا ہوگا۔ بہادر بات ہے
کہ اُن کی نیت ایسی نیک نہ ہو۔"

"ہم نے غلطی کی کہ نپولین کی شہرت برقرار نہ رکھی"۔ صدر نے کہا۔ "اسے
تو دیوتا کا درجہ دے دینا چاہیئے تھا۔"

موسیو دلاموَل کہنے لگا۔ "غرض فرانس میں دو جماعتیں ہونی چاہئیں
لیکن محض نام کی نہیں۔ یہ دو جماعتیں ایک دوسرے سے بالکل الگ
الگ ہوں اور صاف پہچانی جائیں۔ ہمیں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیئے
کہ کچلنا کسے ہے۔ ایک طرف تو اخبار نویس، رائے دہندگان،

رائے عامہ! مختصر یہ کہ نوجوان اور وہ سب لوگ ہیں جو نوجوانوں کی پرستش کرتے ہیں، اور ان لوگوں کے کان تو خود اپنے ہی مہمل الفاظ کے شور و غل سے بہرے ہو گئے ہیں۔ ہم اس طرح دائرے میں ہیں کہ حکومت کا سارا روپیہ ہمارے قبضے میں ہے۔"

اب پھر مداخلت ہوئی۔

روسیو دلاموں نے مداخلت کرنے والے سے ذرا اکڑ کے ساتھ بات [illegible] کے ساتھ کہا۔۔۔ "چلئے جناب، اگر یہ لفظ آپ کو برا لگتا ہے تو روپیہ آپ نے قبضے میں ہی، آپ کو حکومت کے خزانے سے چالیس ہزار فرانک تنخواہ ملے اور [illegible] ہزار پنشن کے نوٹ ملتے ہیں۔"

"خیر جناب، چونکہ آپ مجھے مجبور کرتے ہیں اس لئے میں ذرا جسارت [illegible] مثال کے طور پر آپ ہی کو لیتا ہوں۔ آپ کے آباؤ اجداد نے سینٹ لوئی کے ساتھ صلیبی جنگوں میں شامل ہوئے تھے۔ انہیں کی طرح اس ایک لاکھ بیس ہزار فرانک کے بدلے میں آپ کو کم از کم ایک رجمنٹ یا ایک دستہ یا کم از کم دستہ تو پیش کرنا چاہئے جس میں چاہے پچاس سپاہی ہوں مگر لڑنے کے لئے تیار، جان دینے کو حاضر، ہمارے بلند مقصد پر ایمان رکھنے والے اور آپ کے پاس ہیں بھی تو چند خادم۔ بغاوت ہوئی تو وہ کسی اور کے لئے نہیں [illegible] ہی کے لئے دردِ سر ثابت ہوں گے۔

اگر آپ لوگ ہر ضلع میں پانچ سو جانثار آدمیوں کا دستہ تیار نہ کیا تو [illegible] شکست [illegible]

جانباز آدمیوں سے میرا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں میں فرانس کی سی دلاوری ہو اور اسپین کی سی ثابت قدمی۔

ان دسوں میں آدھے آدمی ہمارے بیٹے، ہمارے بھتیجے ہوں گے۔ یعنی شریف طبقے کے لوگ۔ ان میں سے ہر آدمی کے ساتھ کوئی [illegible] ان شہری نہیں ہوگا کہ اگر ۱۸۱۵ء پھر واپس آ جائے تو وہ رنگی ٹوپی سر پر رکھ کے نکلا ہی بیٹھے، بلکہ کوئی سیدھا سادا ایماندار دیہاتی۔ ہمارا بیٹا یا بھتیجا اس کی [illegible] کرے گا۔ ممکن ہوا تو یہ اس کا دودھ شریک بھائی ہوگا۔ ہر ضلع میں پانچ جانبازوں کا دستہ تیار کرنے کے لئے ان میں سے ہر ایک کو اپنی آمدنی کا [illegible] حصہ قربان کر دینا چاہئے۔ پھر آپ دوسرے ملکوں سے فوجیں بلانے کی بھی تجویز کر سکتے ہیں۔ باہر کا ایک سپاہی ہماری سرحد پار کر کے [illegible] تک بھی نہیں آئے گا، جب تک اسے یہ یقین نہ ہو کہ ہر ضلع میں پانچ [illegible] جانبازی میری مدد کو تیار رہیں۔

غیر ملکوں کے بادشاہ آپ کی بات غور سے اس وقت سنیں گے جب آپ انہیں یہ بتا دیں کہ فرانس میں آپ کا خیر مقدم کرنے کے لئے [illegible] شمشیر [illegible] ہیں۔ آپ کہیں گے کہ یہ تو بڑی کٹھن بات ہے۔ حضرات، یہ ہمارے سروں کی قیمت ہے۔ اگر ہمیں شریفوں کی طرح [illegible] رہنا ہے تو اخباروں کی آزادی کے خلاف جنگ کرنی پڑے گی۔ چاہے ہمیں جان ہی کیوں نہ دینی پڑے۔ یا [illegible] بن جائیے۔ [illegible] ہتھیار سنبھال لیجئے۔ اگر [illegible] احمق نہ بنئے [illegible] رکھئے۔

"انقلابی گیت کے الفاظ میں آپ سے بھی یہی کہتا ہوں کہ اپنے دستے تیار کر لیجئے۔ پھر کوئی بلند حوصلہ گستاؤ اڈولف بھی پیدا ہو جائے گا جو بادشاہت کے اصول کو خطرے سے بچانے کے لئے اپنے ملک سے سینکڑوں میل دور اڑا چلا آئے گا۔ اور آپ کی وہی خدمت انجام دے گا جو گستاؤ نے پروٹسٹنٹ بادشاہوں کے لئے انجام دی تھی۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ بس باتیں ہی بناتے رہیں، اور عمل نہ کریں؟ پچاس سال کے اندر یورپ میں ایک بادشاہ نہیں رہے گا۔ بس جمہوری ریاستوں کے صدر ہی صدر ہوں گے بادشاہوں کے ساتھ ساتھ پادری اور پیر فقیر بھی ختم ہو جائیں گے۔ مجھے تو مستقبل میں اس کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا کہ انتخابات میں کھڑے ہونے والے امیدوار گندی مندی اکثریتوں کی چاپلوسی میں لگے رہا کریں گے۔

"یہ شکایت کرنے سے کوئی فائدہ نہیں کہ اس وقت فرانس میں کوئی بھی قابلِ اعتماد جنرل موجود نہیں جس سے لوگ واقف ہوں اور محبت کرتے ہوں یا یہ کہ ہماری فوج صرف بادشاہ اور کلیسا کے مفاد کے لئے وقف ہے یا پھر یہ کہ ہمارے یہاں سارے پرانے سپاہی فوج سے نکال دیئے گئے ہیں۔ ادھر آسٹریا اور جرمنی میں ایک ایک رجمنٹ کے اندر پچاس پچاس چھوٹے افسر ایسے ہیں جنہیں جنگ کا خوب تجربہ ہے۔

"اس وقت متوسط طبقے کے دو لاکھ نوجوان جنگ کے متوالے ہو رہے ہیں۔۔۔"

"ناخوشگوار حقیقتیں بہت بیان ہو لیں!" ایک سنجیدہ قسم کے آدمی نے

رعب دار لہجے میں کہا۔ یہ شخص کلیسا میں کسی اُونچے عہدے پر معلوم ہوتا تھا، کیونکہ
موسیو ولاموں چڑ جانے کے بجائے بڑے خوش آئند طریقے سے مسکرا پڑا۔ یہ
بات ژولیاں کو بہت معنی خیز معلوم ہوئی۔

"ناخوشگوار حقیقتیں بہت بیان ہولیں! حضرات، ساری بحث کا خلاصہ یہ
ہے کہ جس آدمی کی سڑی ہوئی ٹانگ کٹنی ضروری ہو وہ بڑی حماقت کرے گا اگر
اپنے ڈاکٹر سے کہے کہ میری ٹانگ تو بالکل ٹھیک ہے۔ حضرات" اگر آپ
اجازت دیں تو میں کہوں کہ عالی جناب ڈیوک آف ـــــ (ویلنگٹن) ہمارے
ڈاکٹر ہیں۔"

"آخر وہ راز معلوم ہو ہی گیا" ژولیاں نے دل میں کہا" آج رات مجھے۔
ـــــ کی طرف روانہ ہونا ہے۔"

تیئسواں باب

پادری لوگ، اُن کے جنگل، اور آزادی

ہر مخلوق کے لیئے سب سے پہلا قانون یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو صحیح سلامت رکھے، زندہ رہے۔ آپ کانٹے بو رہے ہیں اور اُمید رکھتے ہیں کہ اناج پیدا ہو گا!

میکیاویلی

اس سنجیدہ قسم کے آدمی کی تقریر جاری رہی۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ اسے بہت کچھ معلوم ہے۔ اُس کے بیان میں بڑی فصاحت تھی مگر اعتدال اور نرمی لیئے ہوئے۔ یہ بات ژولیاں کو بہت پسند آئی۔ اُس آدمی نے مندرجہ ذیل عظیم حقائق مجلس کے سامنے پیش کیئے۔

(۱) ہماری خدمت کرنے کے لیئے انگلستان کے پاس ایک دھیلا نہیں ہے۔ وہاں تو آج کل کفایت شعاری اور ہیوم کے فلسفے کا دور دورہ ہے۔ ہمیں تو فرشتوں سے بھی روپیہ نہیں مل سکتا۔ بروہم مفت میں ہم پہ ہنسے گا۔

(۲) انگلستان سے روپیہ نہ ملا تو یورپ کے بادشاہ دو لڑائیوں سے زیادہ کی

ہمت نہیں کر سکیں گے اور متوسط طبقے کو شکست دینے کے لئے دو لڑائیاں کافی نہیں ہوں گی۔

(۳) فرانس میں ایک مسلح جماعت تیار کرنا لازمی ہے۔ ورنہ یورپ میں بادشاہت کا اصول اپنی حفاظت کے لئے یہ دو لڑائیاں بھی نہیں لڑ سکے گا۔

اور چوتھی بات جو میری ناچیز رائے میں کسی ثبوت کی محتاج نہیں یہ ہے "پادریوں کی مدد کے بغیر فرانس میں کوئی مسلح جماعت نہیں بنائی جا سکتی"

"حضرات، میں یہ بات بالکل بے خوف ہو کر کہہ رہا ہوں۔ کیونکہ میں ابھی اسے ثابت کر دکھاؤں گا۔ ہمیں چاہئے کہ ہر چیز پادریوں کے سپرد کر دیں۔

(۱) کیونکہ پادری لوگ دن رات اپنے کام میں مشغول رہتے ہیں اور ان کی رہنمائی ایسے لائق و فائق آدمی کرتے ہیں جو ہر قسم کے خطرات سے دور آپ کی سرحد سے تین سو میل کے فاصلے پر رہتے ہیں۔۔۔۔"

"آہا! روم! روم!" مالک مکان چیخا۔

"جی جناب، روم!" پوپ کے نمائندے نے بڑے فخر سے جواب دیا۔

"آپ کی جوانی کے زمانے میں پادریوں پر جو بھی نقرے بازی ہوتی ہو میں ۱۸۳۰ء میں صاف صاف اعلان کرتا ہوں کہ عوام پر کسی کا اثر ہے تو پادریوں کا ــــ انہیں پادریوں کا جو روم کے پیرو ہیں۔

"پچاس ہزار پادریوں کو ان کے رہنما جو دن بتائیں گے۔ اسی دن یہ پادری ہر جگہ وہی ایک جیسے الفاظ دہرا دیں گے اور عوام جو بہر حال فوج کے لئے سپاہی مہیا کرتے ہیں، اپنے پادریوں کی آواز کا جتنا اثر ہوگا۔ اتنا تو دنیا بھر کے کیڑے مکوڑوں

کے چیخنے چلاّنے کا بھی نہیں ہو گا۔ ۔ ۔ ۔ " (اس ذاتی حملے پر لوگ بھنبھنانے سے لگے)

"پادریوں میں آپ سے زیادہ ذہانت ہے" یہاں پادری کی آواز بلند ہو گئی۔ "اصل چیز یعنی فرانس میں ایک مسلّح جماعت تیار کرنے کے سلسلے میں جتنے اقدامات ہوئے ہیں۔ سب ہماری طرف سے۔" اب اس نے چند واقعات مثال کے طور پر پیش کیے۔ اسّی ہزار بندوقیں ڈال دے کس نے بھجوائی تھیں؟ وغیرہ، وغیرہ۔

"جب تک پادری اپنے جنگلوں سے محروم ہیں۔ اُن کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ لڑائی کا خطرہ پیدا ہوتے ہی وزیرِ مالیات اپنے کارندوں کو لکھ دیں گے کہ دیہاتی حلقوں کے پادریوں کے علاوہ اور کسی کے لئے روپیہ نہیں رہا۔ دراصل فرانس کو مذہب سے نہیں بلکہ جنگ سے محبّت ہے۔ آدمی چاہے کوئی بھی ہو، بس وہ جنگ شروع کرا دے پھر وہ دگنا ہر دلعزیز ہو گا۔ کیونکہ جنگ شروع کرانے کا مطلب ہے جیز وٹ لوگوں کو ٹھوکا مارنا۔ فرانسیسی لوگ غرور کے پتلے ہیں۔ جنگ شروع ہو جائے تو وہ غیر ملکیوں کی مداخلت کے خطرے سے بچ جاتے ہیں۔"

پوپ کے نمائندے کی تقریر لوگوں نے بڑی توجہ سے سُنی۔ وہ کہنے لگا۔ "یہ ضروری ہے کہ موسیو دِزوال وزارت سے الگ ہو جائیں۔ اُس کے نام سے لوگوں کو خواہ مخواہ چِڑ ہوتی ہے۔"

یہ سُن کر سب کے سب اٹھ کھڑے ہوئے اور ایک ساتھ بولنے لگے تو ژولیاں نے سوچا کہ اب مجھے پھر کمرے سے نکالا جائے گا۔ لیکن فراست مآب صدرِ صاحب تک کو اس کی موجودگی بلکہ اس کا وجود بھی یاد نہ رہا تھا۔

سب لوگوں کی نظریں ایک آدمی کی طرف اٹھ گئیں جسے ژرولیاں نے پہچان لیا۔ یہ وزیرِ اعلےٰ موسیو دزروال تھا جسے اس نے ڈیوک درتیز کے یہاں ناچ میں دیکھا تھا۔

"قانون ساز مجلس کی کارروائی کا حال لکھتے ہوئے جیسے اخبار کہا کرتے ہیں، ہنگامہ اپنے عروج پر پہنچ گیا۔ پورے چوتھائی گھنٹے کے بعد جا کے ذرا خاموشی ہوئی۔

پھر موسیو دزروال کھڑا ہوا، اور پیغمبرانہ انداز سے ایک عجیب لہجے میں بولا ——

"میں ایک لمحہ کے لیے بھی یہ دعویٰ نہیں کروں گا کہ مجھے اپنے عہدے سے محبت نہیں۔

"حضرات، مجھے یہ ثابت کر کے دکھایا گیا ہے کہ میرے نام سے اعتدال بھی چڑتے ہیں۔ وہ ہمارے خلاف ہوتے جا رہے ہیں اور اس طرح انقلابیوں کی طاقت دگنی ہو گئی ہے۔ میں بڑی خوشی سے استعفیٰ دینے کو تیار ہوں لیکن یہ تو بس دو چار آدمی ہی سمجھ سکتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی مرضی کیا ہے۔" وہ پوپ کے نمائندے پر نظریں گاڑ کے بولا۔ "خدا نے ایک کام میرے سپرد کیا ہے۔ خدا نے مجھ سے فرمایا ہے کہ یا تو اپنا سر کٹوا دو، یا پھر فرانس میں دوبارہ بادشاہت قائم کرو اور مجلس قانون ساز کی وہی حالت بنا دو جو لوئی پانزدہم کے زمانے میں پارلیمنٹ کی تھی۔ حضرات، میں یہی کرنے والا ہوں۔"

وہ بات ختم کر کے بیٹھ گیا اور ہر طرف گہری خاموشی چھا گئی۔

ژولیاں نے سوچا ۔۔۔ "یہ بڑا اچھا اداکار ہے" وہ ہمیشہ لوگوں کو اصل سے کہیں زیادہ ذہین سمجھ بیٹھتا تھا۔ اس دفعہ بھی اس سے یہی غلطی ہوئی۔ ایسی گرماگرم باتیں سن کے اور خصوصاً مباحثے کا خلوص دیکھ کر موسیو دتروال بھی جوش میں آگیا تھا اور اس وقت اسے واقعی یقین ہو گیا تھا کہ خدا نے ایک کام میرے سپرد کیا ہے۔ اس شخص میں ہمت تو بڑی تھی، مگر عقل کی ذرا کمی تھی۔

موسیو دتروال نے تقریر ختم کرتے ہوئے کہا تھا ۔۔۔ "میں یہی کرنے والا ہوں" اس کے بعد جو خاموشی چھا گئی تھی۔ اسی کے دوران میں آدھی رات کا گھنٹہ بجا۔ ژولیاں کو ایسا لگا کہ گھنٹے کی آواز کچھ مرعوب کن اور ماتمی قسم کی ہے۔ اس کے دل پہ بڑا اثر ہوا۔

بحث پھر شروع ہو گئی۔ باتوں میں اور زور آتا چلا گیا، خصوصاً سادہ دلی کی تو انتہا ہو گئی۔ بعض دفعہ تو ژولیاں سوچنے لگتا ۔۔۔ "یہ لوگ مجھے زہر دلوا دیں گے ایک معمولی آدمی کے سامنے یہ اس قسم کی باتیں کیسے کر رہے ہیں؟"

باتیں ابھی چل ہی رہی تھیں کہ دو بج گئے۔ مالک مکان بڑی دیر سے غافل سو رہا تھا۔ موسیو دلاموں کو گھنٹی بجا کر نئی موم بتیاں منگوانی پڑیں۔ وزیر موسیو دتروال پونے دو بجے اٹھ کر چلا گیا تھا مگر اس سے پہلے وہ اپنے قریب لگے ہوئے آئینے میں بار بار ژولیاں کے چہرے کا جائزہ لیتا رہا تھا۔ وہ چلا گیا تو سب نے آرام کا سانس لیا۔

جب موم بتیاں بدلی جا رہی تھیں تو واسکٹوں والے آدمی نے اپنے برابر والے آدمی سے کہا ۔۔۔ "خدا جانے یہ شخص جا کے بادشاہ سلامت سے کیا کیا

جڑے گا۔ یہ بات بالکل اُس کے ہاتھ میں ہے کہ ہم احمق لگنے لگیں اور ہمارا مستقبل خراب ہو جائے۔

"آپ کو یہ ماننا پڑے گا کہ اس کا یہاں آنا بڑی زبردست جسارت، بلکہ ڈھٹائی کا کام ہے۔ وزیر بننے سے پہلے وہ آیا تو کرتا تھا۔ لیکن وزارت ملتے ہی ساری باتیں بدل جاتی ہیں، آدمی کی ساری ذاتی دلچسپیاں اسی کی نذر ہو جاتی ہیں۔ اُسے یہ بات خود بھی محسوس ہوئی ہوگی۔"

وزیر کے جاتے ہی نپولین کے جنرل نے آنکھیں بند کرلی تھیں۔ وہ اپنی صحت اور اپنے زخموں کی شکایت کرنے لگا۔ گھڑی دیکھی اور چلتا بنا۔

واسکٹوں والا آدمی کہنے لگا — "میں شرط لگاتا ہوں کہ جنرل وزیر کے پیچھے پیچھے دوڑا گیا ہے۔ وہ یہاں موجود ہونے کی معافی مانگے گا اور ایسا بنے گا جیسے ہمارا سردار ہو۔"

اونگھتے ہوئے خادم بتیاں بدل چکے تو صدر نے کہا — "حضرات! اب سنجیدگی سے سوچیے، ایک دوسرے کو قائل معقول کرنے کی کوشش چھوڑیے۔ اب یہ فیصلہ کیجیے کہ جو رقعہ اڑتالیس گھنٹے کے اندر اندر ہمارے غیر ملکی دوستوں کے سامنے ہوگا۔ وہ کس انداز سے لکھا جائے گا۔ ابھی ابھی وزیروں کی بات ہو رہی تھی۔ موسیو د ژوال تو جا چکے ہیں، اب ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہمیں وزیروں کی کیا پڑا؟ ہم اُن سے اپنی بات منوالیں گے۔"

پوپ کے نمائندے نے ہلکے سے مسکرا کر اپنی رضامندی کا اظہار کیا۔

"میرے خیال میں ہماری پوری کیفیت کا خلاصہ بڑی آسانی سے بیان ہو سکتا

ہے"۔ آگر کے اسقف نے مذہبی جنون کی بھرپور حرارت کے ساتھ کہا۔ لیکن اس دیوانگی میں انتہائی علویت تھی۔ لہٰذا ایک قسم کا ٹھیر اؤ بھی آگیا تھا۔ اب تک وہ بالکل خاموش رہا تھا۔ ژولیاں اس کی آنکھوں کو غور سے دیکھتا رہا تھا۔ پہلے تو ان میں نرمی اور سکون تھا۔ لیکن ایک گھنٹے کی بحث کے بعد وہ دہک اٹھی تھیں۔ اب تو اسقف اس طرح ابل پڑا جیسے آتش فشاں پہاڑ میں سے لاوا آ وہ کہنے لگا۔۔۔ "۱۸۰۶ء سے لے کر ۱۸۱۴ء تک انگلستان نے بس ایک غلطی کی ہے۔ وہ یہ کہ نپولین کو براہِ راست اور ذاتی طور سے ٹھکانے نہیں لگایا۔ جب اس شخص نے ڈیوک وغیرہ کے خطابات دینے شروع کر دیئے اور بادشاہت پھر سے قائم کر دی تو خدا نے جو کام اس کے سپرد کیا تھا وہ ختم ہو گیا۔ اب تو اس کے غارت ہونے کا وقت آ گیا تھا۔ انجیلِ مقدس میں ہمیں جگہ جگہ بتایا گیا ہے کہ جابر حکمرانوں کو کس طرح ختم کیا جائے"۔ (یہاں اس نے لاطینی میں کئی اقتباسات پڑھ کے سنائے)

"حضرات، آج ہمیں ایک آدمی کو نہیں بلکہ پیرس شہر کو غارت کرنا ہے سارا فرانس پیرس کی نقل کرتا ہے۔ ہر ضلع میں پانچ سو آدمیوں کو مسلح کرنے سے کیا فائدہ؟ یہ کام خطرناک بھی ہے اور کبھی ختم ہونے والا بھی نہیں۔ جو جھگڑا صرف پیرس کا ہے اس میں ملک بھر کو سانٹنے کے کیا معنی؟ ساری خرابیاں صرف پیرس کی بدولت ہیں۔ اس کے اخباروں، اس کے دیوان خانوں کی بدولت برباد تو اس نئے بابل کو ہونا چاہیئے۔

"اب تو کلیسا اور پیرس کے درمیان فیصلہ کن جنگ ہونی چاہیئے۔ دراصل

اس آفت سے تو بادشاہ کو بڑا دنیاوی فائدہ حاصل ہو رہا ہے۔ آخر نپولین کے زمانے میں پیرس کو دم مارنے کی ہمت کیوں نہ ہوئی؟ ذرا اسپین روش کے توپ خانے والوں سے پوچھئے تو سہی۔"

کہیں رات کے تین بجے جا کر ژولیاں موسیو دلاموں کے ساتھ اس مکان سے نکلا۔

مارکوئس بڑا افسردہ اور خستہ حال تھا۔ عمر میں پہلی دفعہ اس نے ژولیاں سے التجا آمیز لہجے میں بات کی۔ اُس نے ژولیاں سے کہا کہ وعدہ کرو تم نے جو اتفاق سے یہ گرم جوشی اور زور شور (مارکوئس کے یہی الفاظ تھے) دیکھا ہے اس کا ذکر کسی سے نہیں کرو گے۔" تم ہمارے جس دوست کے پاس جا رہے ہو۔ اُس سے ان باتوں کا ذکر نہ کرنا۔ لیکن اگر وہ ہمارے ان جوشیلے نوجوانوں کا حال جاننا ہی چاہے تو خیر۔ اگر ملک تہس نہس ہوتا ہے تو ہو جائے۔ ان لوگوں کی بلا سے؟ یہ تو پوپ کے نمائندے بن جائیں گے اور روم میں جا چھپیں گے ہم البتہ اپنے دیہاتی محلوں میں کسانوں کے ہاتھوں مارے جائیں گے۔"

ژولیاں نے چھبیس صفحے کی جو لمبی چوڑی رُوداد لکھی تھی۔ اس کی مدد سے مارکوئس نے خفیہ رقعہ تیار کیا جو کہیں پونے پانچ بجے جا کے پورا ہوا۔

مارکوئس بولا۔۔۔ "تھکن کے مارے میری تو بُری حالت ہے۔ یہ تو اس رقعے ہی سے ظاہر ہے۔ آخر میں تو مطلب بھی واضح طور سے ادا نہیں ہوا۔ میں آج تک اپنے کسی کام سے اتنا غیر مطمئن نہیں ہوا جتنا اس رقعے سے ہوں۔۔۔ اچھا،

میرے دوست، اب جاؤ اور دو چار گھنٹے آرام لے لو۔ مجھے ڈر ہے کہ لوگ تمہیں یہاں سے نہ اٹھا لے جائیں۔ اس لئے میں تمہارے کمرے میں باہر سے تالا لگائے دیتا ہوں۔"

اگلے دن مارکوئس ژولیاں کو پیرس سے کچھ دور ایک محل میں لے گیا جو بالکل ویران جگہ واقع تھا۔ وہاں انہیں کچھ عجیب ہی قسم کے لوگ ملے۔ ژولیاں نے سوچا کہ یہ پادری ہوں گے۔ اسے ایک پاسپورٹ دیا گیا جس میں جھوٹا نام لکھا تھا لیکن آخر اسے اپنی اصل منزل تو معلوم ہو گئی جس سے وہ اب تک تجاہلِ عارفانہ برت رہا تھا۔ ژولیاں ایک گاڑی میں اکیلا اسٹیج کے روانہ ہو گیا۔

اس کے حافظے کی طرف سے تو مارکوئس کو ذرا بھی خدشہ نہیں تھا۔ ژولیاں وہ خفیہ رقعہ اسے کئی دفعہ زبانی سنا چکا تھا۔ لیکن ڈر تھا تو یہ کہ اسے کوئی راستے میں پکڑ نہ لے۔

ژولیاں کمرے سے چلنے لگا تو مارکوئس نے بڑے دوستانہ انداز میں کہا "اور جو چاہو کرو، بس ایک بات کا خیال رکھنا۔ تمہاری شکل سے یہ ظاہر ہو کہ کوئی شوقین مزاج آدمی ہے جو اپنا وقت برباد کرنے کے لئے سفر کر رہا ہے۔ ممکن ہے کل رات جلسے میں کئی منافق موجود رہے ہوں۔"

سفر جلدی تو کٹا مگر کوفت بہت ہوئی۔ ژولیاں مارکوئس کی نظروں سے دور بھی نہ ہونے پایا تھا کہ خفیہ رقعہ اور اپنے سفر کا مقصد سب اس کے ذہن سے اتر گیا۔ اسے کسی بات کی فکر لگی ہوئی تھی تو ماتیلد کی حقارت کی۔

میتز سے پندرہ بیس میل آگے چل کر ایک گاؤں میں ڈاک گاڑیوں کے منشی نے

آئے اسے بتایا کہ اس وقت تازہ دم گھوڑے ہیں ہی نہیں۔ رات کے دس بج چکے تھے۔ تزدلیاں بہت بدمزہ ہوا اور اس نے کھانا منگوایا۔ وہ دروازے کے باہر ادھر سے ادھر ٹہلنے لگا اور چپ چاپ اصطبل میں نکل گیا۔ وہاں ایک بھی گھوڑا نہ تھا۔

وہ دل میں بولا۔ "شکل سے یہ آدمی کچھ عجیب سا لگتا تھا۔ اس کی گندی گندی آنکھیں بڑے غور سے میرا جائزہ لے رہی تھیں"۔

ہم سمجھ سکتے ہیں کہ اب تزدلیاں چوکنا ہو گیا تھا اور ہر آدمی کی بات پر بھروسہ کرنے کو تیار نہیں تھا۔ اس نے سوچا کہ کھانے کے بعد یہاں سے کھسک لوں گا اس جگہ سے تھوڑی بہت واقفیت حاصل کرنے کے لئے وہ کمرے سے نکلا اور آگ تاپنے کے بہانے باورچی خانے میں جا پہنچا۔ وہاں مشہور گانے والا سینیور ززیرو یمو نظر آیا تو اس کا دل باغ باغ ہو گیا۔

اس اطالوی نے آرام کرسی آگ کے قریب رکھوالی تھی اور اس پر اطمینان سے لیٹا تھا۔ پندرہ بیس جرمن کسان اس کے گرد جمع تھے اور منہ پھاڑے اسے تک رہے تھے۔ وہ خاصے زور زور سے کراہ رہا تھا اور ان کسانوں سے زیادہ خود اپنے آپ سے باتیں کر رہا تھا۔

"یہ لوگ تو مجھے برباد کئے ڈال رہے ہیں"۔ وہ چیخ کے تزدلیاں سے کہنے لگا "میں نے کل سے آنس میں گانا سنانے کا وعدہ کر رکھا ہے۔ سات بادشاہ میرا گانا سننے کے لئے آئے بیٹھے ہیں۔ لیکن خیر، آؤ ذرا باہر ٹہلیں"۔ وہ معنی خیز لہجے میں بولا جب وہ سڑک پر کوئی سو گز نکل گئے اور یہ خطرہ نہ رہا کہ کوئی سن لے گا تو وہ

ژولیاں سے کہنے لگا۔ "آپ کو معلوم ہے کہ تماشا کیا ہو رہا ہے؟ یہ ڈاک گاڑی والا منشی چھٹا ہوا بدمعاش ہے۔ میں ٹہل رہا تھا تو میں نے ایک بھک منگے کو ایک فرانک دیا۔ اس نے مجھے ساری بات بتا دی۔ گاؤں کے دوسری طرف ایک اصطبل میں دس بارہ گھوڑے موجود ہیں۔ لیکن یہ لوگ کسی ایلچی کو دیر کرانا چاہتے ہیں۔"

"واقعی؟" ژولیاں نے معصوم بن کے کہا۔

اس چال بازی کا پتا لگا لینا کافی نہیں تھا۔ اب یہاں سے آگے بھی تو جانا تھا۔ اس کا بندوبست ژیرودیمو اور اس کے دوست سے نہ ہو سکا۔ آخر گانے والے نے کہا۔ "اب تو صبح کا انتظار کرنا پڑے گا۔ یہ لوگ ہم سے بھڑک گئے ہیں۔ کل صبح ہم اُنہیں بڑا اٹھاٹ دار ناشتہ لانے کا حکم دیں گے۔ یہ تو ناشتے کی تیاری میں لگیں گے۔ ہم ٹہلنے نکل جائیں گے اور وہاں سے صاف اُڑ لیں گے۔ پھر گھوڑے کرائے کر کے ڈاک گاڑی کو اگلے پڑاؤ پہ جا پکڑیں گے۔"

"اور آپ کا سامان؟" ژولیاں نے کہا۔ اس نے سوچا کہ شاید ژیرودیمو ہی کو مجھے پکڑنے کے لئے بھیجا گیا ہو۔ اب کھانا کھانے اور سونے کا وقت آ گیا تھا۔ وہ ابھی کچی نیند میں تھا کہ ایک دم سے اُس کی آنکھ کھل گئی۔ اس کے کمرے میں دو آدمی نہایت بے فکری سے باتیں کر رہے تھے۔

وہ منشی کو پہچان گیا۔ جس نے اوپر سے ڈھکی ہوئی لالٹین ہاتھ میں لے رکھی تھی۔ اس کی پوری روشنی ٹرنک پر پڑ رہی تھی جو ژولیاں نے اپنے کمرے میں ہی منگوا لیا تھا۔ منشی کے ساتھ ایک اور آدمی تھا جو بڑے اطمینان سے کھلے ہوئے

ٹرنک کی تلاشی لے رہا تھا۔ ژولیاں کو بس اُس کے کوٹ کی آستینیں دکھائی دیں جو سیاہ اور خوب چُست تھیں۔

"یہ تو پادریوں کی سی عبا ہے۔" ژولیاں نے دل میں کہا اور چپکے سے پستول نکال لئے جو اس نے تکئے کے نیچے رکھ دیئے تھے۔

منشی بولا۔" پادری صاحب، آپ اس کے جاگنے سے نہ ڈریئے۔ ہم نے اسے وہی شراب دی ہے جو آپ نے خود تیار کی تھی۔"

پادری نے جواب دیا۔" مجھے تو کاغذ کہیں دکھائی نہیں دیتے۔ ٹرنک میں کپڑے، عطر، تیل اور ایسی ہی فضول چیزیں بھری پڑی ہیں۔ یہ تو کوئی رنگیلا آدمی ہے۔ اسے تو بس اپنی مزے داریوں سے غرض ہے۔ ایلچی تو وہ دوسرا آدمی ہوگا جو جان بوجھ کے اطالوی لہجے میں بولتا ہے۔"

اب وہ لوگ ژولیاں کے پاس آئے اور اُس کے کوٹ کی تلاشی لینے لگے۔ اس کا جی بڑا للچایا کہ انہیں چور کہہ کے مار ڈالوں۔ اس کے کوئی خطرناک نتائج برآمد نہیں ہو سکتے تھے۔ پھر بھی اس کا جی چاہ رہا تھا کہ یہ حرکت کر ہی گزروں۔ . . . وہ دل میں بولا۔" یہ ہوگی بڑی بے وقوفی۔ میرا کام خطرے میں پڑ جائے گا۔"

کوٹ کی تلاشی لینے کے بعد پادری بولا۔" یہ ایلچی نہیں ہو سکتا۔" وہ ژولیاں کے پاس سے ہٹ گیا اور اس نے واقعی عقلمندی کی۔

"اگر اس نے میرے بستر پہ آکے مجھے چھوا تو اس کی خیر نہیں۔" ژولیاں دل میں کہہ رہا تھا۔" ممکن ہے آکے میرے خنجر ہی بھونک دے۔ میں ایسا تھوڑی ہونے دوں گا۔"

پادری نے سر دوسری طرف پھیرا تو ژدلیاں نے تھوڑی سی آنکھیں کھولیں۔ وہ بالکل بھونچکا رہ گیا۔ یہ تو پادری کا نستاپند تھا! حالانکہ یہ دونوں آدمی ذرا نیچی آواز میں باتیں کر رہے تھے۔ لیکن اُسے ایک آدمی کی آواز شروع ہی سے جانی پہچانی لگی تھی۔ اس کا بڑا جی چاہا کہ دُنیا کو اس کمینے اور بدمعاش آدمی سے رہائی دلا دوں۔

"لیکن میرا کام رہ جائے گا!" اس نے اپنے آپ کو یاد دلایا۔

پادری اور اس کا چیلا کمرے سے چلے گئے۔ پاؤ گھنٹے بعد ژدلیاں نے بہانہ بنایا کہ میری آنکھ ابھی کھلی ہے۔ اس نے لوگوں کو مدد کے لئے پکارا اور چیخ چیخ کے سارا گھر سر پہ اٹھا لیا۔

"مجھے زہر دیا ہے!" وہ چلا چلا کے کہہ رہا تھا۔ "میں درد کے مارے مرا جا رہا ہوں!" اصل میں اُسے ژیرونیمو کی مدد کو جانے کے لئے کوئی بہانہ درکار تھا اس نے دیکھا کہ ژیرونیمو کی شراب میں جو افیم کا ست ملایا گیا تھا۔ اس کے اثر سے وہ نیم مُردہ پڑا ہے۔

ژدلیاں کو پہلے ہی سے اس قسم کے مذاق کا ڈر تھا چنانچہ اس نے کھانے کے بجائے وہ چاکلیٹ کھا کے پیٹ بھر لیا تھا جو پیرس سے اپنے ساتھ لایا تھا لیکن اس کی کوشش کے باوجود ژیرونیمو کو اتنا ہوش ہی نہ آیا کہ وہ اس کے سمجھانے بجھانے سے چلنے کو راضی ہو جاتا۔

گانے والا کہنے لگا۔ "اس وقت تم مجھے نیپلز کی بادشاہت بھی دو تو بھی میں اپنی نیند کا مزا خراب نہیں کر سکتا۔"

"لیکن وہ سات بادشاہ جو انتظار کر رہے ہیں۔"

"انہیں انتظار کرنے دو۔"

ژولیاں اکیلا ہی چل دیا اور بغیر کسی گڑبڑ کے اُس ممتاز شخصیت کے مکان پر جا پہنچا۔ صبح کا سارا وقت باریابی حاصل کرنے کی کوشش میں نکل گیا مگر بے سود۔ خوش قسمتی سے چار بجے کے قریب ڈیوک نے سیر کے لئے جانے کا فیصلہ کیا۔ ژولیاں نے اسے پیدل گھر سے نکلتے دیکھا تو بے جھجک آگے بڑھ کے اس سے بھیک مانگنے لگا۔ جب وہ اس ممتاز ہستی سے دو چار قدم کے فاصلے پر رہ گیا تو جیب سے موسیو دلاموں کی گھڑی نکالی اور بڑی شیخی کے انداز میں اسے دکھائی۔ ڈیوک اُس کی طرف دیکھے بغیر بولا۔ "میرے پیچھے پیچھے آئیے مگر ذرا فاصلے سے۔"

مل ڈیڑھ میل چلنے کے بعد ڈیوک دفعتاً ایک چھوٹے سے قہوہ خانے میں داخل ہو گیا۔ اس حقیر سی سرائے کے ایک کمرے میں ژولیاں کو وہ چار صفحے ڈیوک کے سامنے سنانے کی عزت نصیب ہوئی۔ جب وہ ختم کر چکا تو ڈیوک نے کہا۔ "پھر سے سنائیے مگر ذرا آہستہ آہستہ۔"

ڈیوک اس رقعے کا خلاصہ لکھتا گیا۔ "یہاں سے ڈاک گاڑی کے پڑاؤ تک پیدل جائیے۔ اپنا سامان اور گاڑی یہیں چھوڑ دیجئے۔ جس طرح بھی بن پڑے۔ اسٹراس برگ پہنچئے اور اس مہینے کی بائیسویں کو (آج دسویں تھی) ساڑھے بارہ بجے اسی قہوہ خانے میں آجائیے۔ آدھ گھنٹے تک یہاں سے نہ نکلیئے گا۔ بس اب خاموش رہیئے۔"

ڈیوک نے ژولیاں سے بس اتنی بات کی۔ لیکن اتنے ہی الفاظ سُن کر وہیے جتنا

سُبحان اللہ کہہ اٹھا۔ وہ دل میں بولا۔ "سیاسی معاملات طے کرنے کا یہ طریقہ ہے! اگر یہ مدبّران جوشیلے بکواسیوں کی تین دن پہلے والی باتیں سُنے تو کیا کہے؟"

ژدلیاں دو دن کے اندر اندر اسٹراس برگ پہنچ گیا۔ اُسے معلوم ہوتا تھا کہ یہاں میرے کرنے کا کوئی کام ہی نہیں ہے۔ وہ گھوم پھر کے شہر دیکھنے لگا۔

"اگر اس شیطان کا ستاینڈ نے مجھے پہچان لیا ہے تو وہ آسانی سے میرا پیچھا چھوڑنے والا نہیں۔ . . . اگر اس نے مجھے اُلّو بنایا اور میرا کام بگاڑ دیا تو اُسے کتنی خوشی ہوگی!"

پادری کا ستاینڈ شمال کے سارے سرحدی علاقے میں جیبز وئٹ لوگوں کی پولیس کا سردار تھا۔ یہ تو بڑی خیر ہوئی کہ اس نے ژدلیاں کو پہچانا ہی نہیں۔

اسٹراس برگ کے جیبز وئٹ لوگ یوں تو بڑے گرمجوش تھے مگر اُنہیں ژدلیاں کی نگرانی کرنے کا خیال ہی نہیں آیا۔ وہ لمبا سا نیلا کوٹ پہنے اور اپنا تمغہ لگائے بالکل ایک نوجوان فوجی افسر معلوم ہوتا تھا جسے بننے سنورنے کے سوا کسی بات کی فکر ہی نہ ہو۔

چوبیسواں باب

اسٹراس برگ

فریفتگی میں بھی وہی زور، وہی شدت، اور دکھ جھیلنے کی وہی اہلیت ہوتی ہے جو محبت میں۔ البتہ محبت کی لذتیں اور خوشیاں اس کے دائرے میں نہیں آتیں۔ جب میں نے اس عورت کو سوتے ہوئے دیکھا تو میں یہ نہیں کہہ سکتا تھا۔ یہ اپنے حسن، اپنی معصومیت اور اپنی کمزوریوں سمیت میری ہے۔ خدا نے اسے انسانوں کا دل موہنے کے لئے ہی بنایا تھا۔ لو وہ میرے قبضے میں آگئی ہے۔

شلر

ژولیاں کو اسٹراس برگ میں ایک ہفتہ گزارنا پڑا تو وہ فوجی شان اور ملک کی خدمت کے خیالات سے اپنا دل بہلانے لگا۔ اسے محبت تھی یا نہیں؟ یہ تو اسے خود بھی پتا نہ تھا لیکن اس کا زخمی دل محسوس کر رہا تھا کہ میرے تخیل پر مانٹلید کا قبضہ ہے اور میری خوشی اسی کے ہاتھ میں ہے۔ ناامیدی کی گہرائیوں میں ڈوب جانے سے بچنے کے لئے اسے اپنے کردار کی پوری قوت کا سہارا لینا پڑا۔ مادموازیل دلاموول سے ہٹ کر کسی اور چیز کے متعلق سوچنا اس کے بس میں نہ رہا تھا۔ پہلے تو وہ اپنی جاہ طلبی اور اپنے پندار کی

پے در پے تسکین کی بدولت اُن جذبات میں کھو جانے سے بچ گیا تھا جو مادام دریتال نے اس کے دل میں پیدا کیئے تھے۔ لیکن اب اُس کی ساری ہستی پر ماتیلد چھا گئی تھی۔ مستقبل میں اُسے ہر طرف ماتیلد ہی ماتیلد نظر آتی تھی۔

مستقبل میں ژولیاں کو ابھی سے ہر سمت ناکامی دکھائی دے رہی تھی۔ ویریئیر میں ہم نے اس شخص کو کتنا اکڑ باز اور خود پسند پایا تھا۔ لیکن اب اُس کا انکسار انتہا سے گزر کر بالکل مہمل بن چکا تھا۔

تین دن پہلے وہ پادری کاستانید کو بڑی خوشی سے قتل کر سکتا تھا۔ لیکن اس وقت اس پر اگر کوئی بچہ بھی اس سے لڑ پڑتا تو وہ معافی مانگ کے الگ ہو جاتا۔ زندگی میں جن حریفوں اور دشمنوں سے سابقہ پڑا تھا۔ اُن کے بارے میں سوچتے ہوئے ژولیاں کو پتا چلا کہ غلطی ہمیشہ میری ہی رہی تھی۔

اصل بات یہ تھی کہ اس کا زوردار تخیل پہلے تو آئندہ آنے والی کامرانیوں کی شاندار تصویریں پیش کرنے میں لگا رہتا تھا لیکن اس وقت وہی اس کا جانی دشمن بن گیا تھا۔

مسافرت کی تنہائی نے اس المناک تخیل کا زور کچھ اور بڑھا دیا۔ اس وقت کسی دوست کی موجودگی ایک نعمت ہوتی! ژولیاں دل میں بولا۔ "لیکن دنیا میں ایک بھی دل ایسا ہے جو میرے لیئے دھڑکتا ہو؟ اور اگر کوئی دوست ہوتا بھی تو کیا یہ میری عزت کا تقاضا نہیں کہ میں اپنے ہونٹ سیے رہوں؟"

اس نے ایک گھوڑا لیا اور رنجیدگی کے عالم میں کیل کے آس پاس گھومنے لگا یہ دریائے رائن کے کنارے ایک گاؤں ہے جسے جنرل دسے اور جنرل سین سیر نے شہرتِ دوام بخش دی ہے۔ ایک جرمن کسان نے اسے وہ چھوٹے چھوٹے چشمے،

وہ سڑکیں اور دریا کے اندر وہ ٹاپو دکھائے۔ جنہیں ان عظیم جنرلوں کی دلاوری نے دنیا بھر میں مشہور کر دیا ہے۔ ژولیاں کے بائیں ہاتھ میں تو لگام تھی اور دائیں ہاتھ میں وہ نفیس نقشہ کھلا ہوا تھا جو مارشل سین سیر کی خود نوشت سوانح عمری میں شامل ہے۔

ایک خوشی کی چیخ سن کر ژولیاں نے سر اوپر اٹھایا۔

یہ اُس کا لنڈن کا دوست شہزادہ کوراسوف تھا جس نے چند مہینے ہوئے اسے بڑے لوگوں کی سادہ دلی اور حماقت کے ابتدائی اصول سکھائے تھے۔ چنانچہ اس وقت بھی اس نے اس فن میں اپنی مہارت کا ثبوت دے دیا۔ وہ کل ہی اسٹراس برگ پہنچا تھا۔ کیل آئے اُسے مشکل سے گھنٹہ بھر ہوا تھا۔ ۱۷۹۶ء کے محاصرے کے متعلق اس نے کبھی ایک سطر تک نہ پڑھی تھی مگر ژولیاں کو سارا حال سنانا شروع کر دیا۔ جرمن کسان ہکا بکا رہ گیا۔ اُسے تھوڑی بہت فرانسیسی آتی تھی۔ وہ سمجھ گیا کہ شہزادہ کیسی کیسی زبردست غلطیاں کر رہا ہے۔ لیکن کسان کے خیالات اور ژولیاں کے خیالات میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ وہ تو اس حسین نوجوان کو بڑی حیرت سے دیکھ رہا تھا اور اس کی شہسواری پر دل ہی دل میں داد دے رہا تھا۔

"کیسا خوش مذاق آدمی ہے! وہ دل میں کہہ رہا تھا۔" اس کی برجس کیسی چست ہے، بال کیسی نفاست سے کٹے ہوئے ہیں! ہائے، اگر میں بھی ایسا ہی ہوتا تو وہ مجھ سے تین دن محبت کرنے کے بعد یوں بیزار نہ ہو جاتی۔"

شہزادہ محاصرے کا حال سنا چکا تو ژولیاں سے بولا —— "آپ تو راہب سے لگ رہے ہیں۔ میں نے آپ کو لنڈن میں سنجیدہ بننے کا طریقہ سکھایا تھا۔ آپ اس کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ غمگین شکل بنائے رکھنا

شائستگی سے بعید ہے۔ ہونا یہ چاہیئے کہ آپ کی صورت سے بے کیفی ٹپکے۔ اگر آپ کی شکل غمگین ہوئی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے پاس کسی چیز کی کمی ہے کوئی بات ایسی ہے جس میں آپ ناکام رہے ہیں۔

"اس سے آپ کی کمتری ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن اگر آپ نے چہرے پر بے کیفی طاری کر لی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جو آدمی اپنی کوشش کے باوجود آپ کو خوش نہیں کر سکا، وہ آپ سے کمتر ہے۔ میرے عزیز دوست، اچھی طرح سمجھ لیجیئے کہ آپ کیسی زبردست غلطی کر رہے ہیں۔"

ژولیاں نے اُس کسان کی طرف کچھ پیسے پھینک دیئے جو مُنہ پھاڑے اُن کی باتیں سُن رہا تھا۔

"بہت ٹھیک!" شہزادہ بولا۔ "یہ ہے شائستگی کی بات! اس سے رئیسانہ حقارت ظاہر ہوتی ہے۔ بہت خوب!" اور اس نے گھوڑے کو دُلکی دوڑا دیا۔ ژولیاں تعریف و تحسین کے جذبے سے بے وقوف بن کے پیچھے پیچھے چل دیا۔

"آہ، اگر میں اس جیسا ہوتا تو وہ کرو آزنوا کو مجھ پر ترجیح نہ دیتی!" شہزادے کی مہمل باتوں سے ژولیاں کی عقل کو جتنی تکلیف پہنچتی وہ اپنے آپ سے اُتنی ہی زیادہ نفرت کرتا کہ آخر مجھے یہ باتیں پسند کیوں نہیں آرہیں اور وہ اپنے آپ کو بدقسمت سمجھتا کہ یہ چیزیں مجھ میں کیوں نہیں ہیں۔ اپنے آپ سے نفرت اس سے آگے نہیں پہنچ سکتی۔

شہزادے نے اُسے واقعی غمگین پایا جب وہ شہر میں داخل ہوئے تو وہ

ژولیاں سے بولا — "یار، کیا مصیبت ٹوٹ پڑی ہے؟ سارا روپیہ غارت ہو گیا یا کسی چھوٹی موٹی ایکٹرس پہ دل آگیا؟"

روسی لوگ فرانسیسی طور طریقوں کی نقل کرتے ہیں۔ لیکن رہتے ہیں ہمیشہ پچاس برس پیچھے۔ اب وہ لوئی پانزدہم کے زمانے تک پہنچے ہیں

محبت کے بارے میں یہ فقرے بازی ہوئی تو ژولیاں کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ وہ ایک دم سے دل میں بولا — "ایسا دوستوں کا دوست موجود ہے تو اس سے کیوں نہ مشورہ لوں؟"

وہ شہزادے سے کہنے لگا — "ہاں دوست، اسٹراس برگ میں تم مجھے اسی حالت میں دیکھ رہے ہو۔ میں واقعی محبت میں گرفتار ہوں، بلکہ میں نے تو محبت میں مُنہ کی کھائی ہے۔ ایک بڑی حسین عورت ہے جو یہیں قریب کے ایک شہر میں رہتی ہے۔ تین دن مجھ سے محبّت کرنے کے بعد اس نے مجھے دھتکار دیا ہے اور یہ تبدیلی مجھے مارے ڈال رہی ہے۔"

اس نے ایک فرضی نام سے مادام دے رینال کے افعال و اعمال اور کردار کا خاکہ شہزادے کے سامنے پیش کیا۔

"اب آگے نہ سُناؤ"۔ کوراسوف بولا "میں تمہاری بات نو بیچ میں کاٹ رہا ہوں لیکن اپنے معالج پہ بھروسہ رکھو۔ شاید اس نوجوان عورت کا شوہر بڑا مالدار ہے، یا پھر اغلب یہ ہے کہ وہ خود یہاں کے کسی نوابی خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ کسی نہ کسی بات پر تو اُسے غرور ہو گا۔"

ژولیاں نے سر ہلایا۔ اب اُسے بولنے کی ہمت نہ رہی تھی۔

"ٹھیک ہے۔" شہزادے نے کہا۔ "لو یہ تین دوائیں بتاتا ہوں۔ ہیں تو سب کی سب ذرا کڑوی۔ لیکن انہیں استعمال کرتے ہیں دیر نہ لگانا۔

"ہاں، تمہیں روزان صاحبہ سے ملنا چاہیئے۔ نام کیا ہے ان کا؟"

"مادام دوبوا۔"

"کیسا عجیب نام ہے!" شہزادے نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "لیکن معاف کرنا، تمہارے لیئے تو یہ نام مقدس ہوگا۔ یہ لازمی چیز ہے کہ تم مادام دوبوا سے روز ملو۔ لیکن نہ تو بے رُخی برتو، نہ ایسے لگو جیسے چڑ گئے ہو۔ اپنے زمانے کا زرّیں اصول یاد رکھو لوگ تم سے جو توقع رکھتے ہوں۔ ہر بات اس کے خلاف کرو۔ اُس کی عنایات سے فیض یاب ہونے سے ایک ہفتہ پہلے جیسے تم تھے بالکل ویسے ہی بن جاؤ۔"

"ارے، اُن دنوں تو میں بالکل پُرسکون تھا۔" ژولیاں انتہائی مایوسی کے ساتھ بولا۔ "میں تو یہ سمجھا تھا کہ مجھے اس پر ترس آ رہا ہے . . . ."

"پروانہ خود شمع کے پاس جا کے جلتا ہے۔" شہزادے نے کہا۔ "یہ تشبیہہ تو پرانے زمانے سے چلی آ رہی ہے۔

"اچھا تو پہلی بات یہ ہے کہ اس سے روز ملو۔

"دوسری بات یہ کہ اس کی کسی ملنے والی پہ ڈورے ڈالو مگر اس طرح نہیں کہ معلوم ہو اُسے دل دے بیٹھے ہو۔ سمجھ گئے نا؟ میں تم سے یہ بات نہیں چھپاؤں گا کہ یہ کام ہے مشکل۔ تمہیں اچھی خاصی اداکاری دکھانی ہے۔ اگر اُسے پتا چل گیا کہ یہ سب اداکاری ہے تو پھر تمہاری خیر نہیں۔"

"وہ بڑی ہوشیار ہے، اور میں ہوں نہیں! میری واقعی خیر نہیں۔" زولیا نے رنجیدہ ہو کے کہا۔

"نہیں، اصل میں بات یہ ہے کہ محبت نے تمہیں پاگل بنا رکھا ہے اُن سب عورتوں کی طرح جنہیں خدا نے مرتبہ یا دولت زیادہ دے دی ہو۔ مادام دُوبوا کو بھی اپنے سوا کسی اور سے غرض نہیں ہے۔ تمہاری طرف دیکھنے کے بجائے وہ بس اپنی طرف دیکھتی ہے۔ چنانچہ وہ تم سے واقف ہی نہیں ہے۔ اپنے تخیّل کا پورا زور صرف کر کے اس نے دو تین دفعہ اپنے اوپر محبت تو طاری کر لی اور تمہارے اوپر مہربانیاں بھی ہوئیں۔ لیکن اس وقت وہ تمہاری شکل میں اپنے خوابوں کے ہیرو کو دیکھ رہی تھی۔ تمہیں نہیں یعنی جیسے حقیقت میں تم ہو . . . . .

"لیکن، برائے خدا، یہ تو بالکل ابتدائی باتیں ہیں۔ یار تم ابھی تک طفلِ مکتب ہو؟ . . . .

"آہا! ذرا اس دکان میں تو آؤ۔ دیکھو یہ سیاہ مفلر کیسا نفیس ہے معلوم ہوتا ہے لنڈن کے بہترین درزی کے ہاتھ کا ہے۔ میری خاطر اسے خرید لو، اور یہ گندی سی کالی رسی فوراً اتار پھینکو۔ جو تم نے گلے میں لٹکا رکھی ہے۔"

جب وہ اسٹراس برگ کے بہترین لباس فروش کی دکان سے نکلے تو شہزادے نے کہا — "اچھا، اب یہ بتاؤ کہ مادام دُوبوا کے یہاں آنے جانے والے کون لوگ ہیں؟ خدا کی قسم، کیسا عجیب نام ہے۔

پیارے سوتربل، خفا نہ ہونا۔ منہ سے بات نکل گئی . . . . تم ڈورے کس پر ڈالو گے؟"

"ایک ایسی عورت پر جو پارساؤں کی پارسا ہے اور جرابوں کے ایک بڑے دولت مند تاجر کی بیٹی ہے۔ اُس کی آنکھیں بے انتہا حسین ہیں، اور مجھے بڑی پسند ہیں۔ وہ اس علاقے میں سب سے عالی مرتبہ سمجھی جاتی ہے۔ لیکن اپنی تمام شان و شوکت کے باوجود کوئی تجارت یا دکان کا نام لے دے تو اس کا چہرہ سُرخ ہو جاتا ہے اور وہ بوکھلا جاتی ہے۔ بدقسمتی سے اُس کا باپ اسٹراس برگ کے مشہور و معروف تاجروں میں سے تھا۔"

شہزادے نے مسکرا کر کہا ـــــ "یعنی اگر اس کے سامنے صنعت و حرفت کا نام لیا جائے تو تم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہو کہ میری حسینۂ طناز اپنے بارے میں سوچ رہی ہے، میرے بارے میں نہیں۔ یہ کمزوری تو بڑی بے نظیر اور بڑی کارآمد ہے۔ اس کی وجہ سے تم اس کے سامنے کوئی بیوقوفی نہیں کرنے پاؤ گے۔ تمہاری کامیابی یقینی ہے۔"

دراصل تزولیاں کے ذہن میں مادام دفرواک کا نام تھا جو موسیو دلاموُل کے یہاں اکثر آیا کرتی تھی۔ یہ حسینہ کسی غیر ملک کی تھی اور اس نے مارشل دفرواک کے مرنے سے سال بھر پہلے اس سے شادی کی تھی۔ اس کی زندگی کا بس یہی مقصد معلوم ہوتا تھا کہ کسی طرح لوگ یہ بات بھول جائیں کہ میں ایک صنعت کار کی بیٹی ہوں۔ اس خیال سے کہ پیرس میں میرا بھی

شمار اہم لوگوں میں ہو، وہ پاکبازی کی سب سے بڑی علَم بردار بن بیٹھی تھی۔

ژولیاں بڑے خلوص کے ساتھ دل ہی دل میں شہزادے کی تعریف کر رہا تھا۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ ایسی مہمل اور بناوٹی باتیں مجھے بھی کرنی آجائیں۔ ان دونوں دوستوں میں بڑی دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔ کوراسوف تو نہالوں نہال ہو گیا۔ آج تک کسی فرانسیسی نے اس کی باتیں اتنی دیر تک کبھی نہ سُنی تھیں۔ شہزادہ خوش ہو ہو کر دل میں کہہ رہا تھا۔ "میں اپنے اُستادوں کو سبق پڑھانے کی کوشش تو پہلے بھی کر چکا ہوں۔ لیکن آج آخر میری بات سُن ہی لی گئی!"

اس نے ژولیاں سے دسویں دفعہ کہا۔ "تو یہ طے ہو گیا کہ جب تم مادام دوتِروا کے سامنے اس حسینہ یعنی اسٹراس برگ کے جرابوں والے سوداگر کی بیٹی سے بات کرو۔ تو لہجے میں محبت کا شائبہ تک نہ ہو۔ اس کے برخلاف جب خط لکھو تو گرما گرم۔ ایسی جعلی قسم کی پاکباز عورتوں کو عمدہ سا محبت نامہ پڑھنے میں بڑا مزا آتا ہے۔ یہ اُن کے لئے ایک وقتی تفریح ہے۔ ایسے موقع پر انہیں بننے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ اور دل کی آواز سننے سے بھی انہیں ڈر نہیں لگتا۔ چنانچہ روزانہ دو خط لکھو۔"

"یہ کبھی نہیں ہو سکتا! کبھی نہیں ہو سکتا!" ژولیاں نے کہا۔ اس کی ہمت جواب دے گئی تھی۔ "مجھے اوکھلی میں کٹنا قبول ہے، مگر تین جملے

لکھنا منظور نہیں۔ دوست! میں تو ایک لاش کی مانند ہوں۔ مجھ سے کوئی توقع نہ رکھو۔ مجھے تو یہیں سڑک کے کنارے پر پڑے مرنے دو۔"

"بیرکس نے کہا کہ خود لکھو۔ میرے سامان میں لکھے لکھائے محبت ناموں کی چھ جلدیں رکھی ہیں۔ ہر قسم کی عورت کے لئے خطوں کا نمونہ موجود ہے میرے پاس انتہائی پاکباز عورت کے لئے بھی خط ہیں۔ تمہیں معلوم نہیں کہ کالسکی نے لنڈن سے چھ میل کے فاصلے پر رچمنڈ ٹیرس میں انگلستان کی پارساترین عورت سے عشق لڑایا تھا؟"

رات کے دو بجے ژولیاں اپنے دوست سے رخصت ہوا تو وہ اتنا غم زدہ نہیں رہا تھا۔

اگلے روز شہزادے نے نقل نویس کو بلایا، اور دو دن بعد ژولیاں کو ترپن محبت نامے مل گئے۔ جن پر بڑی احتیاط سے نمبر پڑے ہوئے تھے اور جن کا مقصد یہ تھا کہ پاکباز سے پاکباز اور افسردہ دل عورت پر ڈورے ڈالے جائیں۔

شہزادے نے کہا — "اصل میں تو خط چوّن ہوتے لیکن کالسکی کو گھر سے نکال دیا گیا۔ لیکن اگر جرابوں کے سوداگر کی بیٹی نے تم سے بدتمیزی کی تھی تو تمہیں کیا فکر؟ تمہیں تو مادام ڈوکوا کا دل اپنے ہاتھ میں لینا ہے۔"

وہ دونوں روز سواری کو جاتے۔ شہزادہ ژولیاں کا گرویدہ ہو گیا تھا۔

اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اپنی اس بے ساختہ محبّت کا ثبوت کس طرح دوں۔ آخر اس نے ژولیاں کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ میری ایک رشتے کی بہن سے شادی کرلو جو ماسکو میں رہتی ہے اور بڑی مالدار ہے۔ "تمہیں تمغہ تو مل ہی چکا ہے۔ پھر میرا ابھی اثر رسوخ ہے۔ اس سے شادی کرلی تو دو سال کے اندر اندر کرنل ہو جاؤ گے۔"

"لیکن مجھے یہ تمغہ نپولین نے تھوڑی دیا تھا۔ معاملہ تو اس کے برعکس ہے۔"

"اس سے کیا ہوتا ہے؟" شہزادے نے کہا۔ "آخر یہ ایجاد تو اُسی نے کیا تھا۔ اب بھی یورپ میں اس سے زیادہ عزّت کسی اور تمغے کی نہیں۔"

ژولیاں یہ تجویز منظور کرنے والا تھا کہ اُسے اپنا فریضہ یاد آگیا اور وہ اُس ممتاز آدمی کی طرف چل دیا۔ کوراسوف سے رخصت ہوتے وقت اس نے وعدہ کیا کہ میں خط لکھوں گا۔ جو خفیہ رقعہ وہ لایا تھا اس کا جواب لے کر ژولیاں پیرس روانہ ہوگیا۔ لیکن اُسے اکیلے میں دو دن بھی نہ گزرے تھے کہ فرانس اور ماتیلد سے چھٹنے کا غم ستانے لگا اور جان پر بن آئی۔ وہ دل میں بولا ــــ "کوراسوف جو لاکھوں روپیہ مجھے پیش کر رہا ہے وہ تو میں قبول نہیں کروں گا۔ مگر اُس کے مشورے پر ضرور عمل کر کے دیکھوں گا۔

"آخر عورتوں کو دام میں لانے کا فن اُس کا پیشہ ہے۔ پندرہ سال سے وہ بس یہی باتیں سوچتا رہا ہے۔ کیونکہ اب اس کی عمر تیس سال کی ہے۔ یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ اس میں ذہانت کی کمی ہے۔ وہ بڑا معاملہ فہم اور دوربین آدمی ہے۔ اس جیسے آدمی کے یہاں جوش و خروش اور شاعری کا کوئی کام نہیں۔ وہ ہر بات سوچ

سمجھ کے کرتا ہے۔ اس سے اور بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ جو کچھ کہے گا غلط نہیں کہے گا۔

"اب اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں — میں مادام دفرداک پر ڈورے ڈالوں گا۔

"شاید مجھے اس سے کچھ کوفت تو ہو گی۔ لیکن میں بیٹھا اس کی حسین آنکھوں کو تکا کروں گا جو ان آنکھوں سے مشابہ ہیں جن سے زیادہ محبت مجھ سے آج تک کسی نے نہیں کی۔

"وہ غیر ملک کی ہے۔ اس نئی قسم کے کردار کا مطالعہ بھی کرنا چاہیئے۔

"میری تو مت ماری گئی ہے۔ ہوش حواس ٹھکانے نہیں رہے۔ مجھے تو اپنے دوست کے مشورے پر عمل کرنا چاہیئے اور اپنی طرف دھیان نہیں دینا چاہیئے۔"

پچیسواں باب

پارسائی کا پیشہ

لیکن اگر لطف حاصل کرنے سے پہلے مجھے اتنی دوراندیشی اور
احتیاط سے کام لینا پڑے تو پھر وہ میرے لئے لطف ہی نہیں رہتا۔
لوپے دے ویگا

پیرس پہنچتے ہی ژولیاں مارکوئس دلاموّل کے پاس گیا وہ جو پیغامات
لایا تھا انہیں سن کر مارکوئس بہت جزبز ہوا۔ مارکوئس کے کمرے سے
نکل کر ہمارا ہیرو سیدھا کاؤنٹ آلتامیرا کی تلاش میں چلا۔ اس خوبصورت
غیر ملکی میں ایک امتیاز تو یہ تھا کہ اُسے موت کی سزا ہو چکی تھی۔ پھر اس میں
سنجیدگی بے انتہا تھی اور خوش قسمتی سے دیندار بھی تھا۔ یہ خوبیاں اور اُن
سے بھی زیادہ کاؤنٹ کی نجابت مادام دفرواک کو بہت پسند آئی اور وہ اس
سے اکثر ملنے لگی تھی۔

ژولیاں نے جا کر کاؤنٹ آلتامیرا کے سامنے بڑی سنجیدگی سے اعتراف کیا
کہ مجھے مادام دفرواک سے والہانہ محبت ہو گئی ہے۔

آلتامیرا نے جواب دیا: "وہ انتہائی پاکباز اور بے داغ ہے۔ البتہ اُس کی پارسائی میں ذرا شدّت اور جیز وٹ لوگوں کا سا رنگ آگیا ہے۔ بعض دن تو ایسا ہوتا ہے کہ اس کا ایک ایک لفظ میری سمجھ میں آجاتا ہے مگر پورے جُملے کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا۔ وہ اکثر مجھے یہ سوچنے پر مجبور کردیتی ہے کہ مجھے فرانسیسی اتنی اچھی طرح نہیں آتی جتنی لوگ سمجھتے ہیں۔ اس سے شناسائی ہوگئی تو لوگوں میں آپ کا چرچا ہونے لگے گا۔ اُونچے طبقوں میں آپ کو ایک حیثیت حاصل ہوجائے گی۔ لیکن خیر، چلئے بوستوس سے ملنے چلیں۔" آلتامیرا نے کہا جس کا ذہن قاعدے قرینے کا بڑا خیال رکھتا تھا۔ "وہ مادام دفرواک سے عشق لڑا چکا ہے۔"

ڈان دیبے گو بوستوس نے اُن سے پورا قصّہ بالتفصیل سُنا اور خود ایک لفظ بھی نہ کہا، یعنی جیسے وکیل اپنے دفتروں میں کیا کرتے ہیں۔ اُس کا چہرہ پُھولا پُھولا اور راہبوں جیسا تھا۔ اوپر سے کالی کالی مونچھیں تھیں۔ متانت میں اُس کا ثانی ملنا مشکل ہے مگر ویسے وہ ہر لحاظ سے بڑا اچھا جمہوریت پسند تھا۔

آخر وہ ژولیاں سے بولا "میں سمجھ گیا۔ مادام دفرواک کا کوئی مسلمہ عاشق رہا ہے یا نہیں رہا؟ پھر آپ کو کامیابی کی اُمید ہوسکتی ہے یا نہیں؟ یہ ہے آپ کا سوال۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جہاں تک میرا تعلق ہے میں تو ناکام رہا ہوں، چونکہ مجھے اب کوئی رنج باقی نہیں رہا، اس لئے میں نے تو اُس کے متعلق یہ رائے قائم کی ہے کہ وہ اکثر غصّے کے مارے آپے

باہر ہو جاتی ہے اور جیسا میں ابھی ثبوت دوں گا، بلا کی کینہ توز ہے۔
"مجھے اس کے اندر وہ صفراوی مزاج نہیں ملا جو بڑے آدمیوں کی نشانی ہے اور اُن کے ہر کام میں ایک شدّتِ جذبات کا رنگ پیدا کر دیتا ہے۔ اس کے برخلاف وہ تو ہالینڈ والوں کی طرح بالکل ٹھنڈے اور بلغمی مزاج کی ہے۔ اسی وجہ سے تو اُس میں یہ حُسن اور رنگ روپ آیا ہے۔"
یہ میبانوی ایسے سوچ سوچ کے اور اس قدر سکون کے ساتھ بول رہا تھا کہ ژولیاں کو بے چینی ہونے لگی۔ ضبط کی کوشش کے باوجود بیچ بیچ میں اس کے مُنہ سے ایک آدھ لفظ نکل ہی جاتا تھا۔
"آپ میری بات سُننا چاہتے ہیں یا نہیں؟" لوسنوس نے متانت سے پوچھا۔
ژولیاں نے کہا، "میں اس فرانسیسیوں کے سے اضطراب کی معافی چاہتا ہوں۔ اب میں ہمہ تن گوش ہوں۔"
"اچھا تو مادام دو فرواک کی گھٹی میں نفرت پڑی ہے۔ جن لوگوں کو دیکھا تک نہیں اُن کے بھی ہاتھ دھو کے پیچھے پڑ جاتی ہے۔ چاہے وکیل ہوں، چاہے بچارے گیت لکھنے والے غریب شاعر۔ مثلاً کولے۔ اس کا وہ گیت تو سُنا ہے نا آپ نے؟"
اور ژولیاں کو پورا گیت شروع سے آخر تک سُننا پڑا۔ اس ہسپانوی کو فرانسیسی گیت گانے میں بڑا مزا آیا۔
یہ پیارا پیارا گیت شاید ہی کسی نے اس بے چینی سے سنا ہو جیسے ژولیاں

نے سنا۔ گانا ختم ہو گیا تو بوستوس کہنے لگا ۔" مادام دفرواک اس گیت کے مصنف کو بھی برباد کر چکی ہے۔

ایک دن عاشق تھیٹر پہنچا"۔

ژولیاں اس ڈر سے کانپ اٹھا کہ اب اس نے پھر گانا شروع کیا۔ مگر بات بس گیت کے تجزیے تک ہی رہی۔ دراصل یہ گیت کچھ نازیبا قسم کا تھا۔ اور اس سے بے دینی ٹپکتی تھی۔

بوستوس کہنے لگا ۔" مادام دفرواک یہ گیت پڑھ کر نیلی پیلی ہونے لگی۔ تو میں نے اسے بتایا کہ اس جیسی عالی مرتبہ خاتون کو جتنی احمقانہ چیزیں چھپتی ہیں سب کی سب نہیں پڑھنی چاہئیں۔ لوگوں میں پارسائی اور متانت کتنی ہی کیوں نہ بڑھ جائے۔ فرانس میں شراب خانوں کا ادب تو ہمیشہ رہے گا۔ بچارے بھوکے شاعر کو آدھی تنخواہ ملتی تھی۔ مادام دفرواک نے یہ اٹھارہ سو فرانک کی ملازمت بھی اس سے چھین لی تو میں نے مادام سے کہا کہ اب ذرا بچ کے رہئے گا۔ آپ نے اس تک بند پر اپنے ہتھیاروں سے حملہ کیا ہے۔ وہ اس کا جواب اپنے شعروں سے دے گا اور پارسائی کے متعلق کوئی گیت لکھ مارے گا۔ زریں دیوان خانے تو ضرور آپ کے ساتھ ہوں گے لیکن جو لوگ ہنسنے ہنسانے کے رسیا ہیں وہ اس کی پھبتیاں سناتے پھریں گے۔ جناب، آپ کو معلوم ہے کہ مادام دفرواک نے مجھے کیا جواب دیا؟ وہ بولی کہ اپنے خدا کی خدمت بجا لانے کے لیے میں شہر بھر کی نظروں کے سامنے شہادت کے راستے پر چلوں گی۔ فرانس نے ایسا نظارہ کبھی نہ دیکھا ہوگا۔ میں لوگوں کو نیکی کا سبق سکھاؤں گی۔ یہ میری زندگی کا سب سے

مسرت انگیز دن ہوگا۔ میں نے اس عورت کی آنکھوں کو اس طرح چمکتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا تھا۔"

"اور اس کی آنکھیں ہیں بھی تو بڑے غضب کی۔" ژدلیاں بولا۔

"میں سمجھ گیا کہ آپ اس کی محبت میں گرفتار ہیں۔" پھر بوستوس سنجیدہ ہوگیا۔ "اچھا خیر تو اس عورت کے مزاج میں وہ تیزی نہیں جو آدمی کو انتقام لینے پر اُبھارتی ہے اُسے لوگوں کو تکلیف دینے میں مزا تو ضرور آتا ہے۔ لیکن اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ غمزدہ ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ اندر ہی اندر کڑھتی رہتی ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ پارسائی کے باوجود اپنے اس پیشے سے تھک چکی ہے؟"

ہسپانوی ایک منٹ تک چپ چاپ ژدلیاں کی طرف تکتا رہا۔

پھر متانت کے ساتھ بولا۔ "اصل سوال یہی ہے اور آپ کے لئے کچھ امید بندھتی ہے تو یہیں سے۔ میں نے دو سال تک اس کی غلامی اختیار کئے رکھی اور اس دوران میں اس بات پر بہت کچھ غور و خوض کیا۔ آپ اس کے عشق میں مبتلا ہیں۔ آپ کے سارے مستقبل کا دار و مدار اسی مسئلے پر ہے۔ کیا وہ پارسائی کے پیشے سے تھک چکی ہے اور کینہ توز بن گئی ہے تو اس وجہ سے کہ غم زدہ ہے؟"

"یا پھر وہ بات ہے جو میں نے جیسوں دفعہ آپ سے کہی ہے؟" آخر اُس نے لمبے عرصے خاموشی توڑ کر کہا۔ "بس سیدھی سادی فرانسیسیوں والی خود پسندی ہے۔ یہ عورت مزاج کی خشک اور افسردہ خاطر ہے۔ اُسے دُکھ یہ ہے کہ میرا باپ کپڑے کا تاجر تھا۔ وہ تو بس ایک ہی طرح خوش رہ سکتی ہے۔ یعنی ٹولیڈو جا کے رہے۔ جہاں پادری اُس کے اعترافات سُنتے ہوئے اُسے روزِ جہنم کی تصویر دکھائے اور اسے خوب

اذیت پہنچ لئے۔"

ژولیاں رخصت ہونے لگا تو بوسنوس پہلے سے بھی زیادہ متانت کے ساتھ بولا "آلتامیرا نے مجھے بتایا ہے کہ آپ بھی ہمارے ساتھی ہیں۔ ایک دن آپ ہماری جنگِ آزادی میں ہماری مدد کریں گے اور اسی لئے میں اس چھوٹی سی ڈیل ڈول میں آپ کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔ آپ مادام دفرواک کے طرزِ تحریر سے واقف ہو جائیں تو بہتر ہوگا۔ لیجئے یہ چار خط اسی کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں۔"

ژولیاں نے خوش ہو کے کہا "میں ان کی نقل کرا لوں گا اور پھر آپ کو واپس کردوں گا۔"

"آپ کے ذریعے کسی کو یہ تو نہیں معلوم ہوگا کہ ہماری کیا باتیں ہوئی ہیں؟"

"ہرگز نہیں۔ میں قسم کھاتا ہوں۔" ژولیاں نے کہا۔

"اچھا تو خدا آپ کی مدد کرے!" ہسپانوی بولا، اور وہ زینے تک ژولیاں اور آلتامیرا کے ساتھ چپ چاپ آیا۔

یہ تماشا دیکھ کے ہمارے ہیرو کا دل تھوڑا سا خوش ہوا اور وہ کچھ کچھ مسکرانے لگا۔ وہ دل میں بولا "یہ ہیں نیک اور پرہیزگار آلتامیرا صاحب جو زناکاری کے معاملے میں میری مدد کرنے کو تیار ہیں!"

ڈان بوستوس کی سنجیدہ گفتگو کے دوران میں شروع سے آخر تک ژولیاں گھنٹہ گھر کی آواز بڑے غور سے سنتا رہا تھا۔

کھانے کا وقت قریب آرہا تھا۔ اب وہ اتنے دن کے بعد ماتیلد کو پھر دیکھنے والا تھا! وہ گھر گیا اور بڑی احتیاط سے کپڑے بدل کر سنگار کیا۔

"لو، چھوٹتے ہی غلطی ہوئی!" وہ زینے پر سے اُترنے لگا تو دل میں بولا "مجھے شہزادے کی ایک ایک ہدایت پہ عمل کرنا چاہئے۔"

وہ پھر اپنے کمرے میں گیا اور بالکل سیدھا سادا سفر کا لباس پہن لیا۔

وہ دل میں بولا "اب یہ سوچنا ہے کہ اس کی طرف دیکھوں کس طرح۔" ابھی ساڑھے پانچ بجے تھے اور کھانے کا وقت چھ بجے تھا۔ وہ دیوان خانے میں چلا آیا۔ مگر وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ نیلا صوفا دیکھ کر وہ گھٹنوں کے بل جھک گیا اور اس جگہ کو چُوما جہاں ماتیلد اپنا بازو رکھتی تھی۔ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور چہرہ جلنے لگا۔ وہ بگڑ کے دل میں بولا "اس کم بخت احساس کو آگ لگے۔ یہ مجھے کہیں کا نہ رکھے گا۔" اپنے حواس برقرار رکھنے کے لیے اس نے اخبار اٹھا لیا اور دیوان خانے سے باغ میں تین چار دفعہ آیا گیا۔

ایک درخت کے پیچھے چھُپ کر اس نے لرزتے ہوئے مادموازیل دلامول کی کھڑکی کی طرف دیکھا۔ کھڑکی بند تھی۔ وہ زمین پہ گرتے گرتے بچا اور بڑی دیر تک درخت سے لگا کھڑا رہا۔ پھر ڈگمگاتا ہوا مالی کی سیڑھی دیکھنے چلا۔

زنجیر کی وہ کڑی جو اس نے بالکل مختلف حالات میں زور لگا کے کھول لی تھی۔ اُس کی ابھی تک مرمت نہیں ہوئی تھی۔ ژولیاں ایسا دیوانہ ہو رہا تھا کہ اس نے زنجیر کو ہونٹوں سے لگا لیا۔

دیوان خانے اور باغ کے درمیان بڑی دیر تک ٹہلنے کے بعد ژولیاں نے دیکھا کہ میں تو تھک کے چُور ہو گیا ہوں۔ یہ اس کی پہلی کامیابی تھی۔ اسے بڑی خوشی ہوئی اور وہ بولا "میری آنکھیں بجھی بجھی سی رہیں گی، اور میرا راز فاش نہیں ہوگا!" آہستہ

آہستہ دیوان خانے میں مہمان آنے لگے جیسے ہی دروازہ کھلتا۔ ژولیاں کا دل دھکڑ پکڑ کرنے لگتا۔

کھانا شروع ہو گیا۔ اپنے اُصول کے مطابق لوگوں کو انتظار کرانے کے بعد آخر مادموازیل ولاموِل نمودار ہوئی۔ ژولیاں کو دیکھتے ہی وہ ایک دم سے سُرخ ہو گئی۔ اسے ژولیاں کے آنے کی اطلاع نہیں ملی تھی۔ کوراسوف کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے ژولیاں نے اُس کے ہاتھوں کی طرف دیکھا۔ ہاتھ کانپ رہے تھے۔ یہ بات دیکھ کر ژولیاں کو جو اضطراب ہوا وہ بیان سے باہر ہے۔ اُس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ چلو، اس وقت میرے چہرے سے تھکن کے سوا اور کوئی بات ظاہر نہیں ہو رہی۔

موسیو ولاموِل نے اس کی بے انتہا تعریفیں کیں۔ تھوڑی دیر بعد مادام ولاموِل اس سے مخاطب ہوئی اور اسے تھکا ہوا دیکھ کے فکرمندی کا اظہار کیا۔ ژولیاں دل ہی دل میں کہتا رہا "مجھے مادموازیل ولاموِل کی طرف زیادہ نہیں دیکھنا چاہئے، لیکن اس کی نظروں سے بچنا بھی غلط ہے، مجھے ایسا لگنا چاہئے جیسا میں اپنی بدنصیبی سے ایک ہفتہ پہلے تھا۔ . . ." اُسے اپنی کامیابی دیکھ کر خاصی تسلّی ہوئی اور وہ دیوان خانے میں ہی بیٹھا رہا۔ اُس نے عمر میں پہلی دفعہ مکان کی مالکہ پر توجّہ صرف کی اور اس کے آس پاس جو لوگ بیٹھے تھے انہیں ذرا چپ نہ ہونے دیا بلکہ باتوں میں گرمی پیدا کرتا رہا۔

اُسے اپنی خوش اخلاقی کا انعام بھی مل گیا۔ آٹھ بجے کے قریب مادام دفرواک کے آنے کا اعلان ہوا۔ ژولیاں کمرے سے چل دیا اور تھوڑی دیر بعد خوب بن ٹھن کے واپس آیا۔ مادام دلاموِل اپنی اس عزّت افزائی سے بہت خوش ہوئی اور اپنی پسندیدگی کا ثبوت دینے کے لئے مادام دفرواک کو ژولیاں کے سفر کا حال

سنانے لگی۔ ژولیاں مادام دفرواک کے برابر اس طرح بیٹھ گیا کہ ماتیلد کو اس کی آنکھیں نظر نہ آئیں۔ اس طرح جم کے اور اپنے فن کے تمام اصولوں پر عمل کرتے ہوئے وہ مادام دفرواک کی طرف ایسے تکنے لگا جیسے فریفتگی کے مارے منہ سے بات نہ نکل رہی ہو۔ کوراسوف نے اسے جو ترپن خط تحفے میں دئے تھے ان میں سے پہلا خط اسی جذبے کے متعلق ایک دھواں دھار تقریر سے شروع ہوتا تھا۔

مادام دفرواک نے بتایا کہ میں آپیرا جا رہی ہوں۔ ژولیاں بھی جلدی جلدی وہیں پہنچا۔ وہاں اسے موسیو دبووازی ملا جو اسے شاہی محل کے افسروں والے بوکس میں لے گیا۔ یہ بوکس مادام دفرواک کے بوکس سے ملا ہوا تھا۔ ژولیاں برابر اسی کو تکتا رہا۔ جب وہ گھر آیا۔ تو دل میں بولا ——— "مجھے اس محاصرے کا روزنامچہ لکھنا چاہئے ورنہ بھول جاؤں گا کہ اب تک کتنے حملے کر چکا ہوں۔" اس نے اس بے کیف موضوع پر زبردستی دو تین صفحے لکھے، اور تعجب تو یہ ہے کہ اس دوران میں مادموازیل دلامول کا خیال تک نہ آیا۔

اس کی غیر موجودگی میں ماتیلد اسے تقریباً بھول چکی تھی اس نے سوچا تھا ——— "فی الجملہ وہ ایک معمولی قسم کا آدمی ہے۔ اس کا نام مجھے ہمیشہ یاد دلاتا رہے گا کہ مجھ سے کیسی زبردست غلطی ہوئی ہے۔ مجھے پورے خلوص کے ساتھ دوراندیشی اور عزت کے مسلمہ اصولوں کو پھر سے قبول کر لینا چاہئے۔ عورت انہیں بھول جائے تو کہیں کی نہیں رہتی۔" مارکوئس دکرد آزنوا مدتوں سے سلسلہ جنبانی کر رہا تھا۔ آخر ماتیلد رضامند ہو گئی کہ یہ معاملہ طے ہو جانا چاہئے۔ مارکوئس خوشی کے مارے دیوانہ ہو گیا۔ اگر کوئی اسے بتاتا کہ ماتیلد کے رویے کی یہ تبدیلی جس پر تم اتنا فخر کر رہے ہو

دراصل اس وجہ سے ہے کہ وہ راضی برضا ہو چکی ہے تو مار کوئس کو بڑا تعجب ہوتا۔
ژولیاں کو دیکھتے ہی مادموازیل دلاموّل کے خیالات ایک دم بدل گئے۔ وہ دل میں بولی "درحقیقت میرا شوہر تو یہ ہے۔ اگر مجھے واقعی دوراندیشی مدِنظر ہے تو ظاہر ہے کہ مجھے اسی سے شادی کرنی چاہیئے۔"
اُسے توقع تھی کہ ژولیاں غمگین اور بیتاب ہوگا۔ اس نے اپنے جواب تیار کر لئے۔ کیونکہ اُسے یقین تھا کہ دسترخوان سے اٹھ کر ژولیاں مجھ سے ایک آدھ بات کرنے کی فکر میں ہوگا۔ مگر یہ تو الگ رہا، ژولیاں وہیں دیوان خانے میں جما بیٹھا رہا۔ اُس نے باغ کی طرف دیکھا تک نہیں (یہ تو خدا ہی کو معلوم ہے کہ وہ اپنے اوپر کیسا جبر کر رہا تھا) مادموازیل دلاموّل نے سوچا۔ "بہتر ہوگا کہ گلے شکوے فوراً ہی ہو جائیں"۔ وہ اکیلی باغ میں نکل گئی، مگر ژولیاں نہ آیا۔ ماتیلد واپس آئی، اور دیوان خانے کی کھڑکیوں کے پاس سے ٹہلتی ہوئی گزری۔ اس نے دیکھا کہ ژولیاں مادام دفرواک سے گفتگو میں مصروف ہے اور ان شکستہ حال پرانے قلعوں کی باتیں کر رہا ہے جو رائن کے ڈھلوان کناروں پر واقع ہیں اور اس منظر کو ایک عجیب امتیاز بخش دیتے ہیں۔ وہ اس جذباتی اور شگفتہ زبان میں بول رہا تھا جسے بعض دیوان خانوں میں بذلہ سنجی کہا جاتا ہے۔ یہ انداز گو اس نے ابھی ابھی سیکھا تھا مگر خاصا چل نکلا تھا۔
شہزادہ کوراسوف پیرس میں ہوتا تو فخر محسوس کرتا۔ شام بالکل اسی طرح گزر رہی تھی جیسے اس نے پیشین گوئی کی تھی۔
اس کے بعد والے دنوں میں بھی جو رویّہ اختیار کئے رکھا، اُسے بھی

کوراسوف پسند کرتا۔

صاحب اقتدار لوگوں میں سازش ہو رہی تھی اور کچھ خطابات دیئے جانے والے تھے۔ مادام دفرداک کو اصرار تھا کہ اس کے ایک رشتے کے دادا کو بھی خطاب ملے۔ مارکوئس دلامول بھی کوشش اپنے سسر کے لئے کر رہا تھا۔ ان دونوں میں سازباز ہو گئی اور مادام دفرداک روزانہ مارکوئس کے یہاں آنے لگی۔ ژولیاں کو اسی سے پتا چلا کہ مارکوئس وزیر بننے والا ہے۔ کیونکہ اس نے شاہ پرستوں کو ایک ایسی چال سجھائی تھی جس کے ذریعے شور وشغب کے بغیر تین سال کے اندر جمہوری حقوق کو ختم کیا جا سکتا تھا۔

اگر موسیو دلامول وزیر بن جاتا تو ژولیاں کو بھی اسقف بننے کی امید ہو سکتی تھی لیکن اس کی آنکھیں ان اہم مسائل کو دیکھ ہی نہیں رہی تھیں۔ ان پر تو پردہ سا پڑ گیا تھا۔ اس کے تخیل کو یہ باتیں، نظر بھی آتیں تو دھندلی دھندلی سی، جیسے کہیں دور ہوں۔ اس کے غم نے اسے دیوانہ بنا رکھا تھا اور وہ دنیا کی ہر چیز کو اپنے اور مادموازیل دلاموال کے تعلقات کے نقطۂ نظر سے دیکھتا تھا۔ اس کا اندازہ تھا کہ اگر میں پانچ چھ سال تک صبر کے ساتھ اپنی کوششوں میں لگا رہا تو شاید میں کامیاب ہو جاؤں اور وہ مجھ سے پھر محبت کرنے لگے۔

پہلے تو وہ بلا کا سرد مزاج تھا، لیکن جیسا ہم دیکھ رہے ہیں، اب وہ عقل وخرد سے بالکل بیگانہ ہو چکا تھا۔ اس میں پہلے جو خوبیاں تھیں ان میں سے بس اب ایک تھوڑا سا استقلال باقی رہ گیا تھا۔ شہزادے کوراسوف نے عمل کا جو نقشہ بتایا تھا، وہ اس پر سختی سے قائم تھا۔ چنانچہ روز شام کو

مادام دفرواک کی آرام کرسی کے جتنا بھی قریب ممکن ہوسکتا بیٹھ جاتا، مگر بات ایک نہ سوجھتی۔

وہ دل پر بڑا جبر کر کے ماتیلد کو یہ جتانا چاہتا تھا کہ اب میرا خفقان دور ہو گیا لیکن اس کی ساری روحانی قوت اسی کوشش میں صرف ہو گئی تھی۔ وہ مادام دفرواک کے پاس بیٹھا تو رہتا مگر جیسے کوئی بے جان پتھر ہو۔ جیسا شدید قسم کی جسمانی تکلیف میں ہوتا ہے۔ اُس کی آنکھوں تک میں چمک باقی نہ رہی تھی

مادام دلاَمول کی رائے ہمیشہ اُس خاوند کی رائے کا دھندلا سا عکس ہوتی تھی جو ممکن تھا کہ اُسے ایک دن ڈچز بنا دے۔ چنانچہ کچھ دن سے وہ ژولیاں کی خوبیوں کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا رہی تھی۔

چھبیسواں باب

اخلاقی محبّت

ایڈلین کے اندازِ گفتگو میں ایک بزرگانہ قسم کا سکون اور نفاست تھی۔
جو فطری جذبات کے اظہار سے دُور بھاگتی ہے۔ اس کا بالکل وہی
حال تھا۔ جیسے عالم لوگ کسی چیز کو اچھا ہی نہیں سمجھتے۔ کم از کم اُن کے
انداز سے بالکل پتا نہیں چلتا کہ انہیں کوئی چیز پسند بھی آسکتی ہے۔

بائرن

مادام دفرواک سوچ رہی تھی ــــ "اس خاندان کے سارے لوگ تھوڑے
بہت پاگل ضرور ہیں۔ ہر چیز کو عجیب ہی طریقے سے دیکھتے ہیں۔ یہ سب کے سب اپنے
اس پادری پر لٹو ہیں جیسے دنیا میں کچھ نہیں آتا بس بیٹھا ٹکر ٹکر دیکھتا رہتا ہے۔ خیر،
اس کی آنکھیں بُری نہیں!"

رہا ژولیاں، تو اُسے مادام دفرواک کے انداز میں اس بزرگانہ سکون کا مکمل نمونہ
ملتا تھا جس میں بڑی محتاط قسم کی خوش اخلاقی اور شائستگی تو ہوتی ہے، مگر شدید جذبے
کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ اگر اس کے جذبات میں یکایک تلاطم برپا ہو جاتا یا اپنے

اوپر قابو نہ رہتا تو مادام دفرواک کو سخت تکلیف پہنچتی۔ اپنے سے نیچے لوگوں کے
ساتھ برتاؤ میں وقار کی کمی بھی اُسے یوں ہی کھٹکتی۔ احساس مندی کا شائبہ تک اسے
قبول نہ تھا۔ اُس کی نظروں میں یہ چیز ایک قسم کی اخلاقی بدمستی کے برابر ہوتی جس پر آدمی
کو شرم آنی چاہیئے اور جس سے ایک عالی مرتبہ شخص کی حیثیت کو بڑا نقصان پہنچتا
ہے۔ سب سے زیادہ خوشی اسے بادشاہ کے سیرو شکار کے تذکرے سے ہوتی تھی اور اس کی
سب سے پسندیدہ کتاب تھی ڈیوک سین سیموں کی خود نوشت سوانح عمری، خصوصاً اس کا
وہ حصہ جو شجرۂ نسب سے متعلق ہے۔

ژولیاں کو دیوان خانے میں وہ جگہ معلوم تھی جہاں روشنیوں کی ترتیب کے لحاظ سے
مادام دفرواک کی قسم کے حسن کو چار چاند لگ جاتے تھے۔ وہ اس کے انتظار میں پہلے
سے وہاں جا پہنچتا مگر بڑی احتیاط سے کرسی اس طرح موڑ لیتا کہ ماتیلد کو نہ دیکھ سکے۔
ماتیلد کو بڑا تعجب ہوا کہ یہ مجھ سے بچتا کیوں پھرتا ہے۔ چنانچہ ایک دن وہ نیلے صوفے
سے اٹھ کر مادام دفرواک کی آرام کرسی کے پاس ایک چھوٹی سی میز کے سامنے آ بیٹھی
اور کاڑھنے میں لگ گئی۔ مادام دفرواک کی ٹوپی کے نیچے سے وہ ژولیاں کو بالکل پاس
بیٹھی نظر آرہی تھی۔ جو آنکھیں اس کی قسمت کی مالک تھیں انہیں اتنے قریب دیکھ کر پہلے
تو وہ ڈر گیا۔ لیکن پھر ایسا ہوا کہ اس پر جو مُردہ دلی طاری تھی۔ وہ ایک دم سے غائب
ہوگئی۔ وہ بولنے لگا۔ اور خوب چہکا۔

باتیں تو وہ مادام دفرواک سے کر رہا تھا مگر اس کا واحد مقصد یہ تھا کہ ماتیلد
کے دل پر اثر ہو۔ وہ ایسے جوش میں آگیا کہ اب تو اس کی باتیں مادام دفرواک کی سمجھ
ہی میں نہ آرہی تھیں۔

یہ بڑی خوبی کی بات تھی۔ اگر وہ دو چار جملے ایسے بھی کہہ دیتا جن سے جرمنوں والی ابہام پسندی اور جیبز ڈنٹ لوگوں کا سا مذہبی جنون ظاہر ہوتا تو مادام دفرواک اس کا نام فوراً اُن بلند و برتر ہستیوں کی فہرست میں شامل کر لیتی جو اس زمانے کو راہِ راست پر لانے کے لئے مامور ہوئی تھیں۔

مادموازیل دلامول نے کہا — "یہ کتنا بد مذاق ہے! اتنی دیر سے اور ایسی گرمجوشی کے ساتھ مادام دفرواک سے باتیں کر رہا ہے۔ اب میں اس کی بالکل سنوں گی ہی نہیں۔"

اس روز باقی وقت وہ اپنے عہد پر قائم رہی گو اسے دل پر جبر تو بہت کرنا پڑا۔

آدھی رات کو جب وہ موم بتی لے کر اپنی ماں کو اس کے کمرے تک پہنچانے چلی تو مادام دلامول نے زینے پر کھڑے ہو کے ژولیاں کی شان میں پورا قصیدہ پڑھ ڈالا۔ اب تو ماتیلد کے غصے کی حد نہ رہی۔ اس نے بہتیری کوشش کی مگر کسی طرح نیند ہی نہ آئی۔ البتہ ایک خیال نے اسے ذرا تسلی دی: "جن چیزوں کو میں حقارت کی نظر سے دیکھتی ہوں ممکن ہے مادام دفرواک کی نظر میں وہی چیزیں بہت بڑی خوبیاں ہوں۔"

رہا ژولیاں تو وہ اب اپنی کارروائی شروع کر چکا تھا۔ اس لئے اتنا غمزدہ نہیں تھا۔ اتفاق سے اسے وہ روسی چمڑے کا تھیلا نظر آیا جس میں رکھ کے شہزادے کوراسوف نے وہ ترپن خط اُس کی نذر کئے تھے۔ ژولیاں نے پہلے خط کے نیچے یہ مختصر سی تحریر دیکھی — "خط نمبر ا، پہلی ملاقات کے ہفتے بھر بعد بھیجئے۔"

ژولیاں بولا "میں نے دیر کر دی! کیونکہ مادام دفرواک سے پہلی ملاقات کو تو بہت دن ہو گئے۔" وہ فوراً پہلے محبت نامے کی نقل میں لگ گیا۔ یہ ایک لمبا چوڑا قصیدہ تھا جس میں جا بجا نیکی اور پارسائی کا ذکر تھا لیکن یہ محبت نامہ تھا بڑا خشک

اور بے رنگ۔ خوش قسمتی سے ژرولیاں دوسرا صفحہ نقل کرتے کرتے ہی سو گیا۔

چند گھنٹے بعد سورج نکلا اور اس کی آنکھ کھلی تو دیکھا کہ میں تو میز پر سر رکھے بیٹھا ہوں۔ اُس کی زندگی کا ایک انتہائی تکلیف دہ لمحہ وہ ہوتا تھا جب روز صبح آنکھ کھلنے پر اُسے اپنی مصیبت کا احساس شروع ہوتا۔ آج صبح اس نے خط کی نقل پوری کی تو ہنس پڑا۔ وہ دل میں بولا۔ "کوئی ایسا نوجوان بھی ہوگا جو اس قسم کی بکواس لکھ سکے؟" اُس نے گن کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ کئی جملے نو نو سطر لمبے ہیں۔ خط کے نیچے اسے پنسل کی تحریر نظر آئی۔

"یہ خط آدمی خود لے جا کر دے ــــ گھوڑے پر سوار، کالا مفلر، نیلا کوٹ۔ دربان کو خط دیتے ہوئے چہرے پر ندامت اور نظروں میں انتہائی افسردگی آجانی چاہیئے۔ اگر کوئی خادمہ نظر آئے تو مُنہ دوسری طرف کر کے آنسو پُونچھے۔ خادمہ سے دو ایک باتیں کرنا ضروری ہے۔"

ژرولیاں نے ان ہدایات پر حرف بحرف عمل کیا۔

وہ واپس آتے ہوئے سوچنے لگا۔ "میں بڑی جسارت سے کام لے رہا ہوں۔ چلو، کوراسوف کی قلعی کُھل جائے گی۔ محبت نامہ لکھنا، اور وہ بھی ایک ایسی عورت کو جس کی پارسائی کا شہرہ ہے! میرے ساتھ بڑی تحقیر کا سلوک ہوگا۔ لیکن مجھے بھی اس میں بڑا مزا آئے گا۔ اگر مجھے کوئی ناٹک اچھا لگتا ہے تو بس یہ۔ ہاں، میں بڑا گھناؤنا آدمی ہوں۔ میری تضحیک ہوئی تو مجھے اس میں لطف آئے گا۔ اگر میں اپنی جبلت کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے لگوں تو دل لگی ہی دل لگی میں کوئی جرم کر ڈالوں۔"

مہینے بھر سے یہ عالم تھا کہ چوبیس گھنٹے میں اُس کے لئے سب سے مسرت انگیز لمحہ

وہ ہوتا۔ جب ژولیاں گھوڑا اصطبل میں واپس لے کے آتا۔ کوراسوف نے سختی سے ممانعت کر دی تھی کہ جو محبوبہ تمہیں چھوڑ گئی ہے۔ اس کی طرف ہرگز ہرگز نہ دیکھنا لیکن گھوڑے کے قدموں کی آواز جن سے ماتیلد خوب واقف تھی یا سائیس کو بلانے کے لئے اصطبل کے دروازے پر ژولیاں کے چابک کی پھٹ پھٹاہٹ سن کر وہ اپنی کھڑکی کے پردے کے پیچھے آکھڑی ہوتی۔ پردہ اتنا باریک تھا کہ ژولیاں کو آر پار دکھائی دیتا تھا۔ وہ ایک خاص طریقے سے اپنی ٹوپی کے چھجے کے نیچے سے جھانکتا تو ماتیلد کے جسم کی ایک جھلک تو نظر آجاتی۔ مگر اس کی آنکھیں دکھائی نہ دیتیں۔ وہ دل میں کہتا۔ "اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے بھی میری آنکھیں نظر نہیں آتیں۔ یہ اُس کی طرف دیکھنا تھوڑا ہی ہے۔"

رات کو اس کے ساتھ مادام دفرواک کا رویہ ایسا رہا جیسے وہ فلسفیانہ، متصوفانہ اور مذہبی وعظ ملاہی نہ ہو جو صبح ژولیاں نے بڑے غمناک انداز سے دربان کو دیا تھا۔ کل رات اتفاق سے ژولیاں کو فصاحت و بلاغت کے دریا بہانے کا طریقہ معلوم ہو گیا تھا۔ وہ اس طرح بیٹھ گیا کہ ماتیلد کی آنکھیں نظر آسکیں اور ماتیلد مادام دفرواک کے آتے ہی نیلے صوفے سے اٹھ کھڑی ہوتی۔ یہ اپنے ہم جلیسوں کے ساتھ غداری تھی۔ موسیو دکرواز نوا یہ نئی اُچنگ دیکھ کے حیران و ششدر رہ گیا۔ اُس کے چہرے سے رنج و غم ٹپکنے لگا۔ اس سے ژولیاں کو اپنے دکھ میں بڑی راحت ملی۔

اُس کے حالات میں جو ایک دم سے تبدیلی ہوئی تو وہ بڑی پیاری پیاری باتیں کرنے لگا۔ جس دل میں نیکی اور پاکیزگی کا مسکن ہو۔ وہاں بھی خود پسندی کو

تھوڑی بہت راہ تو ہوتی ہی ہے۔ چنانچہ مادام دفرواک اپنی گاڑی میں بیٹھی تو سوچنے
لگی۔" مادام دلامول ٹھیک کہتی ہے۔ یہ نوجوان پادری واقعی بڑی خوبیوں کا
مالک ہے۔ شروع شروع میں تو وہ میری موجودگی سے ڈر گیا ہوگا۔ اس گھر میں
جو چیز دکھائی دیتی ہے۔ اسی میں ایک ہلکا پن ملتا ہے۔ اگر کسی میں نیکی ہے بھی تو وہ
بڑھاپے کی وجہ سے۔ جب تک خون ٹھنڈا نہ پڑ جائے یہ لوگ نہیں سنبھلتے۔ اس
نوجوان نے دیکھ لیا ہوگا کہ مجھ میں اور ان لوگوں میں کیا فرق ہے۔ یہ لکھنا تو اچھا
ہے۔ اس نے خط میں درخواست کی ہے کہ میں اسے مشورہ دوں اور روشنی دکھاؤں
لیکن میرا خیال ہے کہ یہ ایک ایسا جذبہ ہے جو ابھی اپنے آپ سے واقف نہیں ہے۔
" بہرحال کتنے ہی لوگ اسی طرح راہِ راست پر آگئے ہیں! اس شخص کے
بارے میں خوش فہمی مجھے اس وجہ سے ہوتی ہے کہ اس کا اندازِ تحریر اُن
نوجوانوں سے بالکل مختلف ہے جن کے خط مجھے اب تک ملتے رہے ہیں۔ اس
نوجوان پادری کی نثر میں ایک گہرا خلوص، یقین اور سوز و گداز ہے۔ اس میں
یقیناً ماسی یوں کی سی پاکبازی اور ملائمت ہوگی۔"

ستائیسواں باب

کلیسا کے بہترین عہدے

خدمات! کمالات! خوبیاں! اہشت! کسی گروہ میں شامل ہو جاؤ۔

نبیلے ماک

اس عورت کے دماغ میں جسے فرانسیسی کلیسا کے بہترین عہدے تقسیم کرنے کی طاقت جلد یا بدیر حاصل ہونے والی تھی۔ ژولیاں کو اسقف بنانے کا خیال پہلی دفعہ اس طرح پیدا ہوا۔ مگر اس انتہا کا ژولیاں کے دل پر کوئی اثر نہیں ہو سکتا تھا۔ فی الحال تو اسے اپنے رنج و غم کے علاوہ کسی بات کا خیال ہی نہیں آ رہا تھا۔ بلکہ اس کا دکھ ہر بات سے کچھ اور بڑھ جاتا تھا۔ مثلاً اپنے سونے کا کمرہ اب اس کے لئے ناقابلِ برداشت ہو گیا تھا۔ جب وہ رات کو موم بتی لے کے اوپر آتا تو میز، کرسی، آرائش کی ذرا ذرا سی چیز اُسے زبانِ حال سے اس کے دکھوں کی کوئی نئی کہانی سناتی۔

آج رات وہ اپنے کمرے میں داخل ہوا تو کچھ ایسی زندہ دلی کے ساتھ جو مدت سے اس کے لئے اجنبی بن چکی تھی۔ دل میں بولا "آج تو بیگار سر پہ آ پڑی ہے امید ہے کہ دوسرا خط نقل کرنے میں بھی اتنی ہی کوفت ہو گی جتنی پہلے خط میں ہوئی تھی۔"

یہ خط تو پہلے سے بھی زیادہ بے رنگ نکلا۔ ژولیاں جو کچھ نقل کر رہا تھا وہ اسے اتنا مہمل معلوم ہوا کہ اس نے سطر پہ سطر لکھنی شروع کر دی اور یہ بھی نہ دیکھا کہ مطلب کیا نکلتا ہے۔

وہ دل میں بولا "یہ تو منسٹر کے صلح نامہ کی اُس سرکاری دستاویز سے بھی زیادہ زوردار ہے جو لنڈن میں میرے پیارے استاد نے مجھ سے نقل کرائی تھی۔"

اب جاکے اُسے مادام دفرواک کے وہ خط یاد آئے جو وہ اس سنجیدہ مزاج ہسپانوی ڈان دیئے گو بوستوس کو واپس کرنا بھول ہی گیا تھا۔ چنانچہ انہیں ڈھونڈ نکالا۔ وہ بھی اتنے ہی مہمل اور ژولیدہ تھے جتنے اس روسی نوجوان کے خط۔ ابہام کا یہ حال تھا کہ مطلب سمجھنا مشکل تھا۔ اُن میں معنی تھے بھی اور نہیں بھی۔ ژولیاں نے سوچا "یہ اسلوب تو ایک اچھی خاصی بھول بھلیاں ہے۔ یوں تو فنا، موت اور ہستی مطلق کے بارے میں بلند سے بلند خیالات موجود ہیں۔ لیکن کام کی بات کوئی نہیں دکھائی دیتی۔ البتہ تمسخر کا خوف ضرور موجود ہے۔"

یہ خود کلامی جسے ہم نے مختصر کر دیا ہے۔ پندرہ دن تک روز رات کو دُہرائی جاتی رہی۔ وہ خط نقل کرتے کرتے سوجانا جو بالکل انجیل کی تفسیر معلوم ہوتے تھے۔ اگلے دن غمناک چہرہ بنا کر خط دینے جانا، اصطبل میں اس امید کے ساتھ گھوڑا پہنچانا کہ شاید ماتیلد کے لباس کی ایک جھلک نظر آجائے گی، دفتر کا کام کرنا، اگر مادام دفرواک محل میں نہ آئے تو رات کو اوپیرا جاکے اپنی شکل دکھانا ـــ یہ تھے ژولیاں کی زندگی کے یک رنگ واقعات۔ جس دن مادام دفرواک، مادام دلامول سے ملنے آتی۔ اس روز ذرا زیادہ دلچسپی پیدا ہوجاتی۔ وہ مادام دفرواک کی ٹوپی کے پیچھے سے

نیچے سے چپکے چپکے ماتیلد کو دیکھتا اور خوب چہکنے لگتا۔ اس کے رنگین اور جذباتی فقروں میں زیادہ زور، زیادہ نفاست آجاتی۔

اُسے خوب معلوم تھا کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ ماتیلد کو مہمل معلوم ہوتا ہے لیکن وہ اُسے اپنی طلاقتِ بیان سے مرعوب کرنا چاہتا تھا۔ وہ سوچتا تھا "میں جتنی جھوٹی باتیں کہوں گا اسے اتنی ہی زیادہ پسند آئیں گی۔" اور پھر انتہائی جسارت سے کام لے کر وہ فطرت کے بعض پہلوؤں کو خوب بڑھا چڑھا کر بیان کرنے لگتا۔

اُسے بڑی جلدی اندازہ ہو گیا کہ اگر میں چاہتا ہوں کہ مادام دفرواک مجھے بیتذل قسم کا آدمی نہ سمجھے تو اس کے سامنے سیدھی سادی یا عقل کی بات کبھی نہیں کرنی چاہیئے۔ غرض وہ اسی روش پر چلتا رہا۔ جن دو خواتین کو وہ خوش کرنا چاہتا تھا اُن کی آنکھوں میں اپنی کامیابی کے آثار دکھائی دیتے تو اپنی طول طویل تقریر جاری رکھتا، بے اعتنائی نظر آتی تو بات مختصر کر دیتا۔

فی الجملہ اس کی زندگی اب اتنی تکلیف دہ نہ رہی تھی جتنی اُس زمانے میں جب وہ بے عملی کا شکار تھا۔

ایک دن شام کو وہ دل میں بولا "اب یہ کمبخت پندرھواں وعظ نقل کر رہا ہوں۔ باقی چودہ خط پوری احتیاط کے ساتھ مادام دفرواک کے دربان کے حوالے کیئے جا چکے ہیں۔ تھوڑے دنوں میں مادام کی میز کی ساری درازیں بھر جائیں گی۔ اس کے باوجود وہ مجھ سے ایسا سلوک کرتی ہے جیسے میں نے کبھی خط لکھا ہی نہ ہو! اس کا نتیجہ آخر کیا ہو گا؟ کیا وہ بھی میرے استقلال سے اسی طرح اُکتا جائے گی جیسے میں اُکتا گیا ہوں؟ یہ ماننا پڑے گا کہ وہ روسی یعنی کوراسوف کا دوست جو رچمنڈ کی ایک حسین

اور پارسا عورت پر عاشق تھا، اپنے زمانے میں واقعی غضب کا آدمی ہوگا۔ اتنا ذہ
کسی دوسرے میں نہیں ہو سکتا!"

جس طرح معمولی ذہانت کے آدمی کو کسی بڑے سپہ سالار کی فوجی کارروائیاں
دیکھنے کا موقع ملے تو اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ اسی طرح اُس نوجوان رُوسی نے
انگریز دوشیزہ کے دل پر جو حملہ کیا تھا وہ ژولیاں کی ذرا سمجھ میں نہ آیا۔ پہلے چالیس
خطوں کا مقصد تو صرف یہ تھا کہ وہ اس خط لکھنے والے کی جسارت کو معاف کر دے۔
غالباً یہ بے چاری بے کیفی میں زندگی بسر کرتی تھی۔ چنانچہ لازمی تھا کہ اُسے خط پڑھنے کا
عادی بنایا جائے جو اُس کی روزانہ زندگی کی بہ نسبت تھوڑے سے کم بے رنگ تھے۔

ایک دن صبح کے وقت ژولیاں کو ایک خط ملا۔ وہ مادام دفرواک کا خاندانی
نشان پہچان گیا اور ایسی بیتابی سے مہر توڑی جو چند دن پہلے اسے بالکل ناممکن
معلوم ہوتی۔ یہ بس ایک دعوتی رقعہ تھا۔

اس نے جلدی سے جا کے شہزادے کوراسوف کی ہدایات پڑھیں۔ ایسے
موقع کے لئے اُس روسی جوان کو سیدھی سادی اور سمجھ میں آنے والی باتیں لکھنی چاہئیں
تھیں، مگر بدقسمتی سے وہ بھونڈے پن پر اتر آیا تھا۔ ژولیاں کو کچھ معلوم نہ ہو سکا کہ مادام
دفرواک کی دعوت میں کس قسم کا اخلاقی رویہ اختیار کرنا چاہئے۔

مادام دفرواک کا دیوان خانہ بڑا ہی شاندار تھا۔ دیواروں پر سونے کا ملمع تھا اور
بیچ بیچ میں روغنی تصویریں لگی ہوئی تھیں۔ ان تصویروں میں بعض جگہیں بالکل خالی تھیں
ژولیاں کو بعد میں پتا چلا کہ مکان کی مالکہ کو تصویروں کے موضوعات کچھ ایسے
معقول نہیں معلوم ہوئے اور اس نے تصویروں میں اصلاح کرالی۔ ژولیاں نے

دل میں کہا ــ" یہ زمانہ ہے ہی اخلاقیات کا !"

یہاں اُسے تین ایسے آدمی نظر آئے جو اُس خفیہ رقعہ کی تحریر کے وقت بھی موجود تھے۔ ان میں سے ایک ـــ کا اُسقف تھا اور مادام دفرواک کا چچا۔ کلیسا کے عہدے اُس کے ہاتھ میں تھے، اور سُنا تھا کہ وہ اپنی بھتیجی کی کوئی بات نہیں ٹالتا تھا۔ ایک افسردہ سی مسکراہٹ کے ساتھ ژدلیاں نے سوچا ـــ" میں نے کتنی ترقی کرلی ہے۔ لیکن مجھے اس کی ذرا بھی پروا نہیں! آج میں ـــ کے مشہور اُسقف کے ساتھ کھانا کھا رہا ہوں۔"

دعوت بالکل بے رنگ رہی اور باتیں تو بڑی ہی بیزار کُن تھیں۔ ژدلیاں نے سوچا ــ" یہ دعوت تو کسی بے مزہ کتاب کی فہرستِ مضامین کی طرح ہے۔ اس میں انسانی فکر کے عظیم ترین موضوعات کی نمائش بڑے فخر کے ساتھ کی گئی ہے۔ لیکن تین منٹ تک ذرا غور سے سنئے تو دل میں پوچھنا پڑے گا کہ اس میں کون سی بات زیادہ نمایاں ہے۔ بولنے والے کا زور شور یا اس کی انتہائی جہالت۔"

آپ اس بچارے ادیب تانؔبو کو یقیناً بھول چکے ہوں گے جو مجلس کے رُکن کا بھتیجا تھا اور آگے چل کے پروفیسر بننے والا تھا۔ آپ کو خیال ہوگا کہ یہ شخص ہر وقت کاٹ پھانس میں لگا رہتا تھا اور اس نے موسیو دلاؔمول کے دیوان خانے کی فضا میں بس گھول رکھا تھا۔

اسی آدمی کے ذریعے ژدلیاں کو پہلی دفعہ یہ خیال آیا کہ مادام دفرواک خطوں کا جواب تو نہیں دے رہی۔ مگر یہ بھی تو ممکن ہے کہ جس جذبے نے وہ خط لکھوائے ہیں اس کو قابلِ معافی سمجھ رہی ہو۔ ژدلیاں کی کامیابیاں دیکھ کر موسیو تانؔبو کا سیاہ دل

ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تھا۔ لیکن اس بات پر دوسرے طریقے سے غور کیا تو معلوم ہوا کہ آدمی چاہے احمق ہو یا لائق و فائق۔ بیک وقت دو جگہ نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ ہونے والے پروفیسر نے دل میں کہا— "اگر ژولیاں اس بلند خیال مادام دفرواک کا عاشق بن گیا تو وہ اسے طیسا میں کوئی اچھا عہدہ دلوا دے گی اور موسیو دلاموَل کے یہاں اس سے میری گلوخلاصی ہو جائے گی"۔

ژولیاں کو مادام دفرواک کے یہاں جو کامیابیاں حاصل ہوئی تھیں۔ اُن پر پادری پی رآر نے بھی اُسے بڑے لمبے لمبے وعظ پلائے۔ دراصل یہ فرقہ وارانہ تعصب کا معاملہ تھا۔ پادری کٹر قسم کا ژاں سنیسٹ تھا، اور یا کبازمادام دفرواک کا دیوان خانہ شاہ پرستوں، رجعت پسندوں اور جیزوئٹ لوگوں کا مرکز تھا۔

اٹھائیسواں باب

مانوں لے کو

لیکن ایک دفعہ اُسے یہ یقین آ گیا کہ یہ پادری توزاگا وِدی اور اُلّو ہے
تو پھر وہ بڑی آسانی سے سفید کو سیاہ اور سیاہ کو سفید کہنے لگا۔
کتاں برگ

روسی ہدایات میں سختی سے تاکید کی گئی تھی کہ جس سے خط و کتابت ہو رہی ہو
باتوں میں اس کی تردید کبھی نہیں کرنی چاہیے۔ والہانہ عقیدت مندی کے رویے میں
کسی طرح بھی تبدیلی نہیں آنی چاہیے۔ سارے خطوں کی بنیاد اسی مفروضے پر تھی۔

ایک دن آپیرا میں مشہور ناول "مانوں لے کو" رقص و نغمے کی شکل میں پیش کیا
گیا۔ ژوبیاں مادام دفرواک کے باکس میں بیٹھا اس ناٹک کی تعریف میں زمین
آسمان کے قلابے ملا رہا تھا۔ اس تعریف کا واحد سبب یہ تھا کہ اُسے ناٹک
بالکل پھُس پھُسا معلوم ہوا تھا۔

مادام دفرواک نے کہا کہ یہ ناٹک ایبے پرے وو کے ناول کو
نہیں پہنچتا۔

ژولیاں کو حیرت بھی ہوئی اور ہنسی بھی آئی۔ وہ دل میں بولا — "ہیں! اتنی پارسا ہو کے ناول کی تعریف کر رہی ہے!" مادام دفرواک ہفتے میں دو تین بار ناول نگاروں کے متعلق سخت نفرت کا اظہار کیا کرتی تھی۔ وہ کہتی تھی کہ نوجوان نسل ایک تو ویسے ہی نفسانی غلط کاریوں کی طرف راغب ہے۔ اوپر سے یہ لوگ ایسی بتذل کتابیں لکھ لکھ کے اخلاق بگاڑتے ہیں۔

وہ کہنے لگی — "سُنا ہے کہ ایسی مخرب اخلاق اور زہریلی کتابوں میں "مانوں سے کو" ایک خاص درجہ رکھتی ہے۔ کہتے ہیں کہ اس کتاب میں ایک مجرمانہ فطرت کی ساری کمزوریاں اور کرنی کا پھل یعنی اس کے آلام و مصائب ایسی صداقت کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں کہ ناول میں ایک گہرائی آگئی ہے۔ اس کے باوجود آپ کے نپولین نے سینٹ ہیلنا میں کہا تھا کہ یہ ناول تو خدمتگاروں کے لئے لکھا گیا ہے۔"

یہ بات سُنکر ژولیاں کا دماغ پوری طرح کام کرنے لگا۔ "اس کا مطلب ہے کہ لوگ مجھے مادام دفرواک کی نظروں میں ذلیل کرنے کی فکر میں لگے رہے ہیں۔ انہیں نے اسے بتایا ہے کہ میں نپولین کا پرستار ہوں۔ یہ بات اُسے اتنی بُری لگی ہے کہ وہ اپنی خفگی جتائے بغیر نہ رہ سکی۔" وہ باقی وقت اسی دریا نت کا مزا لیتا رہا اور دوسروں کو بھی محظوظ کرتا رہا۔ جب وہ آپیرا کی ڈیوڑھی میں مادام دفرواک سے رخصت ہو رہا تھا۔ تو وہ کہنے لگی — "جناب، ایک بات یاد رکھئے۔ جن لوگوں کو مجھ سے محبت ہو انہیں نپولین سے محبت نہیں ہونی چاہئے

زیادہ سے زیادہ وہ اُسے خدا کی طرف سے بھیجا ہوا قہر سمجھ سکتے ہیں۔ بہرحال اُس کی رُوح میں اتنی لچک نہیں تھی کہ عظیم فن پاروں سے لطف اندوز ہو سکے"۔

"جن لوگوں کو مجھ سے محبت ہو"۔ ژولیاں اس فقرے کو دل ہی دل میں باربار دہراتا رہا۔" یا تو اس نے کچھ بھی نہیں کہا۔ یا پھر سب کچھ کہہ دیا۔ یہ زبان و بیان کے وہ اسرار ہیں جن سے ہم بچارے قصباتی واقف نہیں"۔ اور جب وہ مادام دفرواک کو بھیجنے کے لئے ایک لمبا چوڑا خط نقل کرنے بیٹھا تو اسے مادام دریناآل کی یاد ستانے لگی۔

اگلے دن مادام دفرواک نے ژولیاں سے کچھ ایسی بے اعتنائی کے ساتھ جو اُسے بالکل مصنوعی معلوم ہوئی، پوچھا — "آپ نے کل رات غالباً اوپیرا سے واپس آنے کے بعد مجھے ایک خط لکھا ہے۔ اس میں یہ لنڈن اور رچمنڈ کا ذکر کیسا ہے؟"

ژولیاں بالکل بوکھلا گیا۔ اس نے خط کو سطر بہ سطر نقل کر دیا تھا اور یہ بھی نہ سوچا تھا کہ لکھ کیا رہا ہوں۔ اصل خط میں لنڈن اور رچمنڈ کا ذکر تھا۔ وہ ان کے بجائے پیرس اور سیں کلو لکھنا بھول گیا تھا۔ اس نے دو تین دفعہ کوئی عذر پیش کرنا چاہا، مگر بات ایک مرتبہ بھی پوری نہ کر سکا۔ اسے یُوں لگا کہ بس اب میں قہقہہ مار کے ہنس پڑوں گا۔ آخر کار مناسب الفاظ تلاش کرتے کرتے اُسے یہ بات سُوجھی — "انسانی رُوح کی رفیع ترین اور بلند ترین دلچسپیوں پر بحث کرتے کرتے میری روح میں بھی غلُوبیت آ گئی تھی۔ کہیں بھٹک گئی ہو گی"۔

"میں نے تو رُعب جما دیا"۔ وہ دل میں بولا"۔ اب اور زیادہ بیٹھ کے

بے کیف ہوتے رہنے کی ضرورت نہیں"۔ وہ مادام دفرواک کے یہاں سے سرپٹ اُڑ لیا۔ کل رات جس خط کی نقل کی تھی آج اُسے نکال کے دیکھا تو وہ خطرناک عبارت بڑی جلدی مل گئی۔ جہاں اُس نوجوان روسی نے لنڈن اور رچمنڈ کا ذکر کیا تھا۔ ژولیاں کو یہ معلوم کرکے بڑی حیرت ہوئی کہ اس خط میں تو کچھ پیار کا رنگ تھا۔

باتیں کرتے ہوئے تو ژولیاں میں ذرا اسنوبزپن آجاتا تھا۔ لیکن خطوں کا انداز بڑا ارفع اور کچھ کچھ متصوفانہ تھا۔ اسی تضاد کی وجہ سے مادام دفرواک کی نظروں میں اُسے ایک امتیاز حاصل ہوگیا۔ اُس کے جملوں کی طوالت مادام کو خاص طور سے پسند آئی۔ یہ وہ رواروی والا اسلوب نہیں تھا جسے اُس بداخلاق انسان والتیر نے رواج دیا ہے! ہمارے ہیرو نے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا کہ میری باتوں میں سمجھ بوجھ کا شائبہ تک نہ آنے پائے، مگر شاہ دشمنی اور بے دینی کا تھوڑا سا رنگ ابھی تک باقی تھا، اور مادام دفرواک اس بات سے بے خبر نہ تھی۔ عام طور سے اس کے گرد ایسے لوگ جمع ہوتے تھے جو انتہائی اخلاق پرست تو ضرور تھے لیکن گھنٹوں بیٹھے رہیں تو بھی اُن کے دماغ میں کوئی نیا خیال نہ آتا تھا۔ چنانچہ وہ ہر اُس چیز سے بہت متاثر ہوتی تھی جس میں جدّت کا ذرا سا شائبہ نظر آئے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ اپنا فرضِ منصبی سمجھتی تھی کہ ایسی بات اُسے ناگوار بھی گزرے۔ اس عیب کی توجیہہ وہ یوں کرتی تھی کہ آخر یہ ہلکے پن کا زمانہ ہے اس کے اثر سے کون بچ سکتا ہے۔

لیکن ایسے دیوان خانوں میں جانا تو اُسی وقت اچھا لگتا ہے جب آدمی کوئی درخواست لے کر جائے۔ ژولیاں کو جس قسم کی زندگی بسر کرنی پڑ رہی تھی اُس میں کوئی دلچسپی ہی نہ تھی۔ ہمارے پڑھنے والے بھی یقیناً اسی بے کیفی سے دوچار ہوں گے۔ بہرحال یہ تو وہ بنجر میدان ہیں جہاں سے ہمیں اپنے سفر کے سلسلے میں گزرنا ہے۔

ژولیاں کی زندگی کا جتنا وقت مادام دفرواک والے واقعے کی نذر ہوا اس دوران میں مادموازیل دلاموَل کو مسلسل جدوجہد کرنی پڑی کہ ژولیاں کا خیال دل میں نہ آنے پائے۔ اس کے اندر ایک شدید کشمکش جاری تھی۔ بعض دفعہ ماتیلد یہ سوچ کر خوش ہوا کرتی کہ مجھے اس روئی صورت کے نوجوان سے نفرت ہو گئی ہے۔ لیکن ہزار کوششوں کے باوجود ژولیاں کی باتیں اس کا دل موہ لیتیں۔ سب سے زیادہ حیرت تو اُسے ژولیاں کے پکے جھوٹے پن پر ہوتی تھی۔ ماتیلد ہر موضوع کے متعلق اس کی رائے سے خوب واقف تھی۔ چنانچہ وہ دیکھتی کہ ژولیاں مادام دفرواک سے ایک لفظ ایسا نہیں کہتا جو قطعی جھوٹ نہ ہو یا جہاں اس نے اپنے نقطۂ نظر کو نہایت گھناؤنے طریقے سے بدل کے پیش نہ کیا ہو۔ وہ اس دورُخے پن سے بہت متاثر ہوئی، اور دل میں کہنے لگی — "یہ آدمی کتنا گہرا ہے! دھواں دھار تقریریں کرنے والے احمقوں یا موسیو تانؔبو جیسے رذیل بدمعاشوں سے کتنا مختلف ہے! حالانکہ وہ بھی اسی زبان میں باتیں کرتے ہیں!"

بہرصورت ژولیاں کے دن بڑی مصیبت میں گزر رہے تھے۔ وہ روز رات کو مادام دفرواک کے دیوان خانے میں حاضری تو دیتا تھا۔ اپنا مشکل ترین فرض بجا لانے کی خاطر۔ اس کی ساری روحانی طاقت اس اداکاری کی نذر ہو گئی۔ اکثر رات کے وقت جب وہ مادام دفرواک کے محل کے لمبے چوڑے صحن سے گزرتا تو نا اُمیدی میں ڈوب کے رہ جانے سے بچنے کے لئے اُسے اپنے کردار اور عقل کی پوری طاقتوں کا سہارا لینا پڑتا۔

وہ دل میں کہتا ــــ "میں نے دارالعلوم میں تو اپنی مایوسی پر قابو پا لیا تھا! درحالانکہ اپنا مستقبل مجھے بالکل تاریک نظر آتا تھا۔ اُس وقت تو یہ معاملہ تھا کہ یا تو قسمت بگڑ ہی گئی یا سنور ہی گئی۔ مجھے نظر آ رہا تھا کہ دونوں ہی صورتوں میں مجھے عمر بھر انتہائی مکروہ اور گھناؤنی چیزوں سے واسطہ رہے گا۔ لیکن گیارہ ہی مہینے گزرے تھے کہ بہار کے موسم میں میری عمر کا کوئی نوجوان اتنا خوش اور شادماں نہ ہو گا جتنا میں تھا۔"

لیکن اکثر ایسا ہوتا کہ ہولناک حقیقت کے مقابلے میں ان خوشگوار دلیلوں کی ایک نہ چلتی۔ ماتیلد دوپہر اور رات کے کھانے کے وقت روز نظر آتی۔ موسیو دلامول اس سے اکثر خط لکھواتا رہتا تھا۔ اُن کے ذریعے اُسے پتا چلا تھا کہ بس اب ماتیلد کی شادی موسیو دکرواز نوا سے ہونے ہی والی ہے۔ یہ دلکش نوجوان ابھی سے محل میں روز دو مرتبہ آنے لگا تھا جس عاشق کو دھتکار دیا گیا تھا اُس کی حاسد نگاہیں اس شخص کی ایک ایک نقل و حرکت کا جائزہ لیتی رہتی تھیں۔

جب ژولیاں کو خیال گزرتا کہ آج تو مادموازیل دلاموّل اپنے منگیتر کے ساتھ بڑی اچھی طرح پیش آئی ہے تو اپنے کمرے میں واپس آکر وہ اپنے پستولوں کو پیار بھری نظروں سے دیکھے بغیر نہ رہ سکتا۔

وہ دل میں کہتا — "یہ کتنی عقلمندی کی بات ہو گی کہ میں اپنے کپڑوں پر سے اپنے نام کے حروف مٹا دوں، اور پیرس سے کوسوں دور کسی جنگل بیابان میں جاکے رہنے لگوں، اور وہیں میری منحوس زندگی کا خاتمہ ہو جائے! اس جنگل میں کوئی میرے نام سے بھی واقف نہ ہو گا۔ پندرہ دن تک تو میرے مرنے کا پتا بھی نہ چلے گا۔ اور پندرہ دن گزر جانے کے بعد میرا خیال ہی کسے آئے گا؟"

یہ خیالات واقعی تھے تو بہت معقول، لیکن اگلے ہی دن ماتیلد کی آستین اور دستانے کے درمیان اُس کے بازو کی ایک جھلک نظر آجاتی اور ہمارا نوجوان فلسفی زہریلی یادوں میں کھو جاتا جو اسے پھر زندگی سے وابستہ کر دیتیں۔ اُس وقت وہ دل میں کہتا — "اچھی بات ہے! میں اس روسی حکمتِ عملی کی آخر تک پیروی کر کے دیکھتا ہوں۔ اس کا انجام کس طرح ہو گا؟

"رہی مادام دفرواک، تو یہ ترپن خط نقل کر چکنے کے بعد میں ایک بھی خط نہیں لکھوں گا۔

"اور ماتیلد کی بات یہ ہے کہ ان چھ ہفتوں کی تکلیف دہ اداکاری کے بعد یا تو اُس کی خفگی بالکل دور ہی نہ ہو گی، یا پھر کم سے کم ایک لمحے کے لئے میل ملاپ ہو جائے گا، خدا کی قسم، میں تو خوشی کے مارے مر جاؤں گا!" اور اس سے آگے

نہ سوچا جاتا۔

دیر تک ان خوابوں میں کھوئے رہنے کے بعد جب وہ اپنی عقل سے پھر کام لینے لگتا تو دل میں کہتا ـــ مجھے ایک دن کی خوشی تو ضرور حاصل ہو جائے گی۔ لیکن اس کے بعد وہی خفائیں پھر شروع ہو جائیں گی اور وجہ یہ ہو گی کہ افسوس، بے مجھے ماتیلد کو خوش رکھنا نہیں آتا۔ پھر میرا کوئی سہارا نہیں رہیگا میں برباد ہو جاؤں گا، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غارت ہو جاؤں گا۔۔۔۔

"اُس نے مزاج ہی ایسا پایا ہے کہ مجھے اس کی بات کا یقین ہی نہیں آسکتا۔ ہائے، اصل جھگڑا یہ ہے کہ مجھ میں وہ خوبیاں ہی نہیں۔ غالباً میرے طور طریقوں میں نفاست کی کمی ہے۔ میری گفتگو بوجھل اور پھیکی سیٹھی ہے۔ خدایا! میں ایسا کیوں ہوں؟"

انتیسواں باب

بے کیفی

چلو، اپنے جذبات کی خاطر خود کو قربان کر دینا بھی ٹھیک ہے۔ مگر
اُن جذبات کی خاطر جو آدمی میں ہوں ہی نہ! ہائے، بچاری
اُنیسویں صدی۔

ژرودے

پہلے تو مادام دنرواک کو ژولیاں کے بلیے چوڑے خطوں میں کوئی
مزا نہ آیا۔ لیکن آہستہ آہستہ دلچسپی پیدا ہونے لگی۔ مگر ایک بات
اُسے پریشان کر رہی تھی "کتنے افسوس کا مقام ہے کہ ژولیاں درحقیقت
پادری نہیں ہے! تب تو اس سے کچھ ربط و ضبط بڑھایا بھی جا سکتا
تھا۔ اس دنیا داروں کے سے لباس اور تمغے کے ساتھ تو لوگ طرح
طرح کے خطرناک سوال پوچھنے لگیں گے اور اُن کا جواب کیا دیا جائے گا؟"
اُس نے یہ بات آگے نہ سوچی۔ "ممکن ہے میری کمینہ سہیلی یہ سمجھ بیٹھے بلکہ
شاید لوگوں میں مشہور بھی کر دے کہ ژولیاں میرا ایک غریب رشتے دار

اور والد کے خاندان کا ہے، کوئی معمولی دکاندار ہے۔ جسے کسی طرح تمغہ مل گیا ہے۔"

ژولیاں سے پہلی دفعہ ملاقات ہونے تک مادام دفرداک کو سب سے زیادہ خوشی اس بات سے ہوتی تھی کہ اپنے نام کے پہلے "مارے شال" (یعنی مارشل کی بیوی) لکھے۔ اس کی نو دولتوں والی خودپسندی بڑی مریضانہ قسم کی تھی جسے بات بات میں ٹھیس لگتی۔ لیکن اب جو ژولیاں سے دلچسپی پیدا ہوئی تو دونوں چیزوں میں کھینچاتانی ہونے لگی۔

وہ دل میں بولی — "میں اُسے پیرس کے قریب ہی کسی حلقے کا بڑا پادری بالکل آسانی سے بنوا سکتی ہوں! لیکن وہ خالی خولی موسیو سوریل ہے اور اوپر سے موسیو دلامول کا ایک معمولی سیکرٹری! یہ بات بڑی افسوسناک ہے۔"

اس عورت کا دل جو ہر چیز سے ڈرتی تھی پہلی دفعہ کسی ایسی بات سے متاثر ہوا جس کا سماجی برتری اور رتبے کے دعووں سے کوئی علاقہ نہ تھا۔ اس کے بڈھے دربان نے دیکھا کہ جب میں اس نوجوان کا خط لے کے آتا ہوں جو ہمیشہ غمگین غمگین سا لگتا ہے تو مادام دفرواک کے چہرے سے وہ پریشان خیالی اور چڑچڑے پن کا انداز غائب ہوجاتا ہے جو اپنے کسی خدمت گار کے اندر آتے ہی وہ ہمیشہ اختیار کرلیتی ہے۔

اس نے جو طرزِ زندگی اختیار کر رکھا تھا۔ اس میں آدمی کی بس ایک تمنا ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ دوسروں کو مرعوب کیا جائے۔ لیکن اس قسم کی کامیابی حاصل

کر لینے کے بعد در اصل کوئی خوشی بھی نہیں ہوتی۔ اس کا نتیجہ ہوتا ہے بے کیفی۔ مادام دفرواک نے جب سے ژرولیاں کے بارے میں سوچنا شروع کیا تھا۔ یہ بے لطفی ایسی ناقابلِ برداشت ہو گئی تھی کہ اگر وہ رات کو ایک گھنٹہ اس عجیب و غریب نوجوان کے ساتھ گزار لیتی تو اگلے روز خادمائیں دن بھر ڈانٹ ڈپٹ سے محفوظ رہتیں۔ ژرولیاں کا اعتبار بڑھتا جا رہا تھا۔ بڑی ہوشیاری سے لکھے ہوئے گمنام خط بھی اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ تاں بو نے دو تین دفعہ بڑی چالاکی سے دلوز، دکرواآزلوا اور دکے لوکے سامنے تہمت طرازیاں کیں۔ اُن لوگوں نے یہ بھی نہ سوچا کہ یہ الزامات درست بھی ہیں یا نہیں، بس خوشی خوشی یہ بہتان پھیلانے شروع کر دیئے۔ مگر سب بے سود رہا۔ مادام دفرواک کے دماغ میں یہ صلاحیت نہیں تھی کہ ایسی مبتذل حرکات کا مقابلہ کر سکے۔ اس نے اپنے شکوک و شبہات کا اظہار ماتیلد کے سامنے کیا اور ماتیلد نے ہر دفعہ اُسے تسلی دی۔

ایک دن مادام دفرواک کو تین مرتبہ یہ دریافت کرنا پڑا کہ میرا کوئی خط آیا ہے یا نہیں۔ اس کے بعد اُس نے ایک دم سے فیصلہ کیا کہ میں خود ژرولیاں کو خط لکھتی ہوں۔ یہ فتح اصل میں اکتاہٹ کی تھی۔ دوسرا خط لکھتے ہوئے مادام دفرواک یہ سوچ کر دم بخود رہ گئی کہ اپنے ہاتھ سے ایسے مبتذل قسم کا پتا لکھنے میں کتنی سُبکی ہے ــــ یعنی "بخدمت موسیو سوریل، معرفت موسیو لامار کی دلامول"

رات کو اس نے بڑے خشک لہجے میں ژرولیاں سے کہا ــــ "آپ مجھے کچھ لفافے لا دیجیے جن پر آپ کا پتا لکھا ہو۔"

"یعنی میں عاشق بھی ہوں اور خدمت گار بھی۔" ژرولیاں نے سوچا، اور

مارگوئس کے بڈھے خادم آرسین کی طرح ناک بھوں چڑھا کے تعظیماً سر جھکایا۔

اُسی دن شام کو وہ لفافے لے آیا اور اگلے دن صبح سویرے اُسے تیسرا خط ملا۔ اُس نے پانچ چھ سطریں تو شروع کی پڑھیں اور دو تین آخر کی۔ خط چار صفحے کا تھا اور نہایت ہی باریک اور ملے ملے حرفوں میں۔

آہستہ آہستہ اُسے یہ خوشگوار عادت پڑ گئی کہ قریب قریب روزانہ خط لکھنے لگی۔ ژدلیاں جواب میں وہی رٹی ہوئی خط حرف بحرف نقل کر دیتا تھا۔ خطیبانہ انداز میں ایسی خوبیاں ہیں کہ اگرچہ ژدلیاں کے جواب اور مادام دفرواک کے خط میں من چہ سرائم وطنبورۂ من چہ می سرائد والا معاملہ رہتا۔ مگر مادام کو ذرا بھی حیرت نہ ہوتی۔

اگر پستہ قد تاں تو جس نے خود ہی اپنے آپ کو ژدلیاں کے افعال و اعمال کی جاسوسی پر مقرر کر لیا تھا۔ مادام دفرواک کو آ کر یہ بات بتا سکتا کہ ژدلیاں ان خطوں کو کھولتا تک نہیں۔ یونہی اٹھا کے اپنی دراز میں ڈال دیتا ہے تو اُس بچاری کے پندار کو کیسا شدید صدمہ پہنچتا۔

ایک دن صبح کے وقت دربان نے کتب خانے میں ژدلیاں کو مادام دفرواک کا خط لا کے دیا۔ اُس آدمی کی مڈبھیڑ ماتیلد سے ہو گئی۔ اسے خط نظر آ گیا اور اس نے یہ بھی دیکھ لیا کہ پتا ژدلیاں کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ دربان چلا گیا تو وہ کتب خانے میں آئی۔ خط ابھی تک میز کے کنارے پہ پڑا ہوا تھا۔ ژدلیاں اپنے کام میں ایسا منہمک تھا کہ اُسے ابھی تک دراز میں نہ ڈالا تھا۔

"یہ بات میں برداشت نہیں کر سکتی"۔ ماتیلد نے خط اٹھا لیا اور چیخ کے کہا
"تم مجھے یعنی اپنی بیوی کو تو بالکل بھول ہی رہے ہو۔ جناب آپ کی یہ حرکت
بڑی نامعقول ہے"۔

اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ اس کے پندار کو اپنے اس نازیبا طرزِ عمل پہ
اس قدر حیرت ہوئی کہ وہ دم بخود رہ گئی۔ پھر وہ پھوٹ پھوٹ کے رونے
لگی، اور ایک لمحے بعد تو ژولیاں کو ایسا لگا کہ اس سے سانس بھی
نہیں لیا جا رہا۔

ژولیاں خود بھونچکا رہ گیا تھا، اور اس کے ہوش و حواس گم تھے۔ اس
کی سمجھ ہی میں نہ آیا کہ اس تماشے سے میرے لئے کیسے نفیس
اور خوشگوار نتائج برآمد ہوں گے۔ اس نے سہارا دے کے ماتیلد کو کرسی پر
بٹھایا۔ وہ تو قریب قریب اس کے بازوؤں میں گر پڑی۔

جب اس نے یہ بات دیکھی تو پہلے تو اسے بے انتہا خوشی ہوئی۔ پھر
فوراً ہی کوراسوف کا خیال آیا: "اگر میرے منہ سے ایک لفظ بھی نکلا تو معاملہ
بگڑ جائے گا"۔

حکمتِ عملی کی وجہ سے ژولیاں کو اپنے اوپر ایسا جبر کرنا پڑ رہا تھا کہ اس
کے بازو دکھنے لگے۔ "اس گداز اور حسین جسم کو مجھے اپنے سینے تک سے
نہیں لگانا چاہئے۔ ورنہ یہ مجھ سے نفرت کرنے لگے گی اور جان کو الگ آ
جائے گی۔ اس نے کیسی خوفناک طبیعت پائی ہے!

ماتیلد کے مزاج پر لعنت بھیجتے ہوئے وہ اسی مزاج کے سبب اس سے

اور سوگئی زیادہ محبت کرنے لگا۔ ژولیاں کو ایسا معلوم ہوا جیسے میرے بازوؤں میں کوئی ملکہ آگئی ہو۔

اپنے مجروح پندار کی بدولت مادموازیل دلاموں کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہوا جا رہا تھا۔ ژولیاں کی سرد مہری سے اس کا دکھ اور بڑھ گیا۔ اس کے دل کو قرار ہوتا تو وہ ژولیاں کی آنکھوں سے پتا چلانے کی کوشش کرتی کہ اس وقت یہ میرے بارے میں کیا محسوس کر رہا ہے۔ لیکن اُسے ہوش ہی کب تھا۔ اس سے تو ژولیاں کی طرف دیکھا بھی نہ جا رہا تھا۔ اُسے ڈر یہ لگ رہا تھا کہ کہیں ژولیاں کی نگاہوں میں حقارت نظر نہ آئے۔

وہ کتب خانے میں ایک صوفے پہ گم صُم بیٹھی تھی اور ژولیاں کی طرف سے مُنہ پھیر رکھا تھا۔ محبت اور پندار انسانی دل کو جتنی بھی شدید تکلیف پہنچا سکتے ہیں وہ اس میں مبتلا تھی۔ بھلا وہ کیا کر بیٹھی!

"میں بڑی بدنصیب ہوں۔ میری قسمت میں یہی لکھا تھا کہ میں ایسی بے حیائی سے پیش قدمی کروں اور مجھے دھتکار دیا جائے اور دھتکارے بھی کون؟" اپنے پندار کے ہاتھوں دُکھ سہتے سہتے وہ بالکل پاگل ہو چلی تھی "میرے والد کا ایک ملازم!"

"میں یہ بات برداشت نہیں کر سکتی۔" وہ بلند آواز سے بولی۔

نتیجے میں آکر وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور ژولیاں کی میز کی دراز کھولی جو اس سے چند قدم کے فاصلے پر تھی۔ اندر نو دس بے کھلے خط پڑے تھے جو ہو بہو اس خط کی طرح تھے جو دربان ابھی ابھی لایا تھا۔ یہ دیکھتے ہی وہ سراسیمگی کے مارے

پتھرا کے رہ گئی۔ اس نے پہچانا کہ سب لفافوں پر ژولیاں کے ہاتھ کی تحریر ہے گو ذرا بدلی ہوئی۔

وہ غصے کے مارے آپے سے باہر ہو کے بولی — "یعنی تم نے اس بچاری کو پرچا بھی لیا ہے اور اسے حقیر بھی سمجھتے ہو! تم ٹکے کے آدمی، اور مادام دفروا کی کو حقیر سمجھو!"

پھر وہ اس کے قدموں پر گر پڑی۔ "پیارے، مجھے معاف کر دو۔ حقیر جتنا چاہو سمجھو، مگر مجھ سے محبت کرو۔ میں اب تمہاری محبت کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔" اور وہ بے ہوش ہو کے زمین پر لڑھک گئی۔

"یعنی یہ مغرور لڑکی آخر میرے قدموں پہ آ گری!" ژولیاں نے دل میں کہا۔

تیسواں باب

آپیرا میں

بادل جتنے کالے ہوں گے اتنا ہی زبردست طوفان آئے گا۔

بائرن

اس ہنگامے کے دوران میں ژرولیاں کو خوشی تو ہوئی ہو گی، مگر اصل میں تو وہ مبہوت ہو کے رہ گیا تھا۔ اُسے ماتیلد کی گالیوں سے اندازہ ہوا کہ روسی حکمت عملی کتنی درست نکلی۔ ”میری نجات کا بس یہی طریقہ ہے کہ نہ کچھ کہوں، نہ کچھ کروں۔“

اس نے ماتیلد کو اٹھایا اور کچھ کہے بغیر اُسے پھر صوفے پہ بٹھا دیا۔ آہستہ آہستہ وہ پھر رونے لگی۔

اپنے ہوش و حواس برقرار رکھنے کے لئے اس نے مادام دفرواک کے ہاتھ کی تحریر پہچانی تو ایک دم سے اچھل پڑی۔ وہ انہیں پڑھ نہ رہی تھی بلکہ یونہی ورق الٹ رہی تھی۔ خط زیادہ تر چھ چھ صفحے کے تھے۔

ماتیلد کو اس کی طرف دیکھنے کی جرأت تو نہ ہوئی مگر آخر وہ بڑے التجا آمیز

لہجے میں بولی — "کم سے کم ایک بات مجھے بتا دو۔ تم خوب جانتے ہو کہ میں مغرور ہوں۔ بدنصیبی سے میری حیثیت ہی کچھ اس قسم کی ہے۔ بلکہ میں مانتی ہوں کہ یہ میرے مزاج ہی کا قصور ہے۔ تو مطلب یہ ہے کہ مادام دفرداگ نے تمہارا دل مجھ سے چھین لیا ہے . . . . کیا اُس نے بھی تمہارے لئے وہی قربانیاں کی ہیں جو اس کم بخت محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کے مجھے کرنی پڑیں؟"

ژولیاں نے جواب میں ایک گمبھیر قسم کی خاموشی اختیار کر لی۔ وہ دل میں بولا — "اسے ایک شریف آدمی سے ایسی نامناسب بات پوچھنے کا کیا حق ہے؟"

ماتیلد خط پڑھنے کی کوشش کرنے لگی۔ لیکن آنکھوں میں تو آنسو بھرے ہوئے تھے، پڑھتی کیسے؟

مہینے بھر سے اس کی حالت بہت خراب تھی۔ لیکن اُس کا مغرور دل اپنے جذبات خود اپنے آپ سے بھی قبول لنے کو راضی نہ ہوتا تھا۔ یہ تو محض اتفاق تھا کہ اس کے جذبات اس طرح پھوٹ پڑے۔ لمحے بھر کے لئے رقابت اور محبت اس کے غرور پر غالب آ گئی تھی۔ وہ صوفے پر ژولیاں سے بالکل لگی ہوئی بیٹھی تھی۔ ژولیاں کو اُس کے بال اور اس کی بلوریں گردن نظر آئی۔ تو وہ لمحے بھر کے لئے اپنا فرضِ منصبی بھول بیٹھا۔ اُس نے ماتیلد کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اُسے قریب قریب سینے سے لگا لیا۔

ماتیلد نے آہستہ آہستہ اپنا چہرہ اس کی طرف پھیر لیا۔ ژولیاں کو

اُس کی آنکھوں میں ایسا شدید رنج جھلکتا نظر آیا کہ وہ حیران رہ گیا۔ یہ آنکھیں ماتیلد کی آنکھیں معلوم ہی نہ ہو رہی تھیں۔

ژولیاں بڑی ہمت سے کام لے رہا تھا۔ اس میں اسے اپنے اُوپر اتنا جبر کرنا پڑ رہا تھا کہ اُس کی طاقت جواب دینے لگی۔

وہ دل میں بولا ـــــ "اس سے محبت کر کے مجھے خوشی تو ہو گی۔ لیکن اگر میں اس رو میں بہہ گیا۔ تو انہیں آنکھوں سے انتہائی حقارت اور سرد مہری ٹپکنے لگے گی۔"

اس وقت ماتیلد ایسی مُردہ آواز میں کہ لفظ حلق سے نہ نکل رہے تھے۔ ژولیاں سے بار بار کہہ رہی تھی کہ اپنے غرور کے ہاتھوں مجبور ہو کے میں نے جو حرکت کی ہے۔ اس پر مجھے بڑا افسوس ہے۔

"مجھ میں کون سا کم غرور ہے" ژولیاں نے ایسی آواز میں کہا کہ بات مشکل ہی سے سُنائی دی۔ اس کے چہرے سے انتہا درجے کی جسمانی خستگی ٹپک رہی تھی۔

ماتیلد جلدی سے اس کی طرف مڑی۔ اُسے تو یہ اُمید ہی نہ رہی تھی کہ یہ مجھ سے بولے گا بھی۔ چنانچہ اُس کی آواز سُن کر ماتیلد کو بڑی مسرت ہوئی۔ اس وقت اسے اپنا غرور بھی یاد آ رہا تھا تو اپنے آپ کو لعنت ملامت کرنے کے لئے۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ کوئی ایسی غیر معمولی اور انوکھی بات کروں جس سے ژولیاں پر ثابت ہو جائے کہ مجھے اس سے کتنی محبت ہے، اور اپنے آپ سے کیسی نفرت۔

ژدلیاں کہنے لگا ــــ "شاید اسی غرور کے سبب تم ایک لمحے کے لئے پھر میری طرف مائل ہو گئی ہو۔ دلبری اور سخت مزاجی مرد کو زیب دیتی ہے اسی لیے تم اس وقت میری عزت کر رہی ہو۔ ہو سکتا ہے کہ میرا دل مادام دفرواک پر آگیا ہو۔۔۔۔"

مانبلد لرز اٹھی۔ اس کی آنکھیں عجیب سی ہو گئیں۔ اُسے ایسا لگ رہا تھا جیسے موت کا حکم سُنایا جانے والا ہو۔ یہ بات ژدلیاں نے بھی دیکھی اور اس کی ہمت جواب دینے لگی۔

اُس کے ہونٹوں سے جو بے معنی لفظ نکل رہے تھے وہ انہیں اس طرح سُن رہا تھا جیسے کہیں باہر سے آواز آ رہی ہو۔ وہ دل میں بولا۔ ـــ "آہ، کاش ان زرد زرد رخساروں کو خوب چُوموں اور اسے پتا بھی نہ چلے!"

وہ مانبلد سے کہنے لگا ـــ "ہو سکتا ہے کہ میرا دل مادام دفرواک پر آگیا ہو۔ لیکن اسے بھی مجھ سے دلچسپی ہے یا نہیں، اس کا میرے پاس کوئی قطعی ثبوت تو ہے نہیں۔۔۔۔"

مانبلد اس کی طرف تکنے لگی۔ ژدلیاں نے بھی اس سے نظریں ملا دیں وہ دعا مانگ رہا تھا کہ خدا کرے میرے چہرے سے میرے دل کا راز ظاہر نہ ہو گیا ہو۔ اُسے یوں معلوم ہوا جیسے محبت اس کے دل کے کونے کونے میں سما گئی ہو۔ وہ مانبلد پر اس بُری طرح کبھی فریفتہ نہیں ہوا تھا۔ وہ بھی مانبلد کے برابر دیوانہ ہو رہا تھا۔ مانبلد میں اتنی ہمت اور اپنے اوپر اتنا قابو ہوتا

کہ وہ حکمتِ عملی سے کام لے سکتی تو ژولیاں اپنی مہمل اداکاری چھوڑ چھاڑ کے اُس کے قدموں پر آ گرتا۔ بہرحال ابھی ژولیاں میں بات کرنے کی طاقت باقی تھی۔ وہ دل ہی دل میں بولا —— "ہائے! اس وقت کو راسوت یہاں نہ ہُوا! مجھے اس وقت رہبری کی بڑی ضرورت تھی!" ساتھ ہی ساتھ اس کی آواز کہہ رہی تھی ——

"کوئی اور جذبہ نہ ہو تو بھی احسان مندی کا تقاضا ہے کہ مجھے مادام دفرواک سے ایک لگاؤ ہو۔ اس نے میرے ساتھ بڑی رعایت سے کام لیا ہے۔ جن دنوں اور لوگ مجھے حقیر سمجھ رہے تھے۔ میرے دل کو تسلّی دی ہے . . . . یہ ٹھیک ہے کہ میں اُن آثار و قرائن پر زیادہ بھروسہ نہیں کر سکتا جو انتہائی خوش آئند تو ضرور ہیں، لیکن شاید دیرپا ثابت نہیں ہوں گے"

"ہائے! خدایا!" ماتیلد نے چیخ کے کہا۔

"اچھا! تم کیا ضمانت دیتی ہو؟" ژولیاں نے تیز اور سخت لہجے میں کہا۔ معلوم ہوتا تھا کہ لمحے بھر کے لیے اس نے اپنی دور اندیشی اور سیاست بازی ترک کر دی ہے۔ "اس بات کی کیا ضمانت ہے اور مجھے کس طرح یقین آئے کہ تم اس وقت جو حیثیت مجھے دوبارہ دے رہی ہو، وہ دو دن سے زیادہ برقرار رہے گی؟"

"میری شدید محبت اور اگر تمہیں مجھ سے پیار نہیں رہا تو میرا غم و اندوہ اس بات کا ضامن ہے۔" وہ ژولیاں کی طرف منہ پھیر کے اُس کے ہاتھ دباتے ہوئے بولی۔

وہ جو زور سے ہلی تو اس کی شال تھوڑی سی سرک گئی۔ ژدلیاں کو اُس کے حسین کندھوں کی ایک جھلک نظر آئی، اور اس کے بکھرے بکھرے بال دیکھ کر ایک نہایت دلفریب منظر یاد آگیا۔ . . .

وہ بس ہتھیار ڈالنے ہی والا تھا کہ دل میں بولا — "ذرا کوئی بے اختیاطی کی بات مُنہ سے نکلی اور وہی شب و روز پھر شروع ہو جائیں گے۔ جو میں نے مایوسی میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کے گزارے ہیں۔ مادام دریناں اپنے دل کے کہنے پر چلتی تھیں اور دلیلیں بعد میں ڈھونڈتی تھی۔ یہ لڑکی ذرا بڑی آدمی ہے۔ اس کا دل اس وقت پگھلتا ہے جب نہایت مدلّل طریقے سے یہ بات ثابت ہو جائے کہ ہاں، اب دل پگھل جانا چاہیئے۔"

ژدلیاں یہ حقیقت آنکھ جھپکتے میں سمجھ گیا، اور آنکھ جھپکنے میں اُس کی ہمّت پھر مضبوط ہو گئی۔

اُس نے اپنے ہاتھ چھڑا لیئے جو ابھی تک ماتیلد کے ہاتھوں میں تھے، اور نہایت ادب کے ساتھ اُس سے کچھ دُور ہٹ گیا۔ انسان میں اس سے زیادہ اور کیا ہمّت ہو سکتی ہے؟ پھر وہ مادام دفرواک کے خط چُننے لگا جو صوفے پر بکھرے پڑے تھے اور انتہائی خوش اخلاقی کے ساتھ جو اُس وقت بڑی ظالمانہ حرکت تھی، بولا —

"مادموازیل دلاموِل مجھے اجازت دیں تو میں ان سب باتوں پر ذرا غور کر لوں۔"

وہ جلدی سے پیچھے ہٹ گیا اور کتب خانے سے چل دیا۔ ماتیلد کو آواز آئی کہ وہ ایک ایک کرکے سارے دروازے بند کرتا جا رہا ہے۔

"اس وحشی کو تو ذرا بھی پریشانی نہیں ہوئی"۔ وہ دل میں بولی۔ "لیکن میں یہ کیا کہہ رہی ہوں؟ وحشی! وہ تو بڑا عقلمند، بڑا دوراندیش، بڑا نیک ہے۔ غلطی تو سب میری ہے"۔

یہ خیال اُس کے دل میں جم کے رہ گیا۔ اُس دن ماتیلد اچھی خاصی خوش رہی۔ کیونکہ وہ سرتاپا محبت میں مبتلا تھی۔ پہلے اُس کے غرور کا کچھ ہی حال کیوں نہ رہا ہو۔ آج تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اُس کا دل غرور سے تو واقف ہی نہیں ہے۔

رات کو دیوان خانے میں خادم نے مادام دفرواک کے آنے کا اعلان کیا تو ماتیلد ڈر کے مارے کانپنے لگی۔ اس آدمی کی آواز ہی اُسے بڑی دہشت ناک معلوم ہوئی۔ اس سے مادام دفرواک کو دیکھا نہ جا سکا اور وہ فوراً کمرے سے چل دی۔ ژولیاں کو یہ فتح ایسی مشکل سے نصیب ہوئی تھی کہ اُسے ذرا بھی فخر نہ تھا بلکہ اُلٹا ڈر لگ رہا تھا کہ میری آنکھیں میرا بھانڈا نہ پھوڑ دیں۔ اُس نے آج محل میں کھانا ہی نہ کھایا۔

اس جنگ کے بعد جتنا وقت گزرتا گیا۔ ژولیاں کی محبت اور خوشی اتنی ہی تیزی سے بڑھتی گئی۔ بلکہ وہ تو ابھی سے اپنے اوپر نکتہ چینی کرنے لگا۔ وہ دل میں کہہ رہا تھا — "اس کے ساتھ مجھ سے بے رُخی کیسے برتی گئی؟ اور جو اُس کی محبت وہیں کے وہیں ختم ہو جاتی! وہ تو ایسی مغرور ہے کہ

دم بھر میں بدل جاتی ہے۔ مجھے ماننا پڑے گا کہ میں نے اس کے ساتھ بڑا بُرا سلوک کیا ہے۔"

شام کو اُس نے دیکھا کہ مجھے آپیرا میں مادام دفرداک کے باکس میں پہنچنا لازمی ہے۔ اس نے ژولیاں کو خاص طور سے دعوت دی تھی۔ اُس کی موجودگی یا کچھ خلقا نہ غیر موجودگی کا پتا مانتبلد کو ضرور چل جائے گا۔ یہ بات کسی ثبوت کی محتاج نہ تھی، مگر شام کو شروع میں اُسے محفل میں جانے کی ہمّت نہ ہوئی، اگر وہ لوگوں سے بات کرتا تو آدھی خوشی تو یوں ہی غائب ہو جاتی۔

دس بجے تو پھر اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ وہ محفل میں جا کے اپنی شکل دکھائے۔

خوش قسمتی سے مادام دفرداک کے باکس میں عورتیں بھری ہوئی تھیں، اُسے بالکل دروازے کے پاس جگہ ملی اور وہ اُن کی ٹوپیوں سے بالکل چھپ کے رہ گیا۔ یہ جگہ ہی ایسی تھی کہ وہ بے وقوف بننے سے بچ گیا۔ کسی ایکٹرس نے سُریلی آواز میں ایک درد بھرا گیت گایا تو اُس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ مادام دفرداک نے یہ آنسو دیکھ لیے۔ عموماً ژولیاں کے چہرے پر ایک سختی اور مردانگی طاری رہتی تھی۔ اس انداز کا آنسوؤں کے ساتھ ذرا بھی جوڑ نہ تھا۔ حالانکہ نو دولت لوگوں والے غرور کا سارا زہر اس عورت کی رگ رگ میں سما چکا تھا۔ مگر یہ آنسو دیکھ کے تو اس کا دل بھی پگھل گیا۔ مادام دفرداک کچھ بھی سہی، آخر عورت تھی۔ وہ بولے بغیر نہ رہ سکی۔ اس وقت تو وہ خود

اپنی آواز سے لطف اندوز ہونا چاہتی تھی۔

"آپ نے موسیو دلاموِل کے یہاں کی بیگمات کو دیکھا؟" وہ ژولیاں سے بولی۔ "دیکھئے، وہ تیسری منزل میں ہیں۔" ژولیاں فوراً نیچے جھانکنے لگا اور ذرا بد تمیزی سے باکس کے کنارے پر لٹک گیا۔ سامنے ماتیلد نظر آئی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے۔

"یہ دن تو ان لوگوں کے آپیرا آنے کا نہیں تھا۔" ژولیاں نے سوچا۔ "بڑی بیتاب ہو رہی ہے۔"

اُن کے یہاں آنے والے خوشامدیوں میں سے ایک نے اپنا باکس جلدی سے پیش تو کر دیا تھا، مگر یہ ذرا خراب سی جگہ تھی۔ اس کے باوجود ماتیلد اپنی ماں کو آپیرا گھسیٹ لائی تھی۔ وہ دیکھنا یہ چاہتی تھی کہ ژولیاں رات کا وقت مادام دفرواک کے ساتھ گزارتا ہے یا نہیں۔

اکتیسواں باب

تخویف

یہ ہے آپ کی تہذیب کا کرشمہ! محبت کو تو آپ نے ایک معمولی چیز بنا کے رکھ دیا ہے۔

بارناؤ

ژدلیاں جلدی سے مادام دلاموں کے باکس میں پہنچا۔ چھپٹتے ہی اس کی نظریں ماتیلد کی نظروں سے ملیں۔ وہ بڑی بے فکری سے رو رہی تھی وہاں بس ایک تو وہ دوست تھا جس نے اپنا باکس دیا تھا اور تین چار دوسرے ملاقاتی، غرض کوئی اہم آدمی موجود نہ تھا۔ ماتیلد نے ژدلیاں کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ اس وقت اسے ماں کا ذرا بھی خوف نہیں رہا۔ ہچکیاں لیتے لیتے اس کا گلا رندھ گیا تھا۔ اس کے منہ سے بس ایک لفظ نکلا ــــ "ضمانت!"

"اور چاہے جو کروں، لیکن مجھے اس سے بات نہیں کرنی چاہیئے۔" ژدلیاں نے سوچا۔ اس کے دل میں ہیجان برپا ہو گیا تھا۔ وہ ہاتھ سے اپنی آنکھیں چھپانے

کی اُلٹی سیدھی کوشش کرنے لگا جیسے قندیل کی روشنی سے بچ رہا ہو۔" اگر میں بول پڑا تو میری محبت پر شک نہیں رہے گا۔ میری آواز سے بھانڈا پھوٹ جائے گا اور ممکن ہے کہ پھر سب معاملہ بگڑ جائے۔"

اس وقت کی کشمکش میں صبح سے بھی زیادہ اذیت ہوئی۔ اس وقفے میں اُس کی رُوح کو پریشان ہونے کی مہلت مل گئی تھی اُسے ڈر تھا کہ کہیں ماتیلد کے پندار کو پھر ٹھیس نہ لگ جائے۔ محبت اور خواہش کے نشے میں سرشار ہو کے اس نے عہد کر لیا کہ ماتیلد سے نہیں بولوں گا۔

میرے خیال میں یہ اُس کے کردار کی ایک بہت بڑی خوبی ہے جو آدمی اپنے اوپر اتنا جبر کر سکے۔ وہ بہت ترقی کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ قسمت یاوری کرے۔

مادموازیل دلاَمول نے اصرار کیا کہ ژولیاں ہمارے ساتھ گھر چلے۔ خوش قسمتی سے اس وقت چھاجوں پانی برس رہا تھا۔ لیکن مادام دلاَمول نے ژولیاں کو اپنے سامنے بٹھا لیا اور اس سے اتنی باتیں کیں کہ اُسے بیٹی سے ایک لفظ نہ کہنے دیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے مادام دلاَمول کو ژولیاں کی خوشی کا بڑا خیال ہو۔ ژولیاں کو اب یہ ڈر تو نہ رہا تھا کہ میرے جذبات کی شدّت سے معاملہ خراب ہو جائے گا۔ چنانچہ وہ اندر ہی اندر محبت کی لہروں میں جھکولے کھانے لگا۔

کیا میں یہ بات بتا دوں کہ ژولیاں اپنے کمرے میں پہنچا تو گھٹنوں کے بل گر پڑا اور شہزادے کوراسوف کے دیئے ہوئے خطوں کو تڑاتڑ چومنے لگا؟

"تو کتنا عظیم آدمی ہے! مجھ پر تیرا کتنا احسان ہے!" وہ اپنے پاگل پن میں بولا۔

آہستہ آہستہ اس کے دماغ میں ذرا ٹھنڈک آئی۔ وہ اپنا مقابلہ ایک سپہ سالار سے کرنے لگا، جس نے کسی بڑی لڑائی میں آدھی فتح حاصل کر لی ہو۔ اور بولا ـــ "مجھے کامیابی تو واقعی ہوئی ہے، اور بڑی زبردست، لیکن کل کیا ہونے والا ہے؟ دم بھر میں سب کچھ تہس نہس ہو سکتا ہے۔"

اُسے جو لہر آئی تو ایک دم سے نپولین کی سینٹ ہیلینا والی خود نوشت سوانح عمری اٹھائی اور پورے دو گھنٹے زبردستی اسے پڑھتا رہا۔ پڑھ تو بس آنکھیں ہی رہی تھیں مگر بہرحال وہ دل پر جبر کیے بیٹھا رہا۔ اس عجیب و غریب مشغولیت کے دوران میں اس کا دل اور دماغ دونوں عظیم ترین کارناموں کی سطح پر جا پہنچے تھے اور گو اُسے کچھ پتا نہ تھا، مگر برابر کام کیے جا رہے تھے۔ "اس لڑکی کا دل مادام در ینال کے دل سے بالکل مختلف ہے۔" وہ بولا۔ مگر اس سے آگے نہ سوچا۔

"اسے ڈرانا چاہیئے۔" وہ ایک دم سے کتاب الگ پھینک کے بولا۔ "دشمن میری اطاعت اُسی وقت تک کرے گا جب تک میں اُسے ڈراتا رہوں۔ پھر اسے یہ ہمت نہ ہوگی کہ مجھے حقیر سمجھے۔"

وہ خوشی کے مارے دیوانہ ہو کے اپنے کمرے میں ادھر سے اُدھر ٹہلنے لگا۔ سچی بات یہ ہے کہ یہ خوشی غرور کی وجہ سے تھی۔ محبت کی وجہ سے نہیں۔

"اسے ڈرانا چاہیئے۔" وہ بڑے غرور کے ساتھ بار بار دل میں کہہ رہا تھا اور اس کا غرور تھا بھی درست۔ "مادام در ینال جس وقت حد سے زیادہ خوش ہوتی اُس وقت بھی اُسے یہی خیال لگا رہتا تھا کہ میری محبت اُس کی محبت کے برابر ہے

یا نہیں۔ یہاں تو مجھے ایک جن کو قابو میں لانا ہے۔ چنانچہ اُسے قابو میں لاکر ہی ہٹنا چاہیئے۔"

اُسے اچھی طرح معلوم تھا کہ کل صبح آٹھ بجے تک ماتیلد کتب خانے میں ضرور آئے گی۔ وہ نو بجے سے پہلے وہاں نہیں گیا۔ اُس کے دل میں محبت کی آگ تو ضرور سُلگ رہی تھی۔ مگر اس وقت دل دماغ کے قبضے میں تھا۔ شاید ایک منٹ بھی ایسا نہیں گزرا کہ جب اُس نے دل میں یہ نہ کہا ہو ـــ" اس کے دماغ کو ہر وقت اسی شبہے میں ڈالے رکھو کہ اسے مجھ سے محبّت ہے بھی یا نہیں۔ ایک تو بڑے گھرانے کی لڑکی، پھر ہر آدمی اس کی خوشامد میں لگا رہتا ہے۔ چنانچہ اس کی خود اعتمادی ذرا حد سے بڑھ چلی ہے۔"

اس نے دیکھا کہ ماتیلد پیلی پڑ گئی ہے اور خاصے سکون کے ساتھ صوفے پر بیٹھی ہے، لیکن کچھ ایسا لگتا ہے جیسے ہلنے جُلنے کی سکت نہ رہی ہو۔ اُس نے ژولیاں کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"پیارے، میں نے واقعی تمہیں تکلیف پہنچائی ہے۔ شاید تم مجھ سے خفا ہو گئے ہو؟"

ژولیاں کو ایسے سیدھے سادے لب و لہجے کی توقع نہ تھی۔ اس کا راز فاش ہوتے ہوتے بچا۔

تھوڑی دیر تو وہ خاموش رہی۔ اُسے امید تھی کہ ژولیاں کچھ کہے گا، لیکن وہ چپ چاپ رہا تو بولی ـــ "تمہیں کوئی ضمانت چاہیئے پیارے۔ ہاں بالکل ٹھیک بات ہے۔ مجھے لے بھاگو۔ چلو، لنڈن چلیں، پھر میری عزّت خاک میں

مل جائے گی، میں کہیں کی نہ رہوں گی۔۔۔" اس نے ذرا ہمت کر کے اپنا ہاتھ زولیاں سے چھڑا لیا، اور آنکھوں پر رکھ لیا۔ اُسے شرم و حیا اور عصمت و عفت کا خیال پھر آ گیا تھا۔۔۔ "اچھا ٹھیک ہے! میری عزت خاک میں ملا دو" آخر وہ آہ بھر کے بولی "یہی ضمانت ہے"

"دل میں خوش رہا، کیونکہ میں نے ہمت سے کام لے کے اپنے اوپر جبر کر ڈالا تھا" زولیاں نے سوچا۔ تھوڑی دیر خاموش رہنے سے اُسے دل پر اتنا قابو آ گیا کہ وہ بڑی سرد مہری کے لہجے میں بولا ـــــ

"ہم لنڈن چل بھی پڑے، اور جیسا تم کہتی ہو تمہاری عزت خاک میں مل بھی گئی تو بھی کیا یقین ہے کہ تم مجھ سے محبت کرتی رہو گی؟ کون کہہ سکتا ہے کہ مجھے ڈاک گاڑی میں ساتھ بیٹھا دیکھ کر تمہیں اُلجھن نہیں ہو گی؟ میں کوئی جانور تو ہوں نہیں، تمہاری عزت خاک میں ملا کے مجھے رنج ہی ہو گا۔ جو چیز ہمارے درمیان حائل ہے وہ تمہارا سماجی رتبہ نہیں بلکہ بدقسمتی سے تمہارا مزاج ہے۔ تمہیں بتاؤ، کیا تم وعدہ کر سکتی ہو کہ ہفتے بھر بھی مجھ سے محبت کرو گی؟"

("آہ کاش یہ مجھ سے ہفتہ بھر محبت کر لے، صرف ہفتہ بھر!" زولیاں دل میں بولا "میں تو شادیٔ مرگ ہو جاؤں۔ مجھے مستقبل کی کیا پروا ہے۔ خود زندگی کی کیا پروا ہے؟ اگر میں چاہوں تو جنت کے دروازے ابھی کھل سکتے ہیں۔ یہ تو بس میرے اوپر ہے!")

ماتیلد نے دیکھا کہ وہ غمگین سا ہو گیا۔

"یعنی میں تمہارے لائق بالکل نہیں ہوں"۔ وہ اس کا ہاتھ دبا کے بولی

ژولیاں نے ماتیلد کو گلے لگا لیا، مگر فرض کے آہنی ہاتھ نے اسے فوراً آ دبوچا۔ "اگر اس نے دیکھ لیا کہ مجھے اس سے کتنی محبت ہے تو بس ہو گئی۔"
ماتیلد کے بازوؤں سے الگ ہونے سے پہلے ژولیاں نے پھر وہی وقار کا انداز اختیار کر لیا جو مرد کے شایانِ شان ہے۔

اس روز اور کئی دن بعد تک اُس نے اپنی شادمانی چھپائے رکھی۔ بعض وقت تو اُسے یہ بھی منظور نہ ہوا کہ ماتیلد کو بازوؤں ہی میں لے لے۔

بعض دفعہ خوشی کا جوش دیوانگی کی حد تک پہنچ جاتا اور ساری دور اندیشی دھری رہ جاتی۔

سیڑھی کو چھپانے کے لیئے پھول دار پیڑوں کا ایک کنج سا بنا ہُوا تھا۔ وہ اس کنج کے پاس کھڑے ہو کر دُور سے ماتیلد کی بند کھڑکی کو تکتا رہتا اور اُس کی بے وفائی پر آہیں بھرتا۔ قریب ہی ایک شاہ بلوط کا اونچا درخت تھا۔ غیر محتاط لوگوں کی نظروں سے بچنے کے لیئے وہ اس کے پیچھے چھپ جاتا۔

ایک دن وہ ماتیلد کے ساتھ اس جگہ سے گزرا تو اسے اپنا غم و اندوہ بُری طرح یاد آنے لگا۔ پچھلی ناامیدی اور اس وقت کی شادمانی کا تقابل اس سے برداشت نہ ہو سکا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو امنڈ آئے اور وہ محبوبہ کا ہاتھ اپنے ہونٹوں سے لگا کے بولا ـــــ

"میں یہاں کھڑا ہو کے تمہارے بارے میں سوچا کرتا ہوں۔ میری نظریں تمہاری کھڑکی پر لگی رہتی ہیں۔ میں نے گھنٹوں اُس خوش نصیب لمحے کا انتظار کیا ہے کہ جب اس ہاتھ کو کھڑکی کھولتے دیکھ سکوں۔ . . ."

وہ بالکل ڈھے گیا۔ اُس نے ماتیلد کو پورے خلوص اور صداقت کے ساتھ اُس وقت کی ناامیدی کا حال سُنایا۔ پھر اضطرار کے لہجے میں اپنی موجودہ خوشی کا ذکر کیا جس نے وہ اذیت ختم کر دی تھی . . . . .

"ارے، میں کیا کر رہا ہوں؟" ژولیاں نے ایک دم سے ہوش میں آ کے کہا۔ "میں تو اپنی جڑ اپنے ہاتھ سے کاٹ رہا ہوں"۔

اپنی گھبراہٹ میں اُسے خیال ہُوا کہ مادموازیل ولاموِل کی آنکھوں میں تو محبت ابھی سے کم نظر آ رہی ہے۔ یہ محض فریب تھا۔ مگر ژولیاں کے چہرے کا رنگ فوراً بدل گیا اور موت کی سی زردی چھا گئی۔ دم بھر کے لیے اُس کی آنکھیں بجھ سی گئیں اور انتہائی پُرجوش اور سچی محبت کے بجائے اکڑ کا انداز آ گیا جس میں تھوڑا سا کینہ بھی شامل تھا۔

"کیوں پیارے، کیا ہُوا؟" ماتیلد بے چین ہو کر بڑے پیار سے بولی۔

"میں صاف جھوٹ بول رہا تھا"، ژولیاں نے بگڑ کے کہا۔ "اور وہ بھی تم سے۔ اب میں اپنے آپ کو اس بات پر لعنت ملامت کر رہا ہوں۔ خدا جانتا ہے کہ میرے دل میں تمہاری عزّت ہے، اور میں تم سے جھوٹ نہیں بول سکتا۔ تمہیں مجھ سے محبت ہے، تم مجھ پر جان چھڑکتی ہو۔ تمہارا دل خوش کرنے کے لیے مجھے اس بات کی ضرورت نہیں کہ لچھّے دار تقریریں کروں"۔

"خدایا! تو یہ دس منٹ سے جو تم پیاری پیاری باتیں کر رہے تھے۔ یہ سب لچھّے دار تقریریں تھیں؟"

"اور میں اپنے آپ کو اس پر سخت لعنت ملامت کر رہا ہوں۔ یہ تقریریں میں

نے عرصہ ہوا ایک عورت کے لئے تیار کی تھیں جو مجھ سے محبت کرتی تھی اور مجھے اس سے کوفت ہوتی تھی . . . . میرے کردار میں یہی کمزوری ہے۔ میں تمہارے سامنے اپنی برائی اپنے آپ کر رہا ہوں۔ مجھے معاف کر دینا۔"

ماتیلد کے رخساروں پر تلخ آنسو ڈھلکنے لگے۔

ژولیاں کہنے لگا۔ "مجھے کسی چھوٹی سی بات سے صدمہ پہنچے اور میں لمحے بھر کے لئے بھی خوابوں میں کھو جاؤں تو میری منحوس یادیں جنہیں میں اس وقت کوس رہا ہوں، میرے کام آتی ہیں اور میں انہیں بڑی بری طرح استعمال کرتا ہوں۔"

"کیا مجھ سے بھول میں کوئی ایسی بات ہو گئی جو تمہیں ناگوار گزری؟" ماتیلد نے بڑی دلفریب سادہ دلی کے ساتھ کہا۔

"مجھے یاد ہے کہ ایک دن ان کیاریوں کے پاس سے گزرتے ہوئے تم نے ایک پھول توڑا۔ موسیو دکلوز نے وہ تمہارے ہاتھ سے لے لیا، اور تم نے انہیں کے پاس رہنے دیا۔ میں اس وقت تم سے دو قدم پیچھے تھا۔"

"موسیو دکلوز؟ ناممکن بات ہے۔" ماتیلد نے اس وقار کے ساتھ کہا جو اس کے لئے فطری چیز بن گیا تھا۔ "میں ایسی باتیں کبھی نہیں کرتی۔"

"میں پورے وثوق سے کہتا ہوں۔" ژولیاں نے جھٹ سے جواب دیا۔

"اچھا خیر! چلو، پیارے، پھر ٹھیک ہی ہوگا۔" ماتیلد نے افسردگی کے ساتھ نظریں نیچی کر کے کہا۔ اسے پورا الیقین تھا کہ میں نے موسیو دکلوز کو مہینوں سے ایسی بے تکلفی کی اجازت نہیں دی۔

ژولیاں بڑے پیار سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

وہ دل میں بولا — "نہیں، اس کی محبت کم نہیں ہوئی"۔

شام کو ماتیلد نے قہقہہ لگا کر اُسے جھڑکا کہ تمہیں مادام دفرواک کیسے پسند آگئی — "متوسط طبقے کا آدمی اور ایک نو دولت سے پیار! بس ایک شاید اسی طبقے کی عورتوں کا دل ایسا ہے جسے میر اژولیاں اپنی محبت میں گرفتار نہیں کر سکتا۔ اس نے تو تمہیں اچھا خاصا رنگیلا بنا دیا۔" وہ اس کے بالوں سے کھیلتے ہوئے بولی۔

جس زمانے میں ژولیاں کو خیال تھا کہ ماتیلد مجھے حقیر سمجھتی ہے۔ اس نے اتنے اچھے کپڑے پہننے شروع کر دیے تھے کہ پیرس میں کم ہی لوگ ایسے ہوں گے لیکن اسے اس قسم کے لوگوں پر ایک اور امتیاز حاصل تھا۔ ایک دفعہ سنگار کر چکنے کے بعد وہ اس کی بالکل فکر ہی نہ کرتا تھا۔

ایک بات ماتیلد کو اب بھی کھٹک رہی تھی۔ ژولیاں روسی خطوں کی نقل کر کر کے مادام دفرواک کو برابر بھیجے جا رہا تھا۔

تیّسواں باب

شیر

ہائے! یہی بات کیوں ہوئی، کوئی اور بات کیوں نہ ہوئی!

بومارشے

ایک انگریز سیّاح نے لکھا ہے کہ اس نے ایک شیر سے دوستی کرلی۔ شیر کو اس نے بچپن سے پالا تھا اور اس کے ساتھ کھیلا کرتا تھا۔ لیکن بھرا ہوا پستول ہر وقت میز پر رکھتا تھا۔

ژولیاں اپنے آپ کو پوری طرح خوش ہونے کی اجازت صرف اس وقت دیتا جب اُسے یقین ہوتا کہ ماتیلد میری آنکھوں میں خوشی کے آثار نہیں دیکھ سکے گی۔ یہ فرض وہ بڑی پابندی سے سر انجام دے رہا تھا کہ وقتاً فوقتاً ماتیلد سے ایک آدھ کڑوی کسیلی بات کہہ دیتا تھا۔

جب ماتیلد کی عاجزی جس پہ اُسے بڑی حیرت ہوتی تھی اور اُس کی محبت اس قدر حد سے بڑھ جاتی کہ ژولیاں کا ضبط ختم ہونے لگتا تو وہ ہمت سے کام لے کر فوراً وہاں سے چل دیتا۔

ماتیلد کو پہلی دفعہ اس سے محبت ہوئی تھی۔

اُس کی زندگی پہلے کچھوے کی چال چلتی تھی، مگر اب قلانچیں بھرنے لگی۔

لیکن ساتھ ہی یہ بھی ضروری تھا کہ اس کا غرور کسی نہ کسی طرح ظاہر ہو۔ چنانچہ اُس کی محبت اُسے جتنے بھی خطروں میں ڈال سکتی تھی وہ جان بوجھ کے یہ خطرے مول لیتی۔ اور بالکل بے فکری کے ساتھ۔ اس کے برخلاف ژولیاں دور اندیشی سے کام لے رہا تھا۔ اگر وہ کبھی ژولیاں کی بات نہ سنتی تو صرف اُس وقت جب خطرے میں پڑنے کا سوال ہوتا۔ اس کے سامنے تو وہ بھیگی بلّی بنی رہتی، بلکہ عاجزی برتتی، لیکن کوئی اور اُس کے قریب آتا تو پہلے سے بھی زیادہ اکڑ دکھاتی، چاہے رشتے دار ہو چاہے خدمت گار۔

رات کو دیوان خانے میں پچاس ساٹھ آدمیوں کے درمیان وہ ژولیاں کو الگ بُلا لیتی اور گھنٹوں اس سے باتیں کرتی رہتی۔

ایک دن پستہ قد تانؔبو اُن دونوں کے پاس آ بیٹھا۔ ماتیلد نے اس سے کہا کہ مجھے کتب خانے میں سے اسمولٹ کی وہ کتاب لا دیجئے جس میں ۱۶۸۸ء کے انقلاب کا ذکر ہے۔ وہ ہچکچانے سا لگا تو ماتیلد بڑی ہتک آمیز نخوت کے ساتھ بولی ـــ "ایسی کوئی جلدی نہیں ہے۔" یہ بات سُن کر ژولیاں کا دل باغ باغ ہو گیا۔

"تم نے اس وحشی کی نظروں کا انداز دیکھا؟" ژولیاں نے پوچھا۔

"اس کے چچا نے دس بارہ سال ہماری خدمت کی ہے۔ ورنہ میں اسے

کھڑے کھڑے نکلوا دیتی۔"

دکرِ واز لوا، دلوز وغیرہ کے ساتھ ماتیلد کا رویہ ظاہر میں تو بڑی خوش اخلاقی کا تھا، لیکن دراصل تھا ویسا ہی ناخوشگوار۔ ماتیلد اپنے آپ کو بُری طرح سے لعنت ملامت کر رہی تھی کہ میں نے اُن دنوں ژولیاں کو اپنے راز کیوں بتا دیئے۔ اُسے خاص طور سے افسوس یُوں تھا کہ اب ژولیاں کے سامنے یہ اعتراف بھی نہ کر سکتی تھی کہ اُن لوگوں سے میری دلچسپی تو بالکل معصومانہ قسم کی تھی۔ البتہ میں نے بات ذرا بڑھا چڑھا کے بیان کی تھی۔

اس نے ارادے تو بڑے اچھے اچھے کئے۔ لیکن اس کا نسائی غرور اسے روز ژولیاں سے یہ بات نہ کہنے دیتا تھا ــــ "دراصل میں تم سے باتیں کر رہی تھی۔ اسی لیے اپنی اس کمزوری کا حال سُنانے میں مزا آیا کہ موسیو دکرِ واز لوا نے سنگِ مرمر کی میز پر جو اپنا ہاتھ رکھا تو میرے ہاتھ سے چھُو گیا۔ لیکن میں نے ہاتھ نہ ہٹایا۔"

آج کل تو یہ حال ہوگیا تھا کہ اگر ان لوگوں میں سے کوئی دو چار منٹ بھی اس سے بات کرتا تو اُسے فوراً یاد آجاتا کہ مجھے تو ژولیاں سے کچھ پُوچھنا ہے۔ اور اس بہانے وہ اسے اپنے پاس بٹھائے رکھتی۔

اُسے پتا چلا کہ میں پیٹ سے ہوں اور ژولیاں کو یہ خبر بڑے خوش ہو کے سنائی۔

"اب بھی میرے اوپر شک رہے گا؟ یہ ضمانت ہے یا نہیں؟ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تمہاری بیوی بن گئی۔"

یہ خبر سُن کے ژولیاں کو سخت حیرت ہوئی۔ اُس نے عمل کے جو اُصول بنائے تھے وہ انہیں بھُولنے سا لگا۔ "یہ لڑکی میری خاطر اپنے آپ کو برباد کر رہی ہے۔ میں جان بُوجھ کے اس سے بے رُخی کیسے برتوں اور اس کا دل کیسے دُکھاؤں ؟" اگر اس کی طبیعت ذرا بھی خراب نظر آتی تو عقل مندی چاہے کتنا ہی کیوں نہ چیخے چلائے ژولیاں اس سے وہ بے رحمی کی باتیں نہ کر سکتا جو اُس کے تجربے کے مطابق اُن کی محبت کو زندہ رکھنے کے لئے ناگزیر تھیں۔

ایک دن ماتیلد بولی — " میں والد کو خط لکھنے والی ہوں۔ وہ میرے لئے باپ سے بھی کچھ زیادہ ہیں، یعنی میرے دوست ہیں۔ چنانچہ یہ بات تمہارے اور میرے دونوں کے لئے نامناسب ہے کہ انہیں لمحے بھر کے لئے بھی دھوکے میں رکھا جائے۔"

"خدا کے لئے یہ کیا کر رہی ہو ؟" ژولیاں نے گھبرا کے کہا۔

"اپنا فرض بجا لا رہی ہوں۔" وہ بولی۔ اس کی آنکھیں خوشی کے مارے چمک اُٹھی تھیں۔ اُسے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ میں اپنے عاشق سے زیادہ بلند حوصلہ ہوں۔

"لیکن وہ مجھے ذلیل کر کے گھر سے نکال دیں گے !"

"اس کا تو انہیں پُورا اختیار ہے۔ ہمیں اُن کا یہ حق تسلیم کرنا چاہیئے۔ میں تمہارا ہاتھ پکڑ لوں گی، اور ہم روزِ روشن میں سامنے کے دروازے سے رخصت ہو جائیں گے۔"

ژولیاں بھونچکا رہ گیا۔ اس نے ماتیلد سے درخواست کی کہ ایک ہفتہ اور ٹھیرو۔

"یہ نہیں ہو سکتا۔" اس نے جواب دیا۔ "میری عزت مجھے مجبور کر رہی ہے۔ میں سمجھ گئی ہوں کہ میرا فرض کیا ہے۔ مجھے اپنا فرض بجا لانا ہے اور فوراً۔"

"اچھا، یہ بات ہے تو میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ ابھی ٹھیرو۔" آخر ژدلیاں نے کہا۔ "تمہاری عزت کا نگہبان تو میں ہوں۔ کیونکہ میں تمہارا شوہر ہوں۔ اس خطرناک اقدام سے ہم دونوں کی حیثیت بدل جائے گی۔ آخر مجھے بھی تو کچھ حق پہنچتا ہے۔ آج منگل ہے اگلے منگل کو ڈیوک دو تینز کے یہاں دعوت ہے۔ اس دن موسیو دلاموٓل گھر واپس آئیں تو دربان انھیں یہ ہلاکت انگیز خط دے دے ۔ ۔ ۔ ۔ انہیں تو بس یہ فکر لگی ہوئی ہے کہ تم کسی طرح ڈچز بن جاؤ۔ اتنی بات کا تو مجھے یقین ہے۔ ذرا سوچو تو سہی انہیں کتنا سخت رنج ہوگا!"

"کیا تمہارا مطلب یہ ہے کہ وہ انتقام کتنا سخت لیں گے؟"

"مجھے اپنے محسن پر رحم تو آسکتا ہے۔ انہیں تکلیف پہنچانے کے خیال سے دکھ بھی ہو سکتا ہے، لیکن میں ڈرتا کسی سے نہیں اور نہ کبھی ڈروں گا۔"

ماتیلد نے کہنا مان لیا۔ اس نے ژدلیاں کو جب سے اپنی حالت بتائی تھی۔ ژدلیاں نے آج پہلی دفعہ تحکمانہ لہجے میں بات کی تھی۔ اسے ماتیلد سے ایسی محبت کبھی نہیں رہی تھی۔ اس کے دل میں تھوڑی بہت نرمی تو تھی ہی، چنانچہ اس نے ماتیلد کی حالت کو خوشی خوشی بہانہ بنا کر اس سے دو چار بیرحمی کی باتیں کہنے کا فریضہ ترک کر دیا۔ موسیو دلاموٓل کے سامنے اعتراف کرنے کے خیال سے اسے بڑی پریشانی ہوئی۔ کیا وہ ماتیلد سے جدا ہونے والا تھا؟ ژدلیاں کی رخصت کے وقت اسے کتنا ہی رنج کیوں نہ ہو۔ لیکن مہینے بھر بعد کیا اسے کبھی ژدلیاں کا خیال بھی آئے گا؟

ژولیاں کو اتنا ہی ڈر اس بات کا تھا کہ مارکوئس واقعی بجا طور پہ اسے کتنی لعنت ملامت کرے گا۔

رات کو اس نے ماتیلد کے سامنے اپنی اس دوسری پریشانی کا اعتراف کر لیا پھر محبت کے جوش میں آکے پہلی بات بھی کہہ ڈالی۔

ماتیلد کا چہرہ ایک دم سے چمک اٹھا۔

وہ بولی — "چھ مہینے مجھ سے جدا رہے تو واقعی تمہیں دکھ ہوگا!"

"بہت زیادہ۔ مجھے دنیا میں کسی چیز کا ڈر ہے تو بس اسی کا۔"

ماتیلد نہالوں نہال ہو گئی۔ ژولیاں نے اداکاری کا وہ کمال دکھایا تھا کہ ماتیلد واقعی یہی سمجھنے لگی کہ ہم دونوں میں مجھ ہی کو محبت زیادہ ہے۔

وہ خطرناک منگل بھی جلدی ہی آ گیا۔ مارکوئس آدھی رات کو گھر آیا تو اسے ایک خط ملا جس پر پتا اس انداز سے لکھا تھا کہ ظاہر ہوتا تھا۔ یہ خط خود اسی کو کھولنا چاہیے اور اکیلے میں۔

جناب والد صاحب!

"ہم دونوں کے درمیان جتنے سماجی رشتے تھے۔ سب منقطع ہو چکے ہیں اب صرف خون کا رشتہ باقی رہ گیا ہے۔ شوہر کے بعد دنیا میں مجھے کوئی اتنا عزیز نہیں جتنے آپ ہیں اور رہیں گے۔ میری آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ میں آپ کو کتنی سخت تکلیف پہنچا رہی ہوں لیکن اس خیال سے کہ میری بے حیائی دنیا پر ظاہر نہ ہو اور آپ کو سوچنے سمجھنے اور کچھ کرنے کا وقت مل جائے۔ اب میں اس اعتراف میں دیر نہیں کر سکتی

جو مجھ پر واجب ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ مجھ سے کتنا پیار کرتے ہیں
اگر آپ کی محبت اس بات کو روا رکھے تو مجھے گزارے کے لیے تھوڑا
بہت وظیفہ دے دیجئے۔ میں اپنے شوہر کے ساتھ یہاں سے چلی جاؤں گی
اور آپ جہاں فرمائیں گے، وہیں جا رہوں گی۔ مثلاً سوئٹزرلینڈ میں۔
میرے شوہر کا نام ایسا غیر معروف ہے کہ ویریئر کے ایک بڑھئی کی
بہو مادام سوریل کو آپ کی بیٹی کون سمجھے گا؟ یہ ہے وہ نام جو میں نے
اتنی مشکل سے لکھا ہے۔ ژولیاں کی خاطر مجھے آپ کے غصے سے
ڈر لگ رہا ہے، اور آپ کا غصہ واقعی ہو گا بھی ٹھیک۔ والد صاحب؛
میں اب ڈچز نہیں بنوں گی۔ لیکن یہ تو مجھے اسی وقت معلوم تھا جب
مجھے اس سے محبت ہوئی۔ کیونکہ محبت تو میں نے شروع کی، میں نے
ہی اُسے ورغلایا۔ آپ سے اور اپنے آبا و اجداد سے مجھے ایک ایسی
بلند روح ورثے میں ملی ہے کہ اُن چیزوں پر میں اپنی توجہ صرف کر ہی
نہیں سکتی جو عامیانہ ہوں یا کم سے کم عامیانہ معلوم ہوتی ہوں۔ آپ کو
خوش کرنے کے خیال سے میں نے موسیو دکروا ز نوا کے بارے میں بہتیرا
سوچا، مگر بے سُود۔ آپ نے ایسے آدمی کو میری نظروں کے سامنے رکھا
ہی کیوں جس میں واقعی جوہر ہے؟ میں ای ایر سے واپس آئی تھی تو خود
آپ ہی نے کہا تھا کہ بس یہ سوریل ہی ایک ایسا آدمی ہے جسے دیکھ کے
میرا دل خوش ہوتا ہے۔ اس خط سے آپ کو جتنا رنج ہو گا اس کے
خیال سے اس بچارے لڑکے کو بھی اتنی ہی پریشانی ہو رہی ہے

جتنی مجھے۔ باپ کی حیثیت سے تو آپ مجھ پر جتنا چاہیں بگڑ لیں۔ اس سے میں آپ کو نہیں روک سکتی۔ لیکن دوست کی حیثیت سے تو مجھے نہ بھولیے۔

"ژرولیاں میری بڑی عزت کرتا تھا۔ اگر وہ مجھ سے کبھی بات بھی کرتا تو صرف اس وجہ سے کہ وہ آپ کا بڑا احسان مند ہے۔ کیونکہ اُس کے مزاج میں غرور بہت ہے اور جس شخص کا درجہ اُس سے اتنا بلند ہو، وہ ایسے آدمی سے کاروباری معاملات کے علاوہ اور کوئی بات نہیں کرتا۔ سماجی حیثیت کے اختلافات کا اسے بڑا گہرا اور فطری احساس ہے۔ میں یہ بات کسی اور سے حشر تک نہیں کہوں گی لیکن آپ کے سامنے یہ اعتراف کرتے ہوئے شرم کے مارے زمین میں گڑی جا رہی ہوں کہ میں نے ہی ایک دن باغ میں اُس کا بازو دبایا تھا۔

"اب سے چوبیس گھنٹے بعد آپ کو اس سے خفا ہونے کی کیا ضرورت باقی رہے گی؟ مجھ سے جو قصور ہوا ہے اُس کا ازالہ نہیں ہو سکتا۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں اس کی طرف سے عرض کر دوں کہ وہ آپ کی بے انتہا عزت کرتا ہے، اور آپ کی خفگی کا اُسے بڑا رنج ہے۔ اب آپ اُسے کبھی نہیں دیکھیں گے۔ لیکن میں چلی جاؤں گی اور جہاں وہ کہے گا وہیں اس سے جا ملوں گی۔ یہ اس کا حق اور میرا فرض ہے۔ وہ میرے بچے کا باپ ہے۔ اگر آپ دریا دلی سے کام لے کر ہمیں گزارے کے لیے چھ ہزار

فرانک دے دیں تو میں آپ کا یہ عطیہ بصد شکریہ قبول کرلوں گی۔ ورنہ ژولیاں کا ارادہ ہے کہ بساں تسون میں جا رہے اور لاطینی اور ادب پڑھانے کا پیشہ اختیار کرے۔ وہ کتنا ہی کم رتبہ سہی، مگر مجھے یقین ہے کہ وہ بڑی ترقی کرے گا۔ اُس کے ساتھ رہ کر مجھے گمنامی کا ذرا بھی خوف نہیں۔ اگر انقلاب ہوا تو وہ اس میں یقیناً بڑا نمایاں حصہ لے گا۔ جتنے لوگ مجھ سے شادی کے طلب گار رہے ہیں اُن میں ایک بھی ایسا آدمی ہے جس کے بارے میں یہ بات کہی جا سکے؟ اُن کے پاس بڑی بڑی جائدادیں ہیں؟ یہ خوبی تو ضرور ہے، لیکن مجھے تو اس میں کوئی ایسی بات نظر نہیں آتی جس پہ آدمی مر مٹے۔ میرے ژولیاں کے پاس ایک لاکھ روپیہ ہو اور میرے والد کی سرپرستی شاملِ حال ہو تو وہ موجودہ نظامِ حکومت کے ماتحت بھی کوئی اونچا عہدہ حاصل کر سکتا ہے . . . . "

ماتیلد کو معلوم تھا کہ مارکوئس کے دل میں جو بات پہلے پہل بیٹھ گئی وہ بیٹھ گئی۔ چنانچہ اس نے آٹھ صفحے لکھے تھے۔

جس وقت موسیو دلامول یہ خط پڑھ رہا تھا۔ اس وقت ژولیاں باغ میں ٹہل ٹہل کے یہ سوچ رہا تھا ــــــ "اب کیا کیا جائے؟ ۱۔ میرا فرض کیا کہتا ہے؟ ۲۔ میرا فائدہ کس بات میں ہے؟ میرے اُوپر اُس کا بڑا احسان ہے اُس کی مدد کے بغیر میں آج ایک لفنگا ہوتا۔ بلکہ میری حیثیت تو اتنی بھی نہ ہوتی کہ کوئی مجھ سے نفرت کرے اور ایذا پہنچائے۔ اسی نے مجھے بھلا آدمی بنایا ہے۔ میرے مزاج میں جتنا لفنگاپن ہے، وہ ایک تو کم ہو گیا ہے دوسرے اُس میں

اتنی ذلالت نہیں رہی۔ یہ تو لاکھ روپیہ دینے سے بھی زیادہ ہے اُسی کی بدولت مجھے یہ تمغہ ملا ہے، اور اُسی کے طفیل وہ سیاسی خدمات میرے نام لکھی گئیں جن کی وجہ سے ہم چشموں میں میرا رتبہ بڑھا۔

"اگر وہ قلم اٹھا کے اس معاملے میں میرے لئے ہدایات لکھنا چاہے تو کیا لکھے گا؟"

ژولیاں یہ باتیں سوچ ہی رہا تھا کہ بیچ میں موسیو ولاموِل کا خدمت گار آ وارد ہوا۔

"نواب صاحب، آپ کو اسی وقت یاد فرماتے ہیں، چاہے آپ ٹھیک طرح کپڑے پہنے ہوں یا نہ ہوں۔"

خدمت گار اُس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے آہستہ سے بولا" نواب صاحب بڑے جلال میں ہیں، ہوشیار رہیئے گا۔"

تینتیسواں باب

عذاب

اناڑی جوہری نے اس ہیرے کو تراشتے ہوئے اس کی چمک دمک ختم کر کے رکھ دی ہے۔ ازمنۂ متوسطہ کا تو کیا ذکر، رشلو کے زمانے میں بھی فرانسیسیوں کے اندر اتنا زور موجود تھا کہ اپنی قوّتِ ارادی سے کام لے سکیں۔

مرآبو

ژولیاں نے دیکھا کہ مارکوئس بڑے طیش میں ہے۔ اس نواب نے عمر میں پہلی دفعہ بدمذاقی کا مظاہرہ کیا، اور جو مُنہ میں آیا بکتا چلا گیا۔ ہمارے ہیرو کو حیرت بھی ہوئی اور غصّہ بھی آیا، مگر احسان مندی کے احساس میں کوئی کمی نہیں آئی۔

"یہ بچارا مدّتوں سے دل ہی دل میں کیسے کیسے منصوبے گانٹھ رہا تھا اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے خاک میں مل گئے۔ لیکن میرا فرض ہے کہ میں اسے جواب دوں خاموش رہا تو اس کا غصّہ اور بڑھ جائے گا۔" جواب دیتے ہوئے اس نے مولئیر

کے کردار تار توت سے استفادہ کیا۔

"میں کوئی فرشتہ تو ہوں نہیں . . . . میں نے دل وجان سے آپ کی خدمت کی ہے، آپ نے بھی اس کا صلہ مجھے بڑی فیاضی سے دیا ہے . . . میں ہمیشہ آپ کا احسان مند رہا ہوں، لیکن میری عمر بائیس سال ہے . . . . اس گھر میں اگر کوئی میری بات سمجھتا تھا تو آپ یا وہ عزیز ہستی . . . ."

"جانور کہیں کا!" مارکوئس نے چیخ کے کہا۔ "عزیز! عزیز! جس دن وہ تمہیں عزیز معلوم ہوتی۔ اسی دن تمہیں یہاں سے چل دینا چاہیئے تھا۔"

"میں نے کوشش تو کی تھی۔ میں نے تو آپ سے عرض کیا تھا کہ لا لانگ دروک چلا جاؤں۔"

غصے میں ادھر سے ادھر ٹہلتے ٹہلتے تھک گیا تو مارکوئس غم کی تاب نہ لا کے آرام کرسی پر گر پڑا۔ ژولیاں نے سنا کہ وہ زیر لب کہہ رہا ہے —— "یہ آدمی بدمعاش نہیں معلوم ہوتا۔"

"نہیں، میں آپ کے ساتھ کوئی بدمعاشی نہیں کر سکتا۔" ژولیاں نے اس کے قدموں پر گر کے کہا۔ لیکن اس اضطراری حرکت پر اُسے بڑی شرم آئی اور وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔

مارکوئس واقعی دیوانہ ہو رہا تھا۔ یہ حرکت دیکھ کر وہ ژولیاں کو پھر گاڑیبانوں کی سی گالیاں سنانے لگا۔ شاید ان گالیوں کے نئے پن میں اُسے تھوڑی سی تسکین مل رہی تھی۔

"ہیں؟ میری بیٹی مادام سوریل کہلائے گی! ہیں! میری بیٹی ڈچز نہیں بن

سکے گی!"

جب یہ دو خیالات ایسی واضح شکل میں اس کے سامنے آتے تو اس کی حالت غیر ہونے لگتی۔ اسے اپنے اُوپر قابو نہیں رہا تھا بلکہ جو کچھ کر رہا تھا اضطراری کیفیت میں۔

ژولیاں کو ڈر لگا کہ اب مار پڑی۔

مارکوئس کو تھوڑی دیر کے لیئے سکون آتا اور وہ اپنی بے عزتی کے خیال کو قبول کرنے لگتا تو اس کی ڈانٹ ڈپٹ میں بھی ذرا معقولیت آ جاتی۔

"حضرت، آپ کو یہاں سے چلے جانا چاہیئے تھا" وہ بولا "یہ تمہارا فرض تھا کہ یہاں سے چل دیتے۔۔۔ تم انتہائی ذلیل آدمی ہو۔۔۔"

ژولیاں میز کے پاس گیا اور ایک کاغذ پہ لکھا ــــ

"مدت ہوئی۔ میں اپنی زندگی سے تنگ آ چکا ہوں۔ اب میں اسے ختم کیئے لیتا ہوں۔ میں آپ کا اتنا احسان مند ہوں کہ بیان سے باہر ہے۔ میں آپ کے محل میں جان دوں گا تو حضور کو پریشانی تو ضرور ہوگی۔ لیکن میں التجا کرتا ہوں کہ میری [illegible] قبول فرمایئے۔"

اس کے بعد مارکوئس سے کہنے لگا ــــ "حضور کو تکلیف تو ہوگی مگر یہ کاغذ ملاحظہ فرمایئے۔۔۔ یا تو اپنے دستِ مبارک سے میری جان لے لیجئے، یا اپنے کسی خادم کو میرے قتل کا حکم دے دیجئے۔ ایک بجے رات کا وقت ہے، میں باغ کے آخر میں دیوار کے پاس جا کے ٹہلتا ہوں۔"

"جہنم میں جاؤ۔" وہ کمرے سے نکلنے لگا تو مارکوئس نے چیخ کے کہا۔

ژولیاں نے سوچا۔ "میں سمجھ گیا۔ وہ چاہتا ہے کہ میرے قتل کی ذمہ داری اُس کے خادم کے سر نہ آئے . . . تو پھر خود ہی مجھے مار ڈالے۔ میں تو خوش ہوں، بلکہ میں تو خود اُسے یہ راحت پہنچانا چاہتا ہوں . . . . لیکن خدا کی قسم مجھے زندگی سے بڑی محبت ہے . . . میرا فرض ہے کہ اپنے بیٹے کی خاطر زندہ رہوں۔"

چنانچہ یہ خیال اُس کے ذہن میں پہلی دفعہ واضح طور پر آ گیا۔ لیکن جب اس نے دو چار منٹ باغ میں ٹہل ٹہل کے خطرے پر غور کیا تو پھر یہ بات اُس کے دل میں جم کے رہ گئی۔

اس نئے خیال نے اسے پھر ویسا ہی دور اندیش بنا دیا۔ "اس غضب ناک شخص سے نبٹنے کے لئے مجھے کسی کے مشورے اور رہنمائی کی ضرورت ہے . . . . اس وقت وہ عقل سے خارج ہو رہا ہے، خدا جانے کیا کر بیٹھے۔ فوکے یہاں سے بہت دور ہے۔ پھر وہ مارکوئس جیسے آدمی کے جذبات نہیں سمجھ سکتا۔

"کاؤنٹ آلتامیرا . . . . کیا وہ میرا راز اپنے سینے میں ہمیشہ ہمیشہ محفوظ رکھ سکتا ہے؟ میں کسی سے مشورہ طلب کروں تو ایسا نہ ہونا چاہیئے کہ یہ بات خود ایک اقدام بن جائے اور معاملہ پہلے سے بھی زیادہ اُلجھ جائے! افسوس! اب تو اس گھنّے مزاج والے پادری پی رآر کے سوا اور کوئی باقی ہی نہیں رہا . . . . وہ ژاں سینسٹ ہے اس وجہ سے بڑا تنگ نظر ہو گیا ہے . . . کوئی عیّار جیسوئٹ ہوتا تو اُسے دنیا سے واقفیت بھی زیادہ ہوتی اور میرے کام بھی زیادہ آتا . . . . موسیو پی رآر تو اس قسم کا آدمی ہے کہ میرے جرم کا نام سنتے ہی مجھے مار بیٹھے گا۔"

تارتوف کی روح نے ژولیاں کی مدد کی۔ "اچھا خیر، میں اس کے پاس اعتراف

کی غرض سے جاؤں گا۔" یہ تھی وہ بات جو اس نے دو گھنٹے تک باغ میں ٹہلنے کے بعد طے کی۔ اب اُسے خیال بھی نہیں آ رہا تھا کہ ممکن ہے ایک دم سے گولی چل جائے اُس پر تو نیند کا غلبہ ہو رہا تھا۔

اگلے دن صبح سویرے ژولیاں پیرس سے کوسوں دور اُس سخت گیر ژاں سینیت کا دروازہ کھٹکھٹا رہا تھا۔ یہ دیکھ کر اُسے سخت حیرت ہوئی کہ پادری کو اُس کے اعتراف پر کچھ ایسا تعجب نہیں ہُوا۔

پادری کو اتنا غصّہ نہیں آیا جتنی پریشانی ہوئی۔ وہ دل میں بولا۔" شاید قصور میرا ہی ہے۔ مجھے شبہ تو ہُوا تھا کہ معاشقہ چل رہا ہے۔ بدبخت، مجھے تجھ سے ایسی محبت ہے کہ میں نے باپ کو خبردار نہیں کیا۔ . . . "

"اب وہ کریں گے کیا؟" ژولیاں نے دلیری سے پوچھا۔

(اس وقت اُسے پادری سے محبت ہو گئی تھی اور اگر تُو تُو میں میں ہو پڑتی تو اُسے بڑی تکلیف پہنچتی)

ژولیاں کہنے لگا۔" میری سمجھ میں تو تین باتیں آتی ہیں۔ ۱۔ ممکن ہے موسیو دلاموِل مجھے قتل کرا دیں۔" اور اس نے پادری کو بتایا کہ میں مارکوئس کے پاس ایک خط چھوڑ آیا ہوں جس میں لکھ دیا ہے کہ میں خودکشی کر رہا ہوں۔" ۲۔ شاید اُن کے حکم سے کاؤنٹ نوربیر مجھ سے ڈوئیل لڑے اور مجھے گولی سے اُڑا دے۔"

"اور تم ڈوئیل لڑو گے؟" پادری نے کہا اور تاؤ میں آ کے اٹھ کھڑا ہوا۔

"پہلے پوری بات تو سُن لیجئے۔ میں اپنے محسن کے بیٹے پر گولی نہیں چلا سکتا۔ "۳۔ شاید وہ مجھے یہاں سے چلتا کر دے۔ اگر اس نے مجھ سے ایڈنبرا یا نیویارک

جانے کو کہا تو میں اس کا حکم بجا لاؤں گا۔ پھر مادموازیل دلاموِل کی حالت پردۂ راز میں رکھنا آسان ہوگا۔ لیکن میں اپنے بچے کو ہلاک کرنے کی اجازت کبھی نہیں دے سکتا۔“

”یقین رکھو کہ اُس بے ایمان کو سب سے پہلی بات یہی سوجھے گی۔“

پیرس میں ماتیلد بالکل نا اُمید ہو چکی تھی۔ وہ سات بجے کے قریب باپ سے ملی تھی۔ مارکوئس نے اُسے ژولیاں کا خط دکھا دیا تھا اور وہ اس ڈر سے کانپ رہی تھی کہ اس نے کہیں شرافت کے جوش میں آکے اپنی زندگی کا خاتمہ نہ کر لیا ہو۔

”اور میری اجازت کے بغیر؟“ وہ دل ہی دل میں بڑے رنج کے ساتھ بولی۔ جس میں غصہ بھی شامل تھا۔

”اور اگر وہ مرگیا ہے تو میں بھی جان دے دوں گی۔“ وہ باپ سے بولی۔ ”میرا خون آپ کی گردن پر ہوگا۔ . . . شاید آپ کو تو میرے مرنے سے خوشی ہوگی۔ . . . لیکن میں ژولیاں کی روح کے سامنے قسم کھا کے کہتی ہوں کہ میں فوراً ماتمی لباس پہن لوں گی اور لوگوں کے سامنے ژولیاں سوریل کی بیوہ بن کے آؤں گی، اور اخباروں میں حسبِ دستور اعلان کرا دوں گی۔ آپ میری ایک ایک بات سچ سمجھیئے، آپ مجھے کمزور یا بزدل کبھی نہیں پائیں گے۔“

اس کی محبت دیوانگی کی حد تک جا پہنچی تھی۔ اب کے موسیو دلاموِل ہکا بکا رہ گیا۔

اُس نے ان واقعات پر ذرا معقولیت کے ساتھ غور کرنا شروع کیا۔ دوپہر کے کھانے کے وقت ماتیلد آئی ہی نہیں۔ مارکوئس کو پتا چلا کہ ماتیلد نے ماں سے ایک لفظ نہیں کہا تو اُس کے سر سے ایک بوجھ سا اتر گیا اور اس میں اپنی تعریف بھی محسوس ہوئی۔

دوپہر کے وقت ژولیاں آگیا۔ وہ گھوڑے سے اترا ہی تھا کہ ماتیلد نے اسے بلوایا اور تقریباً اپنی خادمہ کی نظروں کے سامنے اس کے بازوؤں میں گر پڑی۔ یہ وارفتگی دیکھ کر ژولیاں کا دل کچھ ایسا خوش نہیں ہوا۔ پادری پی رار سے اتنی لمبی چوڑی گفتگو کرنے کے بعد وہ بڑا ازکیبیا اور اونچ نیچ دیکھ کے بات کرنے والا بن کر لوٹا تھا۔ مختلف امکانات کا جائزہ لیتے لیتے اس کا تخیل تھک کے بیٹھ گیا تھا۔ ماتیلد نے آب دیدہ ہو کے بتایا کہ میں نے وہ خط دیکھ لیا ہے جس میں تم نے خودکشی کا اعلان کیا تھا۔

"ممکن ہے والد کا ارادہ بدل جائے۔ مہربانی کر کے فوراً ویل کئے چلے جاؤ۔ لوگوں کے کھانے کی میز سے اٹھنے سے پہلے پہلے گھوڑے پر چڑھ کے روانہ ہو جاؤ۔"

ژولیاں کے چہرے سے تعجب اور بے اعتنائی ٹپک رہی تھی۔ اس میں اب بھی کوئی فرق نہ پڑا تو ماتیلد پھوٹ پھوٹ کے رونے لگی۔

"ہمارے معاملات کا سارا انتظام میرے ہاتھ میں چھوڑ دو" وہ خود رفتہ ہو کے چلائی اور ژولیاں کو بازوؤں میں بھینچ لیا۔ "تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں تم سے خود اپنی مرضی سے تھوڑی جدا ہو رہی ہوں۔ مجھے میری خادمہ کے نام سے خط لکھنا اور پتا کسی اور سے لکھوانا۔ اور میں تو تمہیں دفتر کے دفتر لکھوں گی۔ اچھا، خدا حافظ، جاؤ بھاگ جاؤ۔"

اس آخری لفظ سے ژولیاں کو بڑا دکھ پہنچا۔ بہر حال وہ کہنا مان گیا۔ وہ سوچنے لگا۔ "یہ تو مقدر ہو ہی چکا ہے کہ یہ لوگ نیک گھڑی میں ہوں گے تو بھی کسی نہ کسی طرح مجھے تکلیف ضرور پہنچائیں گے۔"

مارکوئس نے دور اندیشی کو مد نظر رکھتے ہوئے بہت سی ترکیبیں سوچیں

مگر ماتیلد نے باپ کی ایک نہ سُنی۔ وہ اپنی بات پہ اڑی رہی، اور یہی کہے گئی کہ اگر معاملہ طے ہوگا تو صرف ایک شرط پر۔ وہ مادام سورِیل کہلائے گی اور اپنے شوہر کے ساتھ سوئٹزرلینڈ میں غربت کی زندگی بسر کرے گی یا پھر باپ کے ساتھ پیرس ہیں رہے گی۔ زچگی کا زمانہ چھپے چوری گزارنے کی تجویز بھی اس نے رد کر دی "اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ لوگوں کو تہمتیں تراشنے اور میری بے عزتی کرنے کا موقع مل جائے۔ ہماری شادی ہو جائے تو میں دو مہینے بعد اپنے شوہر کے ساتھ کسی غیر ملک کی سیر کو چلی جاؤں گی، پھر ہم آسانی سے کہہ سکیں گے کہ بچہ ٹھیک وقت پہ ہُوا ہے"

ماتیلد کی اس ضد پر پہلے تو مارکوئس کو بڑا غصہ آیا۔ لیکن آخر اُسے خود اپنی بات پر شک ہونے لگا۔

ایک دفعہ تو اس کا دل کچھ ایسا پگھلا کہ وہ بیٹی سے کہنے لگا "لو یہ ہیں دس ہزار لیور کی ہنڈی لکھے دیتا ہوں۔ اسے اپنے ژولیاں کو بھیج دو اور اس سے کہہ دو کہ جلدی سے بھنا لے تاکہ میں اسے منسوخ نہ کر سکوں"۔

ژولیاں کو معلوم تھا کہ ماتیلد کو احکامات صادر کرنے کا بڑا شوق ہے۔ اس کا حکم بجا لانے کی خاطر ژولیاں کو مُفت میں ساٹھ ستر میل کا سفر طے کرنا پڑا۔ وہ دیل کئے میں بیٹھا کارندوں کے حساب کی جانچ پڑتال کر رہا تھا۔ مارکوئس کی اس دریا دلی نے اسے واپس کھینچ بُلایا۔ اس نے پادری پی رار کے یہاں جا کے پناہ لی جو اُس کی غیر موجودگی میں ماتیلد کا سب سے کارآمد حلیف بن چکا تھا۔ مارکوئس نے جب بھی اس سے پوچھا۔ اُس نے ہر دفعہ یہی ثابت کر دکھایا کہ خدا کی نظروں میں کھلم کھلا شادی کے سوا ہر دوسری بات گناہ میں داخل ہوگی۔

پادری کہنے لگا ــــ "خوش قسمتی سے اس معاملے میں دنیاوی مصلحت کا بھی وہی تقاضا ہے جو مذہب کا۔ آپ کو معلوم ہی ہے کہ مادموازیل دلاموَل کے مزاج میں کتنی تیزی ہے۔ کیا آپ اُن سے ذرا بھی توقع کر سکتے ہیں کہ جس چیز کو وہ خود راز میں نہ رکھنا چاہتی ہوں اُسے چھپائیں گی؟ سیدھی سادی بات تو یہ ہے۔ کہ کھلے بندوں شادی کر دی جائے۔ لیکن اگر آپ نے اس کی اجازت نہ دی تو لوگ اس عجیب وغریب گٹھ جوڑ پہ ہزاروں باتیں بنائیں گے۔ گول مول باتیں کرنے کے بجائے سب کچھ ایک ساتھ کہہ دینا چاہیئے۔"

مارکوئس نے افسردہ ہو کے کہا ــــ "یہ تو ٹھیک ہے۔ اس بات میں فائدہ یہ ہے کہ شادی کے تین دن بعد اگر کسی نے اس کا ذکر چھیڑا تو اسے احمق اور جھکّی سمجھا جائے گا۔ حکومت انقلاب پسندوں کے خلاف کوئی سخت اقدام کرے تو ہمیں اس موقع سے فائدہ اٹھا کر اس کے پیچھے ہی پیچھے اپنا کام کر گزرنا چاہیئے۔ کوئی دیکھے گا بھی نہیں۔"

موسیو دلاموَل کے دو تین دوستوں نے بھی پادری پی رار کی رائے سے اتفاق کیا۔ اُن کے خیال میں سب سے بڑی رکاوٹ تو ماتیلڈ کی ہٹ دھرمی تھی۔ لیکن ان سب خوش آئند تجویزوں کے باوجود مارکوئس کا دل یہ بات قبول نہ کر سکا کہ اپنی بیٹی کے ڈچز بننے کی اُمید سے دست بردار ہو جائے۔

اُسے رہ رہ کے طرح طرح کی چالاکیاں اور بہانے بازیاں یاد آ رہی تھیں جو اُس کی جوانی کے زمانے میں ابھی تک بالکل ممکن تھیں۔ مجبوری کے سامنے سر جھکا دینا یا قانون سے ڈرنا بالکل مہمل بات معلوم ہوتی تھی۔ اُس کے جیسے رتبے کے

آدمی کے لئے تو یہ ڈوب مرنے کا مقام تھا۔ پچھلے دس سال سے وہ اپنی پیاری بیٹی کے مستقبل کے بارے میں بڑے بڑے سہانے سپنے دیکھتا رہا تھا۔ آج اُن خوابوں کی بڑی گراں قیمت ادا کرنی پڑ رہی تھی۔

وہ دل میں کہہ رہا تھا — "یہ کسے خبر تھی کہ آگے چل کے کیا ہونے والا ہے؟ یہ لڑکی کتنی اکڑباز تھی، اس نے دماغ کیسا عالی پایا تھا، اپنے نام پر اسے مجھ سے بھی زیادہ فخر تھا! شروع ہی سے فرانس کے بڑے بڑے عالی خاندان لوگوں کی طرف سے رشتے آرہے تھے!

"اب دُور اندیشی کا نام لینا فضول ہے۔ یہ زمانہ ہر چیز میں افراتفری پھیلا کے چھوڑے گا۔ یہ تو اس کی قسمت میں ہی لکھا ہے۔ اب تو بدنظمی کا دور دورہ ہونے والا ہے۔"

چونتیسواں باب

دل والا

ناظم گھوڑے پر سیر کو جاتے ہوئے دل میں کہہ رہا تھا۔ کہ آخر میں وزیر یا مجلسِ مقننہ کا صدر یا ڈیوک کیوں نہیں بن سکتا؟ اب دیکھو میں کیسے کیسے جتن کرتا ہوں۔ . . جس آدمی نے کوئی نئی بات کہی۔ میں نے اُسے بیڑیاں پہنائیں۔

"گلوب"

دس سال سے آدمی سہانے خواب دیکھتا رہا ہو تو محض دلیلوں کی مدد سے اُن کا زور ختم نہیں کیا جا سکتا۔ مارکوئس یہ تو سمجھ گیا کہ اب بگڑنا بگڑانا عقل کے خلاف ہے، لیکن اس سے یہ نہ ہو سکا کہ ان دونوں کو معاف کر دے۔ بعض دفعہ تو وہ دل میں کہنے لگتا ۔ "یہ ژولیاں کسی حادثے کا شکار ہو جائے تو کیسا اچھا ہو!" . . . غرض اس کے اندوہ ناک تخیّل کو اس طرح کی مہمل قیاس آرائیوں میں تھوڑی بہت تسکین ملتی۔ چنانچہ پادری پی رار کے عقلمندانہ مشوروں کا سارا اثر زائل ہو کے رہ گیا۔ ایک مہینہ اسی میں نکل گیا اور گفت و شنید جس منزل میں تھی، وہیں کی

وہیں رہی۔

سیاسی معاملات کی طرح اس خاندانی معاملے میں بھی مارکوٹس کو بڑے غضب کی باتیں سوجھتیں جو اُسے تین تین دن گرمائے رکھتیں۔ ایسے موقع پر اُسے یہ نئی تجویز بالکل پسند نہ آئی۔ کیونکہ عقل اس کی حمایت کر رہی تھی۔ دلیلیں تو اُسے وہی اچھی لگتی تھیں جو اُس کی پسندیدہ تجویز کے حق میں ہوں۔ تین دن تک تو وہ شاعرانہ سے جوش و خروش کے ساتھ اس کوشش میں لگا رہتا کہ معاملہ ایک واضح شکل اختیار کر لے۔ چوتھے دن اُسے ان باتوں کا خیال تک نہ آیا۔

پہلے تو ژدلیاں مارکوٹس کی اس ٹال مٹول سے بڑا پریشان ہوا۔ لیکن دو چار ہفتے بعد اس کی سمجھ میں آنے لگا کہ اس سلسلے میں موسیو دلاموں کے پاس کوئی واضح اور قطعی تجویز ہے ہی نہیں۔

مادام دلاموں اور باقی گھر والے یہ سمجھ رہے تھے کہ ژدلیاں جائداد کی دیکھ بھال کے سلسلے میں دیہات گیا ہوا ہے۔ وہ دراصل پادری پی رار کے یہاں چھپا بیٹھا تھا اور ماتیلد سے قریب قریب روزانہ اس کی ملاقات ہوتی تھی۔ وہ روز صبح کو باپ کے پاس جا کے گھنٹہ بھر بیٹھتی۔ لیکن بعض دفعہ تو ہفتوں گزر جاتے اور اس معاملے کا ذکر تک نہ آتا جو ہر وقت انہیں پریشان رکھتا تھا۔

ایک دن مارکوٹس بولا ــ "میں یہ نہیں پوچھتا کہ یہ شخص ہے کہاں۔ پس یہ خط اُسے بھیج دو۔" ماتیلد نے خط پڑھا ــ

"لانگ دوک والی زمینوں کی آمدنی ۲۰۶۰۰ فرانک ہے۔ میں ۱۰۶۰۰ فرانک اپنی بیٹی کو دیتا ہوں اور ۱۰۰۰۰ فرانک موسیو ژدلیاں سوریل کو۔ یعنی میں یہ جائداد

ہی ان کے نام لکھے دے رہا ہوں۔ وکیل صاحب سے کہئے کہ
دو الگ الگ دستاویزیں بنا کر کل میرے پاس لے آئیں۔ اس
کے بعد میرا آپ سے کوئی تعلق نہیں رہے گا۔ جناب، مجھے تو سان
گمان بھی نہ تھا کہ ایسی بات ہو گی!

مارکوئس ولاموں"

ماتیلد نے خوش ہو کے کہا ــــ "آپ کا بہت بہت شکریہ۔ آژاں اور
مارماند کے درمیان جو کوٹھی بنی ہوئی ہے ہم وہاں جا رہیں گے۔ کہتے ہیں کہ یہ علاقہ
ایسا ہی خوبصورت ہے جیسا اٹلی۔"

اس عطیے پر ژولیاں کو بڑا تعجب ہوا۔ اب وہ ایسا سخت گیر اور بے مہر
آدمی نہیں رہا تھا جیسے پہلے تھا۔ اُسے ابھی سے اپنے بچے کے مستقبل کی فکر پڑی
ہوئی تھی۔ اُس جیسے غریب آدمی کے لئے تو یہ رقم ایک دولت کے برابر تھی
اور ملی بھی اس طرح کہ سان گمان تک نہ تھا۔ اس کے حوصلے بڑھنے لگے۔ اب
اُسے یہ توقع ہوئی کہ شاید مجھے یا میری بیوی کو ۳۰۶۰۰ فرانک کی آمدنی
والی جائداد مل جائے۔ رہی ماتیلد تو وہ سب کچھ بھول کے بس اپنے شوہر کا نام
جپ رہی تھی (اس کا پندار اسی بات سے مطمئن ہوتا تھا کہ وہ ژولیاں کو ہمیشہ
شوہر کہے) اُسے کوئی تمنا تھی تو یہ کہ اس کی شادی اعلانیہ تسلیم کر لی جائے۔ وہ
ہر وقت اس بات پر فخر کرتی رہتی تھی کہ ایسے بلند و برتر آدمی کا دامن پکڑ کے میں
نے بڑی دور اندیشی کا ثبوت دیا ہے۔ آج کل اُسے یہی دُھن سوار تھی کہ آدمی میں
کوئی چیز قابلِ قدر ہے تو ذاتی لیاقت۔

ایک تو قریب قریب مسلسل جُدائی، پھر طرح طرح کے کام، اوپر سے پیار محبت کی باتوں کے لیئے وقت میّسر نہ ہونا۔ غرض ان سب چیزوں کی وجہ سے ژوبیاں کی عقلمندانہ حکمتِ عملی کا نتیجہ خاطر خواہ برآمد ہوا۔

ماتیلد اس سے واقعی خلوص کے ساتھ محبت کرنے لگی تھی۔ اب جو اُسے دیکھنے کا بھی ٹوٹا ہوا تو آخر ماتیلد سے صبر نہ ہو سکا۔

ایک دفعہ غصّہ جو آیا تو اس نے باپ کے نام خط لکھ مارا اور خط او تھیلو کی طرح شروع کیا ــــ

"مارکوئس دلامول کی بیٹی کو دُنیا طرح طرح سے پرچا رہی تھی۔ لیکن میں نے ژوبیاں کو ان سب چیزوں پر ترجیح دی ہے۔ یہ تو میرے انتخاب ہی سے ظاہر ہے نام و نمود کی لذّتیں میرے لیئے کوئی معنی نہیں رکھتیں۔ مجھے اپنے شوہر سے الگ رہتے اب چھ ہفتے ہو جائیں گے۔ اسی سے سمجھ لیجئے کہ میں آپ کی کتنی عزت کرتی ہوں۔ اگلی جمعرات سے پہلے پہلے میں اپنے میکے سے چلی جاؤں گی۔ آپ کی فیاضی کی بدولت ہم خاصے مالدار رہ گئے ہیں۔ محترم پادری پی رار کے سوا میرا راز ابھی تک کسی کو معلوم نہیں۔ میں انہیں کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گی۔ وہ ہمارا نکاح پڑھا دیں گے اور اس رسم کے گھنٹہ بھر بعد ہم لانگ ڈوک روانہ ہو جائیں گے۔ پھر ہم پیرس میں اس وقت تک مُنہ نہ دکھائیں گے جب تک کہ آپ حکم نہ دیں۔ لیکن یہ بات میرے دل میں کانٹے کی طرح چُبھ رہی ہے کہ اس طرح لوگوں کو ایک مزے دار قصہ ہاتھ آ جائے گا۔ میری بھی جگ ہنسائی ہوگی اور آپ کی بھی۔ احمق لوگوں کی فقرے بازیوں سے

جھلا کر ممکن ہے ہمارے بانکے نور بیر صاحب ژولیاں سے لڑنے پر آمادہ ہو جائیں۔ میں ژولیاں کو اچھی طرح جانتی ہوں، ایسی صورت میں اُسے روکنا میرے بس کی بات نہیں۔ وہ تو یہ سمجھے گا کہ میں عوام کا آدمی ہوں اور بڑے لوگوں کے خلاف بغاوت کر رہا ہوں۔ والد صاحب، میں آپ کے پیروں پڑتی ہوں۔ جمعرات کے دن موسیو پی رآر والے گرجا میں آ کے ہماری شادی میں شرکت کیجئے۔ لوگوں کی تہمت طرازیاں دھری کی دھری رہ جائیں گی۔ آپ کے اکلوتے بیٹے اور میرے شوہر دونوں کی جان بھی بچ جائے گی۔" وغیرہ وغیرہ۔

یہ خط پڑھ کے مارکوئس بالکل سٹپٹا گیا۔ اب قطعی فیصلہ کئے بغیر کوئی چارہ ہی نہ تھا۔ اب اُس کے دل پر اپنی چھوٹی چھوٹی عادتوں اور اپنے عامیانہ قسم کے دشمنوں کا ذرا بھی اثر باقی نہ رہا تھا۔

جوانی میں اُسے کچھ ایسے واقعات پیش آئے تھے جنہوں نے اس کے کردار میں چند خصوصیات پیدا کر دی تھیں۔ اب ان عجیب و غریب حالات میں انہوں نے خوب رنگ دکھایا۔ مہاجرت کے زمانے میں اسے اتنی تکلیفیں اٹھانی پڑیں کہ اس کے تخیل میں جولانی آ گئی تھی۔ دو سال تک تو اس نے خوب عیش کئے اور دربار کے بڑے سے بڑے امتیازات اُسے حاصل رہے۔ مگر سنہ ۱۷۹۰ء میں اُسے مہاجرت کی سختیاں جھیلنی پڑیں۔ اُس وقت اُس کی عمر ہی کیا تھی، بائیس سال۔ زندگی نے ایسا سخت سبق پڑھایا کہ اس کی فطرت ہی بدل کے رکھ دی۔ فی الحال وہ اپنی دولت کے مزے تو لوٹ رہا تھا، مگر اسے اپنے دل و دماغ پر قابض نہ ہونے دیا تھا۔

اُس کے تخیل نے اُس کی روح کو روپیہ کے زہر سے تو بچا لیا تھا مگر اسی تخیل کے ہاتھوں وہ اس جنون میں مبتلا ہو گیا تھا کہ میری بیٹی کسی بلند آہنگ خطاب سے سرفراز ہو۔

ابھی جو چھ ہفتے گذرے تھے۔ ان کے دوران میں ایک روز مارکوئس کو ایسی لہر آئی کہ اُس نے ژدلیاں کو مالدار بنانے کا فیصلہ کر لیا۔ اُسے افلاس بڑی غیر شریفانہ چیز معلوم ہوتا تھا۔ یہ بات اُس کی سمجھ سے باہر تھی کہ میرا داماد غریب ہو سکتا ہے۔ اس میں تو خود اس کی بڑی بے عزتی تھی۔ چنانچہ اُس نے ژدلیاں پہ روپیہ کی بوچھار کر دی۔ اگلے دن اس کا تخیل دوسری سمت میں چل پڑا۔ اس نے سوچا کہ ژدلیاں روپیہ کے معاملے میں میری سخاوت سے بڑا متاثر ہوگا، اپنا نام بدل کے امریکہ چلا جائے گا اور ماتیلد کو لکھ دے گا کہ یوں سمجھ لو میں مر گیا۔ موسیو دلاَمول نے تصور باندھا کہ ژدلیاں نے یہ خط لکھ بھی دیا اور اب وہ سوچنے لگا کہ میری بیٹی کے کردار پر اس کا کیا اثر پڑے گا۔

جس دن ماتیلد کے فرضی نہیں بلکہ اصلی خط نے اسے ان طفلانہ خوابوں سے جگایا۔ اُس دن وہ پہلے تو یہ سوچتا رہا تھا کہ ژدلیاں کو مار ڈالوں یا غائب کرا دوں۔ پھر یہ خیال آیا کہ اُس کا مستقبل ہی شاندار کیوں نہ بنا دوں۔ وہ اپنے تصور میں ژدلیاں کا نام اپنی کسی جائداد کے نام پر رکھ رہا تھا اور یہ بھی تو ہو سکتا تھا کہ وہ اپنا خطاب ژدلیاں کے نام منتقل کرا دے؟ اس کے سسر ڈیوک دشولن نے کئی دفعہ اس سے کہا تھا کہ میرا اکلوتا بیٹا تو اسپین میں کام آ گیا۔ اب میں چاہتا ہوں کہ اپنا خطاب نورِ بیر کے نام لکھ جاؤں . . . .

مارکوئس دل میں کہنے لگا۔ "اس سے تو انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ژولیاں میں کاروبار کا بڑا سلیقہ ہے، جسارت بھی ہے، طبیعت بھی تیز پائی ہے... لیکن اس کے کردار میں کوئی ایسی چیز ہے جس سے بڑا ڈر لگتا ہے۔ اُسے دیکھ کے ہر آدمی پر یہی اثر ہوتا ہے اس لئے کوئی نہ کوئی بات ہوگی ضرور۔" (یہ بات سمجھنے میں بڈھے مارکوئس کو جتنی دشواری پیش آئی اُس کے تخیل نے اسے اتنا ہی ڈرایا)

"ابھی اُس دن میری بیٹی نے مجھے صاف صاف بتایا تھا (یعنی ایک ایسے خط میں جو ہم نے یہاں نقل نہیں کیا) کہ ژولیاں کسی دیوان خانے یا کسی گروہ سے تعلق نہیں رکھتا۔ اگر میری بیٹی اسے چھوڑ بھی جائے تو اس کے پاس اپنے بچاؤ کا کوئی ذریعہ نہیں، کیونکہ اس نے حمایت حاصل کرنے کے لئے کسی سے بھی ساز باز نہیں کی... لیکن اس کی وجہ کیا ہے؟ ژولیاں سماج کی صحیح حالت سے واقف نہیں؟ میں نے اسے دو تین دفعہ بتایا ہے کہ اگر کسی امیدواری میں فائدہ ہے تو دیوان خانوں کی اُمیدواری میں..."

"نہیں، اس میں بدمعاشوں کی سی چالاکی اور ہوشیاری ذرا نہیں۔ ایسے لوگ تو ایک منٹ یا ایک موقع بھی ضائع نہیں ہونے دیتے... یہ لوئی یا زدہم والا کردار نہیں ہے۔ دوسری طرف اُسے بڑے بڑے غیر شریفانہ مقولے بھی بہت یاد ہیں۔ میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ ہے کس قسم کا آدمی.... کیا اس نے یہ مقولے اپنے جذبات کی روک تھام کے لئے یاد کر رکھے ہیں؟

"بہر حال ایک بات تو صاف ظاہر ہے۔ اُسے حقارت آمیز سلوک بالکل گوارا نہیں۔ یہاں وہ میری گرفت میں آتا ہے۔

"یہ ٹھیک ہے کہ وہ حسب نسب کو مقدس چیز نہیں سمجھتا۔ اور ہم لوگوں کی عزت سچے دل سے نہیں کرتا . . . . . یہ بہت بری بات ہے. لیکن جو آدمی دارالعلوم کے ٹکڑوں پر پلا ہو۔ روپیہ اور عیش و آرام کی کمی اُس کے دل میں چٹکیاں نہ لے گی تو اور کیا ہوگا؟ یہ بالکل مختلف قسم کا آدمی ہے۔ حقارت اُسے کسی طرح منظور نہیں"

بیٹی کے خط نے اسے مجبور کیا تو موسیو دلاموں نے دیکھا کہ اب تو کوئی نہ کوئی فیصلہ کرنا ہی پڑے گا ——— اچھا تو اصل سوال یہ ہے کہ ژولیاں کی جسارت اس حد تک جا پہنچی کہ وہ میری بیٹی سے معاشقہ لڑائے کیونکہ اُسے معلوم ہے مجھے دنیا میں کسی چیز سے اتنی محبت نہیں جتنی اپنی بیٹی سے اور پھر میری آمدنی ایک لاکھ اشرفی سالانہ ہے؟

"ماتیلد بالکل اُلٹی بات کہتی ہے . . . . نہیں ژولیاں! صاحب یہ ایسی بات ہے جس کے متعلق میں کسی غلط فہمی میں مبتلا نہیں رہنا چاہتا"

کیا یہ محبت واقعی بے ساختہ اور پُرخلوص تھی؟ یا محض جاہ و مرتبت حاصل کرنے کی عامیانہ خواہش تھی؟ ماتیلد بڑی سمجھ دار ہے۔ وہ جانتی تھی کہ اگر میرے دل میں اس قسم کا شبہ پیدا ہو تو میری نظر میں اُس کی کوئی وقعت نہ رہے گی اسی لئے اُس نے یہ بات بتائی کہ ژولیاں سے محبت کرنے کا خیال تو پہلے مجھے آیا تھا . . . !

"ایسے بلند کردار کی لڑکی اس قدر خود فراموش ہو جائے کہ باقاعدہ لگاوٹ شروع کر دے! . . . . رات کو باغ میں آدمی کا بازو دبانا! الاماں! الحفیظ! . . . . اگر وہ ژولیاں کو پسند کرنے لگی تھی تو اُسے یہ بات بتانے کے سو طریقے

تھے جن میں اتنی بے حیائی بھی نہ ہوتی۔

عذر گناہ بدتر از گناہ۔ مجھے ماتیلد پر اعتماد نہیں رہا ... اس نے مارکوئس کی بیلیں معمول سے زیادہ فیصلہ کن رہیں۔ لیکن بہرحال عادت پھر غالب آ گئی۔ اس نے سوچا کہ مجھے تھوڑا سا وقت اور ملنا چاہیے۔ لاڈلی بیٹی کو خط لکھوں۔ بات یہ تھی کہ اس گھر میں ایک دوسرے سے گفت و شنید خط کے ذریعے ہوتی تھی۔ موسیو دلاموول میں یہ ہمت نہیں تھی کہ بیٹی سے منہ در منہ بحث کرے اور اپنی بات پر اڑا رہے۔ اُسے ڈر یہ تھا کہ اگر میں نے بیٹی کی بات فوراً مان لی تو معاملہ وہیں کا وہیں ختم ہو جائے گا۔

خط

"خبردار کوئی نئی حماقت نہ کر بیٹھنا۔ میں موسیو لاشنو الیئے ژولیاں سوریل دلاورنے" کے نام ایک پروانہ بھیج رہا ہوں۔ انہیں فوج میں لفٹننٹ مقرر کر دیا گیا ہے۔ تم دیکھتی ہو کہ میں تمہارے لئے کیا کیا کر رہا ہوں۔ میری حکم عدولی نہ کرنا اور نہ مجھ سے کوئی سوال پوچھنا۔ ژولیاں کو چوبیس گھنٹے کے اندر یہاں سے روانہ ہو کے استراس برگ پہنچ جانا چاہیئے۔ جہاں ان کی رجمنٹ کا قیام ہے۔ میں ساتھ میں ایک ہنڈی بھیج رہا ہوں۔ امید ہے میری ہدایت پر حرف بحرف عمل ہوگا۔"

ماتیلد کی محبت اور خوشی کی انتہا نہ رہی۔ اس نے سوچا کہ اس کامیابی سے کچھ اور فائدہ اٹھا لوں۔ چنانچہ فوراً جواب دیا:۔۔۔۔۔

"آپ نے موسیو ژولیاں کے لئے جو زحمت گوارا فرمائی ہے

انہیں اس کا علم ہوتا تو وہ احسان مندی کے جذبے سے مجبور ہو کے آپ کے قدموں پر آ گرتے۔ لیکن اس فیاضی کے باوجود میرے ابا جان مجھے بھول گئے ہیں۔ میرے ماتھے پر ایسا کلنک کا ٹیکا لگے گا جو بیس ہزار اشرفی سالانہ کی آمدنی سے بھی نہ دُھل سکے گا۔ میں یہ پروانہ موسیو دلا ورنے کو بھیج تو دوں گی، مگر آپ پہلے یہ وعدہ فرمائیں کہ اگلے مہینے کے اندر اندر میری شادی کی رسم ویل کیے میں علانیہ طور پر ادا ہو جائے گی میں التجا کرتی ہوں کہ اس سے زیادہ دیر نہ لگا دیجئے گا۔ کیونکہ یہ عرصہ گذر جانے کے بعد آپ کی بیٹی مادام دلاورنے بن کر تو باہر نکل سکے گی۔ ورنہ نہیں۔ پیارے ابا! آپ کا شکریہ کس زبان سے ادا کروں کہ آپ نے مجھے اس نام "موریل" سے بچا لیا۔ وغیرہ وغیرہ

ماتیلد کو ایسا جواب ملا جس کی اُسے ذرا بھی اُمید نہ تھی۔

"یا تو میرا حکم مان لو ورنہ میں سب کچھ واپس لیے لیتا ہوں۔ احمق لڑکی ہوش میں آ۔ مجھے ابھی تک پتا نہیں چلا کہ تیرا ژولیاں ہے کیا اور تجھے تو اتنا بھی علم نہیں جتنا مجھے ہے۔ اُسے فوراً سٹراس برگ بھیج دو۔ اس میں ذرا بھی دیر نہیں ہونی چاہیئے۔ میں اپنے فیصلے کی اطلاع پندرہ دن کے اندر دے دوں گا۔"

اتنا سخت جواب پا کر ماتیلد کو بڑی حیرت ہوئی۔ "مجھے ابھی تک پتا نہیں چلا کہ ژولیاں ہے کیا" یہ الفاظ پڑھے تو وہ طرح طرح کے خواب دیکھنے لگی۔ اور اُسے بڑی بڑی دل فریب باتیں سوجھیں، مگر اس نے انہیں حقیقت

ہی سمجھا: میرے ژولیاں کا دماغ ابھی تک دیوان خانوں کے گھسے پٹے سانچے میں نہیں ڈھلا۔ جس چیز سے ژولیاں کی برتری ثابت ہوتی ہے، اسی کی بدولت ابا کو اس کی برتری کا یقین نہیں آتا۔ ۔ ۔ ۔ "

"ابا کو اچانک یہ نہ معلوم کیا سوجھی ہے! لیکن اگر میں نے ان کی بات نہ مانی تو ممکن ہے ان سے کھلم کھلا جھگڑا ہو جائے۔ میری رسوائی ہوئی تو سماج میں میری وہ حیثیت بھی نہ رہے گی! پھر شاید ژولیاں کی نظروں میں بھی میری وقعت کم ہو جائے۔ رسوائی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دس سال افلاس کی زندگی بسر کرنی پڑے گی۔ محض ذاتی لیاقت کی بنا پر شوہر کا انتخاب کر بیٹھنے کی حماقت کے بعد تو لوگوں کی فقرے بازی سے بچنے کا بس یہی طریقہ ہے کہ آدمی کے پاس ڈھیروں روپیہ ہو۔ اگر میں ابا سے الگ ہی تو اس عمر میں ممکن ہے وہ مجھے بالکل بھول ہی جائیں ۔ ۔ ۔ نوربیر کسی حسین اور ہوشیار عورت سے شادی کرے گا۔ بڈھا لوئی چہاردہم آخر دچیز دوبزر کو نیا کے جال میں پھنس ہی گیا تھا ۔ ۔ ۔ ۔ "

اس نے باپ کی فرمانبرداری کا فیصلہ کر لیا۔ مگر باپ کا خط ژولیاں کو نہ بھیجا۔ اس کا مزاج وحشیانہ تھا۔ خدا جانے وہ کیا حماقت کر بیٹھتا۔

رات کو جب اس نے ژولیاں سے کہا کہ تم لفٹنٹ ہو گئے ہو تو ژولیاں کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ اس کا اندازہ تو اسی بات سے ہو سکتا ہے کہ جاہ طلبی تو اس کی گھٹی میں پڑی تھی، پھر آج کل وہ اپنے بچے کی محبت میں دیوانہ ہو رہا

تھا۔ نام کی تبدیلی پر بھی اُسے بڑی حیرت ہوئی۔

وہ دل میں کہنے لگا: ——— "آخر میری کہانی کا انجام خیریت کے ساتھ ہوا۔ اور یہ سب میری کوششوں کا نتیجہ ہے۔ مَیں نے اس مغرور لڑکی کو اپنی محبت میں گرفتار کر ہی لیا۔" وہ ماتلید کی طرف دیکھ کے بولا ——— "اس کا باپ اس کے بغیر نہیں رہ سکتا، نہ یہ میرے بغیر رہ سکتی ہے۔"

پینتیسواں باب

طوفان

خدایا، مجھے تو معمولی آدمیوں جیسا بنا دے۔

مرابو

ژولیاں پر محویت طاری تھی۔ ماتیلد نے بہت کچھ محبت جتائی۔ مگر اُس نے یوں ہی بے دلی سے جواب دیا۔ وہ چپ چاپ متین بنا بیٹھا رہا۔ ماتیلد کو وہ اتنا عظیم اور پرستش کے لائق کبھی نہیں معلوم ہوا تھا۔ وہ ڈر رہی تھی کہ شاید اس کا پندار کوئی نئی باریکی نکالنے والا ہے جس سے معاملہ چوپٹ ہو کے رہ جائے گا۔

وہ دیکھتی تھی کہ پادری پی رار قریب قریب روز صبح کو محل میں آتا ہے۔ ممکن ہے اُس کے ذریعے سے ژولیاں کو ماتیلد کے باپ کے ارادوں کا تھوڑا بہت پتا چل گیا ہو۔ ممکن ہے خود مارکوئس کو بیٹھے بٹھائے ژولیاں کے نام خط لکھنے کی سوجھ گئی ہو۔ ورنہ اتنی زبردست خوشی کے بعد ژولیاں کے اس طرح منہ پھُلا کے بیٹھ جانے کے کیا معنی؟ ماتیلد کو اس سے کوئی بات پوچھنے کی ہمت نہ پڑی۔

ہمت نہ پڑی! اُسے، ماتیلد کو! ژولیاں کے بارے میں اُس کے جو احساسات

تھے۔ اب اُن میں ایک مُبہم اور ناقابلِ فہم سی چیز آگئی جو کچھ کچھ خوف سے مشابہ تھی۔ یہ خشک مزاج لڑکی پیرس میں پلی بڑھی تھی۔ جہاں تہذیب حد سے زیادہ بڑھ گئی ہے اور لوگ اسی بات کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ان حالات میں اُس کے اندر جتنے بھی جذبات ہو سکتے تھے وہ سب کے سب ایک دم سے پھوٹ پڑے۔

اگلے دن صبح سویرے ژدلیاں پادری پی رار کے یہاں تھا کہ صحن میں دو ٹوا ک گاڑی کے گھوڑے آکے رُکے۔ یہ گھوڑے ایک ٹوٹی پھوٹی بند گاڑی میں جُتے ہوئے تھے جو وہیں قریب سے کرائے پر لے لی گئی تھی۔

سخت گیر پادری نے اُس سے مخاصمانہ انداز میں کہا — اس قسم کی گاڑی اب تمہارے لئے مناسب نہیں ہے۔ یہ لو بیس ہزار فرانک ہیں۔ موسیو دلا مول نے تمہیں تحفے میں دیئے ہیں۔ یہ روپیہ تم اسی سال خرچ کر سکتے ہو۔ اُن کی اجازت ہے لیکن وہ چاہتے ہیں کہ جہاں تک ہو سکے تم لہو و لعب سے دور رہو۔ پادری کا خیال تھا کہ کسی نوجوان کو اتنا روپیہ ایک ساتھ ملے اور وہ گناہ کی طرف مائل نہ ہو یہ تو مشکل سی بات ہے۔

مارکوئس نے لکھا ہے — موسیو ژدلیاں دلاور نے کہ یہ روپیہ دراصل اپنے والد سے ملا ہے جن کا نام صاف صاف بتانے کی ضرورت نہیں۔ غالباً موسیو دلا ورنے چاہیں گے کہ ویریر کے جس بڑھئی سورل نے بچپن میں اُن کی نگہداشت کی تھی۔ اُسے بھی کچھ پیش کیا جائے ... یہ کام تو مجھ پر چھوڑ دو۔

پادری بولا: میں نے موسیو دلا مول سے آخر یہ بات منوالی ہے کہ پادری دفری لیبر سے سمجھوتا کر دیا جائے۔ دفری لیبر بڑا جیز دست ہے، وہ اتنا طاقتور ہے کہ ہم اُس کا

کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ صاف صاف لفظوں میں تو نہیں، مگر ویسے راضی نامے کی ایک شرط یہ بھی ہو گی کہ وہ شخص جو لبساسوں پر حکومت کرتا ہے اشارتاً تمہاری نجابت کا اقرار کرے۔"

ژولیاں کو ایسا جوش آیا کہ ضبط نہ ہو سکا۔ اور پادری کو گلے لگالیا۔ اُسے یقین آگیا کہ اب دُنیا میری شرافت تسلیم کرے گی۔

"ہیں یہ کیا!" پادری اُسے پیچھے ہٹاتے ہوئے بولا۔ "اس دُنیاوی غرور کے کیا معنی؟ رہا سوریل اور اُس کے بیٹوں کا معاملہ، تو میں اپنے نام سے اُنہیں پانچ سو فرانک سالانہ وظیفہ دے دوں گا۔ جب تک میں ان لوگوں کے چال چلن سے مطمئن رہوں گا یہ وظیفہ ہر ایک کو الگ الگ ملتا رہے گا۔"

اتنی دیر میں ژولیاں پھر پہلے کی طرح سرد مزاج اور اکڑباز بن چکا تھا۔ اُس نے پادری کا شکریہ تو ادا کیا، مگر نہایت مبہم الفاظ میں اور کسی بات کی ذمہ داری لیئے بغیر۔ وہ دل میں بولا ——— کیا یہ واقعی ٹھیک ہے کہ میں کسی بڑے نواب کی ناجائز اولاد ہوں جو نپولین کے ڈر سے بھاگ کے پہاڑوں میں جا چھپا تھا؟" وہ جتنا غور کرتا یہ بات اُتنی ہی خلافِ قیاس معلوم ہوتی۔ "مجھے اپنے باپ سے جو نفرت ہے یہی اِس بات کا ثبوت ہے . . . . . اب میں اپنے آپ کو جانور نہیں سمجھوں گا!"

اِس خود کلامی کے چند روز بعد پندرھویں رجمنٹ جو ساری فوج میں بڑی چاق و چوبند سمجھی جاتی تھی، اسٹراس برگ کے پریڈ کے میدان میں باضابطہ پرا جمائے کھڑی تھی۔ موسیو لاشنوالیئے دلاور نے ایک بے مثال گھوڑے پر سوار تھا جو اُس نے چھ ہزار فرانک میں خریدا تھا۔ وہ سیدھا لفٹنٹ بن کر آیا تھا۔ اور اس سے پہلے

سکینڈ لفٹننٹ کبھی نہیں رہا تھا۔ البتہ ایک ایسی رجمنٹ کے رجسٹر میں اُس کا نام ضرور تھا جسے وہ جانتا تک نہ تھا۔

اُس کا بے اعتنائی کا انداز، سخت اور بے رحم سی آنکھیں، چہرے کی زردی کبھی نہ بدلنے والی سرد مزاجی، یہ سب ایسی چیزیں تھیں جن کی بدولت وہ پہلے ہی دن سے مشہور ہوگیا۔ اُس کی شائستگی، اُس کا رکھ رکھاؤ، تلوار اور پستول چلانے میں اُس کی مہارت جو اُس نے فضول قسم کی نمود و نمائش کے بغیر ثابت کر دکھائی ان باتوں کا تھوڑے ہی دن میں یہ اثر ہوا کہ اب کسی کو اُس کا مذاق اڑانے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ رجمنٹ کے لوگ پانچ چھ دن تو ذرا تذبذب میں رہے اس کے بعد رائے عامہ اُس کے حق میں ہوگئی۔ جو بڈھے افسر ذرا کھلی باز تھے وہ کہنے لگے ——— اس نوجوان میں جوانی کے سوا ہر چیز موجود ہے۔

اسٹراس برگ سے ژولیاں نے ویریئر کے سابق پادری موسیو شیلاں کو خط لکھا جواب بڑھاپے کی آخری منزل پر پہنچ چکا تھا ———

"مجھے پورا یقین ہے آپ کو یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی ہوگی کہ میں اپنے خاندان کی بدولت امیر بن گیا ہوں۔ میں پانچ سو فرانک بھیج رہا ہوں آپ سے درخواست ہے کہ بلا میرا نام لئے اور نمود و نمائش کے بغیر یہ روپیہ اُن حاجت مندوں کو تقسیم کر دیجئے۔ جو آج اُتنے ہی غریب ہیں جتنا میں ایک زمانے میں تھا۔ اور جن کی آپ یقیناً اُسی طرح مدد کر رہے ہونگے جس طرح پہلے میری مدد کرتے تھے۔"

ژولیاں کو جو نشہ تھا وہ جاہ طلبی کا تھا، پندار کا نہیں۔ وہ اپنی ظاہری وضع قطع

پر اب بھی بڑی توجہ صرف کرتا تھا۔ اُس کے گھوڑے، وردیاں، ملازموں کا لباس غرض ہر چیز میں اتنا سلیقہ تھا کہ انگلستان کا کوئی بڑا نواب تک اس پر فخر کرتا۔ یہ عہدہ اُسے رعایتاً ملا تھا۔ اور لفٹننٹ ہوئے ابھی دو دن بھی نہ گزرے تھے کہ وہ یہ قیاس آرائیاں کرنے لگا کہ بڑے بڑے جنرلوں کی طرح زیادہ سے زیادہ تیس برس کی عمر میں کمانڈر ان چیف بننے کے لئے مجھے تئیس سال کی عمر میں لفٹننٹ سے کچھ بڑی چیز ہونا چاہیئے۔ اُسے اگر کسی بات کا خیال لگا ہوا تھا تو بس اپنی عظمت کا اور اپنے بیٹے کا۔

وہ اپنی جاہ طلبی کے خیالات میں سرشار تھا کہ اچانک موسیو دلامول کے یہاں سے ایک خادم خط لے کے آیا۔

ماتیلد نے لکھا تھا ”سارا معاملہ چوپٹ ہو گیا۔ جتنی جلدی ممکن ہو سکے آؤ۔ اس وقت سب کچھ قربان کر دو۔ ضرورت پڑے تو چھپ کے بھاگ نکلو۔ یہاں پہنچتے ہی باغ کے چھوٹے دروازے کے سامنے گاڑی میں بیٹھ کے میرا انتظار کرو۔ میں تم سے باتیں کرنے کے لئے باہر آجاؤں گی۔ ممکن ہوا تو تمہیں باغ کے اندر بھی بلاؤں گی۔ معاملہ بالکل چوپٹ ہو گیا۔ بظاہر تو کوئی صورت دکھائی نہیں دیتی۔ میرے اوپر یقین رکھو۔ مصیبت کے وقت تم مجھے ثابت قدم اور وفادار پاؤ گے۔ میں تم سے اُسی طرح محبت کرتی ہوں۔“

ژولیاں نے چند منٹ کے اندر اندر اپنے کرنل سے چھٹی منظور کرا لی، اور گھوڑا سرپٹ دوڑاتا اسٹراس برگ سے چل پڑا۔ لیکن اُس کی جان پہ ایسی بنی ہوئی

تھی کہ وہ میتیز کے بعد اس طرح سفر نہ کر سکا۔ اُس نے فوراً گاڑی کرانے کی اور ہوا کی چال چلتا باغ کے دروازے کے باہر مقررہ جگہ پر پہنچ گیا۔ دروازہ ایک دم سے کھلا۔ اور رماتیاید عزتِ نفس وغیرہ سب بھول کر اُس کے بازوؤں میں آگری خوش قسمتی سے ابھی صبح کے پانچ بجے تھے، اور سڑک خالی تھی۔

"سارا معاملہ چوپٹ ہو گیا۔ والد کو ڈر تھا کہ میں روؤں دھوؤں گی۔ چنانچہ وہ جمعرات کی شب کو چل دیے۔ کہاں؟ یہ کسی کو معلوم نہیں۔ یہ اُن کا خط ہے پڑھ کے دیکھ لو۔" اور وہ بھی ژرولیاں کے پاس گاڑی میں آ بیٹھی

"میں ہر بات معاف کر سکتا ہوں، لیکن یہ گوارا نہیں کر سکتا کہ تمہیں کوئی اِس وجہ سے اپنے قریب میں لانا چاہے کہ تم مالدار ہو۔ بدنصیب لڑکی، اصل حقیقت یہ ہے جسے سن کے تیرے ہوش اڑ جائیں گے۔ میں قسم کھا کے کہتا ہوں کہ میں اس آدمی سے شادی کرنے کی اجازت کبھی نہیں دوں گا۔ اگر وہ فرانس کی سرحد سے باہر یا بہتر تو یہ ہے کہ امریکہ میں رہنے کو راضی ہو جائے تو میں اُسے دس ہزار لیور سالانہ دینے کو تیار ہوں۔ میں نے اُس کے بارے میں کچھ باتیں معلوم کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس کے جواب میں جو خط آیا ہے اُسے پڑھ کے دیکھ لو۔ اس بے حیا نے خود مجھ سے مادام دریناّل کے نام خط لکھنے کو کہا تھا۔ اگر تم نے اس آدمی کے بارے میں ایک سطر بھی لکھی تو میں نہیں پڑھوں گا۔ مجھے پیرس سے بھی نفرت ہو گئی ہے۔ اور تم سے بھی۔ میں تم سے التجا کرتا ہوں کہ اب چند دن میں جو کچھ ہونے والا ہے اُسے پردہ راز میں رکھنا اس

بدمعاش کو پیچھے دل سے چھوڑ دو، اور تمہیں اپنا باپ واپس مل جائیگا۔"

"مادام درینال کا خط کہاں ہے؟" ژولیاں نے سرد مہری کے ساتھ کہا

"لو یہ رہا۔ میں چاہتی تھی کہ یہ خط تمہیں اُس وقت دکھاؤں جب تُم

پُوری طرح تیار ہو جاؤ۔"

خط

"مذہب اور اخلاق کی طرف سے مجھ پر جو فرض عائد ہوتا ہے اُس

سے مجبور ہو کے میں یہ تکلیف دہ اقدام کرتی ہوں، اور آپ کو خط لکھ رہی

ہوں۔ ایک قانون جس کی پیروی مجھ پر واجب ہے۔ اس وقت مجھے

حکم دے رہا ہے کہ اپنے ہمسائے کو نقصان پہنچاؤں، لیکن صرف ایک

زبردست ہنگامے سے بچنے کی خاطر۔ رنج تو مجھے بہت ہے مگر احساسِ

فرض اس پر غالب آچکا ہے۔ واقعی، جناب یہ درست ہے کہ آپ نے

مجھ سے جس شخص کی حقیقت بے کم و کاست پوچھی ہے اُس کا رویّہ

ناقابلِ فہم بلکہ شریفانہ معلوم ہوا ہوگا۔ شاید بعض باتوں کو چھپانا یا اُنہیں

تھوڑا بدل کے بیان کرنا ہی مناسب ہو، دُور اندیشی کا بھی یہی تقاضا

ہے اور مذہب کا بھی۔ لیکن جس آدمی کے متعلق آپ نے دریافت فرمایا

ہے اُس کا چال چلن لائقِ نفریں بلکہ ناگفتنی رہا ہے۔ ایک تو وہ غریب

ہے اُوپر سے لالچی۔ ریاکاری میں طاق ہے۔ اس شخص نے اپنے اس

ہُنر کی مدد سے ایک کمزور اور بدنصیب عورت کو ورغلا کر جاہ و مرتبت حاصل

کرنے اور بڑا آدمی بننے کی کوشش کی ہے۔ مجھے یہ بات کہتے ہوئے دُکھ

ہوتا ہے۔ مگر میں یہ سمجھنے پر مجبور رہوں کہ موسیو ژ ——مذہب سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا۔ میرا ضمیر شاہد ہے کہ کسی گھرانے میں کامیابی حاصل کرنے کا اس شخص نے ایک یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ وہاں جس عورت کی بات سب سے زیادہ چلتی ہو اسی کو ورغلائے۔ اسے اپنے ارادوں کو بے غرضی اور ناولوں میں سے یاد کئے ہوئے فقروں کے پردے میں چھپانا خوب آتا ہے۔ مگر اس کا واحد مقصد یہی ہوتا ہے کہ گھر والے اور اس کی دولت پر قبضہ جما لے۔ جب گھر سے جاتا ہے تو اپنے پیچھے غم زندہ اور ہمیشہ ہمیشہ کی ندامت چھوڑ کے جاتا ہے۔" وغیرہ وغیرہ۔

یہ خط بڑا طول طویل تھا، اور تقریباً آدھے الفاظ آنسوؤں سے مٹ گئے تھے اور لکھا ہوا تھا واقعی مادام دربنال ہی کے ہاتھ کا۔ بلکہ معمول سے زیادہ احتیاط کے ساتھ لکھا گیا تھا۔

ژولیاں خط پڑھ چکا تو کہنے لگا ——"میں موسیو دلامول کو قصور وار نہیں سمجھتا۔ وہ دور اندیشی اور انصاف کی بات کہہ رہے ہیں۔ کون باپ ایسا ہے جو اپنی پیاری بیٹی اس قسم کے آدمی کو دے دے! اچھا خدا حافظ!"

ژولیاں بند گاڑی سے کود کے اپنی بگھی کی طرف بھاگا جو سڑک کے آخر میں کھڑی تھی۔ ماتیلد جسے وہ بالکل بھول گیا معلوم ہوتا تھا، تھوڑی دور تک اس کے پیچھے بھاگی۔ لیکن دکان دار اپنی دکانوں کی طرف آ رہے تھے اور وہ اسے جانتے بھی تھے۔ انہیں دیکھ کے وہ مجبوراً جلدی سے باغ میں واپس چلی گئی۔

ژرویاں ویربیر کی طرف روانہ ہو گیا تھا اُس کا ارادہ تو ضرور تھا مگر اس تیز سفر میں وہ ماتیلد کو خط نہ لکھ سکا۔ اُس نے کاغذ پر لکھنے کی کوشش کی تو کیلم کانٹے سے بننے لگے۔

وہ اتوار کی صبح کو ویربیر پہنچا۔ جب وہ اسلحہ فروش کی دُکان میں گیا تو اُس آدمی نے مال و دولت ملنے پر اُسے بڑی گرم جوشی کے ساتھ مبارک باد دی۔ سارے شہر میں اسی بات کا چرچا تھا۔

ژرویاں نے اُسے بڑی مشکل سے سمجھایا کہ مجھے دو پستول چاہئیں۔ اُس کے کہنے سے اسلحہ فروش نے پستول بھر دیے۔

تین گھنٹیوں کی آواز آنے لگی۔ فرانس کے گاؤں میں یہ اشارہ سب لوگ سمجھتے ہیں۔ صبح کے وقت گھنٹے بج چکتے ہیں تو ان تینوں گھنٹیوں کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اب گرجا میں نماز شروع ہونے والی ہے۔

ژرویاں شہر کے نئے گرجا میں جا پہنچا۔ عمارت کی تمام اونچی اونچی کھڑکیوں پر قرمزی رنگ کے پردے لگے ہوئے تھے اُس نے دیکھا کہ میں مادام دریناں کی نشست سے دو چار گز پیچھے کھڑا ہوں۔ اُسے یُوں لگا کہ وہ بڑے خضوع و خشوع سے دُعا مانگ رہی ہے۔ جس عورت نے اُس سے اتنی شدید محبت کی تھی اُسے دیکھ کر ژرویاں کا بازو اِس بُری طرح کانپنے لگا کہ شروع میں تو اُس سے اپنی تجویز پر عمل نہ ہو سکا۔ وہ دل میں بولا ——— "مجھ سے یہ نہ ہو گا۔ میرا تو ہاتھ ہی نہیں اُٹھتا۔"

اتنے میں جو نوجوان پادری نماز پڑھا رہا تھا۔ اُس نے وضو کی گھنٹی بجائی

مادام دربنال نے اپنا سر جھکا لیا۔ جو لمحے بھر کے لیے اس کی شال کی تہوں میں بالکل چھپ گیا۔ اب وہ ژولیاں کو ایسی جانی پہچانی معلوم نہ ہو رہی تھی اس نے مادام دربنال پر ایک پستول سے گولی چلا دی، مگر نشانہ خطا ہو گیا اب اس نے دوسرا پستول چلایا۔ وہ گر پڑی۔

چھتیسواں باب

اندوہناک تفصیلات

مجھ سے کسی کمزوری کی توقع نہ رکھو۔ میں نے اپنا بدلہ لے لیا ہے۔
میں قتل کا مستحق ہوں، اور تمہارے سامنے موجود ہوں۔ میرے لئے دعائے
خیر کرو۔

شلر

ژولیاں بے حس و حرکت کھڑا رہ گیا۔ اُسے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ جیسے
تھوڑا سا ہوش آیا تو دیکھا کہ سامعین کے سارے لوگ گرجا سے بھاگے جا رہے
ہیں۔ پادری بھی قربان گاہ کے پاس نہیں تھا۔ کچھ عورتیں چیختی چلاتی بھاگ رہی
تھیں۔ ژولیاں آہستہ آہستہ اُن کے پیچھے چل دیا۔ ایک عورت اوروں سے
آگے نکلنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اُس کا دھکا لگا تو ژولیاں گر پڑا۔ اس گڑبڑ
میں ایک کرسی اُلٹ گئی تھی۔ اُس کے پیر اُس میں پھنس گئے۔ جب وہ اُٹھ کے
کھڑا ہوا تو پتا چلا کہ اس کا گریبان کسی نے پکڑ لیا ہے۔ یہ ایک باوردی سپاہی تھا جو
اُسے گرفتار کر رہا تھا۔ ژولیاں کا ہاتھ خود بخود جیب والے پستولوں کی طرف گیا۔ لیکن

ایک دُوسرے سپاہی نے اُس کے بازو گرفت میں لے لئے۔

پولیس والے اُسے جیل لے گئے۔ ایک کوٹھڑی میں ڈال کے ہتھکڑیاں چڑھا دیں اور اُسے اکیلا چھوڑ گئے۔ دروازہ بند ہو گیا اور اُوپر سے دو دو تالے پڑ گئے۔ یہ سارا کام بڑی جلدی ہوا، لیکن ژرولیاں کو ذرا بھی ہوش نہ تھا۔

ہوش ٹھکانے ہوئے تو وہ زور سے کہنے لگا ـــ "لو، معاملہ ختم ہوا ۔ ۔ ۔ پندرہ دن کے اندر اندر میں ہوں اور پھانسی کا تختہ ۔ ۔ ۔ یا اس دوران میں خودکشی کرنی پڑے گی۔"

اس سے آگے وہ کچھ نہ سوچ سکا۔ سر میں ایسی تکلیف محسوس ہوئی جیسے کسی نے زور سے سر بھینچ رکھا ہو۔ اُس نے چاروں طرف دیکھا کہ یہ ہے کون۔ دو چار منٹ بعد اُسے گہری نیند آ گئی۔

مادام دریتال کے زخم کاری ثابت نہیں ہوئے۔ پہلی گولی تو اُس کی ٹوپی میں سے نکل گئی۔ جس نے مڑ کے دیکھا تو دوسرا فیر ہوا۔ یہ گولی کندھے میں لگی۔ کندھا تو ضرور ٹوٹ گیا۔ لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ وہاں ٹپا کھا کے گولی پھر اُچھلی اور ایک پتھر کے ستون پر پڑی جس کا ایک بڑا سا ٹکڑا ٹوٹ کے نیچے گر پڑا۔

ڈاکٹر نے جو بڑا متین آدمی تھا، نہایت طویل طویل اور مکمل معائنہ کرنے کے بعد مادام دریتال سے کہا ـــ "آپ کی جان نہ بچے تو [illegible]" ـ یہ سُن کر مادام دریتال کو بڑا دُکھ ہوا۔

وہ بہت دن سے واقعی موت کی دعائیں مانگ رہی تھی۔ ایک تو وہ ہر وقت کُڑھتے کُڑھتے یوں ہی کمزور ہو چکی تھی، نئے پادری کے حکم سے موسیو دلامول کو جو

خط لکھا تو وہی حال ہوا کہ مرے پر سو دُرّے۔ اصل میں غم اُسے ژولیاں کی جُدائی کا تھا، مگر وہ اِسے ندامت کہتی تھی۔ یہ نوجوان پادری جس کے پاس وہ اعتراف کے لیئے جایا کرتی تھی۔ بڑا نیک، پرہیزگار اور جوشیلا آدمی تھا۔ اور ابھی ابھی دی نوؔں سے آیا تھا۔ وہ پُوری بات سمجھ چکا تھا۔

مادام دریاؔل سوچ رہی تھی ــــ "مَیں تو مر رہی ہوں لیکن اپنے ہاتھ سے نہیں مر رہی۔ اِس میں کوئی گناہ نہیں۔ اپنی موت پر خوش ضرور ہوں شاید خدا یہ غلطی معاف کر دے۔" وہ یہ بات بھی کہنا چاہتی تھی، مگر ہمّت نہ پڑی ــــ "اور ژولیاں کے ہاتھ سے مرنے میں تو جنّت کا مزا ہے۔"

اُس کے سارے ملنے والے خبر سنتے ہی دوڑے چلے آئے تھے۔ ان لوگوں سے اور ڈاکٹر سے چھٹکارا ملتے ہی مادام دریاؔل نے اپنی خادمہ ایلیزا کو بلایا۔

وہ شرم سے سُرخ ہو کر خادمہ سے بولی ــــ "جیلیہ بڑا بے رحم آدمی ہے۔ وہ ژولیاں پر یقیناً سختی کرے گا، اُسے تو یہ خیال ہوگا کہ مَیں اِس بات سے خوش ہوں گی . . . میرے تو سوچ کے بھی رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ تم جیلیہ کے پاس اِس طرح جاؤ جیسے خود آئی ہو۔ اور یہ روپیوں کی تھیلی اُسے دے دو، اُس سے کہہ دینا کہ ژولیاں کو ستایا تو خدا ناراض ہوگا . . . لیکن یہ تاکید کر دینا کہ اِس روپیہ کا ذکر کسی سے نہ کرے۔"

جیلیہ نے ژولیاں کے ساتھ اِنسانیّت کا سلوک کیا تو اس کی وجہ یہی تھی۔ یہ وہی حکومت کا سچّا حامی موسیو نوارو تھا جسے ہم پہلے دیکھ چکے ہیں کہ موسیو آپیر کی آمد سے اتنا گھبرا گیا تھا۔

اب جیل میں ایک مجسٹریٹ آیا۔ ژولیاں نے اُس سے کہا ——— "میں نے قتل عمداً کیا ہے۔ میں نے فلاں اسلحہ فروش سے پستول خریدے اور انھیں بھروایا۔ تعزیرات کی دفعہ ۱۳۴۲ کے تحت معاملہ بالکل صاف ہے۔ میں موت کی سزا کا مستحق ہوں۔ اور اسی انتظار میں بیٹھا ہوں۔" سفلہ مزاج مجسٹریٹ کی سمجھ ہی میں نہ آیا کہ کوئی آدمی اتنا پُرخلوص اور صاف گو کیسے ہو سکتا ہے۔ وہ اور سوالات پوچھنے لگا تاکہ ملزم گڑبڑا جائے اور خود ہی اپنی تردید کرے۔

ژولیاں نے مسکرا کر کہا ——— "آپ یہ نہیں دیکھتے کہ میں وہی کر رہا ہوں جو آپ چاہتے ہیں۔ اور میں اقبالی مجرم ہوں۔ جناب! جائیے! اطمینان رکھئے آپ کا شکار ہاتھ سے نہیں نکلے گا۔ آپ موت کی سزا دینا چاہتے ہیں، یہ خوشی آپ کو حاصل ہو جائے گی۔ یہاں ٹھیرنے کی ضرورت نہیں! مجھے اس نوازش سے معاف رکھئے"

ژولیاں سوچنے لگا ——— "مجھے ایک تکلیف دہ فرض ابھی اور انجام دینا ہے۔ مادموازیل دلامول کو خط لکھ دینا چاہیئے"۔

اُس نے لکھا ——— "میں نے اپنا انتقام لے لیا۔ بدقسمتی سے میرا نام اخباروں میں شائع ہوگا، اور میں اس دنیا سے گمنامی کی حالت میں رخصت نہیں ہو سکتا۔ میں تم سے معافی کی درخواست کرتا ہوں۔ میں دو مہینے کے اندر مرجاؤں گا۔ میرا انتقام بڑا خوفناک رہا۔ لیکن تم سے جدا ہونے کا رنج بھی اس سے کچھ کم نہیں ہے۔ میں عہد کرتا ہوں کہ آج سے تمہارا نام نہ تو زبان سے لوں گا نہ قلم سے لکھوں گا۔ میرا کبھی ذکر نہ کرنا۔ یہاں تک کہ میرے بیٹے سے بھی نہیں۔ تمہارے دل میں میری عزت ہے تو بالکل خاموش رہنا۔ میں چاہتا ہوں کہ عام

لوگ مجھے بس ایک معمولی قاتل سمجھیں ۔ ۔ ۔ ۔ اس آخری وقت مجھے سچی بات کہنے کی اجازت دو ——— تم مجھے بھول جاؤ گی ۔ میں تاکید کرتا ہوں کہ اس واقعے کا ذکر کسی سے نہ کرنا ۔ تمہارے کردار میں جتنی رومانیت اور دلیری میں نے دیکھی ہے وہ اس عظیم حادثے کے بعد کئی سال کے لئے دب کے رہ جائیگی تم تو اس قابل تھیں کہ از منۂ متوسط کے دلاوروں کی محبوبہ بنتیں ۔ اس نازک مرحلے پر انہیں کی سی پختگی اور ثابت قدمی دکھاؤ ۔ جو کچھ ہونا ہے وہ چپ چاپ ہو ، اور تمہارے اوپر حرف نہ آنے پائے ۔ اپنا کوئی فرضی نام رکھ لینا ۔ درکسی کو محرم راز نہ بنانا ۔ اگر کسی دوست کی مدد کے بغیر کام نہ چل سکے تو میں وصیت کرتا ہوں کہ پادری پی رار سے رجوع کرنا ۔

" درکسی سے بات نہ کرنا خصوصاً اپنے طبقے کے لوگوں یعنی دوتوزنڈکے لو وغیرہ سے ۔

" میرے مرنے کے سال بھر بعد ہوسیو دکردا ! تو اسے شادی کر لینا میں شوہر کی حیثیت سے تمہیں حکم دے رہا ہوں ۔ مجھے خط نہ لکھنا ۔ میں جواب نہیں دوں گا ۔ میں ایاگو کے برابر تو بدمعاش نہیں ہوں لکم سے کم مجھے یہی معلوم ہوتا ہے اگر میں اسی کے الفاظ میں کہتا ہوں ——— آج سے ایک لفظ میری زبان سے نہیں نکلے گا

" اب مجھے کوئی بات کرتے یا خط لکھتے نہیں دیکھے گا ۔ یہ میرے آخری الفاظ ہیں اور میری محبت کا آخری اظہار ۔

ژ ــ س "

جب وہ خط روانہ کر چکا تو ژولیاں کو تھوڑا سا ہوش آیا ، اور اب وہ پہلی دفعہ

غم کے مارے نڈھال ہونے لگا۔ "میں مرنے والا ہوں" ـــــ یہ الفاظ دماغ میں آئے تو اُس کی ساری تمنائیں ایک ایک کرکے اُس کا کلیجہ نوچنے لگیں۔ موت بجائے خود اُس کے لئے خوفناک نہ تھی۔ عمر بھر وہ مصیبت ہی سے دوچار ہونے کے لیئے تیار رہا تھا۔ اور جس چیز کو سب سے بڑی مصیبت کہا جاتا ہے اُس سے کبھی غافل نہ ہوا تھا۔

وہ دل میں بولا ـــــ "ہیں! اگر آج سے ساٹھ دن بعد مجھے شمشیر زنی میں مہارت رکھنے والے کسی آدمی سے ڈوئیل لڑنی پڑے تو کیا میں اتنی کمزوری دکھاؤں گا کہ ہر وقت اسی کے بارے میں سوچ سوچ کے لرزتا رہوں؟"

وہ گھنٹے بھر سے بھی زیادہ یہی سوچتا رہا کہ اِس چیز کے متعلق میرے احساسات کیا ہیں۔

جب وہ اپنی روح کا اچھی طرح معائنہ کر چکا اور حقیقت اِس طرح صاف صاف نظر آنے لگی جیسے جیل کا کھمبا تو پھر اُسے ندامت کا خیال آیا۔

"مجھے ندامت کیوں ہو؟ میری بڑی بے عزتی ہوئی ہے۔ مَیں نے جان لی۔ میں سزائے موت کا مستحق ہوں۔ بس معاملہ ختم۔ میں انسانیت سے اپنا بدلہ چکا نے کے بعد مر رہا ہوں۔ اب کوئی ایسا فرض باقی نہیں رہا جو مَیں نے ادا نہ کیا ہو۔ اب میں کسی کا مقروض نہیں ہوں۔ میرے مرنے میں اگر کوئی شرم کی بات ہے تو بس مرنے کا طریقہ۔ یہ واقعی درست ہے کہ مجھے ویریئر کے لوگوں کی نظر میں ذلیل کرنے کیلئے یہ بات بجائے خود بہت ہوگی۔ لیکن ذہنی نقطۂ نظر سے یہی چیز انتہائی حقیر ہے! اُن کی نگاہ میں امتیاز حاصل کرنے کا تو بس ایک طریقہ رہ گیا ہے یعنی جب قتل گاہ کی طرف

جاؤں تو راستے میں لوگوں کے اوپر اشرفیاں برساتا جاؤں۔ میری یاد اشرفیوں کے خیال سے وابستہ ہوگئی تو میرا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔"

منٹ بھر بعد یہ خیال اُسے قطعی اور فیصلہ کن معلوم ہونے لگا۔ وہ دل میں بولا۔۔۔

"اب دنیا میں اس کے سوا مجھے اور کچھ نہیں کرنا۔" اور وہ گہری نیند سو گیا۔ رات کے نو بجے جیلر نے اُسے جگایا اور کھانا سامنے رکھا۔

"شہر میں لوگ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"موسیو ژولیاں جس دن میرا تقرر ہوا ہے میں نے عدالت میں صلیب کے سامنے جو قسم کھائی تھی اس سے مجبور ہوں کچھ بتا نہیں سکتا۔"

وہ چپ ہو رہا، مگر گیا نہیں۔ یہ مبتذل قسم کی ریاکاری دیکھ کے ژولیاں کو بڑا مزا آیا۔ وہ دل میں بولا۔۔۔ "یہ اپنا ضمیر پانچ فرانک میں بیچنا چاہتا ہے میں اُسے خوب انتظار میں رکھوں گا۔"

جیلر نے دیکھا کہ کھانا تو ختم ہو گیا، مگر اس نے مجھے ورغلانے کی کوشش نہیں کی۔ وہ بڑے تصنع کے ساتھ میٹھے لہجے میں بولا۔۔۔ "موسیو ژولیاں مجھے آپ سے بڑا لگاؤ ہے۔ اس لئے میں بتائے دیتا ہوں۔ لوگ کہیں گے تو سہی کہ یہ بات انصاف کی رُو سے غلط ہے، کیونکہ اس سے آپ کو اپنی صفائی پیش کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔۔۔ موسیو ژولیاں آپ بڑے اچھے آدمی ہیں۔ آپ کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ مادام ورینال خیریت سے ہیں۔"

"ہیں! وہ مریں نہیں!" ژولیاں ایک دم سے چیخ پڑا، اور کھانا چھوڑ کے اُٹھ کھڑا ہوا۔ حیرت کے مارے اس کے ہوش و حواس گم تھے۔

"ارے، آپ کو معلوم نہیں تھا؟" جیلر کے چہرے سے حماقت ٹپکنے لگی۔ مگر خوشی
اور لالچ نے فوراً اس کی جگہ لے لی۔ "قانون کی رو سے ڈاکٹر کو ایسی بات بتانے
کی اجازت نہیں۔ اگر آپ انہیں کچھ نذر کر دیں تو مناسب ہوگا۔ آپ کے خیال سے
میں اُن کے یہاں چلا گیا تھا۔ اور انہوں نے سب کچھ بتا دیا۔۔۔"

"یعنی زخم ایسا نہیں آیا کہ جان کا خطرہ ہو۔" ژولیاں نے بے صبری سے جیلر
کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "یہ سمجھ لو کہ جھوٹ بولا تو پھر تمہاری خیر نہیں۔"

جیلر چھ فٹ لمبا ہی تھا، مگر ڈر گیا اور دروازے کی طرف ہٹنے لگا۔ ژولیاں
نے دیکھا کہ صحیح بات معلوم کرنے کا یہ طریقہ نہیں۔ وہ پھر بیٹھ گیا۔ اور موسیو فرارو کی
طرف ایک سکہ پھینکا۔

اُس آدمی کا بیان سن کر ژولیاں کو یقین آنے لگا کہ مادام دریناں کا زخم
خطرناک نہیں ہے۔ اب اس کی آنکھوں میں آنسو امنڈ آئے۔ اُس نے ایک دم
سے چلا کے کہا —— "یہاں سے چلے جاؤ۔"

جیلر نے حکم کی تعمیل کی۔ دروازہ بند ہوتے ہی ژولیاں چیخ اٹھا —— "خدایا!
وہ مری نہیں!" اور گھٹنوں کے بل جھک کے زار و قطار رونے لگا۔

اس وقت وہ خدا پر ایمان لے آیا۔ پادری ریاکار ہیں تو اس سے کیا ہوتا
ہے؟ کیا وہ خدا کے تصور کی صداقت اور عظمت کو بھی ختم کر سکتے ہیں؟

اب جا کے اُسے اپنے جرم پر ندامت محسوس ہوئی۔ پیرس سے چلنے کے بعد
سے لے کر اب تک وہ ایک مسلسل آشفتگی اور نیم دیوانگی کی حالت میں رہا تھا۔ حسن
اتفاق سے یہ کیفیت بھی اسی وقت دور ہو گئی۔ اور وہ ناامیدی سے بچ گیا۔

اِن آنسوؤں کا ذخیرہ آسانی سے ختم ہونے والا نہ تھا۔ اب اِس بات میں اُسے ذرا بھی شک نہ رہا تھا کہ مجھے سزا کیا ملنے والی ہے۔

وہ دل میں کہہ رہا تھا ——"تو یعنی وہ زندہ رہے گی!۔۔۔۔ مجھے معافی دینے اور مجھ سے محبّت کرنے کے لئے زندہ رہے گی!"

اگلے روز خاصے دن چڑھے جیلر نے اُسے جگایا اور کہنے لگا —"موسیو ژدلیاں آپ تو بڑے ہی نفیس آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ میں دو دفعہ اندر آیا، لیکن آپ کو جگانے کو جی نہ چاہا۔ یہ لیجئے، بڑی عُمدہ شراب کی دو بوتلیں ہیں۔ ہمارے پادری موسیو ماس لوں نے آپ کو بھیجی ہیں۔"

"ہیں؟ وہ بدمعاش ابھی تک یہیں ہے؟" ژدلیاں نے کہا۔

"جی ہاں!" جیلر نے ہلکے سے جواب دیا۔"لیکن اتنے زور سے تو نہ بولئے ممکن ہے آپ کو خواہ مخواہ کوئی نقصان پہنچ جائے!"

ژدلیاں کھِل کھلا کے ہنس پڑا۔

"میرے دوست! میں جس منزل پر پہنچ چکا ہوں۔ وہاں تو بس ایک تمہیں مجھے نقصان پہنچا سکتے ہو۔ یعنی اگر مجھ سے نرمی اور انسانیت کا سلوک نہ کرو تو۔۔۔۔ تمہیں اس کا انعام ملے گا!" ژدلیاں نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ اور پھر وہی شاہانہ انداز اختیار کر لیا۔ اِس انداز کا جواز بھی فوراً ایک چھوٹے سے سکّے کی شکل میں حاضر ہوگیا۔

مادام درینال کے متعلق جتنی باتیں سُنی تھیں وہ موسیو ژدلیاں نے پوری تفصیلات کے ساتھ ایک مرتبہ پھر سنائیں، لیکن ایلیزا کے آنے کا ذکر نہیں کیا۔

یہ شخص انتہائی عاجزی اور خاکساری برت رہا تھا۔ ژولیاں کو ایک نئی بات سُوجھی ——— "یہ بے کار ہی دیو بنا پھرتا ہے، چاہے تو اچھے خاصے تین چار سو فرانک کما سکتا ہے، کیونکہ اس کے جیل خانے میں بھیڑ بھاڑ تو ہوتی نہیں۔ اگر یہ میرے ساتھ سوئٹزرلینڈ بھاگ چلے تو اسے دس ہزار فرانک دینے کا زبانی وعدہ کرتا ہوں . . . . مشکل یہ ہے کہ اسے اپنے خلوص کا یقین کیسے دلاؤں۔" ژولیاں کو خیال آیا کہ اس کمینے آدمی سے گھنٹوں سر کھپانا پڑے گا۔ یہ سوچ کے اُسے گھن آنے لگی۔ اور اُس نے اپنے خیالات کا رُخ دُوسری چیزوں کی طرف پھیر دیا۔

شام کو پھر اس بات کا وقت ہی نہیں رہا۔ آدھی رات کو ایک گاڑی اُسے لینے آئی۔ سفر میں اُسے اپنے ساتھی یعنی پولیس کے سپاہی بہت اچھے لگے۔ صبح کو وہ بساں سوں کی جیل میں پہنچا تو اُن لوگوں نے از راہ نوازش اُسے ایک گاتھک طرز کے قید خانے میں اوپر کی منزل پر رکھا۔ اُس نے اندازہ لگایا کہ یہ طرز تعمیر چودھویں صدی کے شروع زمانے کا ہے۔ اُسے عمارت کی کشادگی اور نفاست بڑی پسند آئی۔ لمبے چوڑے صحن کے آخر میں دو دیواروں کے درمیان تھوڑی سی جگہ خالی تھی، وہاں سے ایک بڑے حسین منظر کی جھلک سی نظر آتی تھی۔

اگلے دن اُس سے کچھ سوالات ہوئے۔ اس کے بعد کئی دن تک کسی نے کوئی تعرض نہ کیا۔ وہ بالکل پُرسکون تھا۔ اُسے اپنا مقدمہ صاف ستھرا اور سیدھا سادا معلوم ہوتا تھا ——— "میں نے جان لینے کی کوشش کی۔ اس کے بدلے میں میری جان بھی جانی چاہیئے۔"

اُس کے خیالات یہیں اٹک کے نہیں رہ گئے۔ مقدمہ، لوگوں کے سامنے

عدالت میں پیش ہونے کی تکلیف، اپنی صفائی، یہ سب چیزیں اُسے نہایت ہی حقیر سی پریشانیاں اور بے لطف رسمیں معلوم ہوتی تھیں جن کے بارے میں دن کے دن ہی سوچنا بہتر تھا۔ موت کا خیال بھی اُسے زیادہ دیر متوجہ نہ رکھ سکا ——" اس کے بارے میں تو اُس وقت سوچوں گا جب سزا کا حکم ملے گا۔" زندگی اُسے ذرا بھی بے کیف نہ لگ رہی تھی۔ وہ ہر چیز کو ایک نئی نظر سے دیکھ رہا تھا۔ اب اُس کے دل میں کوئی تمنّا باقی نہ تھی۔ مادموازیل دلاموّل کا خیال بھی مشکل ہی سے آتا تھا۔ البتّہ اُسے ندامت کا احساس بہت تنگ کرتا تھا۔ اور مادام درینال کی صورت اُس کی آنکھوں میں اکثر پھرنے لگتی تھی۔ خصوصاً رات کی تنہائی اور خاموشی میں کہ جب اس اونچی کوٹھڑی میں عقاب کے سوا اور کسی کی آواز تک نہ سنائی دیتی تھی!

وہ خدا کا شکر ادا کر رہا تھا کہ مادام درینال کی جان بچ گئی۔ وہ دل میں کہہ رہا تھا —— "عجیب بات ہے! میرا تو خیال تھا کہ اس نے موسیو دلاموّل کو خط لکھ کے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے میری خوشی کا خاتمہ کر دیا۔ لیکن اس خط کو پندرہ دن بھی نہیں ہوئے کہ اب مجھے اُن تمام باتوں کا خیال بھی نہیں آتا جو پہلے میرے دماغ پر حاوی تھیں۔ . . . کاش مجھے ورژی جیسے پہاڑی گاؤں میں اطمینان سے رہنے کے لیے دو تین ہزار لیورمل جاتے . . . . اُن دنوں میں کتنا خوش تھا . . . لیکن مجھے خود اپنی خوشی کا علم نہ تھا!"

بعض دفعہ وہ بیٹھے بیٹھے اپنی کرسی سے اُچھل پڑتا —— اگر مادام درینال میری گولی سے مر جاتی تو میں اپنے گولی مار لیتا . . . . اگر مجھے اس بات کا

ٹھیک ٹھیک پتا نہ چلا تو اپنے آپ سے گھن آنے لگے گی۔

"اپنے ہاتھ سے اپنی جان لے لوں! اصل سوال یہی ہے۔ یہ جج لوگ تو رسمیات کے علام ہوتے ہیں، ہمارے قیدی کے خون کے پیاسے، بس ایک نکتہ مل جائے تو اچھے سے اچھے آدمی کو پھانسی پر لٹکانے کو تیار...... مجھے اپنے آپ کو ان کے قبضۂ قدرت سے نکال لینا چاہیے، بُری فرانسیسی میں ان کی لعن طعن نہیں سننی چاہیئے جسے مقامی اخبار فصاحت و بلاغت کے نام سے موسوم کرینگے۔

"میں ابھی کم و بیش پانچ چھ ہفتے اور زندہ رہ سکتا ہوں.... اپنے ہاتھ سے اپنی جان لے لوں! خدا کی قسم، نہیں!" وہ دو چار دن بعد بولا "نپولین بھی تو زندہ رہا تھا....

"اس کے علاوہ مجھے زندگی کیسی اچھی لگتی ہے۔ یہ بڑی پُرسکون جگہ ہے۔ یہاں مجھے کسی قسم کی بھی تو پریشانی نہیں" وہ ہنستے ہوئے بولا: اور اُن کتابوں کی فہرست بنانے بیٹھ گیا جو وہ پیرس سے منگوانا چاہتا تھا۔

سینتیسواں باب

کال کوٹھری

ایک دوست کی قبر

اسٹرن

باہر دالان میں سے شور و غل کی آواز آئی۔ یہ لوگوں کے اس کی کوٹھری میں آنے کا وقت نہیں تھا۔ عقاب چیختا ہوا اُڑ گیا۔ دروازہ کھُلا اور محترم پادری شیلاں تھر تھر کانپتا اپنی چھڑی کا سہارا لئے تژولیاں کے بازوؤں میں آگرا۔

"خدایا! یہ کیا ہو گیا، میرے بچے! . . . . بلکہ مجھے تو کہنا چاہیئے، جانور!"

اس کے بعد بیچارا نیک دل بڈھا ایک لفظ نہ کہہ سکا۔ تژولیاں ڈرا کہ یہ کہیں گر نہ پڑے۔ اُس نے سہارا دے کے پادری کو کرسی پر بٹھایا۔ پہلے یہ بڈھا کیسا چاق چوبند تھا۔ لیکن وقت نے اُس پر بڑا ظلم ڈھایا تھا۔ تژولیاں نے دیکھا کہ یہ تو پہلے سے چوتھائی بھی نہیں رہا۔

جب ذرا سانس ٹھیک ہوا تو پادری بولا — "ابھی پرسوں ہی تو اسٹراس برگ سے تمہارا خط آیا تھا، اور ساتھ میں وہ پانچ سو فرانک بھی جو تم نے ویریئیر کے

حاجت مندوں کے لئے بھیجے تھے۔ میں پہاڑ پر اپنے بھتیجے ژاں کے ساتھ لورپویں رہتا ہوں، یہ خط مجھے وہیں ملا تھا۔ کل اس حادثے کی خبر ملی . . . . خدایا! یہ کیا ہو گیا؟ بڈھے کے آنسو رک گئے۔ ایسا معلوم ہوا کہ اب اُس سے سوچا ہی نہیں جا رہا۔ وہ بالکل مشین کی طرح بولا ——— "تمہیں اپنے پانچ سو فرانک کی ضرورت پڑے گی۔ میں واپس لے آیا ہوں۔"

"مجھے تو بس آپ کو دیکھنے کی ضرورت تھی!" ژولیاں کا دل گداز ہو گیا تھا۔ "روپیہ تو میرے پاس بہت ہے۔"

لیکن اُسے پادری سے کوئی مربوط جواب نہ مل سکا۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد موسیو شیلاں چپ چاپ دو ایک آنسو بہا دیتا جو اُس کے رخساروں پر ڈھلکنے لگتے پھر وہ ژولیاں کی طرف تکنے لگتا، اور جب یہ دیکھتا کہ وہ میرے ہاتھ چوم رہا ہے تو بالکل مبہوت رہ جاتا۔ ایک زمانے میں وہ بڑا ہنس مکھ تھا، اور اُس کے چہرے سے شرافت اور نیکی برستی رہتی تھی۔ لیکن اب تو بے حسی کا انداز کسی طرح دور ہی نہ ہوتا تھا۔ اتنے میں ایک دیہاتی قسم کا آدمی پادری کو ساتھ لے جانے کے لئے آیا۔ ژولیاں سمجھ گیا کہ بھتیجا یہی ہے۔ وہ ژولیاں سے بولا ——" ان کا زیادہ باتیں کرنا ٹھیک نہیں ہے، تھک جاتے ہیں۔" پادری سے ملاقات کے بعد تو ژولیاں کے رنج و غم کی انتہا نہ رہی۔ اُس کے آنسو تک رک گئے۔ اُسے کہیں بات کا سرا نہ ملتا تھا، ہر چیز غم زدہ معلوم ہوتی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے سینے میں دل منجمد ہو کے رہ گیا ہو۔

جرم کرنے کے بعد اُسے اتنی اذیت کبھی نہ ہوئی تھی، جتنی اس وقت ہو رہی تھی،

موت بالکل سامنے کھڑی نظر آ رہی تھی، اور انتہائی گھناؤنی شکل میں۔ روحانی عظمت اور رواداری کے سارے خواب اس طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے تھے۔ جیسے طوفان سے پہلے بادل پارہ پارہ ہو جاتے ہیں۔

یہ خوف ناک صورتِ حال کئی گھنٹے جاری رہی۔ آدمی کے اندر اخلاقی زہر پھیل جائے تو جسمانی دواؤں اور شراب کی ایک بوتل کی ضرورت پڑتی ہے۔ اگر ژولیاں ان چیزوں کا سہارا لیتا تو اپنے آپ کو سخت بزدل سمجھتا۔ اس نے سارا دن بڑی مصیبت میں گزارا اور اپنی تنگ سی کوٹھری میں اِدھر اُدھر ٹہلتا رہا۔ آخر شام کے وقت بولا ـــــ "میں بھی کیسا بے وقوف ہوں! اگر مجھے بستر پر لیٹے لیٹے مرنے کی توقع ہوتی تب تو ٹھیک تھا کہ اس بچارے بڈھے کو دیکھ کے مجھے اتنا رنج ہو۔ لیکن میں تو بھری جوانی میں مر رہا ہوں۔ اور اتنی تیزی کے ساتھ ان حالات میں تو مجھے ایسا مرتیلاپن نہیں دکھانا چاہئے۔"

اتنی بحث و تمحیص کے بعد بھی ژولیاں نے دیکھا کہ ہر بزدل آدمی کی طرح میرے دل پر بھی اس ملاقات کا بڑا اثر پڑا ہے۔ اور نتیجتاً میں غم کے مارے نڈھال ہو گیا ہوں۔

اب ژولیاں میں اس رومیوں والی صفت یعنی رعب داب اور سختیاں جھیلنے کی طاقت کا نشان تک باقی نہ رہا تھا۔ موت اب بھی اتنی بلندی پر نظر آ رہی تھی کہ وہاں پہنچنا پہلے کی طرح آسان نہ رہا تھا۔

وہ دل میں بولا ـــــ "اب میں اسی تھرمامیٹر سے کام لوں گا۔ قتل گاہ تک جانے کے لئے مجھے جس ہمت کی ضرورت ہے۔ آج شام میں اس سے دس درجے

نیچے ہوں۔ صبح مجھ میں وہ ہمت موجود تھی۔ خیر، اس سے ہوتا ہی کیا ہے، اصل چیز تو یہ ہے کہ وقت پر دل میں ہمت آ جائے۔" اس تھرنا میرڈ والی بات پر اُسے بڑی ہنسی آئی، اور آخر اُس کا دل بہل گیا۔

اگلے دن صبح آنکھ کھلی تو اُسے اپنی کل والی حرکت پر بڑی شرم آئی۔ "میرے دل کا سکون، میری خوشی داؤ پر لگ چکی ہے۔" اُس نے قریب قریب ارادہ کر لیا کہ سرکاری وکیل کو لکھ دوں گا میری کوٹھری میں کسی کو آنے کی اجازت نہ دی جائے "پھر سوچا ـــــ" اور فوکے؟ اگر وہ کہیں بیساں سوں آ گیا تو اُسے کتنی پریشانی ہوگی۔"

اُسے شاید دو مہینے سے فوکے کا خیال ہی نہ آیا تھا۔ "اسٹراس برگ میں تو میں بالکل احمق بن کے رہ گیا تھا۔ کپڑوں کے سوا کسی چیز کے بارے میں سوچتا ہی نہ تھا۔" فوکے کی یاد اُسے بار بار ستانے لگی، اور اب اُس کا دل پہلے سے بھی زیادہ گداز ہو گیا۔ وہ ہیجان کے عالم میں اِدھر سے اُدھر ٹہلنے لگا۔ "اس وقت تو میں موت کی سطح سے بیس درجے نیچے ہوں۔ . . . اگر یہ کمزوری یوں ہی بڑھتی گئی تو بہتر ہوگا کہ میں گلا گھونٹ کے مر جاؤں۔ اگر میں اس کوٹھری میں چوہے کی طرح سڑ کے مر گیا تو ماسلوں اور والنو جیسے لوگوں کو کتنی خوشی ہوگی!"

فوکے آ پہنچا۔ یہ سیدھا سادا اور نیک دل آدمی غم کے مارے نڈھال ہو رہا تھا۔ اگر اُس کے ذہن میں کوئی خیال تھا تو بس یہ کہ اپنی ساری چیزیں بیچ کے جیلر کی مٹھی گرم کروں اور ژولیاں کی جان بچا لوں۔ وہ گھنٹوں موسیو دلا والت کے جیل سے بھاگ جانے کی داستان بیان کرتا رہا۔

"مجھے یہ بات سن کے بڑی تکلیف ہوئی۔" ژولیاں نے کہا "موسیو دلا والت

بے گناہ تھا، میں قصور وار ہوں۔ تمہارا مطلب تو واقعی یہ نہیں ہے، لیکن تم نے مجھے یہ بات سمجھا دی کہ اُس میں اور مجھ میں کتنا بڑا فرق ہے . . . ."

"لیکن کیا یہ ٹھیک ہے؟ تم اپنی ساری جائداد بیچ دو گے؟" دُولیاں ایک دم سے پھر اُسی طرح چوکنا اور شکی مزاج بن گیا۔

فوکے یہ دیکھ کر بڑا خوش ہوا کہ مجھے جس بات کا بار بار خیال آرہا تھا میرے دوست نے اُس کے بارے میں کچھ سوچا تو سہی۔ اُس نے زیادہ سے زیادہ سو فرانک کی کمی بیشی کے ساتھ تفصیل وار بتایا کہ کون سی زمین کا کتنا روپیہ مل سکتا ہے۔

دُولیاں سوچنے لگا ـــــ ایک چھوٹے سے زمیندار کے لئے کتنی بڑی قربانی ہے! یہ بڑا کنجوس ہے۔ پیٹ کاٹ کر پیسہ جوڑا ہے۔ اس کی حرکتوں پر تو مجھے بھی شرم آیا کرتی تھی۔ لیکن اب میری خاطر سب کچھ قربان کر دینے کو تیار ہے! مارکوئس دلاموں کے یہاں آنے والے نفیس نوجوان جو "دینے" پڑھا کرتے تھے۔ اس شخص کی حماقتوں سے بیزار تھے۔ لیکن اُن دو چار آدمیوں کو چھوڑ کے جو ابھی نوعمر ہیں، دولت ورثے میں پائی ہے اور روپیہ کی قدر و قیمت سے واقف نہیں، ان پیرس والوں میں کون ایسا ہے جو اتنی بڑی قربانی کر سکے؟"

فوکے کی ساری زبان کی غلطیاں، اُس کے عامیانہ طور طریقے ایک دم سے غائب ہو گئے۔ دُولیاں نے اُسے گلے لگا لیا۔ پیرس کے مقابلے میں قصبات کو ایسی داد کبھی نہیں ملی۔ فوکے نے اپنے دوست کی آنکھوں میں ایسے جوش کی جھلک دیکھی تو بہت خوش ہوا اور سمجھا کہ یہ بھاگ چلنے کو راضی ہے۔

دسینشلاں کی آمد نے دُولیاں کا سارا زور چھین لیا تھا۔ لیکن رفعت و عظمت

کا جلوہ دیکھ لینے کے بعد اُسے اپنی ہمت واپس مل گئی۔ ابھی اس کی عمر ہی کیا تھی لیکن میرے خیال میں یہ پودا تھا بڑا ہونہار۔ اکثر لوگوں کا دل شروع میں تو گداز ہوتا ہے لیکن آہستہ آہستہ چالاک بنتے جاتے ہیں۔ اس کے برخلاف ژدلیاں آگے چل کے نہایت رقیق القلب ثابت ہوتا، اور اس کی مجنونانہ بے اعتمادی بھی ختم ہو جاتی...

لیکن ایسی فضول پیشین گوئیوں سے کیا فائدہ؟

ژدلیاں نے ہزار کوشش کی اور ایسے جواب دئے کہ معاملہ طول نہ پکڑے۔ لیکن اب اس سے روز سوال ہونے لگے۔ وہ روز یہی کہتا ——— "میں نے جان لی ہے مگر ہے کم میری کوشش یہی تھی، اور عمداً۔" لیکن مجسٹریٹ ڈاکٹر اہم ہو بیٹ تھا۔ ژدلیاں کے بیانات سے یہ سوال جواب کا سلسلہ ختم نہیں ہوا۔ بلکہ مجسٹریٹ چڑ گیا۔ ژدلیاں کو یہ بات معلوم نہ تھی کہ لوگوں نے تو اُسے ایک بڑی گندی کوٹھری میں تبدیل کرنا چاہا تھا۔ لیکن توکے نے دوڑ دھوپ کر کے اُسے یہیں اس پیارے سے کمرے میں رہنے کی اجازت دلوا دی جو زمین سے ایک سو اسی سیڑھی اونچا تھا۔

پادری دفری لیبیر اُن اہم لوگوں میں سے تھا جو توکے سے جاننے کی کوشش کی خرید تھے۔ بچارا تاجر دوڑا دوڑا اس بڑے پادری کے پاس پہنچا جو بڑے اثر رسوخ کا آدمی تھا۔ موسیو دفری لیبیر نے کہا کہ میں ژدلیاں کی خوبیوں اور اس نے دارالعلوم کی جو خدمات کی ہیں اُن سے بڑا متاثر ہوں، اور ججوں سے اُس کی سفارش ضرور کر دوں گا۔ یہ سن کے توکے بہت خوش ہوا اور اُسے اپنے دوست کی جان بچنے کی تھوڑی سی اُمید نظر آئی۔ وہ زمین تک جھک کے آداب بجا لایا۔ اور رخصت ہوتے وقت پادری

کو دس اشرفیاں دے کر التجا کی کہ گرجا میں قیدی کے چھُٹنے کی دعا کرائیے۔

ژیکے نے بڑی حماقت کی۔ موسیو دفری لبیرؔ کوئی ولی نہ تھوڑی تھا۔ پادری نے روپیہ لینے سے انکار کر دیا، بلکہ بچارے دیہاتی کو سمجھانے کی کوشش کی کہ یہ روپیہ جیب میں رکھ لو تو بہتر ہو گا۔ اُس نے دیکھا کہ میں نے صاف صاف بات کہی تو جیروسو اندیشی سے بعید ہو گا۔ چنانچہ اُس نے مشورہ دیا کہ اِس روپے کو قیدیوں میں خیرات کے طور پر بانٹ دو کیونکہ اُن بچاروں کو ہر بات کی پریشانی ہے۔

موسیو دفری لبیرؔ سوچنے لگا —— "یہ ژولیاں بھی عجیب آدمی ہے۔ اس نے جو حرکت کی ہے، اس کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ مجھ سے تو کوئی بات چھُپی نہیں رہنی چاہیئے۔ . . . . موقع ہُوا تو اسے شہید بنا لیں گے۔ . . . بہرحال میں کسی نہ کسی طرح اندرونی بات کا پتا چلا ہی لوں گا۔ شاید مادام درینال کو ڈرانے دھمکانے کا بھی موقع مل جائے۔ وہ ہم لوگوں کی ذرا عزت نہیں کرتی، بلکہ مجھے تو دل میں بڑا حقیر سمجھتی ہے۔ . . . . شاید کوئی ایسی بات بھی ہاتھ آ جائے جس کے ذریعے موسیو دلامول سے ایک دم صلح صفائی ہو جائے۔ انہیں اِس بچارے طالب علم سے بڑا لگاؤ ہے۔"

مقدمے کا راضی نامہ تو کئی مہینے پہلے لکھا جا چکا تھا، اور پادری پی رار لبانسوں سے روانہ ہو گیا تھا۔ جس دن ویریئر کے گرجا میں اس بدنصیب نے مادام درینال کو قتل کرنے کی کوشش کی ہے، اُسی دن پی رار نے لوگوں کو ژولیاں کی ولادت کا راز بتایا تھا۔

ژولیاں کو اپنی موت سے پہلے بس ایک ہی ناخوشگوار واقعے کا ڈر تھا یعنی

باپ کے آنے کا۔ اُس نے فو کے سے مشورہ کیا کہ میرا خیال ہے سرکاری وکیل کو لکھ دوں۔ اب میرے پاس کسی کو نہ آنے دیا جائے۔ لکڑی کا تاجر متوسط طبقے کا آدمی تھا۔ اور اُوپر سے نیک دل اور سیدھا سادا۔ اُس نے دیکھا کہ ژولیاں کو ایسے وقت باپ کے خیال سے گھن آرہی ہے تو اُسے بڑی تکلیف ہوئی۔

اُسے خیال ہُوا کہ لوگ جو میرے دوست سے اتنی سخت نفرت کرتے ہیں تو اس کی وجہ اب میری سمجھ میں آگئی۔ لیکن ژولیاں اس وقت مصیبت میں تھا۔ یہ دیکھ کے فو کے چپ ہو گیا اور اپنے جذبات ظاہر نہیں ہونے دیئے۔

اُس نے سرد مہری سے جواب دیا ——— "بہر حال اس قسم کا حکم نافذ ہوا تو بھی تمہارے والد اس کی زد میں نہیں آئیں گے۔"

اڑتیسواں باب

ایک صاحبِ اقتدار شخص

لیکن اس کی حرکات وسکنات بڑی پُر اسرار ہیں، شکل سے نفاست ٹپکتی ہے۔ یہ عورت ہے کون؟

شلکر

اگلے دن صبح سویرے کوٹھری کا دروازہ کھلا۔ ژولیاں سوتے سوتے چونک اُٹھا۔

"ارے، تو یہ!" وہ دل میں بولا ——— "یہ آپا آئے ہیں۔ خواہ مخواہ فضیحتا ہو گا!"

اتنے میں ایک عورت دیہاتنوں کا سا لباس پہنے آ کے اُسے لپٹ گئی اور گلے سے لگا لیا۔ وہ اُسے بڑی مشکل سے پہچانا۔ یہ مادموازیل ولا مول تھی۔

"شریر! مجھے اب جا کے تمہارے خط سے پتا چلا کہ تم ہو کہاں۔ جس چیز کو تم اپنا جرم کہتے ہو اس کی خبر تو مجھے دیر میں ملی۔ یہ جرم نہیں، شریفانہ انتقام ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمہارے سینے میں کتنے غضب کا دل دھڑکتا ہے..."

گو اس نے واضح طور سے تو کبھی نہیں سوچا تھا، لیکن ژدلیاں کو مادموازیل دلاموں سے ایک چڑ سی تھی۔ اس کے باوجود وہ آج اُسے بڑی حسین لگ رہی تھی۔ اُس نے حرکت ہی ایسی کی تھی اور باتیں ہی ایسی کی تھیں جو کسی مبتذل اور پست فطرت آدمی کے بس کی نہ تھیں۔ پھر بھلا ژدلیاں اُس کے جذبات کی شرافت اور بے غرضی کا قائل کیوں نہ ہوتا؟ اُسے پھر یہی خیال آیا کہ مجھے ایک ملکہ سے محبت ہے۔ چند لمحے بعد وہ بڑے خلوصِ دل کے ساتھ نہایت بلیغ الفاظ میں بولا:—

"اُس وقت میری نظریں مستقبل کو صورت پذیر ہوتے صاف صاف دیکھ رہی تھیں۔ میں سوچ رہا تھا کہ میری موت کے بعد تم میرے کہنے پر کرواز نوا سے شادی کرلو گی۔ اس طرح اُس کی شادی ایک بیوہ سے ہوگی۔ اس دلکش بیوہ کی شریف لیکن تھوڑی سی رومانیت پسند رُوح ایسا عجیب و غریب المناک اور ہوش رُبا واقعہ دیکھ کے گھبرا اُٹھے گی۔ اور عامیانہ دُور اندیشی پر ایمان لے آنے کی، پھر نوجوان مارکوئس کی حقیقی خوبیاں بھی اُس کی سمجھ میں آنے لگیں گی۔ تم بھی صبر و شکر کے ساتھ اُن چیزوں کا لطف لینے لگو گی۔ جنہیں دُنیا خوشی کے نام سے تعبیر کرتی ہے یعنی عزت، دولت، مرتبہ . . . . لیکن، پیاری ماتیلد، اگر کسی کو شبہ ہوگیا کہ تم لیباسوں آئی ہو تو موسیو دلاموں اِس صدمے سے جاں بر نہ ہوسکیں گے۔ اگر کہیں ایسا ہوگیا تو میں اپنے آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گا۔ میں اُنہیں پہلے ہی کتنا دُکھ دے چکا ہوں! مجلس کا رکن موسیو دلاموں سے کہے گا کہ یہ تو اچھا خاصا آستین کا سانپ نکلا۔"

"میں سچ کہتی ہوں۔ مجھے ذرا امید نہیں تھی کہ تم ایسے سکون کے ساتھ منطق چھانٹو گے اور بیٹھ کے مستقبل کے نقشے تیار کرو گے۔" مادموازیل دلاموَل نے تھوڑا سا چڑ کے کہا۔ "میری خادمہ بھی تمہاری ہی طرح دُور اندیش ہے۔ اُس نے اپنے لئے پاسپورٹ بنوالیا تھا، اور میں نے مادام مشلے کے نام سے سفر کیا ہے۔"

"اور مادام مشلے اتنی آسانی سے جیل کے اندر میرے پاس پہنچ گئیں؟"

"ہاں تمہارے اب بھی وہی دم خم ہیں! تم اب بھی وہی آدمی ہو جسے میں نے اپنے لئے چُنا تھا! مجسٹریٹ کے اہلکار نے مجھ سے کہا کہ جیل کے اندر جانا تو بالکل ناممکن ہے۔ پہلے تو میں نے اُسے سو فرانک دیئے۔ لیکن روپیہ لینے کے بعد یہ شخص مجھے انتظار کرانے لگا اور مین میخ نکالنی شروع کر دی۔ میں سمجھی کہ مجھے لوٹنا چاہتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔" وہ بیچ ہی میں رُک گئی۔

"اچھا پھر؟" ژولیاں نے پوچھا۔

"پیارے ژولیاں مجھ سے ناراض نہ ہونا۔" وہ اُسے گلے لگا کے بولی۔ "یہ اہلکار سمجھا کہ میں پیرس کی کوئی دوزن ہوں جو اس بانکے ژولیاں پر فریفتہ ہے۔ چنانچہ مجھے اپنا اصلی نام بتانا پڑا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ واقعی اُس نے یہی بات کہی تھی۔ میں نے قسم کھا کے کہا کہ میں تو ژولیاں کی بیوی ہوں۔ اب مجھے روز تمہارے پاس آنے کی اجازت مل جائے گی۔"

"پاگل پن کی حد ہو گئی۔" ژولیاں دل میں بولا۔ "یہ بات میرے روکے رُک نہ سکی۔ بہرحال موسیو دلاموَل اتنا بڑا رئیس ہے کہ جو نوجوان کرنل اس حسین بیوہ سے شادی کرے گا رائے عامہ اُس کے لئے کوئی نہ کوئی جواز ڈھونڈ ہی لیگی۔

میری موت سے سارا معاملہ چھپ جائے گا" اور اُسے ماتیلد کی محبت دیکھ دیکھ کر وجد آنے لگا۔ اِس محبت میں دیوانگی، بلند ہمتی، غرض جتنی بھی عجیب و غریب چیزیں ہو سکتی ہیں سب شامل تھیں۔ ماتیلد نے واقعی سنجیدگی سے ژولیاں کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ تمہارے ساتھ ساتھ میں بھی مر جاؤں۔

جب یہ شروع شروع کی ہیجانی کیفیت ختم ہو گئی اور ژولیاں کو دیکھنے کی خوشی ذرا ہلکی پڑی تو ماتیلد کے دماغ میں تجسس نے سر اٹھایا۔ اُس نے اپنے عاشق کو غور سے دیکھا تو پتا چلا کہ میں نے جتنا سمجھا تھا یہ تو اُس سے بھی بڑھ چڑھ کے ہے۔ معلوم ہوتا تھا کہ بونی فاس دلا مول پھر سے زندہ ہو گیا ہے، لیکن پہلے سے زیادہ دلاور بن کے۔

ماتیلد شہر کے بڑے بڑے وکیلوں سے ملی۔ اور اُن کے سامنے اتنے بے ڈھنگے پن سے روپیہ پیش کیا کہ وہ پہلے تو بُرا مان گئے لیکن آخر قبول کر لیا۔

وہ بڑی جلدی اِس نتیجے پر پہنچی کہ جہاں تک اہم اور غیر یقینی معاملات کا تعلق ہے بساسوں میں بس ایک پادری دفری لیئر کی چلتی ہے۔

اُس نے مادام مشلے کا غیر معروف نام اختیار کر رکھا تھا۔ چنانچہ پہلے تو جیز وئٹ لوگوں کے طاقت ور سردار تک باریاب ہونے میں اُسے بڑی مشکلوں کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن شہر میں یہ افواہ گرم ہو چلی تھی کہ ایک بڑی حسین اور نوجوان زن شُدہ ژولیاں کی محبت میں دیوانی ہو کر اُسے تسلّی دینے کے لئے پیرس سے بساسوں آئی ہے۔

ماتیلد بساسوں کی سڑکوں پر اکیلی اور پیدل دوڑی دوڑی پھرتی تھی۔ اُسے

اُمید تھی کہ مجھے کوئی شناخت نہیں کر سکے گا۔ بہرحال وہ سوچ رہی تھی کہ اگر میں نے عوام کے دل پر اچھا اثر ڈالا تو مجھے اپنے مقصد کے حصول میں بڑی مدد ملے گی۔ اپنے پاگل پن میں وہ یہ منصوبے گانٹھ رہی تھی کہ جب ڈولیاں قتل گاہ کی طرف جائے گا تو اُسے بچانے کے لئے میں لوگوں سے بغاوت کرادوں گی یا دموازیل دلاموک سمجھ رہی تھی کہ میرا لباس بالکل سیدھا سادا اور ایک غمزدہ عورت کے شایانِ شان ہے لیکن دراصل اُس کا لباس کچھ اس طرح کا تھا کہ ہر آدمی کی نگاہ اُس پر پڑتی تھی۔ ہفتے بھر کی سلسلہ جنبانی کے بعد اُسے موسیو فری کیبز کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع ملا تو اُس وقت تک وہ ہمسایوں میں لوگوں کی توجہ کا مرکز بن چکی تھی۔

ہمت والی تو وہ ضرور تھی لیکن اُس کے دماغ میں جیبز دشٹ لوگوں کے بارسوخ سردار کا تصور چھالا کی اور بدمعاشی کے تصور سے اس بُری طرح وابستہ تھا کہ جب اُس نے محل کے دروازے پر گھنٹی بجائی تو وہ تھرتھر کانپ رہی تھی۔ پھر بڑے پادری کے کمرے میں جانے کے لئے زینے پر چڑھنے لگی تو اُس سے کھڑا بھی نہ رہا جاتا تھا۔ پادری کا محل ایسا سنسان تھا کہ ڈر کے مارے اُس کی جان نکل گئی۔

"ممکن ہے میں کرسی پر بیٹھوں تو کوئی میرے پاؤں پکڑ لے، اور میں غائب ہو جاؤں۔ میری خادمہ کو میرا پتا کس سے چل سکتا ہے؟ پولیس کا کپتان اِس معاملے میں ذرا دخل نہیں دے گا..... میں اس زبردست شہر میں بالکل بے یار ومددگار رہوں!"

لیکن کمرہ دیکھ کے مادموازیل دلاموک کو ڈھارس بندھی۔ پہلی بات تو یہ تھی کہ جس خادم نے دروازہ کھولا۔ اُس کی وردی نہایت نفیس تھی۔ پھر جس کمرے میں

اُسے انتظار کرنے کے لئے بٹھایا گیا وہ خوب آراستہ و پیراستہ تھا، ہر چیز سے خوش مذاقی اور لطافت ٹپکتی تھی۔ مبتذل قسم کی شان و شوکت کا نام تک نہ تھا۔ یہ بات پیرس میں بھی صرف بڑے بڑے لوگوں ہی کے یہاں ملتی ہے۔ موسیو دفری کیبر نہایت مشفقانہ انداز میں اُس کی طرف بڑھا۔ اُسے دیکھتے ہی ماتیلد کے دل سے مجرمانہ حملے کا خوف دُور ہو گیا۔ پادری کے حسین چہرے پر تو اُس شدید اور قریب قریب وحشیانہ پرہیزگاری کی بھی علامتیں نظر نہ آتی تھیں جس سے پیرس کے شائستہ لوگ سخت نفرت کرتے ہیں۔ یہ شخص بساسوں میں سیاہ و سفید کا مالک تھا۔ لیکن اُس کی خفیف سی مسکراہٹ بتا رہی تھی کہ یہ پادری نہایت مہذب بے اچھے لوگوں کی صحبت میں بیٹھا ہے۔ اور نظم و نسق میں کمال رکھتا ہے۔ ماتیلد کو ایسا لگا جیسے پیرس میں بیٹھی ہو۔

پادری نے کچھ ایسے ڈھب سے باتیں کیں کہ ماتیلد نے دو چار منٹ کے اندر ہی اگل دیا کہ میں مارکوئس دلامول (یعنی پادری کے طاقت ور حریف) کی بیٹی ہوں۔

"میں دراصل مادام مشلے نہیں ہوں۔" ماتیلد اُسی پُرانی نخوت کے ساتھ بولی۔ "یہ اعتراف کرتے ہوئے مجھے شرم نہیں آتی، کیونکہ، جناب، میں آپ سے ایک بات میں مشورہ لینے آئی ہوں۔ موسیو دلاور نے کسی طرح جیل سے فرار ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ پہلی چیز تو یہ ہے کہ اُن کا جرم بس اتنا ہے کہ ایک حماقت کر بیٹھے، جس عورت پر گولی چلائی تھی وہ بالکل ٹھیک ہے۔ دُوسری بات یہ کہ جیل کے ملازمین کو رشوت دینے کے لئے پچاس ہزار فرانک تو اسی وقت حاضر ہیں۔ اور اس سے دُگنی رقم

بعد میں دینے کا وعدہ کرتی ہوں۔ آخری بات یہ ہے کہ جو شخص موسیو دلاورنے کی جان بچائے گا میں اور میرے گھر والے اُس کے اُتنے احسان مند ہوں گے کہ اُس کی کوئی فرمائش ردّ نہ کر سکیں گے۔"

موسیو دفری لیبر کو یہ نام یعنی دلاورنے سُن کر بڑا تعجب ہؤا۔ ماتیلد نے اُسے وزارتِ جنگ سے آئے ہوئے کئی خط دکھائے۔ جن پر موسیو ژولیاں سوریل دیلاورنے کا نام لکھا تھا۔

"جناب، بات یہ ہے کہ والد صاحب نے اُنہیں کوئی اچھی ملازمت دلوانے کا ذمہ لے لیا تھا۔ اُن سے میری شادی چھپے چوری ہوئی تھی۔ ہمارے خاندان میں اس قسم کی شادی ذرا عجیب سی بات ہے، اِس لیئے والد صاحب چاہتے تھے کہ میرے شوہر بڑے افسر بن جائیں تب شادی کا اعلان ہو۔"

ماتیلد نے دیکھا کہ موسیو دفری لیبر کو ایسی اہم باتیں معلوم ہونے لگیں تو اُس کے چہرے سے وہ شفقت اور زندہ دلی کا انداز بڑی جلدی غائب ہو گیا، اور اس کے بجائے مکاری اور دغابازی جھلکنے لگی۔

پادری کو ماتیلد کی باتوں پر شک ہؤا، اور وہ پھر سے سرکاری کاغذات بغور پڑھنے لگا۔

وہ دل میں بولا، ــــ "یہ جو عجیب وغریب باتیں معلوم ہوئی ہیں ان سے میں کیا فائدہ اٹھا سکتا ہوں؟ بیٹھے بٹھائے مشہور و معروف مادام دفرواک کی ایک سہیلی سے ملاقات ہو گئی۔ وہ ــــ کے اُسقف کی بھتیجی ہے اُسقف بڑا اثر رسوخ رکھتا ہے۔ فرانس میں لوگ اُسی کے ذریعے اُسقف بنتے ہیں۔

"جس چیز کو میں مستقبل کے پردے میں چھپا ہوا سمجھتا تھا وہ خود بخود ایک دم سامنے آ گئی۔ اب میرے سارے حوصلے پُورے ہو سکتے ہیں۔"

وہ عمارت کے ایک الگ تھلگ کونے میں اس باقتدار آدمی کے ساتھ اکیلی بیٹھی تھی۔ اس کے چہرے کا انداز جو اتنی تیزی سے بدلا تو ماتیلد پہلے تو ڈر گئی پھر دل میں بولی ——— "لیکن ذرا سوچو تو سہی! یہ پادری بڑا سر و مہرا اور خود پرست ہے، اوپر سے طاقت کے نشے میں دُھت ہے۔ اگر میری باتوں کا اُس کے دل پہ ذرا بھی اثر نہ ہوتا تو کیسی گزرتی؟"

موسیو دفری لیبر کو اپنی اُمیدوں کے برخلاف اُسقف بننے کا راستہ ایسی تیزی سے ہموار ہوتا نظر آیا تو وہ مبہوت رہ گیا۔ پھر ماتیلد کی ذہانت دیکھ کے اُسے اور تعجب ہوا۔ چنانچہ لمحے بھر کے لئے اُسے اپنا ہوش نہ رہا۔ مادموازیل دلاموَل نے دیکھا کہ یہ تو اپنی جاہ طلبی کے جذبے سے کانپتا لرزتا قریب قریب میرے قدموں پر آ گرا۔

وہ دل میں بولی ———"اب ساری بات آسان ہو گئی۔ مادام دفرواک کی سہیلی اس سے جو چاہے کرا سکتی ہے۔" اُسے رقابت کا احساس ابھی تک تکلیف دے رہا تھا۔ لیکن اس کے باوجود ماتیلد نے ہمت کر کے بتا ہی ڈالا کہ ژولیاں کی مادام دفرواک سے بڑی دوستی ہے، اور وہ اُس کے یہاں ——— کے اُسقف سے قریب قریب روز شام کو ملا کرتا تھا۔

جاہ طلبی کے جوش سے پادری کی نظروں میں سختی سی آ گئی، اور وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا ——— "جیوری کے لوگ اسی علاقے کے ممتاز شہریوں میں سے چُنے جائیں گے۔ اگر آپ پانچ چھ دفعہ قرعہ ڈال ڈال کے چھتیس آدمیوں کی فہرست

بنائیں تو کوئی منحوس ہی گھڑی ہوگی جو ہر فہرست میں آٹھ نو آدمی میرے دوست نکلیں اور وہ بھی سب ہیں ذہین اور ہوشیار۔ غرض ہر صورت میں اکثریت میرے ہی اُمیدوں کی ہوگی، اور رڑولیاں صاف بڑی ہو جائے گا۔ تو، مادموازیل آپ نے دیکھا میں اُسے کتنی آسانی سے رہا کرا سکتا ہوں . . . .''

پادری ایک دم سے رُک گیا جیسے خود اپنے الفاظ سُن کے چونک پڑا ہو۔ وہ ایسی باتوں کا اقرار کئے لے رہا تھا جو دُنیا داروں کے سامنے کبھی نہیں کہی جاتیں۔

اُس نے ماتیلد کو بتایا کہ لباں تسوں کے لوگوں کو رڑولیاں کی اس عجیب و غریب کہانی میں سب سے دلچسپ اور حیرت انگیز بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ ایک زمانے میں مادام درینال اُس پر جان چھڑکتی تھی۔ اور وہ بھی مُدتوں اُس کا منتظر رہا۔ اب ماتیلد سکتے میں آگئی۔ موسیو دفری لیئر فوراً سمجھ گیا کہ میری کہانی سُن کے اُسے بڑا دُکھ ہوا ہے۔

وہ دل میں بولا ــــــ ''میں نے اپنا بدلہ لے لیا! آخر اس گھمنڈ کی پکی لڑکی کو قابو میں لانے کا ایک طریقہ ہاتھ آ ہی گیا۔ میں تو ڈر رہا تھا کہ ممکن ہے ایسا کوئی طریقہ ملے ہی نہیں۔'' یہ بے مثال حسینہ اُس کے پاس ایک التجا لے کر آئی تھی اُس کے تیوروں سے معلوم ہوتا تھا کہ اِسے بس میں لانا آسان کام نہیں۔ یہ دیکھ کر پادری کی نظروں میں اُس کی دل کشی اور بڑھ گئی۔ پادری نے جلدی جلدی اپنے ہوش و حواس درست کئے، اور بڑی بے رحمی سے ماتیلد کے زخموں پر نمک چھڑکنے لگا

وہ ٹٹول کے انداز میں بولا ــــــ ''موسیو سوریل کو ایک زمانے میں اس عورت سے اتنی محبت تھی، اب جو انھوں نے اس پر دو دفعہ گولی چلائی تو ممکن ہے اس

میں رقابت کو دخل ہو۔ اگر واقعی یہی بات نکلی تو مجھے ذرا بھی تعجب نہ ہوگا۔ یہ عورت ضرور کچھ دل لگی کر رہی ہوگی۔ کچھ دنوں سے وہ دی تژون کے پادری مارکی ژ کے پاس بہت جا رہی ہے۔ یہ شخص ژاں سنیبت ہے، اور ان سب لوگوں کی طرح سخت بدچلن ہے۔"

موسیو دفری نیبر کو اس حسین لڑکی کا راز تو معلوم ہو ہی گیا تھا۔ وہ بڑے اطمینان سے اور مزے لے لے کے اس کے دل کو کچوکتا رہا۔

وہ ماتیلد پر گرم گرم نظریں جما کے بولا — "یہی دیکھ لیجئے کہ اگر اُن کا رقیب گرجا میں نماز نہ پڑھا رہا ہوتا تو موسیو سورل گرجا ہی میں آ کے گولی کیوں چلاتے؟ جس شخص کو آپ کی سرپرستی کا شرف حاصل ہے اس کے بارے میں ہر ایک کی یہی رائے ہے کہ وہ نہایت ذہین اور اس سے بھی زیادہ یہ کہ دُوراندیش آدمی ہے۔ آسان بات تو یہ تھی کہ موسیو سورل ورنیال کے باغ میں جا چھپتے جس سے وہ خوب واقف ہیں وہاں اس کا ذرا بھی ڈر نہ تھا کہ کوئی دیکھ لے گا یا پکڑ لے گا۔ یا کسی کو شبہ ہوگا۔ پھر جس عورت کی بے وفائی پر غصہ آ رہا تھا اُسے نہایت اطمینان کے ساتھ قتل کر سکتے تھے۔"

یہ ساری باتیں نہایت معقول معلوم ہوتی تھیں۔ ماتیلد غصے کے مارے پاگل ہو گئی۔ اُس کے مزاج میں نخوت تو ضرور تھی، مگر ساتھ ہی رگ رگ میں وہ خشک قسم کی دُور اندیشی بسی ہوئی تھی جسے اونچے طبقوں میں انسانی فطرت کا صحیح نمونہ سمجھا جاتا ہے۔ آتش مزاج لوگوں کو اس بات میں بڑا مزا آتا ہے کہ دُوراندیشی کو اٹھا کے بالائے طاق رکھ دیں۔ لیکن ماتیلد نے وہ طبیعت ہی نہیں پائی تھی کہ اس مزے کو اتنی جلدی سمجھ

سکتی۔ پیرس کے اونچے طبقوں میں جہاں ماتیلد کی عمر گذری تھی۔ شاذو نادر ہی ایسا ہوتا ہے کہ جذبات دُوراندیشی سے دست بردار ہو جائیں۔ لڑکیاں کھڑکیوں میں سے کُودتی بھی ہیں تو سب سے اوپر کی منزل پر جاکر تاکہ بیچ ہی میں اٹک کے رہ جائیں۔

آخر پادری وفری لیئر کو یقین ہو گیا کہ ماتیلد میرے قبضے میں آگئی۔ اُس نے ماتیلد کو بتایا (غالباً وہ جھوٹ بول رہا تھا) کہ جو سرکاری وکیل استغاثے کی طرف سے پیش ہوگا وہ پوری طرح میرے کہنے میں ہے۔ پھر اُس نے یہ بھی کہا کہ جب قرعہ اندازی کے ذریعے جیوری کے چھتیس آدمیوں کا انتخاب ہو جائے گا تو میں کم از کم تیس آدمیوں سے براہ راست اور ذاتی طور سے سفارش کر دوں گا۔

اگر موسیو وفری لیئر کو ماتیلد اتنی خوبصورت نہ لگی ہوتی تو وہ پانچویں یا چھٹی ملاقات سے پہلے ایسی صاف صاف باتیں نہ کرتا۔

انتالیسواں باب

سازش

۲۱ر مارچ ۱۶۷۶ء ـــــ ہمارے پڑوس میں ایک بھائی نے اپنی بہن کو قتل کر دیا ہے۔ اِس سے پہلے بھی وہ ایک خون کر چکا تھا۔ اُس کے باپ نے دُرزیوں کو چپ چاپ پانچ سو اشرفیاں دے کے اُس کی جان بچالی تھی۔

لوک

پادری کے محل سے نکل کے ماتیلد نے ذرا بھی وقت ضائع نہ کیا اور سیدھے مادام دفرواک کے پاس آدمی دوڑا دیا۔ اپنی بدنامی کا ڈر تو ضرور تھا، لیکن وہ اس بات کو ذرا خاطر میں نہ لائی۔ اُس نے اپنی رقیب سے التجا کی کہ خود ـــــ کے اسقف کے دستِ خاص سے ایک سفارشی خط موسیو دفری لیر کے لئے لکھوا دیجئے۔ اس سے بھی زیادہ کمال اُس نے یہ کیا کہ مادام دفرواک کو لکھا فوراً لیباں سوں پہنچیے۔ ایسی حاسد اور مغرور لڑکی کے لئے یہ بڑی بہادری کی بات تھی۔

فوکے کی ہدایت کے مطابق اُس نے احتیاطاً ژولیاں کو بتایا تک نہ تھا کہ میں کیا کر رہی ہوں۔ اُس کی موجودگی سے ہی ژولیاں کو خاصی پریشانی ہو رہی تھی۔ موت

قریب آئی تو وہ پہلے سے کہیں زیادہ شریف آدمی بن گیا۔ اُسے مارکوئس ولاموکل پر ہی نہیں، بلکہ ماتیلد پر بھی رحم آ رہا تھا۔

وہ دل میں کہہ رہا تھا ــــ "یہ کیا بات ہے؛ وہ پاس ہوتی ہے تو میں بالکل کھو جاتا ہوں، بلکہ مجھے اُکتاہٹ ہونے لگتی ہے۔ وہ میرے لئے اپنے آپ کو تباہ کئے لے رہی ہے اور میں اُسے یہ انعام دے رہا ہوں۔ کہیں میں بدنہاد تو نہیں ہوں ــ؟" جب، اُسے جاہ طلبی کا جنون تھا اُن دنوں اس قسم کا سوال اُسے تنگ نہیں کر سکتا تھا۔ اُس زمانے میں ژولیاں کو اگر کسی بات سے شرم آتی تھی تو ناکامی سے۔

ماتیلد کی موجودگی میں اُس کی اخلاقی بے چینی اور بڑھ جاتی۔ کیونکہ وہ دیکھتا کہ اس وقت یہ لڑکی میری محبت میں بالکل دیوانی ہو رہی ہے۔ ماتیلد اس کے سوا اور کوئی بات ہی نہ کرتی کہ میں تمہاری جان بچانے کے لئے کیا قربانیاں کرنا چاہتی ہوں۔

اُسے اپنے جذبِ دل پر فخر تھا۔ اور اُس کا غرور دب کے رہ گیا تھا۔ اُس کا جی چاہتا تھا کہ میری زندگی کا ایک لمحہ بھی ایسا نہ گزرے کہ جب میں کوئی غیر معمولی کارنامہ سرانجام نہ دوں۔ وہ ژولیاں سے گھنٹوں باتیں کرتی، اور گفتگو کا موضوع ایسی عجیب و غریب تجاویز ہوتیں جن میں خود اُس کے لئے بڑا خطرہ ہوتا۔ جیل والوں کو اتنا انعام مِلا کہ اُنہوں نے اُسے جیل کے اندر اپنی من مانی کرنے کی اجازت دے رکھی تھی۔ ماتیلد کے خیالات صرف ننگ و نام کی قربانی تک ہی محدود نہ تھے۔ اگر اُس کی حالت کا پتا ساری دُنیا کو چل جاتا تو بھی اُسے ذرا فکر نہ ہوتی۔ یوں تو اُس کا بلند اور دلیر تخیل نہ جانے کیا کیا سوچتا تھا۔ لیکن ایک چھوٹی سی بات یہ تھی کہ بادشاہ کی گاڑی سڑک

پر سے گذرے تو چاہے میری جان ہی کیوں نہ جائے مگر بادشاہ کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے گاڑی کے سامنے گھٹنوں کے بل جھک جاؤں اور گڑگڑا گڑگڑا کے التجائیں کروں کہ ژولیاں کو معاف کر دیا جائے۔ اُسے یقین تھا کہ میرے جو دوست دربار سے وابستہ ہیں اُن کے ذریعے میں شاہی محل کے گوشے گوشے میں پہنچ سکتی ہوں۔

ژولیاں اپنے آپ کو ایسی محبت اور جاں نثاری کا مستحق نہ سمجھتا تھا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ وہ دلاوری سے تھک چکا تھا۔ اُس کے دل پر کوئی چیز اثر کر سکتی تھی تو سیدھی سادی، بھولی بھالی، بلکہ شرمیلی محبت۔ اس کے برعکس مغرور دل ماتیلد کو ہر وقت یہی خیال لگا رہتا تھا کہ لوگ کیا کہیں گے۔

فکر کے مارے اُس کی جان گھلی جا رہی تھی۔ ہر وقت اپنے عاشق کی جان کا دھڑکا لگا رہتا تھا۔ اُس نے تہیہ کر لیا تھا کہ اس کے مرنے کے بعد میں ایک دن زندہ نہیں رہوں گی۔ لیکن اس کے باوجود ژولیاں محسوس کرتا تھا کہ ماتیلد دل ہی دل میں یہ چاہتی ہے کہ اپنی محبت کے جوش اور اپنے کارناموں کی عظمت سے لوگوں کو حیرت میں ڈال دوں۔

ژولیاں کو اپنے اوپر بڑا غصہ آتا کہ آخر میرے دل پر اس دلاوری کا اثر کیوں نہیں ہوتا۔ اگر کہیں اُسے یہ معلوم ہو جاتا کہ بچارے فوکے کے وفا شعار لیکن معقولیت پسند اور محدود دماغ کو ماتیلد کی کیسی کیسی حماقتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں تو پھر اُس کا کیا حال ہوتا؟

فوکے کو ماتیلد کی جاں نثاری میں کوئی خرابی نظر نہ آتی تھی۔ کیونکہ وہ خود بھی تو

ژولیاں کی جان بچانے کے لیے اپنی ساری دولت لٹانے اور بڑے سے بڑے خطرے میں پڑنے کو تیار تھا۔ ماتیلد اس بُری طرح روپیہ بہا رہی تھی کہ وہ تو دم بخود رہ گیا۔ تو کے قصباتی آدمی تھا۔ اُس کے دل میں روپیہ کی بڑی عزت تھی۔ چنانچہ اتنا روپیہ خرچ ہوتے دیکھ کر پہلے تو اُس پر بڑا رعب پڑا۔

بعد میں اُسے پتا چلا کہ مادموازیل دلاموال کی عزیزیں تو اکثر برتی رہی ہیں۔ ماتیلد کے کردار نے اُسے جھٹکا مارا تھا۔ اس کردار کی مذمت میں اُسے ایک بات سوجھی تو کچھ آرام سا ملا ــــ "اس کا تو یہی حال ہے کہ گھڑی میں تولہ گھڑی میں ماشہ۔" اس کے بعد سر پھری کا خطاب دینا آسان کام تھا اور قصبات میں اس سے بُری گالی کوئی اور نہیں ہوتی۔

ایک دن ماتیلد اُس کی کوٹھری سے نکل رہی تھی تو ژولیاں دل میں بولا ــــ "یہ عجیب بات ہے کہ اسے تو مجھ سے اتنی شدید محبت ہے اور میرے دل پر ذرا اثر نہیں ہوتا! دو مہینے پہلے میں اس کی پوجا کرتا تھا! میں نے کہیں پڑھا ہے کہ موت قریب ہو تو آدمی کو کسی چیز سے دلچسپی نہیں رہتی۔ لیکن یہ دیکھ کر بڑا غصہ آتا ہے کہ آدمی ایسا ناشکرا بن جائے اور اپنے آپ کو بدل بھی نہ سکے۔ کہیں میں خود پرست تو نہیں ہوں؟" اس معاملے میں اُس نے اپنے آپ کو بڑی سخت ملامت کی۔

اس کے دل میں جاہ طلبی کا نشان تک باقی نہ رہا تھا۔ لیکن اس راکھ سے ایک اور جذبہ پھوٹ نکلا تھا۔ یعنی وہ سمجھتا تھا کہ مجھے مادام دریناں کو قتل کرنے کی ندامت ہو رہی ہے۔

لیکن درحقیقت وہ مادام دریناں کی محبت میں دیوانہ ہو رہا تھا۔ جب وہ

بالکل اکیلا رہ جاتا اور مداخلت کا ڈر نہ ہوتا تو وہ اُس مسرت کے زمانے کی یاد میں کھو جاتا جو ویریئر یا ورژی میں گزرا تھا، اور ان میں اُسے ایک عجیب قسم کی خوشی ملتی۔ وہ زمانہ کتنی جلدی ہوا ہو گیا تھا، لیکن اُن دنوں کے ذرا ذرا سے واقعات میں اُس کے لیے اتنی تازگی اور ایسی دلکشی تھی کہ وہ اُنہیں دل سے دُور نہ رکھ سکتا تھا۔ پیرس میں جو کامیابیاں حاصل ہوئیں اُن کا تو اُسے خیال بھی نہ آ رہا تھا۔ اُن سے تو وہ اُکتا چکا تھا۔

یہ رُجحان روز بڑھتا ہی چلا گیا اور ماتیلڈ کی شکی نظروں سے چھپا نہ رہ سکا۔ وہ خوب سمجھ گئی کہ اسے تو اپنی تنہائی سے پیار ہو گیا ہے اور مجھے اسی بات کا مقابلہ کرنا ہے۔ بعض دفعہ وہ ڈرتے ڈرتے مادام دربنال کا نام لے دیتی۔ وہ دیکھتی کہ ژولیاں کانپ اُٹھا۔ اب اُس کی محبت کی حد و انتہا نہ رہی۔

وہ پورے خلوص کے ساتھ دل میں کہتی — "اگر وہ مر گیا تو میں بھی جان دے دوں گی۔ پیرس کے دیوان خانوں کے لوگ میرے جیسے رُتبے کی لڑکی کو ایک مجرم اور خونی سے اس درجے محبت کرتے دیکھیں گے تو کیا کہیں گے؟ ایسے جذبات تو بس دلاوروں کے عہد ہی میں مل سکتے ہیں۔ شارل نہم اور ہنری سوم کے زمانے میں لوگوں کا دل اسی قسم کی محبت سے دھڑکتا تھا۔"

جب وہ ژولیاں کا سر سینے سے لگا رہی ہوتی تو اس گرماگرمی میں بعض دفعہ ڈر کے مارے کانپ اُٹھتی، اور دل میں کہتی — "ہائے! کیا یہ حسین سر ایک دن کٹنے والا ہے؟ خیر کوئی بات نہیں!" وہ دلاوری کے جوش میں خوش ہو کے کہتی "یہ ہونٹ جو اس وقت ان پیارے پیارے گیسوؤں سے لگے ہوئے ہیں اس واقعے کے چوبیس

گھنٹے بعد ٹھنڈے پڑ چکے ہوں گے۔"

دلاوری اور خوفناک لذت پرستی کے ان لمحوں کی یاد نے ماتلید کو اس بری طرح جکڑ لیا کہ وہ بے قابو ہو کے رہ گئی۔ خود کشی کا خیال بذاتِ خود نہایت دلفریب تھا۔ لیکن ماتلید کی مغرور طبیعت نے اُسے ابھی تک پاس نہ پھٹکنے دیا تھا۔ مگر اب یہ خیال ساری مدافعت ختم کر کے اُس کے دل پہ پوری طرح قابض ہو گیا۔ وہ بڑے فخر کے ساتھ دل میں بولی —— "نہیں، میرے آباؤ اجداد کا خون مجھ تک پہنچتے پہنچتے ٹھنڈا نہیں پڑا۔"

ایک دن اُس کا عاشق بولا —— "میری تم سے ایک درخواست ہے۔ اپنے بچے کو دیہات میں کسی دایہ کے پاس بھیج دینا۔ مادام وربنال دایہ کو اپنی نگرانی میں رکھے گی۔"

"یہ تم نے بڑی سخت بات کہی ہے . . . ." ماتلید بپھر پڑ گئی۔

"واقعی ٹھیک ہے۔ میں تم سے ہزار دفعہ معافی مانگتا ہوں۔" ژولیاں اپنے خوابوں سے چونک کے بولا اور اُسے گلے لگا لیا۔

ماتلید کے آنسو پونچھنے کے بعد وہ پھر اُسی موضوع پر آ گیا جس کے بارے میں اتنی دیر سے سوچ رہا تھا۔ لیکن اب کے ذرا ہوشیاری سے کام لیا۔ اُس نے گفتگو کو غم پسندی اور فلسفے کا رنگ دے دیا، اور مستقبل کا ذکر چھیڑ دیا جو اب اُس کے لئے تو ختم ہونے والا تھا۔ "پیاری، یہ بات تو تم بھی مانو گی کہ زندگی میں محبت تو بس ایک حادثے کی حیثیت رکھتی ہے، لیکن یہ حادثہ صرف انہیں لوگوں کو پیش آتا ہے جو عالی ظرف ہوں . . . . تمہارے خاندان کے لوگوں میں بڑی نخوت ہے، میرے

بیٹے کے مرجانے سے انہیں خاصی خوشی ہوگی۔ یہ بات نوکر بھی سمجھ جائیں گے۔ میرا بچہ ایسی مصیبتوں کے وقت اور ایسے شرمناک حالات میں تو پیدا ہوگا۔ اوپر سے کوئی اُس کی دیکھ بھال کرنے والا بھی نہ ہوگا۔۔۔۔ ٹھیک وقت تو میں نہیں بتانا چاہتا مگر دل میں ضرور سمجھ لیا ہے۔ بہرحال اُمید ہے تم میری وصیت پر عمل کروگی اور مارکوئس دکروازنوا سے شادی کروگی۔"

"ہیں! اتنی بے عزتی کے بعد!"

"تمہارے خاندان کے آدمی کی کبھی بے عزتی نہیں ہوسکتی۔ تم تو سیدھی سادی ایک بیوہ ہوگی۔ اور بیوہ بھی ایک پگلے کی۔ بس معاملہ ختم۔ بلکہ میں تو یہاں تک کہوں گا کہ میں نے یہ جرم کسی مالی منفعت کی وجہ سے تو کیا نہیں، چنانچہ یہ بات بے عزتی میں داخل نہیں ہوسکتی۔ شاید اُس زمانے تک مجلس مقننہ کا کوئی فلسفی رکن اپنے ہم عصروں کے تعصبات پر تشنیع پاکر سزائے موت ہی کو منسوخ کرادے۔ پھر تمہارا کوئی دوست میرا نام مثال کے طور پر پیش کرے گا۔" مادموازیل دلا مول کا شوہر پاگل تو ضرور تھا لیکن بدمعاش نہیں تھا۔ وہ کوئی مجرم تھوڑی تھا۔ خواہ مخواہ اُس کا سر اڑادیا۔۔۔ "پھر مجھے کوئی بُرے نام سے یاد نہیں کرے گا۔ کم از کم تھوڑا سا عرصہ گزر جانے کے بعد۔۔۔ تمہارا شوہر بننے کے بعد تمہارے مرتبے، تمہاری دولت، بلکہ میں تو یہ بھی کہوں گا کہ تمہاری ذہانت کی مدد سے موسیو دکروازنوا وہ درجہ حاصل کرے گا جو اکیلے اُس کے بس کا نہیں۔ وہ عالی خاندان اور بہادر تو ضرور ہے، لیکن اس کے سوا اُس کے پاس کیا رکھا ہے۔ سنہ ۱۷۲۹ء میں تو ان خوبیوں کی بدولت آدمی کی بڑی قدر ہوتی تھی۔ لیکن آج سو سال بعد یہ چیزیں بذاتِ خود کسی کام نہیں آتیں، بلکہ آدمی کو خوش فہمیوں کا شکار بنا دیتی ہیں۔

اگر کوئی فرانس کے نوجوانوں کا سردار بننا چاہتا ہے تو اُس میں اِن کے علاوہ اور باتیں بھی ہونی چاہئیں۔

"تم اپنے شوہر کو جس سیاسی جماعت میں شامل کراؤگی اُسے ایک پختہ اور حوصلہ مند کردار کی حمایت حاصل ہو گی۔ ایک دن تمہارا شمار ملک کے صاحبِ اقتدار لوگوں میں ہو گا . . . لیکن، پیاری، وہ آسمانی لگن جو اِس وقت تمہارے اندر موجود ہے اُس زمانے تک ٹھنڈی پڑ چکی ہو گی۔"

پھر وہ تھوڑی سی تمہید باندھنے کے بعد بولا ــــ "تمہاری اجازت ہو تو میں سچی بات کہہ دوں۔ تم نے مجھ سے محبت تو ضرور کی ہے، لیکن آج سے پندرہ سال بعد تمہیں یہی محبت حماقت معلوم ہو گی۔ یعنی ایسی حماقت جو معافی کے قابل تو ہے مگر پھر حماقت ہے . . . ."

وہ ایک دم سے بیچ ہی میں رُک گیا اور پھر اپنے خوابوں میں کھو گیا۔ اب وہ پھر اُسی خیال سے دوچار تھا جس سے ماتیلڈ کو اتنا سخت صدمہ پہنچا تھا ــــ "پندرہ سال بعد مادام ورینال تو میرے بیٹے پر جان چھڑکے گی اور تم اُسے بھول چکی ہو گی۔"

چالیسواں باب

سکون

آج میں عقلمند ہوں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے بے وقوف تھی۔ اے فلسفی
تو جو کچھ دیکھتا ہے بس ایک لمحے کے اندر اندر۔ تیری نظر کتنی تنگ ہے! تجھے وہ
نظر ملی ہی نہیں جو جذبات کا خفیہ عمل دیکھ سکے۔

زراؤ فاآن بشے

یہ گفتگو بیچ ہی میں رہ گئی۔ اور مجسٹریٹ نے آگے پھر سوال جواب شروع کر دیے۔ اس کے بعد ژودلیاں کو اس وکیل سے باتیں کرنی پڑیں جو اس کی صفائی کے لیے مقرر ہوا تھا۔ اس زمانے میں ژودلیاں کی زندگی بڑی بے فکری میں گزر رہی تھی۔ وہ پیارے پیارے خواب دیکھ رہا تھا۔ اگر چند لمحے ناخوشگوار قسم کے آئے تو بس

ژودلیاں نے مجسٹریٹ اور وکیل دونوں سے یہی کہا "میں نے قتل کیا ہے اور عمداً۔ جناب مجھے اس کا بڑا افسوس ہے۔" پھر مسکراتے ہوئے بولا "لیکن میرے بیان سے آپ کا کام بہت ہلکا ہو گیا۔"

ان دونوں آدمیوں سے چھٹکارا پایا تو ژودلیاں سوچنے لگا [illegible] جان میں

بڑا بہادر نکلا۔ کم سے کم اِن دونوں آدمیوں سے زیادہ بہادر نکلا۔ مجھے وہ مقابلہ درپیش ہے جس کا نتیجہ نہایت المناک ہو گا۔ اِن دونوں کے نزدیک یہ سب سے بڑی مصیبت ہے، سب سے زیادہ ڈرنے کی چیز ہے۔ لیکن میں اس کے بارے میں سنجیدگی سے تو بس دن کے ہی دن غور کروں گا۔

"اس کی وجہ یہ ہے کہ مجھ پر اس سے بھی بڑی مصیبت پڑ چکی ہے۔" ژدلیاں فلسفہ بگھارنے لگا۔ "جب میں پہلی دفعہ اسٹراس برگ گیا ہوں تو اس سے بھی زیادہ دُکھ جھیلا ہے۔ کیونکہ میں یہ سمجھ رہا تھا کہ ماتیلد نے مجھ سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ . . . . . . یہ عجیب بات ہے کہ اُس وقت مجھے اس مکمل موانست کی کیسی تمنا تھی، اور آج اسی چیز کا میرے دل پر ذرا اثر نہیں ہوتا! سچ تو یہ ہے کہ میں تنہائی میں زیادہ خوش رہتا ہوں، اُس حسین لڑکی کا پاس بیٹھنا مجھے اتنا اچھا نہیں لگتا . . . ."

وکیل قاعدے قانون کا آدمی اور رسم پرست تھا۔ وہ سمجھا کہ ژدلیاں تو پاگل ہو گیا ہے۔ عام لوگوں کی طرح اُس کی بھی یہی رائے ہوئی کہ ژدلیاں نے رقابت کے جوش میں گولی چلائی ہے۔ ایک دن وکیل نے ہمّت کر کے اُس سے کہا کہ یہ بات سچ ہو یا جھوٹ، مگر صفائی میں بڑی مفید ثابت ہو سکتی ہے۔ لیکن مُلزم کو فوراً طیش آ گیا اور اُس نے کھری کھری سُنا ڈالی۔

"جناب ہوش کے ناخن لیجیے۔" ژدلیاں غصّے کے مارے پاگل ہو کے بولا۔ "یہ جھوٹ آئندہ آپ کی زبان سے نہ نکلے ورنہ مجھ سے بُرا کوئی نہ ہو گا۔ دُور اندیش وکیل لمحے بھر کے لئے تو یہ سمجھا کہ اب اُس نے مجھے قتل کیا۔

بہرحال وکیل نے اپنا مقدّمہ تیار کر لیا، کیونکہ اب فیصلے کی گھڑی قریب آ رہی تھی۔

بساسوں اور آس پاس کے علاقے میں بس اسی مشہور مقدمے کا چرچا تھا۔ ژدلیاں کو اس بات کا بالکل پتا نہ تھا اُس نے تو کہہ دیا تھا کہ مجھ سے ان چیزوں کا بالکل ذکر نہ کیا جائے۔

اُسی دن فرکے اور ماتیلد نے اُسے بتانا چاہا تھا کہ لوگوں میں کیا افواہیں گرم ہیں اور اُن سے کچھ اُمید بندھتی نظر آتی ہے، لیکن ژدلیاں نے پہلے ہی لفظ پر اُنھیں ٹوک دیا، اور آگے بات نہ کرنے دی۔

"مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ میں جس قسم کی زندگی چاہتا تھا وہ مجھے مل گئی تمھارے چھوٹے چھوٹے جھگڑے قصے، یہ حقیقی زندگی کی تفصیلات، ان سب باتوں سے مجھے اُلجھن ہوتی ہے۔ میں آسمان پر بیٹھا ہوں۔ مجھے نیچے نہ اتارو جس طرح بھی بن پڑے آدمی کو مرنا تو ہے ہی۔ رہا میں تو میں چاہتا ہوں کہ موت کے بارے میں بس اپنے طریقے سے سوچوں۔ مجھے دوسرے لوگوں کی کیا پروا؟ دوسرے لوگوں سے تو میرے تعلقات بس اب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہونے والے ہیں۔ میرے اوپر رحم کھاؤ۔ میرے سامنے اُن کا نام نہ لو۔ مجسٹریٹ اور وکیل کے سامنے ہی ذلیل ہونا بہت کافی ہے۔"

وہ دل میں بولا —— "واقعی معلوم ہوتا ہے میری قسمت میں یہی لکھا ہے کہ خواب دیکھتے دیکھتے مروں گا۔ میں گمنام آدمی ہوں۔ لوگ مجھے پندرہ دن کے اندر اندر بھول جائیں گے۔ سچی بات یہ ہے کہ اگر میں نے ہیرو بننے کی کوشش کی تو سخت حماقت ہوگی۔ . . . .

"بہرحال یہ بھی عجیب بات ہے کہ زندگی سے لطف لینے کا ہُنر مجھے اس وقت آیا کہ جب خاتمہ بخیر ہونے کو ہے۔"

یہ آخری دن اس نے اپنی کوٹھری کی چھت پہ ٹہل ٹہل کے گزارے اور وہ نفیس سگار پیتا رہا جو ماتیلد نے آدمی بھیج کے ہالینڈ سے منگوائے تھے۔ اُسے یہ سان گمان بھی نہ تھا کہ شہر کے لوگ روزہ دوربینیں لئے اپنی اپنی چھتوں پر اس انتظار میں کھڑے رہتے ہیں کہ وہ باہر نکلے تو دیکھیں۔ اُسے تو ورژی کا زمانہ یاد آئے چلا جا رہا تھا۔ وہ فوکے کے سامنے مادام وریتال کا نام تک نہ لیتا تھا مگر اُس کے دوست نے دو تین دفعہ بتایا کہ مادام وریتال ُرو بصحت ہے۔ اور ان الفاظ نے ہر دفعہ ژولیاں کے دل و دماغ میں تہلکہ مچا دیا۔

ژولیاں کی رُوح تو خیالات کی دُنیا میں کھو کے رہ گئی تھی لیکن ماتیلد حقائق سے اُلجھ رہی تھی اور یہ اُمرا کے شایانِ شان بھی ہے۔ مادام دفرواک اور موسیو دفری لیئر میں براہِ راست خط و کتابت ہونے لگی تھی، بلکہ ماتیلد کی کوششوں سے اب اس میں اتنی بے تکلفی آگئی تھی کہ اسقف کے عہدے کا بھی ذکر ہو چکا تھا۔

ان عہدوں کی تقسیم جس محترم پادری کے ہاتھ میں تھی۔ اُس نے ایک دفعہ اپنی بھتیجی کے خط میں نیچے یہ جملہ لکھ دیا —— "یہ بچارا سوریل تو بس ایک احمق آدمی ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ وہ ہمیں واپس مل جائے گا۔"

یہ جملہ پڑھ کے موسیو دفری لیئر تو خوشی کے مارے پاگل ہو گیا۔ اُسے پورا یقین تھا کہ میں ژولیاں کی جان ضرور بچا لوں گا۔

قرعہ اندازی کے ذریعے جیوری کے چھتیس آدمیوں کا انتخاب ہونے سے ایک دن پہلے وہ ماتیلد سے بولا —— ان کم بخت انقلابیوں نے یہ عجب قانون بنا دیا ہے کہ جیوری والوں کی پوری فہرست پہلے سے تیار رہے۔ اس کا مقصد

بس یہ ہے کہ شریف لوگوں کا اثر ختم ہو جائے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو میں قسم کھا کے کہہ سکتا تھا کہ فیصلہ میری مرضی کے مطابق ہوگا۔ آخر میں نے پادری ن —— کو چھیڑا ہی تھا۔

اگلے دن نام نکالے گئے تو لیساں سوں والوں میں سے پانچ تو جیسوئٹ تھے اور باہر والوں میں سے ایک وال نو، دوسرا موآرو، تیسرا شولیں۔ یہ دیکھ کے پادری بڑا خوش ہوا اور ماتیلد سے بولا —— "ان آٹھ آدمیوں کا تو میں ذمہ لیتا ہوں۔ پہلے پانچ آدمی تو بس کٹھ پتلیاں ہیں۔ وال نو میرا جاسوس ہے۔ موآرو بھی میرا ساختہ پرداختہ ہے۔ رہا شولیں تو وہ بالکل بدھو ہے اور ہر چیز سے ڈرتا ہے۔"

اخبار کے ذریعے جیوری والوں کے نام سارے ضلع میں پہنچ گئے۔ مادام دریناال نے فیصلہ کیا کہ میں لیساں سوں جاؤں گی۔ یہ سن کر اس کے شوہر کو بڑا ڈر لگا۔ موسیو دریناال نے بیوی سے اتنا وعدہ ضرور کرا لیا کہ میں لیساں سوں پہنچ کے بستر سے نہیں اٹھوں گی۔ ورنہ ممکن تھا کہ عدالت اسے گواہی کے لیے طلب کرلے اور مُفت کی پریشانی ہو۔

وریئیر کا سابق میئر بیوی سے بولا —— "تم سمجھتی نہیں کہ میری کیفیت کیا ہے۔ میں شاہ پرستوں کو چھوڑ کے آزاد خیال جماعت میں شامل ہوا ہوں۔ وہ لوگ مجھ سے خار کھائے بیٹھے ہیں۔ وہ بدمعاش وال نو اور موسیو دفری کیسیر جج اور سرکاری وکیل کو بہلا پھسلا کر کوئی ایسی بات بڑی آسانی سے کرا سکتے ہیں جس سے مجھے تکلیف پہنچے۔"

مادام دریناال نے شوہر کی بات کان دبا کے مان لی۔ اس نے سوچا —— "اگر میں عدالت میں گئی تو یہ معلوم ہوگا کہ میں اپنے انتقام کا مقابلہ کرنے آئی ہوں۔"

اس نے اپنے روحانی مرشد اور اپنے شوہر سے دور اندیشی برتنے کے بڑے

بڑے وعدے کئے تھے۔ لیکن بساسوں پہنچتے ہی جیوری کے ایک ایک آدمی کو خود اپنے ہاتھ سے خط لکھ مارا ہے ـــــــ

"جناب عالی میں پیشی کے روز عدالت میں حاضر نہیں ہوں گی۔ کیونکہ ممکن ہے میری موجودگی موسیو سوریل کے حق میں مفید ثابت نہ ہو۔ مجھے دُنیا میں بس ایک ہی آرزو باقی رہ گئی ہے اور وہ یہ کہ موسیو سوریل بری ہو جائیں۔ یہ خیال مجھے عمر بھر تنگ کرتا رہے گا کہ میری خاطر ایک بے گناہ کی جان گئی۔ اور میں زیادہ دن زندہ نہ رہ سکوں گی۔ جب میں زندہ موجود ہوں تو انہیں آپ موت کی سزا کس طرح دے سکتے ہیں؟ سماج کو کسی کی جان لینے کا حق نہیں پہنچتا خصوصاً ژولیاں سوریل جیسے انسان کی جان لینے کا۔ ویریئر میں ہر آدمی نے دیکھا ہے کہ بعض وقت انکے دماغ میں فتور آ جاتا ہے۔ اس بچارے نوجوان کے دشمن بڑے طاقتور ہیں اور ایک نہ دو بلکہ بیسیوں۔ لیکن موسیو سوریل کے دشمنوں میں بھی ایک آدمی ایسا نہ ملیگا جسے اُن کی لیاقت اور علمیت پر شک ہو۔ جناب آپ کو کسی معمولی آدمی کے بارے میں فیصلہ نہیں کرنا۔ اٹھارہ مہینے سے ہم سب لوگ دیکھ رہے ہیں کہ وہ کتنے دیندار، عقلمند اور محنتی آدمی ہیں۔ لیکن سال میں دو تین دفعہ اُن پر مالیخولیا کا ایسا دورہ پڑتا ہے کہ جنون کی سی حالت ہو جاتی ہے۔ ویریئر کا سارا شہر، گرمیوں میں ہم ورژی جاتے ہیں، وہاں کے سارے ہمسائے میرا سارا خاندان، خود نائب ناظم سب یہی شہادت دیں گے کہ موسیو سوریل دین داری اور پرہیزگاری میں بے مثال ہیں۔ انہیں پوری انجیل مقدس حفظ ہے۔ بھلا کوئی بے دین مقدس صحیفوں کے مطالعے میں اس طرح کئی سال صرف کر سکتا تھا؟ میرے بیٹے یہ خط

ہے کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو رہے ہیں۔ یہ ابھی بالکل معصوم ہیں۔ جناب
زحمت نہ ہو تو اُن سے پوچھ کے دیکھیئے۔ اگر اِس بچارے نوجوان کے متعلق
اب بھی کوئی بات کہنی باقی رہ گئی ہے تو یہ بچے آپ کو ضروری تفصیلات سے
آگاہ کریں گے۔ پھر آپ کو یقین آئے گا کہ اِس بچارے کو سزائے موت دینا
کیسی درندگی کی بات ہے۔ موسیو سوریل کو سزا دے کر آپ میرا بدلہ نہیں لینگے۔
بلکہ مجھے موت کے گھاٹ اتاریں گے۔

سوریل کے دشمن اس بات کا کیا جواب دیں گے جو میں اب کہتی ہوں؟
خود میرے بچوں نے دیکھا ہے کہ سوریل پر بعض دفعہ جنون کا دورہ پڑتا ہے۔
ایسی حالت میں اُنھوں نے جو گولی چلائی ہے اُس کا زخم اتنا ہلکا آیا ہے کہ
دو مہینے کے اندر اندر میں اِس قابل ہو گئی کہ ڈاک گاڑی میں ویریئر سے
بیاسوں چلی آؤں۔ اب میں بستر پہ لیٹی ہوں تو صرف اپنے شوہر کے حکم سے۔
جناب اگر مجھے پتا چلا کہ آپ ایسے بے قصور آدمی کو قانون کی درندگی سے
بچاتے ہوئے کچھ ہچکچاتے رہے ہیں تو میں بستر سے اُٹھ کے سیدھی آپ کے
قدموں پہ آگروں گی۔

"جناب صاف صاف کہہ دیجئے کہ قتلِ عمد کا الزام ثابت نہیں ہو سکا
پھر آپ کا ضمیر آپ کو یہ ملامت نہیں کر سکے گا کہ آپ کا دامن ایک بے گناہ
کے خون سے رنگین ہے۔" وغیرہ وغیرہ

اکتالیسواں باب

پیشی

لوگوں کو یہ [illegible] مقدمہ یاد رہے گا۔ ملزم سے لوگوں کو اتنی دلچسپی پیدا ہوئی کہ اچھا خاصا ہنگامہ برپا ہو گیا۔ بات یہ ہے کہ اُس کا جرم حیرت انگیز تو ضرور تھا لیکن خوفناک نہ تھا۔ یہ نوجوان بڑا خوبصورت تھا۔ اس نے کیا رُتبہ حاصل کر لیا تھا، لیکن سب کچھ اتنی جلدی خاک میں مِل گیا۔ اِسی لئے لوگوں کو اور زمس آیا۔ عورتیں اپنے ملاقاتیوں سے پوچھتیں —— "کیا اسے واقعی موت کی سزا مِلے گی؟" اور جواب کے انتظار میں اُن کا چہرہ زرد پڑ جاتا۔

سینٹ بیوؤ

آخر وہ دن آگیا جس کے خیال ہی سے مادام دریبال اور ماتیلد لرز رہی تھیں۔ شہر آج عجیب سا لگ رہا تھا۔ یہ دیکھ کے تو وہ اور بھی ڈر گئیں۔ فوکے ہمت والا آدمی تھا، لیکن اُس کے دل پر بھی چوٹ سی لگی۔ اس رومانی مقدمے کی پیشی دیکھنے کے لئے سارا ضلع آج بیسانسوں میں ڈھل پڑا تھا۔

سراؤں میں کئی دن سے تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ جلے کی اجازت مانگنے والوں

نے صدرِ عدالت کو تنگ کر مارا تھا۔ شہر کی ساری عورتیں مقدمے کے وقت موجود
رہنا چاہتی تھیں۔ ژدویاں کی تصویریں سڑکوں پر بک رہی تھیں۔ وغیرہ وغیرہ
مانتید نے ــــ کے اسقف کے ہاتھ کا لکھا ہوا خط اس آخری وقت کے لیے
محفوظ رکھا تھا۔ یہ شخص فرانس کے کلیسا کا مالک تھا اور اسقفوں کا تقرر اسی کے ہاتھ
میں تھا۔ ایسے آدمی نے ژدویاں کی سفارش کی تھی۔ پیشی سے ایک دن پہلے مانتید
رجھانے گئے بڑے پادری کے پاس پہنچی جس کا بس ان شہروں میں راج تھا۔

اس گفتگو کے آخر میں جب وہ روتی ہوئی کمرے سے نکلنے لگی تو موسیو وزری کیرلے
وہ افسرانہ رکھ رکھاؤ ختم کر کے خود بھی تھوڑی سی رقت کا مظاہرہ کیا اور مانتید سے
کہا ــــ میں جیوری کے فیصلے کا ذمہ لیتا ہوں۔ عدالت نے بارہ آدمیوں کو یہ
تصفیہ کرنے کا حکم دیا ہے کہ آپ جس شخص کی سرپرستی کر رہی ہیں اس کا جرم ثابت
ہوتا ہے یا نہیں اور خصوصاً یہ جرم عمداً ہوا یا اتفاقاً۔ ان میں چھ آدمی میرے دوست
اور خیر خواہ ہیں۔ میں نے انہیں [illegible] مجھے [illegible] ماتن [illegible]
ہیرن دوال نو [illegible] میں نے ہی دیریز کا میئر بنایا تھا۔ اس کے دونوں ماتحت لی
دیموارد اور دشولیس بالکل اس کے ہاتھ میں ہیں۔ خدا کے فضل سے اس معاملے میں
ہماری مدد کرنے کے لیے جیوری کے دو اور آدمی مل گئے ہیں جو اپنی جماعت
سے سخت ناراض ہیں۔ ہیں تو وہ لبرل آزاد خیال مگر اہم معاملات میں وہ میرے
کہنے پر چلتے ہیں۔ میں نے ان سے کہلوا دیا ہے کہ موسیو دالنو کی تائید کریں۔ مجھے
پتا چلا ہے کہ جیوری کا ایک چھٹا آدمی ہے جو صنعتی طبقے سے تعلق رکھتا ہے اور آزاد
خیال جماعت کا رکن ہے۔ بڑا دولت مند اور بڑا جھکی۔ وہ چپکے چپکے وزارتِ جنگ

سے ایک ٹھیکہ لینے کی کوشش کر رہا ہے اور مجھے ناراض نہیں کر سکتا میں نے اُسے بھی جتا دیا ہے کہ موسیو واآل تو میرے فیصلے سے واقف ہیں۔"

"اور یہ موسیو واآل تو کون بزرگ ہیں ؟" ماتیلد نے بے چینی سے پوچھا۔

"اگر آپ اِس شخص سے واقف ہوتیں تو آپ کو ہماری کامیابی پر ذرا بھی شک نہ ہوتا۔ یہ آدمی بڑا منہ پھٹ، بڑا بدزبان اور بڑا اُجڈ ہے۔ وہ بنا ہی احمقوں کی سرداری کے لئے ہے۔ پہلے تو وہ بالکل مفلوک الحال تھا، ۱۸۱۵ء میں اُس نے ذرا ہاتھ پاؤں نکالے۔ اب میں اُسے ناظم بنانے والا ہوں۔ وہ تو اس قماش کا آدمی ہے کہ اگر جیوری کے دوسرے لوگ اُس کی مرضی کے مطابق رائے نہ دیں تو وہ مار پیٹ پر اُتر آئے۔"

ماتیلد کو ذرا تسلّی ہوئی۔

ابھی تو اس بچاری کو ایک اور قضیہ شام کے وقت پیش آنے والا تھا۔ ژولیاں کو معلوم تھا کہ اس قصے کا انجام کیا ہوگا، وہ اس جھگڑے کو طول نہیں دینا چاہتا تھا چنانچہ اُس نے تہیہ کر لیا تھا کہ میں زبان سے ایک لفظ نہیں نکالوں گا۔

وہ ماتیلد سے کہنے لگا ——— "میرا وکیل تو بولے گا ہی، یہ بہت کافی ہے میرا تو ویسے ہی دشمنوں کے سامنے کیا کم تماشا بنے گا۔ تمہاری بدولت میں نے جو ایک دم اتنی ترقی کر لی ہے، اس سے ان قصباتیوں کو بڑا صدمہ پہنچا ہے۔ یقین مانو ان میں ایک آدمی ایسا نہیں ہے جو میرے سزا پانے کی دعائیں نہ مانگ رہا ہو۔ البتہ جب میں قتل گاہ کی طرف جاؤں گا تو یہ لوگ احمقوں کی طرح بھوں بھوں روئیں گے۔"

ماتیلد بولی ——— "یہ تو ٹھیک ہے کہ یہ لوگ تمہیں ذلیل ہوتے دیکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن میں انہیں سنگدل نہیں سمجھتی۔ بساں سوں میں میری موجودگی کی وجہ سے اور خصوصاً میرا

غم واندوہ دیکھ کر ساری عورتوں کو مقدمے سے دلچسپی پیدا ہوگئی ہے۔ باقی کام تمہارا حسین چہرہ کرے گا۔ اگر تم نے ججوں کے سامنے ایک لفظ بھی کہہ دیا تو سارے حاضرین تمہاری طرف ہو نگے۔" وغیرہ وغیرہ۔

اگلے دن صبح کو نو بجے ژدلیاں اپنی کوٹھری سے اُتر کے عدالت کے کمرے میں جانے لگا تو اُس وقت صحن میں لوگ کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے۔ سپاہیوں نے اُس کیلئے بڑی مشکل سے راستہ صاف کیا۔ ژدلیاں کو بڑی اچھی نیند آئی تھی، اس وقت وہ بالکل پرسکون تھا۔ اُس کے دل میں اگر کوئی جذبہ تھا تو بس فلسفیانہ ترحم کا یعنی اُسے ان لوگوں پر ترس آرہا تھا جو سنگدلی کے باعث نہیں بلکہ رشک کی وجہ سے اُس کی سزائے موت پر تالیاں بجا بجا کے داد دے رہے تھے۔ ہجوم نے اُسے کوئی پندرہ منٹ روکے رکھا، اور اُسے ماننا پڑا کہ مجھے دیکھ کر ان لوگوں کو بڑا رحم آرہا ہے۔ اس پر اُسے خاصی حیرت ہوئی ژدلیاں کو ایک فقرہ بھی ایسا نہیں سُنائی دیا جو ناخوشگوار قسم کا ہو۔ وہ دل میں بولا — "یہ قصباتی لوگ اتنے بدباطن نہیں جتنا میں سمجھا تھا"

عدالت کے کمرے میں داخل ہوا تو ژدلیاں کو عمارت کا حسن اور نفاست دیکھ کے بڑا تعجب ہوا۔ عمارت گاتھک انداز کی تھی، اور جا بجا ترشے ہوئے پتھر کے منقش ستون لگے ہوئے تھے۔ اُسے تو ایسا معلوم ہوا جیسے انگلستان پہنچ گیا ہو۔

لیکن فوراً ہی اُسے دس پندرہ عورتوں کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔ جو کٹہرے کے سامنے ججوں اور جیوری کی نشستوں کے اوپر تین دالانوں میں بیٹھی تھیں ژدلیاں عام لوگوں کی نشستوں کی طرف مڑا تو دیکھا کہ اُدھر بھی اوپر والے گول دالان میں عورتیں بھی پڑی ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر جوان تھیں۔ اور اُسے بڑی خوبصورت معلوم ہوئیں۔

اُن کی آنکھیں چمکدار اور دلچسپی سے معمور تھیں کمرے میں خلقت کا بے حد ہجوم تھا۔ لوگ دروازوں پر اندر آنے کے لئے لڑ رہے تھے۔ اور سپاہیوں کی کوشش کے باوجود کمرے میں خاموشی نہ ہوتی تھی۔

لوگوں کی نظریں ژولیاں کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ ملزم کے لئے ایک اونچی سی بنچ الگ رکھی تھی۔ ژولیاں اُس پہ جا کے بیٹھا تو لوگوں کو اُس کی موجودگی کا احساس ہوا۔ اور اس کے استقبال میں حیرت اور دلچسپی کے مارے ایک بھن بھناہٹ سی بلند ہوئی۔

اُس روز وہ ایسا لگ رہا تھا جیسے بیس سال کا بھی نہ ہو۔ لباس بالکل سیدھا سادا تھا، لیکن بڑی نفاست ٹپکتی تھی۔ بال اور پیشانی پیاری پیاری معلوم ہو رہی تھی۔ ماتلید نے خود بڑے اصرار کے ساتھ اُسے بنایا سنوارا تھا۔ آج اُس کے چہرے کی زردی اور بھی بڑھ گئی تھی۔ وہ بنچ پر بیٹھا ہی تھا کہ ہر طرف سے یہی آواز کان میں آئی —— "ارے یہ تو اتنا کم عمر ہے! . . . بالکل لڑکا . . . . اس کی شکل تو اپنی تصویر سے بھی اچھی ہے!"

اُس کے دائیں طرف جو سپاہی بیٹھا تھا وہ اُس سے بولا —— "میاں قیدی، وہ سامنے جو چھ عورتیں بیٹھی ہیں، انہیں دیکھا؟" سپاہی اُس چھوٹے سے چھجے کی طرف اشارہ کر رہا تھا جو جیوری کی نشستوں کے اوپر باہر کو نکلا ہوا تھا: "وہ تو ناظم کی بیوی ہے۔ اُس کے برابر مادام —— کی بیگم ہے۔ اسے تم سے بڑا پیار ہے میں نے سنا تھا۔ مجسٹریٹ سے تمہاری سفارش کر رہی تھی۔ اس کے بعد مادام دردیل بیٹھی ہے۔"

"مادام دردیل!" ژولیاں ایک دم سے چیخ پڑا، اور اس کا چہرہ بالکل سرخ ہو گیا

وہ سوچنے لگا ——— "عدالت سے گھر جا کے یہ مادام درینال کو خط لکھے گی۔" اُسے معلوم نہ تھا کہ مادام درینال تو بساں سوں پہنچ چکی ہے۔

شہادتیں پیش ہونی شروع ہوئیں۔ اس میں کئی گھنٹے لگے۔ سرکاری وکیل نے استغاثے کی طرف سے دو چار ہی لفظ کہے تھے کہ جھجکنے والی عورتوں میں سے دو پھوٹ پھوٹ کے رونے لگیں۔ ژولیاں نے دل میں کہا ——— "مادام درویل کو اتنی جلدی رونا نہیں آتا۔" مگر اُس نے دیکھا کہ اُس کا چہرہ بھی سُرخ ہو رہا تھا۔

سرکاری وکیل نے اس جُرم کی بربریت پر نہایت فضول قسم کی فرانسیسی میں ایک لمبا چوڑا وعظ کہہ ڈالا۔ ژولیاں نے دیکھا کہ مادام درویل کے پاس بیٹھی ہوئی عورتوں کے چہرے سے سخت ناپسندیدگی کا اظہار ہو رہا ہے۔ جیوری کے کئی آدمی جو غالباً اِن عورتوں کے دوست تھے اُن سے کچھ کہنے لگے۔ شاید وہ انہیں تسلی دے رہے تھے۔ ژولیاں نے سوچا ——— "یہ شگون تو اچھا معلوم ہوتا ہے۔"

جتنے لوگ اس مقدمے میں شریک تھے اُن کی طرف سے ژولیاں کو اب تک سخت حقارت معلوم ہو رہی تھی۔ سرکاری وکیل کی پھُس پھُسی خطابت سے یہ بیزاری اور بڑھ گئی۔ لیکن اُس نے دیکھا کہ لوگ مجھ سے اتنی دلچسپی لے رہے ہیں تو اُس کی خشک دماغی رفتہ رفتہ غائب ہونے لگی۔

ژولیاں کو یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ میرے وکیل کے چہرے پر عزم جھلک رہا ہے۔ وکیل تقریر کرنے کھڑا ہوا تو اُس نے چپکے سے کہا ——— "دیکھیے فصاحت و بلاغت کے دریا نہ بہا بیٹھیے گا۔"

وکیل بولا ——— "آپ کے خلاف پوتھوں سے چرائی ہوئی جتنی خطابت استعمال

ہوئی ہے اُس سے آپ کو اُلٹا فائدہ پہنچا ہے۔" اور واقعی اُسے تقریر کرتے پانچ منٹ بھی نہ ہوئے تھے کہ تقریباً ساری عورتوں نے رومال ہاتھ میں لے لیے۔ اس سے وکیل کو بڑی تقویت پہنچی۔ اور اُس نے جیوری سے خطاب کرتے ہوئے خاص سخت الفاظ استعمال کئے۔ ژولیاں کانپنے سا لگا۔ اُسے یہ معلوم ہو رہا تھا کہ بس اب میرے آنسو نکلے۔ "خدایا! میرے دشمن کیا کہیں گے؟"

اُس کا دل اتنا گداز ہو گیا تھا کہ اُس کے جذبات پھٹ پڑنے کو تھے۔ اتنے میں خوش قسمتی سے ژولیاں کو پتا چلا کہ موسیو واآل تو میری طرف بڑی بدتمیزی سے دیکھ رہا ہے۔

وہ دل میں بولا — "اس بدمعاش کی آنکھیں کیسی چمک رہی ہیں! یہ بدنہاد اپنے دل میں کیسا خوش ہو رہا ہو گا! اگر میرے جرم کا مطلب بس اتنا ہی ہوتا تو مجھے اس سے کتنی گھن آتی۔ خدا جانے یہ مادام ورنال سے میرے بارے میں کیا کیا کہے گا!"

اس خیال نے باقی سب خیالات کو ختم کر کے رکھ دیا۔ ذرا سی دیر بعد لوگوں کے نعرہ ہائے تحسین بلند ہوئے تو ژولیاں کو ہوش آیا۔ اُس کے وکیل نے اپنی تقریر ابھی ابھی ختم کی تھی۔ ژولیاں کو خیال آیا کہ وکیل سے ہاتھ ملانا لازمی ہے۔ وقت بڑی جلدی گذرا تھا۔

وکیل اور قیدی کے لئے ناشتہ آیا۔ اب کہیں جا کے ژولیاں کو ایک عجیب و غریب چیز کا احساس ہوا۔ ایک بھی عورت کھانے کے لئے باہر نہ گئی تھی۔

"خدا کی قسم میں تو بھوک کے مارے مرا جا رہا ہوں" اُس کا وکیل بولا۔ "اور آپ؟"

"میرا بھی یہی حال ہے۔" ژولیاں نے کہا۔

"وہ دیکھئے، ناظم کی بیوی نے بھی اپنا کھانا یہیں منگوایا ہے۔" وکیل نے چھجے کی

طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "فکر نہ کیجئے معاملہ بہت ٹھیک چل رہا ہے" مقدمہ پھر شروع ہو گیا۔

جب صدرِ عدالت مقدمے کا خلاصہ بیان کر رہا تھا تو آدھی رات کا گھنٹہ بجا اُسے بیچ میں رُکنا پڑا۔ ہر آدمی اضطراب میں مبتلا تھا۔ اس گہری خاموشی میں گھنٹے کی آواز کمرے میں گونج اُٹھی۔

ژولیاں نے سوچا —— اب میری زندگی کا آخری دن شروع ہو گیا۔ اتنے میں اُسے اپنے فرض کا خیال آیا۔ اور اُس کے دل میں آگ سی لگ اُٹھی۔ اب تک اُس نے اپنے جذبات کو پوری طرح قابو میں رکھا تھا، اور اپنے اسی فیصلے پر قائم رہا تھا کہ میرے مُنہ سے ایک لفظ نہ نکلے گا۔ لیکن جب صدرِ عدالت نے پوچھا کہ تمہیں کچھ کہنا ہے تو وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ اُسے اپنے سامنے مادام دروِل کی آنکھیں نظر آئیں جو لیمپ کی روشنی میں ایک عجیب طرح چمک رہی تھیں۔ وہ سوچنے لگا —— "نہیں یہ رو تو نہیں رہی!"

"حضرات!"

"مجھے اُمید تھی کہ مرتے وقت میں آپ لوگوں کی حقارت برداشت کروں گا۔ لیکن مجھے اس سے اتنی گھن آتی ہے کہ آخر میں بولنے پر مجبور ہو ہی گیا۔ حضرات مجھے آپ کے طبقے کا ایک فرد ہونے کا شرف حاصل نہیں۔ میں تو ایک معمولی کسان مزدور ہوں جسے اپنا نیچ پن قبول نہیں اور جو بغاوت پر اُٹھ کھڑا ہوا ہے۔

"میں رحم کی التجا کے لئے نہیں آیا ہوں۔" ژولیاں کی آواز سخت ہوتی گئی۔ "مجھے کسی قسم کی خوش فہمی نہیں۔ موت میرا انتظار کر رہی ہے۔ میں اسی سزا کا مستحق ہوں۔ میرا جرم یہ ہے کہ میں نے ایک ایسی عورت کی جان لینی چاہی جو واقعی پوجنے کے لائق ہے۔ مادام درینال نے مجھ سے ماں کا سا سلوک کیا ہے۔ میرا جرم بڑا خوفناک ہے، اور میں نے عمداً

کیا ہے۔ چنانچہ حضرات، میں موت کی سزا کا مستحق ہوں۔ لیکن اگر میرا قصور اتنا زبردست نہ ہوتا تو بھی میری نظروں کے سامنے ایسے حضرات موجود ہیں جنہیں میری جوانی پر ذرا ترس نہ آئے گا۔ بلکہ سب مجھے سزا دینے کی کوشش کریں گے تاکہ ان نوجوانوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عبرت ہو جو نیچے طبقے میں پیدا ہوئے ہیں اور افلاس کے بوجھ تلے دبے ہوئے ہیں۔ لیکن جنہیں خوش قسمتی سے تعلیم اچھی مل رہی ہے۔ اور جنہوں نے بڑے لوگوں سے ملنے جلنے کی جسارت کی ہے۔

"حضرات یہ ہے میرا جرم اور مجھے اس کی سزا اور بھی زیادہ سختی کے ساتھ دی جائیگی کیونکہ میرے مقدمے کا فیصلہ میرے ہم چشموں کے ہاتھ میں نہیں۔ جیوری میں مجھے ایک بھی آدمی ایسا نظر نہیں آتا جو شروع میں تو کسان یا مزدور رہا ہو اور بعد میں مالدار ہو گیا ہو۔ بلکہ سارے کے سارے متوسط طبقے کے لوگ ہیں جنہیں میرے اوپر غصہ آرہا ہے۔۔۔"

ژولیاں کوئی بیس منٹ تک اسی انداز میں بولتا رہا، اور اس کے دل میں جو کچھ تھا سب کہہ ڈالا۔ سرکاری وکیل امرائے طبقے سے نوازشات کا طالب تھا، وہ اپنی کرسی سے بار بار اچکتا رہا۔ گو ژولیاں نے بحث کو ذرا نظریاتی رنگ دے دیا تھا لیکن اس کے باوجود ساری عورتوں کا روتے روتے برا حال ہو گیا تھا۔ خود مادام دروبل نے آنکھوں پر رومال رکھ لیا تھا۔ تقریر ختم کرنے سے پہلے ژولیاں نے پھر وہی قصہ چھیڑ دیا یعنی قتل عمد کا سوال، اپنی ندامت، اپنے دل میں مادام درینال کی عزت اور وہ بیٹیوں کی سی محبت جو ایک بہتر زمانے میں اس کے لئے محسوس کی تھی۔۔۔۔ مادام دروبل نے چیخ ماری اور بے ہوش ہو گئی۔

جیوری کے لوگ اپنے فیصلے پر غور کرنے کے لئے برابر والے کمرے میں گئے تو

ایک بج رہا تھا۔ کوئی عورت اپنی جگہ سے ہل تک نہ تھی۔ کئی مردوں کی آنکھوں میں آنسو
آ گئے تھے۔ پہلے تو لوگوں میں بڑی چہل پہل رہی، لیکن جب جیوری کے فیصلے میں دیر ہونے
لگی تو خستگی کے مارے خاموشی چھا گئی۔ فضا بڑی گمبھیر ہو گئی تھی۔ چراغوں کی روشنی تک
دھیمی پڑ چلی تھی۔ ژدلیاں تھک کے بے جان ہو چکا تھا۔ اس نے اپنے آس پاس لوگوں
کو بحث کرتے سنا کہ یہ جو دیر ہو رہی ہے تو یہ کوئی اچھا شگون ہے یا بُرا۔ اسے یہ دیکھ
کے بڑی خوشی ہوئی کہ ہر آدمی اسی کی طرف تھا۔ جیوری کے لوگ واپس ہی نہ آ رہے
تھے۔ لیکن ابھی تک ایک عورت عدالت سے باہر نہ گئی تھی۔

جب دو بجے تو ہر طرف ایک ہلچل سی مچ گئی۔ جیوری والے کمرے کا چھوٹا سا
دروازہ کھلا۔ ہیرن دوال تو بڑی متانت کے ساتھ ڈرامائی انداز میں آگے بڑھا۔
جیوری کے باقی لوگ اس کے پیچھے پیچھے تھے۔ پہلے تو وہ کھانسا، اور پھر حلف
اٹھا کر اعلان کیا کہ جیوری کی متفقہ رائے یہ ہے کہ ژدلیاں قتل، بلکہ قتل عمد کا
مجرم ہے۔ اس فیصلے کا مطلب تھا سزائے موت۔ یہ سزا ابھی ایک لمحے بعد سنا دی
گئی۔ ژدلیاں نے گھڑی دیکھی اور اسے موسیو دلا والت یاد آنے لگا۔ اس وقت
سوا دو بجے تھے۔ وہ دل میں بولا ——— "آج جمعہ ہے۔"

"ہاں، لیکن یہ دوال لڑکے کے لیے بڑی خوش قسمتی کا دن ہے، کیونکہ اس نے مجھے
موت کی سزا دی ہے۔ ... میری نگرانی اتنی سختی سے ہو رہی ہے کہ مادام دلا والت
کی طرح ماتیلد مجھے اڑا کے نہیں لے جا سکتی۔ ... غرض آج سے تین دن بعد
ٹھیک اسی وقت تجھے پتا چل جائے گا کہ دوسری دنیا کیا چیز ہے۔"

اتنے میں ایک چیخ سنائی دی۔ اور وہ پھر اسی دنیا میں واپس آ گیا۔ اس کے

آس پاس کی عورتیں سسکیاں لے لے کے رو رہی تھیں۔ اُس نے دیکھا کہ ہر آدمی کا منہ ایک چھوٹے سے دالان کی طرف ہے جو ایک ستون کے پیچھے چھپا ہوا ہے۔ بعد میں اُسے پتا چلا کہ ماتیلد وہاں چھپی بیٹھی تھی۔ چیخ کی آواز دوبارہ نہ آئی تو لوگ مڑ کے پھر ژولیاں کی طرف دیکھنے لگے۔ اس وقت سپاہی اُسے ہجوم کے اندر سے نکال لینے کی کوشش کر رہے تھے۔

ژولیاں دل میں کہنے لگا — "مجھے کوشش یہ کرنی چاہیئے کہ اس بدمعاش وال نو کو ہنسنے کا موقع نہ ملے۔ جیوری کے فیصلے کا نتیجہ یہی ہونا تھا کہ مجھے موت کی سزا ملے، لیکن اس شخص نے کیسے معصوم بن کے فیصلہ سنایا ہے جیسے بڑی ندامت ہو رہی ہو! اس کے برخلاف جب بچارے صدرِ عدالت نے سزا کا حکم دیا تو حالانکہ وہ اتنے دن سے جج ہے، مگر اُس کی بھی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ مادام درینال کے سلسلے میں ہم دونوں کی جو رقابت رہ چکی ہے آج وال نو نے اُس کا بدلہ لے لیا۔ اُسے کتنی خوشی ہوتی ہوگی! اب میں مادام درینال کو کبھی نہ دیکھ سکوں گا! سب ختم ہوا ...... ہم دونوں ایک دوسرے کو الوداع بھی نہیں کہہ سکتے۔ میرا دل گواہی دے رہا ہے ... اگر میں اُسے بتا سکتا کہ اس جرم پر مجھے اپنے آپ سے کتنی گھن آ رہی ہے تو کیسی خوشی کی بات ہوتی!

"کاش میں بس یہ دو چار لفظ کہہ سکتا — میں واقعی اسی سزا کا مستحق ہوں"۔

بیالیسواں باب

قید خانے میں

زولیاں کو قید خانے میں واپس لا کے اُس کوٹھری میں رکھا گیا جو سزائے موت پانے والوں کے لئے مخصوص تھی۔ عام طور سے تو وہ ذرا ذرا سی بات کا مشاہدہ کیا کرتا تھا لیکن اس وقت اُس نے یہ تک نہ دیکھا کہ میں اپنی پہلے والی کوٹھری میں نہیں آیا۔ وہ تو یہ سوچ رہا تھا کہ اگر مرنے سے پہلے کہیں خوش قسمتی سے مادام وریناں سے ملاقات ہوگئی تو میں کیا باتیں کروں گا۔ اُس کا خیال تھا کہ وہ مجھے بولنے ہی نہ دے گی۔ چنانچہ وہ اس فکر میں لگا ہوا تھا کہ بات کس طرح شروع کروں۔ جو پہلے ہی دو چار الفاظ میں میری ندامت کا اظہار ہو جائے۔ "ایسی حرکت کے بعد میں اُسے کس طرح یقین دلاؤں کہ مجھے اُس سے اور صرف اُس سے محبت ہے؛ کیونکہ بہر حال میں نے اُس کی جان لینے کی کوشش تو اپنی جاہ طلبی کی وجہ سے کی تھی یا ماتیلد کی محبت کے باعث۔"

وہ بستر پہ لیٹا تو دیکھا کہ چادریں بڑے موٹے کپڑے کی ہیں۔ اس کی آنکھیں ایکدم سے کھل گئیں۔ وہ دل میں بولا — "اوہو، میں تو سزائے موت پانے والوں کی کوٹھری میں ہوں، اور اپنے قتل کا انتظار کر رہا ہوں۔ انصاف کا تقاضا بھی یہی ہے ....

"کاؤنٹ آنتا میرا نے ایک دفعہ سنایا تھا کہ داں توں مرنے لگا تو اپنی بھاری آواز میں بولا، یہ عجیب بات ہے کہ اس لفظ "مرنا" کی پوری گردان نہیں ہو سکتی آدمی یہ تو کہہ سکتا ہے کہ میں مروں گا، تو مرے گا۔ لیکن یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں مر گیا۔

"لیکن اگر اس کے بعد بھی ایک زندگی ہے تو کیوں نہیں کہہ سکتا؟ . . . اگر کہیں عیسائیوں کے خدا سے میری مڈبھیڑ ہوئی تو میں کہیں کا نہ رہوں گا۔ وہ تو بڑا تھا اسے انتقام کے سوا کچھ نہیں آتا۔ اس کی انجیل میں ہر جگہ طرح طرح کی خوفناک سزاؤں کا ذکر ہے۔ مجھے اس سے کبھی محبت نہیں رہی۔ میری تو یہ بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ اس سے خلوص کے ساتھ کوئی محبت کر کیسے سکتا ہے۔ اس میں ذرا رحم کا مادہ نہیں (یہاں ژولیاں کو انجیل کی کئی عبارتیں یاد آئیں) وہ مجھے بڑی بڑی سزا دے گا . . . .

"لیکن اگر فینیلوں کے خدا سے ملاقات ہوئی! شاید وہ کہے گا کہ جا تیری ہر خطا معاف ہے کیونکہ تو نے بڑی زبردست محبت کی ہے . . . .

"کیا میں نے واقعی اتنی ہی زبردست محبت کی ہے؟ آہ! میں نے مادام ورینال سے محبت کی تو ہے، لیکن اس سے میرا سلوک بڑا ظالمانہ رہا ہے۔ جیسا ہمیشہ کرتا ہوں وہی میں نے یہاں بھی کیا یعنی ماتلید کی چمک دمک سے مرعوب ہو کے میں نے اس سیدھی سادی اور نیک عورت کو چھوڑ دیا . . . .

"لیکن توقعات بھی تو کیسی کیسی تھیں! جنگ چھڑ جائے تو فوج میں کرنل، امن کے زمانے میں کسی سفارت خانے کا سکرٹری اس کے بعد سفیر . . . . کیونکہ میں یہ سارا کام بڑی جلدی سیکھ جاتا . . . . اگر میں احمق بھی ثابت ہوتا تو بھی مارکوئس دلاموں کے داماد کو کسی رقیب سے کیا خطرہ ہو سکتا ہے؟ میری ساری احمقانہ حرکتیں معاف

ہو جاتیں، بلکہ اُن کا شمار بھی خوبیوں میں ہوتا۔ میں بڑا ممتاز آدمی ہوتا، اور ٹھاٹ سے ویانا یا لنڈن میں رہتا۔ . . .

"نہیں جناب، اتنے زور میں نہ آیئے۔ ابھی تین دن بعد آپ قتل ہونے والے ہیں۔"

ژولیاں اپنی ظرافت پہ خود ہی دل کھول کے ہنسا۔ وہ سوچنے لگا — "بات یہ ہے کہ آدمی کے اندر دو مختلف شخصیتیں ہوتی ہیں۔ یہ کون شیطان بیچ میں بول پڑا؟"

اُس نے اس مداخلت کرنے والی آواز کو جواب دیا — "ہاں، دوست، ٹھیک ہے۔ میں تین دن میں قتل ہونے والا ہوں۔ مسز دی شنولیں تماشا دیکھنے کے لئے ایک کھڑکی کرائے پہ لے گا، اور آدھے پیسے پادری ماسلوں دیگا۔ اچھا، یہ کرایہ برداشت کرنے کے لئے ان میں سے کون کس کی جیب کاٹے گا؟"

اچانک اُسے روترو کے ناٹک کا ایک ٹکڑا یاد آیا — لادسلا ——— "میری رُوح بالکل تیار ہے۔"

بادشاہ (اُس کا باپ) — "پھانسی کا تختہ بھی تیار ہے۔ تشریف لایئے۔"

"بڑا اچھا جواب ہے۔" اُس نے سوچا، اور اُسے فوراً نیند آگئی۔ صبح کو کسی نے اُسے زور زور سے ہلا کے جگایا۔

"ارے وقت آگیا!" ژولیاں نے وحشت زدہ آنکھیں کھول کے کہا۔ اسے بالکل ایسا لگا جیسے جلاّد نے دبوچ رکھا ہو۔

یہ ماتیلد تھی۔ "یہ اچھا ہوا کہ اس نے میری بات نہیں سمجھی۔" اس خیال سے اُس کی دل جمعی ہوئی۔ اُس نے دیکھا کہ ماتیلد اتنی بدل گئی ہے جیسے چھ مہینے سے بیمار رہو۔ واقعی اُس کی شکل نہیں پہچانی جا رہی تھی۔

"اس بدمعاش فری کیبرنے مجھے بڑا دھوکا دیا۔" وہ اپنے ہاتھ مروڑتے ہوئے بولی۔ غصے کے مارے اُس سے بولا نہ جا رہا تھا۔

ژولیاں نے جواب دیا — "کل میں نے بڑے زور کی تقریر کی نا؟ میں فی البدیہہ بول رہا تھا، اور عمر میں پہلی دفعہ! البتہ یہ بات ضرور ہے کہ شاید یہ تقریر آخری بھی ہو۔"

اس وقت ژولیاں ماتیلد کے مزاج سے اِس طرح کھیل رہا تھا جیسے کوئی ماہر سازندہ اپنا ساز بجا رہا ہو۔ . . . وہ کہنے لگا — "یہ تو ٹھیک ہے کہ مجھے حسب نسب کا ذرا بھی امتیاز حاصل نہیں، لیکن ماتیلد کا عظیم دل اپنے عاشق کو بھی اپنی سطح پر لے آیا ہے۔ کیا تمہارے خیال میں ججوں کے سامنے بونی فاس دلاموَل نے اس سے زیادہ زور باندھا ہوگا؟"

آج صبح ماتیلد کا دل گداز ہو رہا تھا، اور وہ بناوٹ سے اتنی ہی دُور تھی جتنی کوئی جھونپڑے میں رہنے والی غریب لڑکی۔ لیکن اپنی کوشش کے باوجود اسے ژولیاں سے کوئی سیدھا سادا جواب نہ مل سکا۔ ایک زمانے میں اُس نے ژولیاں کو بڑی اذیت پہنچائی تھی، آج وہ غیر شعوری طور پر اپنا بدلہ لے رہا تھا۔

ژولیاں دل میں کہنے لگا — "ہمیں دریائے نیل کے مخرج کا پتا نہیں۔ انسان کی آنکھ اِس دریاؤں کے بادشاہ کو آج تک چشمے کی صورت میں نہیں دیکھ سکی۔ اسی طرح انسان کی آنکھ ژولیاں کی کوئی کمزوری نہیں دیکھ سکے گی، کیونکہ وہ کمزور آدمی ہی نہیں۔ لیکن میرا دل بڑی جلدی پگھل جاتا ہے۔ سیدھے سادے الفاظ میں ذرا بھی صداقت کی جھلک ہو تو میری آواز نرم پڑ جاتی ہے، بلکہ بعض دفعہ تو آنکھوں سے آنسو نکل آتے ہیں۔ اِس خرابی کی وجہ سے خشک مزاج لوگوں نے کتنی ہی دفعہ

مجھے حقیر سمجھا! اُنہیں خیال ہوُا کہ میں رحم کی بھیک مانگ رہا ہوں۔ یہ بات میں بالکل برداشت نہیں کر سکتا۔

"کہتے ہیں کہ داں تون قتل گاہ میں پہنچا تو اپنی بیوی کو یاد کر کے رو پڑا۔ لیکن داں تون بڑا آدمی تھا۔ اس نے ایک احمقوں کی قوم کو مضبوط بنا دیا تھا، اور دُشمن کو پیرس پہنچنے سے روک دیا تھا۔ ۔ ۔ ۔ میں کیا کچھ کر سکتا تھا۔ یہ صرف مجھ ہی کو معلوم ہے۔ ۔ ۔ ۔ دوسروں کے لئے تو میں زیادہ سے زیادہ ایک ایسا آدمی ہوں جو کچھ ہو سکتا تھا مگر ہو نہ سکا۔

"اگر ماتیلد کے بجائے اس وقت مادام دریناآل میری کوٹھری میں ہوتی تو کیا مجھ سے ضبط ہو سکتا؟ واآل نو جیسے لوگ اور قرب وجوار کے شرفا میری شدید مایوسی اور ندامت کو بزدلی اور موت کے خوف سے تعبیر کرتے۔ یہ لوگ مغرور تو ہیں مگر نہایت ٹُھڑ دلے۔ اُن کی مالی حیثیت نے اُنھیں ترغیبات سے بچا رکھا ہے۔ موسیو دمو آرو اور موسیو دشولیں جنہوں نے مجھے موت کی سزا دی ہے۔ مجھے دیکھ کر کہتے ـــــ "دیکھو بڑھئی کا بیٹا ایسا ہوتا ہے! آدمی عالم جتنا چاہے بن جائے لیکن ہمّت! ۔ ۔ ۔ ۔ ہمّت سیکھنے سے نہیں آتی۔" یہ بچاری ماتیلد بھی جو اس وقت بیٹھی رو رہی ہے، بلکہ اب تو اس سے رویا بھی نہیں جا رہا۔" وہ ماتیلد کی لال لال آنکھیں دیکھ کے بولا، اور اُسے گلے لگا لیا۔ حقیقی غم کے اس نظارے نے اُس کی ساری منطق بھلا دی۔ وہ دل میں کہنے لگا "شاید یہ رات بھر روتی رہی ہے۔ لیکن ایک دن یہ باتیں یاد کر کے اُسے کتنی شرم آئے گی! وہ سوچے گی کہ نوجوانی کے دنوں میں ایک پنچ آدمی کے پست خیالات نے مجھے گمراہ کر دیا تھا۔ ۔ ۔ ۔ ۔

کروازنوا کمزور طبیعت کا آدمی ہے، وہ اس سے شادی کرے گا۔ اور بجد اُس کے لئے رہے گا بھی اچھا۔ ماتیلد پختہ ارادے کی مالک ہے، بڑے بڑے منصوبے باندھ سکتی ہے بقول شاعر اُسے معمولی آدمیوں کے مبتذل دماغوں پر حکومت کرنے کا حق حاصل ہے۔ چنانچہ وہ کروازنوا کو واقعی کچھ نہ کچھ بنا کے رہے گی۔

"تو یہ ایک اور مزے کی بات ہے۔ میری موت تو سر پہ کھڑی ہے، اور میں نے جتنے شعر پڑھے ہیں سب یاد آئے چلے جا رہے ہیں۔ یہ بھی انحطاط کی نشانی ہے۔ ۔ ۔ ۔"

ماتیلد مردہ سی آواز میں بار بار کہہ رہی تھی —— "وہ برابر والے کمرے میں بیٹھا ہے" آخر ژولیاں کو اُس کی بات کا دھیان آیا۔ وہ سوچنے لگا —— "اس کی آواز بڑی کمزور ہو گئی ہے، لیکن لہجے میں وہ شاہانہ مزاج اب بھی جھلکتا ہے۔ نیچی آواز میں اس لئے بول رہی ہے کہ غصہ نہ آ جائے۔"

"کون بیٹھا ہے؟" ژولیاں نے ملائمت سے پوچھا۔

"وکیل۔ تم سے اپیل پر دستخط کرانے ہیں۔"

"میں اپیل نہیں کروں گا۔"

"ہیں! اپیل نہیں کرو گے!" وہ اُٹھ کھڑی ہوئی، اور اُس کی آنکھیں غصّے کے مارے دہکنے لگیں۔ "ذرا یہ تو بتاؤ، اپیل کیوں نہیں کرو گے؟"

"کیونکہ اس وقت مجھے اپنے اندر اتنی ہمّت محسوس ہو رہی ہے کہ چُپ چُپاتے مر جاؤں اور کسی کو اپنے اوپر ہنسنے کا موقع نہ دوں۔ کیا خبر دو مہینے تک اس سیلی ہوئی کوٹھڑی میں پڑے سڑنے کے بعد مجھ میں ایسی ہمّت باقی رہے یا نہ رہے؟ مجھے ابھی سے دکھائی دے رہا ہے کہ پادریوں سے ملنا پڑے گا، اپنے باپ سے ملنا

پڑے گا . . . میرے لئے اس سے زیادہ ناخوشگوار بات اور کوئی نہیں ہو سکتی. مجھے مرنے دو ۔"

ماتیلد کو اس ہٹ دھرمی کی ذرا امید نہ تھی ۔ اُس کے مزاج کا سارا غرور ایک دم سے جاگ اُٹھا ۔ بساستوں کے قیدخانے میں کوٹھریوں کے کھلنے کا جو وقت مقرر تھا اُس سے پہلے وہ پادری دفری لییر سے نہ مل سکی تھی ۔ چنانچہ اُس کا غصہ ژولیاں پہ اُترا ۔ وہ اُس پہ جان چھڑکتی تھی ۔ لیکن پندرہ منٹ تک اُس کے کردار کو گالیاں دیتی اور یہ افسوس کرتی رہی کہ میں نے تم سے محبت ہی کیوں کی ۔ یہ باتیں سن کے ژولیاں کو وہ مغرور طبیعت لڑکی یاد آ گئی جو کچھ دن پہلے مارکوئس دلامول کے کتب خانے میں اُسے اتنی بُری طرح ذلیل کرتی تھی کہ ژولیاں کا دل بھر آتا تھا ۔

وہ ماتیلد سے بولا ــــ " اگر خدا نے تمہیں مرد بنایا ہوتا تو تمہارے خاندان کی شہرت کو چار چاند لگ جاتے ۔"

پھر وہ دل میں کہنے لگا ــــ " ہاں میں تو یہ بڑی بے وقوفی کی بات ہو گی کہ اس گندی کوٹھری میں دو مہینے اور رہوں اور پھر شرفا کے طبقے کی تحقیر و تذلیل اور دروغ بافی کا نشانہ بنوں [یہ ایک انقلابی بول رہا ہے] میرے لئے راحت کا کوئی سامان ہو گا تو اس دیوانی کی گالیاں . . . خیر پرسوں صبح میرا معرکہ ایک ایسی ہستی سے ہو گا جس کی سرد مزاجی اور ہنرمندی مشہور روزگار ہے ۔" شیطان نے کان میں کہا ــــ " اُس کی ہنرمندی کا جواب نہیں ، آج تک اُس کا وار خالی نہیں گیا ۔"

" خیر ٹھیک ہے ، چلنے دو ۔ جو ہو سو ہو ۔" (ماتیلد کی فصاحت و بلاغت اسی طرح

جاری تھی) "نہیں، خدا کی قسم، کبھی نہیں" وہ دل میں بولا۔ "میں اپیل نہیں کروں گا"
یہ فیصلہ کرنے کے بعد وہ پھر اپنے خوابوں میں کھو گیا۔ ۔ ۔ ۔ "ڈاکیہ حسبِ معمول چھ بجے اخبار لے کے آئے گا۔ پہلے تو موسیو دریناّل پڑھے گا۔ پھر آٹھ بجے ایلیزا پنجوں کے بل کمرے میں داخل ہوگی۔ اور اخبار مادام دریناّل کے بستر پہ رکھ دے گی۔ تھوڑی دیر بعد اس کی آنکھ کھلے گی۔ اخبار پڑھتے پڑھتے وہ ایک دم سے پریشان ہو جائے گی۔ اس کے خوبصورت ہاتھ کانپنے لگیں گے۔ اتنے میں یہ الفاظ اس کی نظر سے گزریں گے ۔۔۔۔۔ دس بج کے پانچ منٹ پہ اس کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔
"میں اسے خوب جانتا ہوں، وہ خون کے آنسو روئے گی۔ میں نے اسے قتل کرنے کی کوشش فضول ہی کی۔ وہ سب بھول جائے گی۔ دنیا میں صرف ایک آدمی میری موت پر خلوص کے ساتھ روئے گا، اور یہ وہی ہوگی جس کی جان میں نے لینی چاہی تھی۔
"یہ تو عجب الٹی بات ہے!" وہ دل میں بولا۔ اگلے پندرہ منٹ تک ماتیلد تو اسی طرح بگڑتی رہی، اور وہ بس مادام دریناّل کے بارے میں سوچتا رہا۔ حالانکہ وہ اکثر ماتیلد کی باتوں کا جواب تو دیتا رہا، لیکن اس کی کوشش کے باوجود ویریئر والی خواب گاہ کا خیال اس کے دل سے دور نہ ہو سکا۔ اسے نارنجی مخمل کے بستر پہ اخبار پڑا دکھائی دے رہا تھا۔ اس کی نظریں دیکھ رہی تھیں کہ اس سفید سفید ہاتھ نے اخبار کو ایک دم سے بھینچ لیا۔ اس کی نظریں دیکھ رہی تھیں کہ مادام دریناّل رو رہی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ژولیاں کو اس دلفریب چہرے پہ ایک ایک آنسو الگ بہتا نظر آرہا تھا۔
مادموازیل دلامول کو ژولیاں سے کوئی تسلی بخش جواب نہ ملا تو اس نے وکیل

کو اندر بُلا لیا۔ خوش قسمتی سے وہ اُس فوج کا پُرانا کپتان تھا جو ۱۸۶۹ء میں اٹلی گئی تھی۔ اور وہ میپولین کے ساتھ رہ چکا تھا۔

دستور کے مطابق اُس نے مجرم کے فیصلے کی مخالفت کی۔ ژولیاں اُس کے ساتھ ادب سے پیش آنا چاہتا تھا۔ لہٰذا اُس نے وکیل کے سامنے اپنی ساری دلیلیں بیان کیں۔

"ہاں، آپ جو کہتے ہیں وہ بجا ہے۔" موسیو فیلکس دالز (یعنی وکیل) نے آخر میں کہا۔ "لیکن اپیل کرنے کے لئے آپ کے پاس پُورے تین دن ہیں۔ میرا فرض ہے کہ میں روز آ کے آپ کو سمجھاؤں۔ اگر اگلے دو مہینے میں قید خانے کے نیچے کوئی آتش فشاں پہاڑ پھٹ پڑا تو آپ مفت میں رہا ہو جائیں گے۔ یا ممکن ہے آپ کسی بیماری سے مر جائیں۔" وہ ژولیاں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

ژولیاں نے اُس کا ہاتھ پکڑ کے دبایا اور بولا ــــ "آپ کا بہت بہت شکریہ۔ آپ بڑے اچھے آدمی ہیں۔ میں آپ کی بات پر غور کروں گا۔"

آخر جب ماتیلد وکیل کے ساتھ رخصت ہوئی تو ژولیاں کو اُس سے زیادہ وکیل پر پیار آ رہا تھا۔

تینتالیسواں باب

الوداع

گھنٹے بھر بعد وہ گہری نیند سو رہا تھا کہ ہاتھ پر آنسو ٹپکتے محسوس ہوئے، اور اُسکی آنکھ کھل گئی "ارے، یہ ماتیلد پھر آ گئی!" اُس نے نیم بیداری کی حالت میں سوچا۔ "یہ اپنی بات پر اڑی ہوئی ہے، اور پیار محبت جتا کے میرے ارادے کو ختم کرنا چاہتی ہے" اب شاید جذبات کا ناٹک پھر کھیلا جانے والا تھا۔ اِس خیال سے ژولیاں بہت بدمزہ ہوا، اور آنکھیں بند کئے پڑا رہا۔ اُسے دوزخ کے عفریت بیل فیگور کا قصہ یاد آنے لگا جو دُنیا میں آ کے رہا تھا، مگر بیوی سے گھبرا کے پھر واپس بھاگ گیا۔

اتنے میں کراہنے کی ایک عجیب سی آواز آئی۔ اُس نے آنکھیں کھول کے دیکھا یہ تو مادام دریناں تھی۔

"ارے مرنے سے پہلے میں تمہیں ایک دفعہ پھر دیکھ رہا ہوں؟ کہیں میری آنکھیں دھوکہ تو نہیں دے رہیں؟" وہ اُس کے قدموں پر گرتے ہوئے بولا۔

"لیکن معاف کیجیئے گا۔ بیگم صاحب آپ کی نظروں میں میری حیثیت تو ایک قاتل سے زیادہ نہیں۔" اُس کے ہوش و حواس بجا ہوئے تو اُس نے فوراً لقمہ دیا۔

"جناب . . . دیکھیئے میں آپ سے یہ التجا کرنے آئی ہوں کہ آپ اپیل ضرور

کیجئے۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ کو یہ بات پسند نہیں . . .' سسکیوں کے مارے اس کا گلا رُندھ گیا، اور وہ آگے نہ بول سکی۔

"اچھا، مہربانی فرماکر مجھے معاف کردیجئے۔"

وہ اُٹھ کے اس کی آغوش میں آگری، اور بولی ــــ "اگر تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں معاف کردوں تو سزائے موت کے خلاف فوراً اپیل کرو۔"

ژولیاں نے بوسوں کی بوچھاڑ کردی۔

"اچھا تم ان دو مہینوں میں روز میرے پاس آیا کروگی؟"

"ہاں، میں قسم کھاتی ہوں، میرے شوہر نے مجھے نہ روکا تو روز آؤں گی۔"

"اچھا تو میں بھی اپیل پر دستخط کئے دیتا ہوں۔" ژولیاں ایک دم سے چیخ اُٹھا۔ "ہیں! تم نے مجھے معاف کردیا! کیا واقعی یہی بات ہے؟"

ژولیاں نے اُسے بازوؤں میں جکڑلیا۔ وہ بالکل پاگل ہورہا تھا۔ مادام رینال نے ایک ہلکی سی چیخ ماری۔

"کوئی بات نہیں۔" وہ بولی۔ "تم نے تو مجھے بھینچ ڈالا۔"

"میں تمہارے کندھے پر سر رکھ کے روؤں گا۔" ژولیاں نے کہا، اور پھوٹ پھوٹ کے رونے لگا۔ پھر وہ ذرا پیچھے ہٹ گیا، اور اس کے ہاتھ پر گرما گرم بوسوں کی بوچھاڑ کردی۔ "جب میں ویریئر میں تم سے آخری بار تمہارے کمرے میں ملا تھا تو بھلا کون کہہ سکتا تھا . . . . ؟"

"اُس وقت کون کہہ سکتا تھا کہ میں موسیو ولاموں کے نام وہ ذلیل خط لکھوں گی . . . ؟"

"میں سچ کہتا ہوں، مجھے تم سے ہمیشہ محبت رہی ہے، اور میں نے تمہارے سوا کبھی کسی سے

محبت نہیں کی۔"

"کیا واقعی سچ کہہ رہے ہو؟" مادام درینال چیخ اٹھی۔ اب کے وہ مسحور ہو کے رہ گئی تھی۔ ژولیاں اُس کے قدموں کے پاس بیٹھا تھا، وہ اُس پہ جھک گئی، اور دونوں بڑی دیر تک چپ چاپ روتے رہے۔

ایسا لمحہ ژولیاں کی زندگی میں کبھی نہیں آیا تھا۔

بہت دیر بعد جب انہیں بولنے کا یارا ہوا تو مادام درینال کہنے لگی ــــ "اور یہ نوجوان مادام متشلے؟ بلکہ مادموازیل دلاموَل کہنا چاہیئے، کیونکہ مجھے اس عجیب و غریب کہانی پر یقین آچلا ہے!"

"ظاہر کی حد تک تو درست ہے۔" ژولیاں نے کہا۔ "وہ میری بیوی تو ضرور رہے لیکن محبوبہ نہیں۔"

اب دونوں میں باتیں ہونے لگیں۔ وہ ایک دوسرے کی بات بار بار کاٹ رہے تھے۔ بہرحال کسی نہ کسی طرح انھوں نے اپنی اپنی کہانی سنائی۔ مارکوئس دلاموَل کے نام جو خط گیا تھا وہ اُس نوجوان پادری نے لکھا تھا جس کے پاس مادام درینال اعتراف کے لئے جایا کرتی تھی، اور پھر اُس نے نقل کر کے بھیج دیا تھا۔ وہ کہنے لگی ــــ "مذہب نے بھی مجھ سے کیسا خوفناک جرم کرایا ہے! بلکہ خط میں جو جملے زیادہ سخت تھے وہ تو میں نے بدل دیے تھے . . . ."

ژولیاں کی خوشی اور سرمستی سے مادام درینال کو پتا چلا کہ اس نے مجھے دل سے معاف کر دیا ہے۔ وہ اپنی محبت میں ایسا پاگل کبھی نہ ہوا تھا۔

اس گفتگو کے دوران میں مادام درینال اُس سے بولی ــــ "لیکن میں اب بھی

اپنے آپ کو دیندار سمجھتی ہوں۔ میں پورے خلوص کے ساتھ خدا پر ایمان رکھتی ہوں۔ اسی طرح مجھے یقین ہے، بلکہ اس کا تو مجھے ثبوت بھی مل گیا ہے کہ میں ایک گناہِ کبیرہ کی مرتکب ہو رہی ہوں۔ اس کے باوجود اور حالانکہ تم دو دفعہ میرے اوپر گولی چلا چکے ہو، لیکن تمہیں دیکھتے ہی . . . .» اتنے میں اس کی مدافعت کے باوجود ژدلیاں نے بوسوں کی بوچھار شروع کر دی۔

«ذرا ہٹو۔» وہ بولی۔ «مجھے تم سے ایک بحث کرنی ہے۔ کہیں بھول نہ جاؤں . . . . تمہیں دیکھتے ہی مجھے اپنا فرض یاد ہی نہیں رہتا۔ میں تو سرتاپا محبّت بن کے رہ جاتی ہوں بلکہ اس لفظِ محبت سے بھی مطلب ٹھیک ادا نہیں ہوتا۔ تمہارے لئے میں وہ کچھ محسوس کرتی ہوں جو صرف خدا کے لئے محسوس کرنا چاہیئے۔ یعنی اس میں ادب، محبّت، اطاعت سب کچھ شامل ہے . . . . . میں بیان نہیں کر سکتی کہ تمہیں دیکھ کے میری کیا حالت ہوتی ہے۔ اگر تم مجھے جیلر کے پیٹ میں چاقو بھونکنے کا حکم دو تو میں اس بات پر غور کرنے سے پہلے ہی یہ حرکت کر گزروں گی۔ میرے جانے کا وقت آگیا۔ مجھے سیدھے سادے لفظوں میں بتا دو۔ سہی کہ یہ بات کیا ہے۔ میں اپنے دل کی حالت سمجھنا چاہتی ہوں۔ کیونکہ دو مہینے بعد تو ہم جدا ہو جائیں گے . . . لیکن کیا واقعی جدا ہونا لازمی ہے؟» وہ مسکرا کے بولی۔

«میں اپنا وعدہ واپس لیتا ہوں۔» ژدلیاں چیخ کے بولا، اور ایک دم سے کھڑا ہو گیا «اگر تم، زہر، چاقو، پستول، کوئلے یا کسی اور ذریعے سے اپنی جان لینا یا اپنی جان خطرے میں ڈالنا چاہ رہی ہو تو میں سزائے موت کے خلاف اپیل نہیں کروں گا۔»

مادام درینال کے چہرے کا انداز ایک دم سے بدل گیا۔ پہلے تو وہ مبہوت سی

بیٹھی تھی، اب اُس کے چہرے سے محبت ٹپکنے لگی۔

آخر وہ بولی —— "اگر ہم فوراً کے فوراً مر جائیں تو؟"

"خدا جانے دُوسری دُنیا میں کیا گزرے؟" ژولیاں نے کہا، "ممکن ہے ہمارے اُوپر عذاب ہو، ممکن ہے کچھ بھی نہ ہو۔ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم مرنے سے دو مہینے ساتھ ساتھ گزاریں؟ دو مہینے! یہ تو کافی دن ہُوئے۔ اتنی خوشی تو مجھے عمر بھر میں کبھی نہ ملی ہو گی۔"

"اتنی خوشی کبھی نہ ملی ہو گی؟"

"کبھی نہیں۔" ژولیاں نے سرمست ہو کے جواب دیا، "میں تم سے وہی کہہ رہا ہوں جو میرے دل میں ہے۔ اگر مبالغے سے کام لیا ہو تو مجھ پہ خدا کی مار ہو۔"

"جیسا تمہارا حکم ہو۔" وہ کچھ افسردہ اور بجھی بجھی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"اچھا، اب اپنی محبت کی قسم کھاؤ کہ اپنی جان لینے کی کوشش کسی طریقے سے بھی نہ کرو گی۔ . . . . ایک بات یاد رکھو۔ تمہیں میرے بیٹے کی خاطر زندہ رہنا ہے۔ ماتیلد تو مارکوئیس وکروازنوا کی بیوی بنتے ہی اُسے نوکروں پہ چھوڑ دے گی۔

"ہاں میں قسم کھاتی ہوں۔" وہ سرد مہری سے بولی۔ "لیکن تم اپنی اپیل اپنے ہاتھ سے لکھ کے اُس پر دستخط کر دو۔ میں خود اُسے سرکاری وکیل کے پاس لے جاؤں گی۔"

"دیکھو، کیا کر رہی ہو؟ اس میں تمہاری بدنامی ہو گی۔"

"میں تم سے کُھلم کُھلا قید خانے میں ملنے آئی ہوں۔ اب تو میں بیسانسوں بلکہ پُورے صُوبے میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے داستان گوئی کا موضوع بن گئی۔" اُس کی شکل سے رنج و غم ٹپک رہا تھا۔ "میں تو ایک ایسی عورت ہوں جس کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ لگ

چکا۔ یہ ٹھیک ہے کہ یہ سب تمہاری خاطر ہوا۔۔۔۔۔"

اُس کا لہجہ اتنا غمناک تھا کہ ژوُلیاں نے اُسے گلے لگا لیا۔ اُسے ایک ایسی عجیب سی خوشی محسوس ہو رہی تھی جو اُس کے لئے بالکل نئی تھی۔ یہ محبت کی سرمستی نہ تھی، بلکہ انتہائی احسان مندی کا جذبہ۔ اُسے اب جا کے پہلی دفعہ احساس ہوا تھا کہ اس عورت نے میرے لئے کیسی کیسی قربانیاں کی ہیں۔

غالباً کسی خباثت آدمی نے موسیو دریناآل کو جا بتایا تھا کہ تمہاری بیوی روز ژوُلیاں سے ملنے قید خانے جاتی ہے اور راتیں اتنی اتنی دیر بیٹھتی ہے۔ کیونکہ تین دن بعد موسیو دریناآل نے بیوی کے لئے گاڑی بھیجی اور نادری حکم صادر کیا کہ فوراً دیریئر واپس آؤ۔

یہ جدائی بہت بُراشگون تھی۔ ژوُلیاں کا دن اِس طرح شروع ہوا۔ دو تین گھنٹے بعد کسی نے اُسے اطلاع دی کہ ایک سازشی قسم کا پادری جو ان حرکتوں کے باوجود بساں سوں کے جیسوئٹ لوگوں میں رسوخ حاصل نہ کر سکا تھا، صبح سے قید خانے کے دروازے کے باہر سڑک پہ کھڑا ہے۔ بارش بہت زور کی ہو رہی تھی۔ اور یہ شخص باہر کھڑا اپنے آپ کو شہید ثابت کرنے پر تُلا ہوا تھا۔ ژوُلیاں کو پہلے ہی غصہ آ رہا تھا۔ یہ حماقت دیکھ کے تو وہ جھنک گیا۔

صبح ژوُلیاں اس پادری سے ملنے سے انکار کر چکا تھا، لیکن اُس نے تو ٹھان لی تھی کہ ژوُلیاں کا اعتراف سُن کے رہوں گا تاکہ اُس کی طرف سے طرح طرح کے قصے گھڑ کے سُناؤں اور بساں سوں کی نوجوان عورتوں میں میری شہرت ہو۔

وہ زور زور سے کہہ رہا تھا کہ میں دن رات یہیں قید خانے کے دروازے پہ کھڑا رہوں گا۔ "خدا نے مجھے اِسی لئے بھیجا ہے کہ اس مُنکر کے دل میں ایمان کی روشنی

پیدا کر دوں"۔ نچلے طبقے کے لوگوں کو تو ایسے کھیل تماشوں کا شوق ہوتا ہی ہے چنانچہ ٹھٹ کے ٹھٹ لگنے شروع ہو گئے۔

وہ لوگوں سے کہہ رہا تھا ——"ہاں میرے بھائیو، میں آج دن بھر یہیں رہوں گا اور رات کو بھی۔ بلکہ آج سے دن رات یہیں پڑا رہوں گا۔ مجھے الہام ہوا ہے خدا نے ایک کام میرے سپرد کیا ہے۔ مجھے سوریل کی روح کو جہنم کے عذابوں سے بچانا ہے۔ آؤ میرے ساتھ مل کے دعا مانگو" وغیرہ، وغیرہ۔

ژولیاں کو نصیحتے بازی اور ایسی چیزوں سے بڑی گھن آتی تھی جن سے لوگوں کی توجہ اس کی طرف منعطف ہو۔ اس نے یہ سوچا یہ موقع اچھا ہے، چپ چپاتے دنیا سے رخصت ہو جاؤں۔ لیکن مادام درینال کو دوبارہ دیکھنے کی تھوڑی سی امید باقی تھی، اور محبت نے اسے باؤلا بنا رکھا تھا۔

قید خانے کا دروازہ ایسی سڑک پر واقع تھا جہاں آمد و رفت بہت تھی۔ اسے یہ سوچ سوچ کر اذیت ہو رہی تھی کہ اس گندے سندے پادری نے مجمع لگا رکھا ہو گا اور میرا فضیحتہ کر رہا ہو گا۔ "مجھے یقین ہے کہ وہ ہر سانس کے ساتھ چیخ چیخ کے میرا نام لے رہا ہے!" یہ لمحہ موت سے بھی زیادہ جاں گداز ثابت ہوا۔

ایک پہرے دار کو اس سے بڑی عقیدت تھی۔ ژولیاں نے گھنٹے گھنٹے بھر بعد اسے دو تین دفعہ بلایا، اور یہ دیکھنے کے لئے باہر بھیجا کہ پادری ابھی تک دروازے پہ کھڑا ہے یا نہیں۔

پہرے دار نے ہر دفعہ یہی کہا ——"جی وہ تو کیچڑ میں گھٹنے ٹیکے کھڑا ہے، مناجاتیں پڑھ رہا ہے، اور آپ کی نجات کے لئے زور زور سے دعائیں مانگ رہا ہے۔" ژولیاں نے

دل میں کہا — "بدتمیز کہیں کا!" اتنے میں باہر سے ایک گھُوں گھوں کی آواز آئی۔ مجمع پادری کی دعاؤں پر آمین کہہ رہا تھا۔ یہ دیکھ کر ژودلیاں بالکل بے قابو ہوگیا کہ پہرے وارابھی ہونٹوں ہی ہونٹوں میں وہ لاطینی الفاظ بڑبڑا رہا ہے۔ پہر یدار بولا —

"اب تو لوگ کہہ رہے ہیں کہ آپ کا دل نہ معلوم کتنا سخت ہو گیا ہے جو ایسی متبرک ہستی کی مدد بھی قبول نہیں کرتے۔"

"ہائے میرے وطن! تیری بربریت ابھی تک نہ گئی!" ژودلیاں غصے میں دیوانہ ہو کے چیخ پڑا۔ اسے پہرے دار کی موجودگی کا بھی خیال نہ رہا، اور اپنے دل کی بات بلند آواز سے کہتا رہا۔

"یہ آدمی چاہتا ہے کہ اخبار میں ایک مضمون نکل جائے۔ اور اب اسے یہ بات واقعی حاصل ہو جائے گی۔

"یہ مردود قصباتی لوگ! پیرس میں مجھے یہ پریشانی نہ اٹھانی پڑتی۔ وہاں مکّاری میں بھی ایک سلیقہ ہوتا ہے۔

"اچھا! اس متبرک ہستی کو اندر لے آؤ۔" آخر وہ پہرے دار سے بولا، اور پسینے کے موٹے موٹے قطرے اس کی پیشانی پر بہنے لگے۔ پہرے دار نے صلیب کا نشان بنایا اور خوش خوش باہر چلا گیا۔

یہ متبرک پادری بڑا ہی بدصورت نکلا، اور اوپر سے کیچڑ میں لت پت۔ باہر ٹھنڈی ٹھنڈی بارش ہو رہی تھی، اس کی وجہ سے کوٹھری میں پہلے سے بھی زیادہ سیلن اور اندھیرا ہو گیا تھا۔ پادری نے ژودلیاں سے بغل گیر ہونا چاہا، اور جب بولنا شروع کیا تو اس کی آواز بھرا گئی اس کی ہر بات سے انتہائی مکروہ قسم کی ریاکاری ٹپکتی تھی۔ ژودلیاں کو اتنا غصہ عمر بھر نہیں آیا تھا۔

پادری کے اندر آنے کے پندرہ منٹ بعد ژولیاں نے دیکھا کہ میں تو بالکل بزدل بن کے رہ گیا۔ موت پہلی بار اُسے اتنی خوفناک معلوم ہوئی۔ اُسے خیال آنے لگا کہ مرنے کے دو دن بعد میری لاش کیسی سڑ جائے گی۔ وغیرہ، وغیرہ۔

اُسے ڈر لگا کہ بس اب کسی نہ کسی بات سے میری بزدلی ظاہر ہو جائے گی، یا پھر میں پادری پر ٹوٹ پڑوں گا اور اپنی زنجیر سے اس کا گلا گھونٹ دوں گا۔ اتنے میں اُسے ایک نئی بات سوجھی، اور اُس نے پادری کو چالیس فرانک دے کر التجا کی کہ آج ہی گرجا میں میرے لیے دعا کرائیے۔

چونکہ دوپہر کا وقت آچکا تھا، اِس لئے پادری بھاگ گیا ؛

چوالیسواں باب

موت کے سائے میں

اُس کے جانے ہی ژولیاں موت کے خیال سے پھُوٹ پھُوٹ کے خوب رو دیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ دل میں بولا کہ اگر مادام دریناں بساسوں میں ہوتی تو میں اُس کے سامنے اپنی کمزوری کا اعتراف کر لیتا ۔ ۔ ۔ ۔

جس وقت اُسے اپنی محبوبہ کے یہاں نہ ہونے پر سب سے زیادہ افسوس ہو رہا تھا اُسی وقت ماتیلد کے قدموں کی آواز آئی۔

وہ دل میں بولا ــــــــ "قید خانے کی سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ آدمی اپنا دروازہ بند نہیں رکھ سکتا۔" ماتیلد نے جو بات بھی کی اُسے بُری لگی۔

ماتیلد نے بتایا کہ پیشی والے دن ناظم کے عہدے پر تقرری کا پروانہ موسیو دوال نو کی جیب میں تھا، چنانچہ اُس نے نہایت اطمینان کے ساتھ موسیو دفری کبیر کی حکم عدولی کی، اور ژولیاں کو موت کی سزا دینے کا مزا لوٹا۔

"موسیو دفری لیپئر نے ابھی ابھی مجھ سے کہا ہے کہ تمہارے دوست کو یہ کیا سوجھی کہ بیٹھے بٹھائے دولت مند متوسط طبقے پر حملہ کر دیا اور اُن لوگوں کے گھٹیا پندار کو جگا دیا؟ آخر طبقاتی اختلاف کے ذکر کی ضرورت ہی کیا تھی؟ ان حضرت نے لوگوں کو اُلٹا یہ بتا دیا کہ اپنے سیاسی مفاد کی خاطر انہیں کیا کرنا چاہیئے۔ ان احمقوں کو تو اس بات کا خیال تک نہ آیا تھا۔ وہ تو رونے والے ہو رہے تھے۔ انہیں تو ایک آدمی کو موت کی سزا دیتے ہوئے ڈر لگ رہا تھا۔ لیکن اپنے طبقے کے مفاد کا سوال سامنے آیا تو سب کچھ بھول گئے۔ تمہیں ماننا پڑے گا کہ موسیو سوریل نے بڑی ناتجربہ کاری دکھائی۔ اگر ہم رحم کی اپیل کرنے کے بعد بھی اُن کی جان نہ بچا سکے تو اُن کی موت در اصل ایک طرح کی خودکشی ہوگی۔۔۔۔"

ماتیلد نے ژولیاں کو وہ بات نہیں بتائی جس کا ابھی تک اُسے خود بھی شبہ نہ ہوا تھا یعنی پادری دفری لیپئر نے دیکھا کہ ژولیاں تو اب ختم ہوا لہٰذا اُس نے سوچا کہ اگر میں اس کا جانشین بن جاؤں تو مجھے اپنے حوصلے پورے کرنے میں بڑی مدد ملے گی۔

ژولیاں کو غصّہ تو بہت آ رہا تھا مگر بچارہ بے بس تھا۔ جھنجلاہٹ کے مارے اُس کی حالت دیوانوں کی سی ہو رہی تھی۔ وہ ماتیلد سے بولا "آج گرجا میں میرے لئے دُعا مانگی جا رہی ہے۔ جاؤ جا کے سنو، اور مجھے اطمینان کا سانس لینے دو۔"

ماتیلد کو مادام ورینال کے آنے جانے پر پہلے ہی جلن ہو رہی تھی۔ پھر ابھی ابھی پتا چلا تھا کہ وہ یہاں سے روانہ ہو گئی۔ ژولیاں کے چڑچڑے پن کا سبب اُس کی سمجھ میں آگیا اور وہ رونے لگی۔

اُس کا رنج حقیقی تھا۔ ژولیاں نے یہ بات دیکھ لی اور وہ پہلے سے بھی زیادہ چڑ گیا۔ اُسے تنہائی کی سخت ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ لیکن تنہائی ملے کیسے؟

ماتیلد نے ہر ممکن کوشش کر دیکھی کہ اس کا دل کسی طرح پگھلے اور آخر اُسے اکیلا چھوڑ کے چل دی۔ لیکن اتنے میں فوکے آگیا۔

ژولیاں اپنے وفا شعار دوست سے بولا ـــ "میں تنہائی چاہتا ہوں۔"

پھر اُسے ہچکچاتے دیکھا تو کہا ـــ "میں رحم کی اپیل کرنے والا ہوں۔ وہی درخواست لکھ رہا ہوں . . . . بہر حال . . . . میرے اوپر ایک نوازش کرو۔ میرے سامنے موت کا ذکر کبھی نہ آنے پائے۔ اگر اُس دن مجھے کسی خاص چیز کی ضرورت پڑی تو میں خود تم سے کہہ دوں گا۔"

ژولیاں کو آخر تنہائی میسر آئی تو دیکھا کہ میں تو پہلے سے بھی زیادہ آشفتہ حال ہوں اور ہمت بالکل ہی جواب دے گئی۔ اس کا دل کمزور پڑ چکا تھا۔ جو رہی سہی طاقت تھی وہ مادموازیل دلامول اور فوکے سے اپنا حال چھپانے میں صرف ہو گئی۔

شام کے قریب ایک ذرا تسلی بخش خیال ذہن میں آیا ـــ

"آج صبح جس وقت مجھے موت کے خیال سے ڈر لگ رہا تھا۔ اگر مجھے

موت کے لئے تیار ہو جانے کا حکم ملتا تو لوگوں کو سامنے کھڑے دیکھ کر میرا جی چاہتا کہ کوئی ایسی بات کروں جس سے میرا نام یادگار رہے۔ شاید میری چال میں تھوڑا سا بھاری پن ہوتا جیسے کوئی آدمی رنگیلا بننا چاہتا ہو۔ لیکن دیوان خانے کے اندر جانے کی ہمت نہ پڑ رہی ہو۔ اگر ان قصباتی لوگوں میں دو چار سمجھ بوجھ رکھنے والے آدمی ہیں تو شاید میری کمزوری تاڑ جائیں۔ ... لیکن یہ بات کوئی دیکھ نہیں سکتا تھا۔"

اور اُسے یوں لگا جیسے غم کا بوجھ کچھ ہلکا ہو گیا ہو۔ وہ گنگناتے ہوئے بولا ـــ "میں اس وقت بزدل تو ضرور ہو گیا ہوں لیکن اس کا پتا کسی کو نہیں چل سکے گا۔"

ابھی تو اگلے دن اُسے ایک اور بھی زیادہ ناخوشگوار واقعہ پیش آنے والا تھا۔ بہت دن سے اُس کا باپ اُس کے پاس آنے کی دھمکی دے رہا تھا۔ اُس دن صبح کو ژولیاں کی آنکھ بھی نہ کھلی تھی کہ سفید بالوں والا بڈھا بڑھئی آ دھمکا۔

ژولیاں بڑی نقاہت محسوس کر رہا تھا۔ اسے ڈر تھا کہ بڈھا مجھے بری طرح ڈپٹے گا۔ مرے پہ سو دُرّے، آج صبح اُسے یہ افسوس ہو رہا تھا کہ مجھے اپنے باپ سے محبت کیوں نہیں۔

جب پہرے دار کوٹھڑی کی صفائی کر رہا تھا تو ژولیاں دل میں بولا ـــ "قسمت نے ہمیں دنیا میں یک جا کر دیا ہے اور جہاں تک بھی ہو سکا ہم نے ایک دوسرے کو نقصان ہی پہنچایا ہے۔ اب یہ حضرت میرے مرنے کے

وقت اپنا آخری وار کرنے آئے ہیں"۔

تخلیہ ہوتے ہی بڈھے نے لعنت ملامت شروع کر دی۔

ژولیاں اپنے آنسو نہ روک سکا۔ وہ جل بھن کے کوئلہ ہو گیا، اور دل میں بولا ـــ

"ایسی کمزوری میرے شایانِ شان نہیں! اب یہ جا کے لوگوں سے کہتے پھریں گے کہ ژولیاں کی ہمت جواب دے گئی، اور ایک کی چار چار بنائیں گے۔ والنو اور وہ سارے احمق اور ریاکار لوگ جن کا ویریئر میں راج ہے یہ بات سن کے کتنے خوش ہوں گے! فرانس میں ان لوگوں کی بن آئی ہے۔ انہیں ہر قسم کے سماجی امتیازات حاصل ہیں۔ اب تک میں کم از کم دل میں یہ تو کہہ سکتا تھا کہ ان کے پاس پیسہ ہے، ہر طرح کی عزت نصیب ہے۔ یہ سب ٹھیک ہے لیکن میں نے ایک شریف دل پایا ہے"۔

"مگر اب ایک ایسا گواہ موجود ہے جس کا سب کو یقین آجائے گا۔ جو ایک کی چار چار بنا کے سارے شہر سے کہتا پھرے گا کہ موت سامنے آئی تو یہ کمزور پڑ گیا! یہ بات سب سمجھتے ہیں کہ موت کتنی بڑی آزمائش ہے۔ لوگ کہیں گے کہ آزمائش کا وقت آیا تو یہ بزدل نکل گیا!"

ژولیاں بالکل مایوس ہو چلا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ باپ سے کیسے پیچھا چھڑاؤں۔ کچھ اس طرح بنا کہ یہ چالاک بڈھا دھوکے میں آجائے اس وقت اس کی طاقت سے باہر تھا۔

اس نے بڈھے سے خلاصی پانے کے ہر ممکن طریقے پہ جلدی جلدی غور کیا۔

پھر ایک دم سے چلّا کے بولا ۔۔۔

"میں نے کچھ روپیہ جمع کر رکھا ہے!"

یہ بات اُسے واقعی کمال کی سوجھی تھی۔ بڈھے کے چہرے کا انداز فوراً ہی بدل گیا، اور ژولیاں کی حیثیت بھی۔

"اس روپیہ کا کیا کروں؟" اب وہ اور سکون کے ساتھ بولا۔ اُس کے الفاظ کا جو اثر ہوا تھا اُس سے کمتری کا احساس کافور ہو گیا۔

معلوم ہوتا تھا کہ ژولیاں اس میں سے تھوڑا سا روپیہ اپنے بھائیوں کو دینا چاہتا ہے۔ بڈھے بڑھئی کا دل مچلنے لگا کہ اس میں سے ایک پیسہ بھی ہاتھ سے نہ جانے پائے۔ اس نے ایک لمبی چوڑی اور گرما گرم تقریر پلا دی۔ ژولیاں نے اُس کے ساتھ اچھا مذاق کیا تھا۔

"خدا نے میرے دل میں یہ بات ڈال دی ہے کہ وصیت کیا چھوڑ کے مروں۔ میں اپنے ہر بھائی کو ایک ایک ہزار فرانک دوں گا اور باقی روپیہ آپ کو۔"

"بالکل ٹھیک ہے۔" بڈھا بولا۔ "باقی روپیہ تو میرا حق ہے ہی۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے تمہارا دل نرم کر دیا۔ لیکن اگر تم ایک اچھے عیسائی کی طرح مرنا چاہتے ہو تو پہلے اپنا قرض تو ادا کرو۔ تم یہ تو بھول ہی گئے کہ میں نے تمہارے کھانے پینے اور پڑھائی لکھائی پر کتنا روپیہ خرچ کیا ہے...."

ژولیاں آخر اکیلا رہ گیا تو بڑی نا اُمیدی کے ساتھ بار بار دل میں کہنے لگا ۔۔۔

"تو یہ ہے باپ کی محبت"!

اتنے میں جیلر آ دھمکا

"جناب، خاندان کے لوگوں سے ملاقات کے بعد میں اپنے مہمانوں کو ہمیشہ شراب کی ایک بوتل دیا کرتا ہوں۔ یہ شراب بڑی نفیس ہے؛ لیکن ذرا مہنگی ہے، یعنی چھ فرانک فی بوتل۔ مگر اسے پی کے دل خوش ہو جاتا ہے۔"

"اچھا، تین گلاس لے آؤ۔" ژولیاں نے بچوں کی طرح بے تاب ہو کر کہا۔ "باہر برآمدے میں دو قیدی ٹہل رہے ہیں۔ انہیں بھی اندر بھیج دو۔"

جیلر دو قیدیوں کو اندر لے آیا۔ انہوں نے ایک ہی جرم دو دفعہ کیا تھا اور اب انہیں قید بامشقت کی سزا ملنے والی تھی۔ یہ دونوں بدمعاش بڑے زندہ دل تھے اور دلیری، چالاکی، اور سنگدلی میں ان کا جواب نہ تھا۔

اُن میں سے ایک آدمی ژولیاں سے بولا — "اگر آپ مجھے بیس فرانک دیں تو میں آپ کو اپنی پوری آپ بیتی سُناؤں۔ بالکل تھیٹر کا سا مزا آئے گا۔"

"لیکن تم تو جھوٹی سچی باتیں سناؤ گے؟" ژولیاں نے کہا۔

"ذرا بھی نہیں۔" بدمعاش بولا۔ "مجھے بیس فرانک ملے ہیں تو میرے ساتھی کو جلن ہو رہی ہے۔ اگر میں نے سچ نہ بولا تو میرا بھانڈا پھوڑ دے گا۔"

اُس کی آپ بیتی بڑی مکروہ قسم کی تھی۔ یہ ایک ایسے دل کی کہانی تھی جس میں ہمّت تو بہت تھی لیکن اگر کوئی جذبہ باقی بچا تھا تو بس روپیہ کی محبت۔

اُن کے جانے کے بعد ژولیاں بالکل دوسرا آدمی بن گیا۔ اُسے اپنے اُوپر جتنا غصّہ آرہا تھا وہ سب کافور ہو گیا۔ مادام درینال کی رخصت کے بعد ایک تو اُس پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا۔ اُوپر سے ہمّت جواب دے گئی۔ لیکن اب یہ سارے احساسات افسردگی میں تبدیل ہو گئے۔

وہ دل میں بولا۔ " اگر میں اس بُری طرح ظواہر کے فریب میں نہ آگیا ہوتا تو مجھے پتا چل جاتا کہ پیرس کے دیوان خانوں میں رہنے والے یا تو میرے باپ کی طرح ایماندار ہیں، یا پھر ان قیدیوں کی طرح عیّار اور بدمعاش۔ یہ لوگ واقعی ٹھیک کہتے ہیں۔ صبح کو دیوان خانے والوں کی آنکھ اس دردانگیز خیال کے ساتھ نہیں کھلتی کہ آج روٹی کیسے ملے گی؟ اور اوپر سے اپنی دیانت داری کی ڈینگیں مارتے ہیں! اور جب جیوری میں بُلائے جاتے ہیں تو بڑے فخر کے ساتھ اُس آدمی کو سزا دیتے ہیں جس نے چاندی کا چمچہ صرف اس لئے چُرایا کہ وہ بھوک سے مر رہا تھا!

" لیکن اگر دربار میں رسائی کا معاملہ ہو یا وزارت پانے یا کھونے کا سوال ہو تو یہ دیوان خانوں والے ایماندار لوگ بھی بالکل وہی جرائم کرتے ہیں جو ان دو قیدیوں نے روٹی نہ ملنے کی وجہ سے کیئے۔ . . .

فطری قانون کوئی چیز نہیں۔ یہ تو بس ایک احمقانہ فقرہ ہے جو
مدت سے یوں ہی چلا آ رہا ہے۔ یہ تو اس سرکاری وکیل کے شایانِ شان ہے
جس نے اس دن مجھے تختۂ مشق بنایا اور جس کے آباؤ اجداد اس طرح امیر
ہوئے کہ کوئی جوہار دنبہ نے دوسروں کی جائداد ضبط کر کے انہیں دے دی۔ دنیا
میں کوئی قانون نہیں۔ البتہ بعض دفعہ یہ قاعدہ بنا دیا جاتا ہے کہ اگر کسی نے
فلاں حرکت کی تو سزا ملے گی۔ یہ قاعدہ بننے سے پہلے اگر کوئی چیز فطری
ہے تو شیر کی قوت، یا اس شخص کی ضرورت جو بھوکا یا سردی سے مر
رہا ہو۔ مختصر یہ کہ احتیاج۔ نہیں، جن لوگوں کی دنیا میں عزت ہوتی
ہے وہ بس بدمعاش قسم کے لوگ ہیں جنہیں خوش قسمتی سے موقع پر پکڑا
نہیں جا سکا۔ سماج نے جس آدمی کو شکاری دے کر مجھ پر الزام لگوایا ہے
وہ بڑے ذلیل طریقے سے مالدار بنا ہے۔ میں ایک نازیبا حملے کا
مرتکب ہوا ہوں اور واقعی سزا کا مستحق ہوں۔ لیکن وال تو جس نے مجھے
موت کی سزا دی، قتل کا مجرم تو نہیں، مگر سماج کے لئے مجھ سے بھی زیادہ
زیادہ خطرناک ہے۔

"بہرحال میرا باپ اپنے لالچی پن کے باوجود ایسے لوگوں سے کہیں بہتر
ہے۔" ژولیاں غمگین تو تھا مگر اب اسے غصہ نہیں آ رہا تھا۔ "اسے مجھ سے
کبھی محبت نہیں رہی۔ اب میں ایسے شرمناک طریقے سے مر رہا ہوں۔ اس کی کتنی
بے عزتی ہو گی، اور اس کا پیمانۂ صبر بالکل لبریز ہو جائے گا۔ لالچ کیا ہے؟ روپیہ
نہ ہونے کا ڈر، انسان کی بدنہادی کا مبالغہ آمیز تصور۔ یہی وجہ ہے کہ میں جو

تین چار سو اشرفیاں اُس کے نام چھوڑ کے مروں گا تو اُسے یہ بات بڑی ہی تسلّی بخش اور ہمّت افزا معلوم ہو رہی ہے۔ اتوار کے دن تیسرے پہر کے وقت وہ اپنا روپیہ وبر تیر کے حاسد پڑوسیوں کو دکھایا کرے گا۔ اُس کی نظریں اُن لوگوں سے کہا کریں گی کہ اگر بیٹے کی موت کی سزا ملنے کا یہی نتیجہ ہوتا ہے تو تم میں سے کون ایسا ہے جو اپنے بیٹے کو مرتے دیکھ کے خوش نہ ہو"؟ یہ فلسفہ شاید درست ہو، لیکن تھا کچھ اس قسم کا کہ آدمی موت کی دعا مانگنے لگے۔ غرض پانچ طول طویل دن اسی طرح گزر گئے۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ جلن کے مارے ماتیلد کا بُرا حال ہے۔ چنانچہ وہ اس سے نہایت نرمی اور اخلاق سے پیش آتا تھا۔ ایک دن شام کے وقت ژولیاں نے واقعی سنجیدگی کے ساتھ سوچا کہ خودکشی کر لوں۔ مادام دریناؔل کے چلے جانے سے وہ بڑا کبیدہ خاطر رہنے لگا تھا اور اب اپنی جان سے عاری آچکا تھا۔ کوئی حقیقی چیز ہو یا تخیلی۔ اب اُسے کسی بات میں مزا نہ آتا تھا۔ مدّت سے ورزش کا تو موقع ملا ہی نہ تھا۔ اُس کی صحت جواب دینے لگی، اور اس کا مزاج نوجوان جرمن طالب علموں کی طرح کمزور اور ہیجان پسند ہو گیا۔ اب اُس میں وہ مردانہ غرور کم ہوتا جا رہا تھا جو دُکھ درد میں ستانے والے ذلیل خیالات کو ایک موٹی سی گالی دے کے بھگا دیتا ہے۔

"مجھے ہمیشہ صداقت سے محبّت رہی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن صداقت ہے کہاں ؟ ۔ ۔ ۔ ۔ ہر جگہ ریاکاری، ہر جگہ مکّاری۔ پرہیزگار سے پرہیزگار آدمیوں میں بھی، بڑے سے بڑے آدمیوں میں بھی۔" نفرت اور بیزاری کی وجہ سے

اُس کے ہونٹ سکڑ گئے۔ "نہیں، ایک انسان دوسرے انسان پر اعتبار نہیں کر سکتا۔

"مادام د۔۔۔ یتیموں کے لئے چندہ اکٹھا کر رہی تھی تو مجھ سے بولی کہ فلاں شہزادے نے ابھی ابھی دس اشرفیاں دی ہیں۔ بالکل جھوٹ۔ لیکن میں بک کیا رہا ہوں؟ سینٹ ہیلنا میں نپولین ہی کو دیکھ لو!۔۔۔ خالص جعل سازی اور مکاری۔ روم کے بادشاہ کے حق میں ایک اعلان شائع کر مارا۔

"خدایا! اگر اُس جیسا آدمی، اور خصوصاً ایسے وقت کہ جب تکلیفیں اٹھانے کے بعد فرض کا احساس اور بھی شدید ہو جانا چاہئے تھا، مکاری پہ آتر آئے تو پھر بھلا اوروں سے کیا توقع کی جا سکتی ہے؟

"صداقت کہاں ہے؟ مذہب میں۔۔۔ ہاں"۔ اس نے انتہائی حقارت اور تلخی کے ساتھ مسکراتے ہوئے کہا۔ "ماسلوں، فری کیر، کاسانیدا جیسے لوگوں کی زبان پر۔۔۔ شاید سچائی عیسائیت میں مل سکے؟ یعنی جب مسیح کے حواریوں کی طرح پادری بھی تنخواہ نہ پاتے ہوں۔ لیکن سینٹ پال کو بھی تو تنخواہ ملتی تھی۔ روپیہ کی شکل میں نہ سہی، کسی اور شکل میں۔ اُنہیں لوگوں پر حکم چلانے، وعظ کہنے اور دوسروں سے اپنا ذکر سننے کا لطف تو حاصل تھا۔۔۔۔

"کاش کوئی سچا مذہب ہوتا۔۔۔ میں بھی کتنا احمق ہوں! کوئی پُرانا گاتھک گرجا اور شیشے کی قدیم کھڑکیاں دیکھتا ہوں تو خیال ہوتا ہے کہ پادری بھی ایسا ہی متبرک آدمی ہوگا۔۔۔ دل میں کہتا ہوں کہ میری روح اس پادری کی عظمت کو سمجھ لے گی، میری روح کو اس پادری کی ضرورت ہے۔ لیکن اُسے جا کے

دیکھتا ہوں تو وہی دُنیا والوں کی طرح بالکا بینے کا شوق، اوپر سے میلے کچیلے
بال . . . یہ پادری شوالیئے لوو وازی سے کسی طرح بھی تو مختلف نہیں تھا
لیکن اگر کوئی ماسی آیں اور فینے لوں کی طرح سچا پادری ہو . . .
ماسی یوں نے روتوا جیسے آدمی کو برکت دی۔ سیں سیموں نے اپنی ترک ہر
فینے لوں کی تلعی کھول دی ہے۔ لیکن بہرحال ضرورت ایک سچے پادری
کی ہے . . . پھر تو اس دُنیا میں نرم دل لوگوں کو بھی ایک ملجا و ماوی مل
جائے . . . ہم لوگ اس طرح بے یار و مددگار نہ رہیں . . . یہ نیک پادری
ہمیں خدا کی باتیں بتائے گا۔ لیکن کون سے خدا کی؟ انجیل والے خدا کی نہیں۔
وہ تو ظالم و جابر ہے، وہ تو خون انتقام کا پیاسا ہے . . . بلکہ والتیر والے
خدا کی جو منصف، رحم دل اور لامحدود ہے . . .''

ٹمیل اسے حفظ تھی۔ اس کتاب کی عبارتیں اُسے پریشان کرنے لگیں۔
''ہمارے پادریوں نے خُدا کے نام کو بڑی بری طرح استعمال کیا ہے
یہ باتیں سیکھنے کے بعد، نصرِ صاحب تین تین خداؤں کو ملا کے ایک خُدا
بنایا گیا ہو، ہم اس عظیم نام پر کس طرح ایمان لا سکتے ہیں؟
''اکیلے رہنا! . . . یہ کتنی بڑی اذیت ہے! . . .
''میں کچھ احمق اور نا منصف مزاج ہوتا جا رہا ہوں'' ڈزولیاں نے سر
پیٹ کے کہا۔ میں اس کوٹھری میں تو ضرور اکیلا ہوں لیکن ویسے دُنیا میں
کبھی اکیلا نہیں رہا۔ فرض کا احساس مجھ پر ہمیشہ غالب رہا۔ غلط یا صحیح، میں
نے اپنے لئے ایک فریضہ مقرر کر لیا تھا اور یہ فریضہ ایک تنومند درخت کی طرح

تھا جس کا سہارا میں نے طوفان کے وقت لیا۔ میرے قدم ڈگمگا گئے۔ مجھے بہت جھٹکے لگے۔ آخر میں انسان ہی تو تھا ... لیکن میں اپنی جگہ سے نہیں ہلا۔

"یہ اس کوٹھری کی سیلی سیلی ہوا کی وجہ ہے جو میں اپنے آپ کو اکیلا سمجھنے لگا.....

"میں ریاکاری پر تو لعنت بھیج رہا ہوں، پھر خود ریاکاری کیوں برتوں۔ مجھے نہ تو موت کا ڈر کچلے ڈال رہا ہے، نہ یہ کوٹھری، نہ سیلی سیلی ہوا، اصل بات یہ ہے کہ میں مادام دربیال سے بچھڑ گیا ہوں۔ اگر میں ویئٹیرن ہوتا اور اس سے ملنے کے لئے مجھے ہفتوں اُس کے مکان کے تہہ خانے میں چھپا رہنا پڑتا تو کیا میں اسی طرح شکایت کرتا؟

"اپنے زمانے والوں کا اثر مجھ پر بُری طرح حاوی ہے۔" اس نے ایک تلخ سا قہقہہ لگا کے بآوازِ بلند کہا۔ " اکیلے بیٹھا اپنے آپ سے باتیں کر رہا ہوں، موت سر پہ کھڑی ہے اور پھر بھی ریاکاری سے کام لے رہا ہوں ... ہائے ری اُنیسویں صدی!

"جنگل میں شکاری بندوق چلاتا ہے، شکار گر پڑتا ہے، وہ اُسے اُٹھانے کے لئے لپکتا ہے۔ اس کا جُوتا چینٹیوں کے ایک دو فٹ اونچے گھر سے ٹکراتا ہے۔ گھر ٹوٹ جاتا ہے، چینٹے اور اُن کے انڈے نیچے اِدھر اُدھر بکھر جاتے ہیں ... فلسفی سے فلسفی چینٹا بھی حشر تک یہ بات نہیں سمجھ سکتا کہ یہ لمبی چوڑی سیاہ اور خوفناک چیز (یعنی شکاری کا جُوتا)

کیا بلا ہے جو اتنی تیزی سے اُن کے گھر پہ آ کے گری، اور اس سے پہلے اتنا بھیانک شور ہُوا اور ساتھ ساتھ ایک سُرخ شعلہ چمکا.....

"چنانچہ موت، زندگی، ابدیّت، ان سب کا بھی یہی حال ہے۔ اگر کسی کے حواس خمسہ اتنے زبردست ہوں کہ ان کا احاطہ کر سکیں تو اُس کے لئے یہ چیزیں بالکل سیدھی سادی ہیں.....

"گرمیوں کے لمبے چوڑے دنوں میں ایک بے بنیاد مکھّی صبح کے نَو بجے پیدا ہوتی ہے اور شام کے پانچ بجے مر جاتی ہے۔ بھلا یہ بچاری "رات" کا لفظ کیا سمجھ سکتی ہے؟

"اس مکھّی کو پانچ گھنٹے کی زندگی اور دے دیجئے۔ وہ رات کو دیکھ بھی لے گی اور اسے سمجھ بھی جائے گی۔

"یہی حال میرا ہے۔ میں تئیس سال کی عمر میں مر رہا ہوں۔ مجھے بھی زندگی کے پانچ سال اور دے دیجئے تاکہ میں مادام درینال کے ساتھ رہ سکوں"۔

یہاں اُس نے ایک ابلیسانہ قہقہہ لگایا۔ "ان بڑے بڑے مسائل پر بحث کرنا بھی کیسی حماقت ہے!

"پہلی چیز تو یہ ہے کہ اگر کوٹھری میں کوئی بیٹھا میری باتیں سُن رہا ہوتا تو میں اُس وقت بھی ریاکار ہوتا، اور اتنا ہی ریاکار اس وقت بھی ہوں۔

"دوسری چیز یہ کہ میری زندگی کے دو چار دن باقی رہ گئے ہیں لیکن میں زندہ رہنا اور محبت کرنا تو بھول ہی گیا۔ --- افسوس! مادام درینال یہاں نہیں۔ شاید اُس کا شوہر اُسے دوبارہ بساں سوں نہیں آنے دے گا۔

کیونکہ یہاں آنے میں اُس کی اور رسوائی ہوگی۔

" اسی وجہ سے میں اپنے آپ کو اتنا اکیلا اکیلا محسوس کر رہا ہوں۔ یہ بات نہیں کہ مجھے وہ خدا نہیں ملتا جو منصف مزاج ، رحم دل اور قادرِ مطلق ہو۔ جس میں شقاوت نہ ہو ، جو انتقام کا پیاسا نہ ہو . . . .

" کاش کہ ایسا خدا موجود ہوتا ! . . . . ہائے ، میں تو اس کے قدموں پہ گر پڑتا۔ میں اُس سے کہتا کہ ہاں ، میری سزا موت ہے۔ لیکن اے بزرگ برتر خدا ، اے رحم دل خدا ، اے غفار خُدا ، مجھے وہ ہستی واپس دے دے جس سے مجھے محبّت ہے !"

رات کافی سے زیادہ گزر چکی تھی۔ ژولیاں میٹھی نیند سو گیا۔ گھنٹے دو گھنٹے بعد ہی فوکے نے آ جگایا۔

اس وقت ژولیاں اپنے اندر بڑی ہمّت اور عزم محسوس کر رہا تھا۔ جیسے وہ آدمی جسے معرفتِ نفس حاصل ہو گئی ہو۔

پینتالیسواں باب

ختم شُد

وہ نوکے سے بولا ـــ "میں آخری وقت پادری شاس بُرنار کو نہیں بلاؤں گا۔ یہ تو اُس کے ساتھ بڑا ظلم ہوگا۔ بچارے سے تین دن تک کا کھانا بھی نہیں کھایا جائے گا۔ مجھے تو کوئی ژاں سینسنٹ فرقے کا پادری لا دو، جو موسیو پی رآر کا دوست ہو اور کسی سازش میں نہ پڑے"۔

نوکے بڑی بے چینی سے اسی بات کا انتظار کر رہا تھا۔ قصبات میں رائے عامہ جن باتوں کی متقاضی ہے، ژولیاں نے وہ مطالبے نہایت خوبی سے پورے کئے تھے۔ حالانکہ اس نے اعتراف کے لئے پادری کا انتخاب تو غلط کیا تھا لیکن اس کے باوجود موسیو دفری لیبر کی بدولت اُسے اپنی کوٹھری میں جمیز ونسٹ لوگوں کی حمایت حاصل تھی۔ اگر اُس میں تھوڑا سا جذبۂ عمل اور ہوتا تو وہ بڑی آسانی سے فرار ہو سکتا تھا۔ لیکن کوٹھری کی ہوا کا اثر بہت بُرا پڑ رہا تھا اور اس کی ذہنی طاقت کم ہوتی جا رہی تھی۔ چنانچہ مادام درینال کی واپسی پر اُسے اور

بھی زیادہ خوشی ہوئی۔

وہ اسے گلے لگا کے بولی۔ "میرے اوپر سب سے پہلے تمہارا حق ہے میں ویر تیر سے بھاگ آئی ہوں۔"

جہاں تک مادام دربنال کا تعلق تھا، ژولیاں ذرا بھی بیدار سے کام نہیں لیتا تھا۔ اُس نے اپنی کم ہمتی کا پورا قصہ سُنا دیا۔ وہ ژولیاں سے نہایت مہربانی کے ساتھ پیش آئی اور بڑی پیاری پیاری باتیں کیں۔

اُس روز شام کو قید خانے سے واپس آتے ہی مادام دربنال نے اُس پادری کو اپنی خالہ کے یہاں بلوایا جو ژولیاں سے اس طرح چپکا ہوا تھا جیسے شکاری اپنے شکار سے۔ پادری تو بس اتنی بات چاہتا تھا کہ بساں سوں کی دولت مند اور نوجوان عورتوں میں میرا شہرہ ہو جائے۔ چنانچہ مادام دربنال نے اُسے بڑی آسانی سے بری لاا و کی زیارت گاہ میں چیرٹھا دا پیہ ٹھانے بھیج دیا۔

اب تو ژولیاں اپنی محبت میں بالکل دیوانہ ہو گیا۔

دینداری اور دولت مندی میں مادام دربنال کی خالہ کا نام مشہور تھا اُس نے اپنی خالہ کی شہرت سے غلط اور صحیح دونوں قسم کا فائدہ اٹھایا پھر روپیہ دھڑلے سے خرچ کیا۔ غرض اُسے ژولیاں سے دن میں دو دفعہ ملاقات کرنے کی اجازت مل گئی۔

ماتیلد کو یہ خبر ملی تو جلن کے مارے اُس کی حالت پاگلوں کی سی ہو گئی۔ موسیو دفری کلیئر نے اُسے یقین دلایا تھا کہ میرا اثر رسوخ تو واقعی

بہت ہے لیکن میں دُنیاوی رسوم کی اتنی خلاف ورزی نہیں کرسکتا کہ تمہیں اپنے دوست سے دن میں ایک دفعہ سے زیادہ ملنے کی اجازت دے دوں۔ ماتیلد نے مادام دریناال کے پیچھے ایک آدمی لگا دیا تاکہ اس کی ذرا ذراسی حرکات وسکنات کی اطلاع ملتی رہے۔ موسیو دفری لیبر چالاک آدمی تو تھا ہی۔ اُس نے ماتیلد کو یہ بات ثابت کر دکھانے میں اپنا پورا زور صرف کر دیا کہ ژولیاں تمہارے لائق نہیں۔

اس روحانی اذیّت کے باوجود وہ ژولیاں سے اور بھی زیادہ محبت کرنے لگی۔ وہ روز اس کی کوٹھری میں جاکے ایک نیا جھگڑا کھڑا کرتی۔

ژولیاں کی وجہ سے یہ بچاری لڑکی بہت بدنام ہوئی تھی۔ لہٰذا وہ چاہتا تھا کہ آخری دم تک اس کے ساتھ شریفوں کا سا برتاؤ کروں۔ لیکن وہ تو مادام دریناال کی محبت میں بالکل بے قابو ہو رہا تھا اور اپنی اس دیوانگی کے ہاتھوں ہر دفعہ بے بس ہو کے رہ جاتا تھا۔ وہ ماتیلد کو یہ سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا کہ تمہاری رقیب سے میری ملاقاتیں بالکل معصومانہ قسم کی ہوتی ہیں لیکن بعض دفعہ اس کی دلیلیں کمزور ہوتیں اور ماتیلد کو یقین نہ آتا تو وہ دل میں کہتا "اب تو سارا قصّہ ختم ہونے کو ہے۔ اگر میں اس سے اور زیادہ اخلاق کے ساتھ پیش نہیں آسکتا تو میرے پاس ایک عذر موجود ہے۔"

مادموازیل دلامول کو خبر ملی کہ موسیو کرواز نوا مر گیا۔ بات یہ ہوئی کہ اُس قارون کی دولت کے مالک موسیو دتالے نے ماتیلد کے اس طرح اچانک غائب ہو جانے کے متعلق دو چار نازیبا فقرے کہہ دیے۔ موسیو

دکروآزلوا نے اُس سے جا کر کہا کہ اپنے الفاظ واپس لو۔ موسیو دتالے نے اُسے کچھ گمنام خط دکھائے جو اُس کے پاس آئے تھے۔ ان خطوں میں بعض تفصیلات کو آپس میں اس طرح جوڑا گیا تھا کہ بچارے مارکوئس کو حقیقت تسلیم کرتے ہی بنی۔

اب موسیو دتالے نے کھلم کھلا فقرے بازی شروع کر دی۔ غم اور غصے کے مارے موسیو دکروآزلوا پاگل ہو گیا۔ اس نے اتنے زبردست تاوان کا مطالبہ کیا کہ لکھ پتی نے ڈوئیل ہی کو ترجیح دی۔ آخر حماقت کی فتح ہوئی اور وہ شخص جو اس لائق تھا کہ عورتیں اُس پر جان چھڑکیں، چوبیس سال کی عمر میں اللہ کو پیارا ہُوا۔

ژولیاں کا دل ایک تو ویسے ہی کمزور پڑ چکا۔ دکروآزلوا کی موت کا اس پر نہایت عجیب اور بڑا غیر صحت مندانہ اثر ہُوا۔

وہ ماتیلد سے بولا ــــ "ہمارے ساتھ بچارے دکروآزلوا کا رویّہ نہایت معقول اور شریفانہ رہا ہے۔ تم نے اپنی والدہ کے دیوان خانے میں جو ناعاقبت اندیشانہ حرکتیں کی ہیں اُن کے بعد اُسے پورا حق تھا کہ مجھ سے نفرت کرے اور لڑ پڑے۔ کیونکہ حقارت جب نفرت بن جاتی ہے تو عام طور سے بڑی خوفناک ثابت ہوتی ہے۔"

موسیو دکروآزلوا کی موت کے بعد ماتیلد کے مستقبل کے بارے میں ژولیاں کے سارے خیالات بالکل بدل گئے۔ وہ کئی دن تک اُسے یہی سمجھاتا رہا کہ تمہیں موسیو دلوز سے شادی کر لینی چاہیئے۔ وہ کہنے لگا ــــ "موسیو

وہ تو شرمیلا آدمی ہے۔ وہ مکار تو ہے مگر اتنا زیادہ نہیں۔ پھر وہ بڑا آدمی بھی بننا چاہتا ہے۔ وہ اپنی جاہ طلبی میں بجائے دکروآزنوا سے زیادہ سنجیدہ اور ثابت قدم ہے۔ اس کے خاندان میں کوئی ڈیوک نہیں ہوا۔ لہٰذا وہ ژولیاں سوریل کی بیوہ سے شادی کرنے میں ذرا ہچر مچر نہیں کرے گا۔"

ماتیلد نے بے رخی سے جواب دیا۔ "اور بیوہ بھی کیسی، جو پیار محبت سے نفرت کرنے لگی ہے۔ کیونکہ اسے اپنی عمر میں ایک بڑا تلخ تجربہ ہوا ہے۔ وہ دیکھ چکی ہے کہ میرا عاشق چھ مہینے کے اندر ایک دوسری عورت کا ہو گیا اور عورت بھی وہ جو سارے فساد کی جڑ ہے۔"

"تم بڑی بے انصافی سے کام لے رہی ہو۔ میری اپیل کے لئے پیرس سے ایک بیرسٹر آیا ہے۔ مادام دریناال کے آنے جانے سے ایک فائدہ یہ ہوگا کہ بیرسٹر کو بڑے اثرانگیز قسم کے فقرے مل جائیں گے۔ وہ عدالت میں کہے گا۔ کہ دیکھئے، قاتل نے جس عورت پر حملہ کیا تھا وہ اس کی کیسی خاطر مدارات اور کیسی عزت کرتی ہے۔ ان باتوں کا بڑا اثر ہوگا۔ شاید تم ایک دن دیکھو گی کہ میری کہانی کا ناٹک کھیلا جا رہا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

ماتیلد دل ہی دل میں کھول رہی تھی، لیکن اپنا انتقام بھی نہ لے سکتی تھی۔ اسے یوں دکھ سہتے عرصہ ہو گیا تھا اور امید کی ذرا سی کرن بھی نظر نہ آتی تھی کیونکہ بفرضِ محال ژولیاں کی جان بچ بھی جائے تو بھی وہ اس کا دل اپنی طرف کس طرح پھیر سکتی تھی؟ اس بے وفا عاشق سے وہ اور بھی زیادہ محبت کرنے لگی تھی۔ اس پر اسے شرم بھی آ رہی تھی اور رنج بھی ہو رہا تھا۔ غرض ان سب

باتوں کی وجہ سے مادموازیل دلامول کو ایسی چپ لگی کہ اس کے ہونٹ بند سے
میٹھی رہتی۔ اس حالت میں بھی وہ مسیو دفری لیئر کی خاطر مدارات سے آمادہ ہو
نہ فوکے کی بے ڈھنگی صاف گوئی سے۔

رہا ژولیاں تو جوں ہی ماتیلڈ کی نذر ہو جاتے وہ انھیں چھوڑ کے باقی
سارا وقت محبت میں گزارتا اور مستقبل کا خیال تک نہ آتا۔ یہ عشق اپنی
انتہا کو پہنچ گئی تھی۔ اور اس میں تصنع کا شائبہ تک نہ تھا۔ اس کا ایک عجیب
اثر یہ ہوا کہ مادام دریناں بھی اس کے بے فکرے پن اور اس کی شادمانی
میں شریک ہو گئیں۔

ژولیاں اس سے کہتا "جس زمانے میں ہم ورژی کے جنگلوں
میں ٹہلا کرتے تھے مجھے کتنی کچھ خوشی حاصل ہو سکتی تھی۔ لیکن جاہ طلبی اور
طرح طرح کی آرزوئیں میری روح کو نہ جانے کن خیالی سرزمینوں میں بھٹکا
لے جاتی تھیں۔ تمہارا یہ حسین بازو میرے ہونٹوں سے کس قدر نزدیک
ہوتا تھا۔ لیکن اسے کلیجے سے لگانے کے بجائے میں مستقبل کی فکر میں پڑ کے
تم سے بہت دور جا پہنچتا تھا۔ میں تو اس ادھیڑ بن میں پڑا رہتا تھا کہ ایک
بہت بڑا آدمی بننے کے لئے مجھے نہ معلوم کتنی لڑائیاں لڑنی پڑیں گی
اگر تم اس قید خانے میں مجھ سے ملنے نہ آئی ہوتیں تو میں یونہی مر جاتا اور مجھے
پتا بھی نہ چلتا کہ خوشی کیا چیز ہوتی ہے۔"

اس امن چین کی زندگی میں دو واقعات سے خلل پڑا۔ ژولیاں نے اعتراف
کے لئے جس پادری کو چنا تھا وہ ژاں سینسنت فرنفے کا تو ضرور تھا، مگر

جیزوئٹ لوگوں کی سازش سے محفوظ نہ رہ سکا، اور بے جانے بوجھے ان کا آلۂ کار بن گیا۔

ایک دن وہ آ کے ژولیاں سے بولا کہ اگر تم خودکشی کے گناہِ کبیرہ سے بچنا چاہتے ہو تو جس طرح بھی ہو سکے اپنی نجات کا بندوبست کر لو۔ پیرس کی وزارتِ عدل میں پادریوں کا بڑا رسوخ تھا۔ چنانچہ ایک آسان سا طریقہ بھی مل گیا۔ یعنی ژولیاں سے کہا گیا کہ تم علی الاعلان ایمان لے آؤ...

"علیٰ الاعلان!" ژولیاں نے کہا "پادری صاحب، میں نے آپ کو پکڑ لیا! آپ بھی مبلغوں والا ناٹک کھیل رہے ہیں...."

ژاں سینسنت پادری بڑی سنجیدگی سے بولا "تمہاری اٹھتی جوانی ہے۔ خدا نے چاند سی صورت دی ہے۔ کوئی یہ بھی نہیں سمجھ سکا کہ آخر تم نے یہ جرم کیا کیوں، مادموازیل دلاَمول تمہارے لئے اتنی دوڑ دھوپ کر رہی ہیں۔ پھر یہ عجیب بات ہے کہ جس عورت پہ تم نے قاتلانہ حملہ کیا اُسی کو تم سے اتنا پیار ہے، غرض ان سب باتوں نے مل ملا کے تمہیں لیاں رَوں کی نوجوان عورتوں کا ہیرو بنا دیا ہے۔ تمہارے سوا وہ ہر چیز بھول گئی ہیں یہاں تک کہ سیاست بھی....

"تمہارے ایمان لانے سے اُن کے دل میں بھی حرارت پیدا ہوگی، اور اُن پر بڑا گہرا اثر پڑے گا۔ اس طرح تم دین کی بڑی زبردست خدمت انجام دے سکتے ہو۔ تم کہو گے کہ یہ تو وہ بات ہوئی جو ایسے حالات میں جیزوئٹ لوگ کرتے۔ لیکن کیا میں یہ مہمل اعتراض سُن کے رُک جاؤں گا! یہ تو بالکل

اتفاق کی بات ہے کہ اُن لیڈروں کو اس چیز کا خیال ہی نہیں آیا۔ ورنہ بھلا وہ ہمیں نقصان پہنچانے سے باز رہنے والے تھے! خیر اب ایسی فضول باتوں کا ذکر ہی نہ کرو۔ . . . تمہارے ایمان لانے سے عورتیں اتنے آنسو بہائیں گی کہ اُس بے دین والتیر کی کتابوں کے دس ایڈیشنوں سے جتنا زہر پھیلا ہے وہ سب دور ہو جائے گا۔"

ژوئیاں نے سرد مہری سے جواب دیا۔" اگر میں خود اپنی نظروں میں ذلیل ہو گیا تو میرے پاس کیا باقی بچے گا؟ میں جاہ طلبی کے چکر میں تو ضرور رہا ہوں لیکن اب میں اُس بات پر اپنے آپ کو لعنت ملامت بھی کرنا نہیں چاہتا۔ اُس زمانے میں تو میں جو کچھ کرتا تھا مصلحتِ وقت کے لحاظ سے کرتا تھا۔ لیکن اب تو میں اپنی زندگی کے دن گن رہا ہوں۔ ایک عام بات میں یہ کہتا ہوں کہ اگر میں نے بزدلی دکھائی اور کسی ترغیب کا شکار ہو گیا تو بعد مجھے بڑا دکھ ہو گا۔ . . ."

دوسرا واقعہ جس کا اثر ژوئیاں کے دل پر کہیں زیادہ گہرا ہوا، مادام دریناک کی طرف سے پیش آیا۔ کسی چالاک سہیلی نے اس سیدھی سادی شرمیلی عورت کو یہ پٹی پڑھائی کہ تمہارا فرض ہے بادشاہ کے محل میں جاکے اس کے قدموں پر گر پڑو۔

کوئی اور وقت ہوتا تو اُسے لوگوں کے سامنے تماشا بننے کی بہ نسبت مر جانا قبول ہوتا، لیکن اُسے ایک یہ کتنی بڑی قربانی کرنی پڑ رہی تھی کہ ژوئیاں سے جُدا ہو جب یہ مصیبت گوارا کرلی تو پھر اب کس بات سے ڈرتی!

میں بادشاہ کے پاس جا کے بڑے فخر سے اقرار کروں گی کہ تم میرے عاشق ہو۔ ایک آدمی خصوصاً ژولیاں جیسے آدمی کی جان کا سوال ہو تو کسی بات کا لحاظ نہیں کرنا چاہیئے۔ میں کہوں گی کہ تم نے رقابت کی وجہ سے میری جان لینی چاہی۔ ایسی بیسیوں مثالیں موجود ہیں کہ اس قسم کے حالات میں مجبوری یا بادشاہ کی رحمدلی کی بدولت ایک بیچارے نوجوان کی جان بچ گئی ......"

"میں تمہاری شکل تک نہ دیکھوں گا۔ اپنی کوٹھری کے اندر قدم نہیں رکھنے دوں گا" ژولیاں چیخ کے بولا۔ "یقین مانو میں اگلے ہی دن اپنی جان سے بیزار ہو کے خودکشی کر لوں گا۔ ورنہ تم قسم کھاؤ کہ تم کوئی ایسی بات نہیں کرو گی جس سے ہم دونوں کا تماشا بنے۔ یہ پیرس جانے کا خیال تمہیں خود نہیں آیا مجھے اُس سازشی عورت کا نام بتاؤ جس نے یہ بات تمہیں سجھائی۔ ۔ "

"اب میری زندگی کے دو چار ہی دن تو باقی رہ گئے ہیں، آؤ انہیں ہنسی خوشی گزار لیں۔ دُنیا والوں کو یہ تک پتا نہ چلے کہ ہم کس طرح رہے ہیں۔ میرا جُرم بالکل عیاں ہے۔ پیرس میں مادموازیل دلا مول کا بڑا رسوخ ہے یقین رکھو۔ انسان سے جتنا بھی ممکن ہے وہ کر رہی ہے۔ یہاں قصبات میں جتنے بھی دولت مند اور شریف انسان ہیں سب میرے خلاف ہیں۔ یہ دولت مند اور اعتدال پسند لوگ جن کے لئے زندگی آسان سی چیز ہے۔ تمہاری اس حرکت سے اور چڑ جائیں گے۔ ۔ ۔ ہمیں ماس لوں اور وال لو جیسے لوگوں اور ان سے بہتر قسم کے ہزاروں آدمیوں کو اپنے اوپر ہنسنے کا موقع نہیں دینا چاہیئے۔"

کوٹھری کی گندی ہوا ژدلیاں کے لیے ناقابلِ برداشت ہو چکی تھی۔ جس دن اُسے بتایا گیا کہ آج تمہیں مرنا ہے اُس روز خوش قسمتی سے دھوپ نے فضا کو نکھار دیا تھا۔ اور خود اُس کی ہمت بھی بلند تھی۔ کھُلی ہوا میں چلنے سے ژدلیاں کو وہی مزا آیا جو مدتوں سمندر میں رہنے کے بعد جہازی کو زمین پر چلنے سے آتا ہے۔ وہ دل میں بولا — "چلو معاملہ ٹھیک ہے۔ مجھ میں ہمت کی ذرا کمی نہیں"۔

ژدلیاں کو اتنی شاعری کبھی نہیں سوجھی تھی جتنی سر کٹنے سے پہلے سوجھ رہی تھی۔ ورژی کے جنگلوں میں جو بیش قیمت لمحے گذارے تھے وہ ایک ایک کر کے اُسے یاد آرہے تھے اور اس طرح جیسے کوئی تصویر دیکھ رہا ہو۔

ساری باتیں نہایت سنجیدگی اور سلیقے کے ساتھ انجام پا گئیں اور اس نے ذرا بھی تصنع سے کام نہ لیا۔

دو روز پہلے اس نے فوکے سے کہا تھا — "میں اپنے جذبات کا تو ذمہ نہیں لیتا۔ اس گندی اور سیلی ہوئی کوٹھری میں رہتے رہتے مجھے بعض وقت بخار سا چڑھ آتا ہے، اور میں بالکل بدل جاتا ہوں۔ لیکن خوف کا تو میرے دل میں نشان تک نہیں۔ مرتے وقت میرے چہرے پر زردی نظر نہیں آئے گی"۔

اس نے پہلے ہی سے انتظام کر لیا تھا کہ جب آخری دن آئے تو فوکے صبح ہی صبح ماتیلد اور مادام دریناں کو لے کے چل دے۔

اس نے فوکے سے کہہ دیا تھا — "دونوں کو ایک ہی گاڑی میں لے جانا۔ کوچوان کو ہدایت کر دینا کہ گھوڑوں کی چال ہلکی نہ پڑنے پائے۔ یا تو وہ

ایک دوسرے سے بغل گیر ہو جائیں گی، یا پھر ایک دوسرے پر برس پڑیں گی۔ بہر حال دونوں صورتوں میں ان بچاری عورتوں کو اپنے غم و اندوہ سے تھوڑی سی نجات ملے گی۔"

ژولیاں نے مادام دریناال سے قسم لے لی تھی کہ میں ماتیلد کے بچے کی نگہداشت کے لئے زندہ رہوں گی۔

ایک دن اس نے فوکے سے کہا تھا۔ "کسے معلوم ہے، شاید مرنے کے بعد بھی ہمارے احساسات باقی رہتے ہوں۔ میرا تو یہ جی چاہتا ہے کہ وریریر کے سامنے والے پہاڑ کی اس چھوٹی سی کھوہ میں آرام کروں۔ واقعی میں آرام کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے تمہیں سنایا ہے کہ رات کو میں اکثر اس کھوہ میں جا بیٹھتا تھا دور دور تک فرانس کے زرخیز حصے میری نظر کے سامنے ہوتے تو میرا دل بڑا آدمی بننے کی آرزو میں سلگنے لگتا۔ اُن دنوں مجھے یہی دھن سوار تھی۔ ... بہر حال وہ غار مجھے بہت عزیز ہے اور اس سے تو کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ یہ ایک ایسے مقام پر واقع ہے کہ فلسفی مزاج آدمی دیکھے تو تڑپ اُٹھے ... اچھا، خیر! دیکھو، یہ بساں سوں کے جیزوئٹ لوگ ذرا ذرا سی چیز سے پیسے بنانے کی فکر میں رہتے ہیں۔ تم نے ترکیب سے کام لیا تو یہ لوگ میری لاش تمہارے ہاتھ بیچ دیں گے ...."

فوکے نے یہ خوفناک سودا چکا لیا۔ وہ رات کو اپنے کمرے میں اپنے دوست کی لاش کے پاس اکیلا بیٹھا تھا کہ ماتیلد کو اچانک اندر آتے دیکھ کے اچھل پڑا۔ ابھی چند گھنٹے ہوئے وہ بساں سوں سے بیس پچیس میل کے فاصلے پر

چھوڑ کے آیا تھا۔ ماتیلدا کی آنکھوں سے دیوانگی ٹپک رہی تھی۔

وہ بولی —"میں اُسے دیکھنا چاہتی ہوں"

فوکے میں اتنی ہمت بھی نہ رہی تھی کہ جواب دے یا اٹھ کھڑا ہو۔ اس نے بس انگلی سے فرش پر پڑے ہوئے ایک بڑے سے نیلے لبادے کی طرف اشارہ کر دیا۔ ژولیاں کی لاش اسی میں لپٹی ہوئی تھی۔

وہ گھٹنوں کے بل جھک گئی۔ بونی فاس دلاَمول اور ناوار کی ملکہ مارگریت کی یاد نے اُس کے دل میں ایک ایسی ہمت پیدا کر دی تھی جو انسانوں میں نہیں ہوتی۔ اُس نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے لبادہ ہٹایا۔ فوکے نے منہ پھیر لیا۔

اُس نے ماتیلدا کے جلدی جلدی اِدھر سے اُدھر چلنے کی آواز سنی۔ وہ بہت سی موم بتیاں جلا رہی تھی۔ آخر فوکے نے جی کڑا کر کے ماتیلدا کی طرف دیکھا تو اس وقت تک اُس نے ژولیاں کا سر ایک سنگِ مرمر کی چھوٹی سی میز پر رکھ لیا تھا اور پیشانی کو بوسہ دے رہی تھی . . . .

ماتیلدا اپنے عاشق کے جنازے کے ساتھ ساتھ اُس جگہ تک گئی جو اس نے اپنی قبر کے لئے انتخاب کی تھی۔ بہت سے پادری بھی ہمراہ تھے۔ لیکن یہ بات کسی کو معلوم نہ تھی کہ ماتیلدا ایک بند گاڑی میں اکیلی گھٹنوں پر اپنے محبوب کا سر لئے بیٹھی ہے۔

آدھی رات کے وقت یہ لوگ ژیورا کی ایک اونچی چوٹی پر پہنچے۔ اُس غار میں اَن گنت موم بتیاں روشن تھیں۔ کوئی بیس پادریوں نے مل کر ژولیاں کے جنازے کی نماز پڑھی۔ جنازہ جن جن پہاڑی گاؤں سے گزرا وہاں کے

سارے باشندے اس عجیب و غریب رسم کی کشش سے ساتھ کھنچے چلے آئے تھے۔

ماتیلد لمبا چوڑا ماتمی لباس پہنے ان دیہاتیوں کے درمیان آکھڑی ہوئی، اور نماز ختم ہونے کے بعد پانچ پانچ فرانک کے کئی ہزار سکّوں کی بکھیر کرائی۔

جب وہ اور نوکے تنہا رہ گئے تو اس نے بصد اصرار خود اپنے ہاتھ سے اپنے عاشق کا سر زمین میں دفن کیا۔ نوکے غم کے مارے دیوانہ ہوتے ہوتے بچا۔

ماتیلد کے حکم سے اس جنگلی غار کے اُوپر سنگِ مرمر کے بیش قیمت مجسّمے اٹلی سے منگوا کے لگائے گئے۔

مادام دِرینال نے اپنا وعدہ نبھایا۔ اس نے اپنے ہاتھ سے اپنی جان لینے کی ذرا بھی کوشش نہیں کی۔ بلکہ ژولیاں کی موت کے تین دن بعد بچّوں کو گلے لگاتے ہوئے دم توڑ دیا۔

قارئین کے نام

آج کل رائے عامہ کی حکومت ہے۔ اس سے لوگوں کو آزادی تو ضرور ملی ہے۔ مگر ایک بڑا نقص یہ ہے کہ رائے عامہ ان چیزوں میں بھی مداخلت کرتی ہے جن سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو، مثلاً شخصی زندگی۔ اسی لئے امریکہ اور انگلستان کے لوگ اتنے افسردہ دل ہیں۔ شخصی زندگی سے دُور دُور رہنے کی خاطر مصنّف نے ایک چھوٹا سا شہر ویرٹیر ایجاد کرلیا ہے اور جہاں کہیں کسی اُسقف، یا جیوری یا عدالت کی ضرورت پڑی وہاں بساں سوں کا نام استعمال کیا ہے۔ مصنّف نے یہ شہر کبھی نہیں دیکھا۔

زندہ کتابیں

۱- خانۂ کعبہ	محمد طاہر الکردی	(تاریخ)	1.75
۲- محمد رسول اللہ	توفیق الحکیم	(سوانح)	5.00
۳- بوڑھا اور سمندر	ہیمنگوے	(ناول)	1.50
۴- جینے کا قرینہ	آندرے موروا	(نفسیات)	3.00
۵- کرنیں	شفیق الرحمان	(افسانے)	2.25
۶- شگوفے	”	(افسانے)	2.25
۷- کامیابی کا راستہ	یوس ٹیس چیسر	(نفسیات)	2.25
۸- زندگی کا راستہ	”	(نفسیات)	3.00
۹- مادام بوواری	گستاو فلوبیر	(ناول)	4.00
۱۰- بڈھا گوریو	بالزاک	(ناول)	3.50
۱۱- آداب زندگی	اقبال سلطان	(نفسیات)	2.00
۱۲- شبنم	عزیز احمد	(ناول)	3.00
۱۳- گریز	”	(ناول)	3.00
۱۴- سرخ و سیاہ	ستاں دال	(ناول)	7.00
۱۵- اپنا راستہ خود بناؤ	فائق کامران	(نفسیات)	2.25
۱۶- کیا آپ کاروبار کرتے ہیں	اعجاز حسین	(کاروبار)	2.75
۱۷- پچھتاوے	شفیق الرحمن	(افسانے)	2.25
۱۸- مد و جزر	”	(افسانے)	1.75
۱۹- ۱۹۶۰ کے بہترین افسانے	حلقہ ارباب ذوق	(افسانے)	زیر طبع
۲۰- ۱۹۶۰ کی بہترین شاعری	”	(شاعری)	”
۲۱- ۱۹۶۰ کے بہترین مضامین	”	(مضامین)	”
۲۲- کچھ تو کہیے	”	(بحثیں)	”
۲۳- گرد و پیش	شفیع عقیل	(مزاح)	”
۲۴- اقتصادی ترقی	گالبریتھ	(اقتصادیات)	”

☆

زندہ لوگوں کے لیے زندہ کتابیں

شائع کرنے والا ادارہ

مکتبۂ جدید ، لاہور

دین پریس لمیٹڈ ، لاہور